نظام الملک طوسی

یعنی الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر کبیر ابو علی حسن بن علی بن اسحاق طوسی

المخاطب بہ

خواجہ بزرگ تاج الحضرتین، قوام الدین، نظام الملک، اتابک، رضی امیر المومنین کی

مفصّل سوانح عمری

پہلا اور دوسرا حصہ مکمل

مؤلفہ

مولوی محمد عبدالرزّاق صاحب کانپوری مصنف البرامکہ

شائع کردہ

نفیس اکیڈمی

بلاسس اسٹریٹ، کراچی (پاکستان)

قیمت مجلّد بارہ ۱۲ روپے　　　قیمت مجلّد چرمی سولہ ۱۶ روپے

بار اوّل: ـــــ ۱۹۱۲ء ـــــ نامی پریس کانپور (ہندوستان)
بار دوم: ـــــ نومبر ۱۹۶۰ء ـــــ نفیس اکیڈمی، کراچی (پاکستان)

طباعت: ـــــ انٹرنیشنل پریس، کراچی

فہرست

صفحہ

صفحہ

خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق۔ مدرسہ اعظم
نظامیہ بغداد کی تعمیر۔ علوم و فنون کی اشاعت

ضمیمہ

عالمِ اسلام کا پہلا آئین ساز وزیرِ اعظم

خواجہ نظام الملک طوسی

از: محمد اقبال سلیم گاہندری

عباسیوں کے وزراء آل برمک کے بعد سب سے زیادہ جس وزیر نے حسنِ تدبیر، فکر رسا، اور ذہن بے مثال میں عالمگیر شہرت حاصل کی وہ نظام الملک طوسی تھا، یہ ادیب، ادب پرور، عالم، عالموں کا قدردان، عقل نکتہ پرور کا مالک اور فکر رسا کا حامل تھا، اس کا زمانہ باطنی فرقوں، خصوصاً نزاریوں کے مشہور داعی شیخ الجبال حسن بن صباح کی مساعی سے بڑا نازک زمانہ تھا، حسن بن صباح جس کی ساحرانہ قوت اور قلعہ الموت کی جنت ارضی ضرب المثل ہوگئی ہے۔ نظام الملک کا اسی ساحرِ الموت نے بالآخر خاتمہ بھی کرادیا۔ صرف نظام الملک پر کیا منحصر ہے۔ اس عہد کا ہر صاحب علم، صاحب تدبیر اور صاحب ایمان حسن بن صباح کے فدائیوں کے خوف سے کانپ رہا تھا، اور کئی درجن ایسے ارباب علم وفضل نے جن کی مقدس زندگیوں کا ہر ہر لمحہ اوروں کی پوری پوری حیات سے زیادہ قیمتی تھا۔ ان باطنیوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ حضرت نجم الدین کبریٰ جیسے سیکڑوں ہی بزرگوں کے چراغِ حیات کو ان ظالموں نے گل کردیا۔

یہی زمانہ ریاضی اور دیگر عقلی علوم کی پختگی کا تھا، امام غزالی جیسا فلسفی، عمر خیام جیسا بے مثال ریاضی داں اور امام الحرمین جوینی جیسا علامۂ زمان سب اسی زمانہ میں تھے، اور ان سب کے نظام الملک طوسی سے گہرے مراسم تھے۔ غرض یہ کہ آل برمک کے بعد نظام الملک سے زیادہ نامی وگرامی وزیر کوئی نہ ہوا۔

شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا عبدالرزاق صاحب کانپوری المتوفی ۱۳۰۷ھ البرامکہ جیسی عالمانہ اور مورخانہ کتاب اردو میں لکھنے کے بعد نظام الملک طوسی کی تصنیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ تحقیق وتدقیق، موہخانہ ثرف نگاہی، اور عالمانہ کارنامے کے طور پر یہ دونوں کتابیں اردو زبان کا قابلِ فخر سرمایہ ہیں اور رہتی دنیا تک قابل فخر سرمایہ ہی رہیں گی۔

مولانا عبدالرزاق صاحب کانپوری کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ایک مورخ کی حیثیت سے

ان کی شہرت اُردو داں طبقہ تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ دنیا بھر کے علمی حلقے ان کی تاریخ دانی کے معترف ہیں۔ مشہور و معروف مستشرق ڈیمبرے نے اپنی کتاب (ویسٹرن کلچر ان ایسٹرن لینڈ) میں لکھا ہے۔ کہ انگریزی حکومت کے عہد میں ہندوستان میں تین ایسے ادیب پیدا ہوئے ہیں۔ جنھوں نے مغرب کے علمی تحقیق کے طریقے کو بہترین انداز سے اپنایا ہے۔

یہ تین ادیب

سید امیر علی جسٹس۔ علامہ شبلی اور مولانا عبدالرزاق کانپوری ہیں۔

یہ رائے بالکل بے لاگ ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مولوی عبدالرزاق کانپوری نے علمی تحقیق کا نہایت بلند معیار قائم کیا۔

زیرِ نظر کتاب جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا تھا۔ آپ کے سامنے ہے۔ اور آپ بذاتِ خود اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ نظام الملک طوسی کے پایہ کی علمی کتابیں اُردو زبان میں ہی نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی بہت کم ہیں۔ مولانا موصوف نے اگرچہ ایک فرد کی سوانح عمری لکھی ہے۔ لیکن درحقیقت انھوں نے ایک مکمل عہد کو ازسرِنو زندہ کر دکھایا ہے۔ اور نظام الملک طوسی کے عہد کی تمام باکمال شخصیتوں کا تعارف کرایا ہے۔ ان مشاہیر میں علما بھی ہیں شعرا بھی، محدث بھی، فقیہ بھی، عمر خیام اور حسن بن صباح کے بارے میں تو تفصیل سے لکھا ہے۔ اور یہ تھا بھی ضروری، ایک تو اس لئے کہ اس عہد کی کوئی تاریخ یا تذکرہ ان کے ذکر کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسرے نظام الملک سے ان دونوں کا گہرا تعلق تھا۔ تینوں ہم مکتب تھے۔ اور زمانہ طالب علمی میں انھوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا تھا کہ تینوں میں سے جو بھی مستقبل میں صاحبِ جاہ و ثروت ہو، وہ باقی دو دوستوں کی مدد کرے۔

یہ واقعہ ان تینوں کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

عمر خیام سے جو رباعیات عام طور پر منسوب کی جاتی ہیں۔ ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ وہ محض ایک شاعر رند مشرب تھا۔ لیکن مولانا عبدالرزاق صاحب کانپوری نے پوری تحقیق سے ثابت کیا ہے۔ کہ کچھ شاعری ہی اس کے لئے ذریعہ عزت نہ تھی بلکہ وہ فلسفہ، منطق، ریاضی، تفسیر، علمِ قرأت اور علمِ نجوم وغیرہ میں بھی کمال رکھتا تھا۔ ریاضی داں تو وہ ایسا تھا کہ دنیائے اسلام پھر اس کا جواب پیدا نہ کر سکی۔ اسی طرح حسن بن صباح کے محققانہ حالات پہلی

دفعہ مولانا موصوف نے ہی پیش کئے ۔ الغرض زیرِ نظر کتاب معلومات کا ایک خزینہ ہے ۔ اور اس کے لئے ساری اردو دنیا مولف مرحوم کی ممنون ہے ۔

ہمیں فخر ہے کہ "نفیس اکیڈیمی" کی طرف سے یہ کتاب شائع کی جا رہی ہے ۔ موجودہ دور میں مسلمانوں اور خاص طور پر پاکستانی مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہونے کی سخت ضرورت ہے ۔ جب تک ہم اپنے ماضی سے پوری طرح واقف نہ ہوں گے اُس وقت تک نہ تو ہم اپنے حال کو روشن کر سکتے ہیں ۔ اور نہ ہی مستقبل کے خاکے میں رنگ آمیزی کے لائق ہو سکتے ہیں ۔

ہم عنقریب چند ایک ایسے تاریخی جواہر ریزے پیش کر رہے ہیں ۔ جن کی ہمیں جہاں آج ضرورت ہے ۔ وہاں کل کا مورخ بھی اس داستان پارینہ سے استفادہ کرے گا حقیقت تو یہ ہے کہ قوموں کی زندگی کا انحصار ہی ماضی پر ہے ۔ اور ماضی کی تاریخ کو محفوظ کرنا ایک اہم قومی خدمت ہے ۔

ہمیں اُمید ہے کہ ہماری یہ کتابیں اہلِ علم کے نزدیک انشاء اللہ حسنِ قبول حاصل کریں گی ۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زیادہ سے زیادہ علم و فن کی خدمت کا موقعہ عطا فرمائے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمینَ والصّلوٰۃ علیٰ سیّد المرسلین وعلیٰ الہٖ الطیّبینَ واصحابہٖ اجمعینَ

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا ۔۔۔ اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا
گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا ۔۔۔ بندے سے مگر ہوگا حق کیونکر ادا تیرا

اسلاف پرستی کا اثر اخلاف میں

اب سے بیس برس پہلے آنریبل سر سیّد احمد خاں صاحب بہادر مرحوم نے المامون (مصنفہ علامہ شبلی نعمانی) کے دیباچہ کو مندرجہ ذیل مقولہ سے شروع کیا تھا: "یہ نہایت سچا مقولہ ہے کہ وہ قوم نہایت بدنصیب ہے جو اپنے بزرگوں کے اُن کاموں کو، جو یاد رکھنے کے قابل ہیں بُھلا دے، یا اُن کو نہ جانے۔ بزرگوں کے قابل یادگار کاموں کو یاد رکھنا اچھا اور بُرا، دونوں طرح کا پھل دیتا ہے۔ اگر خود کچھ نہ ہوں اور نہ کچھ کریں اور صرف بزرگوں کے کاموں پر شیخی کیا کریں، تو استخوان جد فروش کے سوا کچھ نہیں۔ اور اگر اپنے میں بھی ویسا ہونے کا چسکا ہو پھر تو وہ امرت ہے۔"

مقولہ مذکورۂ بالا کی تائید میں ایک دوسرے بزرگ قوم کا یہ ارشاد ہے: "ہم مسلمانوں میں[۱] آج کل ایک نیا مرض شائع ہو گیا ہے، جس کو اسلاف پرستی کہتے ہیں اکثر انگریزی داں نوجوان ہمارے خصوصاً علی گڑھ کے طلبہ اس میں بکثرت مبتلا ہیں۔ اور اس مرض کی اشاعت کے بانی اوّل دو چار یوروپین مورخ ہیں مگر زیادہ تر بعض ہمارے ہی گروہ کے بزرگوار ۔۔۔۔ ان حضرات نے آفت برپا کر دی ہے۔ کوئی مسلمانوں کی علمی دولت کو شمار کرتا ہے، کوئی تمدنی خوبیاں گناتا ہے، کوئی

۱؎ رپورٹ ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس چہارم۔ مقام رام پور سنہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۴۷، ۴۸، ایڈریس نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی

ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں کی فہرست تیار کرتا ہے۔کوئی ہماری یونانی کتابوں کے ترجموں کا حساب دیتا ہے، کوئی اندلس کی حکومت کا زور دکھاتا ہے، کوئی ہارون اور مامون کی شان بیان کرتا ہے "

اس محسن قوم کے نزدیک یہ سب مسلمانوں کی بیماریاں ہیں، مگر جب ناصح مشفق دیکھتا ہے کہ قوم میں یہ مرض بڑھ رہا ہے، اور کسی کے روکے نہیں رُکتا ہے، تو خود ہی مہربان طبیب بن کر ازالہ امراض کے لئے یہ نسخہ تجویز کرتا ہے: "اس میں شک نہیں کہ اسلاف پرستی بہت عمدہ شیوہ ہے، مگر اُسی حد تک کہ ہم اپنے بزرگوں کی خدمات کی داد دیں، اور اُن کی عزت کریں، اور اصل طریقہ اُن کی بزرگیوں کی داد دینے، اور قدر کرنے کا یہ ہے کہ ہم اُن کے قدم پر قدم رکھیں اور اُن کی محنت، اُن کی یک رنگی، اُن کی نفس کشی کی تقلید کریں، اور اُن کا سا صبر و استقلال، اُن کا سا انہماک طلب علم میں پیدا کریں، اور جس فن کو اختیار کریں، اُس میں اُن کی سی نظر تحقیق حاصل کریں۔ نہ یہ کہ ہمارے بزرگوار جو کچھ اپنے وقت میں کر گئے ہیں، اُس پر غرّہ کریں اور مثل زن بیوہ کے اُن کے نام پر بیٹھی رہیں، اور اُن کی علمی بزرگیوں کا تذکرہ دوسروں سے سُن کر زمانہ حال کی دولت علمی کو حقیر سمجھیں۔ اور اُس کے دریافت سے اغماض کریں۔مختصر یہ کہ اسلاف پرستی کو اپنی جہالت یا کاہلی یا نفس پروری کا بہانہ گردانا ہرگز جائز نہیں ہے۔اور نہ یہ جائز ہے کہ اُن کی بزرگیوں کو یاد کر کے ہم اپنے عیوب سے غافل ہو جائیں۔اُس شخص نے تاریخ پر بالکل کورانہ نظر ڈالی ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُس وقت کے لوگوں میں کوئی عیب نہ تھا اور ہمارا ہی زمانہ بدیوں سے بھرا ہوا ہے۔کوئی وقت عیب سے خالی نہیں ہوا کرتا جو نقصانات ہم میں اس وقت کسی قدر مبالغہ کے ساتھ موجود ہیں اُس وقت بھی موجود تھے۔اور ہماری ناکامی کا تخم بو رہے تھے۔"من عرف نفسه فقد عرف ربه" خداشناسی کے واسطے اوّل خود شناسی ضرور ہے، جب تک ہم اپنے عیوب سے واقف نہ ہوں اور اُن کو صداقت کے ساتھ تسلیم نہ کر لیں کبھی ہماری حالت میں اصلاح نہیں ہو سکتی مگر بے شک یہ "اخر العلاج الکی" کا حکم رکھتا ہے۔اس سے اذیت بہت ہوتی ہے۔نفس انسانی جو بالطبع خوشامد پسند ہے۔ اپنے عیب چینی کے گزند سے چیخ اٹھتا ہے۔اور ناصح صادق سے ہمیشہ ملول رہتا ہے۔عین الرضا

ہر فرد بشر کو پسندیدہ ہے، عین السخط کی نقادیوں سے ہر کوئی گھبراتا ہے کیونکہ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ　　　ولکن عین السخط تبدی المساویا

ایک عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے دوسرا اُن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتا ہے۔ گویا درپردہ کہ عین السخط ہی ہمارا دوست ہے۔ دوسرا جو عیب پوشی کرتا ہے وہ دراصل ہمارا دشمن ہے۔
والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔

بزرگان قوم کی جو نصیحت ہم نے نقل کی ہے۔ یہ غور سے پڑھنے اور عمل کرنے کے لائق ہے کیونکہ یہ واقعہ نفس الامری ہے کہ ہم اسلاف کے کارنامے مزا لینے اور اظہار فخر کے لئے پڑھا کرتے ہیں۔ اور ہمارا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ ہمارے بزرگوں کی ترقی کے اسباب اور کامیابی کے راز کیا تھے، اور آیا ہم کو بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے یا نہیں؟

تاریخ و سیرت میں علمی تصنیفات کی ضرورت ہے،

لیکن اس مسئلہ کے حل ہونے کے بعد اب ایک سوال یہ ہے کہ ایسی کتابیں کہاں مل سکتی ہیں جو اسلاف کے صحیح حالات کا مرقع ہوں؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ علمائے مشرق اور مغرب کی نئی تاریخیں پڑھنا چاہیئے۔ مگر افسوس ہے کہ مشرقی علماء میں ایسے مصنفین کا قحط ہے، جو فلسفیانہ نکتہ سنجی سے تاریخ لکھیں اور صحیح ماخذ سے لکھیں! اب رہے علمائے مغرب وہ بے شک تاریخ نویسی میں کمال رکھتے ہیں، مگر اس کا کیا علاج ہے کہ تاریخ اسلام لکھتے ہوئے نہایت بیدردی، مگر کمال دوراندیشی سے، مہذب تصرف کرتے ہیں۔ لیکن ایک تیسری صورت یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ، مغربی مذاق میں تصنیف کریں یہ سب سے بہتر شکل ہے، مگر دقت یہ ہے کہ ان نوجوانوں میں باستثناء بعض عربی زبان دانی کا عنصر نہیں ہے، اور اُن کی نظر صرف انگریزی علم ادب تک محدود ہے، لہٰذا یہ تصنیف بھی ناقص ہوگی۔ لیکن یہ ایسا مرض نہیں ہے جو علاج پذیر نہ ہو۔ ہمارے عزیز عربی کی تکمیل کر کے اس نقص کو دور کر سکتے ہیں۔ مگر بقول غالب مرحوم؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد　　　پر طبیعت ادھر نہیں آتی

---

[1] خوشنودی کی آنکھ عیب کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے وہ تو غصہ ہی کی ہے جس کو برائی ہی برائی سوجھتی ہے۔

خیر یہ تو بڑی بات ہے وہ تو اُردو میں بھی ادبی، تاریخی، مذہبی اور اخلاقی تصنیفات نہیں پڑھتے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہے کہ کسی موقعہ پر اگر قومی شجاعت، ہمت، غیرت، یا کسی اہل علم کا ذکر آتا ہے تو ناموران اسلام کے بجائے مشاہیر یورپ کے نام گنائے جاتے ہیں! ندوۃ العلماء کے ایک جلسہ میں شمس العلماء شبلی نعمانی نے نوجوانانِ قوم کو مخاطب کرکے حسب ذیل اشعار پڑھے تھے جس کا اعادہ کرنا ہم بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

نکتہ شرع با فسانہ نہ برابر نہمی — یورپ ار گپ زنداں نیز مسلم باشد
حل ہر مسئلہ فقہ ز یوروپ طلبی — شرع پیش تو ز تقویم کہن کم باشد
از ابوبکرؓ و عمرؓ ہیچ بیاد ت ناید — گرمیِ بزم تو از سیزر یا اعظم باشد
ور سخن بگذرد از سیرت شان نبوی — ہر چہ گوئی ہمہ از گفتہ ولیم باشد

لیکن ان خیالات کا یہ سبب نہیں ہے کہ نوجوانانِ قوم سے خدانخواستہ قومی حمیت اور مذہبی جوش کا مادہ سلب ہو چکا ہے۔ بلکہ اُس کی خاص وجہ یہ ہے کہ تعلیم جدیدہ میں اوّل سے آخر تک اس کا موقعہ ہی نہیں ملتا ہے کہ تاریخ اسلام سے صحیح واقفیت حاصل کی جائے۔ ایسی صورت میں ان کی زبان سے جو لفظ نکلے گا وہ مغربی ٹکسال کا ہوگا لیکن انشاء اللہ اُمید ہے کہ قومی یونیورسٹی قائم ہونے پر یہ شکایت باقی نہ رہے گی۔

سببِ تالیف کتاب نظام الملک طوسی

تاریخ اور سیرت نگاری کے متعلق، جو مشکلات ہیں، وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو۔ لیکن باوجود اُن اسباب کے صرف اس خیال سے جسارت کی گئی ہے کہ مشرقی یا ہندوستانی ہو کر ہندی (اردو) علم ادب اور مُلکی زبان کی خدمت نہ کرنا، داخل کفرانِ نعمت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام مہذب اقوام کی طرح، ہمارا بھی فرض ہونا چاہیئے کہ اُن اسلاف کو جو صفات خاص سے اپنے زمانہ میں ضرب المثل تھے۔ بقائے دوام کی زندگی سے محروم نہ رکھیں۔ اور یہ زندگی اُن کو اس طرح میسر آسکتی ہے کہ اُنھوں نے اپنی حیات مستعار میں جو معرکتہ الآرا کام کئے ہیں ہم اُن کو منظر عام پر لا دیں۔ اور گمنامی کے ساتھ صفحہ ہستی سے مٹنے نہ دیں۔ کیونکہ معمولی مرنا تو وہ مر چکے، لیکن اصلی موت کا وہ دن ہوگا، جس دن اُن کے کارنامے ہماری غفلت سے مٹ جائیں گے۔ جو لوگ حیاتِ انسانی کے

معنی بارہ گھنٹے میں دو مرتبہ پیٹ بھر لینا، یا چند گھنٹے فکر معاش میں مبتلا رہنا، اور رات کو آرام سے پکڑ کر سو رہنا سمجھتے ہیں، وہ دائرہ انسانیت سے خارج ہیں۔ اور اُن کی مثال حشرات الارض اور برسات کے سبزہ خود رو سے زیادہ نہیں ہے۔ حقیقی زندگی اور حیات جاوید کے یہ معنی ہیں کہ انسان اپنے اعمال حسنہ اور خصائل حمیدہ سے قیامت تک زندہ رہے۔ چنانچہ خواجہ حسن نظام الملک طوسی بھی انھیں ناموران اسلام کے طبقہ میں ہے۔ جس کے مساعی جمیلہ سے صفحات تاریخ گرانبار احسان ہو رہے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ وزرائے اسلام میں برامکہ کے بعد دوسرے درجہ پر یہی ممتاز وزیر تھا جس کو ہم نے انتخاب کیا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اُردو علم ادب میں آج کل پچاس فی صدی عاشقانہ نظمیں، ناول، افسانے، اور قصص و حکایات شائع ہوتی ہیں اور بقیہ نصف میں قانون، مذہب، اخلاق، طب، ریاضی، فلسفہ، سائنس، تاریخ، اور سیر کی کتابیں ہیں۔ اس میں ترجمہ کا حصہ تصنیف اور تالیف سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ امر تعجب انگیز ہے کہ مسلمانوں نے اپنے علمی دور میں یونان، مصر، ایران، اور ہند سے جو کتابیں ترجمہ کیں وہ عموماً علوم و فنون کی کتابیں تھیں۔ قصص و حکایات میں کلیلہ و دمنہ جیسی مفید چند کتابیں انتخاب کی تھیں۔ لیکن ہمارے زمانے کے مترجم آج یورپ کے علمی سرمایہ سے رینالڈز کے ناول ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور سلسلۂ تصنیف میں بھی یہی حال ہے کہ حروف تہجی میں سے کوئی حرف ثقیل بھی باقی نہیں ہے، جس میں دو ایک ناول موجود نہ ہوں۔ باقی اعلیٰ درجے کی تصنیفات تمام سال میں دو چار سے زیادہ نہیں ہوتی ہیں۔ اور مغربی علوم و فنون میں جو کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں وہ انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہیں۔ اور ہنوز سینکڑوں مفید شاخیں باقی ہیں جن کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی ہے۔ اگر علمی مسائل کی ابتدائی کتابیں ترجمہ ہو جائیں تو حصول علم میں طلبہ کو آسانی ہو جائے۔ لہٰذا غیر مفید کتابوں کے مقابلے میں سلسلہ وزرائے اسلام فائدہ سے خالی نہیں ہے جس میں وزارت کے ساتھ سلطنت کی بھی تاریخ (ضمیمہ میں) ہوتی ہے۔

اُردو کی مختصر تاریخ

اس کتاب کی تالیف سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ ملک کی عام مشترکہ زبان میں ترقی ہو۔ اور اس کے علم ادب میں معلومات جدیدہ اور قدیمہ کا اضافہ ہو۔ اور آئندہ ترقی کے وسائل پر بھی غور کیا جاتے۔ لیکن عرض مطلب سے پہلے اُردو کی ابتدائی

تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ہندوستان جنت نشان میں مہاراجہ بکرما جیت (۵۶ برس قبل مسیح علیہ السلام) کے عہد میں درباری زبان سنسکرت (دیو بانی یا زبان آلہی) اور بازاری زبان پراکرت (طبعی، غیر مہذبہ) تھی جس کا ثبوت ملک الشعرا کالیداس کا ناٹک شکنتلا ہے۔ بعد ازاں بدھ مذہب کی ترقی سے گدھ دیس کی پراکرت کا ہندوستان میں عروج ہوا۔ اور یہ حالت دسویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ لیکن ۵۸۷ھ و ۱۱۹۱ء (عہد شہاب الدین غوری) میں جب ہندوستان پر ہلال اسلام پر تو فگن ہوا تو ملک کی تقریری زبان پراکرت کے درجہ سے گر کر ہندی بھاشا ہو چکی تھی (جس کا دوسرا نام برج بھاشا ہے)، مگر جب ترکی، افغانی اور ایرانی نسلوں سے ہندوں کا میل جول ہوا تو بھاشا میں فارسی، عربی، الفاظ دخیل ہو گئے۔ جس کی نظیر چند کوی شاعر کی کتاب "پرتھی راج راسا" ہے۔ بعد ازاں خلجیوں کے عہد میں حضرت امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء) نے پہیلیاں، مکرنیاں، نسبتیں، غزلیں اور خالق باری، لکھکر اس مذاق کو اور ترقی دی۔ ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۸ء میں (عہد حکومت بہلول لودھی) کایستھوں نے فارسی شروع کی اور زیور علم سے آراستہ ہوکر شاہی دفتر میں داخل ہوتے۔ اب تمام ملک پر عربی، فارسی الفاظ کی حکومت تھی اور ہندی نظم میں بھی یہی رنگ غالب تھا (کبیر داس بنارسی کے دُہرے، گرو نانک صاحب کی تصنیفات اور باباتلسی داس کی رامائن دیکھو)، سرکاری دفتر بھی فارسی میں تھے۔ لودھیوں کے بعد بابر نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اور اکبر اعظم کے عہد زریں میں جب قومی منافرت میں کمی ہوئی تو مسلمانوں نے بھی ہندوستان کو اپنا گھر سمجھ کر سنسکرت اور بھاشا میں نمایاں ترقی کی۔ چنانچہ اس زمانے کے تراجم کتب سنسکرت، شاہزادہ دانیال اور عبدالرحیم خانخاناں کی بھاشا نظمیں ہمارے دعوے کی دلیل ہیں۔ اور ملک محمد جائسی کی پدماوت تورائن کے ہم پلہ مانی جاتی ہے، اور آج تک اُس کی بازاروں میں مانگ ہے جہانگیر نے بھاشا کی اعلےٰ نظموں پر انعام دے کر شاعروں کے حوصلے بڑھائے۔ اس قدر دانی کا بھی نتیجہ تھا کہ بھاشا میں غواصی، ملا نوری، شیخ شاہ محمد بلگرامی جیسے نامور شاعر ہوتے۔ اور محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تو بھاشا معراج کمال پر پہنچ گئی۔ مختصر یہ ہے کہ ہندوستان کی ملکی زبان نے سلاطین اسلام کے آغوش تربیت میں

پروان چڑھی اور شاہجہاں کے عہد دولت میں رجب ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں دلی آباد ہوئی ترقی کرکے "اردوئے معلٰی" کے خطاب سے ممتاز ہوئی ۔ اور یہ بھی شاہجہاں کی بلند اقبالی ہے کہ اُردو کا سکہ آج تک اُس کے نام سے چل رہا ہے ۔ ورنہ اس فخر کے مستحق سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری تھے ۔ عالمگیر کے عہد میں متعدد شاعر ہوئے لیکن علم و فضل اور شاعرانہ کمالات کے لحاظ سے شاہ ولی اللہ دکھنی (ولی تخلص)، اپنے ہم عصروں میں نامور ہیں شاہ صاحب نے سب سے اول ریختہ (اسی زبان کا دوسرا نام ہے) میں دیوان مرتب کیا اور آئندہ نسلوں کے لیئے ایک شاہراہ قائم کرگئے ۔ ولی کے بعد میر، سودا اور انشاء کا دور آیا، جنھوں نے شاہان اودھ کی سرپرستی میں اُردو کو اُردوئے معلٰی بنادیا ۔ اور انصاف یہ ہے کہ ولی کے بعد زبان دانی کی یہ دوسری ٹکسال تھی جو لکھنؤ میں قائم ہوئی ۔ اس کے بعد طبقہ متاخرین میں مومن، ذوق، غالب دہلوی اور ناسخ و آتش لکھنوی پر نظم اُردو کا خاتمہ ہوگیا ۔ لیکن علمی زبان کا درجہ نثر نگاروں کی بدولت حاصل ہوا جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد گردش فلکی نے جب تیموری تاج و تخت کا مالک دولت برطانیہ کو بنادیا تو سکہ کی طرح زبان بھی وراثت میں آئی ۔ جس کو برٹش حکام کی دست گیری نے اوج کمال پر پہنچادیا ۔ لیکن اس زمانے کی تصنیفات میں سے مسٹر فرگسن[۱]، اور جنرل ولیم پیاٹرک کے لغات اُردو، اور میر[۲] محمد عطا حسین خاں تحسین کی کتاب نو طرز مرصع کے سوا دوسری کتابیں نایاب ہیں ۔ لیکن اُنیسویں صدی کا شروع ہونا تھا کہ اُردو کی قسمت جاگ اُٹھی ۔ اور دار السلطنت کلکتہ سے مشرقی علم ادب کا آفتاب طلوع ہوا ۔ یعنی فورٹ ولیم میں اُردو کا بیت الحکمت قائم ہوا ۔ جس کے ناظم (سکرٹری)، ڈاکٹر جان گلگرسٹ صاحب تھے ۔ ڈاکٹر صاحب نے دہلی اور

۱؎ مسٹر فرگسن کا اردو لغت ۱۷۷۳ء میں اور جنرل صاحب کے لغت کا ایک حصہ (یعنی وہ لغت جو عربی فارسی سے ہندی میں آتے) ۱۷۷۳ء میں بمقام لندن شائع ہوا۔

۲؎ میر صاحب اٹاوہ کے رہنے والے تھے ۔ نواب آصف الدولہ کے عہد میں ۱۲۱۲ھ ۱۷۹۸ء میں امیر خسرو کی کتاب چہار درویش کا ترجمہ کیا تھا۔

لکھنؤ کے حسب ذیل مشہور ادیب کلکتہ میں جمع کئے۔ اور اشاعت کتب کے لئے ایک عمدہ نستعلیق ٹائپ بھی ایجاد کیا۔

(۱) میر شیر علی افسوس لکھنوی (۲) سید محمد حید بخش حیدری
(۳) میر امن دہلوی (میر صاحب کی نثر میر کی نظم کے ہم پلہ مانی جاتی ہے)
(۴) میر بہادر علی حسینی (۵) حفیظ الدین احمد پروفیسر فورٹ ولیم کالج۔
(۶) میر کاظم علی جواں دہلوی (۷) سری للوجی پنڈت گجراتی۔
(۸) نہال چند لاہوری (۹) میر اکرام علی (۱۰) مظہر علی ولا

گورنمنٹ کا مقصد اس محکمہ سے یہ تھا کہ ہندوستانی زبان میں ایسی کتابیں تیار ہوں جو ہندوستان کے رسم و رواج کا آئینہ ہوں۔ اور جن کو پڑھ کر یورپین ہندوستان کی طرز معاشرت سے واقف ہو جائیں۔ چنانچہ حسب منشا سرکار تصنیف و تالیف اور ترجمہ سے مفید کتابیں تیار ہوئیں اور وہ یورپین میں خصوصاً اور تمام ملک میں عموماً مقبول ہوئیں۔ ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۷ء میں میر انشاء اللہ خاں انشاؔ نے دریائے لطافت (قواعد اردو) لکھکر ملک پر عام احسان کیا۔ انداز تحریر میں اگرچہ ظرافت و شوخی ہے مگر زباندانی کا پورا حق ادا کیا ہے اور عجیب و غریب نکتے لکھے ہیں۔ اسی سال حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ وہ فیض تھا کہ جو تمام ہندوستان پر چھا گیا۔ اور اردو میں عام تصنیفات کا دروازہ کھل گیا۔ ڈاکٹر جان گلگرسٹ، جان شکسپیئر، اور ڈاکٹر فیلن صاحبان نے

لہ ان بزرگوں کی تصنیفات نمبروار حسب ذیل ہیں۔

(۱) آرائش محفل (ہندوستان کے مختلف تاریخی حالات)، باغ اردو ترجمہ گلستاں (۲) توتا کہانی۔ آرائش محفل (قصہ حاتم طائی)، مجلس، گلزار دانش۔ ترجمہ بہار دانش، تاریخ نادری (۳) باغ و بہار یعنی قصہ چہار درویش دلی کی زبان میں، گنج خوبی (۴) نثر بے نظیر (میر حسن کی مثنوی سحرالبیان کا قصہ نثر میں)، اخلاق ہندی (۵) خرد افروز ترجمہ عیار دانش ابوالفضل (۶) شکنتلا، دستور ہند (بارہ ماسہ) (۷) پریم ساگر وغیرہ ترجمہ (۸) مذہب عشق (گل بکاؤلی کا قصہ)، عزت اللہ بنگالی کی فارسی کتاب سے ترجمہ کیا (۹) مناظرہ انسان و حیوان (اخوان الصفا کے ایک عربی رسالہ کا ترجمہ ہے) (۱۰) بیتال پچیسی بطرز سنگھاسن بتیسی۔

اردو ہندوستانی لغت شائع کئے۔ سنہ ۱۸۳۵ء میں شاہی دفتر فارسی سے اردو ہو گیا۔ اور یہ زبان تعلیمی قرار پائی۔ سنہ ۱۸۳۷ء میں لیتھوگراف پریس دلّی میں جاری ہوا۔ یہ اسباب تھے جنھوں نے اردو کو علمی درجہ پر پہنچا دیا۔ اس زمانے میں ملکی محبت سے اردو زبان۔ "ہندی" کہلاتی تھی۔ (اس زمانے کے نثر اور نظم کتابوں کے دیباچے پڑھو) چنانچہ وہی ہندی ہے، جو آج تک اُردو کے لباس میں جلوہ گر ہے۔ اور جس کو بعض نا عاقبت اندیش صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ یہ زبان قدیم ہندوں، مسلمانوں، اور انگریزوں کی ایک متحدہ یادگار ہے۔ مگر انشاء اللہ جب تک برٹش راج قائم ہے اس کا مٹانا محال ہے کیونکہ مسلمانوں کی طرح انگریزوں کے بزرگوں نے بھی اس زبان کی اصلاح اور ترقی میں غیر معمولی حصہ لیا تھا۔ اور ہندوں پر تو اُردو کا سب سے زیادہ حق ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد سنسکرت و بھاشا پر قائم ہوئی ہے۔ اور مقتضائے فطرت یہ ہے کہ ماں اپنے بچہ پر باپ سے زیادہ مہربان ہے

زبان اُردو کی موجودہ حالت اور آئندہ ترقی کے وسائل

جو کچھ بیان ہوا یہ تو عہد گذشتہ کی تاریخ تھی لیکن اُردو نے اُنیسویں صدی میں جس قدر ترقی کی ہے، علمی حیثیت سے وہ ضرور نہایت قابل قدر ہے، اور تصنیفات و تراجم کے ذخائر سے اُردو کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے، لیکن باوجود اس ترقی کے اگر السنہ مشرقیہ سے مقابلہ کیا جائے تو اُردو ہنوز ابتدائی حالت میں ہے مثلاً ہم چار زبانوں سے مقابلہ کریں گے۔

۱۔ ترکی۔ یہ ایک بڑی اسلامی سلطنت کی زندہ یادگار ہے اور اس زبان کا علم ادب مغربی علوم و فنون کے سرمایہ سے معمور ہے۔ اور اخبارات بکثرت جاری ہیں۔

۲۔ عربی۔ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے، اور زندہ قوم کی یادگار ہے۔ صوبہ یمن اور حجاز میں اگرچہ کمی تعلیم سے جمود کی حالت میں ہے۔ لیکن مصر، بیروت، شام اور ممالک بربر میں نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ علمی رسائل اور اخبارات میں بھی غیر معمولی ترقی ہے۔

۳۔ فارسی، زندہ قوم اور سلطنت کی زبان ہے شہنشاہ ناصرالدین شہید کے زمانے میں ترجمہ کے لئے بیت الحکمۃ قائم ہوا، اور مفید کتابیں ترجمہ اور تصنیف کے ذریعہ سے تیار ہوتیں۔

۴- بنگلہ، ہندوستان کی زبانوں میں سے علمی درجہ صرف بنگلہ کو حاصل ہے، اور نوجوان بنگالیوں نے اپنے کتب خانوں کو علمی کتابوں سے مالامال کر دیا ہے، اور ہر روز ترقی کا قدم آگے ہے۔ بنگلہ کے مقابلہ میں صوبہ متحدہ آگرہ و آودہ میں اب سنسکرت اور بھاشا کی طرف خاص توجہ ہو رہی ہے، اور ترقی کے اسباب مہیا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ان زبانوں کے مقابلے میں کون کہہ سکتا ہے کہ اُردو ترقی کر رہی ہے۔ اب اگر اُس کے ذاتی سرمایہ پر نظر کی جائے تو عیش و طرب کی داستانوں اور عاشقانہ نظموں کے سوا اور کچھ نہ ملے گا۔ کیونکہ تاریخ ولادت سے عالم شباب تک شعر و سخن سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ باقی جس قدر سرمایہ ہے وہ زمانہ انگریزی کی پیداوار ہے۔ دوسری زبانوں سے اُردو میں جو ترجمہ ہوا ہے ہم اُس کا ذکر کر چکے ہیں۔ لہٰذا اُردو کی بقا اور ترقی کے لئے انجمن تعلیم مسلمانان (ایجوکیشنل کانفرنس) اور انجمن اُردو (کانفرنس اُردو) اور تمام قوم کو حسب ذیل امور پر غور کرکے علمی کام شروع کر دینا چاہیئے۔

۱- مغربی اور مشرقی زبانوں سے علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ ہوں، اور ہر تعلیم یافتہ کسی علم و فن کی ایک مفید کتاب ترجمہ کرے۔ اور ترجمہ کے صلہ کا سلطنت یا اُمرائے دولت سے اُمیدوار نہ ہو، بلکہ ترجمہ کی آمدنی سے تجارتی اُصول پر نفع اُٹھایا جائے۔

۲- انجمن ترقی اُردو کا دائرہ ہندوستان کے تمام صوبوں میں علمی حیثیت سے وسیع کیا جائے۔

۳- مسلم یونیورسٹی قائم ہونے پر ابتدائی مدارس میں اُردو کے ذریعہ سے علوم و فنون کی تعلیم ہو۔

۴- کتابوں کی اشاعت کے لئے نستعلیق ٹائپ کو ترقی دی جائے اور فی الحال بیروت کے ٹائپ سے کام لیا جائے۔

۵- ہر صوبہ سے اُردو میں متعدد اخبارات جاری ہوں۔ اور علمی رسائل کو ترقی دی جائے۔

۶- ہر ضلع اور قصبات میں انجمن اور سوسائٹیاں قائم ہوں جس کے ساتھ کتب خانہ اور اخبارات کا انتظام لازمی رہے۔

۷۔ ہندوستان کے جن صوبوں میں اُردو کمزور حالت میں ہے۔ مثلاً بنگالہ، بمبئی، مدراس ممالک متوسط، راجپوتانہ وغیرہ وہاں اردو کی عام اشاعت کی جاتے۔

نظام الملک کے اُصول حکومت اور آئین وزارت پر ایک سرسری نظر

بنی اُمیہ کے نامور تاجدار، سلیمان بن عبدالملک (متوفی ۹۹ھ/۷۱۷ء) کا مقولہ ہے۔ عجبت لھولاء الاعاجم ملکوا الف سنۃ فلم یحتاجوا الینا ساعۃ وملکنا مائۃ سنۃ لم نستغن عنھم ساعۃ (تاریخ آل سلجوق صفحہ ۵۷) یعنی یہ امر تعجب انگیز ہے کہ عجمیوں کو ایک ہزار برس کی حکومت میں ایک ساعت کے لئے بھی عربوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور عرب ایک صدی کی حکومت میں کبھی عجمیوں کی اعانت سے بے نیاز نہ رہ سکے" ہماری رائے میں اس مقولہ کا ثبوت خود سلجوقی حکومت ہے۔ سلجوقی ترکوں نے اپنی فطری شجاعت وجلادت سے اطراف وجوانب کے ممالک کو فتح کرلیا۔ اور وہ چاہتے تو مفتوح اقوام کو پامال، اور ملک کو خاکِ سیاہ کردیتے۔ مگر نہیں، اُنھوں نے رعایا کے دلوں پر حکومت کی اور سلجوقی حکومت سے ملک میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ الپ ارسلان کو خواجہ حسن نظام الملک طوسی جیسا فاضل مدبر وزیر مل گیا تھا۔ اور باوجودیکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ کے ماتحت تھا، لیکن اپنی عاقلانہ حکمت عملی، اور حکیمانہ ضوابط سے تمام ملک کو مسخر کرلیا تھا۔ جس کی تفصیل اس کتاب میں موجود ہے

خواجہ حسن خود شافعی تھا۔ مگر فوجداری، دیوانی عدالتوں میں فقہ حنفی کے مطابق فیصلے ہوتے تھے، جس کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) سُنتا تھا۔ اور صیغہ مال، خزانہ تعمیرات، سررشتۂ تعلیم، پولیس، اور رفاہ عام کے تمام صیغے ماتحت وزراء کے سپرد تھے۔ اور فوجی انتظام، فیوڈل سسٹم (قانون جاگیرداری) کے تحت میں تھا۔ الغرض کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو اُس زمانے کے مطابق اعلےٰ پیمانہ پر نہ ہو۔ اور اس بناپر بہ فخر یہ دعوٰی کیا جاتا ہے کہ اسلام میں ہر طرح کے سیاسی، قانونی، معاشرتی ترقی کی عام صلاحیت ہے

تصاویر کا ماخذ

خواجہ نظام الملک، حکیم عمر خیام، اور حسن صباح کی شبیہ ایک قدیم مرقع کا عکس ہیں۔ جس کے لئے ہم مولانا سید محمد حاذق مرحوم کابلی کے

شکرگذار ہیں۔ اور ملک شاہ کی تصویر، علامہ شبلی نعمانی کے سفرروم و شام کا ہدیہ ہے اور ان سب کو ہمارے مکرم مخدوم منشی محمد رحمت اللہ صاحب رعد کے قلم اعجاز رقم نے زندہ کیا ہے۔ جس کا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

ملک معظم ہندوستان میں اور دلی کا عظیم الشان دربار

دیباچہ کتاب میں بادشاہ وقت کا تذکرہ ایک قدیم اسلامی طریقہ ہے۔ مگر بزم تیموری کے برہم ہونے کے بعد ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۱ء میں لال قلعہ شاہجہانی کو یہ فخر حاصل ہوا کہ مہابلی نے رعایا کو اپنے درشن کرائے۔ اور دلی کو دارالسلطنت ہونے کا دوبارہ اعزاز نصیب ہوا۔ لہٰذا دستور قدیم کے مطابق نہایت فخر و مسرت سے "نظام الملک" کا دیباچہ اعلیٰ حضرت ہزامپریل مجسٹی ملک معظم جارج پنجم (ربالقابہ) خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وعلیا حضرت حضور ملکہ معظمہ میری دامت اقبالہا کے نام نامی پر ختم کیا جاتا ہے۔ خدا کرے کہ شاہانہ اقبال کی روشنی میں نظام الملک کا ستارہ، آسمان شہرت پر آفتاب ہو کر چمکے۔ آمین۔ خاتمہ اس دعا پر ہے۔

دولت ترا متابع و اقبال یار باد
ذاتِ تو در حمایتِ پروردگار باد

حصہ اوّل

طوس کی مختصر تاریخ

اس حصہ کے آغاز پر طوس کی مختصر تاریخ لکھنا نہ صرف اس وجہ سے موزوں ہے کہ دنیائے اسلام کے جغرافیہ میں طوس کا نام داخل ہے۔ بلکہ اس خاک سے ایسے مشاہیر اور صاحب فضل و کمال پیدا ہوتے ہیں، جن کے خیالات اور تصنیفات سے ہمارے کتب خانے مالا مال ہیں۔ اور جس نامور کا یہ تذکرہ ہے اُس کے نشو ونما اور جاہ وجلال کا مرکز بھی یہی خطہ پاک ہے۔

بنائے طوس

مورخین عجم کا قول ہے کہ جس نے شہر طوس کی بنیا ڈالی، وہ سلطنت عجم کا نامور شہنشاہ جمشید پیش دادی[1] ہے لیکن انقلاب روزگار سے کیانیوں کے عہد حکومت

---

[1] طبقۂ پیش دادیاں میں جمشید چوتھا تاج دار ہے۔ یہ طہورث کا بھتیجا تھا اور اُس کے بعد ہی تخت نشین ہوا۔ اس کا عہد حکومت عدل وانصاف اور تمدن ومعاشرت کی اعلیٰ ترقیوں کی وجہ سے ضرب المثل ہے حکمرانی میں طہورث اور ہوشنگ کے آئین پر عمل تھا۔ عمارت سے خاص ذوق تھا۔ چنانچہ فارس کے آثار قدیمہ میں تخت جمشید (پری پولیس) آج تک موجود ہے۔ (مفصل تاریخ کے لئے دیکھو فائل معارف ۱۹۲۰ء وکتاب قدیم نقش ایران، و سفرنامہ مرزا فرصت شیرازی) جمشید کے اولیات حسب ذیل ہیں (۱) جشن نوروز (۱) انگور سے شراب بنائی گئی اور "شاہ دارو" نام رکھا گیا (۳) لوہا گلا کر آلاتِ حرب تیار کرائے (۴) روئی اور ریشم کا کپڑا تیار ہوا (۵) خیاطی اور شناوری ایجاد ہوئی (۶) غوطہ لگا کر سمندر سے موتی نکالے گئے (۷) پانی اور مٹی سے اینٹ تیار ہوئی۔ (۸) معدنیات سے جواہرات نکالے گئے (۹) مفرد دواؤں سے مرکبات تیار ہوتے (۱۰) بخور اور خوشبو کا استعمال کیا گیا (۱۱) حمام تیار ہوا (۱۲) جنگل کے اندر سے شہروں کے جانے کو سڑکیں نکالی گئیں (۱۳) ملک کی آبادی مثل اربع عناصر کے چار حصوں پر تقسیم کی گئی۔ (۱) ارباب دانش (علما) (۲) ارباب فوج (۳) ارباب زراعت۔

(بقیہ در صفحہ آئندہ)

تک یہ شہر برباد ہو چکا تھا جب ایران کی حکومت کیخسرو کے ہاتھ آئی اور پہلی مرتبہ توران پر فوج کشی ہوئی تو کیخسرو کے نامور سپہ سالار طوس ابن نوذر ابن منوچہر نے ازسرِنو اس شہر کو آباد کیا اور طوس[1] نام رکھا۔

اگرچہ شاہنامہ میں فردوسی نے اس لڑائی کے ذیل میں بنائے طوس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن سب سے پہلے، جب فردوسی سلطان محمود[2] غزنوی کے دربار میں پیش ہوا ہے۔ اُس وقت سلطان کے استفسار پر فردوسی نے بیان کیا تھا کہ "شہر طوس[3] کا بانی طوس ابن نوذر ہے" اور اُس کے بنا کی یہ وجہ بیان کی تھی کہ "جب کیخسرو[4] نے طوس کو افراسیاب کے مقابلے پر روانہ

بقیہ صفحہ ۲۹ - (۴) ارباب صنعت وحرفت جمشید نے آخر میں خدائی کا دعویٰ کیا اور ضحاک کے ہاتھ سے اُس کا خاتمہ ہوا۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی زمانہ میں تھے۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد اول، نامۂ خسروان، المعجم و شاہنامہ حالات جمشید۔ [1] نزہۃ القلوب حمد اللہ مستوفی ذکر طوس صفحہ ۲۹۸ [2] دیباچۂ شاہنامہ فردوسی طوسی صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی ۱۲۶۲ھ [3] فردوسی نے جن الفاظ میں یہ واقعہ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

دگر گفت با طوس کاے نامدار — یکے پند گویم ز من یاد دار
گزر بر کلات ایچ گونہ مکن — گر آں رہ روی خام گردد سخن
در انجا فرود است با مادر است — یکے لشکر کشن کند او راست
روان سیاوش چو خورشید باد — بدان گیتیش جائے امید باد
پسر بودش از دخت پیران یکے — کہ پیدا نبود از پدر اندکے
برادر بمن نیز مانندہ بود — جواں بود و ہمسال و فرخندہ بود
کنون در کلات ست وبا مادر ست — جہاں دار و با فر د بالشکر ست
ہم او مرد جنگ ست و گرد و سوار — بگوہر بزرگ و بہ تن نامدار
براہ بیاباں بباید شدن — نہ نیکو بود جنگ شیران زدن

فرستادن کیخسرو طوس را بجنگ تورانیان صفحہ ۱۵۲ شاہنامہ مذکور۔

[4] سلسلہ کیانی میں کیخسرو بن سیاوش تیسرا تاجدار ہے۔ افراسیاب سے جو معرکے ہوئے ہیں اس کی تفصیل شاہنامہ اور معجم میں درج ہے۔ ۶۰ برس حکومت کرکے لہراسپ کو اپنا جانشین بنایا اور خود غائب ہو گیا۔ (بقیہ صفحہ آئندہ)

کیا ہے تب رخصت کے وقت نصیحتاً کہا تھا کہ "خبردار براہ کلات، توران کو نہ جانا کیونکہ اس راستے میں فرود سے جو میرا بھائی ہے لڑائی ہو جانے کا خدشہ ہے" لیکن جب سپہ سالار طوس سرحد توران پر پہنچ گیا تو اُس نے کلات ہی کا راستہ اختیار کیا اور آخرکار بڑی خونریزی کے بعد فرود قتل ہوا اور واپسی کے وقت کلات[1] وجرم کے متصل طوس کی بنیاد ڈالی۔

قدیم تاریخ

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ صوبہ خراسان میں قدامت کے لحاظ سے طوس "شیخ البلاد" کے خطاب کا مستحق ہے۔ کیونکہ یزدگرد کے زوالِ سلطنت تک اُس کی عمر ۴۴۸۰ سال کی ہو چکی تھی[2]۔

سلاطین عجم کے وقت میں طوس کی کیا حالت تھی اور فتوحات اسلام تک اس پر کیا انقلاب آئے؟ ہم اس افسانہ کو چھیڑنا نہیں چاہتے ہیں۔ البتہ تاریخی حیثیت سے یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۲۹ھ/۶۴۹ء میں فتح ہوا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اُس مبارک زمانہ سے آج تک اسلامی عَلَم کے زیر سایہ ہے۔ مگر جو شان و شوکت خلفائے عباسیہ کے عہد میں تھی وہ باقی نہ رہی۔ اور شاہان سامانیہ، سلجوقیہ، غزنویہ وغیرہ کے باہمی جنگ وجدال سے روز بروز طوس کی حالت بگڑتی گئی۔ تاہم امیر تیمور کی فتوحات تک ہندوستان اور یورپ کے سیّاحوں نے اس کو عمدہ حالت میں پایا تھا لیکن آج تو ہندوستان کے ایک معمولی موضع کے برابر ہے۔

اپنے عروج کے زمانہ میں طوس[3] دو حصوں پر تقسیم تھا۔ ایک حصہ کا نام طابران[4] اور دوسرے کا نام نوقان تھا۔ اور ہر حصہ میں بہ حیثیت ایک چھوٹے ضلع یا پرگنہ کے ایک ایک ہزار مواضعات

بقیہ صفحہ ۳۲ - ۵۔ بلہراسپ داد افسری خسروی، ولیعہدی وتاج کیخسروی" نامہ خسروان والمعجم [1] کلات وجرم، نمبر ایک قلعہ کا نام ہے جو اپنے استحکام میں ضرب المثل تھا۔ اور نمبر ۲ قصبہ کا نام ہے جس کے نیچے یہ قلعہ واقع تھا۔ نزہت القلوب صفحہ ۲۹۹۔ [2] یزدگرد ساسانیوں کا سب سے اخیر تاجدار ہے اور خراسان کے فتح کے بعد جو ۲۳/۶۴۳ میں ہوئی یزدگرد کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

[3] گنج دانش ذکر طوس صفحہ ۳۳۸

[4] امام غزالی علیہ الرحمہ سنہ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں اسی جگہ پیدا ہوتے۔

تھے ۔ اور ہر دو حصوں کا درمیانی فاصلہ اٹھارہ میل تھا ۔ اور آمد و رفت کے لئے تمام شہر میں نو دروازے تھے ۔

ابو عبداللہ یاقوت الحموی[1] اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے کہ " طوس چار شہروں کے مجموعہ

---

[1] شیخ شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ رومی' اپنے زمانہ کا نہایت نامور تاجر' سیاح اور جغرافی ہے ۔ ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء میں بمقام بغداد پیدا ہوا ۔ اور بروز یک شنبہ بیسویں رمضان المبارک ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء میں بمقام حلب انتقال کیا ۔ یاقوت کی مختصر سوانح عمری یہ ہے کہ بچپن میں اپنے والدین اور وطن سے جدا ہو کر لٹیروں کے ہاتھ میں پڑ گیا اور انھوں نے بطور ایک غلام کے بغداد میں لاکر بیچ ڈالا ۔ عسکر بن ابو نصر ابراہیم حموی نے جو بغداد کا ایک مشہور تاجر تھا اس گوہر گرانمایہ کو خرید کر لیا ۔ اور یاقوت کو بقدر ضرورت تعلیم دلوائی ۔ پھر اپنے ساتھ لے کر سفر میں چلا گیا ۔ ایک عرصہ دراز کے بعد جب عسکر سفر سے واپس آیا تو اس نے یاقوت کو آزاد کر دیا ۔ یہ واقعہ ۵۹۱ھ/۱۱۹۹ء کا ہے ۔ اس زمانہ میں یاقوت کتابت کرتا تھا ۔ اور یہی ذریعہ معاش تھا ۔ مگر آمدنی گذر اوقات کے لئے کافی نہ تھی اور یہ پیشہ اس کے حسب حال بھی نہ تھا بلکہ وہ تجارت کے ساتھ سیر و سفر کو بہت پسند کرتا تھا ۔ اس لئے عسکر تاجر نے اپنے پاس سے تجارت کے لئے یاقوت کو روپیہ دیا ۔ اور یاقوت دوبارہ سفر کو روانہ ہوا چنانچہ ایک تاجر کی حیثیت سے یاقوت نے مغربی ایشیا ، ماوراء النہر ، موصل وغیرہ کا سفر کیا اور علم و دولت کے ذخیرے لے کر حلب میں واپس آیا اور اپنے نامور دوست ابوالحسن علی بن یوسف بن القفطی مصنف تاریخ الحکماء کی وجہ سے حلب میں سکونت اختیار کر لی ۔ اور کتب جغرافیہ کی تصنیف میں مشغول ہوا ۔ چنانچہ اس فن میں یاقوت کی سب سے لاجواب کتاب " معجم البلدان " ہے ۔ عربی میں جس قدر جغرافیہ لکھے گئے ہیں کوئی اس سے بہتر اور مکمل نہیں ہیں یہ کتاب تقریباً چار ہزار صفحات پر ختم ہوئی ہے اور حکومت اسلامیہ کی ایک مکمل لغت ہے ۔ ہر شہر کا حال بہ ترتیب حروف تہجی لکھا ہے ۔ علامہ دوستنفلد جرمنی کے اہتمام سے ۶ جلدوں میں بمقام لپزگ ۱۸۶۶ء لغایت ۱۸۷۳ء چھپ کر شائع ہوئی ہے ۔ اس کتاب کا ایک خلاصہ علامہ جلال الدین سیوطی نے کیا تھا جس کا نام " مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع " تھا ۔ مگر افسوس ہے کہ وہ خلاصہ ناتمام رہ گیا ۔ دوسری کتاب یاقوت کی " المشترک فی البلدان " ہے یعنی ایک نام کے جس قدر شہر و مقامات ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں ۱۸۴۶ء میں بمقام گاٹنگن یہ کتاب بھی چھپ گئی ہے اور تیسری کتاب مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع ہے ۔ یہ معجم کا خلاصہ خود یاقوت نے مرتب کیا تھا ۔ یہ کتاب مصر ، بیروت ، لیڈن ، اصفہان میں چھپ گئی ہے ۔ ان کتابوں کے علاوہ " ارشاد الالباء الی معرفۃ الادباء " (۲ جلد میں) اخبار الشعراء القدماء والمتاخرین ۔ کتاب معجم الشعراء ۔ کتاب معجم الادباء ۔ کتاب المبدا والمآل فی التاریخ ۔ کتاب الدول ہیں ۔ یہ کتابیں مصر' ایران' یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ اور یقین ہے (بقیہ در صفحہ آئندہ)

کا نام ہے۔ جن میں دو شہر بڑے تھے اور دو[۵] چھوٹے، مگر حصص مذکورہ بالا کے علاوہ دو حصوں کے نام نہیں لکھے فتوحات اسلام تک شاہان عجم کی کوئی یادگار قابل تذکرہ طوس میں باقی نہ تھی۔ مورخین اور جغرافیہ نویسوں کی تحقیقات کے مطابق اس شہر کو جو عروج ہوا وہ دولت اسلام کے متعلق ہے۔ حمید[۶] بن قحطبہ کا وہ عالی شان محل (جو ایک میل مربع میں تھا) جس کے پائیں باغ میں امام علی رضا (رضی اللہ عنہ) اور ہارون الرشید کے مزار ہیں، اسی طوس میں تھا۔

ابو عبد اللہ[۷] شریف ادریسی نے اپنے مشہور جغرافیہ "نزہت المشتاق فی اختراق الآفاق"

بقیہ صفحہ ۳۲۔ کہ علمائے مصر و یورپ کی توجہ سے چھپ کر شائع ہوں گی۔ انتخاب از اکتفاء القنوع۔ کشف الظنون۔ دیباچہ مراصد الاطلاع، تمدن عرب۔

۵ مراصد الاطلاع فی معرفۃ الامکنۃ والبقاع مصنفہ یاقوت حموی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۶۷۔ ۶ یہ وزارت کا مشہور خاندان تھا اور خواجہ نظام الملک کی والدہ اسی خاندان سے تھی۔ ۷ ابو عبد اللہ شریف محمد بن محمد ادریس۔ عرب کا سب سے مشہور جغرافی ہے۔ مغربی افریقہ میں ادریس بن عبد اللہ علوی جس نے حکومت ادریسیہ قائم کی تھی شریف کا مورث اعلیٰ ہے۔ اور اسی نسبت سے ادریسی کہلاتا ہے۔ ۴۹۳ھ/۱۱۰۰ء میں شریف بمقام سبتہ پیدا ہوا اور عالم شباب میں وطن سے قرطبہ چلا آیا۔ یہاں سے سیاحت کو روانہ ہوا اور ایک عرصہ تک تمام اندلس، شمالی افریقہ اور ایشیائے کوچک میں پھرتا رہا لیکن جب مسلمانوں سے عیسائیوں نے جزیرہ صقلیہ (سسلی) چھین لیا اس وقت شریف صقلیہ میں وارد ہوا اور راجر دوم (بادشاہ صقلیہ) کی ملازمت اختیار کرلی۔ اور اسی کے حکم سے وہ مشہور و معروف جغرافیہ لکھا جس کا نام "نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق" ہے یہ کتاب ۵۴۹ھ/۱۱۵۴ء میں ختم ہوئی اس کتاب کی ترتیب اقالیم سبعہ کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ ہر شہر کی حالت لکھنے کے بعد میل و فرسخ کے حساب سے اس کی مسافت بھی لکھی ہے۔ مصنف تمدن عرب لکھتا ہے کہ "ادریسی کی تصنیفات سے جو لاطینی میں ترجمہ ہوئیں، جغرافیہ کا علم یورپ کے ازمنہ متوسطہ میں پھیلا۔ اس کتاب میں متعدد نقشے تھے۔ اور تین صدیوں سے زیادہ تک یورپ نے محض اسی کتاب کی تقلید پر قناعت کی۔ شریف ادریسی پہلا شخص ہے جس نے دریائے نیل کا منبع دریافت کیا (خط استوا کی بڑی جھیلیں) جس کو اہل یورپ نے بہت ہی قریب زمانہ میں معلوم کیا ہے۔" افسوس ہے کہ اس کتاب کا پورا اصل نسخہ نایاب ہے۔ افریقہ، اندلس، اطالیا، فلسطین کے حالات میں جو ابواب ہیں وہ بمقام لیڈن (۱۸۶۶ء) میں معہ ترجمہ فرنچ، (روما ۱۸۸۲ء) میں معہ ترجمہ اطالین، (بون ۱۸۸۵ء) چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ کشف الظنون، تمدن عرب، اکتفاء القنوع۔

میں طوس کے حالات میں لکھا ہے کہ "طوس ایک بڑا شہر ہے، اس کی عمارتیں عمدہ ہیں، متعدد بازار ہیں، جن میں تمام چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ اور آبادی بھی اچھی ہے۔ اور طوس کے اطراف میں رادکان، طبران، بردغور، دودان، مہرجان تواده، موقان، واقع ہیں۔ یہ سب شہر آباد ہیں، اور ان میں خوب تجارت ہوتی ہے۔"

تریب قریب اسی قسم کی تحریر ابوالفدا[1] اور ابن حوقل[2] کی ہے۔ اور ابن خرداذبہ[3] کی روایت کے

---

[1] پورا نام معہ شجرۂ نسب اس نامور عالم کا یہ ہے "سلطان ملک المؤید عماد الدین ابوالفدا اسمعیل بن ملک الافضل نورالدین علی بن جمال الدین محمود بن محمد بن عمر بن شاہنشاہ بن ایوب صاحب حماۃ" ابوالفدا ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ میں بمقام دمشق پیدا ہوا اور ۷۳۲ھ/۱۳۳۲ میں فوت ہوا۔ فقہ، اصول، عربیت، ادب، تاریخ میں کامل تھا۔ علمی ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ باوجود بار سلطنت تصنیف میں مشغول رہتا تھا۔ تاریخ ابوالفدا (مصر اور یورپ میں کئی بار چھپ چکی ہے) کے علاوہ "تقویم البلدان" جغرافیہ میں مشہور کتاب ہے۔ ابوالفدا سے قبل عرب میں ۶۰ جغرافیین گذر چکے تھے اور اُن کی کی تصانیف ابوالفدا کے سامنے موجود تھیں۔ لہٰذا اس کتاب میں جغرافیہ کی بہت سی ضروری فروگذاشتوں کی اصلاح ہوگئی ہے۔ اور ہر شہر کے طول البلد اور عرض البلد بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ ابوالفدا نے یہ طرز ترتیب ابن جزلہ کی تقویم البلدان سے اخذ کیا ہے ۱۸۴۰ء میں معہ ترجمہ فرنچ ۲ جلدوں میں بمقام پیرس یہ جغرافیہ چھپ گیا ہے۔ تقویم البلدان کے علاوہ مصر کا جغرافیہ بھی ابوالفدا نے لکھا ہے جو ۱۷۷۶ء میں بمقام گاٹنگن چھپا ہے۔ "کشف الظنون، تمدن عرب، اکتفاء القنوع"

[2] ابوالقاسم ابن حوقل مشہور تاجر اور سیاح ہے۔ ۳۳۱ھ/۹۴۲ء میں بغداد سے بغرض سیاحت روانہ ہوا اور پورے ۲۸ برس کے بعد ۳۵۹ھ/۹۶۹ء میں واپس آیا۔ بلاد بربر، اندلس، عراق، فارس وغیرہ کی سیر کی بعد اس نے اپنا سفرنامہ مرتب کیا جس کا نام "المسالک والممالک والمفاوز والمہالک" ہے اس سفرنامہ کا ماخذ کتاب الاقالیم (مصنفہ ابو اسحاق اصطخری) ہے اور قدامہ وغیرہ کی کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے ممالک یورپ کے نامور سیاح آج جن چیزوں کو اپنے سفرنامہ میں درج کرتے ہیں۔ ابن حوقل نے وہ تمام امور اپنے سفرنامہ میں لکھے ہیں تفصیل کے واسطے تمدن عرب دیکھنا چاہیئے جس میں اس سفرنامہ کے دیباچہ کا اقتباس درج کیا گیا ہے اس سفرنامہ کے بعض ٹکڑے معہ ترجمہ انگریزی ۱۸۰۰ء میں بمقام لیڈن اور لون چھپ گئے ہیں اور فارسی میں بھی ترجمہ ہوگیا ہے المسالک والممالک کے نام سے متقدمین اور متاخرین نے متعدد جغرافیہ اور سفرنامے لکھے ہیں جس کی تفصیل کشف الظنون میں ہے ابن حوقل کی وفات کی صحیح تاریخ نہیں معلوم ہوسکی لیکن ۳۶۶ھ/۹۷۶ء کے قریب انتقال کیا ہے۔ اکتفاء القنوع وغیرہ

بقیہ درصفحۂ آئندہ

بموجب طوس کا سالانہ خراج سینتالیس[۱] ہزار آٹھ سو ساٹھ درہم تھا۔(۵۔۱۱۹۶ روپیہ)

قدیم طوس کی عظمت و شان سے انکار نہیں ہو سکتا ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں ٹوٹے پھوٹے قلعے، پرانے محل، پلوں کے آثار، یا شہر پناہ کی دیواروں کے سوا اور کچھ باقی نہیں ہے اور ان ہی کھنڈرات سے عمارت کے استحکام اور صنعت کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ قدیم آبادی کا ایک محل باقی ہے جس کی عمارت بشکل مربع تساوی الاضلاع ہے۔ جس کا ہر ضلع ۲۰ گز ہے۔ اور سطح زمین سے گنبد تک دیوار کی بلندی ۱۸ گز ہے پھر زمین سے ۵ گز کی بلندی تک بشکل مربع ہے اِس کے بعد صناعوں نے اس کو مثمن (ہشت پہلو) کر دیا ہے اور پھر ہر گوشہ میں عجیب وغریب صنعت سے طاق بنائے ہیں۔ علاوہ اس کے فن عمارت کی جو صناعیاں ہیں وہ بغیر فوٹو کے قلم سے ادا نہیں ہو سکتی ہیں اور چند مقامات پر بخط نسخ ورقاع تحریر ہے کہ "اَلدُّنیَا سَاعَۃٌ" موجودہ زمانہ میں اس جملہ سے اُس عہد کے مسلمانوں کے خیالات کا پتہ لگ سکتا ہے۔

اس محل کے علاوہ شہر کے شمالی جانب شاہی قلعہ کے بھی نشانات باقی ہیں (یہ قلعہ بشکل مربع تساوی الاضلاع تھا اور اس کا محیط ۸۰۰ گز تھا) اور قلعہ کے سامنے خندق ہے جس کا عرض ۱۵ گز ہے۔ اور باوجود امتداد زمانہ کے منجملہ بارہ برجوں کے بعض برج بھی اب تک قائم ہیں۔ شہر پناہ کی دیوار بھی موجود ہے جس کا عرض سطح زمین کے برابر ۵ گز ہے۔ اور منجملہ ۱۵۶ بروج کے بعض آج تک برقرار ہیں۔

تمام عمارتوں میں پتھر، اینٹ، اور چونہ سے کام لیا گیا ہے۔ قدیم آبادی کے دو مزرعے ہنوز باقی ہیں اور طوس کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر مجموعی آبادی پچاس خاندانوں سے زیادہ نہیں ہے۔

معجم البلدان یاقوت حموی میں طوس کا طول البلد ۸۰ درجہ اور عرض البلد ۳۷ درجہ درج ہے

بقیہ صفحہ ۳۴۔ [۵] ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن خردادبہ خراسانی (حاکم طبرستان)، مشہور مورخ اور جغرافی ہے اس کے جغرافیہ کا نام "المسالک والممالک" ہے اس کا طرز تقسیم اور اصول ترتیب نزہتہ المشتاق ادریسی کے مطابق ہے۔ ۳۰۰ھ ہجری کے قریب ابن خردادبہ کا انتقال ہوا۔ اکتفاء القنوع۔

[۱] مذکورہ بالا جغرافیوں کے پورے خلاصے گنج دانش میں درج ہیں بشرط ضرورت شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔

اور نیشاپور سے فاصلہ دس فرسخ ہے۔

طوس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اُن چیزوں کا تذکرہ تھا جو مٹنے والی ہیں۔ لیکن حقیقت میں طوس کی شہرت عام اور بقاے دوام کے باعث خود اُس کے نامور بیٹے ہیں۔ جن کا فضل و کمال قیامت تک اُس کو زندہ رکھے گا۔

طوس کے جن نامور لوگوں کے مفصل حالات، تذکرہ، طبقات، انساب، رجال، اور کتب تواریخ میں تحریر ہیں۔ ان کی مجمل سوانح عمری کے لئے بھی ایک مستقل کتاب چاہیے۔ لیکن ناظرین کی اطلاع کے لئے ایک مختصر فہرست پیش کی جاتی ہے۔ جس سے برای العین معلوم ہوگا کہ بقاے دوام کے دربار میں کس کس طبقے کے باکمال جلوہ افروز ہیں۔

مشاہیر طوس کی مختصر فہرست

۱۔ ائمہ	۱۔ امام محمد غزالی۔ امام احمد غزالی۔

۱؎ امام محمد غزالی۔ محمد بن محمد بن احمد، حجۃ الاسلام غزالی۔ ۴۵۰ھ ۱۰۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ ۱۱۱۱ء میں بمقام طابران انتقال کیا۔ امام الحرمین کے شاگرد تھے ختم تعلیم کے بعد درس و تدریس میں مصروف رہے پھر گوشہ نشین ہو گئے اور تصوف کا رنگ غالب ہوا۔ شیخ ابو علی فارمذی کے مرید ہوئے۔ بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مصر، اسکندریہ کا سفر کیا مختلف علوم و فنون میں ۸۰ کتابیں متعدد جلدوں میں تصنیف کیں جن میں سے صرف یاقوت التاویل فی التفسیر ۴۰ جلدوں میں ہے۔ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت مشہور کتابیں ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد کتابیں علوم و فنون کی مصر وغیرہ میں چھپ گئی ہیں۔ مفصل سوانح عمری کے لئے دیکھو الغزالی شمس العلما شبلی نعمانی

۲؎ ملک الابدال مجد الدین ابو الفتوح امام احمد غزالی۔ مختصر تعریف یہ ہے کہ آپ امام غزالی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ جامع العلوم تھے مگر فقہ میں خاص پایہ رکھتے تھے کچھ دنوں نظامیہ کے مدرس رہے۔ مگر پھر ملازمت چھوڑ کر وعظ میں مصروف ہوئے۔ کیونکہ قومی خدمت کا امام کے نزدیک یہ سب سے عمدہ ذریعہ تھا۔ ۵۱۷ھ ۱۱۲۳ء میں بمقام قزوین انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ محمد شاہ قاچار متوفی ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء کے عہد سلطنت میں ایک نامور مجتہد کے فتوے سے مزار پر انوار برباد کر دیا گیا اور ضریح کے ٹکڑے کر دیے گئے۔ افسوس!! تصنیفات میں سے سوانح ایک عمدہ کتاب ہے۔ جس کے طرز پر شیخ فخر الدین عراقی نے لمعات لکھی ہے ابو بکر نساج سے بیعت تھی۔ نظم میں یہ قطعہ مشہور ہے۔

۵؎ چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد، با فقر اگر بود ہوس تاج سنجرم، یافت جان من خبر از ملک نیم شب دباقی در صفحہ آئندہ

محدثین	۲۔ تمیمؒ بن محمد طمغاج ابو عبد الرحمن ۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر۔ عمادؒ الدین ابو جعفر مشہور با بن حمزہ
صوفیائے کرام	۳۔ طاوس الفقرا ابو النصر سراج ۔ شیخ محمد بنؒ اسلم ۔ ابو العباسؒ احمد بن محمد بن مسروق معشوقؒ ۔ شیخ ابو علیؒ فارندی ۔ شیخ ابو بکر بن عبد اللہ لساج ۔ محمدؒ بن منصور ۔ بابا محمودؒ ...

بقیہ صفحہ ۳۶ ۔ صد ملک نیمروز بیک جونمی خرم، گنج دانش صفحہ ۳۴۹ مطبوعہ اصفہان ۔ مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۴۸ ۔
لہ صاحب مسند الکبیر، محدثی موثوق بودہ وکثیر الحدیث مدتی بسفر وسیاحت اشتغال داشت ومولفات جلیلہ بیادگار گذاشتہ گنج دانش تذکرہ طوس ۲ہ ابو جعفر طوسی طبقۂ امامیہ کے نہایت جلیل القدر عظیم المرتبہ فقیہ اور محدث ہیں۔ ابو جعفر ثالث مشہور ہیں کیونکہ علامہ کلینی اور شیخ صدوق کی بھی یہی کنیت ہے اور نام بھی ہر سہ بزرگوں کا "محمد" ہے۔ شیخ مذکور حسن بن علی طوسی کے نامور بیٹے ہیں۔ رمضان ۳۸۵ھ ؍ ۹۹۵ء میں بمقام طوس ولادت ہوئی۔ اور محرم ۴۶۰ھ ؍ ۱۰۶۷ء میں بمقام نجف اشرف انتقال فرمایا تصنیفات میں استبصار، تہذیب، نہایہ، مبسوط، اور تفسیر قرآن دس جلد میں مشہور ہیں۔ مزید حالات کے لئے تاریخ اور تذکرہ دیکھو۔ گنج دانش صفحہ ۱۴۲ ۳ہ عماد الدین، ابو جعفر ثالث کے مثل آپ بھی فقیہ اور محدث ہیں پورا نام یہ ہے۔ ابو جعفر ثالث کے مثل آپ بھی فقیہ اور محدث ہیں پورا نام یہ ہے ابو جعفر عماد الدین محمد بن علی بن حمزہ بن محمد بن علی طوسی المشہدی .... مذہب جعفری کے کتب استدلالیہ میں مختلف عنوان سے شیخ کا نام آتا ہے۔ یعنی ابن حمزہ، ابو جعفر ثانی، ابو جعفر، عماد طوسی، شیخ طوسی، صاحب الوسیلہ، تصنیفات میں سے فقہ میں کتاب الوسیلہ الی نیل الفضیلہ مشہور ہے۔ ولادت اور موت کی تاریخ کا کہیں پتہ نہیں ہے ۔ لیکن یا تو ابو جعفر ثالث کے ہم عصر تھے یا قریب العصر تھے۔ گنج دانش صفحہ ۵۲ ۴ہ ابو نصر سراج، عالم، عارف، اور شیخ وقت تھے۔ کتاب لمعہ تصوف میں آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ طوس میں عموماً جنازوں کی نماز آپ کے مزار کے سامنے پڑھائی جاتی ہے۔ ابو محمد مرتعش کے مرید تھے۔ ۵ہ محمد بن اسلم ۔ یہ اپنے زمانہ کے قطب تھے "لسان الرسول اور شحنۂ خراسان" کے نام سے مشہور تھے۔ تمام عمر کوئی امر خلاف شریعت سرزد نہیں ہوا۔ امام علی رضاؑ کے ہم عصر تھے۔ آپ کے وعظ سے ۵۰ ہزار آدمی پابند شریعت ہو گئے۔ ۲ برس قید رہے مگر قرآن کو مخلوق نہیں کہا ۶ہ احمد مسروق مشہور ابرار ہیں۔ علوم ظاہر و باطن میں کامل تھے۔ آپ کا مجاہدہ اور تقویٰ مشہور ہے حارث محاسبی اور سری سقطی سے صحبت رہتی تھی۔ ۷ہ معشوق ۔ محمد نام تھا۔ اور معشوق کے لقب سے ممتاز تھے۔ مولانا جامی لکھتے ہیں "از عقلائے مجانین بودہ ولیس بزرگوار و صاحب حالی بکمال" شیخ ابو سعید ابو الخیر نیشا پور کو جا رہے تھے جب طوس کے دروازے پر پہنچے تو اول خادم بھیج کر حضرت سے اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو شہر میں داخل ہوں ۔ چنانچہ اجازت ہوئی۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

شعرا | ۴۔ فردوسی ۔اسدی خواجۂ منصور ۔سلطان علی ۔مولانا عبدالصمد ۔ملا نامی ۔محمد میرک صالحی ۔ ملا غزالی ۔شیخ رباعی ۔نجاتی ۔اقدسی ۔قاسم ارسلان ۔محمد رضا ۔غرمی یلسبتی ۔بدیعی ۔الفتی ۔نادری قدسی ۔شیدا۔

بقیہ صفحہ ۳۰ ۔اور آپ آتے"۔ جن کو شیخ ابو سعید کا درجہ معلوم ہے وہ اس واقعہ سے معشوق طوسی کی عظمت سمجھ سکتے ہیں ۔۔۔۔ ۵ ابو علی فارمدی ۔فضل بن محمد بن علی المشہور شیخ ابو علی فارمدی، یہ حقیقت میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے تھے ۔علوم ظاہری میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے شاہان سلاجقہ اور وزرا شیخ کے واسطے اپنی مسند خالی کر دیتے تھے ۔ ۹ ابو بکر نساج شیخ ابوالقاسم گرگانی کے سلسلہ میں نہایت نامور عارف ہیں ۱۱۰ برس کے ہو کر انتقال فرمایا۔ ذریعہ معاش کپڑا بننا تھا ۔اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کی معاش مریدوں کے نذرانہ پر ہے ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ۔ ۱۰ محمد بن منصور ۔مولانا جامی نے آپ کو صوفی اور محدث لکھا ہے ۔بغداد میں اکثر قیام رہتا تھا ۔بڑے مشہور عارف ہیں عثمان بن سعید الدارمی، ابوالعباس مسروق، ابو جعفر حداد مہین، ابو سعید خراز اور جنید آپ کے شاگردوں میں ہیں" ۱۱ بابا محمود شیخ عبداللہ کے مرید ہیں ۔حلقۂ تعلیم سے بھاگ نکلے تھے ۔لہٰذا مجذوب ہو کر رہ گئے ۔

انتخاب از نفحات الانس جامی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۸ء و تذکرہ فریدالدین عطارؒ مطبوعہ لاہور و گنج دانش تذکرۂ طوس مطبوعہ اصفہان ۔ ۱ شاید ہی کوئی ہو جو حسان العجم حکیم ابوالقاسم منصور فردوسی یا اسدی طوسی سے واقف نہ ہو شاہنامہ اور گرشاسپ نامہ نے دونوں کو حیات جاودانی بخشی ہے ۔اور فردوسی کی مدح میں ذیل کے اشعار کافی ہیں ؎

سکۂ اندر سخن فردوسی طوسی نشاند | کافرم گر ہیچ کس از جملہ فری نشاند
اول از بالائے کرسی برزمیں آمد سخن | او دگر دستش گرفت و باز برکرسی نشاند

۲۔ در شعر سہ تن پیمبرانند | ہر چند کہ لا نبی بعدی
اوصاف و قصیدۃ و غزل را | فردوسی و انوری و سعدی

۳۔ اب حکیم انوری کا قول سنئے ؎

آفریں بر رواں فردوسی آں ہمایوں نہاد فرخندہ او نہ استاد بود و ما شاگرد او خداوند بود و ما بندہ

فردوسی کی سوانح عمری اردو میں چھپ گئی ہے اس لئے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور شاہنامہ ہر کتب خانہ میں موجود ہے ۱۸۲۹ء میں کپتان ٹرنر نے ایک انگریزی ترجمہ بمقام کلکتہ شائع کیا اور ۱۸۳۲ء میں ٹی ایکنسن نے دوبارہ

(باقی در صفحۂ آئندہ)

وزرا	۵۔ ابو علی حسنؒ بن علی (نظام الملک)، عبدالرزاق (شہاب الاسلام)،
حکما	۶۔ خواجہ نصیر الدینؒ (سلطان الحکما نصیر الملۃ والدین)

بقیہ صفحہ ۳۸۔ شایع کیا۔ اور ۱۸۸۳ء میں مرنچ ترجمہ، جلدوں میں زیر نگرانی نہل صاحب شائع ہوا ہے۔ جلد ۵ صفحہ ۳۵۸ نیو پاپولر انسائیکلوپیڈیا۔ اور بقیہ شعرا کے حالات تذکروں میں موجود ہیں۔ البتہ صالحی محمد میرک خواجہ نظام الملک کی اولاد میں ہے طوس کو چھوڑ کر اصفہان میں سکونت اختیار کی تھی اول شاہ عباس صفوی کا وظیفہ خوار تھا اس کے بعد شاہنشاہ ہندوستان جلال الدین اکبر کے دربار میں حاضر ہوا کلام کا نمونہ یہ ہے ؎

مرا گویند بے دردان بزن دستی بدامانش | مرا دستے اگر بودے گریبان پارہ می کردم
اسباب ہلاک این ہمہ وزندہ ام ای ہجر | شرمندہ خود کرد مدارائے تو مارا
دردِ دل گفتم تغافل کرد خواری را ببین | گریہ کردم خندہ زد بے اعتباری را ببین
بدست اوست مرگم صالحی خاطر نشانم شد | کہ شاہین اجل ہم مرغ دست آموز دی بودست
نہ دیدہ قطرۂ خون از جگر بر آوردہ | بدیدن تو دل از دیدہ سر بر آوردہ

آئین اکبری صفحہ ۲۰۰ مرتبہ آنریبل سر سید احمد خان بہادر مرحوم مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ و آتشکدہ آذر صفحہ ۳۱۶۔

۵ نظام الملک کی سوانح عمری ناظرین کے ہاتھ میں ہے۔ اور عبدالرزاق شہاب الاسلام نظام الملک کا بھتیجا تھا جو سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر تھا۔ پورا نام یہ ہے" شہاب الاسلام عبدالدوام ابن الفقیہ عبداللہ بن علی بن اسحٰق طوسی" مزید حالات کے لیے دیکھو تاریخ "آل سلجوق" ۶ (خواجہ نصیر الدین) سلطان الحکما خواجہ نصیر الدین ابو جعفر محمد طوسی، محمد بن حسن طوسی کے بیٹے تھے۔ بروز شنبہ ۱۵ جمادی الاول ۵۹۷ھ قریب طلوع آفتاب مشہد مقدس میں پیدا ہوتے۔ گو بزرگوں کا وطن جہرود (مضافات قم) ہے مگر چونکہ خواجہ کا مولد و منشا طوس تھا اس وجہ سے طوسی مشہور ہوئے۔ خواجہ نے ابتدائی کتابیں اپنے باپ سے پڑھیں اور معقولات اپنے ماموں سے لیکن فریدالدین داماد نیشاپوری، قطب الدین مصری، کمال الدین بن یونس مصری، معین الدین سالم بن بدران معتزلی، سید علی بن علی بن طاؤس حسینی حلی، شیخ میثم بن علی بحرانی جیسے نامور علما سے تکمیل علوم فنون کی تھی۔ اور مراتب حکمت میں خواجہ کا سلسلہ شاگردی پانچ واسطوں سے بوعلی سینا تک پہنچتا ہے" جس کی تفصیل یہ ہے۔ فریدالدین داماد۔ صدرالدین۔ افضل الدین غیلانی ابوالعباس ریوگری۔ بہمن یار۔ شیخ الرئیس بوعلی سینا بلخی۔ اگرچہ خواجہ جامع علوم تھا مگر ریاضی میں فرد اکمل تھا۔ فوات الوفیات کا مصنف لکھتا ہے" کان راسا فی علم الاوائل لا سیما فی الارصاد والمجسطی، تصنیفات میں المتوسطات

(باقی در صفحہ آئندہ)

بقیہ صفحہ ۳۹ - بین الہندسہ والہیاۃ، نقد المحصل، تجرید الکلام، اوصاف الاشراف، جام گیتی نما - قواعد العقائد، التلخیص، اداب المتعلمین، العروض، تحریر اقلیدس وتحریر المجسطی، جامع الحساب، تعدیل المعیار، تہافۃ الفلاسفہ، وغیرہ مشہور ہیں علاوہ اس کے کرہ، اصطرلاب، اور زیچ کے متعلق متعدد تصنیفات ہیں - مورخین کا بیان ہے کہ جب خواجہ کے فضل وکمال کا بلاد ایران میں شہرہ ہوا تو رئیس ناصرالدین عبدالرحیم ابی منصور محتشم حاکم قہستان (گورنر منجانب شاہان اسمٰعیلیہ) نے خواجہ سے ملنے کا ارادہ کیا - اور آخر کار بمنت سماجت اپنے پاس بلا لیا - چنانچہ اسی زمانہ میں تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۱ھ) کا خواجہ نے ترجمہ کیا تھا اور امیر مذکور کے نام پر بطور تہدیہ (ڈیڈیکیشن) اخلاق ناصری نام رکھا (دیکھو دیباچہ ناصری) اور اسی جگہ سے خواجہ نے موید الدین محمد بن العلقمی وزیر مستعصم باللہ خلیفہ بغداد سے خط وکتابت شروع کی - اور خلیفہ کی مدح میں ایک عربی قصیدہ لکھا لیکن ابن العلقمی چونکہ خواجہ کے فضل وکمال سے واقف تھا لہٰذا اُسے یہ گوارا نہیں ہوا کہ دربار خلافت میں کوئی میرا سہیم وشریک پیدا ہو - اور خواجہ کی آمد کو اپنے زوال کا باعث سمجھا لہٰذا اصل خط کی پشت پر حسب ذیل عبارت لکھکر امیر ناصرالدین کے ملاحظہ کے لئے بھیج دیا "نصیرالدین طوسی را دوری درگاہ تو در خاطر خلیدہ ومدحی در حق خلیفہ عصر سر دادہ، ونامہ بمن رقم نمودہ تا منظور اورا در پیش گاہ خلافت پناہ متمشی سازم وازانجا کہ انجام این معنی منافی مقام یکجہتی ودوست داری بود لازم شد کہ اعلام نمایم تا غافل نباشی" امیر مذکور یہ خط پڑھکر مشتعل ہو گیا اور خواجہ کو قید کر دیا - اور پھر قہستان سے دارالسلطنت قزوین میں علاؤالدین محمد بادشاہ اسمٰعیلیہ کے حضور میں بھیج دیا خواجہ قلعہ الموت میں رہا کرتا تھا - اور اپنی زندگی تصنیفات میں بسر کرتا تھا - چنانچہ قاضی شمس الدین احمد قزوینی کی تحریک پر جب منکوقاآن نے اپنے بھائی ہولاکو خاں کو ملاحدہ اسمٰعیلیہ پر تعینات کیا ہے اُس وقت خواجہ رکن الدین خورشاہ کی خدمت میں حاضر تھا جو آخری بادشاہ اسمٰعیلیہ کا تھا گو یہ بادشاہ کم سن تھا مگر خواجہ کی بہت بڑی عزت کرتا تھا لیکن قید سے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے خواجہ اور رئیس الدولہ وغیرہ امرائے دربار نے ہولاکو خان سے سازش شروع کی - اور درپردہ خورشاہ کو بھی اطاعت پر رضامند کر لیا - اور بالآخر خواجہ نے متعدد سفارتوں کے آمد ورفت کے بعد خورشاہ کو ہولاکو خاں کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا چنانچہ اس واقعہ کو خود ہی خواجہ نے نظم کیا ہے ؎

سال عرب چو ششصد و پنجاہ چار شد ۶۵۴ — یکشنبہ روز اول ذیقعدہ بامدا

خورشاہ بادشاہ اسمٰعیلیاں ز تخت — برخاست، پیش تخت ہلاکو بایستاد

(باقی در صفحہ آیندہ)

باقی صفحہ ۴۴ چنانچہ جب قلعہ الموت فتح ہوگیا اور ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء میں تمام ملاحدہ کا استیصال ہوگیا تو خواجہ کو ہلاکو خان اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور چونکہ محض خواجہ کی حکمت عملی سے دبغیر خوں ریزی کے خورشاہ قبضہ میں آگیا تھا لہٰذا اس صلہ میں خواجہ کا قصور معاف کردیا گیا اور نوازشات شاہی سے خواجہ کی عزت افزائی کی گئی۔ اور چند ہی روز کے بعد خواجہ نے اس ظالم کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ چنانچہ سلطنت کا کوئی کام ایسا نہ تھا جو بے مشورت خواجہ طے ہوتا ہو۔ لیکن افسوس ہے کہ خواجہ نے اپنے اقتدار سے جو کام لیا وہ یہ تھا کہ ہولاکو خان کو بغداد کی بربادی پر پوری طور سے آمادہ کیا اور اُس کا منشا بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ مویدالدین علقمی سے پورے جوش سے انتقام لیا جائے گو ابتداءً بنظر تعصب مویدالدین علقمی نے ہولاکو سے سازش کی تھی۔ لیکن اگر خواجہ کی ترغیب شامل نہ ہوتی تو بغداد پر ہرگز حملہ نہ ہوتا کیونکہ خلفائے عباسیہ کی عظمت وشان اور نیز اُن افسانوں سے جو عقیدت مندوں نے ہولاکو خاں کو سُناتے تھے۔ اُس کی ہرگز جرأت نہ پڑتی تھی کہ وہ بغداد پر حملہ کرے کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ بغداد پر فوج کشی کرنے سے قیامت آجائے گی یا ایسے واقعات کا ظہور ہوگا جو قیامت سے کم نہ ہوں گے۔ لیکن خواجہ نے سمجھایا "کہ عادت اللہ دریں عالم چنیں قرار گرفتہ کہ امور بر مجاری طبیعت عالم باشد مستعصم باللہ در شرف نہ بیحیی ابن زکریا می رسد نہ بحسین ابن علی وایں ہر دو را اعادی بہ تیغ بے دریغ سر بریدند و جہاں ہم چناں برقرار است" اسی قسم کے اور بھی فلسفیانہ اور حکیمانہ فقرے کہے جو جاہل کی سمجھ میں آ گئے اور مغلوں کے فوجی سیلاب نے بغداد کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور آخر کو مستعصم باللہ قتل کرویا گیا اور چالیس دن قتل عام کرکے بغداد کو بھی تباہ کردیا۔ دریائے دجلہ کا پانی بے گناہوں کے خون سے سرخ ہوکر بہا کیا۔ تباہی کیسی عظیم الشان تھی اور سیلِ تاتار کی طغیانی کہاں تک تھی اس کو قلم سے ادا کرنا مشکل ہے، شائقین مستعصم باللہ کے عہد کی تاریخ اور نامور شعرا کے فارسی و عربی قصائد پڑھیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمیں ۔۔۔ بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

بہر حال خلافت عباسیہ کی بربادی کا خواجہ کے دامن پر ایسا دھبہ ہے جس کو قیامت تک کوئی مورخ نہیں دھو سکتا ہے۔ اس کارگزاری کے بعد ۶۵۷ھ ۱۲۵۸ء میں ہولاکو خان نے خواجہ کو تعمیر رصد پر مامور کیا اور خواجہ کی زندگی کا یہ مہتم بالشان واقعہ ہے۔ اس رصد کی بدولت خواجہ کو علاوہ جاگیر اور منصب کے اس قدر دولت ہاتھ آئی جس کا شمار غیر ممکن ہے" یہ رصد بمقام مراغہ بنائی گئی تھی اور خواجہ کے علاوہ مویدالدین عروضی دمشقی۔ اور فخرالدین مراغی، فخرالدین خلاطی، اور نجم الدین قزوینی، قطب الدین شیرازی، محی الدین مغربی جیسے حکما شریک تھے۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

اور کسی شاعر نے ذیل کے اشعار میں ان ہی نامور بزرگوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حبذا آب و خاک بقعہ طوس۔ گرشد آرام گاہ اہلِ نظر
معدن و منبع حقیقت و فضل۔ مرتع و مربع صفا و نظر
آب او چون سپہر مہر نمائے خاک او چون صدف گہر پرور
ہر بزرگی کہ بود اندر طوس آمدہ است از جہانیان برتر
ہم چو غزالی و نظام الملک ہم چو فردوسی و ابو جعفر
واندریں روزگار خواجہ نصیر اعلم عصر و مقتدائے بشر
کز افاضل زمبدء فطرت تا باکنون چو او نخواست دگر
این چنین شہر با چنین فضلا سزدار بر فلک فراز د سر

ایک دوسرے شاعر کا یہ قول ہے۔

۲۔ ہر دبیر و شاعر و مفتی کہ او طوسی بود چوں نظام الملک و غزالی و فردوسی بود

طوس کا موجودہ نام طوس کا موجودہ نام "مشہد مقدس یا مشہد رضوی" ہے۔ اور یہ تقدس امام علی رضا علیہ السلام کی ذات پاک سے ہے۔ لیکن مشہد حقیقت میں فی زمانہ صوبہ خراسان کا ایک مشہور شہر ہے۔ جس میں امام صاحب کا مزار پُرانوار ہے۔ اور یہ جگہ طوس سے پندرہ میل کے فاصلہ پر جانب شمال و مشرق واقع ہے۔ اور یہی موقع موضع (سنا باد)

بقیہ صفحہ ۴۱۔ اور جو زیچ تیار کی تھی اس کا نام "زیچ ایلخانی تھا"۔ بہرحال خواجہ اُن مشاہیر میں داخل ہیں کہ جن کی مستقل سوانح عمری کی ضرورت ہے ۶۷۲ھ میں انتقال کیا اور بغداد میں بمقام کاظمین دفن ہوئے۔

نصیر ملت و دین پادشاہ کشورِ فضل یگانۂ کہ چنو مادر زمانہ نہ زاد
بسال ششصد و ہفتاد و دو بذیجہ بروز ہیجدہم درگذشت در بغداد

انتقال کے وقت خواجہ کے تین بیٹے موجود تھے۔ جن کے نام یہ ہیں صدرالدین علی۔ اصیل الدین حسن۔ فخرالدین احمد۔ انتخاب از ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۔ جامع التواریخ رشیدی مطبوعہ پیرس ۱۸۳۶ء عہد ہولاکو۔ گنج دانش صفحہ ۳۴۲۔ طبقات ناصری مطبوعہ سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۳ء۔ مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۶۲۳۔ کشف الظنون صفحہ ۱۴ جلد ۲۔ اکتفاء القنوع صفحہ ۱۹۷۔

کا ہے جہاں ہارون الرشید عباسی کی قبر ہے۔ خلیفہ مامون الرشید نے اس خیال سے کہ امام صاحب کے قرب سے ہارون الرشید بھی مستفید ہو قبر کا تعویذ اکھڑوا کر حضرت علی رضا کو بھی اُس میں دفن کیا تھا لیکن خانقاہ کی تعمیر کے وقت رشید کی قبر کا تعویذ جداگانہ بنایا گیا ہے۔

اٹلس میں مشہدؔ کا موقع حسب ذیل ہے۔

طول البلد شرقی ۲۷۔۳۵۔۵۹۔

عرض البلد شمالی ۴۰۔۱۷۔۳۶۔

طوس اور مشہد مقدس کے مختصر تاریخی حالات جس کا لکھنا ضروری تھا، وہ سب لکھے جا چکے ہیں اب ہم اس نامور کے حالاتِ زندگی لکھتے ہیں جس کے وطن ہونے کا طوس کو فخر ہے۔

لہ طوس، امام علی رضا، اور مشہد یہ نام ایسے لازم وملزوم ہیں کہ جن پر مفصل حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے امید ہے کہ ناظرین اس تاریخی معلومات کو خارج از بحث کا الزام نہ دیں گے۔

حضرت امام علی رضا ایمہ اثنا عشر میں آٹھویں امام ہیں۔ مامون الرشید نے آپ کا لقب (اَلرِّضَا مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ) قرار دیا تھا اور عوام (سُلْطَانُ الْغُرَبَا) کہتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے آپ خلف الرشید ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے اور اخیر صفر ۲۰۳ھ میں بمقام طوس پچپن ۵۵ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ زہد و تقویٰ آپ کا ضرب المثل ہے۔ مامون الرشید نے جامع الصفات دیکھکر آپ کو ولی عہد خلافت مقرر کیا تھا اور یہ ولیعہدی آپ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ہے شعرائے عجم اور عرب نے آپ کی مدح میں بکثرت قصائد لکھے ہیں چنانچہ دعبل کے ایک مطلع اور قاآنی کے چند اشعار پر ہم بھی اکتفا کرتے ہیں۔

ذکرت محل الربع من عرفات — فاجبایت دمع العین بالعبرات

بگردون تیره ابری با مدادان بر شد اندریا — جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز و گوہر زا

چمن از فر فروردیں چنان از شت چین — کہ طوس از فر شاہِ دین بریں نہ گنبد خضرا

نہالِ باغ علیین بہار مرغزار دیں — نسیم روضہ یاسین شمیم دوحہ طہٰ

نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبر — فروغ دیدۂ حیدر سرور سینۂ زہرا

امام ثامن حرکیش چوں حرم آمن — زمین از خرم او ساکن سپہر از عزم او پویا

خواجہ حسن کا خاندان اور وطن

نسب نامہ | خواجہ حسن کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن اسحاق بن عباس طوسی

بقیہ صفحہ ۴۳ ۔ مشہد کی اصلی عظمت و شان وشوکت امام صاحب کی ذات سے وابستہ ہے۔ مشہد مشرقی طرز کا شہر ہے۔ جس کے چاروں طرف کچی مٹی کی فصیل ہے اور اس پر برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ شہر پناہ چند دروازوں پر تقسیم ہے۔ اور ایک خوبصورت نہر شہر کے اندر آئی ہوئی ہے جس کے کنارے خوش نما اور سرسبز درخت نصب ہیں۔ اور سب سے زیادہ دل فریب منظر ایک بڑی بازار کا ہے جس کا نام خیاباں ہے۔ یہ بازار بخط مستقیم پونے دو میل لمبا ہے اور شمال و مغرب سے جنوب و مشرق کی سمت میں شہر کو دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے۔ نواب لارڈ کرزن بہادر موجودہ وایسرائے ہندوستان اس بازار کو پیرس کی "شان زی لیزی" سے تشبیہ دیتے ہیں مردم شماری پینتالیس ہزار ہے جس میں مسلمان۔ عیسائی۔ یہودی۔ شامل ہیں اور مسلمانوں میں سب سے بڑی جماعت طبقۂ امامیہ کی ہے، شاذونادر اہل سنت وجماعت بھی ہیں۔ البتہ یہ خوشی کا مقام ہے کہ مذہبی تعصب میں روز بروز کمی ہو رہی ہے۔ صنعت اور حرفت میں صرف ریشمی سوتی کپڑے اور مخمل تیار ہوتی ہے چھ سو ۶۲۰ بیس ریشم کے اور تین سو تیس شالبافی کارخانے ہیں۔ قالین کی بھی تجارت اچھی ہوتی ہے دمشقی وضع کے تلوار کے پھل بھی تیار ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ اور دولت روس کا کانسل رہتا ہے۔ آٹھ سو جوانوں کی تین پیدل پلٹنیں یہاں رہتی ہیں اور شاہی قلعہ میں بیش توپیں ہیں۔ ایرانی گورنر جنرل (دارک) قلعہ میں رہتا ہے تجارت میں ہر قسم کی آسانی ہے۔ ۱۴۴ بڑے ساہوکاروں کی دکانیں ہیں۔ جن کے سرمایہ کا اندازہ چھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار پونڈ انگریزی کیا جاتا ہے۔ علاوہ اس کے "امپریل بنک خراسان" کی ایک شاخ بھی کھلی ہوئی ہے۔ روس کے نوٹ، اور انگریزی روپیہ پوری قیمت پر بکتا ہے۔ مشہد سے اصفہان تک تار برقی جاری ہے اور ایک شاخ قلات، درگذر، اور سرخس تک گئی ہوئی ہے سیستان کی شاخ زیر تیاری ہے۔ عمارت میں امام صاحب کا مزار اور مساجد مشہور ہیں۔

امام صاحب کا مزار اگرچہ تاریخ دفن سے مرجع خلائق ہے لیکن اس میں شان وشوکت کے جلوے آہستہ آہستہ پیدا کئے گئے ہیں ابتدا میں۔ تیمور کے سب سے چھوٹے بیٹے اور اس کی نامور بیگم گوہر شاد نے اس کو مزین و آراستہ کیا ہے لیکن سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں جب کہ ایران کی حکومت صفویہ خاندان میں آئی تو اس کے نامور حکمراں شاہ اسمٰعیل، طہماسپ اور عباس صفوی نے اس کو مذہبی شہرت کا مرکز (باقی درصفحۂ آئندہ)

اور دوسری روایت ہے کہ خواجہ علی احمد بن اسحٰق بن احمد طوسی" مگر پہلا شجرہ متفق علیہ ہے۔
خواجہ حسن کی والدہ کا نام" زمرد خاتون" تھا۔ اور یہ معزز خاتون ابوجعفر کی نسل سے ہے۔

بقیہ صفحہ ۴۴ - بنادیا۔ چنانچہ ہر سال ایک لاکھ زائر مزار مقدس کی زیارت کو آتے ہیں اور پانچ ہزار سے آٹھ ہزار زائروں کا مجمع روزانہ رہتا ہے اور اس لحاظ سے متولی اور مجتہدین مشہد کے ہاتھ میں ہر وقت گویا ایک بے ضابطہ فوج رہتی ہے۔ مزار کا ناظم "متولی باشی" کہلاتا ہے اور رسوخ میں ایرانی گورنر جنرل کے برابر درجہ رکھتا ہے۔ خانقاہ کی موجودہ آمدنی ساٹھ ہزار تومان (ستره ہزار پونڈ انگریزی) اور دس ہزار خروار غلہ (۸۰ من پلہ سیر کا ایک خروار) ہے وقفی خزانے میں کروڑوں کی دولت جمع ہے۔ اس کے علاوہ غیر منقولہ جائداد تمام ایران میں وقف پائی جاتی ہے تنخواہ دار عملہ قریب دو ہزار کے ہے۔ پروفیسر ویمبری لکھتے ہیں کہ خانقاہ خوبصورتی اور شان وشوکت میں۔ نجف۔ کربلا۔ مدینہ اور قم کی خانقاہوں سے بڑھکر ہے۔ اور اندرونی اور بیرونی منظر یکساں ہے کیونکہ خانقاہ کا گنبد دور سے مسافروں کو روشنی کے مینار کا کام دیتا ہے۔ اور اندرونی زیب وزینت نظر کو چکا چوند میں ڈال دیتی ہے" سونے چاندی کی قندیلیں اور گولے چھت سے آویزاں ہیں۔ ایک زمانہ میں پانچ من سونے کا گولہ لٹکتا تھا جس کو نادر شاہ کے بیٹے اُتار کرے گئے۔ دیواریں اور زمین جواہرات سے آراستہ ہیں۔ جھاڑ۔ فانوس۔ اور طلائی شمعدان۔ حریر کے پردے نہایت بیش قیمت ہیں۔ مزار کے گرد نقرئی طلائی اور فولادی ضریحیں نصب ہیں۔ پہلی ضریح شاہ طہماسپ نے نصب کرائی تھی۔ داخلہ کے دروازے تین ہیں۔ ایک نقرئی۔ دوسرا طلائی (فتح علی شاہ کا بنوایا ہوا ہے۔ جس میں بیش قیمت جواہرات نصب ہیں) تیسرے دروازے پر موتیوں کا قالین بچھا ہوا ہے۔ مزار کا حرم ملزموں کے واسطے مامن ہے۔ مزار کے متصل امام صاحب کے مسجد ہے۔ جس میں چھ سو خادم تنخواہ دار ہیں۔ اور جو زائر یہاں ٹھہرتے ہیں ان کو امام صاحب کے لنگر خانہ سے کھانا دیا جاتا ہے۔ اور محرم میں یہ خیرات غیر معمولی طریقہ سے ہوتی ہے۔ دوسری مسجد گوہر شاد کی ہے جو ۸۲۱ھ میں تعمیر ہوئی ہے۔ عمارت میں کاشی (منسوب بہ کاشاں) کا کام بے نظیر ہے۔ خانقاہ کے متعلق ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں تین ہزار چھ سو چون جلدیں ہیں منجملہ ان کے آٹھ سو باون مصاحف، دو سو ننانوے کتب ادعیہ، دو سو چھیالیس عام کتب فقہ اور دو سو اکیس فقہ شیعی کی کتابیں ہیں۔ یہ کتب خانہ شاہرخ کا قائم کیا ہوا ہے لیکن شاہ عباس اور سلطان حسین صفوی نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ نادر شاہ جو محض جاہل تھا چار سو قلمی کتابیں اُس نے بھی داخل کی تھیں۔ (انتخاب از کتاب لاتحاف بحب الاشراف صفحہ ۱۵۵۔ المامون حالات ولیعہدی صفحہ ۹ حصہ اول طبع ثانی رواتی در صفحہ آئندہ)

جس کا سلسلۂ نسب محمد بن حمید بن عبد الحمید طوسی پر ختم ہوتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں آل حمید کا خاندان بہت مشہور ہے کیونکہ اس خاندان کے اکثر نامور عہد خلافت عباسیہ میں وزیر ہوئے ہیں"

خاندان علامہ تاج الدین ابن سبکی، سمعانی، اور ابن خلکان کے خواجہ حسن کے خاندان کی نسبت یہ الفاظ ہیں:۔ "وکان من اولاد الدہاقین ای الذی یعلمون فی البساتین بنواحی طوس"۔ یعنی خواجہ دہقان زادہ تھا اور اُس کے بزرگ نواح طوس میں باغبانی کا پیشہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے چونکہ کسب معاش کے جائز ذریعوں کو چھوڑ رکھا ہے اس لئے ان کی نظر میں باغبانوں کی شاید کچھ عظمت نہ ہو یا خواجہ اور اُس کے بزرگوں کی نسبت اُن کا خیال حقارت آمیز ہو۔ مگر اُس عہد میں جس کی یہ تاریخ ہے شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا جس نے محض علم کو معاش کا آلہ بنایا ہو۔ ورنہ قوم کا ہر فرد پیشہ ور تھا۔ حتیٰ کہ ائمہ اور مجتہدین بھی پیشوں کے انتساب سے خالی نہ تھے اور پھر لطف یہ تھا کہ ترقی تجارت ان کی علمی مشاغل پر کبھی غالب نہیں ہوتی۔ اور اسی ذوق شوق کا نتیجہ تھا۔ کہ معمولی دیہات کے طلبہ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتوں سے بڑھکر ہوتے تھے۔

مسلمانوں کی علمی تاریخ کا یہ باب نہایت پُر فخر ہے کہ اُس میں جیسے باغبانوں کے نونہال گلستان حکمت و فلسفہ میں سر برآوردہ ہوا کرتے تھے۔ ویسے ہی اعلیٰ طبقہ کے ہونہار علمی شاخوں میں ممتاز ہوتے تھے۔ خصوصًا طوس کی تاریخ میں یہ واقعہ نہایت مہتم بالشان ہے۔ اور اُس کے اس فخر کو کون مٹا سکتا ہے؟ کہ فردوسی بھی دہقان زادہ اور ایک باغبان کا لڑکا تھا۔ مگر ایسا شاعر ہوا کہ نو سو برس میں کسی فصیح و بلیغ شاعر سے اُس کی کتاب شاہنامہ کا جواب نہ ہو سکا۔ اور دوسرا نامور خواجہ حسن تھا جو وزیر ہوا اور وزیر بھی کیسا کہ ضرب المثل کے درجہ تک پہنچا۔

بقیہ صفحہ ۴۵۔ سفرنامہ ایران لارڈ کرزن وایسرائے ہند موسومۂ خیابان فارس مترجمہ ظفر علی خاں۔ بی۔اے صفحہ ۳۰۷ سفرنامہ پروفیسر ویمبری باب ۲۷۔ زبدۃ الاخبار۔ حالات مشہد صفحہ ۲۰۲۔ جغرافیہ فانڈیک امیرکانی صفحہ ۱۰۔ سفرنامہ ابن بطوطہ حالات مشہد۔

لہ دستور الوزرا نسخہ قلمی حالات خواجہ نظام الملک۔

خواجہ حسن کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے۔

عباس
اسحاق

عبداللہ (فقیہ) — علی

عبدالرزاق شہاب الاسلام۔ — حسن (نظام الملک)

عبدالدوام (وزیر سنجر سلجوقی) — خواجہ حسن کی اولاد کی تفصیل اپنے موقع پر تحریر ہے

علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ نواح طوس میں رادکان[1] ایک چھوٹا شہر ہے جو خواجہ حسن (نظام الملک) کا وطن ہے۔

بہرحال خواجہ حسن کا اصلی وطن طوس ہے۔ جس کے ایک حصہ کا نام نوقان ہے۔ اور نوقان کے متصل رادکان ہے۔ جس کو غالباً آب و ہوا کی عمدگی کی وجہ سے خواجہ کے بزرگوں نے اپنی مستقل سکونت کے لئے انتخاب کیا ہوگا اور یہی سبب ہے کہ کتب انساب میں خواجہ کو رادکانی لکھا ہے۔

بہرحال یہ مسلم ہے کہ خواجہ کے بزرگ باغبان تھے۔ اور یہی پیشہ معاش کا ذریعہ تھا۔ مگر اسحق اور عباس جو خواجہ کے دادا اور پر دادا تھے۔ اُن کے حالاتِ زندگی بالکل نا معلوم ہیں۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دونوں بزرگ باغبانی کرتے تھے یا کیا؟

---

[1] خراسان جاتے ہوئے چشمۂ سبز کے قریب رادکان ملتا ہے۔ قدیم شہر کئی مرتبہ ویران ہوا ہے۔ سب سے اخیر دور میں رضا قلی میرزا پسر نادر شاہ نے اس کو آباد کیا تھا۔ موجودہ آبادی ایک گاؤں کے برابر ہے۔ آثار قدیم میں قلعہ، تالاب، حوض، حمام، باقی ہیں رادکان میں اکثر اہل علم گذرے ہیں جن میں ابو محمد عبداللہ بن ہاشم۔ حسین بن احمد بن محمد ابوالازہر اور ابو سعد رادکانی مشہور علما ہیں۔ رادکان سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر مشہور مرغزار واقع ہے جس کو آب "کوک باغ" کہتے ہیں۔ اور قدیم نام "النگ رادکان" ہے۔ النگ ترکی میں چمن و سبزہ زار کو کہتے ہیں" (انجمن آرائے ناصری) یہ جگہ لطافت آب و ہوا میں صُغد سمرقند وغیرہ کے ہم پلہ ہے اس کا طول ۱۲ فرسنگ اور عرض ۵ فرسنگ ہے۔ شاہانِ ایران تبدیل آب و ہوا کی غرض سے یہاں جایا کرتے تھے۔ اور ترکان خاتون بیگم ملکشاہ سلجوقی اکثر یہاں رہا کرتی تھی۔ ناصرالدین شاہ مرحوم نے بھی خراسان جاتے ہوئے اس جگہ قیام فرمایا ہے۔ گنج دانش صفحہ ۳۶ و ۲۲

خواجہ حسن کی ولادت اور ابتدائی حالات

ابن خلکان کی روایت کے مطابق جمعہ کے دن اکیسویں ذیقعدہ ۴۰۸ھ / ۱۰۱۸ء میں بمقام نوقان خواجہ حسن کی ولادت ہوئی[1]۔

وجہ تسمیہ ولادت کے بعد علی اور زمرد خاتون نے اپنے پیارے بیٹے کا نام "حسن" رکھا اور اس وجہ تسمیہ کے متعلق ایک دلچسپ روایت ہے جس کو زمرد خاتون نے اس طرح پر روایت کیا ہے[2] کہ "خواجہ کی ولادت کے دو دن بعد میں نے خواب دیکھا کہ ایک پاک اور ستھری جگہ میں رحل پر کلام مجید رکھا ہوا ہے — اور سجادہ پر ایک بی بی بیٹھی ہوئی بچہ کو دودھ پلا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ "آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میرا نام "فاطمہ زہرا" ہے میں نے بڑے ادب سے سلام کیا۔ میرے سلام کا نرمی اور مہربانی سے جواب دیا۔ لیکن چونکہ میں نام نامی سن کر ہیبت زدہ ہو گئی تھی۔ اس لئے خواجہ کو گود میں لئے ہوئے الگ کھڑی رہی خاتون جنت نے مجھکو بلا کر اپنے قریب بٹھا لیا اور ارشاد فرمایا کہ "میں نے ایک دن بابا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا تھا کہ کاش میری بھی ایک بہن ہوتی۔ آپ نے فرمایا کہ میری امت کی تمام نیک بیبیاں تمھاری بہنیں ہیں۔ اور میں تجھ میں بھی نیکی کے آثار پاتی ہوں" پھر خواجہ کو اپنی گود میں لے لیا اور صاحبزادے کو جسے آپ گود میں لئے ہوئے تھیں مجھے دیدیا اور خواجہ کو بکمال محبت دودھ پلایا اور مجھ سے پوچھا کہ اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تک کوئی نام تجویز نہیں ہوا ہے۔ فرمایا اس کے باپ کا نام "علی" ہے لہذا اس کا بھی نام "حسن" رکھنا۔ کیونکہ میرے لخت جگر کا بھی یہی نام ہے۔"

جب صبح کو میں نے یہ خواب خواجہ علی سے بیان کیا تو وہ جوش مسرت سے اچھل پڑا اور اس شکریہ میں بہت کچھ خیرات کی اور خواجہ کا نام "حسن[3]" رکھا۔

زمرد خاتون کا یہ خواب سچا تھا یا جھوٹا ہم کو اس سے کوئی بحث نہیں ہے مگر زمرد نے اپنے لال کا نام ایسا پیارا رکھا کہ وہ اسم بامسمیٰ ثابت ہوا اور حسن حقیقت میں آسمان شہرت پر آفتاب عالمتاب ہو کر

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۱۴۳۔ جلد اول حالات خواجہ حسن۔

[2] دستورالوزرا مصنفہ خواجہ نظام الملک نسخہ قلمی صفحہ ۸۰۔

[3] چونکہ خواجہ کا نام حسن ہے۔ لہذا مستقل وزیر ہونے تک ہر جگہ خواجہ حسن لکھا جائے گا۔



نظام الملک طوسی

چمکا۔ اگرچہ کہہ سکتے ہیں کہ زمرد خاتون کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی لیکن ہمارے خیال میں خواجہ کا امام حسن علیہ السلام کا ہم نام ہونا خود ایک نیک شگون تھا جو دنیا میں اُس کی نیک نامی کا باعث ہوا سچ ہے ؎

بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس ست ۔۔۔ فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا

عورتوں کے عقیدہ کے مطابق زمرد خاتون نے جو خواب دیکھا تھا۔ اس کا یہ لازمی اثر دل پر ہوگا کہ میرا بچہ آگے چل کر خوش نصیب ہوگا۔ کیونکہ کسی بچہ کو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا دودھ پلانا بڑی خیر و برکت کی بات ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنے اس ہونہار بچہ کی جوانی کی بہار دیکھنا زمرد خاتون کی قسمت میں نہ تھی۔ اور ہنوز حسن کی دودھ بڑھائی کی تقریب بھی نہ ہونے پائی تھی کہ زمرد خاتون اپنے کلیجہ کے ٹکڑے کو قسمت کے حوالے کر کے خود دنیا سے چل بسی۔ اور حسن بے ماں کا بچہ ہوگیا۔ خواجہ علی کو اپنی رفیق بی بی کی جدائی کا سخت صدمہ ہوا مگر صبر کر کے خاموش ہو رہا اور حسن کو اُس کی تقدیر پر چھوڑ دیا اور خاص توجہ سے حسن کی پرورش کا اہتمام کیا مگر ماں کی گود کچھ ایسی بُری ساعت میں خالی ہوئی تھی کہ ایک دایہ کا دودھ بھی حسن کو نصیب نہ ہوا بلکہ ایام رضاعت میں یہ چمکتا ستیارہ مختلف دائیوں کی گود میں چلتا پھرتا رہا۔ اور اسی طرح سے دور طفلی ختم ہوگیا[۵]۔

ایک[۶] مورخ نے لکھا ہے کہ "حسن کی ولادت کے قبل طوس میں چار برس سے بارش نہیں ہوئی تھی اور خدا کی مخلوق قحط کی مصیبت سے تباہ حال ہو رہی تھی۔ لیکن جس دن خواجہ حسن پیدا ہوا اُسی دن بارانِ رحمت کا نزول ہوا اور خشک سالی کی بلا دور ہوگئی اور عوام نے اس مولود سعید کی ولادت کو ایک مبارک سال سمجھا"۔ اس روایت کی تحریر سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے خواہ مخواہ سچ سمجھو بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ بلند اقبال لوگوں کی سوانح عمری میں انشا پرداز کس قسم کے واقعات فخریہ لکھا کرتے تھے۔ البتہ یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ شاہوں، وزرا، اور اُمرا کے بچوں میں بعض باتیں ایسی مافوق الفطرت ہوتی ہیں کہ جو عوام کے بچوں میں نہیں ہوتیں۔

چونکہ خواجہ حسن کے سر سے بچپن میں اس کی ماں کا سایہ اُٹھ گیا تھا اس لئے عالمِ رضاعت اور خورد سالی کے کچھ حالات نہیں معلوم ہو سکے کیونکہ ایسی روایتوں کا مجموعہ ہمیشہ ماں مرتب کرتی

۵ کامل اثیر جلد دہم صفحہ ۱۔ ۶ دیباچہ وصایا نظام الملک نسخہ قلمی۔

ہے اور وہی اُس کی راوی ہوتی ہے :

خواجہ حسن کی تعلیم وتربیت، شیوخ واساتذہ، طالب علمانہ سفر

تمام مورخ خواجہ حسن کے فضل وکمال کی گواہی دیتے ہیں اور اس کی ذہانت وفراست کی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن علوم وفنون کی کیفیت اور حد تحصیل کی شرح کسی نے بھی نہیں لکھی ہے۔ علامہ تاج الدین طبقات[1] میں لکھتے ہیں: "تحفظہ ابواہ القرآن وشغلہ فی التفقہ علی مذہب الشافعی"۔

اور ابن خلکان[2] میں ہے "واشتغل بالحدیث والفقہ"۔

ایسی کمزور بنیاد پر مستحکم عمارت نہیں اُٹھ سکتی ہے، کیونکہ صرف یہی چند لفظ ہیں جو خواجہ کی

---

[1] قاضی القضاۃ تاج الدین ابوالنصر عبدالوہاب، علامہ تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی الانصاری سبکی کے نامور بیٹے ہیں۔ ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء میں بمقام مصر پیدا ہوئے۔ اور علوم وفنون کی تکمیل اپنے والد اور دیگر مشاہیر علما سے کی۔ فراغ علم کے بعد تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا۔ اور جو کتاب لکھی وہ مقبول عام ہوئی۔ طبقات الکبریٰ، مشاہیر شافعیہ کا نہایت مکمل تذکرہ ہے مگر اس وقت تک چھپا نہیں ہے۔ کتب خانہ پٹنہ، حیدر آباد، اور لکھنؤ میں قلمی نسخہ موجود ہے منجملہ دیگر کتابوں کے معید النعم مصر میں چھپ گئی ہے۔ ۷۷۱ھ/۱۳۶۹ء میں انتقال فرمایا قاضی صاحب کے والد علامہ تقی الدین مصر کے ائمہ مجتہدین میں داخل ہیں فقیہ، محدث، صوفی، حافظ، مفسر، اصولی، متکلم، نحوی، لغوی، ادیب، جدلی، خلافی یہ سب الفاظ علامہ کے ذاتی صفات ہیں۔ بمقام سبک (مصر) صفر ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ مشاہیر روزگار علما سے تکمیل علوم وفنون کی بحر العلوم کے خطاب کے مستحق تھے۔ صلاح الدین صفدی کا قول ہے کہ "لوگ کہتے ہیں کہ امام غزالی کے بعد کوئی شخص علامہ تقی الدین کے مثل نہیں گذرا ہے۔ مگر میری رائے میں جو یہ کہتے ہیں وہ بڑا ظلم کرتے ہیں۔ علامہ سفیان ثوری کے ہم پلہ ہیں۔" ہر علم وفن میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ پورے ایک صفحہ میں تصنیفات کی فہرست لکھی جاسکتی ہے جزیرۃ الفیل (دریائے نیل کے کنارے واقع ہے) میں بروز دوشنبہ ۴ جمادی الآخر ۷۵۶ھ/۱۳۵۵ء میں انتقال فرمایا۔ جمال الدین ابن نباتہ اور صلاح الدین صفدی نے مرثیہ لکھا تفصیل کے لئے دیکھو حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ۔ جلد اول صفحہ ۱۴۵-۱۵۰۔

[2] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۴۳۔

ابتدائی اور انتہائی تعلیم کے متعلق ہمارے نامور مورخوں نے لکھے ہیں لیکن واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ اسحق کے خاندان میں علمی مذاق کافی طور سے موجود تھا۔ کیونکہ دستور[1] الوزرا کی روایت ہے کہ "خواجہ حسن کا والد خواجہ علی طوسی ایک فیاض اور کریم النفس شخص تھا اور سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں وصول مال گذاری کا مہتمم (صاحب[2] الخراج) تھا"۔ یہ عہدہ کوئی معمولی نہ تھا جس طرح فی زمانہ تحصیلدار ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ اسلامی قانون کے مطابق صاحب الخراج کو علم فقہ، حساب، مساحت وغیرہ جاننا لازمی تھا۔ کیونکہ وصول مال گذاری کے علاوہ وصول جزیہ کا بھی یہی عہدہ دار ذمہ دار ہوتا تھا۔ لہذا یہ قیاس غلط نہیں ہوسکتا ہے کہ خواجہ حسن کا باپ فقیہ اور ایک تعلیم یافتہ شخص تھا۔ اور بیٹے کو سب سے پہلے کلام مجید حفظ کرانا۔ پھر فقہ وحدیث کی تعلیم دلانا اس قیاس کا موید ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ خواجہ علی کا بھائی عبداللہ مشہور فقیہ تھا۔ ابن سبکی نے خواجہ نظام الملک کے تذکرہ میں خواجہ علی کو بلفظ فقیہ یاد کیا ہے۔ اور جو عظمت اس لفظ کی ہے وہ شرح کی محتاج نہیں ہے۔ غرضکہ خواجہ اسحق کے دونوں بیٹے علی اور عبداللہ صاحب فضل وکمال تھے اور اُسی شان سے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے خواجہ حسن کو اول قرآن شریف یاد کرایا گیا اور گیارھویں برس حفظ قرآن سے فراغ[3] حاصل کیا۔ لیکن خواجہ کے آئندہ حالات سے معلوم ہوگا کہ وہ محض دینیات ہی کا عالم نہ تھا بلکہ علوم عقلیہ کا بھی ماہر تھا۔

عبدالصمد کی شاگردی

دستور[4] الوزرا کی روایت ہے کہ "خواجہ حسن کا پہلا اُستاد اور اتالیق فقیہ عبدالصمد قندوجی (نیشاپور کا ایک گاؤں) تھا۔ جو اپنے زمانے کے صلحا اور علما میں مشہور تھا۔ اور ابتدائی تعلیم فقیہ کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اور جب شاگرد درجہ وزارت پر پہنچا تو اُس نے بھی حق شاگردی ادا کیا یعنی فقیہ کو اوقاف نظامیہ کا افسر کردیا تھا"۔

---

[1] دستور الوزرا نسخہ قلمی صفحہ، [2] آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۸۔ مطبوعہ مصر حاشیہ سیوطی۔

[3] آئندہ واقعات سمجھنے کے لئے یاد رکھنا چاہیئے کہ ۴۲۹ھ / ۱۰۳۷ء میں سلجوقیوں نے اول اول طوس پر قبضہ کیا۔ اور ۴۴۷ھ / ۱۰۵۵ء میں کل عراق پر قبضہ ہوگیا تھا۔

[4] آثار الوزرا سیف الدین نسخہ قلمی و گنج دانش حالات خواجہ حسن [5] دستور الوزرا نسخہ قلمی صفحہ ۶

حافظہ فقیہ عبدالصمد کی روایت ہے کہ خواجہ کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ جو سبق ہم مکتب بمشکل رٹ کر یاد کرتے تھے وہ خواجہ کو دو تین دور میں یاد ہو جایا کرتا تھا۔ اور اُس کے چہرے سے ایسے آثار نمایاں تھے کہ جن کا خورد سال بچوں میں کہیں پتہ بھی نہیں ہوتا مثلاً۔

مکتب کا ایک خاص واقعہ ایک دن خواجہ نے اپنے استاد عبدالصمد سے کہا کہ "مکتب میں طلبہ کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اس لئے ناظرہ اور حفظ دونوں کا سلسلہ درہم برہم ہے اور بمشکل دس طلبہ کی نسبت یقین ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنا سبق یاد کر لیا ہے۔ اور باقی کا پتہ نہیں چلتا ہے"؟ فقیہ نے کہا کہ پیارے بیٹے! پھر اس کا تم نے کیا علاج تجویز کیا ہے؟

خواجہ نے کہا کہ "اس وقت ساٹھ طلبہ ہیں ان میں چھ کو انتخاب کرنا چاہیے۔ اور پھر ہر ایک کے دس دس طلبہ سپرد کئے جائیں۔ اور یہ اپنے ماتحتوں کے سبق سنیں۔ اگر سبق میں کوئی مشکل مسئلہ ہو تو صرف یہی چھ دریافت کریں اور اپنے ماتحتوں کو سمجھائیں۔ اور اُن کے سبق میں کوئی خامی ہو تو ان ہی کو سزا دی جائے۔ اس انتظام سے کل خرابیاں دور ہو جائیں گی۔ علاوہ اس کے ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ آبا جان ہمیشہ مکتب کے لڑکوں کو انعام تقسیم فرماتے ہیں اور تقسیم انعام کے وقت آپ کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اس انتظام سے آپ کو کل رقم کے صرف چھ حصے کرنا پڑیں گے اور بقیہ لڑکوں کی تقسیم اُن کے ہاتھ سے ہو جائے گی خصوصًا عیدین اور نوروز کے موقعہ پر بہت آسانی ہوگی۔"

یہ واقعہ خواجہ کے بچپن کا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہایت طبّاع اور ذہین تھا اور اُس کا دماغ مدبرانہ واقع ہوا تھا۔ اور کیا عجب ہے کہ مکتب خانے کی خلافت کی ابتدا بھی اسی واقعہ سے ہوئی ہو۔ جو آج تک مکاتب میں جاری ہے۔

نیشاپور کا سفر خواجہ حسن کی تعلیم پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ گویا خانگی تعلیم تھی جو والدین کی نگرانی میں بمقام طوس ہوئی۔ لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ تحصیل علمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خواجہ کو تکمیل علوم کے لئے وطن کو الوداع کہنا پڑا۔ اس مبارک زمانہ میں علوم وفنون کے دریا نہ صرف شہروں میں موج زن تھے۔ بلکہ معمولی دیہات اور قصبات میں بھی فیض کے چشمے جاری تھے۔ ہر مسجد اور زاویہ سے قال اللہ اور قال رسول اللہ کی صدائیں بلند تھیں لیکن پھر

بھی عراق عرب میں بغداد اور صوبۂ خراسان میں نیشاپور کو خاص فضیلت تھی کیونکہ یہ دونوں شہر علم کے مرکز تھے۔ ایرانی طلبہ کے قافلے عموماً نیشاپور کو جاتے تھے۔ کیونکہ بیہقیہ اور نصریہ' جیسے درس گاہوں کے دروازے عام وخاص پر کھلے ہوئے تھے۔ اور فخر روزگار علما اُن کے مدرس تھے۔ اور باشندگان طوس کے لئے بمقابلۂ بغداد نیشاپور قریب تھا۔ اس لئے خواجہ حسن نے بھی نیشاپور کا سفر کیا اور یہ سفر محض تحصیل علم کے لئے تھا۔ چنانچہ کتاب الوصایا میں خواجہ نے اس سفر کا حال یوں لکھا ہے کہ" علمائے خراسان میں امام موفق بڑے مقدس اور نامور عالم تھے (عمر کی ۸۵ منزلیں طے کر چکے تھے) اور تمام اطراف میں ان کی شہرت تھی۔ فیض کا یہ عالم تھا کہ جس نے امام صاحب سے قرآن اور حدیث کا سبق لیا وہ دنیاوی مراتب میں ضرور بڑے درجہ پر پہنچ جاتا تھا اس لئے والد بزرگوار نے مجھکو فقیہ عبدالصمد کی اتالیقی میں طوس سے نیشاپور روانہ کردیا اور میں امام محترم کے حلقۂ درس میں شریک ہوا۔ امام صاحب میرے حال پر خاص طور سے توجہ فرماتے تھے اور مجھے بھی شاگردانہ خلوص تھا۔ چنانچہ چار برس تک امام موفق کے درس میں شریک رہا۔ اسی زمانہ میں عمر (خیام)، اور حسن (صباح) بھی امام صاحب کی شاگردی میں داخل ہوئے۔ یہ دونوں نہایت فہیم اور ذکی الطبع تھے اور چونکہ میری ہم عمر تھے اس لئے میں اُن کا ہم درس ہوا اور میرا ربط ضبط اُن سے بہت بڑھ گیا۔ حلقۂ درس سے اُٹھکر میں ان ہی رفیقوں کے ساتھ سبق کی تکرار کیا کرتا تھا۔"

حسن صباح اور عمر خیام سے معاہدہ

انہی دنوں کا تذکرہ ہے کہ" ایک دن حسن (صباح) نے عمر (خیام) اور مجھ سے کہا کہ" یہ مشہور بات ہے کہ امام موفق کے شاگرد بڑے رتبے پر پہنچتے ہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ اگر ہم سب جاہ ودولت کے مرتبے پر نہ پہنچیں تو کوئی ایک تو ضرور کامیاب ہوگا۔ اس لئے ہم تینوں معاہدہ کریں۔ میں نے کہا شرائط کی تکمیل کیوں کر ہوگی حسن نے کہا کہ ہم میں سے خدا جس کو جاہ وحشم کے درجے پر پہنچائے اس پر فرض ہوگا کہ وہ باقی دونوں دوستوں کو بھی اپنی دولت میں برابر کا شریک کرے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو کسی معاملہ میں ترجیح دے۔" چنانچہ سب نے اس معاہدے

لہ یہ معاہدہ حقیقت میں ایک مذاق تھا اور اس وقت کس کو خبر تھی کہ حسن صباح کی پیشین گوئی پوری ہوگی لیکن بہت مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ خواجہ حسن درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور اُس نے اپنی عالی ظرفی سے معاہدہ کو پورا کیا۔ تفصیل اپنے موقعہ پر لکھی جائے گی۔

کو تسلیم کرلیا اور معاہدہ تحریر ہو کر مہر و دستخط سے مزین ہوا۔ اور درس کا سلسلہ بدستور جاری رہا[1]

بخارا کا سفر

چار برس کامل امام موفق کے درس میں خواجہ حسن شریک رہا، پھر واپس آیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حدیث و فقہ کا بہت بڑا ذخیرہ خواجہ کو امام موفق کی درس گاہ سے ہاتھ آیا ہوگا۔

مصنف دستور الوزرا لکھتا ہے کہ "جب خواجہ فارغ التحصیل ہو کر طوس میں آیا تو گردش ایام سے خواجہ علی کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا تھا۔ اور اس تباہی کا یہ سبب ہوا کہ خواجہ ابو علی بن شاذان جو بلخ کا عمید تھا اپنے عہدے سے موتوف کر دیا گیا اور خواجہ علی جو اس کا ماتحت تھا وہ بھی اس زد سے نہ بچ سکا اور طوس کی مال گذاری جو عرصہ سے باقی چلی آتی تھی یکایک طلب ہوئی۔ خواجہ علی نے بے باقی میں بڑی کوشش کی اور گھر کا اسباب تک بیچ ڈالا مگر مطالبہ پورا نہ ہوا لیکن خواجہ علی کو بدحواس دیکھکر رعائے طوس نے باقی رقم کو اپنے ذمہ لے لیا۔ اور خواجہ علی سے یہ شرط کی کہ وہ تین برس تک اُن کے خدمات بلا معاوضہ انجام دے۔ خواجہ حسن کو یہ شرط سُن کر بڑا صدمہ ہوا اور اپنے باپ سے کہا کہ "جس زمانہ میں آپ کی حکومت تھی مجھے آپ کا یہاں رہنا پسند نہ تھا اور جب آپ ان کے مزدور ہو جائیں گے تو میری حالت اور بھی خراب ہو جائے گی اس لئے اجازت ہو تو بخارا چلا جاؤں اور چند روز تک علمی مشاغل میں اور مصروف رہوں پھر حاضر خدمت ہوں گا۔" چنانچہ خواجہ علی نے سفر کا سامان کر کے بیٹے کو رخصت کر دیا۔ بخارا بھی اس عہد میں دار العلوم تھا۔ اور کمالات علمیہ کے شائق اطراف عالم سے بخارا میں آیا کرتے تھے۔

شیخ ابوسعید ابوالخیر کی ملاقات سفر میں

شیخ ابو سعید ابو الخیر[2] جو اپنے زمانہ کے نہایت مشہور صوفی تھے ان دنوں زندہ تھے اور مہنہ مبارک کی خانقاہ میں

---

[1] ترجمہ انگریزی رباعیات عمر خیام مصنفہ ناگرکار مطبوعہ بمبئی۔

[2] فضل اللہ نام ابو سعید کنیت ہے، اور آپ کے والد کا نام ابوالخیر محمد تھا۔ پانچویں صدی ہجری کے مشاہیر صوفیہ سے ہیں۔ شیخ کے والد ابوالخیر علم نباتات میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اور جنگل سے بوٹیاں لا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ مگر ایک زمانہ وہ آیا کہ سلطان محمود غزنوی کے مصاحبوں میں داخل ہوئے۔ شیخ ابو سعید علوم ظاہری میں کامل تھے۔ مگر فقہ، حدیث، تفسیر میں بے مثل تھے۔ اور تصوف کا شوق کم سنی میں ہو گیا تھا۔ اکثر اوقات رباعی در صفحہ آئندہ)

وعظ فرمایا کرتے تھے ایک دن مجلس میں سعادت، شقاوت اور امارت کی علامتوں پر وعظ ہو رہا تھا کہ "شیخ نے فرمایا جو شخص دین و دنیا کے سردار کو دیکھنا چاہے وہ کل صبح کو ارجاہ کی سڑک پر جا ٹھہرے" چنانچہ چند اصفا ریہ مقام مذکور پر گئے۔ سب سے پہلے جو مسافران کو ملا وہ خواجہ حسن تھا۔ اُنھوں نے خواجہ کو سلام کیا۔ اور چونکہ ایک قسم کا غیر معمولی استقبال تھا۔ لہٰذا خواجہ نے اس کا سبب پوچھا تو مریدوں نے شیخ کا مقولہ دُہرایا اُس وقت خواجہ طوس سے چل کر دربند پہنچ چکا تھا۔ جب شیخ کے حالات سُنے تو خواجہ زیارت کا مشتاق ہوکر حاضر مجلس ہوا اور ایک گوشہ میں بیٹھ رہا۔ دورانِ وعظ میں ایک سائل نے آواز لگائی۔ خواجہ نے کمر سے پٹکا اور

بقیہ صفحہ ۵۴۔ کتب تصوف کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ عبداللہ حصری، اور امام قفال کے حلقۂ درس میں بمقام مرو ایک عرصہ تک قیام پذیر رہے۔ اور روحانی برکات ابوالفضل سرخسی اور ابو عبدالرحمٰن سلمی اور ابوالعباس آملی سے حاصل کیں۔ پھر سات برس تک بادیہ پیمائی کرکے مہنہ کی خانقاہ میں بیٹھ گئے۔ اور ۸۳ برس کی عمر میں بمقام نیشاپور ۴۴۰ھ (مطابق جنوری ۱۰۴۹ء) میں انتقال فرمایا اور مہنہ میں دفن ہوئے۔ نیشاپور آخر زمانہ میں آئے تھے تذکروں میں آپ کے متعدد اقوال درج ہیں۔ مثلاً التصوف قیام القلب مع اللہ بلا واسطہ۔ شیخ کی رباعیات حکیم عمر خیام کی طرح بہت مشہور ہیں۔ تبرکاً چند درج کی جاتی ہیں۔

غازی[۱] برہ شہادت اندر تگ و پو است | غافل کہ شہید عشق فاضل تر ازو است
در روز قیامت ایں بداں کے ماند | کایں کشتۂ دشمن ست وآں کشتۂ دوست

[۱] مجمع الفصحا جلد اول صفحہ ۷۴ و آتشکدۂ آذر صفحہ ۱۳۷

جسمم[۲] ہمہ اشک گشت و چشمم بگریست | در عشق تو بے جسم ہمی باید زیست
از من اثرے نماندہ ایں عشق از چیست | چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

اے[۳] برہمن آں عارض چوں لالہ پرست | رخسار نگار چاردہ سالہ پرست
گر چشم خدائے بیں نداری بارے | خورشید پرست شو نہ گوسالہ پرست

رفتم[۴] بطبیب و گفتم از درد نہاں | گفتا کہ ز غیر دوست بر بند زباں
گفتم کہ غذا؟ گفت! ہمیں خونِ جگر | گفتم پرہیز؟ گفت از ہر دو جہاں

[۱] قائل معارف جلد ۴ نمبر ۱ سنہ ۱۹۱۹ء [۲] کشف المحجوب صفحہ ۹۰ [۳] انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۱۱، حالات عمر خیام۔

طلائی پٹی کھول کر سائل کو دیدی شیخ نے فرمایا کہ "جس نے میری مجلس میں اپنی کمر سے پٹکا کھولا ہے وہ دن قریب ہیں کہ ارباب دنیا اُس کے حضور میں کمر باندھکر کھڑے ہوں گے" جب وعظ ختم ہوگیا تو شیخ ابوسعید نے خواجہ پر اپنی شفقت کا اظہار کیا اور مژدہ سُنایا کہ تم عنقریب بڑے مرتبے کو پہنچو گے۔ پھر فرمایا کہ حسن! اب تجھ سے بظاہر ملاقات نہ ہوگی جس مجلس میں تو پہلے دن آیا ہے آج اس مجلس کا آخری دن ہے۔ میری باتوں کو بھول نہ جانا ان پر ہمیشہ عمل کرنا۔ یاد رکھو کہ جب تک تمھاری دولت سے مستحقین فیضیاب ہوتے رہیں گے اُس وقت تک تمھاری دولت اور امارت قائم رہے گی۔ اور جب نیکی کے دروازے بند کردو گے اور حق دار تمھاری مہربانی سے محروم ہو جائیں گے تو وہی زمانہ تمھاری امارت کے زوال کا ہوگا۔ اور بعد بزرگانہ نصیحت کے شیخ ابوسعید نے خواجہ کو رخصت کردیا[1]۔

شیخ سے رخصت ہوکر خواجہ نے بخارا کا رخ کیا اور منزل مقصود پر پہنچ کر خواجہ نے اکتساب فنون اور تکمیل علوم میں سخت محنت کی اور فضیلت کی سند حاصل کرکے بخارا سے مرو کو رخصت ہوگیا۔

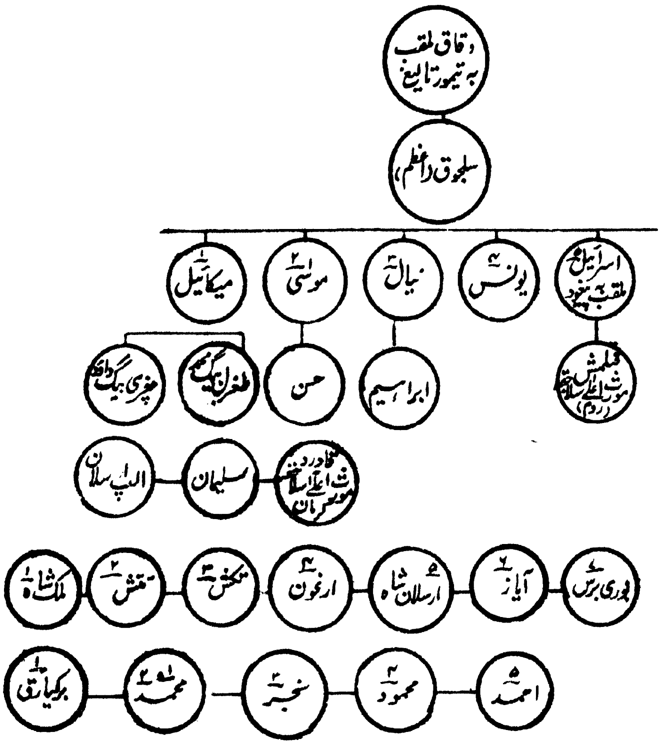
بخارا[2] میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا۔ یہ بتانا مشکل ہے۔ مگر بخارا سے وطن کی جانب پھر خواجہ کی واپسی نہیں پائی جاتی ہے۔ بلکہ تکمیل علوم کے بعد خواجہ مرو گیا، مرو سے ماوراء النہر ہوتا ہوا براہ غزنین کابل پہنچا اور سیر و سیاحت کے بعد بلخ واپس آیا۔ بلخ[3] پہنچ کر خواجہ حسن کی سوانح عمری کا ایک حصہ ختم ہوجاتا ہے۔ اور وہ دور شروع ہوتا ہے جس سے ترقی پاکر خواجہ وزارت پر پہنچتا ہے۔ اور چونکہ خواجہ نے محض اپنی لیاقت سے وزارت کا عہدہ حاصل کیا تھا۔ اس لئے اب جس قدر حالات اور واقعات ہیں وہ عہد وزارت کے سلسلہ میں بیان کئے جائیں گے خواجہ حسن کی

---

[1] کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک [2] سفر نیشاپور اور بخارا کے حالات کتاب الوصایا سے لکھے گئے [3] صوبۂ خراسان میں یہ اول درجہ کا شہر تھا اور آبادی کے لحاظ سے نہایت قدیم ہے۔ کیومرث اس کا بانی ہے اور لہراسپ سے منوچہر تک سب اس کی آبادی میں کوشش کرتے رہے ہیں۔ آتشکدہ نو بہار کی وجہ سے بلخ کا شمار مقدس شہروں میں تھا۔ اب معمولی درجہ کا شہر ہے اور حکومت افغانستان میں داخل ہے یعنی ترکستان کے اس حصہ میں جو داخل افغانستان ہے دیکھو نقشہ افغانستان عرض بلد شمالی ۳۶ - ۴۵ طول بلد مغربی ۶۶ - ۴۰

وزارت کی ابتدائی تاریخ میں شاہان سلجوقیہ کے نام آویں گے علاوہ اس کے۔ اس کتاب میں مختلف مقامات پر آل سلجوق کا تذکرہ ہے لہٰذا واقعات کے سمجھنے کی غرض سے اول شاہان سلجوقیہ کا شجرۂ نسب لکھا جاتا ہے۔ ناظرین کو یہ نسب نامہ اپنے حافظہ میں محفوظ رکھنا چاہیے۔

شجرۃ النسب آل سلجوق



لہ محمد کی اولاد میں ۱۲ بادشاہ حکمراں ہوتے جن کے ناموں کی تفصیل کی اس شجرہ میں ضرورت نہیں ہے۔

926

خواجہ حسن کی وزارت کی ابتدائی تاریخ

یہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ فراغ تعلیم کے بعد خواجہ حسن نے بخارا سے مرو کا سفر کیا تھا۔ اور وہاں سے ماوراء النہر ہو کر غزنین پہنچا تھا۔ یہ عبدالرشید غزنوی[۱] کی حکومت کا دور تھا۔ جس نے ۴۴۱ھ (۱۰۴۹) سے ۴۴۴ھ (۱۰۵۲) تک حکومت کی۔ اور چونکہ غزنین کو دارالسلطنت ہونے کی عزت حاصل تھی اس لئے کل بڑے دفتر اور شاہی محکمے اسی شہر میں تھے۔ اور دربار کی قدردانی سے مختلف ملک و دیار کے اہل کمال غزنین میں جمع تھے۔ اس لئے خواجہ نے ایک عرصہ تک غزنین میں قیام کیا۔ اور اہل کاران عدالت سے دفتر کا کام سیکھا۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ خواجہ کسی دفتر میں نوکر ہو گیا تھا۔ اور یہی ذریعہ تھا جس کی وجہ سے خواجہ کو علم حساب اور انشا میں کامل مہارت ہو گئی تھی۔ اور اسی زمانہ میں اُس نے اپنا مختصر سفرنامہ ترتیب دیا تھا جو اب مفقود ہے۔ پھر خواجہ نے غزنین سے خراسان کا سفر کیا اور یہاں بھی دفتر میں ملازمت اختیار کی۔ لیکن چند روز کے بعد خراسان کو خیرباد کہکر بلخ کا رخ کیا۔ اس زمانہ میں چغر بیگ داؤد سلجوقی کی جانب سے ابو علی[۲] احمد بن شاذان بلخ کا گورنر تھا۔ چنانچہ خواجہ کو خوش قسمتی سے عمید بلخ کے میر منشی (کاتب) کا عہدہ مل گیا۔ اور خواجہ کو

---

[۱] عبدالرشید ابن محمود غزنوی ۴۴۱ھ میں تخت نشین ہوا اور ۴۴۴ھ میں قتل ہوا۔ [۲] خواجہ ابو علی احمد بن شاذان اُن مشہور اور باکمال لوگوں میں سے ہے کہ جس پر "خاک خاوران" کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ ابو علی طغرل بیگ سلجوقی کا ملازم تھا اور عرصہ تک بلخ میں گورنر رہا ہے۔ اخیر عمر میں طغرل بیگ کا وزیر بھی ہو گیا تھا۔ لیکن جب بڑھاپے نے مجبور کر دیا تو وزارت سے استعفا داخل کیا اور طغرل بیگ سے خواجہ حسن کے واسطے سفارش کی کہ یہ الپ ارسلان کا وزیر کیا جائے۔ چنانچہ خواجہ عمید الملک ابونصر کندری کے بعد الپ ارسلان نے خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔ اور یہی سبب ہے کہ جب الپ ارسلان خواجہ کی کارگزاری سے خوش ہوتا تھا تو خواجہ ابو علی کو دعائے خیر سے یاد کرتا تھا۔ "خاوران کے مشاہیر حسب ذیل ہیں۔

تا سپہر صیت گردان شد ز خاک خاوران — تا شبانگاہ آمدش چار آفتاب خاوری

خواجہ چون بو علی شاذان وزیر نامدار — عالمے چون اسعد مہنہ زہر شترے بری

صوفی صافی چو سلطان طریقت بو سعید — شاعر قادر چو مشہور خراسان انوری

از تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔ وطبقات الشافعیۃ سبکی حالات نظام الملک۔

دنیاوی اشغال میں جو جاہ و منصب ملا اس کا پہلا زینہ یہی تھا۔

کاتب کا عہدہ ہر عہد میں معزز رہا ہے بلکہ زمانۂ سابق و حال کا تجربہ شاہد ہے کہ گورنروں کے دفتر میں جو محرر و منتظم (کلرک و سکرٹری) ہوتے ہیں۔ وہ اس درجہ قابل و لائق ہو جاتے ہیں کہ کسی زمانہ میں خود ترقی پا کر نیابت سے وزارت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اگر خواجہ اپنے عہدے پر ایک عرصہ تک قائم رہتا تو ضرور تھا کہ کسی اعلیٰ درجہ پر پہنچتا۔ لیکن ابو علی کے خسیسانہ حرکات اور دنارت نے خواجہ کو ناراض کر دیا۔ چنانچہ خواجہؒ کی روایت ہے کہ "جب میرے پاس کچھ سرمایہ ہو جاتا تو ابن شاذان مجھ پر جرمانہ کر کے وصول کر لیتا تھا، اور یہ تو اس کا ایک معمولی فقرہ تھا کہ "حسن اب تو خوب فربہ ہو گئے ہو"۔

غرضکہ ہر سال یوں ہی تمام نقدی چھین لی جاتی تھی اور عذر کرنے پر جواب ملتا تھا کہ "کاتب کو صرف قلم کافی ہے"۔ جب عرصہ تک خواجہ سے ابن شاذان نے یہی برتاؤ کیا تو آخر برداشتہ خاطر ہو کر خواجہ بلخ سے فرار ہو گیا۔ اور سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کے دربار میں بمقام مروؒ پہنچا۔ اور سلطان کے حضور میں اپنا مختصر حال بیان کیا۔ چغر بیگ خواجہ کی خوش بیانی سے بہت خوش ہوا۔ اور چونکہ خود مبصر تھا سمجھ لیا کہ یہ نوجوان ہونہار ہے لہٰذا شاہزادۂ الپ ارسلان کے سپرد کر دیا اور یہ تحریر بھیجی کہ "حسن تمہارا کاتب، مدبر، مشیر، اور محاسب ہے تم اس کو اپنے باپ کے برابر سمجھنا"۔ جب عمید بلخ کو معلوم ہوا کہ خواجہ حسن مرو میں ہے تو اس نے دربار میں عریضہ بھیجا کہ "میرا کاتب بھاگ گیا ہے فرمانِ عالی بغرض واپسی صادر ہو ورنہ یہاں کے دفتر میں بہت ابتری پڑ جائے گی"۔

چغر بیگ نے جواباً لکھ بھیجا کہ "میں نے خواجہ کو الپ ارسلان کے سپرد کر دیا ہے لہٰذا شاہزادے سے براہِ راست درخواست کرنا چاہیئے"۔ لیکن پھر عمید نے ضد نہیں کی اور خواجہ حسن الپ ارسلان کی خدمت میں رہنے لگا۔

گو یہ سچ ہے کہ خواجہ کو ابو علی سے کوئی نفع نہیں ہوا۔ لیکن اس نامور مدبر کی شاگردی یا فیض

لہ گنج دانش صفحہ ۷۵۰ ۲ہ جہاں تک ممکن تھا تحقیقات کی گئی مگر کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ خواجہ کس سنہ میں حاضر دربار ہوا ہے۔ مگر غزنویہ اور سلجوقیہ کے تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ ۴۲۵ھ اور ۴۳۰ھ کے مابین آیا ہے۔

صحبت نے خواجہ کو حقیقت میں نظام الملک بنا دیا۔ اور جس قدر ملکی و مالی تجربہ خواجہ کو ہوا وہ علی بن شاذان کے طفیل ہے۔ ابن سبکی کی روایت ہے کہ اخیر عمر میں ابن شاذان نے الپ ارسلان سے یہ سفارش کی تھی کہ خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دیا جائے۔ چنانچہ الپ ارسلان نے مستقل حکمران ہونے کے بعد ہی خواجہ کو وزیر مقرر کر دیا تھا۔

بہرحال یہ قابل تسلیم ہے کہ ابو علی کی سفارش بھی منجملہ اسباب حصول وزارت کے ایک قوی سبب ہے۔ لیکن حکمت نظام الملکی کو بھی انتخاب وزارت میں بہت کچھ دخل ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ خواجہ نے الپ ارسلان پر اپنی خداداد قابلیت اور کارگذاری سے پورا قبضہ کر لیا تھا۔ زمانہ ولی عہدی میں الپ ارسلان کا مصاحب، کاتب، مشیر، اتالیق اور باوفا رفیق۔ غرضکہ جو کچھ سمجھو صرف خواجہ تھا۔ رزم ہو یا بزم ہر جگہ خواجہ ہمراہ رہتا تھا۔ لیکن اُس وقت تک الپ ارسلان صاحب اختیار نہ تھا۔ بلکہ باپ اور چچا کی مشترکہ حکومت تھی۔ کیونکہ طغرل بیگ اور چغر بیگ دونوں حقیقی بھائیوں میں از حد محبت تھی اور سلطنت کے تمام کام ایک دل ہو کر انجام دیتے تھے۔ مساجد میں دونوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اخیر دور حکومت میں انتظاماً چغر بیگ نے مرو اور طغرل بیگ نے نیشاپور کو دار السلطنت قرار دیا تھا[1]۔ چنانچہ ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء میں بمقام بلخ چغر بیگ نے انتقال کیا اور الپ ارسلان ولیعہد سلطنت اُس کا جانشین ہوا۔ لیکن الپ ارسلان کے دوسرے بھائی سلیمان نے بھی بحیثیت دعوے دار تاج و تخت، رے میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ لیکن ۴۵۵ھ میں جب طغرل بیگ نے انتقال کیا تو حسب وصیت طغرل، وزیر عمید الملک کندری نے سلیمان کو تخت نشین کر دیا۔ طغرل بیگ اگرچہ لاولد فوت ہوا اور ولیعہد سلطنت الپ ارسلان موجود تھا مگر طغرل بیگ اپنی بھاوج (زوجۂ چغر بیگ والدۂ سلیمان) کے حق میں وصیت کر گیا تھا جس کی تکمیل میں عمید الملک کندری نے بڑی سرگرمی دکھائی۔ مگر خواجہ کو یہ کب گوارا تھا کہ الپ ارسلان کے ہوتے ہوئے سلیمان تخت اڑا لے جائے۔ قطع نظر اس کے قومی قبائل بھی سلیمان سے ناراض تھے اس لئے مساجد کا معمولی خطبہ تخت نشینی کے واسطے کافی نہ تھا۔ الپ ارسلان اور خواجہ کو سلیمان کی بغاوت سے ہنوز دم لینے کا موقعہ نہیں ملا تھا کہ

[1] زبدۃ النصرہ ونخبۃ العصرہ عماد الدین اصفہانی از صفحہ ۲۸-۳۰ مطبوعہ ہالنڈ ۱۸۸۹ء

قتلمش جو قلعہ[1] گردکوہ میں مقیم تھا وہ بھی دعوے دار سلطنت ہو کر اٹھا۔ اور دوسری طرف سے قاورد فتوحات کے ذوق میں چلا۔ اور الپ ارسلان کا مد مقابل بن کر بردسیر[2] تک اپنی فوجیں بڑھا لایا۔ لیکن خواجہ کی مدبرانہ اور عاقلانہ حکمت عملیوں سے الپ ارسلان نے اپنے تمام مخالف بھائیوں کا ترکی بترکی جواب دیا قتلمش میدان کارزار میں قتل ہوا۔ اور قاورد نے صلح کر لی۔ عمید الملک کندری نے جب دیکھا کہ سلیمان کامیاب نہ ہو گا تو وہ بھی طوعاً و کرہاً الپ ارسلان سے آن کر مل گیا۔ چونکہ چچا کا وزیر اور خاندانی نمک خوار تھا اس لئے الپ ارسلان بھی چپ سادھ گیا۔ لیکن مذکورۂ بالا معرکوں میں خواجہ حسن اپنے محسن کے ساتھ رہا تھا اس لئے الپ ارسلان نے خانہ جنگی سے فارغ ہو کر انتظام سلطنت پر توجہ کی اور امور وزارت کو عمید الملک[3] اور خواجہ حسن کے سپرد کر دیا اور خواجہ کو نظام الملک کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور عمید الملک و نظام الملک نے مل کر سلطنت کا کام

---

[1] دامغان سے ۱میل کے فاصلہ پر یہ قلعہ ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ قدیم شاہان عجم کا تعمیر کیا ہوا ہے شاہنامہ وغیرہ میں اس کا نام دژ گنبدان و گنبدان دژ و کوہ منصوریہ ہے۔ ایران کے قلعوں میں یہ نہایت مستحکم اور مرتفع ہے۔ ملک شاہ سلجوقی کے انتقال پر اسمٰعیلیہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور مدتوں ان کے قبضہ میں رہا۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں۔ ے بریکے چوں طمدان گردکوہ۔ عہد قدیم کے آثار اس وقت تک باقی ہیں۔ اگر مرمت کی جائے تو آج بھی فوجی ضرورتوں کے واسطے ازحد مفید ہے گنج دانش صفحہ ۶۲۵۔ [2] بردسیر۔ کرمان کا بہت بڑا شہر ہے۔ مراصد الاطلاع [3] ابو نصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عمید الملک کندری، سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار کا ایک نامور رکن ہے۔ ابو نصر موضع کندر کا باشندہ تھا۔ (متعلق طرثیث اطراف نیشاپور) اور محض اپنے ذاتی فضل و کمال کی وجہ سے کاتب کے درجہ سے وزارت تک پہنچا تھا۔ تاریخ آل سلجوق میں تحریر ہے کہ جب سلطان طغرل بیگ نیشاپور میں وارد ہوا ہے تو اُس کو ایک ایسے کاتب کی ضرورت ہوئی کہ جو عربی فارسی علم ادب پڑتا ور ہو۔ چنانچہ خواجہ الموفق (رحمتہ اللہ) والد ابو سہل افسر دار الانشا فارسی نے ابو نصر کو پیش کیا اور سلطان نے اس نوجوان کو اپنا کاتب اور دار الانشا عربی کا افسر مقرر کر دیا۔ جو بعد کو اپنی کارگذاریوں سے طغرل بیگ کا وزیر ہو گیا۔ چنانچہ دولت سلجوقیہ میں سب سے پہلے وزیر ہونے کی عزت ابو نصر کو حاصل ہوئی ہے مورخین نے اس کی مدح کی ہے۔ خود صاحب فضل و کمال تھا اس وجہ سے علما اور شعرا کی عزت کرتا تھا۔ امام الحرمین اور امام ابو القاسم قشیری اس کے دربار میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اور وہ اُن کے خیالات سے مستفید ہوا کرتا تھا۔ اس کی مدح میں عربی فارسی میں بکثرت قصائد موجود ہیں جن میں سے ابو الحسن الباخرزی، اور ابو منصور۔ ابن تعاوندی کا کلام خاص کر قابل ملاحظہ ہے۔ طغرل بیگ کے زمانہ میں (باقی در صفحہ آئندہ)

شروع کیا مگر خواجہ کو شرکت فی الوزارت منظور نہ تھی۔ اور نہ وہ عمید الملک کو دیکھ سکتا تھا۔ مگر مجبوراً کیا کرتا موقع کا منتظر رہا۔ چنانچہ محرم ۴۵۶ھ کا واقعہ ہے کہ ایک دن عمید الملک خواجہ کی ملاقات

بقیہ صفحہ ۱۶۔ جو ملکی کارنامے اس وزیر کے ہیں وہ حالات طغرل بیگ میں لکھدیئے گئے ہیں۔ اس کے مذہب میں اختلاف ہے بعض نے شافعی لکھا ہے اور بعض نے حنفی۔ مگر اس کا تعصب مذہب ضرب المثل ہے۔ اس کی عمر کا اخیر حصہ نہایت رنج والم میں گذرا۔ طغرل بیگ کے انتقال پر چندروز کے واسطے الپ ارسلان کا وزیر مقرر ہوگیا تھا۔ مگر یہ عہد اُس کے حق میں کچھ مفید ثابت نہ ہوا۔ اور بہت جلد قتل کردیا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ خواجہ نظام الملک اس کے قتل میں بہت ساعی تھا کیونکہ وہ اس کی زبردست چالوں سے ڈرا کرتا تھا۔ اگر خواجہ چاہتا تو ابونصر کی جان بخشی ہوسکتی تھی مگر شوق وزارت نے خواجہ کو اس نیکی سے محروم رکھا۔ جب ابونصر کو قید میں ایک سال گذر گیا۔ تو الپ ارسلان نے دو غلام اس کے قتل کے واسطے روانہ کئے۔ جب یہ غلام ابونصر کی خدمت میں حاضر ہوئے اُس وقت وہ بخار میں پڑا تڑپ رہا تھا۔ اسی حالت میں اُس کو قتل کا حکم سنایا گیا۔ جب ابونصر کو معلوم ہوا کہ اب موت دم سے ٹلے گی تو اُس نے غسل کیا اور عرصہ تک توبہ استغفار کرتا رہا۔ پھر اپنے حرم سرا میں گیا اور سب عزیزوں سے ہمیشہ کے واسطے رخصت ہو آیا۔ اس کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر مرنے پر تیار ہوگیا اور ایک غلام نے تلوار سے سر اُڑادیا۔ اور غریب مقتول کا سر بمقام کرمان الپ ارسلان کے سامنے لاکر رکھا گیا۔ آثار الوزرا کی روایت ہے کہ جب جلاد تلوار لے کر سر پر کھڑا ہوا تو عمید الملک نے ایک غلام سے کہا کہ مجھ عاجز کی طرف سے الپ ارسلان سے کہدینا کہ تمھارے چچا طغرل بیگ نے مجھکو قلمدان وزارت عطا کیا تھا اور تو شہادت کی عزت دیتا ہے جس کا مجھے آخرت میں صلہ ملے گا۔ اور وزیر نافذ فرمان سے کہنا کہ تو نے بہت بُرا کیا وزیر کُشی کی بدعت تیری جانب سے ہوتی ہے سلطان کو تو نے یہ رسم سکھائی ہے اور وہ زمانہ قریب ہے کہ خود تو اور تیری اولاد اس آفت میں مبتلا ہوگی اور آخر میں فارسی کا یہ شعر پڑھا۔

ما سیلے روزگار خوردیم و شدیم تا خود بہ کجا رسد سرانجام شما

عمید الملک بمقام کندر اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہوا۔ اور خوش نصیبی سے چادر نبوی کا کفن میسر آیا۔ یہ چادر آب زمزم کی دھوئی ہوئی تھی اور خلیفہ مقتدی باللہ عباسی نے اُس کو مرحمت فرمائی تھی اور جو کفنی گلے میں ڈالی گئی وہ ایک قمیص دبیقی تھا جو خود خلیفہ قائم باللہ نے اس کو دیا تھا۔ عجب عبرت کا مقام ہے کہ عمید الملک کا عضو۔۔۔۔اس کی حیات میں خوارزم میں دفن ہوا (ایک خیانت کے جرم میں طغرل بیگ نے یہ سزا دی تھی) اور قتل کے (باقی در صفحہ آیندہ)

کے لئے اُس کے گھر گیا اور پانسو دینار بطور نذرانہ پیش کئے۔ لیکن ملاقات کے بعد اکثر فوجی سردار عمید الملک کی خدمت میں حاضر ہوتے الپ ارسلان کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اُس نے کارروائی کو مشتبہ نظر سے دیکھا اور خواجہ کے اشارے سے عمید الملک کو گرفتار کر کے مرو رود بھیج دیا۔ یہاں ایک سال تک یہ جیل خانہ میں پڑا رہا اور بروز یک شنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ میں الپ ارسلان کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

چنانچہ مورخین کے نزدیک عمید الملک کی موت اور خواجہ حسن کی وزارت پر مستقل ہونے کی ایک ہی تاریخ ہے۔ اور یہ بالکل سچ ہے کیونکہ خواجہ نے جب تک عمید الملک قتل نہیں ہو گیا اپنے تئیں مستقل وزیر نہیں سمجھا۔

اب انشاء اللہ جو واقعات تحریر ہوں گے اُس کا تعلق خواجہ حسن کی وزارت سے ہوگا۔ اور اُن واقعات کی ابتدا ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ ؁۱۰۶۴ء سے ہوگی۔

تبصرہ

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ خواجہ حسن کس ملک کا باشندہ تھا، اور اُس کے خاندان کی کیا حالت تھی اور ولادت کے بعد کس عنوان سے اس کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ اور نیز یہ بھی معلوم ہے کہ طالب علمانہ زندگی کے بعد اُس نے کن ممالک کا سفر کیا اور دارالسلطنت غزنین سے نکل کر آل سلجوق کے دربار میں کیوں کر آیا۔ اور پھر دفتر انشا کی ملازمت سے ترقی پاکر مسند وزارت پہ بیٹھا اور ایسا بیٹھا کہ مر کر اُٹھا۔

لیکن اس پر بہت کم غور کیا ہوگا کہ جو تاریخ اُس کے مستقل وزیر ہونے کی ہے، اُس

بقیہ صفحہ ۶۲۔ وقت جو خون طشت میں جمع ہوا تھا وہ مرو رود میں گاڑا گیا۔ باقی جسم کندر میں۔ دماغ نیشاپور میں اور کاسہ سر جس میں گھاس بھری گئی تھی وہ کرمان میں دفن ہوا کچھ اوپر چالیس برس کی عمر میں آٹھ برس وزارت کر کے دنیا سے رخصت ہوا افسوس! ؎

ہے عجب سیر اگر دیدہ بینا دیکھے دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

از نگارستان صفحہ ۱۰۸۔ ابن خلکان تذکرہ حسن۔ ریاض النضرۃ صفحہ ۲۹۔ ۴۲۔ روضۃ الصفا۔ آثار الوزراء۔ حالات نظام الملک۔ گنج دانش صفحہ ۵۰۲۔ حالات نیشاپور۔

وقت وہ اپنی عمرِ طبعی کی کتنی منزلیں طے کر چکا تھا۔ اور تاریخ ولادت سے تاریخ وزارت تک اُس پر انقلاب کے کس قدر طوفان آچکے تھے۔ چونکہ اس طلسم کی پردہ کشائی سوانح نگار کے لئے ایک ضروری امر ہے۔ لہذا ظاہر کیا جاتا ہے کہ خواجہ حسن کو اڑتالیس برس کی عمر میں خلعتِ وزارت عطا ہوا تھا۔ اور کچھ کم اُنتیس سال وزارت کر کے دنیا سے رخصت ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ حسن کی ولادت بروز جمعہ اکیسویں ذیقعدہ ۴۰۸ھ میں ہوئی اور ۴۱۳ھ میں یعنی تقریباً پانچ برس کی عمر میں مکتب نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ اور ۴۱۹ھ میں حفظ کلامِ مجید سے فراغ حاصل کیا۔ کم سن بچوں کے واسطے حفظ قرآن سے زیادہ مشکل اور کوئی کام نہیں ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ بجز حفظ کے خواجہ نے دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم پائی ہو۔ قطع نظر اس کے خواجہ کا چچا عبداللہ خود فقیہ تھا۔ اور خواجہ کا باپ بھی ایک دین دار اور مذہبی شخص تھا اس لئے یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ کلام مجید کو ناتمام چھوڑ کر دوسری طرف توجہ کی گئی ہو۔ غرضکہ بارھویں سال سے فقہ اور حدیث کی باضابطہ تعلیم شروع ہوئی اور دارالعلوم نیشاپور کی روانگی تک خانگی طور پر یہ سلسلہ جاری رہا۔ اگرچہ کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا کہ فقہ اور حدیث وغیرہ کی تحصیل کس عمر تک ہوئی لیکن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل دس برس تک یہ علمی مشغلہ جاری رہا کیونکہ ۴۲۹ھ کے خاتمہ پر یا ۴۳۰ھ کے ابتدا میں خواجہ حسن نے نیشاپور کا سفر کیا تھا۔ اگرچہ تاریخوں میں روانگی سفر کی تاریخ تحریر نہیں ہے۔ مگر مندرجہ ذیل قرائن سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

اولاً یہ کہ ۴۲۹ھ میں سلجوقیوں کا طوس پر قبضہ ہوا اور خواجہ علی (خواجہ حسن کا باپ) سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کی طرف سے طوس میں صاحب الخراج کے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ سلجوقیوں کا اگرچہ طوس پر قبضہ ہو چکا تھا۔ مگر عراق کا وسیع ملک فتح کرنے کو پڑا ہوا تھا۔ اور شاہان غزنویہ کی چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی۔ اس لئے خواجہ نیشاپور بھیج دیا گیا تاکہ امن و عافیت کے ساتھ تعلیم ہو۔ اور گھر کی تعلیم کے مقابلے میں کالج کی تعلیم جو فضیلت رکھتی ہے وہ ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ حکیم عمر خیام کے حالات[1] میں لکھا ہے۔ کہ ۴۳۰ھ میں وہ داخل مدرسہ (نیشاپور) ہوا ہے۔ اور داخلہ کے بعد حسن صباح اور خواجہ حسن اور عمر خیام ہم درس ہوتے ہیں۔ اور فراغ کے بعد

---

[1] دیباچہ رباعیات عمر خیام مطبوعہ بمبئی۔

ایک ساتھ ان دوستوں نے مدرسہ چھوڑا ہے۔ اور بقول خواجہ حسن دارالعلوم نیشاپور میں کل ۴ برس تعلیم پائی ہے۔ لہذا مدرسہ کی تعلیم ۴۲۷ھ میں ختم ہوجاتی ہے۔ اب مکتب نشینی سے حساب لگایا جائے تو پوری اکیس۲۱ برس کی مدت ہوتی ہے اور اُس عہد کی تعلیمی مدت کا پیمانہ اوّل درجہ پچیس تیس سال تھا۔ اور جب عمر کا اس قدر قیمتی حصہ چراغوں کی روشنی اور مساجد و مدارس کے حجروں میں صرف کیا جاتا تھا تب دستارِ فضیلت میسر ہوتی تھی۔ اور جو طالبِ علم نکلتا تھا اور آسمان شہرت پر آفتاب ہوکر چمکتا تھا۔

بہرحال طوس اور نیشاپور میں خواجہ نے جس قدر فضل و کمال حاصل کیا وہ خواندگی اور مدت کے لحاظ سے کچھ کم نہیں ہے۔ مگر نہیں، خواجہ نے ہنوز کتاب بند نہیں کی ہے۔ اور اُس کو ابھی مدت تک ورق گردانی کرنا باقی ہے۔

کتاب الوصایا میں جس قدر حالات خواجہ نے اپنی تعلیم و تربیت کے لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم نیشاپور سے خواجہ سیدھا طوس کو آیا ہے۔ کیونکہ دوسرے شہروں کی سیر و سیاحت کا کوئی ذکر خواجہ نے نہیں کیا ہے۔ البتہ اس کی صراحت کہیں نہیں کی ہے کہ نیشاپور سے واپس ہوکر خواجہ کس شغل میں مصروف ہوا۔ اور کس مدت تک طوس میں ٹھہرنا پڑا یہاں قیاسات سے کام لینا بیکار ہے لیکن خواجہ نے جب طوس سے بخارا کا سفر کیا ہے تو مختصر الفاظ میں اس سفر کا ذکر کیا ہے گو سنہ و سال کی صراحت نہیں کی ہے۔ لیکن یہ معما اس طرح پر حل ہوجاتا ہے۔ کہ راستہ میں خوش نصیبی سے شیخ ابو سعید ابوالخیر سے ملاقات ہوتی ہے اور شیخ نے پند و نصائح کے بعد فرمایا ہے کہ خواجہ آج تو جس مجلس میں پہلے دن آیا ہے وہ اس مجلس کا آخری دن ہے، اور اب تجھ سے بظاہر ملاقات نہ ہوگی۔"

جس کے معنی بطور رمز و کنایہ یہ تھے کہ یہ دن شیخ کے وصال کا تھا۔ اور عالم فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کرنا تھا۔ یہ تحریر خود خواجہ حسن کی ہے۔ جس کے لئے مزید شہادت کی حاجت نہیں ہے اور صحیح روایت کے مطابق شیخ موصوف نے ۴۴۰ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ خواجہ کا یہ دوسرا سفر ۴۴۰ھ میں ہوا۔ اور یہ بھی محض حصول علم کے لئے تنہا رہیا اپنے موقعہ پر لکھا

۵؎ جنوری ۱۰۴۹ء مطابق ۴۴۰ھ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد نمبر ۱۸۔ حالات عمر خیام۔

جا چکا ہے) آگے چل کر پھر نہیں معلوم ہوتا کہ بخارا میں کتنے دنوں خواجہ کا قیام رہا ہے۔ لیکن کم از کم اگر تین برس فرض کر لئے جاویں۔ اور واپسی نیشا پور سے سفر بخارا تک جس قدر زمانہ گذرا ہے اس کو فرض کر لیں کہ کتب بینی یا علمی تحقیقات میں صرف ہوا تو خواجہ حسن کی مسلسل طالب علمی کا زمانہ تیئیس برس قرار پاتا ہے۔ اور یہ مدت ایک جید عالم ہونے کے لئے کم نہیں ہے۔ اور عہدۂ وزارت کے واسطے بھی اس قدر فضل و کمال اور اٹھارہ سال کا تجربہ سیر و سفر و ملازمت کافی ہے۔ خواجہ نظام الملک نے مستقل وزیر ہو کر خدمات وزارت کو کیونکر انجام دیا اور کیا کارنامے چھوڑے؛ یہ واقعات اپنے موقعہ پر لکھے جائیں گے۔ اب ہم اُس کے ذاتی فضل و کمال کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

خواجۂ نظام الملک کا فضل و کمال، فقہ، حدیث، شاعری کا تذکرہ، انشا کا نمونہ، تصنیفات

اسلام کے وسیع عہد حکومت میں ایک ہی نسبت سے اکثر نامور فرماں روا تاج و تخت کے اور وزرا مسند وزارت کے مالک ہوئے ہیں یعنی جیسے تاجدار فضل و کمال میں فرد ہوتے تھے ویسے ہی وزیر بھی اپنی شان یکتائی میں بے مثل نظر آتے تھے۔ اور سلاطین عجم کو یہ خاص عزت حاصل ہے کہ جس طرح سلطان ابن سلطان ہوتا تھا۔ اُسی طرح وزیر ابن وزیر ہوتا تھا۔ اور یہ وراثت صدیوں تک قائم رہی ہے۔

وزیر کے انتخاب میں ہر عہد میں خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ جاہل اور وحشی حکمرانوں سے اپنے لئے ایسا وزیر منتخب کیا ہے جس کو زمانہ نے فلاسفر اور حکیم کے معزز لقب سے یاد کیا ہے ... مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یحییٰ[1] برمکی اور صاحب[2] ابن عباد کے بعد کوئی وزیر جامعیت

---

[1] ابو الفضل یحییٰ بن خالد بن جعفر بن جاماسب برمکی خلیفہ ہارون الرشید عباسی کا نامور وزیر ہے ۱۱۹ھ میں پیدا ہوا۔ ۳ محرم ۱۹۰ھ میں بمقام رقہ انتقال کیا۔ ہارون الرشید کے عہد کی ملکی، مالی، علمی، ترقیاں یحییٰ کے عہد وزارت میں ہوتیں۔ یحییٰ کی فیاضی اور علمی قدردانی کے واقعات سے تاریخ اور ادب کی کتابیں مالا مال ہیں فضل اور جعفر یحییٰ کے دو بیٹے اس کے بعد وزیر ہوتے۔ اور جعفر کے قتل کے بعد برامکہ پر تباہی آ گئی اور اُن کے حالات آئندہ نسلوں کے واسطے عبرت ہو گئے۔ تفصیلی حالات کے لئے ہماری کتاب البرامکہ دیکھنا چاہیئے۔

[2] ابو القاسم اسمٰعیل بن ابو الحسن عباد طالقانی ملقب بہ صاحب ۳۲۶ھ میں بمقام طالقان (قزوین) پیدا ہوا۔ اور (باقی در صفحۂ آئندہ)

اور فضل وکمال میں خواجہ نظام الملک کا ہم پلہ نہیں ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ وزارت کے انتساب نے نظام الملک کو وزرا کے سلسلہ میں داخل کیا ہے۔ ورنہ فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ ادب۔ حکمت۔ کون سی انجمن ہے کہ جس کا وہ معزز رکن نہیں ہے۔ وہ ہر لڑی میں واسطۃ العقد ہے اور ہر زنجیر میں طلائی کڑی!

فقہ

تاریخ اور تذکرہ میں خواجہ نظام الملک کی شہرت بحیثیت ایک مدبر وزیر کے ہے اور وہ عام طور پر فقیہ کے لقب سے مشہور نہیں ہے۔ لیکن اُس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ فقیہ نہ تھا، صحیح نہیں ہے

بقیہ صفحہ ٦٦۔ ٣٨٥ھ / ٩٩٥ء میں بمقام رے انتقال کیا۔ وزرائے اسلام میں صاحب ایسا باکمال اور نادر روزگار شخص ہے، کہ خود نظام الملک اس کا مداح ہے۔ فضل وکمال کے لحاظ سے طبقۂ علما میں شمار کیا جاتا ہے۔ مؤید الدولہ ابومنصور بویہ بن رکن الدولہ دیلمی کا وزیر تھا۔ اور اُس کے انتقال پر فخر الدولہ کا وزیر ہوا۔ یہ زمانہ اس کی وزارت کا نہایت کامیاب تھا۔ ابوالقاسم اسمٰعیل وزرا میں پہلا شخص ہے جو صاحب کے لقب سے ممتاز ہوا۔ اور اس کے بعد دیگر وزرا بھی صاحب کہلائے۔ ہر علم وفن کے باکمال اُس کے دربار میں موجود رہتے تھے لیکن شعرا کی تعداد سب پر غالب تھی۔ صاحب کی مدح میں جس قدر قصائد اور متفرق اشعار ہیں ان کے انتخاب کے واسطے ایک مجلد چاہیے۔ نوح بن منصور سامانی نے صاحب سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ اس کی وزارت اختیار کرے۔ لیکن صاحب نے فخر الدولہ کے دربار سے جانا پسند نہیں کیا اور معذرت نامہ بھیج دیا۔ منجملہ عذرات کے ایک عذر یہ تھا کہ اگر میں حاضر خدمت ہونے کا قصد کروں تو صرف کتب خانہ کے واسطے چار سو اونٹ درکار ہوں گے" یہ واقعہ صاحب کی علمی زندگی کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ ادبی کتابوں سے ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ملک کے دورہ کے زمانہ میں صرف تیس ۳۰ اونٹوں پر کتابیں ہمراہ ہوتی تھیں علامہ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی (یہ کتاب پچاس برس میں مرتب ہوئی تھی اور اب مصر میں ۲۰ جلدوں میں چھپ گئی ہے)، کی نقل سب سے پہلے صاحب کے واسطے لکھی گئی تھی۔ تصنیفات میں المحیط (لغت، ۷ جلد میں) کتاب الکافی فی الرسائل۔ کتاب الاعیاد و فضائل النیروز۔ کتاب الامامۃ۔ کتاب الوزرا کتاب الکشف عن مساوی شعر المتنبی مشہور ہیں۔ جس دن صاحب نے انتقال کیا ہے اُس دن شہر رے کے تمام دروازے بند ہو گئے تھے اور فخر الدولہ معہ خدم حشم و عام رعایا کے جنازے کے ہمراہ تھا۔ صاحب کا والد ابوالحسن عباد رکن الدولہ دیلمی کا وزیر تھا" وزرائے اسلام کا سلسلہ قائم رہا تو انشاء اللہ کسی زمانہ میں ہم مستقل سوانح عمری اس وزیر کی پیش کریں گے۔" انتخاب از ابن خلکان۔ جلد اول

خواجہ نظام الملک طبقۂ علما میں وزارت سے زیادہ فقاہت میں مشہور تھا۔ اور خواجہ کے فقیہ ہونے کا ثبوت جستہ جستہ اُس کے حالات سے بھی ملتا ہے اور اُس کے عدالتی فیصلوں میں بھی فقہ کی روشنی پائی جاتی ہے۔ ابن خلکان میں تحریر ہے" وکَانَ مَجلِسُہ عَامِرًا بالفقہاء" یعنی خواجہ کی مجلس فقہا سے بھری رہتی تھی۔ یہ مختصر فقرہ معمولی نہیں ہے۔ کیونکہ مثل علوم متعارفہ کے یہ مسلم ہے کہ انسان جس علم وفن میں کمال یا خاص دلچسپی رکھتا ہے وہی اُس کا اوڑھنا بچھونا ہوتا ہے۔ اگر خواجہ کو فقہ سے خاص ذوق وشوق نہ ہوتا تو اس کی مجلس میں بھی بجائے فقہا کے ایشیائے کوچک کے پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہوتا بے تکلف اور زندہ دل احباب جمع ہوتے۔ اور کوئی خوش آواز مغنی یہ ترانہ چھیڑتا ؂

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رُکنا باد گلگشت مصلےٰ را

لیکن کسی مؤرخ نے خواجہ کو عیش وطرب کی مجلس میں رندانہ وضع سے نہیں دیکھا ہے بلکہ خواجہ کو ہمیشہ مذہبی رنگ میں پایا ہے۔

خواجہ کے ابتدائی حالات میں بھی تم پڑھ چکے ہو کہ اس کا چچا عبداللہ فقیہ تھا اور اُس نے سب سے پہلے خواجہ کو فقہ کی تعلیم دلوائی تھی اور یہی شوق خواجہ کو امام موفق نیشاپوری کی درس گاہ میں لے گیا تھا۔

حدیث

فقہ کی طرح حدیث میں بھی اگرچہ خواجہ نظام الملک محدث مشہور نہیں ہوا۔ مگر یہ تحقیق ہے کہ حدیث میں خواجہ محدثانہ درجہ رکھتا تھا اور بزرگان سلف کے تذکرے اگر بہ نظر غور ملاحظہ کئے جائیں تو اُن میں ہزاروں ایسے باکمال ملیں گے جو محدث کا درجہ رکھتے تھے لیکن اُن کی شہرت اس معزز لقب سے نہیں ہوئی بلکہ کمال غالب کے لحاظ سے مشہور ہوئے اور بقیہ علمی جوہر چھپے رہ گئے۔ چنانچہ اسی استثنا میں خواجہ بھی داخل ہے۔

ابن خلکان نے خواجہ کے حالات لکھتے ہوئے علم حدیث کے متعلق حسب ذیل فقرے لکھے ہیں:۔ وسمع نظام الملک الحدیث واسمعہ وکان یقولُ اِنّی لا اعلم انّی لست اھلا لذلک ولکنی

ادیل ان اربط نفسی فی قطار نقلة الحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔"

ابن خلکان کی شہادت خواجہ کی محدث ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اور چونکہ رسول اللہ صلعم سے دلی ارادت رکھتا تھا۔ لہذا بمقتضائے ادب کہتا ہے کہ "بھلا میں اس قابل کب ہوں کہ حدیث کی روایت کروں لیکن میرے لئے یہی فخر کیا کم ہے کہ میں رسول اللہ کے راویان حدیث کے زمرے میں داخل ہوجاؤں۔"

طبقات الکبری کی روایت ہے کہ خواجہ نظام الملک نے حسب ذیل مقامات پر مشہور محدثین سے حدثیں سیکھیں۔

اصفہان۔ محمد بن علی مہر برد ادیب۔ ابو منصور شجاع بن علی بن شجاع۔

نیشاپور استاد ابو القاسم قشیری۔

بغداد۔ ابو الخطاب بن البطر وغیرہ۔

مذکورۂ بالا شیوخ حدیث کے علاوہ خواجہ نظام الملک نے خاص دار الخلافت بغداد میں مجالس حدیث سے بھی فائدہ اٹھایا۔

حدیث کی تعلیم کا طریقہ بغداد وغیرہ میں اس طرح پر جاری تھا۔ کہ شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھ جاتا تھا اور شاگرد قلم دوات لے کر سامنے بیٹھتے۔ اور شیخ کے الفاظ قلم بند کرتے جاتے۔ اور جب طلبہ کا ہجوم ہوتا تو ایک مستملی کھڑا ہو کر شیخ کی روایت کے الفاظ بلند آواز سے دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا۔ ایسی مجالس کو "مجالس املا" کہتے تھے۔ چنانچہ خواجہ نے جامع مہدی عباسی اور مدرسہ کی مجالس املا سے نفع اٹھایا۔ ان مجالس میں نامور ائمۂ حدیث تشریف لاتے تھے۔ اور علاوہ مقامات مذکورۂ بالا کے طالب علمی کے سب سے اخیر زمانہ میں خواجۂ نظام الملک بخارا گیا تھا۔ اور اس سفر سے صرف حدیث کی تکمیل منظور تھی۔ اور خاک بخارا کو حدیث شریف سے جو ازلی ابدی مناسبت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

روایت حدیث طبقات الکبری میں خواجۂ نظام الملک سے صرف ایک حدیث روایت ہے۔ جس کو ہم بھی تبرکاً نقل کرتے ہیں۔

اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْغَافِرِبْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الْقَاهِرِ الْمَاکِسِنِیُّ بِقِرَاءَتِیْ عَلَیْهِ بِدِمَشْقَ اَنَا

عَبْدِ الْمُنْعِمِ بْنُ يَحْيَى بْنِ إِبْرَاهِيمَ الزُّهْرِيُّ الْخَطِيبُ أَنَا أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي الْمَعَالِي عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ جَامِعِ بْنِ الْبَنَّاءِ الصُّوفِيُّ فِي سَنَةِ ثَمَانٍ وَسِتِّمِائَةٍ أَنَا نَصْرُ بْنُ مَنْصُورِ بْنِ خَلَفٍ أَنَا أَبُو طَاهِرِ ابْنُ خُزَيْمَةَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ السَّرَّاجُ ثَنَا قُتَيْبَةُ ثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السُّلَمِيِّ ـ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ ؎

یعنی رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو۔ افسوس ہے کہ مورخین نے نظام الملک کے مذہبی حالات لکھنے میں زیادہ توجہ نہیں کی ورنہ ایک سے بہت زیادہ حدیثیں ملتیں۔ لیکن یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ قلت روایت سے کسی صحابی یا امام پر کوئی شخص قلتِ نظر کا الزام نہیں لگا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ ابنِ عباس کے مقابلہ میں جن سے ہزاروں حدیثیں روایت ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق، فاروقِ اعظم، حضرت عثمان اور حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جو حدیثیں روایت ہیں ان کی مجموعی تعداد دو سو سے کم ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلعم سے جس قدر قرب و اختصاص خلفائے اربعہ کو تھا وہ اور اصحاب کو میسر نہیں آیا۔ لیکن مقابلہ کی نظر سے کون کہہ سکتا ہے کہ ان ارکانِ اسلام کو صرف معدودے چند حدیثیں یاد تھیں۔ غرضکہ روایت حدیث میں اس اصول کے لحاظ سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حدیث میں کم مایہ تھا۔ بلکہ اپنے زمانہ کا وہ بھی ایک شیخ تھا۔ اور خواجہ کی تیس برس کی طالب العلمی بھی ایک بیّن شہادت اس امر کی ہے کہ وہ علمائے روزگار میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

شاعری

خواجہ نظام الملک کو شعر و شاعری سے دلچسپی نہ تھی۔ اور اس کا سبب ایک تو یہی ہے کہ طبعی[1] مذاق نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بچپن سے فقہ اور حدیث کی تعلیم دی گئی تھی جس نے طبیعت کو شعر و سخن کی جانب متوجہ نہیں ہونے دیا۔ تاہم مثل دیگر فنون کے شاعری سے نابلد نہ تھا۔ افسوس ہے کہ تاریخ اور تذکروں میں بجز ایک قطعہ اور رباعی کے اس کا کوئی اور کلام درج نہیں ہے۔ بہرحال ناداری میں یہ بھی غنیمت ہے۔ نظام الملک کی مجلس میں جس قدر انعام اور اکرام

[1] خواجہ بزرگ نظام الملک رحمۃ اللہ در حق شعرا اعتقادی نداشت ازانکہ در معرفت آں دست نداشت۔ چہار مقالہ نظامی صفحہ ۹۔

صوفیہ اور علما کے حصہ میں آیا اس کے مقابلے میں شعرا منزلوں دور رہے، اور ان کی محرومی کا باعث وہی مذاق شاعری تھا جس کی خواجہ میں بہت کمی تھی۔

ابن خلکان میں خواجہ نظام الملک کے عربی اشعار بھی درج ہیں۔ مگر خود مورخ مذکور کو ان کی صحت میں شک ہے اور لکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس کو ابوالحسن محمد بن ابوالصقر واسطی کی جانب منسوب کرتے ہیں[1]۔ لیکن عربی زبان میں اگر خواجہ کے اشعار ہوں تو اُس کے فضل وکمال کے مقابلہ میں یہ ایک ادنیٰ بات ہے۔

رُباعی یہ رُباعی[2] ایک خاص موقعہ پر عمید منصور کو لکھی تھی جس کی تفصیل آداب وزارت میں مفصلاً درج ہے۔

از سر بنہ ایں نخوتِ کاؤسی را
بگذار بجبرئیل۔ طاؤسی را
یعنی ہمہ صوفہائے تیردسی را
پیش آر۔ دگر گاؤ گمو طوسی را

قطعہ یہ قطعہ[3] اُس وقت موزوں کیا ہے کہ ایک ظالم فدائی نے خواجہ نظام الملک کو چھری سے زخمی کردیا ہے اور ملک شاہ سرہانے بیٹھا ہے۔ اور نزع کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔

سی سال باقبالِ تو اے شاہ جواں بخت
گردِ ستم از چہرۂ ایام ستردم
منشورِ نکونامی وطغرائے سعادت
پیشِ ملک العرش بتوقیع تو بردم
چوں شد ز قضا مدت عمرم نود وشش[4]
اندر سفر از ضربتِ یک کارد بمردم
بگذاشتم[5] ایں خدمتِ دیرینہ بفرزند
اورا بخدا و بخداوند سپردم

---

[1] اور وہ اشعار حسبِ ذیل ہیں۔

بعد الثمانین لیس قوۃ
قد ذھبت شرۃ الصبوۃ
کانّنی والعصا بکفی
موسیٰ ولکن بلا نبوۃ

---

[2] وصایائے نظام الملک نسخہ قلمی [3] آثار الوزرا نسخہ قلمی [4] دوسرا مصرعہ عبدالملک برہانی شاعر کی جانب منسوب ہے کہ خواجہ کے انتقال کے بعد اُس نے یہ مصرعہ کہکر قطعہ پورا کردیا تھا اور بعض تذکروں میں اس شعر کا شانِ نزول کچھ اور ہی لکھا ہے جس کی تفصیل امیر معزی کے حالات میں ہم نے لکھدی ہے۔

نثر فارسی

خواجہ نظام الملک کے متفرق مضامین یا کوئی مستقل تصنیف نثر عربی میں موجود نہیں ہے جس سے اُس کے زورِ قلم کا اندازہ ہو سکے۔ البتہ فارسی میں ایک بڑا ذخیرہ نثر کا موجود ہے۔ جو خواجہ کے فضل و کمال کی ایک زندہ یادگار ہے۔ خواجہ کے نثر کا طرز وہی ہے جو عموماً پانچویں صدی کے علما اور انشا پردازوں کا تھا۔ چنانچہ جس نے امام غزالی وغیرہ کی فارسی تصنیفات پڑھی ہیں اُس کو اس طرز کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

بطور نمونہ کے ہم صرف دو خطوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو خواجہ نے اپنے نامور بیٹوں موید الملک اور فخر الملک کو لکھے ہیں۔ یہ خط نہ صرف خواجہ کے انشا کا نمونہ ہیں بلکہ اُس کی دین داری اور اخلاق و عادات کا بھی آئینہ ہیں۔ کہ جس سے ہر خال و خط نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

مکتوب بنام موید الملک

بداںؔ ای پسر! کہ مایۂ نیکیِ دو جہاں اعتقاد نیکو ست، و شناختن حق تعالیٰ بہ یگانگی کہ ہمیشہ بود و ہست و باشد، و تغیر و انتقال و زوال بہو محال ست، و ایمان بایزد تعالیٰ کہ با ایمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقرون بود و بداند کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خاتم انبیا ست و بہترین خلق و دین او حق است۔ و باید کہ او را دوست داری، واصحاب او را، واہل بیت او را، کہ ایمہ بحق اند۔ و دشمنی ہیچ کس از گویندۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ باید کہ در دل تو نباشد۔ و باید کہ حرمتِ علما کہ ورثۂ انبیا اند نیکو شناسی۔ خاصہ کسانی کہ از شجرۂ نبوت بتطہیر و تشریف مخصوص باشند۔ و بعد از اں باید کہ پیش از صبح برخیزی و بدانی کہ پگاہ خاستن برکت عظیم دارد و کارہائے بستہ بکشاید۔ و زندگانی بیفزاید۔ و ہمیشہ کلمۂ شہادت برزباں رانی، و نماز را بگذاری، و از قرآن در ورد خود لازم کنی، و از دعوات ماثورہ بخوانی تا روز بر تو بہ خوش دلی گذرد، و ہمیشہ با ادیب جامع بارع نشینی یا با ہنر مندی لطیف ظریف تا چیزی در تو آموز د و محفوظات بہ تکرار بر تو نگاہ دارند و درگاہ و لطافت با ندیم طبع کشودہ می شود و ہر روز از شعر تازی و پارسی و رسائل و آداب انچہ توانی بر خاطر می گیر۔

ف آثار الوزا سیف الدین عقیلی نسخۂ قلمی و نسخۂ منتخب سعید مطبوعۂ قدیم لکھنؤ صفحہ ۷۶ و ۷۷

ولپس از نماز پیشین باید که طبع را بمسائل نحو و تصریف واشکال هندسه وقیاساتِ منطقی ریاضت دہی۔ و بمشق خط قیام نمائی تا خط مستقیم گردد و انچه هست قناعت نه کنی۔ در اول شب باید که ساعتی نیک بمباحثه و استفادت و مخامرت با نہرمندان و ظریفاں به نشینی، واز لطائف آداب وحکایات وامثال وابیات چیزی یاد گیری چوں بریں جمله بیش گیری زود از اقراں خود را جج شوی۔ باید که زبان از دروغ وغیبت نگاه داری وعیب کساں نه گوئی، و در ظرافت ترکیب سخن از مقدماتی نکنی که بحرمت و مال کسی از زبان بازدهد چه اگر کسی براست گوئی معرفت شود اگر وقتی از برائے مصلحتی دروغ بگوید قبول کنند اگر به دروغ گوئی معروف گردد اگر چه نیز راست گوید قبول نه کنند و کارش بسته باشد باید که بعهود و مواثیق وفا کنی، وعزم درست داری تا در چشم همه کس عزیز باشی و از زشت نامی بسود دنیائی خریدن زیاں سهگیں بود و هر درمی که از مکاسب دون بحاصل آید حجاب صد هزار دینار گردد و اگر کسی بخلاف ایں ابواب پیش تو تقریر کند از غیبت وعیب مردم و پدید آوردن تو نیز از زشت نامی و کاہلی کردن در تحصیل هنر او را زبو مردم شمری و از خویشتن دور کنی والنبه غماز و نمام ساعے را پیش خود راه ندہی، و براني، واز ندیمان و دوستان دو روی متملق اجتناب کنی که بفضحکه و حدیث بزم و خوش نشینی ترا از راه ببرند و زیان کار دینی و عقبیٰ شوی و خدمت گاران با ادب مشفق نگاه داری و با دوستاں که صاحب مکارم اخلاق باشند اختلاط کنی، تا تواضع و خدمت تو با استحقاق باشد و طمع در محارم و حرمت مردمان نه کنی بهیچ وجه و هر کس که ترا بران تحریص کند خصم جان خویش دانی و در همه اوقات تازه روئے و خوش خلق باشی تا همه کس بتو میل کنند۔

(وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ) و بر ظلم اقدام نه نمائی چه دعائے مظلوم را حجاب نبود و با خلق منصف و نیکو معاملت باشی و با شریکان به تبرع و تفضل بسر بری تا نیکو نام گردی وحسد وحقد در دل خود جائے نه دہی که الحسود لا یسود، و هر وقت به تکلف نه روی که گفته اند" التکلف شوم لا نه لا بد دم " و باید که سخن خردمندان بشنوی و با اہل صلاح نشینی و سیرت ایشان گیری تا بهمه زبانها ستوده گردی، وانچه تعین شده است از موسوم و وظیفه و رواتب خدمت گاران آں را به سان یک چندی قناعت باید کرد و بتحصیل علوم مشغول تا بس از انکه بدرجهٔ استقلال و استبداد رسی بمراد خویش در همه تصرف کنی۔ انشاء الله تعالےٰ۔

مکتوب بنام فخر الملک

در مطلع عمر افتتاح کار نیک بختی را نیکو نامی حاصل شود و خبر آں بدو دو نزدیک بر سد دولها ئے لشکری در غبت بدو مائل شود اگر در اثنا ئے امور سہوی از و صادر گردد و خصمان خواہند کہ بد نامی بدو حوالت کنند نتوانند این تذکرہ ایست مر فرزند اعز فخر الملک را کہ چوں بدین قانون رود سعادت دو جہانی یابد انشاء اللہ تعالی۔

(اول) باید کہ ہمہ رعایا از تو آسودہ باشند و ہر وقت کہ حقوق بر ایشاں لازم شود بگزارد تا فارغ دل بکسب و مصلحت معاش خویش پردازند و با آہستگی از ایشان بستانند، و دری حوادث بیہودہ بر ایشان بستہ باشد، و نگزارد کہ ہیچ کس بعد از فرمودہ دیوان از ایشان چیزے خواہد، و رہگذریان باید کہ ایشان را بمال نرنجانند۔

(دیگر) باید کہ در سرائے خود بر متظلمان کشادہ دارد و در ہفتہ یک روز بدین کار بپردازد و چنانکہ ہیچ مصلحت نسازد و در آں آہستگی کار فرماید تا بداند کہ آں متظلم را شکایت از چیست و تدارک آں چگونہ می باید کرد تا انچہ فرماید از سر حقیقت و بصیرت باشد۔ (دیگر) باید کہ امرائے لشکر و خاصگیان مخدوم را عزیز و محترم دارد و ہم چنیں شیوخ و موالی و ائمہ را بچشم حرمت بیند و ہمہ را تفقد نماید و تعہد کند و سبب غیبت بپرسد و اگر بیمار شوند بعیادت رود و اگر مصلحتے سازند و مہم در پیش گیرند مدد و معاونت دہد ہم بمال و ہم بخدمت گار و تجمل و رسمی کہ آں مہم را شاید و ہم گناں را بشناسد و لقب ایشاں را محفوظ دارد و با ایشاں کشادہ روئی باشد تا بر متابعت و خدمت وی حریص گردند و مشفق شوند کہ "اَلْاِنْسَانُ عَبِیْدُ الْاِحْسَانِ" و ہر روز معروفان را بر خوان خود نان دہد و با ندیمان و نزدیکان بادشاہ زندگانی بجا کند و عزیز دارد، و چیز ہا بخشد (دیگر) در ہفتہ دو بار باید کہ پیش ارکانِ دولت و اصحاب مناصب طعام خورد و حکایتہا گوید کہ متضمن مصالح باشد و اگر از دو روز بیشتر خورد ہتک حشمت بود و ہمہ کس را در حق مرتبت و مصلحت تعہد کند و نوروز و عید بہمہ کس کہ ملازمان و دوستان و حریفان و یاران وے باشند صلت و خلعت رساند و خوان نکو نہد (دیگر) نزدیکان و ندیمان کہ در حق کسی سختی باسم شفاعت گویند یا حاجتی خواہند کہ ممکن

گردد بباید شنود و عذر باید خواست کہ خدمت کنم و بنویسم اگرچہ مصلحت نباشد بقدر دل داری باید کرد و بہیچ حال بر منع اصرار نباید نمود (دیگر) بباید دانست کہ ہیچ کس مال بداں جہان نگیرد مگر آنچہ وراں نام نیکو حاصل گردد و حمایت و جایگی حشم و خدمت گاراں بوقت خود برساند بی احتباس۔ ازحال روسائے نواحی و عمال غافل نباید بود کہ ازایشاں بر رعایا حیفہا تے عظیم باشند و درویشان ازیں سبب رنجور و گراں بار باشند چوں دفع ایشان بکند نیکو نامی بہمہ آفاق برسد از راہ روان و کارواں غافل نباید بود تا راہہا ایمن باشد و آیندہ و روندہ بسلامت بود و رباطہا معمور دارد (دیگر) کار زر و درہم نازک بود و نصرت آں بہمہ کس برسد متولی دارالضرب شدید باید و عیار باید کہ در گردن بیاتمان و دلالان باشد و ہرماہ باید کہ یکبار کیمتی بکند و دیبار باید۔ غلامان و خدمت گاران خاص را بواجبی نگاہ دارد تا باادب و خرد باشند و اگر بے ادبی کنند مالش دہد باید کہ از سر انصاف تمام نظر کند تا بر عادت قدیم بسویت ہمہ کس حق خود گیرد و مستزاد نکند و شرب نیفزایند و در کمیت و کثرت باشریکاں احتیاط چہ عمارت جہاں بہ آبست و چوں دراں ظلم رود خیانت کردہ باشند برکت از جہان بکلی مرفوع گردد و در راستی میاں دہقنت صلاح کار حرث و زرع فائدہ بسیار ست و برد زوراہزن ہیچ وجہ ابقا نکند و قطع و قہر ایشاں از اہم المہمات داند و در حق زناں زور و بہتان نشنود کسانیکہ بزنان ہتک حرمت و قصد نام و ننگ و عرض مردم کنند در قہر ایشان مبالغت نماید و اگر سخن چنین یا ندہی قصد عرض کسی کند در قمع و قہر او کوشد چہ نام و ننگ بسالہا بدست آید و بیک دروغ باطل گردد و روز آدینہ ہر بامداد بار عام دہد و ختم قرآن کند و نماز پیشین بجماعت گزارد در جامع۔ و در ہمہ حال توفیق از حق تعالےٰ خواہد تا بہمہ نیکوئیہا برسد و برکت لطفؔ آفریدگار جلّ جلالہٗ بر احوال او در دو جہان ظاہر گردد انشاءاللہ وحدہٗ العزیز۔

تصنیفات

خواجہ نظام الملک کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُن کے نام یہ ہیں (۱) " وصایائے نظام الملک یا دستور الوزرا۔" سیاست نامہ یا سیرالملوک۔ لیکن ان کے علاوہ ایک سفرنامہ بھی ہے جس میں اُس سفر کے حالات محترم ہیں جو خراسان سے (براہ ماوراءالنہر) کابل تک کیا گیا ہے۔ لیکن یہ سفرنامہ مفقود ہے۔

وصایا ملقب بہ دستورالوزرا(۱)

اس کا سنہ تصنیف معلوم نہیں ہے۔ مگر مضامین سے ثابت ہے کہ یہ کتاب وزارت کے اخیر زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ یہ مختصر مجموعہ چند قیمتی اور کثیرالفوائد مضامین کا ہے جس میں روئے سخن فخرالملک کی جانب ہے۔ اور یہ خواجہ کا عزیز ترین فرزند ہے جس کی نسبت خواجہ چاہتا ہے کہ میرے بعد وزارت منظور نہ کرے۔ اس لئے ناصح مشفق بن کر اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے۔ یہ دستورالعمل ایک مقدمہ اور دو فصل پر ختم ہوجاتا ہے۔ مقدمہ میں خواجہ نے اپنے بچپن کے بعض حالات لکھے ہیں۔ اور پہلی فصل میں وزارت کی اُن مشکلات کا تذکرہ ہے جن کے پڑھنے سے خواہ مخواہ دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وزارت سے استعفا دینا ہی بہتر ہے۔ اور دوسری فصل میں وزارت کے وہ آداب وقواعد لکھے ہیں جن کی ہر وزیر کو ضرورت ہے۔

غرضکہ وصایائے نظام الملک معاملاتِ سلطنت اور وزارت میں ایک مکمل اور مستحکم قانون ہے اور لطف یہ ہے کہ جیسا وہ پانچویں صدی میں کارآمد تھا ویسا ہی آج بھی مفید ہے۔ ہم نے باب الوزارت میں ان قوانین کو مفصل لکھا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں میں کس دماغ کے متقنن وزیر گذرے ہیں۔

سیاست نامہ (۲)

یہ کتاب بھی خواجہ نے اپنی وزارت کے اخیر زمانہ میں یعنی انتقال کے ایک سال قبل تصنیف کی ہے۔ اور باعث تصنیف دیباچہ میں یوں لکھا ہے کہ "۴۸۴ھ ہجری میں سلطان سعید ابوالفتح ملک شاہ نے دربار کے چند دیرینہ سال ارکان سلطنت کو مخاطب کرکے فرمایا کہ" ماہدولت کے عہد سلطنت پر غور کریں۔ اور سوچیں کہ ہمارے زمانہ میں کس صیغہ کا انتظام اعلیٰ درجہ کا نہیں ہے۔ اور وہ کون سے آداب ہیں جو ہماری مجلس اور دیوان میں نافذ نہیں ہیں۔ اور وہ کیا حالات ہیں کہ جو مجھ پر مخفی ہیں۔ اور سلاطین سابق کے جو اصول ہمارے زمانہ میں چھوڑ دیئے گئے ہیں وہ کیا تھے؟ غرضکہ شاہان سلجوق کے تمام رسم ورواج اور آئین قلم بند ہوکر حضور میں پیش ہوں تاکہ بعد غور کامل اُن قوانین کے اجرا کا حکم دیا جائے۔ جس سے دین ودنیا کے سب کام درست ہوجائیں۔ اور ساری

خرابیاں دور ہوں۔ جب کہ خدا تے برتر نے مجھکو عظیم الشان سلطنت مرحمت فرمائی ہے۔ اور تمام نعمتیں بخشی ہیں اور میرے دشمنوں کو پامال کر دیا ہے تو پھر کوئی انتظام ما بدولت کا ناقص نہ ہونا چاہیے اور نہ مجھ سے کچھ چھپایا جائے۔

سلطان کا روئے سخن نظام الملک، شرف الملک[1]، تاج الملک، مجدالملک وغیرہ کی طرف تھا۔ چنانچہ اِن امرا میں سے ہر ایک نے اپنی استعداد اور خیالات کے مطابق ایک ایک دستور العمل لکھکر ملک شاہ کے حضور میں پیش کیا۔ مگر صرف نظام الملک کا مسودہ پسند آیا۔ جس کی نسبت سلطان نے فرمایا کہ "یہ کتاب نہایت جامع ہے اور میرے خیال میں اب اس پر اضافہ کی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا"۔

یہ کتاب پچاس فصلوں پر ختم ہوئی ہے۔ اور ہر فصل میں ایک جداگانہ مضمون ہے۔ اور اس کتاب میں (سوانح عمری خواجہ نظام الملک)، باستثنائے چند ابواب تمام مضامین کا مع مختصر حاشیہ کے ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ سیاست نامہ کے ہر مضمون میں قرآن، حدیث، اور فقہ سے استدلال کیا گیا ہے اور تمام واقعات بہ سند تاریخی بیان ہوئے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت وشان کی یہ ادنیٰ دلیل ہے کہ سول سروس[2] کورس میں داخل ہے۔ مسلمانوں کو پروفیسر شیفر (مدرس مدرسۃ السنۃ شرقیہ پیرس) کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ جنھوں نے ہندوستان، لندن، برلن، اور سینٹ پٹیر سبرگ کے کتب خانوں سے صحت کرکے اس کتاب کو فرانس میں چھپوایا ہے۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے اب ہم سیاست نامہ کا ایک پورا باب (مع ترجمہ) نقل کرتے ہیں۔ جس سے خواجہ کی طرز تحریر کا جو اس کتاب میں ہے نمونہ معلوم ہوگا۔ اور جو مضمون اس باب میں ہے وہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جس کی تفصیل ہر تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ امید ہے کہ یہ صفحات دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

---

[1] شرف الملک وغیرہ کے حالات دوسرے حصہ میں تحریر ہیں۔

[2] سول سروس کا امتحان لندن میں ہوتا ہے اور اس امتحان کی کامیابی پر ہندوستان کے بڑے عہدے کلکٹری وغیرہ ملتے ہیں۔

سیاست نامہ باب ۴۳

اندر باز نمودن احوال بدمذہبیان کہ دشمن ملک و اسلام اند

بندہ خواست کہ فصلی چند در معنی خروج خارجیان یاد کند، تا جہانیان بدانند کہ بندہ را درین دولت چہ شفقت بودہ است، و بر مملکت سلجوق چہ ہوا و ہمت دارد خاصۃً بر خداوند عالم خَلَّدَ اللّٰہُ مُلکَہٗ و بر فرزندان و خاندان او کہ چشم بد از روزگار او دور باد) بہمہ روزگار خوارج بودہ اند و از روزگار آدم علیہ السلام تا اکنون خروجہا کردہ اند و در ہر کشورے کہ در جہانست بر پادشاہان و پیغمبران، ہیچ گروہی نیست شوم تر و بدفعل تر ازیں قوم۔ بداند کہ از پس دیوارہا بدی این مملکت می سگالند و فساد دین می جویند، گوش بآواز نہادہ اند و چشم بچشم زدگی۔ اگر نعوذ باللہ ہیچ این دولت قاہرہ (ثَبَّتَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی) را از آفتی حدیثۃً رسد یا آسیبی (دَفَعَ الْعِیَاذُ بِاللّٰہِ) پیدا شود این سگہا از نہفتہا بیرون آیند و برین دولت خروج کنند و ہرچہ ممکن باشد از فساد و قیل و قال و بدعت چیزی باقی نگذارند۔ بقول دعوے مسلمانی کنند و بمعنی فعل کافران دارند و باطن

یہ چند ابواب مخالفین مذہب اسلام کے خروج کی تاریخ میں لکھتا ہوں تاکہ کافہ انام کو معلوم ہو جائے کہ دولت سلجوقیہ پر میں کس قدر مہربان ہوں (خصوصًا خداوند عالم، اور اُس کے خاندان اور اولاد پر) اور کس قدر اُس کی خیر خواہی کا دم بھرتا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک ہر عہد میں خوارج کا زور رہا ہے اور دنیا کے کسی نہ کسی شہر سے اُنھوں نے بادشاہوں اور پیغمبروں پر خروج کیا ہے اِس گروہ سے زیادہ کوئی منحوس، اور بدکار نہیں سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس سلطنت کے بدخواہ ہیں، اور مذہب میں فساد اٹھانا چاہتے ہیں اور ہر وقت اس کے منتظر ہیں کہ سلطنت کو صدمہ پہنچے۔ اگر خدانخواستہ دولت قاہرہ پر کوئی وقت پڑ جائے تو یہ سگِ ناپاک گھات سے نکل کر سلطنت پر حملہ آور ہوں گے۔ اور جہاں تک ہو سکے گا فساد و بدعت اور قیل و قال میں کچھ اٹھا نہ رکھیں گے۔ ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور باطن میں پورے کافر ہیں۔ ملد خدا کی اُن پر لعنت ہو جن کا باطن ظاہر کے خلاف اور جن کا قول عمل کے برعکس ہو) اسلام کے

ایشان لعنہم اللہ بخلاف ظاہر باشد و قول بخلاف
عمل و دین محمد مصطفی را صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ
دشمن از ایشان شوم تر و بہ نفرین تر نیست
و ملک خداوند عالم را، ہیچ خصمی از ایشان بتر
نیست و کسانیکہ امروز دریں دولت توئی ندارند
و دعوی شیعت می کنند از یں قوم اند و در سرکار
ایشاں می سازند و قوت می دہند و دعوت می
کنند و خداوند عالم را براں می دارند کہ خانہ
بنی العباس بردارد و اگر بندہ غطا از سر ایں
دیگ بردارد ائے بسا رسوائی بیروں آید۔ ۔۔
ولیکن از انکہ از تماشا ہائے ایشاں خداوند عالم
را مالی حاصل شدہ است دریں معنی می خواہد
کہ شروعی کند بسبب توفیرہا کہ نمایند و خداوند
را بہر حال حریص کردہ اند بندہ را صاحب غرض
نہند و نصیحت بندہ دریں حال دل پذیر نیاید۔
آنگاہ معلوم گردد فساد و مکر ایشاں کہ بندہ از
میان رفتہ باشد و بداند کہ ہوا خواہی بندہ بچہ
اندازہ بودہ است و دولت قاہرہ را واز احوال
سگالش ایں طائفہ غافل نبودہ است و بہر
وقت بمرائے عالی اعلاہ اللہ می گذرانیدہ
است و پوشیدہ نداشتہ و چوں می دید کہ
دریں معنی قول بندہ قبول نمی افتاد نیز تکرار
نہ کرد۔ لیکن بابی در معنی ایشاں بر سبیل اختصار

حق میں اُن سے زیادہ کوئی دشمن قابلِ نفرین نہیں ہے
اور نہ دولت سلجوقیہ کا کوئی اُن سے بڑھکر دشمن ہے۔
جو لوگ اس سلطنت میں کمزور ہیں اور فرماں برداری کا
دعوٰی کرتے ہیں، وہ یہی ہیں، اور اس گروہ سے میل
جول کرکے اپنے بل پر اُن کو دعوت دیتے ہیں۔ اور خداوند
عالم کو اُبھارتے ہیں۔ کہ آلِ عباس کا خاندان مٹا دیا جائے۔
اگر میں اس طلسم کی پردہ کشائی کروں تو معلوم نہیں ہے
کہ کیا کچھ رُسوائی ہو؛ لیکن چونکہ اس مجمع سے مالی فائدہ
ہوا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مالی کارگزاری
دکھاؤں۔ ان لوگوں نے سلطان کو مال پر حریص بنا رکھا
ہے، اور مجھکو خود غرض کہتے ہیں اگر میری نصیحت اس
وقت نہ سُنی جائے مگر اُن کا مکر و فریب اُس وقت کھُل
جائے گا کہ جب میں موجود نہ ہوں گا۔ اور جب میری
خیر خواہی کا اندازہ ہو سکے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگا
کہ اس گروہ کے دریافت حال سے میں غافل نہیں
رہا ہوں اور اکثر اوقات اس گروہ کے حالات عرض
کرتا رہا ہوں۔ اور کبھی کوئی واقعہ چھپایا نہیں گیا
ہے؛ البتہ جب میں نے دیکھا کہ میری عرض داشت
قبول نہیں ہوتی ہے تب میں بھی چپ ہو رہا۔
لیکن مہتم بالشان سمجھکر اس کتاب (سیر الملوک)
میں ایک عنوان قائم کرتا ہوں، جس کے ملاحظہ
سے معلوم ہوجائے گا کہ باطنیہ کون تھے، اُن کا
مذہب کیا تھا، اور پہلے پہل وہ کہاں ظاہر ہوتے؟

دریں کتاب بیرآوردکہ از مہات بودکہ ایں بواطنہ چہ قوم اندو مذہب ایشاں چگونہ بودہ است واول از کجا خاستند و چند بار خروج کردہ اند و ہر وقت بدست خداوند مقہور گشتہ اند تا از پس وفات بندہ تذکرہ باشد، در زمین شام ویمن واندلس خروجہا بودہ است وقتلہا کردہ اند ولیکن بندہ آنہمہ یاد نکند واگر خواہد کہ بر ہمہ احوال ایشاں واقف شود تاریخہا باید خواند خواند خصوصًا تاریخ اصفہان وانچہ درزمین عجم کردہ اند کہ خلاصۂ ملک خداوند عالم است) بندہ از صدی کی یاد خواہد کرد تا معلوم رائے عالی دام عالیًا کرد و از ابتدائی تا انتہائی کار ایشاں۔

(انھوں نے کئی مرتبہ سر اُٹھایا ہے مگر ہمیشہ خداوند عالم نے اُن کی سرکوبی کردی ہے) اور یہ تذکرہ میرے بعد یادگار رہے گا۔ باطنیہ فرقہ کا ملک شام، یمن، اندلس میں ظہور ہوا ہے اور اُنھوں نے بڑی خوں ریزی کی ہے لیکن یہ پوری تاریخ میں بیان نہ کروں گا۔ شائقین تاریخ کی طرف رجوع کریں۔ خصوصًا تاریخ اصفہان (جس میں پوری تفصیل موجود ہے) اور جس قدر واقعات ملک عجم میں ہوتے ہیں وہ بھی ایک فی صدی بیان کروں گا، جس سے جناب عالی کو ازابتدا تا انتہا باطنیہ کی تاریخ معلوم ہو جائے گی۔

باب ۴۴

اندر خروج مزدک مذہب او چگونگی کشتہ شدن او بردست نوشیروان عادل

نخستین کسی کہ اندر جہان مذہب معطلہ آورد مردی کہ اندر زمین عجم بیرون آمد اورا موبد موبدان گفتندی نام وی مزدک، بامداد آں بروزگار ملک قباد بن فیروز پدر نوشیروان عادل

مزدک کے تاریخی حالات۔ دنیا میں سب سے پہلے جس نے مذہب معطلہ کی بنیاد ڈالی وہ سرزمین عجم کا باشندہ "مزدک[1]" تھا اور جس کو لوگ "موبد موبدان" کہتے تھے۔ چنانچہ ملک قباد

---

[1] خواجہ نظام الملک نے جس قدر مزدک کے حالات لکھے ہیں اُس پر کسی قدر حاشیہ لکھنے کی ضرورت ہے لہٰذا چند تاریخوں سے مختصر طور پر یہ ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ (بقیہ در صفحہ آئندہ)

خواست کہ کیش گبرگی برگ برگان بزبان آرد
وراہ بد درجہاں گسترد و سبب آں بود کہ مزدک
نجوم نیکو دانستی وازروش اختران چناں
دلیل می کرد کہ اندریں عہد مردی بیرون آید
و دینی آرد چناں کہ کیش گبراں وکیش جہوداں
وکیش ترساآں و بت پرستاں را باطل کند
وبمعجزات وزور کیش خود در گردن مردمان کند
وتا قیامت دین او بماند۔ اور اتمنا چناں
افتاد کہ مگر ایں کس او باشد پس دل در آں
بست کہ چگونہ مردم را دعوت کند ومذہب
نو پدید آرد۔ نگاہ کرد خویشتن را بمجلس بادشاہ
حرمتی تمام دید و نبزدیک ہمہ بزرگان وہرگز
کس اورا محالی نشنیدہ بودند۔ پیش ازانکہ دعوی
پیغمبری کرد۔ پس غلامان خویش را فرمود تا از

بن فیروز (پدر نوشیروان عادل) کے زمانہ میں مزدک
کے گبروں کے مذہب کو برباد کرکے ایک جدید مذہب
کی بنیاد ڈالنی چاہی۔ اور اس تحریک کا باعث یہ تھا
کہ مزدک کو علم نجوم میں کمال تھا۔ اور سیاروں
کی چال سے اُس نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اس
عہد میں ایک شخص ایسا پیدا ہونے والا ہے جس
کا مذہب آتش پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں اور
بُت پرستوں کے مذہب کو باطل کردے گا، اور
اپنے معجزات اور طاقت سے مذہب کی اشاعت
کرے گا اور اُس کا مذہب قیامت تک باقی رہے گا
اس لئے مزدک کی تمنا تھی کہ وہ ہونے والا شخص
میں خود ہی کیوں نہ بن جاؤں؛ لہذا اُس نے غور
کرنا شروع کیا کہ کیوں کر لوگوں کو مذہب کی
دعوت کروں اور ایک جدید مذہب ایجاد کروں

بقیہ صفحہ ۸۰۔ ایران میں یکے بعد دیگرے جو مدعیانِ نبوت یا بانیانِ مذہب پیدا ہوئے ہیں اُن میں مزدک بن نامداران سب سے اخیر شخص ہے۔ مورخوں کو اُس کی جعل سازی، اور مکاری تسلیم ہے۔ تاہم طبقہ حکما میں شمار کیا جاتا ہے۔ نیشاپور کا باشندہ تھا۔ لیکن تکمیل علوم کے بعد مدائن میں چلا آیا تھا اور عہد قباد میں اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔ اُس نے اپنے تابعین اور مریدوں کی ہدایت کے واسطے ایک دستور العمل بنایا تھا جس کا نام "دیسناد" تھا اور سہل فارسی میں اس کا ترجمہ آئین شکیب ایک مرید نے کیا تھا۔

مزدک کا اصل مذہب رڈیکل، اور سوشلسٹ کے قریب تھا۔ کیونکہ یورپ کے یہ خوفناک فرقے بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہر آدمی دوسرے آدمی کے مال اور ناموس پر یکساں اختیار رکھتا ہے اور اسی بنا پر مزدک کے مذہب میں زنا کچھ گناہ نہ تھا۔

مزدک کا قول ہے کہ جہان کے دو صانع ہیں، ایک خیر کا فاعل ہے اور وہ نور محض ہے (باقی در صفحہ آئندہ)

جائے پنہان نقبی گرفتند وزمین بنہیدند بتدریج
چنانکہ سرسوراخ میان آتش گاہ برآوردند
راست آنجا کہ آتش می کردند سوراخ سخت
خرد پس دعوے پیغمبری کرد وگفت مرا فرستادہ

آخر کار اُس نے دیکھا تو بادشاہ کی مجلس میں اپنے تئیں معزز و محترم پایا اور یوں بھی سب اُس کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کیونکہ پیغمبری کے دعوے سے پہلے از قبیل محالات کسی نے اُس کی

بقیہ صفحہ ۸۱۔ جس کا نام یزدان ہے۔ یہ سلاطین کی طرح کرسی پر بیٹھتا ہے۔ دوسرا شر کا فاعل ہے اور وہ ظلمت ہے جس کو اہرمن کہتے ہیں۔ چنانچہ یزدان اور اہرمن ہر وجود کی علت ہیں۔ نور کے تمام افعال اختیاری اور ظلمت کے اتفاقی ہیں۔ یزداں نے عقول، نفوس، آسمان، کواکب، بہشت، عناصر، معادن، اشجار میوہ دار، حیوانات اور انسان کو پیدا کیا ہے۔

آگ کا جلانا، پانی کا کشتی کو ڈبو دینا، جان داروں کا لوؤں کی لپٹ سے جل کر خاک سیاہ ہو جانا اور ہر قسم کی جسمانی تکلیف دینا۔ غرضکہ اہرمن کے کرتوت اسی قسم کے ہیں۔ اور عالم عنصری کی حکومت اُس کے ہاتھ میں ہے۔ اہرمن کی تمام مخلوقات فانی ہے۔ اور یزدان حیات جاودانی بخشتا ہے۔ عبادت کا سزاوار صرف یزدانِ پاک ہے۔

مسئلہ قیامت میں مزدک کا قول ہے کہ جب ظلمت سے نور کے اجزا علیحدہ ہو جائیں گے اور پرانی ترکیب بدل جائے گی اُس وقت قیامت آ جائے گی۔

اس عالم میں (عالم فردین) یزدان کی چار قوتیں ہیں۔ اوّل بازکشا (قوت تمیز) دوم یادہ (قوت حافظہ) سوم دانا (قوت فہم) چہارم سورا (بہجت وسرور) اور ان قوتوں کا عمل درآمد چار شخصوں کی ذات سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) موبد موبدان (۲) ہیربد ہیربدان (۳) سپہبدان (۴) رامشگران۔ پھر ان چار طبقۂ اعلیٰ کے سات رکن اور ہیں جو عزت و مرتبہ میں ان سے کمتر ہیں۔ یعنی سالار۔ پیشکار۔ بالو۔ رہبران۔ کاردان۔ دستور۔ کودک۔ پھر یہ سات ناظم مل کر بارہ [illegible] پر حکومت کرتے ہیں۔

خوانند۔ دہندہ۔ ستانند۔ برندہ۔ خوانندہ۔ دوندہ۔ پرندہ۔ کشندہ۔ زنندہ۔ آیندہ۔ شوند۔ پایندہ

جب کسی انسان میں یہ تئیس[۲۳] قوتیں مجموعی طور پر جمع ہو جائیں تو عالم سفلی میں اُس کا نام پروردگار اور رب ہے۔ اور وہ تمام تکالیف سے چھوٹ جاتا ہے گویا کمال کا یہ وہ درجہ ہے کہ جس مرتبہ پر پہنچ کر اس ذات کو دیوی دیوتا گاڈ۔ رب النوع وغیرہ سمجھنے لگتے ہیں (ہندوستان اور یونان بھی اسی قسم کے خیالات سے مالا مال ہے) — جدال وقتال سے نور بیزار اور اہرمن خوش ہوتا ہے اور تمام مفاسد کی بنیاد زن اور زر ہے۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

اندتا دین زردشت تازہ کردانم کہ خلق معنی ژند واُستا دفراموش کردہ اند۔ وفرمانہائے یزداں نہ چناں می گذارند کہ زردشت آوردہ است ہم چناں کہ ہریک چندے بنی اسرائیل فرمانہائے موسٰی علیہ السلام کہ در توریت از خدائے عزوجل آوردہ است نداشتندی وخلاف کردندی پیغمبری فرستاد ہم برحکم توریت تا خلاف از بنی اسرائیل بیفگندی وحکم توریت را تازہ گردانیدی وخلق را بطریق راست می آوردے۔

ایں سخن بگوش ملک قباد اُفتاد روز دیگر بزرگان وموبداں را بخواند ومظالم کردو

کوئی تقریر نہیں سُنی تھی اس لئے اُس نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ ایک مخفی جگہ سے سرنگ لگائیں۔ چنانچہ اُنھوں نے آہستہ آہستہ اس کام کو ختم کردیا اور ٹھیک آتشکدے کے نیچے پہنچ کر اُس میں ایک باریک سوراخ کردیا اس کے بعد مزدک نے پیغمبری کا دعوٰی کیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ میں اس لئے معبوث ہوا ہوں کہ زردشت کے مذہب کی تجدید کروں۔ کیونکہ لوگوں نے اُستا اور ژند کے معنی بھلا دیتے ہیں اور یزدان کے احکام کی ٹھیک تعمیل مطابق ہدایت زردشت[۱] کے نہیں کرتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۸۰۔ اس لئے لوگ کی رضامندی کے واسطے عورتوں کو آزاد مطلق کردینا چاہیے۔ اور جس طرح آگ پانی ہوا کے وغیرہ میں تمام آدمی شریک ہیں اسی طرح مال میں بھی سب کا حصہ برابر ہونا چاہیے۔ مزدک نے گوشت خواری کو حرام کر دیا تھا۔ قباد کی وجہ سے اشاعتِ مذہب میں بڑی ترقی ہوگئی تھی۔ اور قبائل عرب میں خاص کوششیں اُس کی اشاعت کے واسطے کی گئی تھیں۔ چنانچہ حیرہ کا نامور سردار منذر بن ماء السماء اپنی حکومت سے اس لئے معزول کردیا گیا تھا کہ اُس نے مزدک کا مذہب قبول نہیں کیا تھا۔ مگر نوشیرواں نے بزرجمہر اور مشاہیر موبدون کی رائے سے مزدک کا قطعی استیصال کردیا۔ ایک لاکھ مزدکی صرف ایک دن میں قتل ہوئے۔ اور نہروان و مدائن کے مابین ہزاروں کو پھانسی دی گئی۔ اور کامل تسلط کے بعد عورتیں اصلی شوہروں کو واپس ہوئیں اور اسی طرح مال اسباب بھی واپس ہوا۔ ازناسخ التواریخ۔ جلد دوم صفحہ ۲۴۹-۲۵۱۔ وفرہنگ انجمن آرائے ناصری۔ ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۱۱۹ جزء اول مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۴ھ ودبستان مذاہب صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ کلکتہ دملل ونحل مطبوعہ مصر صفحہ ۸۶ حاشیہ الفصل)

[۱] زردشت منوچہر بن ایرج بن فریدوں کی نسل سے ہے اور فردوسی کی روایت کے بموجب زردشت پشین (رمہ آباد) تک اس کے نسب کا سلسلہ چلتا ہے۔ زراتشت، زرتشت، زرتہشت کے نام سے بھی مشہور ہے لیکن اصلی نام "سپنتمان" ہے زردشت کا باپ پورشسپ بن پتیرسپ آذربائیجان کا باشندہ تھا۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

مزدک راکجواند و بہ ملا مزدک راگفت تو دعوی
پیغمبری می کنی گفت آری و بداں آمدہ ام کہ
دین زردشت راخلاف بسیار و درو شبہہ
بسیار گشتہ من ہمیں بصلاح بازآرم و معنی زند
واستانہ آنست کہ بکاری وارند بازنمایم معنی
آں۔ پس قباد گفت معجزہ تو چیست گفت معجزہ

اور اس کی مثال یہ ہے کہ "جب بعض
افراد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
احکام (جو توریت مقدس کے مطابق تھے) کے
خلاف تعمیل کرنے لگے، تب خدا نے اُن پر دوسرا
پیغمبر بھیجا کہ وہ توریت مقدس کے احکام کی
تجدید کرے اور مخلوق کو سیدھے راستے پر

بقیہ صفحہ ۸۳ ۔ اور اس کی ماں خاندان فریدوں سے تھی جس کا نام "دغد" یا "دغدویہ" تھا۔ اور فرہنگ میں زردشت کے معنی حسب ذیل ہیں۔ آذربیٔہ اول، نفس کل، نفس ناطقہ، عقل اول، فلک عطارد، نور مجرد، عقل فعال، رب النوع، راست گو، نور یزدان، و نام حضرت ابراہیمؑ، وخشور سمیباری (پیغمبر رمز گوی) اور اہل عجم اپنے عقیدے کے مطابق اُس کو اپنا پیغمبر کہتے ہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور حکیم تھا۔ اُس پر جو کتاب (بخیال اس کے) آسمان سے اُتری تھی اُس کا نام اَوِستا تھا۔ یہ کتاب قدیم پہلوی میں تھی، زردشت نے خود اُس کا ترجمہ کیا اور اُس کا نام پاژند رکھا اور دوسری کتاب کا نام ژند (زند) تھا اُس کے دو حصے ہیں جو احکام مطابق کتاب مہ آباد کے ہیں اُس کا نام "مہ زند" ہے اور جو اُس کے مخالف ہے اُس کا نام "کہ زند" ہے۔ اور ان ہی کتابوں کو وہ اپنے معجزے کے اظہار میں پیش کرتا تھا۔ پھر موبدوں نے پاژند کی شرح لکھی جس کا پاردہ تھا۔ اور ایک دوسرے موبد نے جس کا نام آذرپژوہ تھا اور پازند سے احکام انتخاب کرکے ایک کتاب (مشتمل بر صد باب) تیار کی اور اس کا نام "صَدْدَرْ" رکھا جیسا کہ کسی کا قول ہے۔

زراتشت بنگر چہ دیں پرور است   کہ در شہر علمش رہ از صد در است

مجوسی اس تمام سلسلہ کو آسمانی اور وحی الٰہی خیال کرتے تھے۔ یہ شرح الشرح تو سکندر کے ہاتھوں برباد ہوگئی لیکن اَوِستا اور ژند اور پاژند کا سلسلہ جابجا رہ گیا۔ اور وہی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اَوستا میں کل ۲۱ سورتیں تھیں اور ہر سورت تقریباً چار چار سو صفحوں پر لکھی جاتی تھی۔ ان سورتوں میں سے ایک سورت کا نام جبتر شت تھا جس میں دنیا کے آغاز اور انجام کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ایک سورت کا نام ہادوخت تھا۔ جس میں نصائح اور پند تھے۔ چنانچہ مورخ مسعودی نے تصریح کی ہے کہ چوتھی صدی کے آغاز تک یہ کامل نسخہ موجود تھا۔ اور سیستان میں ایک شخص کو یہ کتاب تمام و کمال حفظ یاد تھی۔ اَوستا کا ترجمہ (باقی در صفحہ آئندہ)

من آنست کہ آتش را کہ قبلہ و محراب شما ست
من لسخن آرم واز خدائے تعالیٰ درخواہم تا آتش
را فرمان دہد کہ بہ پیغمبری من گواہی دہد چنانکہ
ملک وجماعت آواز بشنوند۔

ملک گفت اے بزرگان وموبدان
دریں معنی چہ گوئید موبدان گفتند اول چیز
آنست کہ مارا بکیش وکتاب ما می خواند و
زردشت را خلاف نمی کند ودر ژند واستا
سخنا آنست کہ ہر سخن را دہ معنی دارد وہر موبدی و
دانائی را در و قولی وتعبیری ہست ممکن باشد
کہ قول را تفسیر نیکوتر وعبارتی خوشتر بیارد اما
اینکہ می گوید آتش را کہ معبود ما است لسخن آرم
این نشگفت است ودر قدرت آدمی نیست

سے آوے۔ چنانچہ جب یہ صدا قباد کے کانوں تک
پہنچی تب اُس نے دربار میں بزرگانِ قوم اور
مقتدایانِ مذہب کو جمع کیا۔ اور سب کے سامنے
مزدک سے اس طرح گفتگو شروع کی۔

قباد! کیا تو پیغمبری کا مدعی ہے؟ مزدک ہاں
اور میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ زردشت کے مذہب
میں جو آمیزش ہو گئی ہے اُس کو صاف کرکے اصلی
حالت پر لے آؤں۔ اور ژند واُستا کی صحیح تفسیر
کروں۔ کیونکہ آج جن معانی پر عمل درآمد ہے یہ تو
بالکل غلط ہیں۔

قباد! کوئی معجزہ بھی رکھتے ہو؟ مزدک "میرا
معجزہ یہ ہے کہ آگ، جس کا تم سجدہ کرتے ہو وہ
مجھ سے باتیں کرتی ہے۔ اگر میں خدا سے عرض

بقیہ صفحہ ۸۴۔ عربی زبان میں ہوا اور چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس عربی ترجمے کے حوالے ہوتے تھے۔ گشتاسپ کے چوتھے سن جلوس (۵۴۹ برس قبل ولادت مسیح) میں زردشت حاضر دربار ہوا۔ اور متعدد امتحانات اور اظہار معجزات کے بعد گشتاسپ ایمان لایا تھا۔ اور گورنمنٹ ایران کی مدد سے اشاعت مذہب میں ترقی ہوئی۔ علیٰ ہذا القیاس اسفندیار (پسر گشتاسپ) کے عہد میں بھی زردشت کا عروج ہوا اور اطراف سلطنت میں آتشکدے بنائے گئے۔ چنانچہ آذربائیجان، بلخ، ارض ارمن، بعض ممالک یورپ، ہندوستان، روم، عرب، چین میں آتشکدے تیار ہو گئے۔ صرف زابلستان، اور سیستان کا حصہ چھوٹ گیا تھا کیونکہ رستم پہلوان عقاید زردشتیہ کا سخت مخالف تھا۔ چنانچہ اسفندیار اور رستم کی باہمی عداوت اور جنگ وجدل کا یہ بھی ایک سبب ہے ستتر برس کی عمر میں ہنگامہ ارجاسپ میں "تور براتور" ایک تورانی پہلوان کے نیزہ سے زخمی ہو کر فوت ہوا۔ انتخاب از دبستان مذاہب صفحہ ۱۴۰-۱۴۲ مطبوعہ کلکتہ، ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ مصر حاشیہ الفصل (صفحہ ،،) سفرنامہ ایران میرزا فرصت شیرازی صفحہ ۱۰۲ تاریخ گنج دانش، تحقیق بلخ صفحہ ۱۲۱۔ رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۲۴۴

آنگہ ملک مزدک راگفت اگر تو آتش را بسخن آری من گواہی دہم کہ تو پیغمبری مزدک گفت ملک وعدہ بنہد وبداں وعدہ باموبداں و بزرگان بآتش گاہ آید تا بدعائے من خدائے عزوجل آتش آرد، اگر خواہم امروز ہم ایں ساعت ۔

قباد گفت براں بنہادیم کہ فردا جملہ بآتش گاہ آئیم ، دیگر روز مزدک راہی را زیرآن سوراخ فرستاد وگفت ہروقت کہ من بآواز بلند یزداں را بخوانم تو بزیر زمیں سوراخ آئی وبگو کہ صلاح یزداں پرستانِ زمیں در آنست کہ سخن مزدک برکار گیرند تا نیک بختی دو جہاں یابند پس تبادو بزرگان وموبدان بآتش کدہ شدند و مزدک را بخواند و مزدک آمد برکنار آتش بایستاد و بآواز بلند یزداں را بخواند و بر زردشت آفریں کرد وخاموش گشت ازمیان آتش آوازی آمد براں جملہ کہ یاد کردیم ، چنانکہ ملک و بزرگاں بشنیدند وازاں درشگفت ماندند وقباد در دل کرد کو بوئے بگرود چوں از آتشکدہ بازگشتند بعد ازاں قباد مزدک را پیش خود بخواند وہر ساعت مقرب تر بود تا بوئے بگروید واز جہت وی کرسی زرمرصع فرمود تا بر تخت بارگاہ بنہند بوقت بار، وقباد بر تخت بنشست ومزدک را براں کرسی بنشاند وبسیاری از قباد بلند تر بودی ومردماں بہرے برغبت وہوا وبہری بہوا نفنت

کروں تو وہ آگ کو حکم دے گا کہ میری پیغمبری کی گواہی دے اور یہ شہادت علی رؤس الاشہاد ہوگی“ مزدک کا یہ دعویٰ سُن کر قباد نے موبدون سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں تم کیا کہتے ہو“

موبدون نے کہا کہ ”سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مزدک ہمارے ہی دین اور کتاب کی دعوت کرتا ہے اور زردشت کا مخالف نہیں ہے — البتہ زند اور اُستا کی تفسیر میں گفتگو ہے کیونکہ اکثر آیتوں کی بیش طرح سے تفسیر ہوسکتی ہے اور مفسر کو تاویل کرنے کا اختیار ہے ۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ مزدک کسی آیت کی تفسیر دل کش پیرایہ سے کرے لیکن تعجب تو یہ ہے کہ وہ ہمارے معبود کو گویا کر سکتا ہے جو انسان کی قدرت سے باہر ہے“ موبدون کی تقریر سنکر قباد نے مزدک سے کہا کہ ”اگر یہ سچ ہے تو میں خود تیری پیغمبری کی گواہی دوں گا“ مزدک نے کہا کہ ”اگر شاہنشاہ پورا وعدہ کرے اور کسی دن آتشکدے پر معہ اعیان دولت اور موبدون کے قدم رنجہ فرمائے تو میری دعا سے خدائے عزوجل آگ کو گویا کردے گا ۔ اور اگر شاہنشاہ کو منظور ہو تو یہ آج ہی بلکہ اسی وقت ہوسکتا ہے“ لیکن قباد نے کہا کہ ہم سب کل آتشکدے پر جمع ہوں گے ۔ دوسرے دن مزدک نے اپنے

ملک در مذہب مزدک ہمی آمدند وازولایات
ونواحی روی بحضرت نہادند و پنہان وآشکار
در مذہب مزدک می شدند و لشکریان رغبت
کم کردند واز قبل حشمت پادشاہی چیزے
نمی گفتند واز موبدان، ہیچ کس در مذہب مزدک
نشد وگفتند بنگریم تا از ژند واستا چہ بیرون می
آید چوں دیدند کہ پادشاہ در مذہب او آمد
مردمان از دور و نزدیک دعوت او قبول کردند
ومالہا درمیان می کردند۔

ومزدک گفت مال[1] بخشیدہ ایست
میان مردماں کہ ہمہ بندگان خدائے تعالیٰ اندو
فرزندان آدمند وبچہ حاجت مند کروند باید کہ مال
یک دیگر خرج کنند تا ہیچ کس رابی برگی نباشد و
درماندگی متساوی الحال باشند چوں قباد بیشتر برین
راہ بنہاد وبہ اباحت مال راضی شد آنگہ گفت
زناں شما چوں مال شماست باید کہ زناں را چو
مال شناسید تا ہیچ کس از لذت شہواتِ دنیا بے
نصیب نماند و درِ مراد بر ہمہ خلق کشادہ بود و لیس مردمان

تعلیم یافتہ مرید کو سرنگ کے راستے سے آتشکدے
کے نیچے بھیج دیا۔ اور اُس کو سمجھا دیا کہ جب میں
بلند آواز سے یزدان کو پکاروں تب تو روزن
کے نیچے سے جواب دینا کہ "اے یزدان پرستو!
مزدک کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ تمھارے
حق میں سعادتِ دارین یہی ہے" چنانچہ
دوسرے دن شاہنشاہ قباد، اکابرینِ مذہب
اور معززین کے ہمراہ آتشکدے پر گیا اور مزدک
کو بھی بُلا بھیجا وہ حاضر ہوا اور آتشکدے کے
دروازے پر کھڑے ہو کر اُس نے اونچی آواز سے
یزدان کو پکارا اور زردشت کی تعریف کر کے
خاموش ہو رہا۔ چنانچہ آتشکدے سے وہی ندا
آئی جس کو میں اول بیان کر چکا ہوں، جس
کو سب نے اپنے کانوں سے سُنا اور حیرت زدہ
رہ گئے۔ اور قباد نے ارادہ کرلیا کہ مزدک کا پیرو
ہو جائے۔ غرضکہ آتشکدے سے لوٹ کر قباد نے
مزدک کو طلب کیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اُس کا
درجہ بڑھایا۔ اور آخر کو مذہب مزدکیہ میں داخل

---

[1] اس مضمون کو فردوسی نے شاہنامہ میں بایں الفاظ لکھا ہے۔

ہمی گفت ہر کو توانگر بود — تہیدست با او برابر بود
نباید کہ باشد کسے برفزود — توانگر بود تار و درویش پود
زن وخانہ و چیز بخشیدنیست — تہیدست کس با توانگر یکیست
من این راکنم راست تا دین پاک — شود ویژہ پیدا بلند از مغاک

از جہت مال وزن بمذہب او بیشتر رغبت کردند خاصہ مردم عام۔

پس نوشیروان در سر موبدان کس فرستاد کہ چرا چنیں خاموش می باشید و عاجز گشتید و در معنی مزدک ہیچکس سخن نمی گوید و پدرم را پند نمی دہید کہ ایں چہ حالت ست کہ بر دست گرفتہ و بزرق ایں طرار در جوال شدہ ایں سگ مال مردمان بزیاں می برد و ستر از حرم مردمان بر داشت باری بگوئید کہ ایں بچہ حجت می کند و کہ فرمودہ است واگر شما بیش ازیں خاموش باشید مال شما و زن شما ہمہ رفت و ملک و دولت از خاندان ما رفت باید کہ جملہ پیش پدرم روید و ایں حال باز نمائید پندش دہید و با مزدک مناظرہ کنید و بنگرید تا چہ حجت آرد و بنزدیک معروفان و بزرگان پیغام ہم چنیں فرستاد کہ سودائے فاسد بر پدرم غالب شدہ است و عقل او بخلل آمدہ است مفسدت خویش از مصلحت باز نمی داند در تدبیر معالجہٗ او باشید تا سخن مزدک نشنود و بقول او کار نکند و شما نیز چوں پدرم فریفتہ نشوید کہ او بر حق نیست و بر باطل ست و باطل را بقا نشود فردا شمارا سود ندارد و بزرگان از سخن او بشکوہیدند و اگرچہ بعضی قصد کردہ بودند کہ در مذہب او شوند از جہت نوشیرواں پائے کشیدند و در مذہب او نشدند گفتند بنگریم تا کار

ہو گیا۔ اور مزدک کے واسطے ایک طلاکار کرسی بنوائی گئی جب دربار عام ہوتا تو تخت پر وہ مرصع کرسی بچھائی جاتی اور اُس پر مزدک جلوہ فرما ہوتا اس موقعہ پر مزدک قباد سے بلندی پر بیٹھتا تھا۔ اب کچھ دلی ارادت سے اور کتنے ہی شاہنشاہ عجم کی خاطر سے مذہب مزدکیہ میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ اور شہر و دیہات کی خلقت دارالسلطنت میں آکر علانیہ یا خفیہ طور سے دائرۂ مزدکیہ میں شامل ہوتی جاتی تھی ۔ مگر فوجی سپاہی کم متوجہ ہوتے تھے۔ اور سلطنت کے دباؤ کی وجہ سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ اور موبدوں کا گروہ بھی اب تک الگ تھا اور اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ دیکھئے ژند و استا سے کیا ظاہر ہوتا ہے ۔ اور چونکہ خود بادشاہ نے مذہب مزدکیہ اختیار کر لیا تھا اس وجہ سے جوق جوق لوگ اس مذہب کو قبول کر کے ایک دوسرے کے مال و دولت پر قابض ہوتے جاتے تھے۔ مزدک کا قول تھا کہ ـــــ "دولت میں سب کا حصہ ہے" اور دلیل اس بات پر یہ تھی کہ سب اللہ کے بندے ہیں ۔ اور ایک ہی آدم کی اولاد ہیں، پھر وہ کیوں محتاج رہیں؟ سب کو چاہیئے کہ مل جل کر صرف کریں۔ تاکہ کوئی محتاج نہ ہو۔ اور سب کی حالت یکساں رہے۔ جب قباد نے تقسیم دولت کے مسئلہ کو تسلیم کر لیا

مزدک بہ کجا رسد و نوشیروان ایں سخن از کجا می
گوید نوشیروان دراں وقت ہژدہ ساله بود پس
بزرگان و موبدان جمع شدند و پیش قباد رفتند
و گفتند ما از عہد دراز باز تا اکنوں در ہیچ تاریخ
نخواندیم و از چندیں پیغمبر که در شام بودند نشنیدیم
اینک مزدک که می گوید و می فرماید مارا عظیم منکری آید۔
قباد گفت با مزدک بگوئید تا چه گوید مزدک
را بخواند و گفت چه حجت داری دریں که می گوئی
و می کنی مزدک گفت زردشت چنیں فرموده است
و در ژند و استا چنیں ست و مردمان تفسیر ایں
نمی دانند اگر استوار نمی دارید از آتش بپرسید بار دیگر
بآتشکده شدند و از آتش پرسیدند از میاں آتش
آوازی آمد که چنیں ست که مزدک می گوید نیست
دیگر بار موبدان خجل باز گشتند و دیگر روز پیش نوشیروان
شدند و احوال باز گفتند نوشیروان گفت ایں
مزدک دست براں می برد که مذہب او در ہمه
معانی مذہب زردشت ست الا ایں دو معنی۔
چوں بریں حدیث مدتی بگذشت روزی میاں
قباد و مزدک حدیثی می رفت بر زباں مزدک
چناں رفت که مرداں برغبت دریں مذہب در
آمدند اگر نوشیروان رغبت کردی و ایں مذہب
فرا پذیرفتی نیک بودی قباد گفت او دریں مذہب
نیست گفت نه گفت نوشیرواں را بیارید و ہر چه

اور اُس کے عمل درآمد پر رضامند ہو گیا۔ تب مزدک
نے اعلان کیا کہ عورتوں کو بھی سکہ رائج سمجھو اور
باہمی ملاقاتوں سے میل جول پیدا کرو تا کہ لذت
شہوانی اور خواہشات دنیاوی سے محروم نہ رہو۔
اور بابِ مراد سب پر یکساں کھلا رہے۔ غرضکہ
صرف زن اور زر کی اباحت سے مذہب مزدکیہ
میں اکثر لوگ داخل ہوتے جاتے تھے خصوصاً
عوام الناس۔

جب نوشیرواں نے یہ رنگ دیکھا تو موبدوں
کو پیغام دیا کہ "تم لوگ اس قدر خاموش کیوں ہو گئے
ہو اور کیوں ایسا عجز اختیار کر لیا ہے۔ مزدک کے
معاملات میں نہ تو تم کچھ گفتگو کرتے ہو اور نہ میرے
باپ کو نصیحت کرتے ہو کہ وہ کن حالوں میں گرفتار
ہو رہا ہے؛ اور تم خود بھی اس مکار اور جعل ساز
کے پھندے میں ہو۔ یہ سگِ ناپاک لوگوں کا مال
تلف کئے ڈالتا ہے اور عورتوں کی عفت کا پردہ
اُٹھا دیا ہے آخر کچھ بولو! کہ مزدک کے یہ دعوے
کس بنیاد پر ہیں۔ اور اگر ایک عرصے تک تم ایسے
چپ سادھے بیٹھے رہے تو یاد رکھو کہ مال و دولت
کے ساتھ تمھاری عورتیں بھی تشریف لے جائیں گی
اور ہمارے خاندان سے سلطنت رخصت ہو گی۔
لہٰذا تم سب شاہنشاہ کے حضور میں جاؤ اور واقعات
دکھلا کر نصیحت کرو اور مزدک سے مناظرہ کر دیکھو

زود تر بخوانید چوں بیامد او را گفت اے جان پدر تو بر مذہب مزدک نیستی گفت نہ الحمدللہ گفت چرا گفت از بہر آنکہ او دروغ می گوید و محال ست گفت چوں محال باشد کہ آتش را سخن می آرد گفت چہار چیز امہات ست آب و آتش و باد و خاک چنانکہ آتش را سخن آورد بگویش تا آب و باد و خاک را سخن آرد تا من بوئے بگروم و فریفتہ شوم گفت او ہر چہ می گوید از تفسیر ژند و استا می گوید نوشیروان گفت او نفرمود کہ مال و زن مردماں میگوید از تفسیر ژند و استا می گوید نوشیروان گفت او نفرمود کہ مال و زن مردمان مباح ست و از عہد زردشت تا امروز ہیچ کس از دانایان ایں تفسیر نہ کردہ است دیں از بہر مال و حرم بکار ست چوں ایں ہر دو مباح ست آنکہ چہ فرق باشد میاں چہار پائے و آدمی کہ ایں روش و طریق بہائم ست کہ در چریدن و ...... کردن یکساں باشند نہ مردم عاقل، گفت باری مرا کہ پدر توام چرا خلاف کنی گفت من ایں از تو آموختہ ام اگرچہ ہرگز ایں عادت نبود چوں دیدم کہ تو پدر خویش را خلاف کردی من تیز ترا خلاف کردم تو از اں باز گردم پس سخن قباد و نوشیروان و مزدک بجائے رسید کہ مطلق بگفتند کہ حجتی بیار کہ ایں مذہب رد کند و سخن مزدک باطل گرداند یا کسی را بیار کہ حجت او

کہ وہ کیا دلائل پیش کرتا ہے اور ملک کے نامور لوگوں سے یہ کہلا بھیجا کہ میرا باپ سودائی ہو گیا ہے اور اُس کی عقل جاتی رہی ہے وہ اپنے بھلے کو بھی نہیں جانتا ہے لہٰذا آپ اُس کا علاج کیجئے تاکہ وہ مزدک کے کہنے سننے پر عمل نہ کرے۔ اور آپ بھی اُس کی باتوں پر فریفتہ نہ ہو جائیں کیونکہ وہ سچائی پر نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حق کے مقابل میں باطل کو بقا نہیں ہے۔ اور اگر آج غفلت ہوتی تو کل کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

نوشیرواں کا پیام سُن کر بزرگان قوم خوف زدہ ہو گئے اور جو لوگ جدید مذہب اختیار کرنے والے تھے وہ رُک گئے۔ کہ آؤ دیکھیں مزدک کہاں تک عروج پاتا ہے اور نوشیرواں کے اقوال کس بنیاد پر ہیں (اس وقت نوشیرواں کی عمر ۱۸ برس کی تھی) اور قباد سے بالاتفاق کہا کہ مزدک کی باتیں تو ہم کو نہایت ہی بُری معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے۔ زمانۂ سلف سے آج تک نہ تو ہم نے کسی تاریخ میں پڑھا ہے اور نہ کسی پیغمبر سے (جو ملک شام میں مبعوث ہوئے ہیں) سُنا ہے۔ اس کے جواب میں قباد نے کہا کہ اچھا مزدک سے تم خود پوچھ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟ چنانچہ مزدک طلب ہوا اور اُس سے سوال کیا گیا کہ "اپنے قول و فعل پر جو دلائل رکھتے ہو بیان کرو۔" مزدک نے کہا کہ "زردشت نے ایسا ہی فرمایا ہے

از حجت مزدک قوی تر و درست تر باشد الا ترا
سیاست فرمایم تا دیگر عبرت گیرند۔
نوشیروان گفت مرا چہل روز زمان دہید تا حجتی
بیارم یا کسی را بیارم کہ جواب مزدک باز دہد
گفتند نیک آید زمان دادیم بریں جملہ پراگندند
نوشیروان از پیش پدر بازگشت ہم در روز قاصد
و نامہ بپارس فرستاد بشہر گول بموبدی کہ آنجا
نشستی مردی پیر دانا کہ ہرچہ زود تر بیائی کہ چنیں
و چنیں کاری رفتہ است میاں من و پدر و مزدک
چوں چہل روز برآمد قباد بار داد و برتخت نشست
و مزدک بیامد و برتخت رفت و برکرسی نشست و
نوشیروان بیاوردند مزدک قباد را گفت بپرسش
تا حجت آوردہ ست قباد بپرسید تا چہ جواب آوردی
نوشیروان گفت دراں تدبیرم قباد گفت کار از تدبیر
گذشت مزدک گفت برگیر پدرا و را سیاست
فرمائید قباد خاموش گشت مردم در نوشیروان
آویختند نوشیروان دست در دار بزیں ایوان زد و
پدر را گفت ایں چہ تعجیل ست کہ در کشتن من
بستہ کہ ہنوز وعدۂ من تمام نشدہ است گفت
چوں گفت من چہل روز تمام گفتہ ام امروز آں
من ست تا امروز بگذرد آنگہ شما دانید پس سپہ
سالار و موبدان بانگ برآوردند و گفتند راست
می گوید قباد گفت امروزش نیز رہا کنید دست

اور یہی ژند و استا میں لکھا ہے لیکن ان آیتوں کے معنی سے لوگ واقف نہیں ہیں۔ اگر میری بات پر اعتبار نہیں ہے تو آگ سے تصدیق کر لو۔ چنانچہ آتشکدے پر پھر مجمع ہوا اور آواز آئی کہ حق یہی ہے جو مزدک کہتا ہے نہ یہ کہ جو تم کہتے ہو"۔ غرض کہ اس مرتبہ بھی موبد شرمندہ ہو کر لوٹ آئے۔ اور دوسرے دن نوشیروان سے حال بیان کیا۔ نوشیروان نے کہا "مزدک کا دعویٰ ہے کہ اُس کا مذہب تمام اُصول میں زردشت کے مذہب کے مطابق ہے البتہ صرف انھیں دو مسئلوں میں (زن و زر)" ایک عرصے کے بعد قباد اور مزدک میں پھر گفتگو شروع ہوئی جس کی ابتدا ہوئی کہ مزدک کی زبان سے نکلا کہ اس مذہب میں بطیب خاطر لوگ داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اور اگر کہیں شاہزادۂ نوشیرواں بھی شامل ہو جاتا تو پھر کیا کہنا تھا یہ سُن کر قباد نے پوچھا کہ کیا نوشیروان اس مذہب میں نہیں ہے؟ مزدک نے کہا کہ نہیں۔ چنانچہ نوشیرواں فوراً طلب ہوا اور باپ بیٹوں میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

قباد:۔ اے جان پدر کیا تو مزدک کا پیرو نہیں؟
نوشیرواں:۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نہیں ہوں۔
قباد:۔ آخر اس کا باعث؟ نوشیروان:۔ مزدک ساری خدائی کا جھوٹا اور مکار شخص ہے۔ قباد:۔ جو شخص آگ کو گویا کر دیتا ہے وہ مکار کیونکر ہو سکتا ہے؟

از وی بداشتند و از چنگال مزدک برست
چوں قباد بر خاست و موبدان پراگندند و مزدک
بازگشت نوشیروان بسرائے خویش آمد و ایں
موبد که نوشیروان او را از پارس خوانده بود در رسید
بر جمازه نشسته تا بدر سرائے نوشیروان فرود آمد
درسرائے شد خادمی را گفت برو و نوشیروان را
بگوی که موبد پارس در رسید خادم شتاب در
حجره رفت نوشیروان را بگفت نوشیروان از
حجره بیروں آمد نوشیروان از شادی پیش او
دوید و او را در کنار گرفت و گفت اے موبد چناں
داں که من امروز آں جہاں می آیم و احوال پیش موبد
بگفت موبد گفت ہیچ دل مشغول مدار که ہمه چناں
ست که تو گفتۂ حق با توست و خطا با مزدک و من
نیابت تو جواب مزدک دہم و قباد را از مذہب او
بازگردانم ولیکن چارہ کن که پیش از آنکه مزدک خبر
آمدن من بشنود ملک را بہ بینم گفت ایں سہل ست
پس بار دیگر نوشیروان بسرائے پدر رفت و بار
خواست چوں پدر را دید دعا گفت پس گفت موبد
من از پارس در رسید که جواب مزدک بدہد ولیکن
می خواہد که نخست ملک را بہ بیند تا ملک سخن بخلوت
بشنود گفت شاید بیاور او را نوشیروان بازگشت
و چوں تاریک شد موبد را پیش پدر برد موبد قبا
د را آفرین کرد و پدراں او را بستود پس ملک را

نوشیرواں:- اصل میں خاک باد آب آتش چار عنصر ہیں جو شخص آگ کو گویا کر سکتا ہے اُس کو حکم دیجئے کہ وہ بقیہ عناصر کو بھی گویا کر دے۔ اگر ایسا ہوا تو میں اُس کا دل وجان سے مقلد ہو جاؤں گا۔

قباد:- مزدک کا ہر قول ژند واستا کے مطابق ہے۔

نوشیرواں:- کیا یہ مزدک کا قول نہیں ہے کہ لوگوں کی عورتیں اور دولت سب پر مباح ہیں۔ عہد زردشت سے آج تک کسی مفسر نے یہ تفسیر نہیں کی ہے۔ مذہب کو حصول زر اور زن کے لئے ایک آلہ بنا لیا ہے اور جب کہ یہ دونوں چیزیں مباح کر دی گئیں تو پھر انسان اور حیوان میں فرق ہی کیا باقی رہا؟ اور یہ چلن بھی چوپایوں کا ہے کہ وہ خورد ونوش میں یکساں ہیں اور کوئی سمجھدار آدمی اس طرح کی زندگی کو پسند نہیں کرتا ہے۔ قباد:- خیر ان باتوں کو جانے دو کسی بیٹے کو اپنے باپ کے خلاف نہ ہونا چاہیئے؟ نوشیرواں:- یہ چلن میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے میری طبیعت ہرگز ایسی نہ تھی لیکن جب میں نے دیکھا کہ آپ اپنے باپ کے خلاف ہوئے تو میں نے بھی آپ کی مخالفت کی۔ اب میں مجبور ہوں۔"

جب یہ سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تو مزدک اور قباد نے نوشیرواں سے کہا کہ "یا تو کوئی ایسی دلیل پیش کرو جس سے مذہب مزدکیہ کا پورا رد ہو جائے یا کسی ایسے شخص کو لاؤ جس کی حجت مزدک سے زیادہ پر زور ہو۔ ورنہ ایسی سزا دوں گا

گفت این مزدک را غلط افتادہ است این کار
نہ او را نہادہ اند کہ من او را نیک شناسم و قدر دانش
او را دانم و از علوم نجوم اندکے داند ولیکن در احکام
او را غلط افتادہ و در پی قرآن کہ در آید مردے
بیرون آید و دعویٰ پیغمبری کند و کتابی غریب
آرد و معجزہائے عجیب نماید و ماہ در آسمان
بدو نیم کند و خلق را براہ حق خواند و دین پاکیزہ
آرد و کیش گبرگی و دیگر کیشہا باطل کند و بفردوس
وعدہ کند و بدوزخ بترساند و مالہا و حرمہا بحکم
شریعت در حصن کند و مردم را از دیو برہاند و باشرع
تولا کند و آتشکدہا و بت کدہا ویران کند و دین او
بہمہ جہاں برسد و تا قیامت بماند و زمین و آسمان
بر دعوت گواہی دہند اکنوں این مزدک را تمنا
چناں افتادہ است کہ این مرد او باشد و مزدک
او لا عجمی ست و او خلق را از آتش پرستی نہی کند
و زردشت را منکر باشد و مزدک ہم بر زردشت
اقتدا می کند و ہم آتش پرستی می فرماید او رخصت
ندہد کہ کس گرد حرم کس گردد یا کس مال ناحق بستاند
و بدزدی دست بریدن فرماید و مزدک مال و زن

جس سے دوسروں کو عبرت ہوگی" چنانچہ اتمام
حجت کے لئے نوشیرواں نے چالیس دن کی مہلت
مانگی اور وہ درخواست منظور ہوگئی۔ جب مجمع منتشر
ہوگیا اور نوشیرواں قباد سے رخصت ہوکر واپس آیا
تو اُس نے شہر کول[1] کے موبد[2] کی خدمت میں ایک
قاصد روانہ کیا اور خط میں لکھا کہ "جس قدر جلد ممکن
ہو سکے آپ تشریف لائیں۔ کیونکہ مجھ سے اور والد
ماجد سے اور مزدک سے اس قسم کا جھگڑا درپیش
ہے۔" چنانچہ انقضائے میعاد پر قباد نے دربار کیا
اور مزدک کو درباری کرسی پر (جو ایک تخت پر
بچھی ہوئی تھی) بیٹھنے کا حکم دیا۔ نوشیرواں بھی
بلایا گیا۔ اور مزدک کے حکم سے قباد نے پوچھا
کیا جواب ہے؟ نوشیرواں نے کہا کہ اسی تدبیر
میں ہوں یہ سُن کر قباد نے کہا کہ وقت ہوچکا اور
مزدک نے حکم دیدیا کہ نوشیرواں کو گرفتار کر کے
قتل کردو۔ چنانچہ لوگ نوشیرواں سے لپٹ
گئے اور قباد خاموش ہو رہا۔ نوشیرواں نے قباد
سے جھلا کر کہا کہ "میرے قتل میں آخر اس قدر جلدی
کیوں کی جاتی ہے جب کہ ایفائے وعدہ کی مدت

---

[1] کول ۱۲ اصطخر (صوبہ فارس) کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ انجمن آرائے ناصری۔

[2] موبد (پیشوائے دین یزدان پرستان) اس لفظ کے معنی حکیم اور دانا کے ہیں اصل میں یہ لفظ مغوبد تھا۔ یعنی مغوں کا سردار اور سالار مخفف ہوکر موبد ہوا" عربی میں اس کا ترجمہ "اعلم العلما" ہے۔ انجمن آرائے ناصری و گنج دانش۔

مردم مباح کردہ است واں پیغامبرا فرمان از آسمان آید واز سروش سخن آید و مزدک از آتش می گوید مذہب مزدک ہیچ اصل ندارد و من فردا اورا پیش ملک رسوا کنم کہ او بر باطل ست وی خواہد کہ خسروی از خانۂ تو بیرون برد و گنجہائے تو تلف کند و ترا با کمتر کسی مقابل کند و بادشاہی بدست فرو گیرد۔

قباد را سخن موبد خوش آمد و دل پذیرد۔ روز دیگر قباد و بہ بارگاہ آمد و مزدک ببارگاہ آمد و مزدک بیامد و بر کرسی نشست و نوشیرواں پیش تخت بایستاد و موبدان و بزرگاں حاضر آمدند آنکہ موبد نوشیرواں بیامد و مزدک را گفت نخست تو پرسی یا من مزدک گفت چوں سائل تو خواہی بود و من مسئول پس تو ایں جا آئے کہ منم و من آنجا روم کہ توئی مزدک خجل شد و گفت ملک مرا ایں جا نشاندہ است تو سوال کن تا من جواب دہم موبد گفت[1]

بھی پوری نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ چالیسواں دن ابھی نہیں گذرا ہے۔ اگر آج کا دن بھی پورا ہو جائے تب البتہ آپ کو اختیار ہے ۔ اس پر سرداران فوج اور موبدوں نے بھی غل مچایا کہ ہاں ہاں نوشیرواں سچ کہتا ہے۔ چنانچہ قباد کے حکم سے آج نوشیرواں مزدک کے چنگل سے چھوٹ گیا۔ جس وقت نوشیرواں مکان پر پہنچا ہے۔ اسی وقت شہر کول[1] کا موبد بھی آ پہنچا اور ناقہ سے اتر کر اطلاع کرائی کہ موبد فارسی آگیا ہے۔ خادم سے یہ خوش خبری سن کر نوشیرواں باہر نکل آیا۔ اور جوش مسرت سے موبد کے لپٹ گیا۔ اور کہا کہ "آپ سمجھیں گویا میں نے آج ہی جنم لیا ہے پھر صبح کا واقعہ بیان کیا" موبد نے کہا آپ اطمینان رکھیں۔ سچ وہی ہے جیسا کہ آپ کہتے ہیں اور مزدک خطا پر ہے۔ میں آپ کی طرف سے ہر طرح کی جواب دہی کروں گا اور قباد کو عقائد مزدکیہ سے منحرف کر دوں گا۔ لیکن

۱؎ فردوسی نے ذیل کے اشعار میں یہ مباحثہ لکھا ہے :-

چنیں گفت موبد بہ پیش گروہ — بمزدک کہ اے مرد دانش پژوہ
یکے دیں نو ساختی در جہاں — نہادی زن و خواستہ درمیاں
چہ داند پدر کش کہ باشد پسر — پسر ہم چنیں نشناسد پدر
چو مردم برابر بود در جہاں — نباشد پدید اکہاں از مہاں
کہ باشد کہ جوید در کہتری — چگونہ تواں ساختن بہتری

(باقی در صفحہ آئندہ)

۱؎ شاہنامہ میں لکھا ہے کہ اس موبد کا نام "مہرآذر" تھا اور نوشیرواں نے مباحثہ کے واسطے پانچ مہینہ کی مہلت لی تھی۔

مال مباح کردہ وایں رباطہا و پلہا و آتشکدہ ہا
وخیرات کہ بکنند از جہت آں جہاں می کنند
بگفت بلی گفت چوں مال یک دیگر مباح گرد
وخیرات کنند مزد آں کرا بود مزدک از جواب
فرو ماند دیگر گفت تو زناں را مباح کردہ چوں
زن آبستن شود وبزاید فرزند کرا باشد مزدک
فروماند دیگر گفت ایں ملک کہ بر تخت نشستہ
است وبادشاہ است وپسر ملک فیروز است
وپادشاہی از پدر میراث دارد ملک فیروز ہم چنیں
از پدر میراث داشت چوں دہ مرد با زن ملک
وفرزندی بیارد آں فرزند از قبل کہ باشد نسل
ملک بریدہ باشد وچوں نسل بریدہ گشت نام
بادشاہی تخمہ بماند ومہتری وکہتری در توانگری و
درویشی بستہ است چوں مرد درویش باشد
اورا از جہت ناگزیر در بایست خدمت ومزدوری
توانگری باید کرد وچوں مال مباح گردد مہتری
وکہتری از جہاں برخیزد وپادشاہی باطل شود

قبل اس کے کہ مزدک کو میرا آنا معلوم ہو۔ میں
بادشاہ سے ملنا چاہتا ہے تاکہ تخلیہ میں اُس کی تقریر
سُنی جائے۔ چنانچہ قباد نے حاضری کی اجازت
دیدی اور شب کے وقت نوشیرواں موبد کو لے کر
حاضر ہوا موبد نے بعد معمولی مدح وثنا کی قباد کے
روبرو اس طرح پر تقریر شروع کی کہ" مزدک مغالطہ
میں پڑا ہوا ہے وہ اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتا
ہے میں تو اُس کو خوب جانتا ہوں اور اس کی عقل و
دانش سے بھی واقف ہوں۔ ہاں وہ کسی قدر نجوم
جانتا ہے۔ مگر اس معاملہ میں جو حکم اُس نے لگایا
ہے وہ غلط ہے البتہ وہ زمانہ قریب آگیا ہے کہ
ایک شخص ظاہر ہوگا اور پیغمبری کا دعوےٰ کرے گا۔
اور وہ ایک معجز کتاب بھی پیش کرے گا۔ اور
طرح طرح کے معجزے بھی دکھلائے گا۔ ماہتاب
کو آسمان پر دو ٹکڑے کر دے گا اور تمام دنیا کو
سچے مذہب کی دعوت کرے گا۔ اور اُس کا مذہب
پاکیزہ ہوگا۔ آتش پرستی وغیرہ کو مٹا دے گا۔ دوزخ

فردوسی

کہ باشد مراد ترا کارگر !   چو مردم جدا ماند از بہتری
ہمہ کد خدا یند و مزدور کیست   ہمہ گنج دارند و گنجور کیست
جہاں زیں سخن پاک ویراں شود   نباید کہ ایں بد بایراں شود
زدیں آوراں ایں سخن کس نگفت   تو دیوانگی دارے اندر نہفت
ہمہ مرداں را بدوزخ برے   ہمہ کار بد را بہ بدنشمری
چو بشنید گفتار موبد قباد   برآشفت واندر سخن داد داد

تو آمدی تا پادشاہی از خاندانِ ملوک عجم بفنا بری مزدک ہیچ نگفت و خاموش بماند قباد گفت جوابش باز دہ گفت جوابش آنست کہ ہم اکنون بفرمائے تا گرونش بر تنند قباد گفت بی حجت گردن کسی نتوان زد گفت از آتش پرسیم تا چہ فرماید کہ من از خویشتن سخن نگویم و بمردماں کہ بسبب نوشیرواں غمگین بودند شاد گشتند کہ از کشتن برست و مزدک با قباد بد شد کہ او را گفت موبد را بکش و فرماں نبرد باخویشتن گفت کہ امروز خویشتن را برہانم و مرا تیغ بسیارست از رعیت و لشکری تدبیر آں کنم کہ قباد را از میان بردارم پس نوشیرواں را و ہمہ مخالفاں را براں نہاد کہ فردا بآتش کدہ بروید تا آتش چہ فرماید و بریں جملہ پراگندہ چوں شب درآمد مزدک دو تن را از رہبانان و ہم مذہبان خویش درخواند و زر بخشید و وعدہ داد و گفت شمارا بسپہسالاری برسانم و سوگند ایشاں داد کہ ایں سخن باکس نگویند و دو شمشیر بایشاں داد و گفت کہ چوں فردا قباد بآتش کدہ با بزرگان و موبدان آید اگر آتش قباد را کشتن

سے ڈراتے گا اور جنت کا امیدوار بناتے گا۔ اُس کی شریعت مال وحرم کی محافظ ہو گی۔ وہ آتش کدوں بت کدوں کو ویران کردے گا۔ اُس کا مذہب ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ اور قیامت تک باقی رہے گا۔ زمین و آسمان اُس کی دعوت کی تصدیق کریں گے۔ مزدک کو اب یہ دھن سوار ہوئی ہے کہ وہ آنے والا پیغمبر میں خود بن جاؤں۔ مگر یہ نہیں جانتا ہے کہ وہ عجم کی خاک سے پیدا نہ ہوگا۔ اور مزدک عجمی الاصل ہے اور وہ پیغمبر آتش پرستی سے منع کرے گا۔ اور زردشت کا منکر ہوگا۔ مگر مزدک زردشت کا پیرو ہے اور آتش پرستی کو جائز رکھتا ہے۔ وہ پیغمبر کبھی یہ اجازت نہ دے گا کہ لوگ پرائی عورتیں تکیں، یا ناحق کسی کا مال چھین لیں۔ وہ چوری کی حالت میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دے گا۔ حالانکہ مذہب مزدکیہ میں زن اور زر سب پر مباح کردیئے گئے ہیں۔ اُس پیغمبر پر آسمان سے وحی نازل ہوگی[1]۔ اور مزدک کا یہ حال ہے کہ وہ آگ سے اپنی تصدیق کراتا

---

[1] اس موبد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی نسبت جس قدر پیشین گوئیاں کی ہیں گویا یہ وہ اقوال ہیں جو اس وقت کے کاہنوں اور منجموں میں مشہور رہ چکے تھے۔ اور عجم کی قدیم تاریخ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں تمام فارس اور اطراف عرب اور اُس کے متصلہ ممالک میں ایک عام بے چینی ہو رہی تھی۔ اور زوال سلطنت فارس اور عربوں کی فتوحات پر تمام نجومی متفق تھے حمزہ اصفہانی نے تاریخ ملوک الارض میں اس کی کسی قدر تصریح کی ہے دیکھو باب دہم فصل چہارم صفحہ ۱۰۴ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۶ء

فرمایند شما ہر دو سبک شمشیرہا برکشید و قباد را
بکشید کہ ہیچ کس با شمشیر در آتش کدہ نیاید
گفتند فرمان برداریم۔

روز دیگر بزرگان و موبدان بآتش کدہ
شدند و قباد برفت و موبد نوشیرواں را گفت
بگوئی تا مرداں از خاصگیان تو شمشیر در جامہ
پنہاں کنند و با تو در آتشکدہ شوند و ہر وقت کہ
مزدک بآتش کدہ خواستی شد آں رہی را بیا
موختی کہ در زیر سوراخ چہ گوید خود بآتش کدہ
شد و ایں موبد را گفت تو از آتش بپرس تا با تو
سخن گوید موبد نیز از آتش بپرسید جواب نیافت
پس مزدک گفت یا آتش میاں ما حکمی کن و
براستی من گواہی دہ از میاں آتش آوازے آمد
کہ من از وے باز ضعیف شدہ ام نخست مراز
دل و جگر قباد دہید تا پس سخن گویم کہ چہ باید کرد
مزدک را ہنمایست شمارا نیز راحت ہائے جاودانی
آنجہانی پس مزدک گفت آتش راز و در دہید و
مرد شمشیر کشیدہ آہنگ قباد کردند موبد نوشیرواں
را گفت دریاب پدر را آں دہ مرد شمشیر کشیدند
و پیش آں دو مرد باز شدند و نگذاشتند کہ او را
بکشند و مزدک ہمی گفت کہ آتش بفرمان یزداں
می گوید مردم دو گروہ شدند بعضے گفتند قباد را زندہ
یا مردہ در آتش افگنیم و گروہی گفتند دریں تامل کنیم

ہے۔ بہرحال مذہب مزدکیہ ایک بے بنیاد چیز ہے۔
اور کل شاہنشاہ خود ملاحظہ کرے گا کہ میں اُس کو
کیسا رُسوا کرتا ہوں مزدک چاہتا ہے کہ سلطنت
آپ کے خاندان سے دوسرے خاندان میں چلی جائے
اور شاہی خزانے کہ خود آلتے تللے کرے۔ اور آپ
کو ایک معمولی شخص کے برابر کر دے اور خود بادشاہ
بن جائے۔"

چنانچہ قباد کو موبد کی تقریر پسند آئی دوسرے دن
دربار منعقد ہوا۔ مزدک کرسی زرنگار پر بیٹھا اور نوشیرواں
تخت کے سامنے کھڑا ہوا۔ سرداران قوم اور علمائے
ملت بھی موجود تھے۔ اُس وقت فارس کے موبد
نے مزدک سے پوچھا کہ "ابتدا کلام کی میری جانب سے
ہوگی یا تمھاری؟ مزدک نے کہا نہیں، ابتدا آپ
کی جانب سے ہونی چاہیے، میں تو جواب دینے والا
ہوں۔ یہ سن کر موبد نے کہا کہ "آپ میری جگہ کھڑے
ہوں اور میں آپ کی جگہ بیٹھوں۔" یہ سن کر مزدک
شرمندہ ہوا اور یہ کہکر چُپ ہو رہا کہ میں شاہی
حکم سے اس جگہ بیٹھا ہوں۔ آپ سوال کریں میں
جواب دوں گا۔ چنانچہ فریقین میں اس طرح پر گفتگو
شروع ہوئی۔

موبد:- آپ نے اپنی دولت کو سب پر مباح کر دیا
ہے اور اس دنیا میں جو لوگ سرائے، پل، آتش کدے
بناتے ہیں یا خیرات کرتے ہیں کیا یہ عالم آخرت کے

در آخر آں روز باز گشتند قباد گفت مگر از من گناہی
در وجود آمدہ است کہ آتش روزی از من
می خواہد پس باآتش بدیں جہاں سوختہ
شوم بہ کہ بدانجہاں ۔

دیگر بارہ موبد با قباد خلوت کرد و از موبدان و
پادشاہان گذشتہ سخن گفت و از ہر کسی دلیل آوردہ
حجت بنمود کہ مزدک پیغامبر نیست و دشمن خاندان
ملوک ست و دلیل بریں کہ اول قصد نوشیروان کرد
ظفر نیافت قصد خون تو کرد و اگر من تدبیر نکردہ بودی
امروز ترا ہلاک کردہ بودے و تو چہ دل دراں می
بندی کہ از آتش آواز می آید من چارہ کنم کہ ایں
نیرنگ را نیز بکشایم و ملک را معلوم می گردانم کہ
آتش سخن نمی گوید با کسی دیگر و ملک را چناں کرد
کہ از کردہ پشیماں شد گفت نوشیرواں را خرد و
مپندارا و سہ ہمہ جہاں فرماں دہد و ہر چہ رائے او
بیند تو ازاں مگذر اگر خواہی کہ ملک در خاندان
تو بماند نہاں دل ہیچ با مزدک پیدا مکن پس موبد
نوشیرواں را گفت چداں کن کہ از خدمتگاران
مزدک یکے را بدست آری و او را باموال بفریبی تا
احوال آتش را معلوم گردانند یکبارگی شک
از دل پدرت خیزد۔

نوشیرواں یکے را بدست آورد تا او را بایکی
از رہبان دوستی گرفت و او را بجادہ پیش نوشیرواں

واسطے نہیں کرتے ہیں؛ مزدک :- ہاں میرا تو ایسا
ہی خیال ہے۔ موبد :- جب دولت مشترک ٹھہری
تو خیرات کا ثواب کس کو ہوگا (مزدک نے کوئی
جواب نہیں دیا) موبد :- یہ بادشاہ جو اس وقت
تخت پر بیٹھا ہوا ہے حقیقت میں بادشاہ ہے اور شاہ
فیروز کا بیٹا ہے اور سلطنت وراثت میں پائی ہے
اور یہی حال فیروز کا بھی تھا۔ اب اگر بادشاہ بیگم
سے دس مرد.... کریں اور فرزند پیدا ہو تو وہ کس کا
سمجھا جائے گا اور جب بادشاہ کی نسل منقطع ہو جائے
گی تو پھر کوئی اولاد بھی نہ ہوگی بڑائی چھوٹائی
(مہتری کہتری) کا حقیقت میں دولت مندی اور مفلسی
سے مقابلہ ہوا کرتا ہے۔ جب کوئی محتاج ہوگا تو اُس
کو ضرورتاً مالدار کی خدمت اور مزدوری کرنا پڑے
گی۔ اور جب مال مباح ہو جائے گا تو پھر یہ رشتہ
دنیا میں باقی نہ رہے گا اب آپ کا یہ ارادہ ہے
کہ شاہنشاہ عجم کے خاندان سے سلطنت کا استیصال
کر دیا جائے (مزدک نے کوئی جواب نہیں دیا)

قباد :- (مزدک سے مخاطب ہوکر) موبد کے ہر سوال
کا جواب دینا چاہیئے۔ مزدک :- اس کا جواب یہی
ہے کہ آپ موبد کے قتل کا حکم صادر فرمائیں۔

قباد :- بغیر حجت کسی کی گردن نہیں کاٹنا چاہیئے۔

مزدک :- اچھا میں بطور خود کوئی حکم دینا نہیں چاہتا
ہوں آگ سے پوچھتا ہوں اس تقریر سے سب

آورد که نوشیروان او را بخلوت بنشاند و ہزار دینار پیش نہاد و گفت تو ازیں پس دوست و برادر من باشی و ہر چہ ممکن نیکوئی در حق تو بکنم دریں وقت از تو سخنے خواہم پرسید اگر راست گوئی ایں ہزار دینار بتو بخشم و از نزدیکانِ خویش گردانم و بدرجہ بلند رسانم و اگر نگوئی سرت از تن بردارم مرد بترسید و گفت اگر راست بگویم ایں کہ تو گفتی وفا کنی گفت بکنم و بیشتر ازیں نوشیرواں گفت بگوئی کہ مزدک چہ حیلہ کردہ است کہ آتش باد سخن می گوید مرد گفت اگر بگویم آں راز نہانی تواں داشت گفت توانم گفت نزدیک آتش کدہ پارۂ زمین ست و دیواری بلند گرد آں کشیدہ سوراخی سخت خرد میان آتش بریدہ کسی را آنجا می فرستد و او را بیاموزد کہ زیر آتش دہن بر سوراخ نہد و ہر چہ خواہد بگوید ہر کہ بشنود پندارد کہ آتش سخن می گوید۔

نوشیرواں ازیں سخن شاد گشت دانست کہ حقیقی ست آں ہزار دینار بوئے داد چوں شب بر آمد او را پیش پدر برد تا ہمہ حال شرح داد قباد تعجب ماند از محتالی مزدک و تجاسر نمودن او ۔ پس یک بارگی شک از دل او بر خاست کس فرستاد موبد را بیاورد و برا و آفریں کرد و احوال بادی گفت موبد گفت من ملک را گفتم کہ ایں

لوگ خوش ہوئے کیونکہ آج نوشیرواں کی جان بچ گئی، اور مزدک قباد سے رنجیدہ ہو گیا کیونکہ اُس کے حکم سے قباد نے موبد کو قتل نہیں کرایا۔ اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیا کہ آج تو جان بچاؤ میرے قبضے میں بکثرت لوگ ہیں کوئی ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ جس سے قباد کا خاتمہ ہی ہو جائیگا اور نوشیرواں وغیرہ کو اس پر آمادہ کیا کہ کل آتش کدے پر مجمع ہو۔ چنانچہ سب کا اس پر اتفاق ہو گیا اور دربار برخاست ہوا۔

جب رات ہو گئی تو مزدک نے اپنے راہبوں کو بلایا اور انعام دے کر آئندہ سپہ سالاری کا اُمیدوار کیا اور اُن کو قسم دی کہ خبردار کسی سے یہ حال نہ کہنا۔ اور دو تلواریں اُن کے سپرد کیں اور کہا کہ جب آتشکدے پر قباد معہ موبد اور سردارانِ فوج کے پہنچ جائے اور آگ قباد کے قتل کا حکم دے اُس وقت تم دونوں فوراً تلواریں کھینچ کر قباد کا خاتمہ کر دینا۔ کیونکہ کوئی شخص تلواریں لے کر نہ جائیگا دونوں نے اقرار کیا اور رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن آتشکدے پر مجمع ہوا۔ اُس وقت موبد فارسی نے نوشیرواں سے کہا کہ "اپنے ملازموں میں سے خاص دس آدمیوں کو حکم دو کہ وہ اپنے لباس میں تلواریں چھپا کر لے چلیں" اور مزدک کا قاعدہ تھا کہ جب وہ آتشکدے پر جاتا تھا تو اول اپنے غلاموں

مرو محتال ست قباد گفت اکنوں معلوم گشت نہ بیر
ہلاک او چیست موبد گفت نباید کہ او بداند تو
پشیمان گشتی بار دیگر بجمعی لباز من باوا مناظرہ
کنم و بعاقبت سپر بفگنم و بعجز خویش مقری آیم
و باز بپارس روم آنکہ انچہ نوشیرواں صواب
بنید چناں باید کرد تا ایں عادت بدیدہ گردد۔ و
پس قباد بعد از چند روز بزرگاں را پیش خواند
موبداں را حاضر کرد و فرمود تا موبد پارسی یکے
باشند دیگر روز حاضر شدند و قباد بر تخت
نشست و مزدک بر کرسی و ہر یک از موبداں سخن
گفتند موبد پارسی گفت مرا عجب آمد از سخن گفتن
آتش مزدک گفت از قدرت ایں عجب نیست
نہ بینی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام از پارۂ چوب
اژدہا نمود و از پارہ سنگ دوازدہ چشمۂ آب رواں
کرد و گفت یارب فرعون را با ہمہ لشکرش بآب
غرقہ کن خدائے تعالیٰ غرق کرد و زمین بفرمان او
کرد تا گفت اے زمین قاروں را فرو برد عیسیٰ
علیہ السلام مردہ را زندہ کرد ایں ہمہ آنست کہ
در قدرت آدمی نیست خدای کند مرا نیز فرستادہ
است و آتش را بفرمان من کردہ انچہ می گویم و
آتش می گوید بفرمان بر یزداں عذاب خدائے تعالیٰ
در شما رسد و ہمہ را ہلاک کند موبد پارسی برپائے
خاست و گفت مردے کہ او سخن از خدائے تعالیٰ

کو وہ الفاظ سکھا دیتا تھا۔ جو کہلانا مقصود ہوتا تھا
چنانچہ آج بھی ایسا ہی انتظام کر کے روانہ ہوا
تھا۔ جب آتشکدے پر پہنچ گئے۔ تو مزدک نے موبد
سے کہا کہ اول آپ آگ سے باتیں کیجئے۔ موبد نے
کچھ پوچھا، مگر جواب نہ ملا تب مزدک نے کہا کہ
"اے آگ میری سچائی پر گواہی دے اور ہم میں جھگڑا
در پیش ہے اس کا فیصلہ کر۔" چنانچہ آتشکدے سے
آواز آئی کہ مجھ میں کل سے ضعف پیدا ہو گیا ہے
اول مجھکو قباد کا دل و جگر کھلاؤ تب میں فیصلہ
کر سکتی ہوں اور مزدک تمھارا رہنما ہے اور وہ
چاہتا ہے کہ اس دنیا میں تمھارے لئے راحت
جاودانی کا سامان کرے۔"

یہ سن کر مزدک نے کہا کہ آگ کو قوت دینا
چاہیے اور دو آدمی فوراً تلواریں تول کر قباد پر ٹوٹ
پڑے۔ اُس وقت موبد نے نوشیرواں سے کہا کہ
اپنے باپ کی خبر لے۔ چنانچہ نوشیرواں کے دس
آدمی تلواریں سونت کر ان کے مقابل پر کھڑے
ہو گئے اور قباد کو بچا لیا۔ لیکن مزدک یہی کہے گیا کہ
آگ یزداں کے حکم سے گویا ہے اُس وقت آتش
کدے پر دو گروہ ہو گئے تھے۔ بعض چاہتے تھے کہ
قباد کو زندہ یا مردہ آگ میں جھونک دیں، اور بعض
کہتے تھے کہ نہیں ابھی تامل کرنا چاہیے۔ غرض کہ
شام کو سب لوٹ آئے قباد نے کہا کہ شاید

وآتش گویہ آتش در فرمان او باشد من جواب
ندارم و عاجز باشم پیش ازیں دلیری نہ کنم من
رفتم شما دانید پس موبد رفت و راہ پارس برگرفت
وقباد از بارگاہ برخاست و موبدان بازگشتند و مزدک
شاد شد و بآتش کدہ رفت کہ ہفت روز خدمت
آتش کند چوں شب درآمد قباد نوشیرواں را بخواند
گفت موبد رفت و مرا بتو حوالت کرد کہ نفی کردن
ایں مذہب را تو کفایت باشی تدبیر ایں کار چیست
نوشیرواں گفت اگر خدایگاں ایں شغل بمن بازگزارد
و باکس نگوید تدبیر ایں کار بکنم و بوجہی بسر برم چنانکہ
مزدک و مزدکیاں را از جہاں گم کنم قباد گفت من
ایں معنی جز با تو نخواہم گفت نوشیرواں گفت
موبد پارسی رفت و اصحاب مزدک شاد شدند و
قوی دل گشتند ہر چہ مابعد ازیں با ایشاں سگالیم
روا باشد و مزدک را کشتن آسان ست لیکن تبع
او بسیار اند چوں او را بکشیم مزدکیاں بگریزند و
پراگندہ شوند و مردماں را دعوت کنند و جایگاہی
بدست آرند و مارا و مملکت مارا کار دہند مارا تدبیری
باید کرد چنانکہ بیک بار کشتہ شوند و یک تن از
ایشاں زندہ نماند و جان از شمشیر ماں برند قباد
گفت چہ رائے می بینی اندریں کار نوشیرواں
گفت تدبیر آنست کہ چوں مزدک از آتش کدہ
بیروں آید پیش ملک آید مرتبت او بیفزاید

مجھ سے کوئی گناہ ہوگیا ہے جس کے سبب سے
آگ مجھے ایندھن بنانا چاہتی ہے ایسی صورت
میں جل جانا عذاب آخرت سے بدرجہا بہتر ہے۔
اس واقعہ کے بعد دوسری مرتبہ موبد نے قباد سے پھر تخلیہ کی
ملاقات کی اور بادشاہوں اور موبدوں کا تذکرہ کیا اور
اُن کے حالات سے یہ ثابت کیا کہ مزدک پیغمبر نہیں ہے
بلکہ سلاطین کا دشمن ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اوّل اُس
نے نوشیرواں پر حملہ کیا جب کامیاب نہ ہوا تو آپ کے
خون کا پیاسا ہوا۔ اگر میں نے پہلے سے اس کا بندوبست
نہ کرلیا ہوتا تو آج آپ مارے گئے ہوتے۔ کیا آپ یہ
سمجھتے ہیں کہ سچ مُچ آگ سے آواز آتی ہے۔ میں ایک
تدبیر سے اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہوں اور یہ باور
کرائے دیتا ہوں کہ آگ کسی سے باتیں نہیں کرتی ہے۔
اور آخر کار موبد نے قباد کو باور کرا دیا جس سے وہ اپنے
افعال پر شرمندہ ہوا۔ موبد نے قباد سے یہ بھی کہا کہ
"آپ نوشیرواں کو نادان بچہ نہ سمجھیں۔ وہ ساری دنیا
پر حکومت کرسکتا ہے۔ آپ کو اُس کی رائے سے انحراف
نہ کرنا چاہیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ خاندان ساسان میں
سلطنت باقی رہے تو مزدک کی باتوں پر دل نہ لگانا
چاہیے اور نوشیرواں سے کہا۔ کسی تدبیر سے مزدک کے
خدمت گار کو ملانا چاہیے اور اُس کو لالچ دے کر آگ
کا حال پوچھنا چاہیے تاکہ آپ کے باپ کے دل سے
سارے شبہے مٹ جائیں" چنانچہ نوشیرواں کو ایک شخص

گرامی تر ازاں دارد که داشت با او در خلوت گوید که نوشیرواں روز بار که مو به موی بیفگند بسیار نرم تر گشت ورائے دارد که تو گردد و از آنچه گفت پشیماں شد چوں سه هفته گذشت مزدک پیش قباد آمد اورا گرامی کرد و تواضع نمود بے حد و حدیث نوشیرواں بداں جملت بگفت مزدک گفت بیشتر مرداں چشم و گوش باشارت او می دارند چوں دریں مذهب آید همه جهاں ایں مذهب بگیرند و من آتش را شفیع کردم تا یزداں ایں مذهب اورا روزے کند۔

قباد گفت نیک کردی که ولی عهد من ست و لشکر و رعیت اورا دوست می دارند و هر وقت که او دریں مذهب درآید هیچ کس را بهانه نماند و من از برائے او مناره سنگین بکنم و بر آنجا کوشکے زریں کنم چنانکه از آفتاب روشن تر باشد چنانکه گشتاسپ از بهر زردشت کوشکی بکرد مزدک گفت تو بپندش ده تا من دعا کنم و امیدم واثق ست که یزداں مستجاب کند چوں شب درآمد هرچه رفته بود قباد با نوشیرواں بگفت نوشیرواں می خندید و گفت چوں سه هفته بگذرد و ملک مزدک بخواند و اورا بگوید که نوشیرواں دوش خوابی دیده است و بترسیده و بامداد بگاه پیش من

مل گیا جس نے مزدک کے خدمت گار سے دوستی پیدا کر کے اُس کو نوشیرواں تک پہنچا دیا نوشیرواں نے خلوت میں بلا کر ایک ہزار دینار اُس کے سامنے رکھدیئے اور کہا کہ آج سے تو میرا دوست اور بھائی ہے مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا تیرے حق میں بھلائی کروں گا اس میں ایک بات پوچھتا ہوں۔ اگر سچ کہہ دیا تو یہ انعام تمہارا ہے اور میں تم کو اپنا مصاحب بنالوں گا اور اگر جھوٹ کہا تو یاد رکھو کہ سزا ہوگی۔ خدمت گار ڈر گیا اور کہا اگر میں سچ بیان کروں تو کیا آپ وعدہ پورا کریں گے۔ نوشیرواں نے کہا کہ ہاں پورا کروں گا۔ تب نوشیرواں نے کہا کہ مجھے بتاؤ یہ کیا حیلہ ہے کہ مزدک سے آگ باتیں کرتی ہے؟ خدمت گار نے راز کے پوشیدہ رکھنے کا اقرار لے لیا اور کہا کہ آتشکدے کے قریب ایک قطعہ اراضی ہے جس کے چاروں طرف بلند دیوار کھچی ہے اور ایک چھوٹا سا سوراخ آتشکدے کی جانب کر لیا ہے۔ جب مزدک وہاں کسی کو بھیجتا ہے تو وہ الفاظ سکھا دیتا ہے اور وہ شخص سوراخ پر منہ رکھ کر باتیں کرتا ہے سننے والے جانتے ہیں کہ آگ باتیں کرتی ہے۔ یہ سن کر نوشیرواں خوش ہو گیا اور اُس کو واقعہ سچا معلوم ہوا ہزار دینار کا صلہ خدمت گار کو دیا اور رات کے وقت قباد کے روبرو سارا حال کہلا دیا۔ قباد کو مزدک کی مکاری اور اس دلیری پر سخت تعجب ہوا اور اُس کے دل سے سارے شکوک مٹ گئے اور موبد کی بہت تعریف کی موبد نے کہا کہ میں نے اول ہی عرض

آمد و گفت در خواب چنیں دیدم کہ آتشی عظیم
قصد من کردی و من پناہی ہمی جستمی۔ شخصے
سخت خوب چہرہ پیش من آمدی من اورا گفتمی ایں
آتش از من چہ خواہد گفتی آتش با تو خشم دارد
کہ تو اورا دروغ زن کردی گفتم تو چہ می
دانی گفت سروش را از ہمہ چیز آگاہی باشد
از خواب در آمدم اکنوں بآتشکدہ خواہد شد
و چیزے مشک و عود و عنبری برد تا بسوزد
و دو سہ روز مر آتش را خدمت کند و یزداں را
ستائش کند پس قباد با مزدک ہم چنیں کرد
و مزدک عظیم شاد گشت چوں یک ہفتہ
ازیں حدیث بگذشت نوشیرواں پدر را گفت
مزدک را بگو کہ نوشیرواں با من گفت کہ مرا
درست شد کہ ایں مذہب حق ست و مزدک
فرستادہ یزداں ست ولیکن می ترسم کہ مردماں
بیشتر مخالف مذہب اند نباید کہ بر ما خروج
کنند و بتغلب مملکت از ما برند کاشکے بدانی
کہ عدد مردم کہ در مذہب اند چند ست و چہ
کسانی اند اگر قوتے دارند و بسیار اند من نیز
در آیم وگرنہ صبر کنم تا زد ر گیرند و بسیار شوند
و ہر چہ ایشاں را در باید از برگ و سلاح بدہم
آنگاہ بقوتے تمام ایں مذہب آشکارا کنم و
بہ شمشیر و بقہر در مردم کنم اگر مزدک بگوید عددے

کیا تھا کہ مزدک بڑا مکار ہے۔ قباد نے کہا کہ اب مجھ کو اس
کی مکاری معلوم ہو گئی ہے لیکن یہ بتاؤ کہ وہ کیونکر
قتل کیا جا سکتا ہے؟ موبد نے عرض کیا کہ ایک بار آپ
پھر دربار منعقد فرمائیں اور میں مزدک سے مناظرہ کروں
میں جان بوجھ کر ہار جاؤں گا اور اپنی عاجزی کا اقرار کروں
گا اور فارس کو لوٹ جاؤں گا اس کے بعد جو کاروائی
مناسب حال ہوگی وہ نوشیرواں انجام دے گا۔ اور
یہ ہمیشہ کے واسطے فنا ہو جائے گا اور اس طریق عمل سے
مزدک کو یہ نہ معلوم ہو سکے گا۔ کہ بادشاہ پشیمان ہے چنانچہ
قباد نے چند روز کے بعد دربار کیا اور تمام موبدوں کو اکٹھا
فریق قرار دیا۔ مزدک اپنی جگہ پر بیٹھا اور موبدوں نے تقریر
شروع کی، پہلے موبد فارس کی زبان سے نکلا کہ آگ کا باتیں
کرنا سب سے زیادہ تعجب انگیز ہے، مزدک نے کہا خدا کی قدرت
سے یہ بعید نہیں ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت موسیٰ
علیہ السلام نے ایک لکڑی کے ٹکڑے کو اژدہا بنا دیا تھا۔
اور ایک پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیئے تھے
اور پھر خدا سے دعا مانگی تھی۔ کہ اے میرے پروردگار فرعون
کو مع اس کی فوج کے ڈبو دے اور خدا نے ڈبو دیا اسی
طرح زمین بھی حضرت موسیٰ کے تابع فرمان تھی چنانچہ
حضرت موسیٰ نے جب زمین کو حکم دیا کہ قارون کو نگل جا
اُس نے اُسی وقت نگل لیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ
کرتے تھے۔ یہی چیزیں ہیں کہ جو انسان کی قدرت سے

ما بسیار شده است گو عدد را جریده کن و اسامی
ایشان بنویس تا ہیچ کس نماند کہ من ندانم مزدک
ہم چنیں کرد و پیش قباد آورد و بشمرد دوازدہ
ہزار مرد بہ آمد از شہری و لشکرے قباد گفت
من امشب نوشیرواں را بخوانم و جریدہ
بدو عرض کنم و نشان آنکہ او دریں مذہب آمد
آنست کہ در حال بفرمایم تا کوس و بوق زنند
و آوازہ چناں بیروں افگنم کہ چوں تو بسرائے
خویش باشی و آواز بوق و دہل بشنوے بدانی
کہ نوشیرواں ایمان آورد و چوں مزدک بازگشت
و شب در آمد قباد و نوشیرواں را بخواند و
جریدہ بوئے نمود و گفت کہ با وے بریں وجہ
نشان نہادہ ام نوشیرواں گفت سخت
نیک آمد بفرمائی تا کوس بزنند و فردا کہ مزدک
را بینی بگو کہ نوشیرواں بتو ایمان آورد و سبب
آنکہ مردم و جریدہ بدید اگر پنج ہزار بودے
کفایت نبودے اکنوں دوازدہ ہزار مرد دارد باکے
نبود اگر ہمہ عالم خصم ما باشند چوں ہمہ با ہم
باشیم باک نیست چوں پاسی از شب بگذشت
مزدک بانگ کوس و بوق شنید خرم شد
گفت نوشیرواں بگرویدہ دیگر روز مزدک بہ
بارگاہ آمد قباد ہر چہ نوشیرواں گفتہ بود
با مزدک بگفت مزدک شاد شد چوں از بارگاہ

باہم ہیں لیکن خدا اُن پہ قادر ہے اور اُسی خدا نے مجھکو بھیجا ہے اور آگ پر مجھکو حکمراں بنایا ہے میں جو کہتا ہوں وہی آگ کی زبان سے نکلتا ہے اس لئے میرا کہنا مانو ورنہ قہر خدا تم پر نازل ہوگا اور تم کو مٹا کر دے گا۔

مزدک کی تقریر سن کر موبد اُٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ "جس شخص پر خدا اور آگ کی جانب سے الہام ہوتا ہو اور آگ اُس کے تابع ہو میں اُس کے مقابلہ میں جواب دینے سے عاجز ہوں اور آئندہ مجھ سے ایسی جسارت نہوگی میں رخصت ہوتا ہوں اب تم جانو اور تمہارا کام" یہ کہکر موبد نوشیروانی فارس کو چلا گیا اور دربار برخاست ہوا۔ مزدک خوش ہوکر اُٹھا اور ایک ہفتہ کے واسطے آتشکدے میں معتکف ہوا۔ جب رات ہو گئی تو قباد نے نوشیرواں کو بلا کر کہا کہ موبد نے مجھے تمہارے سپرد کر دیا ہے اور اس مذہب کے مٹانے کے واسطے تم کافی ہو اب جو تدبیر ہو وہ بتاؤ۔ نوشیرواں نے کہا "اگر شاہنشاہ یہ کام میرے سپرد کر دے اور اس کا تذکرہ کسی سے نہ کرے تو نہایت سلیقہ سے میں اُس کو کرونگا اور پھر ساری دنیا میں مزدک اور مزدکیوں کا کہیں پتہ نہ لگے گا" قباد نے اقرار کیا تب نوشیرواں نے کہا کہ موبد کے چلے جانے سے اصحاب مزدک بہت خوش اور مطمئن نظر آتے ہیں۔ اب میں اُن کی فکر کرونگا اور مزدک کا قتل کرنا تو آسان ہے لیکن اُس کی جماعت بڑی ہے۔ اگر میں مزدک کو قتل کردوں تو اُس کے

بازگشت قباد بخلوت مزدک بخواند ونوشیرواں بیامد و بسیار چیز از زر و ظرائف پیش او نہاد و نثار کرد گذشتہا عذر خواست و از ہر گونہ تدبیر کردند آخر الامر قرار براں افتاد کہ نوشیرواں پدر را گفت تو خداۓ گاں جہانے و مزدک پیغامبر خدا ست سپہسالاری ایں قوم بمن دہ تا چناں کنم کہ در ہمہ جہاں کس نماند کہ ایں مذہب داشتہ باشد گفت فرماں تر است پس گفت تدبیر ایں کار آنست کہ مزدک بدیں شہرہا و ناحیتہا کہ بوۓ گرویدہ اند کس فرستد و گوید کہ از امروز تا سہ ماہ دو روز نزدیک بہ فلاں ہفتہ بسراۓ ما گرد آیند و ما تدبیر برگ و ساز و سلیح ایشاں می کنم چنانکہ ہیچ کس نداند کہ ما بچہ مشغولیم و روز میعاد خوانی بنہند پیش مردم و طعام بخورند پس بسراۓ دیگر تحویل کنند و بمجلس شراب آیند و ہر یک ہفت قدح شراب بخورند و پنجاہ پنجاہ بیست بیست خلعت من بپوشانند و اسپ و ساز و سلیح می دہند تا ہمہ بخلعت پوشیدہ شوند پس ہم درست خروج کنیم و مذہب آشکارا کنیم ہر کہ در مذہب آید اماں دہیم و ہر کہ خلاف کند بکشیم قباد و مزدک گفتند صواب اینست دہم بریں اتفاق برخاستند۔

مزدک بہمہ جاہا نامہ کرد و دو روز نزدیک

ساری دنیا میں پھیل کر اشاعت مذہب کریں گے اور کسی مستحکم جگہ پر قابض ہو کر خاندان اور سلطنت کے مقابلہ کو اٹھیں گے۔ لہذا ایسی تدبیر کرنا چاہیئے کہ سب ایک ہی وقت میں قتل کر دیئے جائیں اور ایک متنفس بھی زندہ نہ رہ سکے" یہ سن کر قباد نے پوچھا کہ پھر اس کی کیا تدبیر سوچی ہے؟ نوشیرواں نے کہا کہ جب مزدک آتش کدہ سے اٹھکر حاضر ہو تو اس کا اعزاز بمقابلہ سابق بڑھا دیا جائے اور خلوت میں کہا جائے کہ جس دن سے موبد فارسی نے شکست کھائی ہے اس دن سے نوشیرواں ڈھیلا پڑ گیا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ آپ سے رجوع کرے اور اب وہ اپنی گفتگو سے پشیماں ہے"۔

جب ایک ہفتہ گذر گیا تو مزدک حاضر ہوا قباد نے بڑی خاطر سے بٹھایا۔ اور نوشیرواں کا ذکر کیا مزدک نے کہا کہ اکثر لوگ نوشیرواں کے اشاروں پر چلتے ہیں، اگر وہ ہمارے مذہب میں داخل ہو جائے تو ساری دنیا اس مذہب کو قبول کرے۔ اور میں آتش کو شفیع کرتا ہوں یزداں نوشیرواں کو مذہب مزدکیہ سے مشرف کرے۔ قباد نے کہا کہ "آپ نے بہت اچھا کیا کیونکہ نوشیرواں ولیعہد سلطنت ہے۔ رعایا اور لشکر میں وہ ہر دل عزیز ہے۔ جب وہ اس مذہب میں داخل ہو جائے گا تو پھر کسی کو عذر نہیں ہو سکتا۔ اور قباد نے یہ بھی کہا کہ میں آپ کے واسطے ایک رفیع الشان سنگی منارہ بناتا ہوں اور اس کے بالائی حصہ پر ایک طلاکار محل تیار کراؤں گا جو

را آگاہ کرد باید کہ فلاں روز ہمہ بحضرت حاضر
آیند تا ہمہ بخلعت و ساز و سلیح و اسپ آراستہ
شوند کہ اکنوں کار بمراد ما است و پادشاہ
پیش روا است پس بر وعدہ سر دوازدہ ہزار
مرد حاضر آمدند و بسرائے پادشاہ شدند خوانے
دیدند نہادہ کہ ہرگز کس چناں ندیدہ بود قباد
بر تخت بنشست و مزدک بر کرسی و نوشیرواں
میاں بستہ ایستادہ یعنی کہ من میزبانم و مزدک
پس شادماں بود و نوشیرواں ہریک را بر خواں
می نشاند تا ہمگناں نشستند و ناں بخوردند
ازیں سرائے دراں سرائے دیگر شدند مجلس شراب
دید کہ چناں ہیچ ندیدہ بودند قباد بر تخت نشست
و مزدک بر کرسی و ایشاں را ہم چناں بترتیب
بنشاندند و مطرباں سماع بر کشیدند
نواہائے خوش و ساقیاں شراب در آوردند
چوں دوری بگشت غلاماں و فراشاں در آمدند
مردی دویست تخت ہائے دیبا و لفافہائے
قصب بر دست نہادند و پیش مجلس بایستادند
زمانے پس نوشیرواں گفت جامہائے
دراں سرائے برند کہ ایں جا انبوہ است تا
بیتھگاں و سیگاں آنجا می آیند و خلعت می
پوشند و اناں جامی روند و می ایستند تا جملہ
پوشیدہ شوند آنگاہ ملک و مزدک با میداں

آفتاب سے زیادہ چمک دار ہوگا اور ٹھیک ایسا ہی ہوگا
جیسا کہ گشتاسپ نے زردشت کے واسطے بنایا تھا۔"
مزدک نے کہا آپ نوشیرواں کو نصیحت کریں اور
میں دُعا کرتا ہوں اُمید واثق ہے کہ یزداں مستجاب کرے گا
جب رات ہوئی تو قباد نے دن کی گفتگو نوشیرواں سے دُہرائی
وہ سُن کر بہت ہنسا اور قباد سے کہا کہ "جب ہفتہ گذر جائے
تو مزدک کو بلاکر یہ بات کہنا چاہیے کہ نوشیرواں کل رات کو
ایک خواب دیکھ کر ڈر گیا ہے اور صبح کو میرے پاس آیا تھا۔
اُس نے مجھ سے کہا "میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا مجھ
پر آتشِ نیرنگ حملہ آور ہے اور میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں
اتنے میں ایک مردِ صالح میرے پاس آیا میں نے اُس
سے پوچھا کہ مقدس آگ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ اُس نے
جواب دیا کہ آگ تجھ پر اس لئے غضبناک ہے کہ تو نے
اُس کو جھٹلایا ہے میں نے کہا کہ تم کو کیونکر معلوم ہوا اُس نے
کہا کہ فرشتوں کو ساری خبریں رہتی ہیں اب آتشکدہ میں
جا کر قدرے مشک، عود اور عنبر سلگایا جائے اور مسلسل تین
دن اگنی پوجا کی جائے اس کے بعد میں جاگ اُٹھا۔"
قباد سے یہ خواب سُن کر مزدک بہت خوش ہوا جب اس
تذکرہ کو بھی ایک ہفتہ گذر گیا تو نوشیرواں نے قباد سے کہا
کہ آپ مزدک سے کہئے کہ نوشیرواں کہتا تھا کہ مجھے یقین
ہو گیا ہے کہ یہ سچا مذہب ہے، اور مزدک یزداں کا فرستادہ ہے
لیکن چونکہ مخالفین کی تعداد زبردست ہے اس لئے ڈرتا
ہوں کہ کہیں خروج کر کے سلطنت نہ چھین لیں۔ کیا

آیند و چشم بر افگنند و نظارہ کنند پس در آں خانہ
باز کنند و سلاحہا بیارند و نوشیرواں از پیش کس
بہ ہما فرستادہ بود و مردی سیصد حشر خواستہ
بود با بیلی کہ سرائے او باغہا پاک کنند چوں سوم
از وہما بیامدند و ہمہ را در میان گرد آورد در
استوار کرد پس ایشاں را گفت خواہم کہ امروز
وامشب بسیاری چاہ درین میدان کندہ
باشند ہر یکے مقدار یک گز و دو گز و خاک چاہ
ہم آنجا بگذارید و در باناں را فرمود کہ چوں ایں
چاہ کندہ باشند ہمہ را باز دارند و نگہدارند کہ
کسے از ایشاں نرود و شبانہ مردی چہار صدرا
در سلاح کردہ بود و در میداں و در سرائے پنہاں
داشتہ و گفتہ ہر بیست و سی را کہ از اں مجلس
در سرائے فرستم شما ایشاں را بداں دیگر میدان
برید و ہر یک را برہنہ می کنید و سر در زیر چاہ
می کنید تا بناف و پاہا در ہوا و بخاک استوار
می کنید چوں جامہ داراں دراں سرائے شدند
و دویست اسپ با ساخت زر و سیم و سپرہا و
کمرہا و شمشیرہا بزر پیش آوردند نوشیرواں فرمود
کہ دراں سرائے برید ببروند پس بیستگاں و
سیگان ہمی کرد و دراں سرائے می فرستاد و ایشاں
را بداں دیگر میدان می بردند و سرنگوں در چاہ می کردند
و بخاک می انباشتند تا ہمہ را بریں علامت ہلاک

اچھا ہوتا اگر صحیح تعداد اصحاب مزدک کی معلوم ہو جاتی اور
یہ بھی کہ وہ کون لوگ ہیں؟ اگر مزدکیہ جماعت زبردست ہو
تو میں بھی اس میں شامل ہو جاؤں گا اور اُس وقت تک
صبر کروں گا کہ یہ جماعت طاقتور ہو جائے۔ اور بشرط ضرورت
اسلحہ وغیرہ بھی دوں گا اس کے بعد پوری قوت اور تلوار
کے زور سے مذہب کا اعلان کروں گا۔ اگر مزدک بتا
دے کہ ہمارا بڑا گروہ ہے تو اُس سے اسم وار پوری
فہرست طلب کی جائے تاکہ میں سب سے واقف ہو جاؤں"
چنانچہ مزدک نے ایسا ہی کیا اور قباد کے روبرو بارہ ہزار
آدمی کی فہرست پیش کی جس میں رعایا اور فوجی سپاہی
شامل تھے۔ فہرست دیکھکر قباد نے کہا کہ "میں آج رات
کو نوشیرواں کو بلا کر فہرست دکھادوں گا اور نوشیرواں
کے ایمان لانے کی یہ علامت ہوگی کہ میرے حکم سے
شہنائی اور نقارے اس زور سے بجائے جائیں گے
کہ جس کی آواز آپ کے گھر تک پہنچے گی" جب مزدک
لوٹ گیا اور رات ہوئی تو قباد نے نوشیرواں کو بلایا
اور فہرست دکھلائی اور جو علامت قرار پائی تھی اس کا
بھی ذکر کردیا۔ تب نوشیرواں نے کہا کہ بہت مناسب
ہے آپ نقارخانہ میں حکم بھیج دیں۔ اور جب کل مزدک
حاضر ہو تو کہہ دیجئے گا کہ نوشیرواں ایمان لے آیا ہے۔
اور اس کا سبب یہ ہے کہ جماعت کی تعداد بارہ ہزار تک
پہنچ گئی ہے۔ اگر پانچ ہزار ہوتی تو البتہ کافی تعداد نہ تھی
اب اگر ساری دنیا دشمن ہو جائے تو خوف نہیں ہے کیونکہ

کردند آنگہ۔

نوشیرواں پیش پدر آمد و پدر و مزدک را گفت ہمہ را بخلعت پوشانیدم و در میدان آراستہ ایستادہ اند بر خیز و نظارہ کنید تا ہر کس زینتی ازین خوب تر ندیدہ اند قباد و مزدک ہر دو برخاستند و دراں سرائے شدند و از سرائے بہ میداں شدند چوں بمیداں آمدند نگاہ کردند ہمہ میداں سر تا سر پاہا دیدند در ہوا نوشیرواں روئے بمزدک کرد و گفت لشکرے را کہ پیش رو تو باشی خلعت ایشاں ازیں بہتر نتواند و تو آمدی کہ مال و تن ماہمہ بباد دہی و پادشاہی از خانۂ مابروں برے باش تا ترا نیز خلعت فرمایم و در میداں دوکانی بلند فرمودہ بود و چاہی براں دکان کندہ فرمود تا مزدک را سرنگوں دریں چاہ کردند و بخاک برانباشتند و گفت اے مزدک در گرویدگان خود بنگر و نظارہ می کن و پدر را گفت دیدی رائے فرزانگاں۔ اکنوں مصلحت تو در انست کہ یک چندے در خانہ بنشینی تا مردم و لشکر بیارامند کہ ایں فساد از سست رائے تو برخاست پدر را در خانہ نشاند و بفرمود تا مردم روستا کہ از بہر چاہ کندن آمدہ بودند دست باز داشتند و در میدان بکشادند تا مردم شہر و ولایت و لشکر

ہم سب قباد و مزدک نوشیرواں ہمتفق ہیں۔ جب ایک گھڑی رات گذری اُس وقت مزدک نے تنہائی اور تقاوں کی آواز سنی۔ اور نوشیرواں کے ایمان لانے سے خوش ہوا دوسرے دن جب مزدک حاضر دربار ہوا تو قباد نے نوشیرواں کے تعلیم کردہ الفاظ مزدک سے کہے اور پھر خلوت میں بلاکر نوشیرواں سے زر و جواہر کی نذر دلوائی۔ اور بہت کچھ بطریق تصدق نچھاور کیا۔ اور اب تک جو ہو چکا تھا اُس کی نوشیرواں نے خود معافی چاہی۔ اور اسی جلسے میں ہر قسم کے مشورے ہونے لگے، آخر الامر نوشیرواں نے قباد سے کہا کہ آپ شاہنشاہ ہیں مزدک خدا کا پیغمبر ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ مذہبی سپہ سالاری مجھکو دی جائے پھر دیکھئے کس قدر مذہبی ترقی ہوتی ہے قباد نے کہا کہ تم کو اختیار ہے۔ پھر نوشیرواں نے کہا کہ جن شہروں اور قصبات میں ہمارے ہم مذہب ہیں ان کے پاس مزدک کی جانب سے پیام بھیجا جائے کہ آج کی تاریخ سے تین مہینے کے اندر فلاں ہفتے کے فلاں دن سب ہمارے مہمان ہوں میں ان کو ہر قسم کے ساز و سامان اور اسلحہ سے مرتب کروں گا جس کی کسی کو مطلق خبر نہ ہوگی۔ پھر اُسی دن سب کی دعوت کی جائے اور بعد فراغ طعام دوسرے مکان میں مجلس شراب منعقد کی جائے ہر شخص سات پیالے پیئے۔ پھر خلعت پہن کر اسلحہ زیب تن کریں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلیں۔ اور علانیہ اشاعتِ مذہب کریں جو ہمارا مذہب

درآمدند و نظارہ کردند و نوشیروان پدر را بند بر نہاد و بزرگاں را بخواند و بجست بپادشاہی بنشست دوست بداد و دشمن بر کشا دو ایں حکایت از وے یادگار بماند تا خداوند عقل بخوانند و یاد گیرند۔

قبول کرے اُس کو امان دیں گے اور جو انکار کرے گا اُس کو قتل کر دیں گے اس رائے کو قباد اور مزدک نے قبول کیا، اور جلسہ برخاست ہوا۔

مزدک نے سب جگہ خطوط جاری کر دیئے اور آگاہ کر دیا کہ فلاں روز حاضرِ خدمت ہوں، سب کو خلعت گھوڑے اسلحہ دیئے جائیں گے۔ اور یہی وقت کامیابی کا ہے، کیونکہ بادشاہ ہمارا قافلہ سالار ہے۔ چنانچہ وعدے کے دن بارہ ہزار مزدکی حاضر ہوئے، اور بادشاہ کے مہمان ہوئے، جن کے سامنے ایسے پر تکلف خوان رکھے گئے کہ کبھی کسی نے نہ دیکھے تھے۔ قباد تخت پر جلوہ فرما ہوا اور مزدک اپنی کرسی پر بیٹھا۔ اور نوشیرواں بھی پٹکا باندھکر بحیثیت میزبان کھڑا ہوا۔ اور اس میزبانی سے مزدک بہت خوش ہوا نوشیرواں ہر ایک کو دسترخوان پر بٹھاتا جاتا تھا جب سب کھانے سے فارغ ہوئے تو دوسرے مکان میں اُٹھ گئے۔ وہاں شراب کی مجلس آراستہ تھی۔ قباد تخت پر اور مزدک کرسی پر جلوہ فرما تھا۔ نوشیرواں نے سب مہمانوں کو قرینے سے بٹھایا تھا۔ مغنیوں کی سُریلی آوازوں سے مجلس گونج رہی تھی اور شراب کا دور چل رہا تھا۔ جب چند دور ہو چکے تو فراش اور غلام حاضر ہوئے اور دوسو جوانوں کو دیبا اور قصب کے تھان بطور خلعت کے تقسیم ہوئے۔ یہ لوگ تھوڑی دیر تک دربار میں استادہ رہے تب نوشیرواں نے کہا کہ خلعت دوسرے مکان میں تقسیم کئے جائیں کیونکہ یہاں بڑا مجمع ہے وہاں ہر مرتبہ میں بیس آدمی داخل ہوں اور خلعت پہن کر وہیں سے رخصت ہوتے جائیں اس طریقے سے سب پہن لیں گے۔ پھر بادشاہ اور مزدک یہ دل فریب منظر ملاحظہ کریں۔ اس کے بعد سلاح خانے کا دروازہ کھول دیا جائے اور سب اسلحہ سے سجائے جائیں۔ اور اس کارروائی سے پہلے نوشیرواں نے تین سو دیہاتی مزدور بلا کر جمع کر رکھے تھے۔ اور اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ دن رات میں یہ مزدور بکثرت گڑھے تیار کریں جو گہرائی میں ایک گز سے دو گز تک ہوں اور کل مٹی بھی وہیں جمع رہے۔ اور دربانوں کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ جب گڑھے تیار ہو جائیں تو سب مزدور روک لیے جائیں کوئی جانے نہ پائے اور رات کو خفیہ طور سے چار سو آدمی اسلحہ سے سجا کر میدان اور مکان میں چھپا دیئے گئے تھے۔ اور اُن کو یہ حکم دے دیا تھا کہ جب یہ بیس بیس آدمی مجلس سے روانہ کئے جائیں تو تم اُن کو دوسرے میدان میں لے جاؤ اور ہر ایک کو برہنہ کر کے ان کا سر ان گڑھوں میں اس طرح دبا دو کہ وہ ناف تک زمین کے اندر ہوں اور دونوں پاؤں باہر نکلے رہیں۔ چنانچہ خلعت

پہن کر لوگ اس مکان میں آتے جاتے تھے اور مطابق ہدایت کے ایک ایک غول معہ اُن کے آراستہ گھوڑوں کے دوسرے مکان میں روانہ کردیا جاتا تھا۔ اور میدان میں پہنچ کر وہ سرنگوں گڑھوں میں دبادیئے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام مزدکی اسی طریقہ سے ہلاک کردیئے گئے۔ ان کاموں سے فارغ ہوکر نوشیرواں قباد کے روبرو حاضر ہوا اور مزدک سے کہا تمام مہمان خلعت سے آراستہ ہوکر میدان میں جمع ہیں۔ اب آپ اُٹھیں اور ملاحظہ فرمائیں یہ منظر بھی ایسا ہے کہ آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ چنانچہ قباد اور مزدک ایک ہی ساتھ اُٹھے اور محل کے اندر سے ہوتے ہوئے میدان میں پہنچے۔ یہاں یہ تماشا دیکھا کہ کل جماعت "سرنگوں پادرہوا ہے"۔ نوشیرواں نے مزدک سے مخاطب ہوکر کہا کہ "جس فوج کا تو سپہ سالار ہو اُن کے خلعت اس سے بڑھکر اور کیا ہوں گے؟ کمبخت تو اس لئے آیا تھا کہ ہمارے مال اور دولت اور عزت کو برباد کرکے سلطنت پر بھی ہاتھ صاف کرے۔ لے ہوشیار ہوا ب میں تجھے بھی خلعت پہناتا ہوں"۔ چنانچہ میدان کے ایک کنویں میں جو خاص مزدک کے لئے تیار ہوا تھا نوشیرواں کے حکم سے مزدک کو گرادیا اور اُس کو مٹی سے پاٹ دیا۔ اُس وقت نوشیرواں نے کہا کہ اے مزدک! اب تو اپنے پیروؤں کو اچھی طرح دیکھ۔ اور باپ سے کہا کہ "آپ نے عاقل اور فرزانہ لوگوں کی رائے ملاحظہ فرمائی۔ اب مصلحت یہ ہے کہ آپ چند روز خانہ نشین ہوں تاکہ رعایا اور فوج کو آرام کا موقعہ ملے اور یہ جو کچھ ہوا آپ کی کمزوری رائے کی وجہ سے ہوا۔ اس کے بعد میدان کی دیواریں توڑدی گئیں اور دروازہ کھول دیا گیا۔ شہر، دیہات، اور فوج کے آدمی آتے تھے۔ اور یہ تماشا دیکھکر چلے جاتے تھے۔ جب کل انتظام ہوچکے تو نوشیرواں نے قباد کو قید کردیا اور شاہی استحقاق سے خود تخت نشین ہوگیا۔ یہ واقعہ نوشیرواں کا اس قابل ہے کہ اہل خرد اس کو پڑھیں اور عبرت پذیر ہوں"۔

خواجہ نظام الملک کے عام اخلاق و عادات

خواجہ نظام الملک کی نسبت تذکرہ نویسوں اور مورخوں کی متفقہ رائے یہ ہے کہ "آل سلجوق کے عہد حکومت میں کوئی وزیر سیاست، دانائی، رائے، تدبیر، عدل و انصاف، بے تعصبی، فیاضی، شجاعت میں اُس سے بڑھکر نہیں ہوا" اور اُن کا یہ دعوی بالکل صحیح ہے جس کی تصدیق خواجہ کے حالات سے ہوتی ہے۔

بادشاہوں اور وزیروں کی سوانح عمری لکھنے والے، اکثر شعرائے دربار ہوتے ہیں، مگر اپنے ممدوح کی شکل و شمائل اور اوضاع و عادات کی جو تصویر کھینچتے ہیں اُس میں یہ عیب ہوتا ہے کہ محض حُسن کے دوبالا کرنے کے لئے شبیہ میں بعض رنگ زیادہ شوخ اور گہرے لگا دیتے ہیں۔ اور جب کوئی مورخ تنقید کے مُوقلم سے مصنوعی رنگ کو ہلکا کرتا ہے اُس وقت ممدوح کی اصلی صورت پہچانی جاتی ہے۔ مگر خواجہ نظام الملک کے مصور یا تو کوئی صوفی ہیں، جو اپنے زمانے کے جنید و شبلی ہیں۔ یا کوئی امام وقت ہیں، جن کے نام سے عظمت و جلال نمایاں ہے۔ اس لئے سلسلۂ روایت میں صرف راوی کا نام نفس واقعہ کی صحت اور خواجہ کی قدر و منزلت کے لئے کافی ہے۔

خواجہ نظام الملک کی سوانح میں مستند مورخوں نے جس قدر لکھا ہے اس کی صحت میں تو کسی کو شک نہیں ہو سکتا ہے مگر جو روایتیں امام الحرمین جیسے مقدس عالم کی زبانی ہوں وہ بھی نہایت مہتم بالشان ہیں۔

ابن سبکی نے طبقات میں امام الحرمین کا ایک خطبہ[1] نقل کیا ہے۔ جس میں امام صاحب نے خواجہ کو "سید الوریٰ، موید الدین، ملاذ الامم، مستخدم للسیف والقلم" کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ اور اُس کے پُر فخر کارناموں کو بالاجمال بتایا ہے۔ اور خواجہ کے استقامت فی المذہب، عدل و انصاف اور جود و احسان وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے۔

خطبہ کے خاتمہ پر ابن سبکی نے اپنی یہ رائے لکھی ہے کہ "یہ خطبہ ایک بڑے نامور امام کا ہے اور گو مبالغہ سے خالی نہیں ہے، مگر اس امر کی پوری شہادت ہے کہ امام الحرمین کے نزدیک نظام الملک کا

---

[1] چونکہ اس خطبہ کے حوالہ سے متفرق مقامات پر حالات لکھے گئے ہیں اس وجہ پورا خطبہ نقل نہیں کیا گیا ہے۔ شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں

کیا پایہ تھا؟ اور قوم میں امام صاحب کا یہ درجہ ہے کہ متقدمین اور متاخرین ان کے کلام کو بطور سند کے پیش کرتے ہیں اور ان ہی کی ذات سے شریعت الٰہی کے اصول و فروع کی اشاعت ہوتی ہے ۔

علامۂ موصوف نے امام الحرمین کے خطبہ پر جو رائے دی ہے وہ مورخانہ حیثیت سے ہے کیونکہ مورخ کا اصلی فرض یہی ہے کہ جو واقعہ لکھا جائے اُس میں رنگ آمیزی کو دخل نہ ہو اور تاریخانہ اصلیت اپنی اصلی صورت پر ہر جگہ قائم رہے ۔ چنانچہ اس اُصول سے امام الحرمین کے بعض فقرے مبالغہ آمیز ہیں مگر بقول ابن سبکی اس سے انکار نہیں ہوسکتا ہے کہ جس کا مداح امام الحرمین ہو وہ ممدوح کس شان کا ہوگا ؟

امام الحرمین اور ابن سبکی دونوں اسلام کے آفتاب و ماہتاب ہیں ۔ اور دونوں کا تقدس اور تقویٰ مذہبی حیثیت سے ضرب المثل ہے ۔ اُن کے اقوال پر نکتہ چینی کرنا ہمارا کام نہیں ہے لیکن اِس روایت سے ہم کو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ خواجہ کی سوانح عمری کا ماخذ نہایت مستند اور معتبر ہے ، اور اُس کے واقعات زندگی کے راوی علاوہ شعرا اور عام واقعہ نگاروں کے امام الحرمین جیسے عالی رتبہ بزرگ بھی ہیں ۔

خواجہ نظام الملک چونکہ ایک متقی اور پارسا شخص تھا لہٰذا ہم اول وہ حالات لکھتے ہیں جس کا تعلق مقتدایانِ ملت اور بزرگانِ طریقت سے ہے ۔

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس

خواجہ نظام الملک کو صوفیائے کرام سے خاص عقیدت اور ارادت تھی اور اُس کی مجلس ہمیشہ صوفیوں سے بھری رہتی تھی ۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اس جذب محبت کی ابتدائی تاریخ یوں لکھی ہے کہ " میں ایک دن کسی امیر کی خدمت میں معروف تھا کہ میرے پاس ایک صوفی تشریف لائے اور بزرگانہ شفقت سے فرمایا کہ " خواجہ ایسے لوگوں کی خدمت کیا کرو جن سے تم کو نفع پہنچے اور اُس شخص کی خاطر تواضع کا کیا نتیجہ ہے جو کل کتوں کا شکار ہو جائے گا " میں اس رمز کو نہ سمجھا لیکن دوسرے دن اُس امیر نے صبح سے رات تک خوب ہی شراب پی اور نشہ میں چور ہو کر تنہا محل سے باہر نکل آیا ۔ پاسبانی کی غرض سے جو خونخوار کتے پلے ہوئے تھے اُنھوں نے اپنے متوالے آقا کو نہ پہچانا اور باہر کا آدمی سمجھ کر

خوب جھنجوڑا اور شکار کی طرح تکا بوٹی کر ڈالا۔ جب میں نے یہ واقعہ سُنا تو کشف و کرامات کے کرشمے معلوم ہوئے اور اُسی دن سے میں ارباب باطن کا ایک معتقد خدمت گذار بن گیا۔[1]

حقیقت میں خدا شناسی، تصفیۂ قلب اور تربیت روحانی کے واسطے صوفیائے کرام کی صحبت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ لیکن فی زمانہ صوفی کے کھرے کھوٹے کی شناخت، جواہرات کے پرکھنے سے بھی زیادہ دشوار ہے، کیونکہ صوفیوں کے بجائے صوفی نما گروہ حشرات الارض کی طرح بڑھتا جاتا ہے اور درویشی کو یاروں نے معاش کا ایک آلہ بنا لیا ہے اس لئے طالبانِ طریقت کو سوچ سمجھکر اس حلقہ میں قدم رکھنا چاہئیے۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ

ہوں یا نہوں پیر اہلِ عرفان و یقین　　پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہو نادان کہیں
گا ہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی　　اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

خواجہ نظام الملک جس زمانہ میں تھا وہ آج کل کے مقابلہ میں ست جگ کا درجہ رکھتا تھا، کیونکہ صوفیوں کے قلب جیسے انوارِ تجلیات سے مالامال تھے ویسے ہی اُن کے دماغ حکمت و فلسفہ اور علوم دینیہ کے انکشافات سے منور تھے۔ خواجہ نظام الملک کو جن نامور صوفیوں سے عقیدت تھی وہ رکنِ شریعت اور مرکزِ طریقت تھے۔ جب وہ مصلے پر بیٹھتے تو ہاتھ میں تسبیح ہوتی، خانقاہ و مدرسہ میں جاتے تو قرآن و حدیث کا درس دیتے، جب ممبر پر جلوہ فرما ہوتے تو عبادات اور معاملات پر تقریر کرتے۔ بادشاہوں اور وزیروں سے بھی ملتے تھے۔ اور اُن کو ایسی نصیحتیں کرتے تھے جو حکمرانی کے لئے مفید ہوں اور اُن میں جو عیوب دیکھتے تھے وہ برملا کہہ دیتے تھے۔ اور یہ اُس وقت کے علما اور مشائخ کا خاصہ تھا۔

چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کی کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوف سلطان و وزیر

ابن خلکان میں تحریر ہے کہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری جب خواجہ کے دربار میں تشریف لاتے تو وہ ان کی تعظیم میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا اور اپنی مسند پر بٹھاتا تھا۔

نامۂ دانشوران ناصری میں لکھا ہے کہ شیخ ابواسحق فیروز آبادی کا اعزاز ان دونوں بزرگوں سے بڑھکر تھا۔ بہرحال جن مشائخ کی خواجہ کی نظر میں یہ عزت و عظمت تھی اب ہم اُن کے مختصر حالات

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۱۴۳ تذکرۂ نظام الملک۔

زندگی لکھتے ہیں۔ اور اگرچہ کسی مستقل سوانح عمری میں ضمنی تذکروں کا مفصل لکھنا خلافِ قاعدہ ہے مگر یہ حالات ایسے بزرگوں کے ہیں جن کی سوانح عمریاں مذہبًا اور اخلاقًا ہماری حیات پر مفید اثر ڈال سکتی ہیں اس لئے اُمید ہے کہ ناظرین کے لئے یہ چند اوراق باعثِ ملال نہ ہوں گے۔

شیخ ابواسحٰق۔ فیروز آبادی

ابراہیم نام، ابواسحٰق کنیت، اور جمال الدین لقب تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ابراہیم بن علی ابن یوسف شیرازی۔ اور نامۂ دانشوران کی روایت کے مطابق[۱] سلسلۂ نسب مولانا مجدالدین محمد ابن یعقوب فیروز آبادی (مصنف قاموس) پر منتہی ہوتا ہے۔ تاریخ میں شیخ ابواسحٰق شیرازی کے نام سے آپ کی شہرت ہے۔ اور ہم تعظیمًا آپ کو صرف شیخ کے خطاب سے یاد کریں گے۔ صوبۂ فارس کے شہروں میں فیروز[۲] آباد کو اپنے جن نامور بیٹوں پر قیامت تک فخر رہے گا منجملہ اُن کے

---

[۱] نامۂ دانشوران ناصری جلد اول حالات ابواسحٰق۔

[۲] گور یا، جور یا فیروز آباد ایک ہی قدیم شہر کے نام ہیں۔ جس کو زمانہ نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے۔ البتہ قدیم شہر کے حدود سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر اب فیروز آباد ایک قصبہ ہے قدیم فارسی نام گور (بمعنی قبر) ہے جو عربی تاریخ اور جغرافیہ میں جُور کے نام سے مشہور ہے۔ صاحب مراصدالاطلاع نے جور لکھا ہے (اسی نام کا نیشا پور میں ایک محلہ بھی ہے) جور کا پہلا بانی گشتاسپ کیانی ہے، لیکن سکندر اعظم نے ہندوستان سے واپس جاتے ہوئے عجیب حکمت سے اس شہر کو پانی میں ڈبو کر بحیرہ بنا دیا تھا۔ لیکن اردشیر ساسانی نے کمال فن انجنیری سے پانی کو خشک کر کے قدیم نمونہ پر پھر شہر آباد کیا۔ یہ شہر قدرتی پہاڑوں کے مابین دائرہ کی شکل میں آباد تھا۔ فیروز شاہ (نوشیرواں کا دادا) نے اپنے عہدِ سلطنت میں قدیم آبادی پر بہت کچھ اضافہ کیا اور بجائے گور کے فیروز آباد نام رکھا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ عضد الدولہ دیلمی تفریح کی غرض سے یہاں جایا کرتا تھا اور جب بادشاہ یہاں ہوتا تو لوگ کہا کرتے تھے کہ۔ "ملک بگور رفتہ" چنانچہ عضدالدولہ نے اس بدفالی سے بچنے کے لئے اس کا نام فیروز آباد رکھا۔ وسط شہر میں ایک پہاڑ کا درمیانی حصہ ہموار کر کے اردشیر نے اُس پر ایوان بنایا تھا چنانچہ اُس کے کھنڈرات اور مینارہ، حوض، قلعہ، آتشکدۂ اعظم، اور خندق کے عجیب وغریب آثار آج تک باقی ہیں اور جور کا گلاب ضرب المثل ہے۔ جس کے حوالے عربی اشعار میں آئے ہیں عبداللہ ابن عامر نے ۲۹ھ میں (عہد خلافت سوم) چند سال کے غزوات کے بعد جور کو فتح کیا تھا۔ فارس کے نقشہ میں شیراز سے جانب مشرق ۳۵ میل کے فاصلہ پر یہ شہر درج ہے آثار قدیمہ کے نقشہ جات (باقی در صفحۂ آئندہ)

ایک شیخ بھی ہیں ۳۹۳ھ (۳۹۶-۳۹۵ھ علی اختلاف الروایات) میں شیخ کی ولادت ہوئی اور بچپن کا ابتدائی زمانہ اسی شہر میں گذرا۔ ۳۹۳ھ سے ۴۱۰ھ تک شیخ کی تعلیم و تربیت اور ابتدائی زندگی کا کچھ حال نہیں کھلتا ہے کہ کیونکر گذری؟ لیکن ۴۱۰ھ میں فیروز آباد سے رخصت ہوکر دار العلوم شیراز کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ شیخ کا پہلا سفر تھا اور محض حصول علم کے لئے تھا۔

فارس میں شیراز[۱] ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اور یہ تو وہ زمانہ تھا کہ جب شیراز کی ہر ہر گلی میں

بقیہ صفحہ ۱۱۴۔ اور تصاویر اور تفصیلی حالات کے لئے کتب ذیل دیکھو۔ سفرنامۂ ایران مرزا فرصت شیرازی صفحہ ۱۱۱ گنج دانش صفحہ ۳۰۳، فتوح البلدان بلاذری مطبوعۂ مصر، ۳۹۹ مرآۃ البلدان ناصری حالات فارس دائرۃ المعارف جلد ۶ حالاتِ عہد نقشہ ایران مرتبہ مسٹر جان کری ۱۸۲۸ء

[۱] شیراز صوبۂ فارس کا صدر مقام ہے۔ اور شاہان ایران کی طرف سے شیراز میں گورنر رہا کرتا ہے۔ نقشہ میں ۵۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول بلد اور ۲۹ درجہ ۳۶ دقیقہ عرض بلد پر واقع ہے قدیم زمانہ کی عظمت و جلال کی تاریخ لکھنا فضول ہے صرف سعدی اور حافظ کا نام شیراز کے زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ یہ شہر بارہ دروازوں پر تقسیم تھا اب صرف چھ باقی ہیں۔ اور شہر پناہ کی دیوار کا محیط ۱۰۰۰۰ گز اور عرض ۸ گز تھا۔ شیراز بن تہمورس پیش دادی، شہر شیراز کا بانی ہے یہ شہر چند بار تباہ و برباد ہوا لیکن سب سے اخیر مرتبہ خلیفہ عبد الملک اموی کے عہد حکومت میں آباد ہوا۔ اور آج تک قائم ہے۔ نہریں بافراط ہیں۔ جن کا پانی ذائقہ میں سلسبیل اور تسنیم سے ٹکر کھاتا ہے۔ چنانچہ نہر رکن آباد، زنگی آباد، نہر سعدی مشہور ہیں اور رکن آباد کی تو تعریف ہی نہیں ہوسکتی ہے حافظ فرماتے ہیں۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت ۔۔۔ کنارِ آبِ رکن آباد و گلگشتِ مصلےٰ را

پانی میں جو جو قدرتی صفتیں ہیں وہ سب اس میں موجود ہیں۔ شیراز کی ہوا معتدل ہے قاآنی نے کیا خوب لکھا ہے

بزیر قبۂ گردوں بروئے رقعۂ خاک ۔۔۔ ندیدہ دیدۂ بینا چناں خجستہ دیار

نسیم او ہمہ دل کش تر از نسیم بہشت ۔۔۔ ہوائے او ہمہ خرم تر از ہوائے بہار

زلالِ ہر دمنِ اوست کوہی از یاقوت ۔۔۔ زلالِ ہر چمنِ اوست کاسئے از زنگار

زبسکہ زمزمۂ سار خیزد از ہامون ۔۔۔ زبسکہ قہقہۂ کبک آید از کہسار

شیراز میں آج بھی ہر علم و فن کے اہلِ کمال موجود ہیں چنانچہ قاآنی کا قول ہے ؎

منجمانش بہ پیر بخ زیچ و اصطرلاب ۔۔۔ زار تقاریعِ تقادیم و اختران ہشیار

(باقی در صفحہ آئندہ)

علم کی نہریں جاری تھیں یعنی مختلف مدارس اور خانقاہوں میں فخرِ روزگار علما درس دیتے تھے۔ اور غالباً یہی مقناطیسی قوت شیخ کو شیراز میں کھینچ لائی تھی۔ چنانچہ ایک متعدد طالب العلم کی حیثیت سے شیخ نے بھی تمام شیراز کا چکر لگایا اور تمام علمائے شیراز کی خدمت کی اور اُن کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔

شیخ کے اساتذہ شیراز میں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بیضاوی۔ ابواحمد عبدالوہاب بن رامین نہایت نامور علما ہیں۔ اور جب ایک عرصہ کے بعد فقہ، اصول فقہ اور استخراج مسائل میں کافی مہارت ہوگئی تو شیراز کو خیرباد کہا۔ بصرے کا رخ کیا۔ یہاں علامہ ابن جوزی کی درس گاہ سے فائدہ اُٹھایا۔ لیکن چونکہ تحقیقات علمی سے طبیعت ہنوز مستغنی نہ ہوئی تھی اور آتشِ علم سینہ میں مشتعل تھی اس لئے چند روز کے بعد بصرے کو الوداع کہکر دارالسلام بغداد کو روانہ ہوئے اور شوال ۴۱۵ھ (۱۰۲۴ء)

اس وقت قادر باللہ عباسی تخت سلطنت پر حکمراں تھا۔ اور آل بویہ کے امراء کا زور تھا۔ آل عباس کی سلطنت کمزور ہوگئی تھی۔ لیکن بغداد کی علمی شہرت میں کوئی زوال نہیں آیا تھا اور اُس وقت تک دنیائے اسلام میں علم وفن کا مرکز مانا جاتا تھا۔

بغداد میں دارالخلافہ ہونے کے لحاظ سے سیکڑوں بابِ علم کھلے ہوئے تھے، مگر سب سے رفیع الشان، قاضی ابوطیب طبری کی محفل درس تھی، اور اسی باکمال کی شاگردی پر شیخ کی تعلیم کا خاتمہ ہوگیا۔ اور قاضی صاحب کے فیض تعلیم سے شیخ ابواسحٰق بحرالعلوم بن گئے۔ اور زمانے نے اُن کو علمائے شافعیہ کا ایک اعلیٰ رکن تسلیم کیا۔ فقہ اور اصول فقہ میں مجتہدانہ حیثیت سے وہ امام مانے گئے۔ صحت روایت میں محدثین اپنا پیشوا جانتے ہیں۔ جماعت متکلمین اُن کی

ندیدہ نبض حکیمانش از کمال وقوف   خبر دہند ز رنج نہانِ ہر بیمار

زلحن مرثیہ خوانان او گدازد سنگ   چو چشم عاشق بیدل ز دوریِ دلدار

ہزار محفل و در ہر یکے ہزار ادیب   ہزار مدرس و در ہر یکے ہزار اسفار

محلات، دارالعلوم، مساجد، مزارات، دارالشفا، قہوہ خانجات، بازار و مقامات، کاروانسرا، باغات، سرکاری مکانات قدیم قبرستان، حمامات، بکثرت موجود ہیں۔ جن میں سے ہر نہر کی تفصیل کے واسطے ایک دفتر چاہئے۔ ناظرین مرزا فرصت شیرازی کا سفرنامہ ملاحظہ فرمائیں۔ جو اس زمانہ میں سب سے اخیر سفرنامہ ہے۔

وقت نظر اور بلند خیالی کے قائل ہے، علمائے اصول اُن کی تصنیفات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ استنباط احکام اور استخراجِ مسائل میں فقہا ان کے ہر قول کو آیت و حدیث سمجھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ صوفی اپنا شیخ جانتے ہیں۔ بہرحال شیخ بہ لحاظ صفات ظاہری اور باطنی قابلِ فخر و عزت ہیں۔

خواجہ نظام الملک کی طبیعت میں سوز و گداز اور خدا کا خوف بہت تھا۔ اور آخرت کا کھٹکا اُس اُس کو دنیا سے زیادہ رہا کرتا تھا اس لئے خواجہ نے ارادہ کیا کہ "ایک محضر تیار کروں جس پر تمام رعایا اور امرا اور علما کے دستخط ہوں، اور اگر وہ تصدیق کردیں، کہ میں نے کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی ہے، تو قیامت کے دن یہ محضر میرے حق میں رہائی کا پروانہ ہوگا۔" چنانچہ اس خیال کے مطابق اُس نے دستخط بنوانا شروع کئے۔ لوگوں نے بڑے بڑے لمبے چوڑے الفاظ میں خواجہ کی تعریف لکھی۔ لیکن جب وہ محضر شیخ ابواسحٰق کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے یہ مختصر جملہ لکھا "خَيْرُ الظَّلَمَةِ حَسَنٌ" یعنی اور سب ظالموں میں حسن (خواجہ نظام الملک کا نام حسن تھا) اچھا ہے۔ جب خواجہ نے یہ فقرہ دیکھا تو اُس کو نہایت رقت ہوئی اور کہنے لگا کہ ابواسحٰق سے زیادہ کسی عالم نے سچ نہیں لکھا ہے۔[1]

روایت ہے کہ خواجہ کے انتقال پر کسی نے اُسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ پروردگارِ عالم نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ تو اُس نے جواب دیا کہ "خدا نے مجھے ابواسحٰق کی سچی تحریر کے صلے میں بخش دیا۔"

بہرحال خواجہ کی بخشش کا سبب اُس کے اعمالِ حسنہ ہوں یا شیخ کی تحریر، ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے، مگر اس واقعہ سے شیخ ابواسحٰق کی راستی و دیانت کا حال کھلتا ہے اور ابنِ خلکان کے اس مقولہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ "وَكَانَ فِيْ غَايَةٍ مِنَ الْوَرَعِ وَالتَّشَدُّدِ فِي الدِّيْنِ۔"

شیخ کے مزاج میں انصاف پسندی از حد تھی۔ چنانچہ مشہور ہے کہ "ایک بار لوگوں نے استفتا پیش کیا۔ معلوم نہیں اُس وقت آپ کس خیال میں تھے کچھ کا کچھ لکھ گئے۔ امام ابو نصر بن صبّاغ نے جو ان کے ہم عصر تھے اس فتوے کو دیکھ کر صاحب استفتا سے کہا کہ "یہ غلط ہے ابواسحٰق

---

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۱۷۰۔ حالات نظام الملک۔ ابن خلکان حالات ابواسحٰق۔

کے پاس نظرثانی کے واسطے لے جاؤ"۔ چنانچہ آپ نے دیکھا تو حقیقت میں غلطی تھی اپنے قلم سے فتوی صحیح کیا اور اُس پر اس قدر عبارت اور لکھدی "اَلْحَقُّ مَا قَالَہُ الشَّیْخُ ابْنُ صَبَّاغٍ وَاَبُوْ اِسْحٰقَ مُخْطِیٌّ" یعنی ابن صباغ کی تحریر صحیح ہے اور ابو اسحٰق غلطی پر ہے"۔

یہ واقعہ زمانۂ حال کے علما کے واسطے ہدایت ہے، کیونکہ اکثر مدعیانِ علم کا یہ حال ہے کہ ایک جھوٹ کے سچ ثابت کرنے کے لئے اُن کو سو جھوٹ بولنا گوارا ہوگا، مگر خطا کا اقرار شاید ہی زبان یا قلم سے ہو سکے!!

شیخ ابو اسحٰق، نہایت روشن خیال اور مدبر علما میں سے تھے چنانچہ ۴۶۷ھ میں خلیفہ قائم بامر اللہ کے انتقال پر المقتدی بامر اللہ کا انتخاب محض آپ کی رائے سے ہوا تھا اور اس انتخاب سے ملک کا ایک بڑا فتنہ دب گیا۔ اور اس سے مہتم بالشان شیخ کی وہ سفارت ہے جو خلیفہ مقتدی[1] بامر اللہ نے ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں بھیجی تھی۔ جب یہ سفارت نیشاپور پہنچی تو امام الحرمین اور تمام اہل نیشاپور نے استقبال کیا اور ملک شاہ نے خاص دربار منعقد کر کے شیخ کو بلایا اور خلیفہ مقتدی کی طرف سے جو شرائط شیخ نے پیش کیں وہ سب ملک شاہ نے بلا عذر تسلیم کر لیں۔ خواجہ نظام الملک نے ملک شاہ سے بھی زیادہ شیخ کی تعظیم و تکریم کی۔ کیونکہ وہ اول سے شیخ کا معتقد تھا اور اہم معاملات میں اکثر شیخ سے مشورہ کیا کرتا[2] تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ علما کی قوت، سلطنت کی طاقت سے بڑھکر ہے۔ بشرطیکہ علما میں روشن خیالی، آزادی، اور صلح کل ہونے کا مادہ ہو۔ مگر علما نے اپنے ہاتھ سے اپنی قوت کو کھو دیا ہے اور انھوں نے سمجھ لیا ہے کہ ہمارا کام صرف فتویٰ دینا ہے اور کچھ نہیں۔ برخلاف اس کے اُس عہد کے علما میں یہ تمام صفتیں موجود تھیں۔ وہ ضرورت کے وقت سلطنت کے اہم خدمات کو نہایت قابلیت سے انجام دیتے تھے، جس کے مصداق خود شیخ کے حالات ہیں۔ شیخ ابو اسحٰق نے چند تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں چنانچہ سب سے مفید اور بیش قیمت کتاب تنبیہ فی فروع الشافعیہ ہے، یہ کتاب علم فقہ میں ہے اور اس قدر جامع ہے کہ مصنف کا یہ فخریہ دعوی تھا کہ میں ہر مسئلہ

---

[1] تاریخ آل سلجوق صفحہ ۶۴ مطبوعہ مصر [2] تاریخ کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۔

[3] آداب الوزارت میں خواجہ نظام الملک اور شیخ کی ایک تقریر درج ہے۔

کا جواب کتاب تنبیہ سے دے سکتا ہوں۔ دوسری کتاب فقہ میں "المہذب فی المذہب" ہے تیسری کتاب اصول فقہ میں "لمع" ہے۔

علاوہ ان کے کتاب "النکت" (خلاف میں) تبصرہ (اصول فقہ میں) المعونۃ، التلخیص (جدل میں) طبقات الفقہا تاریخ میں مشہور کتابیں[1] ہیں۔

۲۱ر جمادی الاولی ۴۷۶ھ میں چار شنبہ کی رات کو ابو المظفر بن رئیس الروسا کے مکان پر جانب شرقی بغداد میں شیخ کا انتقال ہوا۔ ابوالوفا ابن عقیل نے غسل دیا اور تجہیز و تکفین کی۔ جنازے کی نماز دو مرتبہ ہوئی جس میں خلیفہ مقتدی بامراللہ خود بھی شریک ہوا۔ باب آب زر" میں دفن کئے گئے ابوالقاسم ابن ناقیا شاعر نے مرثیہ لکھا۔ جس کے بعض اشعار ابن خلکان نے نقل کئے ہیں شیخ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ مگر تصنیفات، جو اُن کی فضل و کمال کی ایک دائمی یادگار ہے اور اسی باقیات الصالحات میں شیخ کے نامور شاگرد بھی داخل ہیں۔

(۲) ابوالمعالی، امام الحرمین، عبدالملک جُوَینی

خواجہ نظام الملک کی صوفیانہ مجلس کے دوسرے رکن، امام الحرمین ہیں، دربار ملک شاہ سلجوقی اور بارگاہ خواجہ میں امام الحرمین کا بڑا اعزاز کیا جاتا تھا۔ اور خواجہ سے خاص اوقات میں تخلیہ کی صحبت رہتی تھی۔

امام الحرمین کی کنیت ابوالمعالی، لقب ضیاء الدین، اور نام عبدالملک تھا۔ اور پورا نام مع مختصر نسب نامہ کے یہ ہے۔ امام الحرمین ابوالمعالی ضیاء الدین، عبدالملک بن شیخ ابو محمد عبداللہ بن ابو یعقوب یوسف بن عبداللہ بن حَیّو یہ جُوَینی[2]۔

امام صاحب کا خاندان ہمیشہ علم و فضل کا مرکز رہا ہے۔ چنانچہ اُن کے دادا شیخ ابو یعقوب یوسف علمائے شافعیہ میں ایک ممتاز عالم تھے۔ اور والد شیخ ابو محمد۔ تفسیر، فقہ، اصول، عربیت اور ادب

---

[1] تصنیفات کے مفصل حالات کے لئے دیکھو کشف الظنون جلد ۱ و ۲۔

[2] جُوَین۔ بسطام سے نیشاپور کو جو قافلہ کی سڑک ہے اس پر جوین واقع ہے۔ یہ نہایت سرسبز اور آباد پرگنہ ہے۔ آبادی بشکل مستطیل دو پہاڑوں کی فضا میں واقع ہے جس کی ایک حد جانب قبلہ بیہق سے اور جانب شمال دوسری حد اجاجرم سے ملتی ہے۔ نیشاپور سے ۳۰ میل کا فاصلہ ہے۔ مراصد الاطلاع و گنج دانش۔ حالات تبریز صفحہ ۲۰۲

میں امام تھے۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ نیشاپور میں مدتوں درس و افتا کا سلسلہ شیخ ابو محمد کی ذات سے جاری رہا۔ ۴۳۴ھ میں انتقال فرمایا۔ تصنیفات میں تفسیر کبیر، تبصرہ، تذکرہ، مختصر المختصر، کتاب الفرق والجمع وغیرہ یادگار ہیں۔

امام الحرمین بمقام جوین محرم کی اٹھارھویں تاریخ ۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔

اُن کے انتقال پر مدرسہ بیہقیہ میں داخل ہو گئے یہ وہ نامور مدرسہ ہے جو تمام اسلامی دنیا میں سب سے پہلے اعلیٰ تعلیم کے واسطے بمقام نیشاپور کھولا گیا۔ ان دنوں ابوالقاسم اسکافی اس مدرسہ کے مدرس اعظم تھے۔ یہاں امام صاحب نے علم اصول میں کمال حاصل کیا اس کے بعد بغداد گئے اور وہاں کے مشاہیر علما سے مستفید ہوئے۔ جب تحصیل علم سے فراغ ہو گیا تو نیشاپور چلے آئے اور علمی خدمت میں مصروف ہو گئے لیکن ایک خاص واقعہ نے امام صاحب کو نیشاپور چھوڑنے پر مجبور کیا اور آپ حجاز کو چلے گئے۔ چنانچہ چار سال تک مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں حلقۂ درس قائم کیا۔ اور جس قدر فتوے آتے تھے اُن کے جواب بھی تحریر فرماتے تھے۔
ان مقدس مقامات میں امام صاحب کی بڑی عزت ہوئی اور امام الحرمین کا قیمتی خطاب ان ہی گھروں کا عطیہ ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے (واقعات ۴۵۵-۴۵۶ھ) کہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے عمید الملک کندری کو قتل کر کے خواجہ نظام الملک کو وزیر اعظم کر دیا تھا۔ اور چونکہ خواجہ خود صاحب فضل و کمال تھا۔ اس وجہ سے اُس کی علمی قدردانی، اور عدل و انصاف، کی شہرت اطرافِ عالم میں بہت جلد پھیل گئی۔ اور عمید الملک کی تحریک سے مساجد میں امام ابوالحسن اشعری پر خطبہ میں جو لعنت پڑھی جاتی تھی وہ بند کرادی گئی تھی چنانچہ خواجہ کی یہ بےتعصبی امام صاحب کو بہت پسند آئی اور مکہ معظمہ سے پھر نیشاپور واپس آئے۔ یہاں خواجہ نظام الملک نے امام الحرمین کا وہ اعزاز کیا جو اُن کی شان کے لائق تھا اور محض اُن کی خاطر سے نیشاپور میں ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا جو نظامیہ نیشاپور کے نام سے مشہور ہے (نظامیہ کے تفصیلی حالات اپنے موقعہ پر تحریر ہیں)، چنانچہ امام الحرمین اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر کئے گئے۔ اور شہرت عام کی وجہ سے حلقۂ درس میں اکثر ائمۂ علم و فن جمع ہوا

کرتے تھے، کیونکہ امام الحرمین کی تقریریں بھی مسئلہ زیر بحث میں بے ربطی نہ ہونے پاتی تھی۔ بلکہ اول سے آخر تک سلسلۂ کلام یکساں رہتا تھا۔

وعظ کے واسطے صرف جمعہ کا دن تھا۔ اور یہ مجلس بھی نہایت پُر لطف ہوتی تھی۔ غرضکہ کامل تیس برس تک امام الحرمین نے علم و مذہب کی خوب خدمت کی۔ اس کے علاوہ سرکاری حیثیت سے تمام مذہبی صیغوں کے افسر تھے۔ وعظ، امانت، خطابت، اور اوقاف کے شرعی احکام آپ کے حکم اور دفتر سے جاری ہوتے تھے۔ اور مفتیِ عدالت کی حیثیت سے ملک شاہ کی نظر میں بڑی عزت تھی جس کے ثبوت میں صرف ایک واقعہ لکھنا کافی ہے۔

علامہ جلال الدین محقق دوانی اپنی کتاب اخلاق جلالی میں لکھتے ہیں کہ "ایک دفعہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے حکم کے مقابلہ میں امام الحرمین نے منادی کرادی کہ سلطان کا حکم غلط ہے اور وہ حکم دینے کا منصب نہیں رکھتا ہے" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ رمضان المبارک کی انتیسویں تاریخ کو عید الفطر کے سبب سے سلطان نے اپنا ملکی دَورہ ملتوی کردیا۔ اور دارالسلطنت نیشاپور میں قیام فرمایا اور شام کے وقت معہ ارکان دولت کے چاند دیکھنے میں مصروف ہوا، اگرچہ آسمان پر چاروں طرف سے انگلیاں اُٹھیں۔ مگر ہلال عید نے مشتاقان عید کو اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔ مگر جن مصاحبوں کو انتیس کی عید کی خوشی تھی اُنھوں نے بغیر تکمیل شرائط مذہب، سلطان سے کہہ دیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے اور سلطان کو رویت ہلال کا یقین دلا کر تمام شہر میں ڈھونڈورا پٹوا دیا۔ کہ کل عید ہے۔ جب امام الحرمین کے کانوں تک یہ صدا پہنچی تو اُنھوں نے دوسری منادی کا بایں الفاظ حکم دیا "ابو المعالی کہتا ہے کہ کل تک ماہ رمضان ہے جو میرے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے، اُسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے" قبل از وقت عید کی خوشی منانے والوں نے جب مفتیِ شرع کی منادی سُنی تو سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بُرے عنوان سے منادی کے الفاظ کا اعادہ کیا۔ اور سلطان کو سمجھایا کہ "ابو المعالی کے خیالات سلطنت کی طرف سے اچھے نہیں ہیں اور عوام اُن کے معتقد ہیں۔ اگر بندگانِ عالی کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہو گی" ملک شاہ کو امام الحرمین کا اعلان ناگوار تو ضرور ہوا مگر چونکہ مزاج کا نیک اور مذہب کا پکا تھا۔ اور علمائے ملت کی عظمت اُس کے دل میں بہت کچھ تھی، اس لئے چند ارکان دولت کو حکم دیا کہ۔

"امام صاحب کو ادب اور تعظیم کے ساتھ اپنے ہمراہ لاؤ" مفسد یہاں بھی باز نہ آئے اور عرض کیا کہ "جس شخص نے حکم شاہی کی عزت نہیں کی وہ واجب الاحترام نہیں ہے"۔ اس پر سلطان نے فرمایا کہ "جب تک امام صاحب سے دوبدو گفتگو نہ ہو ایسے رفیع القدر کی بے حرمتی نہیں ہوسکتی ہے"۔

القصہ درباری امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور پادشاہ کا پیام سنایا۔ امام صاحب اُس وقت جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اُسی طرح اُٹھ کھڑے ہوتے اور درِ دولت پر حاضر ہوئے۔ جب حاجب نے دیکھا کہ امام صاحب درباری لباس میں نہیں ہیں تو اُس نے اطلاع کی کہ "پہلی عدول حکمی کے قطع نظر دوسری گستاخی امام صاحب نے یہ کی ہے کہ بارگاہ سلطانی کا ادب بھی بالائے طاق رکھدیا ہے۔ اور معمولی لباس پہن کر تشریف لاتے ہیں"۔ اس فقرے نے ملک شاہ کو اگرچہ گرما دیا تھا مگر پھر بھی امیر حاجب کے توسط سے دریافت کیا کہ "جب امام صاحب کو معلوم ہے کہ دربار کا ایک خاص لباس مقرر ہے تو پھر اس ہیئت کذائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں"؟ امام صاحب نے اونچی آواز سے کہا کہ "سلطان کو مجھ سے گفتگو کرنا چاہیئے کیونکہ میری تقریر دوسرے شخص سے ادا نہیں ہوسکتی ہے"۔ چنانچہ سلطان نے اپنے سامنے بلایا اور امام صاحب نے سلطان کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے سلطان! میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعًا جائز ہوتی ہے۔ پس جب کہ خدا کے سامنے میں اس طرح جاتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے۔ اور میں نے چاہا تھا کہ لباس تبدیل کروں پھر خیال ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں لکھ لیں اور بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت ہو۔ لہٰذا میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح سے چلا آیا"۔

سلطان نے فرمایا کہ "جب بادشاہِ اسلام کی اطاعت آپ کے نزدیک اس قدر واجب ہے تو پھر ماہ دولت کے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں"؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "جو امور فرمان سلطانی پر موقوف ہیں اُس کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتوے سے متعلق ہے وہ پادشاہ کو مجھ سے پوچھنا چاہیئے کیونکہ بحکم شریعت علما کا فتوی حکم شاہی کے برابر ہے روزہ رکھنا، عید کرنا، یہ امور فتوے پر موقوف ہیں بادشاہ وقت کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔ جب ملک شاہ نے امام صاحب کی تقریر سُنی۔ تو اُس کا غصہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوا اور اعزاز سے رخصت کیا"۔ اور

اعلان کردیا کہ "میرا حکم درحقیقت غلط تھا اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے۔" ملک شاہ کی انصاف پسندی اور امام الحرمین کی آزادی ہمارے زمانہ کے علما اور مسلمان حکمرانوں کے واسطے ایک قیمتی نصیحت ہے۔

امام الحرمین بڑے پایہ کے مصنف تھے۔ اور مختلف علم وفن میں ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

نہایۃ المطلب، شامل، برہان، تلخیص التقریب، ارشاد، عقیدۃ النظامیہ، مدارک العقول، غیاث الامم، مغیث الخلق، غنیۃ المسترشدین وغیرہ۔

ان تصنیفات کے علاوہ علوم الصوفیہ میں خاص ملکہ تھا۔ اور جب کبھی تصوف پر وعظ فرماتے تھے تو مجلس کو لٹا دیتے تھے۔ ۴۷۸ھ میں ربیع الآخر کی پچیسویں تاریخ چہارشنبہ کی رات کو بعد نماز عشا، امام الحرمین نے انتقال فرمایا۔ بیماری کی حالت میں لوگ قریہ باشتان میں اُٹھا لے گئے کیونکہ نواح نیشاپور میں اس جگہ کی آب وہوا ضرب المثل ہے۔ مگر انتقال کے بعد رات کے وقت جنازہ نیشاپور آیا۔ اور اپنے گھر میں دفن کئے گئے۔ پھر چند سال کے بعد مقبرۂ حسین میں نعش منتقل کردی گئی اور اپنے والد کے پہلو میں ہمیشہ کے واسطے آرام فرمایا۔

امام صاحب کے حلقۂ درس میں چار سو طلبا تعلیم پاتے تھے۔ ان میں سے تین سب سے ممتاز تھے۔ کیا ہراسی، احمد بن محمد خوافی، اور امام غزالی۔ مگر آخر میں امام غزالی خود امام الحرمین سے بڑھ گئے۔ جس کی تصدیق امام غزالی کے حالات سے ہوتی ہے۔

امام الحرمین کی وفات کے بعد نیشاپور کے تمام بازار بند ہوگئے اور جامع مسجد کا ممبر توڑ دیا گیا اور تمام شاگردوں نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور ایک سال تک ماتم میں مصروف رہے شعرا نے متعدد مرثیے لکھے ہیں۔

خواجہ علاء الدین عطا ملک جوینی مصنف تاریخ جہاں کشا اور خواجہ شمس الدین محمد وزیر اباقاخان امام الحرمین کے پوتے ہیں۔

(۳) امام ابوالقاسم قشیری

تیسرے رکن اس مجلس کے امام ابوالقاسم ہیں۔ پورا نسب نامہ آپ کا یہ ہے۔

ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ بن محمد قشیری۔ امام ابوالقاسم فقہائے شافعیہ کے مشہور رکن ہیں۔ اور طبقۂ صوفیہ میں بہ لحاظ عظمت وشان امام وقت سمجھے جاتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک کو بھی امام صاحب سے بہ حیثیت ایک عالم باعمل اور عارف کامل خاص عقیدت تھی اور امام صاحب بھی خواجہ کی مجلس میں کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے۔ اور اپنے مفید خیالات اور وعظ و نصیحت سے خواجہ کو فائدہ پہنچاتے تھے۔

ابن خلکان کی روایت ہے کہ امام صاحب فقہ، حدیث، تفسیر، اصول، ادب، شعر اور کتابت میں علامۂ روزگار تھے۔ اور تصوف میں خاص پایہ تھا چنانچہ امام صاحب نے شریعت و طریقت کو ملاکر ظاہر و باطن کا رشتہ ثابت کردیا تھا اور اس اجتہاد سے امام صاحب کی بڑی شہرت ہوگئی تھی۔

امام صاحب عربی النسل تھے۔ اور قشیر بن کعب آپ کے جد اعلیٰ تھے اور اسی نسبت سے آپ قشیری مشہور ہیں۔ عرب سے نکل کر آپ کے بزرگ استوا[1] کے کسی گاؤں میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ مگر امام صاحب نے نیشاپور میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اور عمر طبعی کی تمام منزلیں نیشاپور میں طے کیں۔

باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ اس وجہ سے ابتدائی تعلیم و تربیت نہیں ہوئی۔ بلکہ جوان ہوکر طالب علمی شروع کی اور آخر کو کامیاب ہوئے اور مقتدائے ملک و ملت قرار پائے۔ اور سب سے پہلے بہ نظر تعلیم، آپ ابوبکر محمد طوسی کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور فقہ سے ابتدا کی۔ جب اس میں فراغ حاصل ہوگیا تو استاذ ابوبکر بن نورک[2] کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

---

[1] اُستوا نیشاپور کے ایک مشہور و معروف پرگنہ کا نام ہے جس میں ۹۳ گاؤں تھے اور اس کا مشہور قصبہ "خوشان" ہے امام قشیری اسی پرگنہ کے کسی موضع میں رہتے تھے مراصد الاطلاع صفحہ ۷۔

[2] ابوبکر محمد بن حسین بن نورک اصفہانی مشہور متکلم ہیں لیکن اصول، ادب، نحو، میں بھی یکتا تھے۔ واعظ بھی اول درجہ کے تھے ابتدا میں ایک عرصہ تک عراق میں قیام کیا پھر رے سے نیشاپور تشریف لائے۔ یہاں کے علم دوست لوگوں نے خاص آپ کے لئے ایک مدرسہ بنایا اور آپ اس میں درس دیتے رہے۔ صرف اصول فقہ، اور معانی القرآن کے متعلق ایک سو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مناظرہ میں خاص کمال تھا۔ ۴۰۶ھ میں زہر دیا گیا اور یہی باعث موت ہوا۔ حیرہ میں دفن ہوئے (نیشاپور کے ایک محلہ کا نام حیرہ ہے) ابن نورک بھی خواجہ کے درباریوں میں تھے اور کتاب "النظامی فی اصول الدین" خواجہ نظام الملک کے واسطے تصنیف کی تھی۔ ابن خلکان صفحہ ۴۸۲۔ آثار البلاد صفحہ ۳۲۳۔ جلد اول مطبوعہ بیروت ۱۸۶۰ء۔

اور علم الاصول میں کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد ابواسحٰق اسفرائینی کے مدرسہ میں داخل ہوئے، اور ایک مدت تک تکمیل علوم و فنون میں مصروف رہے اور آخر میں اسی درس گاہ سے فراغ حاصل کیا۔ اور تفسیر میں کتاب التیسیر لکھی۔ عبدالکریم قشیری بہ لحاظ فضل و کمال چونکہ اب نامور علما کے درجہ پر پہنچ گئے تھے اس لئے شیخ ابو علی دقاق نے جو واقف اسرار شریعت اور رہنمائے طریقت تھے اپنی بیٹی کا عقد امام صاحب سے کر دیا۔ تھوڑے زمانہ کے بعد جب شیخ کا انتقال ہو گیا تو امام صاحب نے مجاہدہ اور تجرید کا مسلک اختیار کر لیا اور ہمہ تن تصوف پر جھک پڑے۔ اور اسی زمانہ میں رجال طریقت کے حالات میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام "رسالہ" ہے۔ پھر حج کو تشریف لے گئے۔

امام ابو محمد جُوَینی اور ابو بکر احمد بن حسین بیہقی جیسے فخر روزگار علما کے علاوہ ایک جماعت ہمراہ تھی۔ اس سفر میں فرض حج کے علاوہ بغداد اور حجاز میں متعدد شیوخ سے حدیث کی سماعت کی اور اخیر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ مگر وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری رہا۔

ابوالحسن علی الباخرزی نے اپنی کتاب دمیۃ القصر میں امام صاحب کی بڑی تعریف کی ہے۔ اور وعظ کے پر اثر جلسہ پر نہایت مختصر مگر فصیح و بلیغ رائے لکھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

لہ ابواسحٰق اسفرائینی، حالات نمبر نیشاپور میں آپ کا تذکرہ تحریر ہے ٭ ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ ابن موسیٰ بیہقی۔ نامور حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ جامع علوم و فنون تھے۔ مگر حدیث میں خاص شہرت ہوئی کیونکہ عراق، جبال، حجاز، خراسان کا سفر کر کے ان مقامات کے شیوخ سے حدیث حاصل کی تھی۔ امام الحرمین، احمد کے فضل و کمال کی شہادت دیتے ہیں۔ سنن کبیر، سنن صغیر، دلائل النبوۃ، سنن والآثار، شعب الایمان، مناقب الشافعی وغیرہ تصنیفات میں مشہور ہیں۔ ۳۸۴ھ میں ولادت ہوئی اور ۴۵۸ھ میں بمقام نیشاپور انتقال ہوا۔ بیہق میں دفن کئے گئے۔ ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۔

ٹہ ابوالحسن علی بن حسن بن علی بن ابوالطیب الباخرزی۔ نہایت نامور ادیب اور فصیح و بلیغ شاعر ہوا ہے ابتدا میں طغرل بیگ سلجوقی کا کاتب تھا۔ پھر ملازمت چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گیا۔ عربی فارسی کا دیوان موجود ہے۔ ۴۶۷ھ میں شہید ہوا ملک شاہ سلجوقی کی مدح میں یہ رباعی مشہور ہے ؎

خاقان علم و کوس ملک شاہ کشد | فغفور بساط شاہ برماہ کشد
چیپال سراپردہ خرگاہ کشد | قیصر بستور گاہ درگاہ کشد

مجمع الفصحا صفحہ ۳۴۴

"لوقرع الصخر بصوت تحذیرہ لذاب ولو ربط ابلیس فی مجلسہ لتاب" یعنی اگر امام قشیری کی ڈرانے والی آواز پتھر سے ٹکرا جائے تو وہ گھل کر بہ جائے اور اگر ابلیس اُن کی مجلس میں شریک ہو تو وہ اپنی شیطانیت سے توبہ کرے۔

امام قشیری اصول میں اشعریہ اور فروع میں شافعیہ تھے۔ شعر و سخن سے بھی ذوق تھا۔ شہ سواری اور استعمال اسلحہ میں امام قشیری قابل تعریف مہارت رکھتے تھے ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء ربیع الآخر کی سولہ تاریخ سنیچر کے دن قبل طلوع آفتاب یہ فضل و کمال کا سورج غروب ہو گیا۔ ربیع الاول ۳۷۶ھ میں ولادت ہوئی تھی۔ نیشاپور میں شیخ ابوعلی دقاق کے پہلو میں یہ نامور خواب استراحت میں ہے۔

امام صاحب نے اپنے انتقال پر بڑا کنبہ چھوڑا۔ لیکن آپ کی اولاد میں جو سب سے نامور ہوا وہ اُن کا بیٹا ابونصر عبدالرحیم تھا۔ مورخین نے شیخ ابونصر قشیری کے بھی حالات لکھے ہیں اور علوم حال قال اور مجالس تحذیر و تذکیر میں ان کے والد کا ہم پلہ بتایا ہے۔

(۴) ابوعلی فارمذی

چوتھے رکن اس مجلس کے صوفی ابوعلی فارمذی ہیں۔ پورا نام یہ ہے۔ فضل بن محمد بن علی المشہور بہ شیخ ابوعلی فارمذی۔ شیخ ابوعلی طبقۂ صوفیہ میں شیخ الشیوخ کا درجہ رکھتے ہیں۔ علوم ظاہری میں امام ابوالقاسم قشیری کے شاگرد تھے۔ اور ابوالقاسم علی بن عبداللہ کرمانی سے بیعت تھی۔ شیخ ابوعلی نے جو کچھ پایا وہ اسی قطب زمانہ کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ اور شیخ کی فضیلت میں شاید اس قدر لکھنا کافی ہوگا کہ جب امام غزالی علیہ الرحمہ کو علوم معرفت کی ضرورت محسوس ہوئی تو انھوں نے ابوعلی کو اپنا شیخ بنایا اور مرید ہوئے، جو لوگ امام صاحب کے فضل و کمال سے واقف ہیں وہ اس انتخاب سے ابوعلی فارمذی کا درجہ قیاس کر سکتے ہیں۔ کامل ابن اثیر کی روایت ہے کہ شیخ ابوعلی جب خواجہ نظام الملک کے دربار میں تشریف لاتے تھے تو خواجہ اپنی جگہ سے اُٹھکر شیخ کا استقبال کرتا۔ پھر اپنی مسند پہ بٹھا کر خود الگ ہو جاتا اور شیخ کے سامنے بیٹھکر ادب سے گفتگو کرتا تھا۔ چنانچہ خواجہ کے اس ادب کو دیکھکر کسی نے پوچھا کہ آپ دیگر صوفیوں کی ایسی عزت و تعظیم کیوں نہیں کرتے ہیں؟ کہا کہ اور حضرات جب مجھ سے ملنے آتے ہیں تو وہ میری تعریف کرتے ہیں۔ کہ آپ ایسے ہیں۔ اور ایسے ہیں بلکہ اُن صفات سے یاد کرتے ہیں کہ جو مجھ میں نہیں ہیں، اور

ایسی مدح سرائی سے ظاہر ہے کہ نفس مغرور ہو جاتا ہے برخلاف اس کے شیخ ابو علی مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتے ہیں اور میں اُن کی ہدایت سے مستفید ہوتا ہوں۔ حقیقت میں ایک عارفِ کامل اور گوشہ نشین زاہد اگر کسی بادشاہ یا امیر کبیر سے ملے تو اس کی ملاقات کا منشا بجز ہدایت اور پند و نصیحت کے اور کچھ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ دنیا کے خود غرض بندوں میں یہ جسارت نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے رفیع الشان لوگوں کو نصیحت کریں۔ اور مقدس لوگوں کی ہدایت کا جیسا اثر ہوتا ہے وہ تاریخ سے ظاہر ہے۔ مگر ہمارے زمانے کے صوفیہ کا ایسی صحبتوں میں بھی وہی حال ہے جس کی خواجہ نظام الملک نے شکایت کی ہے۔

نصیحت پذیری خواجہ نظام الملک چونکہ ان بزرگوں سے بے تکلف ملا کرتا تھا لہٰذا یہ حضرات بھی جو عیوب خواجہ میں دیکھتے تھے وہ اُس کے منہ پر صاف کہہ دیا کرتے تھے اور خواجہ اُس سے متنبہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان ہی واقعات کے ذیل میں روضۃ الصفا میں ایک طولانی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ[1]۔

سنہ ۴۷۹[2] (۱۰۸۶ء) ہجری میں سلطان ملک شاہ جب اول مرتبہ بغداد گیا ہے تو خواجہ بھی ہمراہ تھا چنانچہ مقدس مقامات کے زوار اور دیگر ارباب حاجت نے جب خواجہ کو گھیر لیا تو اُس نے بھی کسی سائل کو اپنی فیاضی سے محروم نہ رکھا۔ لیکن واپسی پر جب فردِ حساب ملاحظہ کی تو واضح ہوا کہ بمد عطیات دو لاکھ روپے (۴۰ ہزار دینار) صرف ہو گئے ہیں۔ اس لیے خواجہ نے حکم دیا کہ فی الحال وظائف ملتوی کیے جائیں۔ اور کوئی سائل میرے پاس نہ آنے پائے۔

چنانچہ شیخ ابو سعد واعظ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو وہ خواجہ سے ملے اور اپنی کتاب موسومہ "نصیحۃ النظامیہ" کے ایک باب پڑھنے کی اجازت چاہی اور خواجہ کی اجازت پر شیخ نے پڑھنا شروع کیا۔ جس کے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے۔ حاجت مند اگر کسی امیر کے پاس جائے اور وہ اُس کی خواہش نہ پوری کرے تو اُس پر کوئی عذاب نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ شخص جس کو باری تعالیٰ نے اپنے بندوں اور وسیع دنیا پر حکمراں فرمایا ہے۔ اگر وہ حوادث کا انسداد اور مساکین کی امداد نہ کرے یا وقت کا استعمال

[1] روضۃ الصفا صفحہ ۲۰، ۱۲۹۔ حالات نظام [2] چوتھی ذی الحجہ سنہ ۴۷۹ میں ملک شاہ داخل بغداد ہوا تھا تاریخ آل سلجوق مطبوعہ مصر صفحہ ۶۳۔

ٹھیک طور پر نہ کرے (کیونکہ یہ شخص حقیقت میں مزدور ہے۔جس نے اپنے قیمتی وقت کو بیچ ڈالا ہے اور اُس کی اُجرت چاہتا ہے)، تو وہ نہ تو اہل وعیال میں زندہ دلی سے بیٹھ سکتا ہے۔ نہ مطالعہ کا لطف اُٹھا سکتا ہے، نہ اعتکاف وتلاوت کرسکتا ہے۔اُس کے یہ افعال واعمال نوافل سے مشابہ ہیں اور بندگان خدا کی غم خواری کرنا واجب ہے اور اجماع اس پر ہے کہ اداے واجب کے لئے نفل کو ترک کردینا چاہیئے۔خواجہ اگرچہ وزیر ہے مگر حقیقت میں وہ ایک امیر ہے جس کو ملک شاہ نے اپنے نیابت کے لئے ایک خاص اجرت پر لیا ہے تاکہ دنیا میں شہروں اور رعایا کا انتظام، اور آخرت میں سلطان کی جانب سے جواب دہی کرے۔کیونکہ قیامت کے دن ملک شاہ کو خدا کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا اور سوال کیا جائے گا کہ "ملک شاہ! میں نے تجھ کو ایک عظیم الشان سلطنت کی حکمرانی بخشی تھی اور اپنے بندوں کی مہمات کو تیرے سپرد کردیا تھا۔تو نے اُن کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟"

ملک شاہ جواباً عرض کرے گا۔خداوندا تو علام الغیوب ہے۔میں نے تیرے بندوں کا انتظام ایک فرزانہ وعاقل اور مدبر وزیر کے سپرد کردیا تھا کہ وہ عدل وانصاف کرے۔میں نے اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قلم دے دیا تھا۔تاکہ وہ قلم سے حکم لکھے اور تلوار سے ملزموں اور ظالموں کو سزا دے۔اب اس کو حضور میں پیش کرتا ہوں۔ہر قسم کی جواب دہی کا یہ ذمہ دار ہے۔"

اے فخر اسلام: غور فرما کہ اس وقت سب سے اچھا جواب یہ ہوسکتا ہے، کہ یا تو آپ کہیں گے "جب انتظام سلطنت میرے سپرد ہوا تو میں نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور حاجب ودربان کو اُٹھا دیا۔جو مجھ سے طالب ہوئے میں نے اُن سے احسان وسلوک کیا۔" یا آپ یوں عرض کریں گے کہ "میں نے دروازے پر حاجب ودربان مقرر کئے اور ان کو ہدایت تھی کہ مجھ تک کوئی آنے نہ پائے، قاصد اور سفرا واپس کردیئے جائیں اور امیدواروں کو جواب دیدیا جائے۔نوشیرواں مذہباً آتش پرست تھا لیکن فریادیوں کے لئے اُس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا دروازہ پر پاسبان نہ تھا۔ چنانچہ سفیر روم نے ایک بار عرض کیا کہ جہاں پناہ نے تو دشمنوں پر بھی راستہ کھول دیا ہے اور اپنے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں رکھا ہے۔" نوشیرواں نے کہا کہ صرف "عدل میرے لئے حصار ہے۔"

خواجہ! یہ تو ایک آتش پرست بادشاہ کا حال تھا تجھے خدا نے خلعت اسلام سے مزین کیا ہے۔ اس لئے تمام حکام سے بڑھ کر تجھکو عادل ہونا چاہیئے، اور اُس دن کو یاد کر! جس دن پروردگار عالم

اپنے بندوں کو اعمال کا صلہ دے گا۔ لوگ آفتاب محشر کی حرارت سے عرق عرق ہوں گے اور خواجہ اپنی نصفت شعاری کے طفیل سایہ میں کھڑا ہو گا۔ بلند ہمتی اور نفس کی پاکیزگی بدلی کے مشابہ ہے، مگر یہ زمین کی بدلی ہے۔ جب کہ آسمان کے بادل ساری دنیا میں مینہ برساتے ہیں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ زمین کے بادل بارش میں کاہلی کریں؛ اور مروت کے مذہب میں بھی یہ کب جائز ہو سکتا ہے؛ کہ حق سبحانہ تعالیٰ ایک صاحب تدبیر وزیر کو روئے زمین کی حکومت عطا کرے اور وہ دارالسلام بغداد کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور یہ مسلم ہے۔ کہ انسان اس دار فانی میں ہمیشہ نہیں رہے گا لہٰذا بہتر ہے کہ اس چند روزہ زندگی کو غنیمت جانے اور حیات ابدی کے حصول میں کوشش کرے۔ میں نے اس وقت جو کچھ نصیحتاً کہا ہے یہ گویا ایک امانت تھی جو میں نے ادا کر دی ہے اب اس پر عمل کرنا آپ کا کام ہے۔

جب خواجہ نظام الملک شیخ ابو سعد کی تقریر سن چکا تو بہت خوش ہوا اور بطور نذرانہ ایک ہزار دینار پیش کئے لیکن شیخ نے! یہ کہکر واپس کر دیئے کہ "میں باغ و اراضی کا مالک ہوں مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ البتہ آپ کی نیک نامی اور قیام دولت مطلوب ہے"

اس کے بعد خواجہ نے اپنا پہلا حکم منسوخ کر دیا۔ اور ابو سعد کی نصیحت کے مطابق عمل کیا۔[۱]

کامل اثیر وغیرہ میں اس قسم کے واقعات اور بھی تحریر ہیں جس کو ہم نے نظر انداز کر دیا ہے۔

حلم و عفو امیر[۲] ابو نصر بن بابولا کا بیان ہے کہ میں ایک دن نظام الملک کی مجلس میں حاضر تھا اور امام الحرمین بھی تشریف رکھتے تھے کہ ایک حاجت مند آیا اور اس نے اپنی عرضی نظام الملک کی جانب پھینکی جس کے ٹکرانے سے بھری ہوئی دوات مسند پر پلٹ گئی اور عرضی سیاہی میں ڈوب گئی۔ خواجہ نے ہاتھ بڑھا کر عرضی کو پڑھا اور فرمایا کہ "یہ شخص عمامہ اور لباس چاہتا ہے" لیکن سائل کی اس حرکت پر نہ تو چہرہ پر شکن آئی اور نہ کسی قسم کی ناراضی کا اظہار کیا مجھے خواجہ کے اس حلم پر بہت تعجب ہوا اور میں نے اس واقعہ کا استاد الدار سے تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ میں آپ کو اس سے بھی عجیب تر واقعہ سناتا ہوں اور وہ یہ ہے۔

۲- میری نگرانی میں چالیس فراش ہیں جو ہر وقت کے واسطے جداگانہ فرش مقرر تھے) کل

۱؎ کامل اثیر صفحہ ۳ جلد ۱۰ واقعات ۴۶۶ھ ۲؎ طبقات الکبری ابن سبکی حالات نظام الملک۔

شب کو یکایک آندھی آئی اور خواجہ کی بستر پر گرد کی چادریں بچھ گئیں۔ فراشوں کو آواز دی "گر صدائے برنخاست"، تب تو دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہوگئی۔ اور میں نے (اپنے دل میں کہا) کہ ہم سب عذاب کے مستحق ہیں اور جو عذاب ہم پر نازل ہو وہ کم ہے۔ کیونکہ کوئی ایک بھی نہیں ہے جو بستر کو جھاڑ کر بچھاتے اور اس خیال سے میرا غصہ بہت بڑھ گیا۔ جب خواجہ نے میرا بڑبڑانا سنا تو فرمایا کہ "وہ کسی کام سے باہر چلے گئے ہوں گے اور بھلا ایسا کون انسان ہے؛ جس کو ذاتی کام نہ ہوں اور یہی اسباب ہیں جن سے ادائے فرائض میں کوتاہی ہوجاتی ہے اور فراش بھی تو آخر ہمارے جیسے انسان ہیں۔ جیسے ہم دکھ پاتے ہیں ویسے ہی وہ بھی تکلیف اٹھاتے ہیں۔ جن چیزوں کی ہمیں حاجت ہے اُن کے وہ بھی آرزومند ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خدا نے ہم کو اُن پر فضیلت بخشی ہے۔ اس لئے خدا کی نعمتوں کا یہ شکریہ نہیں ہے کہ ہم اُن کو ایسی خفیف باتوں پر سزا دیں۔

۳۔ ابن ہباریہ خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار اور دربار کا مشہور شاعر تھا ایک مرتبہ تاج الملک[۲] ابوالغنائم بن دارست نے جو خواجہ کا مشہور دشمن تھا۔ ابن ہباریہ سے کہا کہ "اگر تم خواجہ کی ہجو لکھو تو میں تم کو مالا مال کر دوں"۔ ابن ہباریہ جو ہجو گوئی میں ضرب المثل تھا اُس نے کہا کہ میں ہجو تو آج لکھ دوں مگر میرا دل مجھکو ملامت کرتا ہے۔ کیونکہ میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے پھر ایسے محسن کی ہجو کیوں کر قلم سے نکلے گی۔ گر خانہ طمع سیاہ باد، آخر دبی زبان سے چند اشعار لکھے جس کا اخیر شعر یہ ہے۔

فالدھر کالدولاب لیس یدور الا بالبقر

آخر بالوں پر گھومتے پھرتے یہ اشعار خواجہ کے بھی کان تک پہنچے۔ خواجہ نے سُنا تو بجز اس کے اور کچھ نہ کہا کہ ابن ہباریہ نے اس مشہور مثل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "اھل طوس بقر" اور یہ میرے طوسی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ خواجہ نے ابن ہباریہ سے نہ تو کوئی جواب

---

[۱] دیباچہ کتاب الصباح غم مصنفہ سید شریف نظام الدین ہباری صفحہ ۵ مطبوعہ بیروت ۱۳۰۸ھ [۲] تاج الملک کے تفصیلی حالات حصۂ دوم میں لکھے گئے ہیں۔ [۳] ہندوستان میں بھی۔ بہت سے مواضعات اور قصبات ایسے ہیں جہاں کے باشندے بیوقوفی میں ضرب المثل ہیں اسی طرح فارس میں باشندگان طوس کو لوگ احمق سمجھتے ہیں اور اپنی زبان میں ان کو "گاؤ طوسی" کہتے ہیں چنانچہ خواجہ کے دشمن اُس پر پھبتی کہا کرتے تھے اور اسی کو ابن ہباریہ نے نظم کر دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دولاب کو صرف بیل ہی کھینچ سکتا ہے۔

طلب کیا نہ اُس کو بُرا بھلا کہا۔ بلکہ انعام اور صلے میں بہ نسبت سابق کے اضافہ کر دیا۔ سچ ہے ؎

دہن سگ بلقمہ دوختہ بہ خواجہ نظام الملک کے مکارم اخلاق اور وسعتِ حلم کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے جس سے اسلامی اخلاق اور مذہبی تعلیم کی خوبیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مذہبی زندگی

مہذب دنیا کا کوئی فرد بشر ایسا نہیں ہے جو مذہب نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس شخص میں مذہبی روح نہ ہو وہ انسان نہیں ہے۔ توحید، نبوت، عبادت، معاد، جزا و سزا اور تمام اخلاقی امور کی تعلیم و تکمیل صرف مذہب ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جو ازلی اور ابدی ہے اور کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اُس کو دنیا سے معدوم کر دے۔ ہاں یہ ممکن ہے اور ہزاروں مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ مذہب کی سرسبز اور پھلی پھولی شاخیں کاٹ ڈالی گئی ہیں۔ مگر آج تک یہ کسی نے نہ دیکھا ہوگا کہ مذہب کا استیصال ہو گیا ہو۔ البتہ عقل کی کج روی اور لوازِ ایمان کی کمی سے مثل دیگر قوتوں کے اس میں کبھی ضعف آجاتا ہے۔ مگر پورے طور پر صفحۂ دل سے وہ کبھی نہیں مٹتا ہے اور نہ انسان اُس کو مٹا سکتا ہے۔ دنیا کی ہر قوم ہر نسل، اور ہر طبقہ کسی نہ کسی مذہب کا پابند ہے۔ مگر ان میں ایسے لوگوں کی تعداد ہمیشہ محدود ہوا کرتی ہے، جس کا ہر قول اور ہر فعل مذہب کے مطابق ہو۔ اور مذہب ہی اُس کا اوڑھنا بچھونا ہو۔ لیکن پھر بھی عملی طور پر جس قدر مذہب کی پابندی ہے وہ غربا میں ہے۔ اور امرا میں اس عنصر کی بہت کمی ہے، اور امرا کے مقابلے میں بادشاہوں اور وزیروں میں تو مذہب برائے نام ہوتا ہے۔ لیکن افرادِ مذکورۂ بالا میں سے اگر کوئی اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو تو اُس کی زندگی کا یہ واقعہ نہایت مہتمم بالشان ہے۔

مذہب اسلام میں مذہبی زندگی کے یہ معنی ہیں کہ اس کے عقائد عبادات، اور اخلاق کا ہر ہر جزء قانون مذہب کے مطابق ہو۔ اور اس کا کوئی فعل مذہبی معیار سے باہر نہ ہو۔ چنانچہ خواجۂ نظام الملک بھی قرونِ اولی کے اُن خوش قسمت مسلمان وزرا میں سے ایک ہی شخص ہے جس کی زندگی کو

---

[1] زینت المجالس مجدی صفحہ ۲۰۳

ہم مذہبی زندگی کہہ سکتے ہیں۔

مذہب

نظام الملک شافعی تھا۔ اور سخت متعصب! مگر اس تعصب سے وہ بغض و عداوت، اور نفرت مراد نہیں ہے، جو دوسرے مذہب والے کے ساتھ برتی جاتے (نعوذ باللہ منہا) بلکہ شدۃ فی المذہب مقصود ہے۔

ذکر وعبادت

ذکر و عبادت[1] کے لحاظ سے خواجہ نظام الملک کو زاہد کہنا چاہیئے اور وہ نہایت متدین تھا۔ نماز پنجگانہ ہمیشہ جماعت سے پڑھتا تھا اور یہ اُس کی عادت تھی کہ ہمیشہ باوضو رہتا تھا اور ہر وضو کے بعد نماز نفل ادا کرتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی۔ اور یہ بھی التزام تھا کہ تلاوت کے وقت کبھی تکیہ لگا کر نہیں بیٹھا۔ کیونکہ ایسی نشست کو قرآن مجید کی عظمت وشان کے خلاف جانتا تھا۔ اور کلام مجید کو سفر اور حضر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا جس وقت کان میں اذان کی آواز آتی تھی، دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اور اذان کا جواب دیتا تھا (جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے) اور اگر کبھی اذان میں دیر ہو جاتی اور نماز کا وقت آجاتا تو فوراً موذن کو حکم دیتا تھا۔ اور خفظ اوقات میں اس قدر توجہ صرف ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جس کو نماز سے خاص دلچسپی ہو۔ ہر دو شنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتا تھا۔

اور ایک موقعہ پر خواجہ نے شرعی قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ اُس نے تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔

حج وزیارت

خواجہ نظام الملک کو حج بیت اللہ کی بہت آرزو تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ زیارت خانۂ کعبہ سے تمام عمر محروم رہا۔ الپ ارسلان کے دور حکومت میں تو خواجہ کو ایک دن کی بھی مہلت نہ تھی کہ وہ گھر سے باہر قدم نکالتا۔ البتہ ملک شاہ کے زمانے میں خواجہ کو کافی موقع اس فرض کے ادا کرنے کا تھا۔ چنانچہ ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء[2] میں بمقام بغداد ملک شاہ نے خواجہ کو روانگی مکۂ معظمہ کی اجازت بھی دیدی تھی اور سفر کی غرض سے خیمے ڈیرے بھی دریائے دجلہ کے کنارے لگا دیئے گئے تھے۔ مگر پھر نہیں معلوم کہ کن اسباب سے روانگی قافلہ کی ملتوی رہی۔ تاریخی واقعہ تو صرف اس قدر

---

[1] طبقات الکبری ترجمۂ نظام الملک۔

[2] کامل اثیر صفحہ ۲، جلد ۱۰

ہے۔ مگر بقول شخصے ؎

"بڑھاپا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے"

روضتہ الصفا اور طبقات الکبریٰ میں عبداللہ ساوجی سے یہ روایت ہے کہ "جس زمانہ میں خواجہ کے پاس بھیجا۔ اور عبداللہ سے کہا کہ یہ خاص امانت ہے اس کو بجز خواجہ کے اور کوئی نہ پڑھے۔ چنانچہ وہ خط خواجہ کے حضور میں پیش کر دیا گیا۔ جب خواجہ خط کو پڑھ چکا تو شدت سے رو دیا۔ چنانچہ عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھے بڑی ندامت ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ "اگر میں جانتا کہ اس خط کا یہ اثر ہوگا تو میں ہرگز پیش نہ کرتا" چنانچہ خواجہ نے وہ خط پڑھکر مجھے واپس کر دیا اور کہا کہ "جو شخص لایا ہے اُسے واپس کر دو"۔ میں نے خیمے کے دروازے پر دیکھا تو وہ شخص مجھکو نہ ملا تب میں نے خط لاکر خواجہ کے سامنے رکھدیا۔ اور خواجہ نے خط کو میرے سامنے ڈال دیا۔ میں نے اُس کو پڑھا تو اُس کا یہ مضمون تھا کہ "میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا ہے اور حضور نے فرمایا ہے۔ کہ حسن سے جا کر کہو تمھیں مکہ جانے کی ضرورت نہیں ہے، تمھارا حج یہی ہے کہ اس ترک (ملک شاہ) کی خدمت کئے جاؤ۔ اور میری امت کے لوگوں کی حاجتیں پوری کیا کرو۔ چنانچہ خواجہ نے روانگی مکہ معظمہ کی ملتوی کر دی"۔ خواجہ نظام الملک حج سے تو محروم رہا مگر بغداد میں جس قدر بزرگانِ دین اور اولیائے کرام کے مزار ہیں اُن سب کی زیارت کی اور اسی سال مہینہ ذی الحجہ میں موسیٰ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوکر فاتحہ پڑھا۔ ملک شاہ بھی خواجہ کے ہمراہ تھا۔ چنانچہ اس واقعہ پر ابن زکرویہ واسطی نے بطور تہنیت کے ایک قصیدہ لکھا۔

ا۔ حجاج کی تجہیز و تکفین

فقیہ[2] ابوالقاسم (برادر خواجہ) کی روایت ہے کہ "میں مکہ معظمہ میں موجود تھا۔ اور عرفات جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اطلاع ہوئی کہ ایک خراسانی

---

[1] تاریخ کامل اثیر میں اس قصیدہ کے حسب ذیل تین شعر تحریر ہیں۔

زرت المشاهد زورة مشهودة ... ارضت مضاجع من بها مدفون

فكانك الغيث استهل بتربها ... وكانها بك روضة و معين

فازت قداحك بالثواب وانجحت ... ولك الاله على النجاح ضمين

کامل اثیر صفحہ ۵۳ جلد ۱۰۔

[2] یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہیں۔

کا کسی زاویہ میں انتقال ہوگیا ہے اور اُس کی نعش پھول گئی ہے چنانچہ اُس کی تجہیز و تکفین کی غرض سے میں نے عرفات کا جانا ملتوی کردیا۔ جب میرا ارادہ اُس امیر کو معلوم ہوا جو خواجہ کی طرف سے حجاج کی خبرگیری پر مقرر تھا تو اُس نے کہا کہ آپ جائیں تمام قافلہ روانہ ہوچکا ہے خراسانی کے جنازے کا میں انتظام کروں گا۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک کی طرف سے پچاس ہزار گز کپڑا میرے پاس موجود ہے، جو صرف تجہیز و تکفین کے واسطے ہے۔

۲۔ حجاز کا راستہ زمانہ سابق میں جو مصیبتیں حاجیوں کو پیش آتی تھیں آج اُن کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ تکلیف راستے کی بدامنی کی وجہ سے ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے اپنے عہدِ وزارت میں مکہ معظمہ کے راستوں کو خوب صاف کیا۔ اور جو دشواریاں تھیں اُن کو دور کردیا۔ اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی آبادی میں خاص کوشش کی اور حاجیوں کی راحت رسانی کے واسطے متعدد سامان کئے۔

۳۔ بے تعصبی ابونصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عمید الملک کندری، وزیر طغرل بیگ سلجوقی نے اپنے عہدِ وزارت میں سلطان کی منظوری سے یہ حکم کیا تھا کہ "خطبہ میں روافض پر لعنت کی جاتے۔" اور جب تمام ملک میں اس کا عمل درآمد ہوگیا تو اشاعرہ[1] کی نسبت بھی یہی حکم

[1] یہ فرقہ امام اشعری سے منسوب ہے۔ جن کا نام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل ہے۔ امام صاحب ۲۷۰ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے اور ۳۳۰ھ میں بمقام بغداد وفات پائی۔ اشعر ملک یمن کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ اور آپ ابوموسیٰ اشعری کے اولاد میں ہیں جو مشہور صحابی تھے۔ امام ابوالحسن نے ابتدا میں عبدالوہاب جبائی سے تعلیم پائی تھی۔ اور چالیس برس تک معتزلی رہے اور امام مانے گئے۔ پھر یکایک خواب میں ہدایت ہوئی، جس کی بنا پر جامع بصرہ میں جا کر اعلان کردیا کہ میں نے معتزلہ کے عقائد سے توبہ کی۔ اور معتزلہ، جہمیہ، خوارج، اور تمام اہل بدعت کے رد میں نہایت کثرت سے کتابیں لکھیں شافعیہ میں امام صاحب کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور ہزاروں علما اُن کے شاگرد ہوئے جن میں سے ابوسہل صعلوکی، ابوبکر قفال، ابوزید مروزی، زاہر بن احمد۔ حافظ ابوبکر جرجانی۔ شیخ ابومحمد طبری۔ ابوعبداللہ طائی۔ ابوالحسن باہلی۔ بندار بن حسن صوفی، نہایت نامور ہیں۔ لیکن شاگردی کے دوسرے دور میں ابوبکر باقلانی، ابواسحاق اسفرائنی ابوبکر بن فورک۔ اور امام الحرمین وغیرہ اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے۔ بلکہ امام الحرمین کی توجہ اور اقتدار سے امام اشعری کی تصنیفات تمام دنیا میں پھیل گئیں۔ اور اُن کا مرتبہ علم کلام، تمام دنیا کا علم بن گیا ہے۔ وباقی در صفحہ آئندہ

صادر ہوا ۔ چنانچہ عمید الملک کے زمانہ میں دونوں فرقوں کے اماموں پر لعنت کی بارش ہوتی رہی۔ افسوس!

عمید الملک کی اس متعصبانہ کارروائی سے ملک کے نامور ائمہ امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری وغیرہ ناراض ہوکر مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے یا کسی اور طرف چلے گئے ۔ لیکن طغرل بیگ کے انتقال پر جب الپ ارسلان تخت نشین ہوا اور خواجہ نظام الملک مستقل وزیر، تو خواجہ نے سب سے پہلے یہ فرمان جاری کیا کہ "اشاعرہ اور رافض پر جو لعن کی جاتی ہے وہ بند کی جائے" جب یہ خبر اطراف عالم میں شائع ہوگئی تو تمام علما اپنے وطن میں واپس آئے، اور خواجہ نے اُن کا ویسا ہی خیر مقدم کیا جس کے وہ مستحق تھے۔

شوقِ عبادت خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ "ایک وقت میں میری یہ تمنا تھی کہ کاش میں ایک گاؤں کا زمیندار ہوتا اور اُس میں ایک مسجد ہوتی جس میں بیٹھکر یاد الٰہی کیا کرتا ۔ پھر یہ خواہش ہوئی کہ نہیں! میرے لئے تو مسجد کا ایک گوشہ اور چند لبسوے زمین کافی ہے، اور اب تو صرف یہی آرزو ہے کہ تمام دن میں کھانے کو ایک روٹی مل جائے اور مسجد کا ایک زاویہ ہو جس میں بیٹھا ہوا اللہ اللہ کیا کروں"[1]

یہ خیال خواجہ کی مذہبی زندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ اور مصنف آثار الوزرا[2] کے اس قول کا موید ہے کہ "خواجہ نظام الملک باوجود دولت وعظمت بسیار واشتغالِ بے شمار دائما بر حال ضعفائے رعیت و بیچارگاں ہر ولایت رسیدے ۔ و بازتا دو مشائخ و علما صحبت داشتے ۔ و اوقات و ساعات را مستغرق طاعات و عبادت گردانیدے ۔

عام حالات

ترحم فقیہ ابوالقاسم (برادر خواجہ) کا بیان ہے کہ "میں ایک رات خواجہ کا مہمان تھا، جب کھانے کے لئے دسترخوان بچھایا گیا تو خواجہ نے مجھکو بھی شرکت کی عزت بخشی ۔ نشست اس طرح

بقیہ صفحہ ۱۳۴ ۔ تفصیل کے لئے دیکھو علم الکلام شمس العلما شبلی نعمانی ۔ الملل ۔ طبقات الکبری ۔ کامل اثیر صفحہ ۲۷ ۔ جلد ۱۰

[1] کامل اثیر۔

[2] نسخہ قلمی بمصنفہ سیف الدین۔

پر تھی کہ خواجہ کے ایک طرف میں تھا اور دوسری طرف عمید خلیفہ۔ اور عمید کے پہلو میں ایک مسکین فقیر جس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ چنانچہ فقیر نے جب بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو عمید کو اس کا یہ طرز ناپسند ہوا۔ جب خواجہ نے عمید کی تیوریوں پر بل دیکھا تو عمید سے کہا کہ آپ دوسری طرف پھر جائیں اور فقیر سے کہا کہ یہ تو بڑے آدمی ہیں۔ تم میری طرف چلے آؤ اور پھر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔[۲]

کامل بن اثیر کی روایت ہے کہ خواجہ کے دسترخوان پر ہمیشہ مساکین و فقرا کھانا کھاتے تھے۔ اور خواجہ کے قریب بیٹھا کرتے تھے۔

رقت طبع ابوالخیر ولف بن عبداللہ بن محمد البنان بغدادی (بروایت امام عبدالرحیم بن شافعی قزوینی) بیان کرتے ہیں کہ "خواجہ نظام الملک بیمار پڑا ہوا تھا کہ ابو علی القوسانی خواجہ کی عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور انھوں نے یہ اشعار پڑھے۔

اذا مرضنا نوینا کل صالحۃ فان شفینا	جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو نیک کاموں کی نیت کر لیا کرتے ہیں
فمنّا الزیغ والزلل نرجوالاِلٰہ اذا خفنا	مگر تندرست ہونے پر (ان ارادوں میں) لغزش ہو جاتی ہے
ونسخطہ اذا امنا فما یزکوا لنا عمل	حالت خوف میں تو ہم خدا سے امید رکھتے ہیں اور حالت امن میں اس کو ناراض کر دیتے ہیں پس انصاف یہ ہے کہ ہمارے عمل پاک صاف نہیں ہیں۔

یہ اشعار سن کر خواجہ کو رقت طاری ہوئی اور کہا کہ "جیسا آپ فرماتے ہیں یہ بالکل سچ ہے"۔

نیک مزاجی خواجہ کے دروازے پر بھی معمولاً حاجب و دربان مقرر تھے۔ مگر ان کو یہ ہدایت تھی کہ کسی وقت کوئی آنے والا نہ روکا جائے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ "خواجہ دسترخوان پر تھا کہ ایک عورت (ہاتھ میں پیالہ لئے ہوئے) آئی دربان نے اس کو لوٹا دیا۔ جب خواجہ نے بچشم خود اس کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو دربان پر بہت خفا ہوا اور کہا کہ "تم صرف اس لئے نوکر ہو کہ دروازے سے کوئی مسکین و محتاج خالی ہاتھ نہ جائے۔ البتہ صاحبان جاہ و حشم محض اپنی ذاتی راحت کے لئے نوکر رکھا کرتے ہیں"۔[۳]

فیاضی خواجہ[۴] نظام الملک کی عادت تھی کہ جب وہ گھر سے باہر نکلتا تھا تو روپوں کی تھیلیاں غلاموں

---

[۱] صفحہ ۷۲ جلد ۱۰

[۲] یہ ہر سہ واقعات طبقات الکبریٰ سے منقول ہیں۔ [۳] آثار الوزرا سیف الدین۔

کے ساتھ ہوتی تھیں، اور راستہ میں جس محتاج پر نظر پڑتی تھی اُس کو انعام دیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ خواجہ کی سواری کسی سبزی فروش کی دُکان کی طرف سے نکلی وہ تعظیماً اُٹھ کھڑا ہوا، اور عرض کیا کہ محتاج ہوں، موجودہ معاش کی آمدنی اہل وعیال کے لئے کافی نہیں ہے۔ خواجہ نے غلام کی طرف اشارہ کیا اُس نے ایک تھیلی دیدی، سبزی فروش نے دعا دی۔ اور دُکان سے اُٹھکر دوسرے راستہ پر جا بیٹھا اور دامن سے پاؤں چھپا کر مفلوج بن گیا۔ اور خواجہ سے ظاہر کیا کہ اپاہج ہوں لڑکے بچے بہت ہیں، روٹیوں سے محتاج ہو رہا ہوں۔ خواجہ نے غلام کو اشارہ کیا اُس نے پھر ایک تھیلی دیدی۔ چنانچہ سبزی فروش زر نقد لے کر یہاں سے بھی اُٹھا اور آگے بڑھکر نئے روپ سے خواجہ کو سلام کر کے کہنے لگا کہ مجھ پر دنیا تنگ ہو رہی ہے۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کا بار سر پر ہے۔ خواجہ نے غلام سے اشارہ کیا۔ اس کے بعد آواز بدل کر چوتھی مرتبہ خواجہ کے سامنے آیا اور بیان کیا کہ میں اسپیجاب[1] کا باشندہ ہوں اور غازی ہوں۔ افسوس ہے کہ میری فوج نے شکست کھائی اور بہزار خرابی زندہ بچ کر یہاں تک آیا ہوں۔ اس مرتبہ بھی خواجہ نے انعام کا حکم دیا مگر یہ کہکر کہ "اے بوڑھے سبزی فروش، مفلوج، لڑکیوں والے، غازی اسپیجابی، اپنا انعام لے" اور رخصت کر دیا۔

لطیفہ سلطان الپ ارسلان کے زمانہ میں، وزارت سے قبل، خواجہ نظام الملک کی دیانت، کتابت، اور لیاقت کا دفتر انشا میں سکہ بیٹھ گیا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں سلطان کو سفر کا اتفاق ہوا۔ لیکن وزیر السلطنت عمید الملک کندری، علالت کے باعث سلطان کے ہمراہ نہیں جا سکتا تھا اور سفر میں کم از کم ایک کاتب کا ہمراہ جانا ضرور تھا۔ چنانچہ منتظم دفتر نے خواجہ حسن کو انتخاب کیا اور سلطان نے بھی اس انتخاب کو منظور فرمایا۔ چونکہ اس وقت خواجہ کی معمولی حالت تھی، اس وجہ سے سامان سفر کے لئے متردد ہوا۔ اور ادائے نماز اور عرض نیاز کے لئے داخل مسجد ہوا کہ اتنے میں ایک اندھا بھی آیا اور پکارا کہ کوئی ہے؟ خواجہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اندھے نے لاٹھی کے سہارے سے مسجد کا ایک ایک گوشہ ٹٹولا، جب اطمینان ہو گیا کہ کوئی نہیں ہے، تب جا کر مسجد کا دروازہ بند کیا۔ اور محراب کے سامنے کا فرش ہٹا کر زمین کھودی، اور ایک آب خورے سے

---

[1] اسپیجاب (اسفیجاب) بلاد ماوراء النہر کا مشہور شہر ہے۔

روپے نکالے، اور تھوڑی دیر تک اُن روپوں سے اپنا دل خوش کرتا رہا۔ پھر روپوں کو آبخورے میں بھر کر اُسی جگہ دفن کر دیا اور چلا گیا۔ چنانچہ خواجہ نے بکمال مسرت و اطمینان قرض حسنہ کے طور پر اس روپیہ کو لے لیا اور سامان سفر درست کر کے سلطان کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔ چنانچہ عہدِ وزارت میں ایک دن خواجہ کی سواری شاہانہ جاہ و جلال سے جا رہی تھی کہ راستے میں وہ اندھا نظر آیا۔ خواجہ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ "مکان پر حاضر کیا جائے"، چنانچہ جب وہ پیش ہوا تو خواجہ نے اُس کی بڑی خاطر کی، اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ "جو روپیہ تم نے محراب مسجد میں دفن کیا تھا وہ تم کو ملا یا نہیں"۔ روپوں کا ذکر سُن کر اندھا اُچھل پڑا، اور خواجہ کا دامن پکڑ کے کہنے لگا کہ "ہاں صاحب! میں نے اپنا کھویا ہوا روپیہ آج پالیا"۔ خواجہ نے کہا کہ کیونکر؟ اندھے نے کہا کہ۔ "جس دن سے میرا روپیہ گیا ہے، میں نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا ہے، خواجہ یہ سُن کر ہنس پڑا اور جس قدر روپیہ لیا تھا اُس کا دو چند اندھے کو دلا دیا۔ اور پرگنہ مرو میں ایک گاؤں اُس کی اولاد کے نام ہبہ کر دیا۔ اور غریب اندھا تمام عمر کے لئے مالا مال ہو گیا۔ اس حکایت کو روضۃ الصفا وغیرہ نے بھی لکھا ہے اور خواجہ کے آئندہ اقبال اور علامات سعادت کے واقعات میں شمار کیا ہے[۱]۔

۴ نظام الملک کا دستور تھا کہ جب اُس کے حضور میں کوئی ہدیہ پیش ہوتا تو وہ حاضرین مجلس کو تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ باغبان نے تین لوکیاں ڈالی میں پیش کیں خواجہ نے ایک ہزار درہم انعام دے کر اُس کو تو رخصت کر دیا اور تقسیم کی غرض سے ہر لوکی کے متعدد ٹکڑے کرائے۔ لیکن پھر تقسیم نہ کیا۔ ایک مصاحب نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ "یہ شیریں نہ تھیں۔ اور کڑوی شے قابل ہدیہ نہیں اور انعام اس وجہ سے دیا گیا کہ غریب مالی محروم نہ رہے[۲]"۔

خواجہ نظام الملک بالطبع فیاض تھا۔ مگر اُس کی فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ علما، مشائخ حکما، شعرا، اطبا، مصاحبین اور خدام کو عید بن اور نوروز وغیرہ کے موقعہ پر انعام دیا کرتا تھا۔ مگر یہ انعامات برامکہ کے ہم پلہ نہ تھے کہ ایک دن میں پورے صوبہ کا خراج ایک اعرابی (بدو) یا کسی شاعر کو دیدیا جاتے۔ خواجہ کے انعام اور صلہ کی تعداد ہمیشہ ایک محدود مقدار میں ہوتی تھی اور اگر زمانہ

[۱] فی دانشں صفحہ ۲۵۰ [۲] زینت المجالس مجدی صفحہ ۲۷۳۔

حال کے اصول کے مطابق دیکھا جائے تو بقول ایک ظریف کے کہہ سکتے ہیں کہ خواجہ نظام الملک بھی انجمن "اصلاح تمدن" کا ایک رکن تھا۔ جس کا ہر کام افراط و تفریط سے پاک تھا اور ایسے ہی نمونے زمانے حال کے مسلمانوں کے لئے باعث خیر و برکت ہو سکتے ہیں۔

صبر و شکر ایک شخص راوی ہے کہ "میں خواجہ نظام الملک کی مجلس میں موجود تھا (یہ وہ زمانہ تھا جب کہ خواجہ نظام الملک کی وزارت عروج پر تھی اور ملک شاہ خواجہ کے اشاروں پر چلتا تھا) کہ عراق عجم سے ایک نامہ آیا جس کا یہ مضمون تھا کہ "ایک پہاڑی چراگاہ میں پانچ سَو عربی گھوڑے چر رہے تھے کہ ناگاہ ایک جھنڈ پرندوں کا پہاڑ کی چوٹی سے اُڑا (یہ پرندے نسر اور عقاب کے برابر تھے) جن کے پروں کی ہیبت ناک آواز سے گھوڑے بھڑک کر بے اختیار بھاگے۔ اور ایک درے میں جا گرے۔ اس بلند مقام سے ایک بڑی ندی نکل کر نشیب میں گرتی تھی۔ چنانچہ بہت سے گھوڑے اس پانی میں گر کر غرق ہو گئے۔ اور جو باقی رہے اُن میں سے اکثر کے اعضا ٹوٹ گئے"۔ خواجہ یہ خبر پڑھ کر چپ ہو رہا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد بہت رویا۔ حاضرین مجلس نے تسکین و تسلی کی باتیں شروع کیں۔ خواجہ نے فرمایا کہ "میرا گریہ وزاری کرنا اس نقصان کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ شوق اور شکریہ کا رونا ہے، کیونکہ اس واقعہ سے مجھکو ابتدائی زمانہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ اور وہ یہ ہے کہ میں غزنین سے خراسان جا رہا تھا اور میرے پاس صرف تین دینار تھے، چنانچہ چار دینار اور قرض لے کر میں نے ایک گھوڑا خرید کیا، مگر وہ اُسی دن مر گیا اور میں سخت پریشان ہوا۔ اور آج خدا کے فضل سے پانچ سو گھوڑوں کے تلف ہونے پر بھی میرے مال و دولت میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ مجھے وہ وقت یاد آگیا کیونکہ خدا نے مجھے درجۂ ادنیٰ سے کیسے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ اور اس خوشی میں میرے آنسو نکل آئے [۱]۔

خیرات خواجہ نظام الملک کا دستور تھا کہ "ہر روز صبح کے وقت [۲] ایک سو دینار (پانسو روپیہ) مساکین و فقرا کو تقسیم کیا کرتا تھا"۔ اور اس صدقہ کو ان عطیات سے کوئی تعلق نہ تھا جس کا سلسلہ صبح سے شام تک بحیثیت ایک وزیر کے جاری رہتا تھا۔

---

[۱] گنج دانش صفحہ ۱۵۳ و روضۃ الصفا حالات خواجہ [۲] طبقات الکبریٰ۔

عفو جرائم خواجہ نظام الملک نہایت متواضع اور حلیم تھا۔چنانچہ خواجہ کے ذاتی ملازم اکثر قصور کیا کرتے تھے، مگر وہ اپنی نیک مزاجی اور خوش اخلاقی سے معاف کر دیتا تھا اور اس صفت میں وہ مامون الرشید عباسی کا ہم خیال تھا۔کیونکہ مامون الرشید کا قول ہے کہ نیک مزاجی میں یہ بڑی آفت ہے کہ نوکر و غلام شریر اور بدخو ہو جاتے ہیں۔لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اُن کی نیک خو کرنے کے لئے میں بدمزاج بنوں۔"

خواجہ کا یہ برتاؤ عام تھا۔اور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے سے اس کو مسرت ہوتی تھی چنانچہ علامہ ابن اثیر جزری خواجہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ کَانَ عَالِمًا دَیِّنًا جَوَادًا عَادِلًا حَلِیْمًا کَثِیْرُ الصَّفْحِ عَنِ الْمُذْنِبِیْنَ۔

باوجود قدرت انتقام کے خواجہ اپنے دشمنوں کے بھی قصور معاف کر دیا کرتا تھا۔اور یہ وصف وہ ہے۔جو اپنے موصوف کو دنیا میں ہر دل عزیز بنا دیتا ہے، اور خدا بھی خوش ہوتا ہے۔چنانچہ یہ روایت مشہور ہے کہ ؎

موسٰیؑ نے کی عرض کہ اے بارِ خدا　　مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا، بندہ ہمارا وہ ہے عالی　　جو لے، سکے اور نہ لے، بدی کا بدلا

حسن بن صباح نے خواجہ کے ساتھ منافقانہ کارروائیاں کیں اُن کا انسداد یوں ہو سکتا تھا کہ وہ قتل کر دیا جاتا مگر نہیں، خواجہ نے ملک شاہ سے سفارش کر کے اُس کی جان بچا لی اور دارالسلطنت سے باہر چلے جانے کا حکم دیا اور اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اپنے قاتل کا بھی خون معاف کر دیا۔البتہ اگر خواجہ کے دامن پر عمید الملک کندری کے خون کا دھبہ نہ ہوتا۔تو انصاف یہ ہے کہ اس صفت میں وہ تمام وزرا سے ممتاز ہوتا تاہم ایک خاص واقعہ سے اُس کی سیکڑوں نیکیاں برباد نہیں ہو سکتی ہیں۔

خاموشی خداوند عالم نے حیوان پر انسان کو جن اسباب سے فضیلت بخشی ہے۔منجملہ اس کے ایک سبب نطق (گویائی)، بھی ہے۔بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ انسان اور حیوان میں یہی حدِ فاصل ہے۔مگر انسان جس طرح سے خدا کی اور نعمتوں کا قدرشناس نہیں ہے اسی حیثیت سے اس نعمت کو بھی برباد کرتا رہتا ہے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں میں خاموشی کی صفت کمتر ہوتی ہے۔ اور فضول بک بک میں زیادہ وقت ضائع کرتے ہیں لیکن جو لوگ مدبّر ہیں اور حکیمانہ دماغ رکھتے ہیں اُن میں خاموشی کا وصف ضرور ہوتا ہے۔ تاریخ کامل میں خواجہ کو طویل الصّمت کے خطاب سے یاد کیا ہے یعنی وہ اکثر خاموش رہتا تھا۔ بات نہایت کم کرتا تھا۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتا تھا[1]۔

حکمت عملی (۱) الپ ارسلان[2] کے انتقال پر جب ملک شاہ تخت نشین ہوا، تو سب سے پہلے اُس کو اپنے عزیزوں سے خانہ جنگی کرنا پڑی۔ چنانچہ ۴۶۵ھ کا واقعہ ہے کہ ملک شاہ کا چچا قادرد بیگ تاج و تخت کا دعوے دار ہو کر کرمان سے رَے کی طرف بڑھا۔ جب ملک شاہ کو اس فوجی نقل و حرکت کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مدافعت کے لئے تیار ہو کر نکلا۔ خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ رکاب تھا۔ چنانچہ شعبان کے مہینے میں بمقام ہمدان دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اور تین رات دن کی لڑائی کے بعد قادرد گرفتار ہو گیا۔ جب فوجی سردار مبارکباد کے لئے حاضر ہوئے تو انھوں نے خود اور نیز سپاہیوں کی طرف سے خواجہ کو یہ پیام دیا کہ اس فتح کے صلے میں بقدر مراتب انعام دیا جائے۔ اور اگر سلطان نے اس درخواست کو قبول نہ فرمایا تو بہ لحاظ اُس عام ہمدردی کے جو فوج کو قاورد کے ساتھ ہے، کچھ عجب نہیں ہے کہ تاج شاہی قارد کے سر پر ہوا اور چتر بھی اُسی کے تخت پر سایہ افگن ہو۔ خواجہ نے ارکانِ فوج کا یہ پیام نہایت تحمل سے سُنا مگر اُنھیں مطمئن کر دیا کہ میں آج ہی بارگاہ سلطانی میں عرض کروں گا۔ اور شب کو سلطان سے مشورہ کر کے قاورد کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ علی الصباح جب فوجی سردار سلطان کا جواب سننے کو حاضر ہوئے تو خواجہ نے کہا کہ قاورد بیگ نے رات کو زہر کھا کر خودکشی کر لی ہے اور سلطان اپنے عم مکرم کے ماتم میں مصروف ہے۔ یہ موقعہ عرض حال کا نہیں ہے چنانچہ سب سوار چُپ چاپ رخصت ہو گئے! اور ایک[3] عظیم الشان خطرہ ٹل گیا۔

---

[1] کامل اثیر حالات خواجہ۔ و آثار الوزرا۔ [2] الپ ارسلان کو یوسف خوارزمی نے ساتویں ربیع الاول ۴۶۵ھ کو قتل کیا تھا جو مطابق ہے ۱۰ ارستمبر ۱۰۷۲ء کے دیکھو کتاب التوفیقات الالہامیہ مصنفۂ اللواالمصری محمد مختار پاشا ہائی کمشنر مصر صفحہ ۲۲۲۔

[3] روضۃ الصفا حالات خواجہ نظام الملک و تاریخ کامل اثیر صفحہ ۲۰۔ جلد ۲۔

(۲) قاضی ابن خلکان لکھتے ہیں کہ جب قاورد ملک شاہ کے سامنے آیا تو اُس نے جرم بغاوت سے معافی چاہی، مگر ملک شاہ نے کوئی عذر نہ سنا تب قاورد نے معافی میں ایک خریطہ پیش کیا۔ جو ارکان سلطنت کے خطوط سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہر خط میں قاورد سے یہ استدعا کی گئی تھی کہ وہ ملک شاہ پر فوج کشی کرے۔ اس طومار کو دیکھکر سلطان نے خواجہ کو طلب کیا اور خریطہ دے کر حکم دیا کہ "ایک ایک خط پڑھکر سناؤ" خواجہ نے سلطان کے ہاتھ سے خریطہ لے لیا۔ اور خیمے کے اندر جو انگیٹھی دہک رہی تھی وہ تمام خطوط اُس میں ڈال دیئے۔ جو آنِ واحد میں جل کر راکھ ہو گئے۔ اس عجیب و غریب کارروائی سے اُمرائے دربار کو تسکین ہو گئی۔ کیونکہ ان میں وہ اکثر امرا موجود تھے جنہوں نے قاورد سے خط و کتابت کی تھی۔ اگر یہ خطوط پڑھے جاتے جو اشتعال طبع کی حالت میں معلوم نہیں کہ طرفین سے کیا کارروائی ہوتی اور اس کا اثر سلطنت پر نہایت خراب پڑتا۔ مگر خواجہ کی اس عاقلانہ کارروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام ارکان سلطنت نے کامل وفاداری کا اظہار کیا اور دلی جوش سے سلطنت کی خدمت کی تاکہ بدگمانی کا دھبہ باقی نہ رہے۔

مورخ[۱] مذکور لکھتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعات خواجہ نظام الملک کے ہیں۔ اور صرف یہی ایک کارروائی ایسی دور اندیشی پر مبنی تھی جس کی وجہ سے ملک شاہ کی سلطنت کو استقلال اور استحکام ہو گیا۔ اور آئندہ اس قدر فتوحات ہوئیں کہ تاریخ اسلام میں خلفائے متقدمین کے بعد کوئی سلطنت اس وسعت کو نہیں پہنچی۔

خواجہ کے اخلاق و عادات کے متعلق جس قدر لکھنا چاہیئے تھا، اُس کا دسواں حصہ بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ جس کا باعث یہ ہے کہ اس عنوان پر مورخین نے بہت کم لکھا ہے۔ جس قدر واقعات موجودہ تاریخوں میں ملے وہ ہم نے لکھ دیئے ہیں۔ لیکن اگر کوئی مبصر خواجہ کی تصنیفات اور خطوط کو پڑھے (جو اُس نے اپنے بیٹوں کو لکھے ہیں) تو اُس کے طرز معاشرت اور اصول زندگی سے واقف ہو کر مفید نتائج اخذ کر سکتا ہے[۲]۔

---

[۱] ابن خلکان صفحہ ۱۲۳ جلد ۲۔ [۲] خواجہ نظام الملک کے تصنیف کے پورے خلاصے دوسرے حصہ میں موجود ہیں۔ اور خطوط ناظرین پڑھ چکے ہیں۔

خواجہ نظام الملک کی خانگی زندگی

شادی

خواجہ نظام الملک کی پہلی شادی کس خاندان میں ہوئی اس کی صحیح تاریخ بتانا مشکل ہے لیکن کامل[1] اثیر کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ جب خواجہ نظام الملک، ابو علی احمد بن شاذان والی بلخ کے دربار سے بھاگ کر سلطان چغر بیگ داؤد سلجوقی کے دربار میں بمقام مرو پہنچا ہے۔ اُس وقت خواجہ کے دو لڑکے عبید اللہ (موید الملک ابوبکر عبید اللہ) اور مظفر (فخر الملک ابوالفتح مظفر) موجود تھے۔ اور یہ دونوں لڑکے غالباً خواجہ کی پہلی بی بی سے ہوں گے۔ اگرچہ خواجہ کی شادی کے تفصیلی حالات ہم کو کہیں نہیں ملے۔ مگر واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شادی وطن میں ہوئی ہوگی۔ جب کہ خواجہ امام موفق کی درس گاہ سے واپس آیا ہے۔ یا یہ وہ زمانہ ہوگا۔ جب کہ دارالعلوم بخارا سے خواجہ ماوراء النہر کے سفر کو روانہ ہوا ہے۔ لیکن دوسرا عقد خواجہ کا ۴۵۷ھ/۱۰۶۴ء میں گرجیہ سے ہوا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ سنہ مذکور میں جب سلطان الپ ارسلان سلجوقی عیسائیوں سے جہادی لڑائیاں لڑتا ہوا اسخاز[2] میں پہنچا تو وہاں کے حکمراں، بقراط بن کیور کی نے جو عیسائی تھا صلح کا پیام دیا اور اپنی بیٹی کا عقد سلطان سے کر دیا۔ اس کے معاوضہ میں سلطان نے بقراط کو امان دی۔ اور جو تحائف اُس نے پیش کیے وہ منظور کیے گئے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد سلطان نے اس بیگم کو طلاق دے دیا اور اپنی خوشی سے خواجہ نظام الملک کے ساتھ عقد کر دیا[3]۔ چنانچہ ملکہ گرجیہ سے خواجہ کے کئی بیٹے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک خواجہ احمد (ضیاء الملک ابونصر احمد)[4] بھی ہے۔

اس کے علاوہ خواجہ نظام الملک کے اور کسی عقد کا حال معلوم نہیں ہوا۔ اور نہ اُس کی تفصیل

---

[1] صفحہ ۲، جلد ۱ کامل اثیر [2] صوبہ ارمن میں شہر تفلیس کے قریب ایک تنگ پہاڑی کے مابین یہ ناحیہ واقع تھا اور جس کے راستے پیچ دار سے تھے۔ اُن دنوں یہ عیسائیوں کا ایک محفوظ مقام تھا اب اس نام کا کوئی مقام نہیں ہے اور یہ علاقہ گورنمنٹ روس کے قبضے میں ہے۔ مراصد الاطلاع ، نزہۃ القلوب۔

[3] تاریخ سلجوق عماد الدین اصفہانی صفحہ ۳۷ مطبوعہ مصر

[4] آثار الوزرا سیف الدین۔

معلوم ہے کہ کون لڑکا یا لڑکی کس بیگم کے بطن سے ہے۔

خواجہ نظام الملک کی اولاد

یہ مسلم ہے کہ دنیا کی کوئی خوشی اور نعمت، سلطنت اور وزارت کے برابر نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اُن سے بڑھکر یا ہم پلہ اگر کوئی مسرت اور دولت ہوسکتی ہے، تو وہ صرف اولاد ہے؛ جس گھر میں دو چار بچے ہوں وہاں کی چہل پہل اور رونق پھولوں کے تختے سے کم نہیں ہوتی ہے۔ اور جس گھر میں یہ نہ ہوں اُس گھر کو قبر کہنا زیادہ مناسب ہے۔

تم نے اکثر شاہوں اور وزرا وغیرہ کے حالات میں پڑھا ہوگا کہ اولاد کی تمنا میں اُنھوں نے کیا کیا مصیبتیں اُٹھائی ہیں، منزلوں پیدل چل کر درگاہوں پر چادریں چڑھائی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور منتیں مانی ہیں، اور اس خاک چھاننے پر بھی نخلِ آرزو بارآور نہیں ہوا ہے۔ لیکن خواجہ نظام الملک کو اس حصے میں بھی ہم خوش نصیب پاتے ہیں۔

خواجہ نظام الملک بیٹوں کی طرف سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ہم طالع تھا۔ خواجہ کا باپ علی، دولت سلجوقیہ میں صاحب الخراج کے عہدے سے آگے نہیں بڑھا اور وہ بھی چند سال۔ لیکن خواجہ اس درجہ پر پہنچا کہ اُس کی ناموری نے علی کے نام کو بھی چمکا کر تاریخ میں داخل کر دیا۔ لیکن باپ کے مقابلہ میں خود ایسا خوش نصیب ہوا کہ اس کے متعدد بیٹے اور پوتے شاہان سلاجقہ اور خلفائے عباسیہ کے وزیر ہوئے اور خاندان میں بانوے برس تک وزارت کا سلسلہ قائم رہا۔ حقیقت میں نظام الملک نہایت خوش قسمت باپ تھا جو خود جوہر کمالات سے آراستہ تھا اور بیٹوں کی شہرت نے اُس کے نام کو اور بھی دنیا میں روشن کر دیا تھا۔

جس قدر تاریخیں (اس وقت تک) ہماری نظر سے گذری ہیں اُن میں خواجہ کے دس بیٹوں کے نام ملتے ہیں حالانکہ صحیح روایتوں کے مطابق خواجہ کے بارہ بیٹے تھے[1] چنانچہ اخیر زمانہ میں ترکان خاتون (ملک شاہ کی بیگم) نے جب ملک شاہ کو خواجہ کی طرف سے امورِ سلطنت میں بدظن کیا ہے تو منجملہ اہم شکایتوں کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ "نظام الملک کے بارہ بیٹے ائمہ اثنا عشر کی طرح تمام سلطنت پر حکمراں ہیں"۔

[1] آثار الوزرا میں بھی خواجہ کے بارہ بیٹے لکھے ہیں۔ خواجہ کے دو بیٹوں کا نام باوجود تلاش کے اس وقت تک نہیں معلوم ہوا۔

ان وزیرزادوں کے حالات، بہت کم تاریخوں میں تحریر ہیں۔ لیکن پھر بھی جس قدر واقعات وحالات ملے ہیں۔ ان کو ہم نے تفصیل سے تاریخ آلِ سلجوق میں اُن بادشاہوں کے تحت میں لکھدیا ہے جن کے عہد میں وہ درجہ وزارت یا امارت پر ممتاز تھے۔ لیکن اس جگہ بہ سبیل تذکرہ صرف ان کے ناموں کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ فخر الملک ابوالفتح مظفر۔ ۲۔ جمال الملک ابومنصور۔

۳۔ ضیاء الملک ابونصر احمد (یا) سعد الملک قوام الدین ابونصر احمد (یا) قوام الدین نظام الملک صدر الاسلام۔ ۴۔ مویدالملک ظہیر الدولہ ابوبکر عبیداللہ

۵۔ شمس الملک عثمان۔ ۶۔ عماد الملک ابوالقاسم۔

۷۔ عز الملک ابوعبداللہ الحسین۔ ۸۔ عبدالرحیم۔

۹۔ ابوالبرکات عمادالدین۔ ۱۰۔ علی۔ ۱۱۔ صفیہ[۱]

آل واولاد سے محبت خواجہ کے خانگی زندگی کے عام حالات، کسی مورخ نے نہیں لکھے ہیں۔ لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو اپنی اولاد سے از حد محبت تھی۔ لیکن کاروبار سلطنت کی وجہ سے خواجہ کے بیٹے اکثر دور و دراز ممالک میں رہا کرتے تھے اور وہ اُن کے فراق میں بیقرار ہو جایا کرتا تھا۔ اور جب یہ لڑکے سامنے آتے تو بعض اوقات سینے سے لگا کر روتا اور اُس کو اپنی قید کی زندگی (تعلقات وزارت) پر افسوس ہوتا تھا۔

---

[۱] خواجہ کی بیٹیاں بھی کئی تھیں۔ مگر بجز صفیہ کے اور کوئی نام نہیں ملا۔ صفیہ خاتون کی ۴۶۲ھ میں بمقام بغداد عمید الدولہ ابومنصور محمد ابن فخر الدولہ بن جہیر سے شادی ہوئی اور ۴۸۳ھ میں اسی جگہ انتقال ہوا۔ عمید الدولہ خلیفۃ المقتدی کا وزیر تھا۔ موقوف ہونے پر خواجہ کی سفارش پر جب دوبارہ مقرر ہوا تو ابن ہباریہ نے عمید الدولہ کی ہجو میں یہ شعر لکھا ؎

لولا صفیۃ ما استوزرت ثانیۃ فاشکر حرا صرت مولانا الوزیر بہ

خواجہ کے پوتوں کا حال بھی اپنے موقعہ پر تاریخ آلِ سلجوق میں تحریر ہے۔ الفخری صفحہ ۲۶۵ مطبوعہ مصر و تاریخ آل سلجوق اصفہانی۔

خواجہ نظام الملکؒ کی وزارت کا خاتمہ

ملک شاہ سے مُخالفت اور قتل کے مفصل حالات

خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی، تاریخ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ اور یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ خواجہ کا قاتل فرقۂ باطنیہؒ کا ایک فدائی تھا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ فدائی نے کس کے حکم سے خواجہ پر حملہ کیا تھا۔ مورخین میں ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ "خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا"۔ دوسرا اس کا قائل ہے کہ "تاج الملک ابوالغنائم کی سازش کا یہ نتیجہ ہے"۔ تیسرا راوی ہے کہ "حسن بن صباح کے اشارے سے خواجہ کا کام تمام ہوا"۔ لیکن تاوقتیکہ مفصل طور پر اسبابِ مخالفت معلوم نہ ہوں، کسی فریق کی نسبت کوئی صحیح رائے قائم نہیں ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اول اُن اسباب کو ہم مستند تاریخوں سے نقل کرتے ہیں۔ جس سے امر متنازعہ کے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

اصولِ عامہ

(۱) سب سے پہلے بطور اصول موضوعہ، مان لینا چاہیے کہ جب بادشاہ کسی امیر یا وزیر السلطنت سے ناراض ہوتا ہے تو اس کا ہر فعل گناہ، اور ہر کام معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ابتداءً جزئی جزئی واقعات سے اشتعال بڑھتا ہے۔ اور آخر میں جب وزارت، سلطنت پر پورا قبضہ کرلیتی ہے اور بادشاہ برائے نام رہ جاتا ہے تو اس وقت بادشاہ کی طرف سے جو کارروائی وزیر کے خلاف عمل میں آتی ہے، وہ عام نظروں میں ظالمانہ سمجھی جاتی ہے، مگر حقیقت میں بقائے سلطنت اور دوامِ حکومت کے لئے اُس کا ہونا ضروریات سے ہے۔ اور یہ وہ مستحکم قانون ہے کہ جو نہ صرف سلطنت میں، بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ، حاکم اور محکوم میں بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ جس کے نظائر ہر قوم اور ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کے قتل کا واقعہ بھی ان ہی نظائر کا ایک جزء ہے۔

ؔ حسن بن صباح کے حالات میں لفظ باطنیہ اور فدائی کی تشریح کی گئی ہے (دیکھو دوسرا حصہ)

ملک شاہ سے خواجہ کی پہلی شکایت

۲۔ طبقات[1] الکبری کی روایت ہے کہ سب سے پہلے ۴۶۶ھ / ۱۰۷۴ء میں ملک شاہ سے خواجہ نظام الملک کی شکایت ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ: سلطان کا ندیم خاص اور رازدار، اور تمام امراسے زیادہ مقرب، خواجہ نظام الملک کا داماد سید الرؤسا ابوالمحاسن محمد تھا چنانچہ ابوالمحاسن نے سلطان سے یہ شکایت کی کہ خواجہ نے تمام سلطنت پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور امصار و دیار کو ویران کرکے اپنا گھر مال و دولت سے بھرلیا ہے۔ اگر سلطان خواجہ کو میرے حوالہ کردے تو اس معاوضہ میں دس لاکھ دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہے) داخل خزانہ کروں۔

ملک شاہ نے تو اس شکایت اور درخواست پر کوئی توجہ نہیں کی۔ لیکن جب خواجہ کو اپنے سعادت مند داماد کی مخبری کی اطلاع ہوئی تو اُس نے سب سے پہلے اپنے ترکی غلاموں کو جمع کیا، جو تعداد میں کئی ہزار تھے۔ پھر اُن کو اصطبل خاص سے گھوڑے دے کر آلات حرب سے مسلح کیا۔ اور جب یہ ترکی رسالہ تیار ہوگیا۔ تو خواجہ نے ملک شاہ کی دعوت کی اور رخصت کے وقت نفیس اور بیش قیمت ہدیہ پیش کئے، اور سب سے اخیر میں غلاموں کا معاینہ کرایا۔ اور ملک شاہ کو مخاطب کرکے کہا کہ "اے سلطان! میں نے آپ کی اور نیز آپ کے بزرگوں کی خدمت کی ہے۔ میرے حقوق آپ پر بہت کچھ ہیں۔ آپ سے کہا گیا ہے کہ میں نے آپ کی دولت سے اپنا خزانہ بھرلیا ہے، یہ مجھے تسلیم ہے اور بالکل سچ ہے۔ لیکن اُس دولت سے میں نے یہ فوج تیار کی ہے، علاوہ بریں صدقات، خیرات، اور اوقاف میں بھی ایک کثیر رقم خرچ ہوتی ہے اور ان تمام مصارف کا منشا صرف آپ کی شہرت اور ناموری ہے۔ اور آخرت میں اس کا ثواب بھی آپ ہی کو ملے گا۔ اس وقت میری تمام دولت اور جاگیر آپ کے سامنے ہے۔ اور میں صدق دل سے کہتا ہوں کہ

سپردم بتو مایۂ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

پھر عارض کو حکم دیا کہ "ان غلاموں کا نام فہرست سلطانی میں درج کرو"۔ اور اپنی نسبت کہا کہ "مجھے اوڑھنے کو ایک گدڑی اور پڑ رہنے کو ایک گوشہ کافی ہے"۔

---

[1] طبقات الکبری، حالات خواجہ نظام الملک، وکامل اثیر صفحہ ۴۴۔ جلد ۱۰ و تاریخ آل سلجوق عماد الدین اصفہانی حالات خواجہ، و آثار الوزرا سیف الدین سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔

جب خواجہ نے یہ تقریر کی تو ملک شاہ کا دل صاف ہوگیا۔ لیکن ابوالمحاسن کی نسبت حکم دیا کہ اُس کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائی پھیری جائے اور قلعہ سادہ میں قید رہے "۔

جب ابوالمحاسن کے والد، کمال الدولہ بن ابو رضا کو اس حکم کی اطلاع ہوئی تو اُس نے خواجہ سے معافی مانگی۔ اور تین لاکھ دینار بطور جرمانہ داخل خزانۂ شاہی کر کے امن کا طالب ہوا۔ مگر خواجہ نے ابوالمحاسن کا قصور معاف نہیں کیا۔ بلکہ کمال الدولہ کو بھی "دیوان[1] الانشا والطغرا" کی خدمت سے موقوف کر دیا۔ اور اس عہدے پر اپنے بیٹے موید الملک کو مقرر کیا۔ گو یہ سچ ہے کہ ابوالمحاسن کی شکایت پر ملک شاہ نے خواجہ نظام الملک سے بظاہر مخالفت نہیں کی۔ لیکن حقیقت میں اُس کے آئینۂ دل پر بدگمانی کا ایک ہلکا سا غبار ضرور چھا گیا تھا۔

مؤیدالملک کی معزولی

۳۔ تاریخ نگارستان میں لکھا ہے کہ جب موید الملک کو دیوان الانشا کی خدمت سپرد ہوئی۔ تو اول اُس نے اپنے نائب ابوالمختار زوزنی (ملقب بہ ادیب) کو موقوف کر کے اوستاد اسمٰعیل اصفہانی[2] کو مقرر کیا۔ ادیب نے بہت کوشش کی کہ موید الملک رضامند ہو، اور وہ پھر اپنی جگہ پر مقرر ہو جائے، مگر موید الملک نے کوئی سماعت نہیں کی، تب مجبور ہو کر ادیب، ملک شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے مؤدب کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے ادیب کو پریشان حال دیکھکر فرمایا کہ کچھ کہنا چاہتے ہو تو عرض کرو؛ چنانچہ ادیب نے تمام واقعات سلطان کے گوش گذار کئے۔ چونکہ ادیب دفتر انشا کا قدیم اہل کار تھا۔ اور سلطان اُس کے فضل و کمال سے خود بھی واقف تھا۔ لہٰذا سلطان نے قاضی مظفر (یہ فوج کا قاضی تھا جس کو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق مجسٹریٹ چھاؤنی کہنا چاہیے) کو بلا کر حکم دیا کہ "تم اسی وقت موید الملک کے پاس جاؤ، اور ما بدولت کی جانب سے کہو کہ "خدا کے فضل سے سلطنت بہت وسیع ہے۔ اور دیوان الانشا میں

---

[1] دیوان الانشاء والطغرا ایک بڑے دفتر کا نام ہے جو وزیر کے ماتحت ہوتا تھا۔ جس کی تفصیل حصۂ دوم میں تحریر ہے

[2] ابو اسمٰعیل حسین بن علی بن محمد بن عبدالصمد الملقب موید الدین طغرائی اصفہانی، اپنے زمانہ کا نہایت نامور ادیب اور شاعر ہے۔ ابن خلکان نے قصیدہ لامیۃ العجم نقل کیا ہے جس سے طغرائی کے زور قلم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ نظام الملک کی مدح میں بھی قصائد لکھے ہیں۔ اخیر عمر میں مسعود بن محمد سلجوقی کا وزیر ہوگیا تھا۔ ۵۱۳ھ میں قتل ہوا ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۵۹۔

ادیب ایسے متعدد اشخاص کو جگہ مل سکتی ہے۔ یہ سلطنت کا قدیم نمک خوار ہے۔ اس کو کسی خدمت پر مقرر کر دو" چنانچہ قاضی مظفر، ادیب کو موید الملک کے پاس لے گئے اور سلطان کا حکم سنایا۔ جس کے جواب میں موید الملک نے کہا کہ "خداوند عالم (ملک شاہ) کا ارشاد میں بسر و چشم منظور کرتا۔ مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ ابوالمختار کو کوئی خدمت نہ دوں گا، اب اگر اس کے خلاف کروں تو میری قسم ٹوٹ جائے گی" موید الملک کا جواب سن کر قاضی مظفر حیرت زدہ رہ گیا۔ اور موید الملک سے نصیحتاً کہا کہ "آپ کا یہ جواب سلطان سے عرض کرنے کے لئے لائق نہیں ہے اور اس کے نتائج نہایت خراب ہوں گے"۔ مگر موید الملک نے کچھ پروا نہ کی۔ تب مجبور ہو کر قاضی مظفر نے موید الملک کا جواب سلطان سے عرض کر دیا۔ "قاضی صاحب کا قول ہے کہ" موید الملک سے ایسا خلافِ امید جواب سُن کر، سلطان کا رنگ غصہ سے متغیر ہو گیا اور (اسی حالت میں) فرمایا کہ" موید نے ابوالمختار کو جگہ دینے سے قسم کھائی ہے۔ مگر میں نے قسم نہیں کھائی ہے۔ پھر تمفاج حاجب کو بلا کر حکم دیا کہ" ما بدولت نے ابوالمختار کو موید کی جگہ پر دیوان الانشا کا افسر مقرر کیا۔ خلعت پہنا کر اسی وقت دارالانشا میں لے جاؤ اور خلعت کے ساتھ کمال الملک کا خطاب بھی مرحمت فرمایا"۔

موید الملک نے ملک شاہ جیسے عظیم الشان خود مختار بادشاہ کو جو گستاخانہ جواب دیا اس کی معمولی سزا تو قتل تھی۔ مگر یہ نظام الملک کی وزارت کا اقتدار تھا کہ ملک شاہ نے موید الملک کو صرف معزول کر دیا۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ خواجہ کے ماتحت عملہ میں ملک شاہ نے دست اندازی کی تھی۔

ترکان خاتون کی خفیہ کارروائیاں

۴۔ اخیر زمانے میں ملک شاہ کو "ترکانؒ خاتون" نے بدظن کر دیا تھا۔ اور کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا جو خواجہ اور اس کی اولاد کی

ؒ ترکان خاتون، جو حرم بزرگ اور خاتون جلالیہ کے نام سے مشہور ہے۔ عمادالدولہ طفقاج خان ابوالمظفر ابراہیم ابن نصر ایلک کی بیٹی تھی۔ یہ خاندان نسل افراسیاب سے ہے جو سمرقند اور فرغانہ میں حکمران تھا۔ ۴۵۶ھ میں ملک شاہ نے ترکان خاتون سے عقد کیا تھا۔ ترکان خاتون دنیا کی اُن ممتاز عورتوں میں سے ایک ہے جو عقل و فراست میں ضرب المثل تھیں۔ معاملات ملکی میں اس کی چالیں نہایت زبردست پڑتی تھیں۔ اور ملک شاہ اس کی کسی بات کو رد نہ کرتا تھا۔ ملکی مشورہ میں بھی شریک رہتی تھی۔ خلفائے بغداد سے ملک شاہ نے جو رشتہ داری پیدا کی یہ بھی ترکان خاتون (بقیہ صفحہ آئندہ)

برائیاں ملک شاہ سے نہ کی جاتی ہوں۔ اور اس کا یہ سبب تھا کہ خاتون اپنے بیٹے محمود کو ولی عہد سلطنت کرنا چاہتی تھی۔ مگر بغیر اعانت خواجہ یہ امر محال تھا۔ اور خواجہ نے خاتون سے صاف کہدیا تھا کہ "ولیعہدی شاہزادہ برکیارق کا حق ہے کیونکہ برکیارق میں علاوہ اولاد اکبر ہونے کے عقل و دانش کی علامتیں اور جہاں داری کے آثار موجود ہیں۔ اور اُس کی والدہ زبیدہ، یاقوتی بن داؤد کی بیٹی ہے (ملک شاہ کے چچا کی لڑکی تھی) اور سلجوقیہ ہونے کی وجہ سے ہر طرح اسی کا حق ہے۔ اس کے مقابلہ میں محمود کو اول تو حق نہیں ہے اور ماسوا اس کے وہ بالکل بچہ ہے۔ میں کسی طرح ملک شاہ سے محمود کی ولی عہدی کی سفارش نہیں کر سکتا ہوں۔" چنانچہ خاتون، خواجہ کے اس جواب سے سخت ناراض تھی۔ اور ہر وقت خواجہ کی فکر میں رہا کرتی تھی۔

بقیہ صفحہ ۱۴۹- کی ایک حکمت عملی تھی۔ رمضان ۴۸۵ھ میں بمقام اصفہان انتقال کیا انتخاب از درالمنثور فی طبقات ربات الخدور۔ صفحہ ۱۶۱ ۔ ملک شاہ کے انتقال پر چار بیٹے برکیارق، محمد، سنجر اور محمود موجود تھے۔ برکیارق ۴۷۴ھ میں اور محمود ۴۸۰ھ میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ برکیارق سب سے بڑا اور محمود سب سے چھوٹا ہے لیکن ترکان خاتون کے زور سے ملک شاہ محمود کے حق میں وصیت کر گیا تھا۔ چنانچہ ۴۸۵ھ میں جب ملک شاہ کا انتقال ہوگیا تو برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی (کیونکہ اس وقت ترکان خاتون معہ محمود کے یہاں مقیم تھی) لیکن خاتون نے ڈر کر سلطنت کو تقسیم کر دیا یعنی اصفہان معہ متعلقات محمود کے قبضہ میں رہے اور باقی سلطنت پر برکیارق حکومت کرے مگر برکیارق کی قسمت سے محمود کا انتقال ہوگیا (اس وقت محمود کی عمر سات برس کی تھی) اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔ یہ واقعہ ۴۸۶ھ کا ہے چار برس کے بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا لیکن مسلسل خانہ جنگیوں کے بعد ۴۹۲ھ میں دونوں بھائیوں نے صلح کے ذریعے سے پھر سلطنت کو تقسیم کیا۔ چنانچہ شام، عراق، موصل، آذربائیجان، ارمینہ کا ملک محمد کے حصے میں آیا۔ اور بقیہ ملک پر برکیارق کی حکومت رہی۔ ربیع الآخر ۴۹۸ھ میں بمقام بروجرد برکیارق کا انتقال ہوگیا اور سلطان محمد بلا شرکت غیرے حکمرانی کرنے لگا۔ اور اسی کی اولاد میں اخیر تک حکومت رہی ملک شاہ کا سب سے بڑا لڑکا احمد تھا اور یہی ولیعہد بھی تھا۔ مگر ۴۸۱ھ میں گیارہ برس کا ہو کر فوت ہوگیا تب برکیارق ولیعہد ہوا تھا۔ ملک شاہ کے انتقال پر جو بھائیوں میں خانہ جنگی ہوتی ہے اس کی تفصیل ہم نے تاریخ آل سلجوق میں لکھدی ہے۔ انتخاب از زبدۃ النصرہ و کامل اثیر۔ و روضۃ الصفا حالات نظام الملک۔

مگر جب اُس کو بڑائی کا کوئی پہلو نہیں ملا۔ تب سلطان سے کہا کہ "نظام الملک نے اپنے بارہ بیٹوں کو ائمہ اثناعشر کی طرح تمام ملک پر حکمراں کر دیا ہے اور وہی تمام سلطنت کے مالک ہیں"۔

آخر کو یہی فقرہ کارگر ہوگیا۔ اور خواجہ کے زوال وزارت کا یہی سبب ہوا۔ جس کی تصدیق خواجہ؎ کی حسب ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ مدتی شست کہ حرم بزرگ (ترکان خاتون) رااز من ملال واقع ست (بواسطۂ آنکہ می خواہد تا پادشاہ ولایت عہد خود بفرزند او محمود دہد) و خاطری دارد منحرف، و تہمتہا براطراف وجوانب می گرددومی خواہد تا مفسدہ بمن اسناد کند کہ موجب تغیر مزاج سلطان باشد و از جمیع بدسگالانِ من و مخالفانِ من استنطاق می کند ہیچ طریق میسر نمی شود و ہیچ نمی تواند گفت الا آنکہ

بقیہ صفحہ ۱۵۰۔ کی ایک حکمت عملی تھی۔ رمضان ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں بمقام اصفہان انتقال کیا انتخاب از درالمنثور فی طبقات ربات الخدور صفحہ ۱۰۶۔ ؎ ملک شاہ کے انتقال پر چار بیٹے برکیارق، محمد، سنجر اور محمود موجود تھے۔ برکیارق ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء میں اور محمود ۴۸۰ھ/۱۰۸۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ برکیارق سب سے بڑا اور محمود سب سے چھوٹا۔ لیکن ترکان خاتون کے زور سے ملک شاہ محمود کے حق میں وصیت کر گیا تھا۔ چنانچہ ۴۸۵ھ میں جب ملک شاہ کا انتقال ہوگیا تو برکیارق نے اصفہان پر فوج کشی کی (کیونکہ اس وقت ترکان خاتون معہ محمود کے یہاں مقیم تھی) لیکن خاتون نے ڈر کر سلطنت کو تقسیم کر دیا۔ یعنی اصفہان معہ متعلقات محمود کے قبضہ میں رہے اور باقی سلطنت پر برکیارق حکومت کرے مگر برکیارق کی قسمت سے محمود کا انتقال ہوگیا (اس وقت محمود کی عمر سات برس کی تھی) اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔ یہ واقعہ ۴۸۶ھ/۱۰۹۳ء کا ہے چار برس کے بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کر لیا لیکن مسلسل خانہ جنگیوں کے بعد ۴۹۲ھ میں دونوں بھائیوں نے صلح کے ذریعے سے پھر سلطنت کو تقسیم کیا چنانچہ شام، عراق، موصل، آذربائیجان، ارمینہ کا ملک محمد کے حصے میں آیا۔ اور بقیہ ملک پر برکیارق کی حکومت رہی۔ ربیع الآخر ۴۹۸ھ/۱۱۰۴ء میں بمقام بروجرد برکیارق کا انتقال ہوگیا اور سلطان محمد بلا شرکت غیرے حکمرانی کرنے لگا۔ اور اسی کی اولاد میں اخیر تک حکومت رہی ملک شاہ کا سب سے بڑا لڑکا احمد تھا اور یہی ولی عہد بھی تھا۔ مگر ۴۸۱ھ میں گیارہ برس کا ہوکر فوت ہوگیا تب برکیارق ولی عہد ہوا تھا۔ ملک شاہ کے انتقال پر جو بھائیوں میں خانہ جنگی ہوئی ہے اس کی تفصیل ہم نے تاریخ آل سلجوق میں لکھدی ہے۔ انتخاب از زبدۃ النصرہ و کامل اثیر۔ و روضۃ الصفا حالات نظام الملک۔

؎ کتاب الوصایا خواجہ نظام الملک۔

خواجہ مملکت را بر فرزندان خود قسمت نمودہ اگرچہ کسی دیگر مطلع نیست ولیکن ہمیں ما معلوم است کہ ایں سخن در باطن سلطان تاثیر کردہ ۔ انشاءاللہ تعالےٰ محمود العاقبتہ باشد بخیر بگذرد"۔

مخالفت کا جو پہلو ترکان خاتون نے تلاش کیا تھا وہ بہت زبردست تھا اور نظام الملک کو بھی معلوم ہو چکا تھا کہ صرف یہی ایک سبب اُس کے زوال حکومت کا باعث ہو گا۔ جس کے انجام بخیر ہونے کی اُس نے خدا سے دعا مانگی تھی۔

تاج الملک کی سازش

۵۔ تاج الملک ابوالغنائم المرزبان بن خسرو فیروز۔ قم کا باشندہ تھا۔ اور اُس کے بزرگ، سلاطین فارس کے دربار میں وزارت پر ممتاز تھے۔ چنانچہ اسی خاندانی وجاہت اور شرافت کی وجہ سے امرائے سلجوقیہ، مرزبان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ابتداءً مرزبان، سرہنگ ساتگین (دولت سلجوقیہ کا ایک امیرالامراء) کی خدمت میں رہا کرتا تھا مگر امیر مذکور نے اُس کو ایک جوہر قابل سمجھ کر ملک شاہ کی حضور میں پیش کیا۔ اور یہ سفارش کی کہ "مرزبان دربار سلطانی کے لائق اور ہر طرح سے قابل اعتماد ہے" چنانچہ سلطان نے مرزبان کو، ناظر حرم سرا اور منتظم خزانہ مقرر کر دیا۔ اس کے سوا کچھ حصہ ملک اور فوج کی نگرانی بھی سپرد کی گئی۔ اور سب سے بڑھ کر جو اعزاز کا ذریعہ ہوا وہ ترکان خاتون کی نیابت (پرائیویٹ سکریٹری) تھی اور ان ہی خدمات کے صلہ میں تاج الملک کا خطاب بھی مرحمت ہوا تھا۔ اور چونکہ انتظامی قابلیت کے ساتھ فصاحت وبلاغت کا بھی جوہر رکھتا تھا اس لئے اخیر زمانہ میں ملک شاہ نے دیوان الانشا والطغرا کا افسر بھی مقرر کر دیا تھا اور خاتون کی حمایت کے بل پر وزارت عظمیٰ کا بھی امیدوار تھا۔ اور چونکہ دیوان الانشا کی افسری کی وجہ سے سلطنت اور وزارت کے اہم معاملات سے واقف ہو گیا تھا۔ اس لئے تاج الملک خواجہ کے اسباب انقلاب وزارت پر غور کیا کرتا تھا۔ اور جب کوئی مفید مطلب پہلو مل جاتا تو ترکان خاتون سے کہہ دیتا تھا۔ اور خاتون موقع محل سے واقعات پر ملمع کر کے سلطان کی حضور میں پیش کر دیا کرتی تھی۔ چنانچہ محل کے اندر تو یوں کارروائی ہوتی تھی۔ اور باہر کا یہ حال تھا کہ تاج الملک نے خواجہ نظام الملک کے ماتحت عملہ میں سے مجد الملک مستوفی اور سدید الملک عارض وغیرہ کو اپنے گروہ میں شامل کر لیا تھا۔ اور اب متفقہ مشورے سے نظام الملک کی وزارت کا نظم ونسق کیا جاتا تھا۔ مگر باوجود ان کوششوں کے خود ملک شاہ اور تاج الملک کی طاقت سے یہ باہر تھا کہ فوراً نظام الملک کو معزول کر دیں کیونکہ

خواجہ سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اور تمام مملکت پر اس کا سکہ بیٹھا ہوا تھا مگر ہاں! ان کارروائیوں سے یہ ضرور ہوا کہ آہستہ آہستہ سلطان کا مزاج بگڑ تا گیا۔ مگر خواجہ نظام الملک کو عقل و فراست اور خفیہ تحقیقات سے جہاں تک تاج الملک کے جوڑ توڑ معلوم ہو جاتے تھے۔ وہ اپنی حکمت عملیوں سے اُن کو دفع کر دیتا تھا۔ مگر جو کارروائیاں درپردہ ہوتی تھیں اُن کا خواجہ کو پتہ بھی نہ لگتا تھا۔ جب تاج الملک کا کوئی عمل کارگر نہ ہوا تو اُس نے حسن بن صباح سے سازش کی جس کا خاتمہ خواجہ کے قتل پر ہوا۔ (تفصیل آئندہ باب میں ہے)

خلفائے عباسیہ کی حمایت

۶۔ خواجہ نظام الملک چونکہ ایک مذہبی شخص تھا لہٰذا اُس کی نظر میں خلفائے عباسیہ کی بڑی عظمت تھی۔ گو اس عہد میں دنیاوی جاہ و جلال اور حکومت کے لحاظ سے خلفا کا درجہ اکبر ثانی اور بہادر شاہ (شاہان دہلی) سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ مگر مذہبی حیثیت سے اس ضعیف اور ناتوان خلیفہ کے سامنے بڑے بڑے مغرور اور متکبر بادشاہوں کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اور آستانہ بوسی کو اپنا فخر اور مصافحہ کی عزت کو سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے۔ چنانچہ خلفا بھی خواجہ کے فضل و کمال اور اقتدار وزارت کی وجہ سے اُس کی غایت درجہ عزت کرتے تھے۔ چنانچہ رمضان ۴۸۴ھ (۱۰۹۱ء) میں دوسری مرتبہ جب خواجہ نظام الملک، ملک شاہ کے ہمراہ بغداد گیا ہے تو خلیفہ مقتدی بامراللہ نے خواجہ کو تخت خلافت کے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا کہ "اے حسن! تجھ سے خدا بہت خوش ہوگا کیونکہ امیرالمومنین تجھ سے رضامند ہے" خواجہ نے یہ مژدہ سن کر عرض کیا کہ "خداوند تعالیٰ امیرالمومنین کی دعا کو مستجاب فرمائے"۔

جب ملک شاہ کو اس قرب و اختصاص کی اطلاع ہوئی تو اس کو بہت ناگوار ہوا کیونکہ ملک شاہ مقتدی کو معزول کرنا چاہتا تھا اور اس فکر میں چند سال سے تھا۔ مگر خواجہ، ملک شاہ کو ہمیشہ اس کارروائی سے روک دیا کرتا تھا۔ اور اگر خلیفہ سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو درپردہ اُس کو ہوشیار کر دیا کرتا تھا۔ اور ایسے مشورے دیتا تھا۔ جس سے سلطان رضامند ہو جائے۔ چنانچہ ۴۷۴ھ (۱۰۸۱ء) میں جب ملک شاہ مقتدی سے ناراض ہوا تو خواجہ نے سلطان کی بیٹی کا خلیفہ[۱] سے عقد کر دیا۔

[۱] ترکان خاتون اور خواجہ نظام الملک کے مشورے اور دباؤ سے ملک شاہ نے اپنی بیٹی کا عقد (باقی در صفحہ آئندہ)

جس کی وجہ سے بہت سی پیچیدگیاں رفع ہو گئیں۔ غرضکہ خواجہ نے اس قسم کی کارسعائیاں کرکے ملک شاہ کا غصہ دھیما کر دیا تھا۔ اور یہ تمام حکمت عملیاں محض اسلامی ہمدردی کی وجہ سے

بقیہ صفحہ ۱۵۳۔ خلیفہ مقتدی بامر اللہ سے کیا تھا چنانچہ تاریخ آل سلجوق اور کامل ابن اثیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب ملک شاہ بغداد جاتا تھا تو بیگمات حرم بھی ساتھ جایا کرتی تھیں اور ترکان خاتون کے ہمراہ شہزادی بھی ہوتی تھی۔ اور اس کے حسن و جمال کی کیفیت سے بھی خلیفہ آگاہ تھا اور جب ضرورتِ ملکی بھی اس کی متقضی ہوتی کہ ملک شاہ سے شادی کا پیام دیا جائے تو خلیفہ نے شوال سنہ ۴۷۴ھ میں اپنے نامور وزیر ابو نصر فخر الدولہ محمد بن جہیر کو اصفہان روانہ کیا۔ چنانچہ ملک شاہ سے خلیفہ کا پیام کہا۔ سلطان نے فرمایا کہ اس معاملہ میں ترکان خاتون مختار ہیں اور انھی کو "خاتون" کے عقد کا اختیار ہے۔ آپ یہ پیام بیگم سے کہیں۔ چنانچہ ابو نصر خواجہ نظام الملک کو ہمراہ لے کر "خاتون بزرگ" کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعائے دلی کا اظہار کیا۔ خاتون نے فرمایا کہ شاہان غزنین اور ماوراء النہر نے بھی اپنے شاہزادوں کی شادی کا پیام دیا ہے اور چار لاکھ دینار نقد مہر ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ شرط منظور ہو تو مقتدی بامر اللہ کو میں سب سے بہتر سمجھتی ہوں"۔ لیکن جب ارسلان خاتون (زوجۃ القائم بامر اللہ دختر چغر بیگ داؤد سلجوقی) کو اطلاع ہوئی تو اُس نے ترکان خاتون کو سمجھایا کہ بغیر کسی شرط کے یہ شادی کر دی جائے۔ یہ رشتہ آل سلجوق کے حق میں فخر و مباہات کا باعث ہوگا۔ چنانچہ بعد از مشورہ طے پایا کہ پچاس لاکھ دینار مہر معجل پر عقد کر دیا جائے اور یہ بھی شرط رہے کہ خلیفہ کسی دوسری منکوحہ یا کنیز سے تعلق نہ رکھے گا۔ چنانچہ یہ تمام شرطیں طے کرکے صفر سنہ ۴۷۵ھ میں فخر الدولہ بغداد واپس گیا اور مقتدی نے تمام شرائط کو منظور کر لیا۔ اور عقد ہو گیا۔ لیکن ملک شاہ نے اپنی بیٹی کو صفر سنہ ۴۸۰ھ میں شاہانہ جلوس کے ساتھ بغداد روانہ کیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو تیس ۱۳۰ اونٹوں پر (جن کی جھولیں دیبائے رومی کی تھیں) اسباب طلا و نقرہ تھا۔ اور چوہتر ۷۴ خچروں پر (جن کی گردنوں میں چاندی سونے کی گھنٹیاں لٹکتی تھیں) بیش قیمت اور نفیس اسباب تھا۔ اور منجملہ چوہتر کے چھ ۶ پر بارہ صندوق قیمتی جواہرات اور زیورات سے بھرے ہوئے تھے۔ اور اس قطار کے آگے تینتیس ۳۳ سوار تھے (جو شائستہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور جن کے زین مرصع تھے) اور تین عماری تھیں جو لاگت اور صنعت کے لحاظ سے لاجواب تھیں۔ اور اس جلوس کے پیچھے دُلھن کا محفہ تھا۔ اور اس کے بعد خواتین بغداد اور ترکان خاتون کے محفے تھے۔ ان کے علاوہ تین سو کنیزوں کے ڈولے تھے اور خواجہ سراؤں کی تعداد بے شمار تھی۔ اور اس قافلہ کے نگراں وزیر سعد الدولہ گوہر آئین۔ اور امیر برسق۔ اور خواجہ نظام الملک تھے۔ اور رعایائے سلطانی دُلہن کے محفہ پر دینار وغیرہ نثار کرتی جاتی تھی غرضکہ بڑی شان و شوکت سے یہ جلوس بغداد پہنچا۔ خلیفہ کی طرف سے استقبال کے لئے وزیر (باقی در صفحہ آئندہ)

تھیں۔ ورنہ حقیقت میں خواجہ کی شان وشوکت خلیفہ سے بدرجہا بڑھ کر تھی۔

حسن بن صباح کا دربار اور ملک شاہ کی سفارت

حسن بن صباح اور خواجہ نظام الملک میں جن اسباب سے عداوت پیدا ہوئی تھی وہ اپنے موقعہ پر تفصیل سے تحریر ہیں۔ لیکن خواجہ کے قتل کی علت غائی یہ ہے کہ جب فرقہ اسماعیلیہ کا زور ہوا۔ اور حسن بن صباح نے قلعہ الموت[1] پر قبضہ کرکے اطراف کے شہروں میں اپنا اقتدار قائم کرلیا۔ اور حسن کے مریدوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھنے لگی۔ تب ملک شاہ اور نظام الملک کو اس طرف خاص

بقیہ صفحہ ۱۵۴: ابوشجاع اور دیگر خواص روانہ ہوئے۔ جن کے جلو میں تین سو مشعل بردار سوار تھے۔ اور حریم خلافت کی کوئی دکان ایسی نہ تھی کہ جس میں دو ایک شمع نہ جلتی ہوں (بغداد میں ہزاروں جشن ہوئے ہوں گے۔ اور ہزاروں مرتبہ روشنی بھی ہوئی ہوگی مگر خلافت کے اخیر دور میں جب کہ دولتِ عباسیہ کا چراغ خود جھلملا رہا تھا یہ روشنی بھی "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح" کے مصداق تھی) وزیر ابوشجاع کے ہمراہ خلیفہ کا خاص خادم ظفر بھی تھا۔ جس کی سپردگی میں وہ بے نظیر محفہ تھا جو دُلہن کے لئے بھیجا گیا تھا جس پر زرکش اور طلا کار پردے پڑے تھے۔ اور اس قدر جواہرات ٹکے ہوئے تھے کہ نظر خیرہ ہوتی تھی۔ جب ترکان خاتون کی سواری قریب آئی تو ابوشجاع آداب بجالایا اور عرض کیا کہ سیدنا ومولانا امیرالمومنین نے پیام دیا ہے "ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا" چنانچہ ترکان خاتون نے مطلب سمجھ لیا اور جلوس محل سرا کی طرف روانہ ہوا۔ اور امرائے بغداد اور ارکان سلطنت کی بیگمات نے ترکان خاتون کا استقبال کیا اور معزز مہمان بیبیوں کو سواریوں سے اُتارا۔ اور جب سواریاں اتر چکیں تو اخیر میں دُلہن کی باری آئی جس کے محفہ کے گرد وپیش دو سو قلماقنیاں (ترکی عورتوں کا مسلح گروہ) تھیں۔ چنانچہ تمام بیگمات نے خاتون دلہن کو محفہ سے اتارا اور مسند پر جا بٹھایا۔ جب صبح ہوئی تو خلیفہ مقتدی بامراللہ کے حضور میں ارکان سلطنت (ملکی و فوجی) پیش ہوئے اور سب خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اسی طرح ترکان خاتون اور اُن تمام خواتین کو جو بیگم کے ہمراہ آئی تھیں خلعت دیئے گئے اور ہنسی خوشی سے یہ تقریب ختم ہوگئی۔ سامان دعوت میں کس قدر جنس خرچ ہوئی اس کی تفصیل مورخین نے نہیں لکھی ہے البتہ صرف شکر کی نسبت لکھا ہے۔ کہ چالیس ہزار من صرف ہوئی تھی۔ خلیفہ کی اس بی بی سے جو بیٹا ہوا اس کا نام ابوالفضل جعفر تھا اور اسی کی ولیعہدی پر ملک شاہ اور خلیفہ میں مخالفت ہوئی۔

انتخاب از کامل اثیر صفحہ ۵۵ جلد ۱۰ درالمنثور۔ ونگارستان وغیرہ۔

[1] اس قلعہ کی مختصر تاریخ حسن بن صباح کے حالات میں تحریر ہے۔

توجہ ہوئی۔ لیکن چونکہ سلطان[1] الپ ارسلان کے عہد میں اس خوفناک فرقہ کا کوئی انسداد نہیں کیا گیا تھا۔ اس وجہ سے حسن بن صباح کا استیصال اب مشکل نظر آتا تھا۔ لہٰذا نظام الملک نے حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا۔ اور اُس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۳ھ بمطابق ۱۰۹۰ء میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت حسن بن صباح کے پاس روانہ کی۔ جس کا یہ منشا تھا کہ سلطان کے شاہانہ جاہ و جلال سے حسن کو ڈرا کر اطاعت پر آمادہ کیا جائے اور فوج کشی کی ضرورت نہ واقع ہو۔ چنانچہ سفیر نے الموت پہنچ کر حق سفارت ادا کیا۔ مگر حسن پر سفیر کی تقریر کا اثر بھی نہ ہوا، اطاعت کا اقرار کرنا تو امرِ محال تھا۔ رخصت کے وقت سفیر کو مخاطب کر کے حسن نے کہا[2] کہ "آپ ملک شاہ سے کہدیں کہ ہم کو نہ ستائے۔ ورنہ مجبور ہو کر مقابلہ کرنا پڑے گا مگر یہ معلوم رہے کہ ملک شاہ کی فوج ہمارے مقابلہ کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے لشکر کا ہر سپاہی (مرید) جاں بازی میں فرد ہے۔ اُس کے نزدیک اپنی جان دینا اور دوسرے کی جان لینا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔"

حسن بن صباح نے اپنے مریدوں کی جو تعریف کی تھی گو وہ بالکل سچ تھی۔ مگر فریق مخالف اس کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا حسن نے بطور عملی ثبوت کے ایک مرید کو حکم دیا کہ "خنجر مار کر مرجاؤ۔" دوسرے سے کہا کہ "الموت کی چوٹی سے اپنے تئیں گرادو۔" تیسرے سے فرمایا کہ "پانی میں ڈوب مرو۔" چنانچہ ایک ہی وقت میں (حکم کے مطابق) تینوں مرید اپنے شیخ پر قربان ہو گئے[3]۔

جب سفیر یہ تماشا دیکھ چکا تو حسن بن صباح نے سوال کیا کہ "ملک شاہ کی تمام فوج میں ایک سپاہی بھی ایسا ہے جو میرے مرید کی طرح جاں باز ہو؟ اور اسی مابین میں کسی شرعی حکم کی خلاف

[1] تاریخ آل سلجوق (واقعات ظہور اسماعیلیہ) اصفہانی میں لکھا ہے کہ سلاطین دیلم اور اُن کے قبل جو حکمراں تھے۔ اُن کا یہ دستور تھا کہ وہ تمام ملک میں خبر رسانی کے واسطے جاسوس مقرر کرتے تھے۔ اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس کے صحیح واقعات سلطان تک نہ پہنچتے ہوں۔ مگر الپ ارسلان نے اپنے عہد میں یہ محکمہ توڑ دیا تھا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آہستہ آہستہ فرقہ باطنیہ ترقی کر گیا اور سلطنت کو اُن کی سازشوں اور خفیہ کارروائیوں کی اُس وقت خبر ہوئی جب حسن نے قزوین اور رودبار وغیرہ کے قلعوں پر پورا قبضہ کر لیا۔

[2] الوافی جلد اول صفحہ ۱۷۶۔

[3] گنج دانش نقرہ ملک شاہ صفحہ ۴۱۴۔

ورزی میں حسن کے سامنے اُس کے دو بیٹے پیش ہوئے ۔چنانچہ حسن نے اُن کو درے لگاتے جانے کا حکم دیا اور وہ دونوں اسی صدمہ سے سفیر کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔

جب سفیر نے واپس آکر یہ چشم دید واقعات ملک شاہ اور خواجہ سے بیان کئے تو دو برس کے واسطے فوج کی روانگی ملتوی کردی گئی ۔لیکن انقضائے میعاد پر ۴۸۵ھ؁ ۱۰۹۲ء میں جب پادشاہی فوج کی نقل وحرکت کی حسن کو اطلاع ہوئی تو جنگ کے فیصلے سے پہلے، اُس نے نظام الملک کی حیات کا فیصلہ کردیا ۔یعنی ایک فدائی نے حسن کے حکم سے خواجہ کو خنجر سے شہید کر ڈالا۔

۸۔نظام الملک کی معزولی

یہ نہایت صحیح قول ہے کہ "جب انسان کا اقبال یاور ہوتا ہے تو اُس کی ہر خواہش عقل کی ماتحت رہتی ہے ۔اور جب ادبار کا زمانہ آتا ہے تو عقل، خواہشات کی تابع ہو جاتی ہے چنانچہ نظام الملک بھی اسی کا مصداق ہے، کیونکہ موید الملک کی معزولی خواجہ کی ہدایت کے لئے کافی تھی ۔ مگر خواجہ نے ملک شاہ کی رضامندی کا کچھ بھی خیال نہ کیا ۔اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر اپنے بیٹوں، پوتوں اور غلاموں کو بدستور سابق مقرر کرتا رہا۔چنانچہ[ل۱] ۴۸۵ھ؁ میں خواجہ نے اپنے پوتے عثمان بن جمال الملک کو مرو کا والی مقرر کیا۔ اور عثمان نے مرو پہنچ کر وہاں کے شحنہ سے احمقانہ چھیڑ چھاڑ شروع کی (یہ شحنہ جس کا نام قودن تھا ملک شاہ کا خاص غلام تھا) چنانچہ عثمان نے شحنہ کو جب زیادہ ستایا تو اُس نے سلطان کی خدمت میں ایک شکایت آمیز درخواست بھیجی ۔چونکہ ملک شاہ کو موید الملک کے واقعہ سے خواجہ کے عزیزوں کے خیالات کا اندازہ ہوگیا تھا اس لئے براہ راست عثمان سے دریافت نہیں کیا۔ بلکہ امرائے دربار میں سے تاج الدولہ، مجد الملک، تاج الملک، اور امیر یلبرد کو اپنے سامنے طلب کیا اور فرمایا کہ" مابدولت کی جانب سے نظام الملک سے کہو کہ آپ نے تمام ملک پر قبضہ رکھا ہے، اور سلطنت کے ہر صوبہ پر اپنے بیٹوں، داما دوں اور غلاموں کو حکمراں بنادیا ہے، تو گویا آپ میرے سلطنت کے شریک ہیں ؛ اگر یہ سچ ہے تو ویسا انتظام کروں ۔اور اگر آپ وزیر السلطنت ہیں تو نیابت کے درجہ پر نظر رکھنا چاہیئے ۔لیکن موجودہ حالت اس کے برعکس ہے ۔کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کی اولاد تمام سلطنت پر حکومت کررہی ہے ۔اور یہ لوگ ہمارے خاص آدمیوں کے اعزاز کا

[ل۱] کامل اثیر و طبقات الکبری۔

بھی کچھ لحاظ نہیں کرتے ہیں۔ بہرحال آئندہ اگر آپ نے اس کا مناسب انتظام نہ کیا تو میں حکم دوں گا کہ سر سے دستار (تاج وزارت) اور سامنے سے دوات (قلمدان وزارت) ہٹا لی جائے۔"

جب خواجہ نے ملک شاہ کا پیام سُنا تو امرا سے مخاطب ہو کر کہا کہ "آپ سلطانؒ سے کہدیں کہ یہ بات آپ کو آج معلوم ہوئی ہے کہ میں ملک و دولت میں برابر کا حصہ دار ہوں۔ بلکہ واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ دولت سلجوقیہ کا قیام محض میری تدابیر سے ہے۔ کیا سلطان کو وہ وقت یاد نہیں ہے؛ جب الپ ارسلان کو شہادت نصیب ہوئی تھی۔ اور چاروں طرف سے سلطنت پر دعوے داروں نے خروج کیا تھا (خواجہ نے نام بنام عزیز اور اغیار کا ذکر کیا) اُس وقت سلطان نے میرے دامن میں پناہ لی تھی۔ اور میں نے فوجوں کو جمع کر کے کس طرح دشمنوں کو پامال کر دیا تھا۔ اور کیونکر جیحوں عبور کر کے ملکوں کو فتح کیا تھا؛ جب سب مشکلیں حل ہوگئیں اور بلا شرکت غیرے سلطنت پر قبضہ ہو گیا اور فتوحات ملک شاہی کے دنیا میں سکے بیٹھ گئے۔ تو اب میں گنہگار قرار پایا۔ اور میرے خلاف جو شکایتیں ہوتی ہیں وہ بھی سنی جاتی ہیں۔ لیکن یہ ضرور عرض کروں گا کہ اگر سلطان کو موجودہ انتظام میں کوئی تبدیلی کرنا منظور ہے، تو سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ کیونکہ کارکنان قضا و قدر نے میری دوات اور سلطان کے تاج کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ اگر میرے سامنے سے دوات اٹھائی جائے گی تو یاد رہے کہ سلطان کے بھی سر سے تاج اُٹھ جائے گا۔"

روضۃ الصفا کی روایت ہے کہ جب خواجہ نظام الملک کا غصہ دھیما ہوا تو اس کو اپنی تقریر کا افسوس ہوا۔ اور امرا سے کہا کہ حالت اضطرار میں خدا جانے میں کیا کچھ کہہ گیا ہوں آپ جو مناسب سمجھیں وہ سلطان سے عرض کر دیں۔

چنانچہ ان امیروں میں باہمی مشورہ سے طے پایا کہ کل صبح کو دربار میں سلطان سے عرض کیا

ؔ عماد الدین اصفہانی نے چند لفظوں میں خواجہ کا جواب لکھا ہے جو بلحاظ اختصار یاد رکھنے کے لائق ہے قولہ السلطان کان الیوم علمت انی فی الملک مساھمٌ، وفی الدولۃ مقاسمٌ، وان دواتی مقترنۃ بتاجہٖ متی نزعتہا رفع ومتی سلبتہا سلب۔" اسی قسم کے اور واقعات تاریخوں میں تحریر ہیں لیکن ہم نے روضۃ الصفا، کامل، طبقات، آثار الوزرا۔ نگارستان سے خواجہ کا پورا جواب مرتب کر کے لکھا ہے۔"

جائے گا کہ: خواجہ کہتا ہے۔ میں شہریار عالم کا ایک ادنیٰ فرماں بردار ہوں اور میرے سب بیٹے سلطان کے غلام ہیں۔ سلطان کا حکم ہمارے جان و مال پر نافذ ہے۔ فرمان عالی سے کبھی تجاوز نہ کیا جائے گا۔ اور میں عثمان کو ایسی سزا دوں گا۔ جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوگی" مگر افسوس ہے کہ اس گروہ میں سے تاج الملک نے اول تمام حالات ترکان خاتون سے بیان کیے۔ اور خاتون نے خدا جانے کن شرربار الفاظ میں سلطان کو سمجھایا۔ اس کے علاوہ امیر یلبرد نے بھی شب کو خود ملک شاہ سے خواجہ کی اس تقریر کا اعادہ کیا۔ چنانچہ خواجہ کے جواب سے ملک شاہ غضبناک ہوگیا اور اس نے وزارت کے تبدیل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

کامل اثیر کی روایت ہے کہ جب سلطان کے حضور میں امرا نے خواجہ کا جواب بیان کیا تو سلطان نے فرمایا کہ آپ لوگ خواجہ کی خاطر سے اصل واقعہ کو چھپاتے ہیں۔ نظام الملک کا یہ جواب نہیں ہے بلکہ اُس نے تو کچھ اور ہی کہا ہے۔ چنانچہ پتہ کی بات سُن کر سب خاموش ہوگئے اور ملک شاہ نے خواجہ کو وزارت سے معزول کردیا۔

۹۔ تاج الملک کی وزارت

خواجہ نظام الملک کی معزولی کے بعد سلطان ملک شاہ نے تاج الملک کو ترکان خاتون کی سفارش پر وزیر مقرر کیا۔ اور خواجہ کے ماتحت عملہ کو بھی موقوف کرکے جدید انتظام کردیا۔ مثلاً بجائے شرف الملک مستوفی کے ابوالفضل مجد الملک قمی کو۔ اور بجائے کمال الدولہ عارض کے سدید الدولہ ابوالمعالی کو مقرر کیا۔ اور اسی قسم کی اور بھی تبدیلیاں کیں۔ جس کو عام طور سے ملک نے ناپسند کیا اور خود ملک شاہ کو بھی یہ نظم و نسق مبارک نہ ہوا۔

شعرائے دربار نے ان میں سے بعض کی ہجو بھی لکھ ڈالی۔ چنانچہ کمال الدین ابوطاہر خاتونی، مجد الملک کے حق میں کہتا ہے۔

می بتازد بہ بخل مجد الملک　　چوں بکاورش گرسنہ قمری

گر ہمہ قمیاں، چنیں باشند　　قم رفیقا! و برہمہ قم۔ ری

لہ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۷۰ لہ مجمع الفصحا صفحہ ۲۰۲ لہ ایک قسم کا غلہ جس کو ہندی میں چینیہ یا باجرہ کہتے ہیں۔

اور ابوالمعالی نحاس نے بھی اس حد بیدا انتظام پر نکتہ چینی کی ہے۔[2] چنانچہ اُس کا قول ہے۔

زبوعلی بدو۔ از بورضا واز بو سعد | فہاکہ شیر بہ پیش تو ہم چو میش آمد
دریں زمانہ زہر چہ آمدی بخدمت تو | مبشر ظفر و فتح نامہ پیش آمد
زبوالغنائم و بوالفضل و بو المعالی باد | زمیں مملکت را۔ نبات نیش آمد
گراز نظام وکمال و شرف تو سیر | زتاج و مجد و سدید تنگ چہ پیش آمد

تاج الملک کا تقرر چونکہ ترکان خاتون کی سفارش سے ہوا تھا اس وجہ سے ملک شاہ نے اپنی چند روزہ زندگی میں وزیر سے خوشنودی مزاج کا اظہار کیا اور بغداد[3] پہنچ کر خلعت وزارت مرحمت فرمایا۔

۱۰۔ قول فیصل اسباب مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ ملک شاہ، خواجہ سے ناراض تھا۔ اور چند سال تک دونوں میں کشیدگی رہی۔ جس کا اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ منصب وزارت سے معزول کردیا گیا۔ اور صرف معزولی سے ملک شاہ کا مطلب پورا ہوگیا۔ لیکن معزولی کے بعد یہ کہنا کہ خود ملک شاہ کے حکم سے خواجہ قتل ہوا۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مستند مورخوں کا یہ فیصلہ ہے کہ ملک شاہ کا دامن انصاف، نظام الملک کے خون کے دھبہ سے پاک ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ملک شاہ نہایت عادل اور حق شناس بادشاہ تھا اور خواجہ کو ہمیشہ دبا پ، کہہ کے خطاب کیا کرتا تھا۔ لہٰذا ایسے شریف اور کریم النفس پر بدگمانی بھی نہ کرنا چاہیئے۔ علاوہ بریں تمام مورخوں کو تسلیم ہے کہ خواجہ کا قاتل ایک فدائی تھا۔ اور اُس نے حسن بن صباح کے حکم سے خواجہ کو شہید کیا تھا۔ لہٰذا اصلی قاتل حسن بن صباح ہے۔ اور چونکہ تاج الملک[4] بھی، حسن کا مشیر اور مددگار تھا لہٰذا قانون تعزیرات کے مطابق اعانت کے جرم سے وہ بھی بری نہیں ہوسکتا ہے اور قیامت کے دن، احکم الحاکمین کی عدالت میں ان ملزموں کو جواب دہی کرنا پڑے گی اور یہ اپنے

---

[1] الپ ارسلان کے دربار کا مشہور فاضل اور شاعر ہے۔ نہایت دولت مند تھا۔ اور ملک شاہ نے عارض کے عہدے پر مقرر کردیا تھا۔ امیر معزی سے اکثر مقابلہ رہتا تھا۔ ۱۲ھ ۵ھ میں فوت ہوا مجمع الفصحا صفحہ ۸۰۔

[2] آثار الوزرا نسخہ قلمی۔ ان اشعار کا ترجمہ عماد الدین اصفہانی نے اپنی تاریخ آل سلجوق میں بھی لکھا ہے۔

[3] کامل اثیر واقعات ۴۸۵ھ [4] آثار الوزرا نسخہ قلمی۔

کرتوتوں کی سزا پائیں گے ۔ کیونکہ جھوٹی شہادت اور وکیلوں کی منطق یہاں کچھ کام نہ دے گی ۔ بلکہ ؎

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

خواجہ نظام الملک کا مقتل ۔ معہ دیگر واقعات

جس طرح خدا کو (حالانکہ وہ ذات بے نیاز ہے) اپنی خدائی میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہیں ہے ۔ اسی طرح دنیا کی بادشاہت میں بھی کوئی حکمراں یہ نہیں چاہتا ہے کہ کوئی میرا سہیم و شریک ہو ۔ اور محض اسی خیال سے ملک شاہ نے نظام الملک کو معزول کر دیا تھا ۔ مگر اُس کے ظاہری اعزاز اور خاطرداری میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی ۔ چنانچہ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں ملکی[1] ضرورت سے مجبور ہو کر جب ملک شاہ نے اصفہان سے بغداد کا سفر کیا تو خواجہ نظام الملک بھی ہمراہ تھا ۔ ماہِ صیام کی وجہ سے یہ موقعہ سفر کا نہ تھا ۔ مگر جب نصف مسافت طے ہو گئی تو چند روز کے لئے ملک شاہ نے نہاوند[2] میں قیام کیا ۔ اور خیام شاہی کے اطراف و جوانب میں ارکینِ سلطنت اپنی اپنی بارگاہوں میں ٹھیرے ۔ اور خواجہ نظام الملک کے ڈیرے موضع سحنہ میں نصب کئے گئے ۔

طبقات الکبریٰ کی روایت ہے کہ پنجشنبہ کا دن اور رمضان المبارک کی دسویں (مطابق ۱۴؍ اکتوبر ۱۰۹۲ء/۴۸۵ھ) تاریخ تھی کہ خواجہ نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز پڑھی ۔ اور بعد نماز حسب معمول فقہا اور علماء سے باتیں کرتا رہا ۔ اثنارِ کلام میں نہاوند کا تذکرہ شروع ہوا تو خواجہ نے فرمایا :-

---

[1] خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے اپنے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیعہد کر کے ملک شاہ کے نواسہ ابو الفضل جعفر کو محروم کر دیا تھا ۔ (جعفر کی والدہ ۔ ماہ ذیقعدہ ۴۸۲ھ بمقام اصفہان فوت ہو چکی تھی) اس لئے ملک شاہ نے قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مقتدی کو معزول کر کے دمشق یا بصرہ بھیج دے گا ۔ اور تخت خلافت اپنے نواسہ کو دے گا ۔ چنانچہ ملک شاہ نے مقتدی کو یہ پیام بہت سختی سے بھیجا تھا ۔ اور خلیفہ نے دس دن کی مہلت مانگی تھی ۔ مگر اتفاق سے انھیں ایام میں خود ملک شاہ فوت ہو گیا ۔ اور بغداد کی حکومت بدستور آلِ عباس کے قبضہ میں رہی ۔ اس واقعہ کو بعض مورخوں نے مقتدی کی کرامات میں شمار کیا ہے ۔

[2] روزمرہ کے کوچ و مقام سے پریشان ہو کر آرام کی غرض سے ملک شاہ نہاوند میں ٹھہرا تھا ۔ اور سیر و شکار کے لئے بھی یہ کوہستانی سلسلہ نہایت موزوں تھا ۔

یہ مقام[1] امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہوا تھا۔ پھر اُن صحابہ کے حالات بیان کئے۔ جو معرکہ نہاوند میں شہید ہوئے تھے۔

اس جلسہ کے بعد خواجہ نے تراویح پڑھی۔ اور بعد فراغ ایک محفہ (ہوادار) پر سوار ہو کر حرم سرا کو روانہ ہوا۔ جب قیام گاہ پر پہنچا تو فرمایا کہ "یہی وہ مقام ہے کہ جہاں ایک کثیر جماعت مسلمانوں کی شہید ہوئی تھی فطوبی لمن کان معھم (وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جو اُن سے جا ملیں)

غرضکہ خواجہ اپنے خیال میں محو تھا، سواری جا رہی تھی، کہ ایک نوجوان دیلم کا باشندہ (جس کا لباس صوفیانہ تھا) محفہ کی طرف بڑھا۔ اور مستغیث کی حیثیت سے اپنی عرضی پھینکی۔ جب خواجہ عرضی کی جانب متوجہ ہوا۔ تب موقعہ پا کر دیلمی نے خواجہ کے قلب میں چھری بھونک دی۔ چونکہ وار بھرپور تھا لہٰذا تھوڑی دیر میں خواجہ کا کام تمام ہو گیا۔

حملہ کے ہوتے ہی تمام لشکر میں کہرام مچ گیا۔ اور جب یہ غلغلہ ملک شاہ تک پہنچا، تو وہ بھی غمزدہ اور روتا ہوا آیا، اور خواجہ کے سرہانے آن کر بیٹھ گیا۔

بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اس وقت تک خواجہ کے ہوش و حواس درست تھے لہٰذا ملک شاہ کو مخاطب کر کے اپنی موت کا واقعہ ایک برجستہ قطعہ میں عرض کیا اور جب اس مصرعہ پر پہنچا کہ[2]

بگذاشتم ایں خدمت دیرینہ بفرزند

تو خواجہ کی زبان بند ہو گئی اور دم نکل گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

---

[1] نہاوند ۲۱ھ میں فتح ہوا تھا۔ اور اس فتح سے پورے عراق عجم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا چنانچہ تاریخ میں اس فتح کا نام "فتح الفتوح" ہے۔ اس فوج کے سردار حضرت حذیفہ بن الیمان تھے۔ اور تقریباً تیس ہزار عجمی مارے گئے تھے۔ فتوح البلدان بلاذری فتح نہاوند۔ [2] پورا قطعہ خواجہ کی شاعری کے تذکرہ میں صفحہ ۷۰ (حصہ اول) میں درج ہے۔ ناظرین اس موقعہ پر وہ قطعہ پڑھیں جس وقت میں یہ مضمون لکھ رہا تھا۔ حسن اتفاق سے اُس وقت "بیاض صائب" کا ایک قلمی اور نایاب نسخہ ملا جس میں صائب نے خواجہ نظام الملک کے حسب ذیل اشعار انتخاب کئے تھے۔ لہٰذا نقل کرتا ہوں۔ مذکورۂ بالا رباعی اور قطعہ پر یہ اضافہ بہت غنیمت ہے۔ (دیکھو صفحہ ۷۰ (حصہ اول)

خواجہ کا قاتل

خواجہ کے قاتل کا نام ابوطاہر حارث (ایرانی) تھا۔ چنانچہ حملہ کے بعد وہ ایک خیمہ کی آڑ میں چھپ گیا تھا۔ جس کو خواجہ کے غلاموں نے گرفتار کرکے (باوجود ممانعت خواجہ) قتل کر ڈالا۔ نظام الملک کے قتل میں چونکہ غیر معمولی کامیابی، حسن بن صباح کو ہوئی تھی۔ لہذا اس نے دشمنوں پر فتح و نصرت کے لئے، یہی طریقہ پسند کیا کہ جو اس کے کاموں میں مزاحمت کرے وہ اسی طرح خاموشی سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حسن اور اس کے جانشینوں نے اپنے عہد حکومت میں کتنے ہی بادشاہ وزیر، امیر اور نامور علماء و فقہاء قتل کراتے۔ چنانچہ علمائے تاریخ کا یہ فتوی ہے کہ باطنیہ کا سب سے پہلا شکار خواجہ نظام الملک تھا۔ اور خواجہ کے قتل کے بعد ان چھری بند فدائیوں میں یہ سنت قرار پاگئی کہ اسی آلہ سے بے گناہ مسلمان شہید کئے جائیں۔ پہلا شکار خواجہ نظام الملک تھا۔ اور خواجہ کے

خواجہ کا مدفن

انتقال کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو سکا خواجہ کی نعش اصفہان روانہ کرکے گیارھویں رمضان المبارک کو ملک شاہ بغداد چلا گیا۔ مگر کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ نہاوند سے اصفہان، خواجہ کی نعش کے دن میں پہنچی اور کس دن دفن ہوئی؟ لیکن ایران کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مقامات مذکور کا درمیانی فاصلہ[۱] دو سو پینتیس ۲۳۵ میل ہے اور عہد قدیم میں اصفہان سے بغداد کو جاتے ہوئے جس قدر منزلیں پڑتی تھیں ان کی معمولی مسافت بارہ میل سے

---

(۱) تا از شب من سپیده دم، بر زد، دم ‏ ‏ ‏ معشوقہ ز شب کشید بر روز - رقم
شد آمدن نگار من اکنون کم ‏ ‏ ‏ زیرا کہ شب و روز نیایند بہم
چنبر زلفے کہ ماه در چنبر اوست ‏ ‏ ‏ فرماندہ روزگار فرمان بر اوست
ترسم کہ بناگاه بریزد - خونم ‏ ‏ ‏ کایں شوخ دلم بخونِ من باور اوست

کہ طبقات الکبریٰ و گنج دانش حالات نظام الملک - و نگارستان صفحہ ۱۷۔

ایک روایت یہ ہے کہ حسن بن صباح نے فوج کشی کی خبر سنکر سفارت روانہ کی تھی۔ اور اسی سفیر نے خواجہ کو قتل کیا۔ کہ طبقات الکبریٰ۔

لہ استلن کا جو نقشہ مسٹر جان کرے نے ۱۸۲۰ء میں تیار کیا ہے۔ اس میں انگریزی اور ایرانی حساب سے شہروں کی مسافت لکھی ہے۔ چنانچہ انگریزی پیمانہ سے ۲۱۰ میل اور ایرانی پیمانہ سے ۱۱۵ کا فاصلہ نہاوند سے اصفہان تک ہے لیکن ہم نے شیئرن اٹلس کے مطابق جو زمانہ حال کا سب سے پچھلا اور مکمل اٹلس ہے یہ تعداد درج کی ہے۔

سولہ میل تک تھی[1]۔ چنانچہ اوسط رفتار اگر سولہ میل قرار دی جاتے تو اس حساب سے پندرھویں دن خواجہ کی نعش اصفہان پہنچی ہو گی۔ اور اگر دو منزلہ کوچ کیا ہوگا تو آٹھویں دن تجہیز و تکفین کی نوبت آئی ہوگی۔ بہر حال اصفہانیوں نے بڑی دھوم سے خواجہ کا جنازہ اٹھایا۔ اور محلہ[2] کران (یہ محلہ نہر کے کنارے آباد تھا)، کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ چنانچہ زمانہ دراز تک یہ مقام "تربت نظام" کے نام سے مشہور رہا۔

رسم تعزیت

جب خواجہ کے انتقال کی خبر دار السلام بغداد میں پہنچی تو خلیفہ مقتدی بامر اللہ کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور خلیفہ کے حکم سے وزیر عمید الدولہ بن جہیر تعزیت کے واسطے بیٹھا۔ چنانچہ ارکان سلطنت، اور علما، اور بغداد کے ہر طبقہ کے مشاہیر عمید الدولہ کی خدمت میں حاضر ہو کر خواجہ کی تعزیت کرتے تھے۔

خواجہ کی عمر

تاریخ انتقال تک خواجہ نظام الملک، عمر کی ستتر منزلیں طے کر چکا تھا کیونکہ خواجہ کی ولادت ۲۱-۱۰-۴۰۸ھ میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے جن تذکروں میں خواجہ کی عمر کم یا زیادہ لکھی ہے وہ غلط ہے۔ اور خواجہ کے قطعہ میں جو "نود و شش" لکھا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے۔

ایام وزارت

خواجہ نظام الملک، سولھویں ذی الحجہ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ کو سلطان الپ ارسلان کے حکم سے وزیر مقرر ہوا تھا۔ اور شعبان ۴۸۵ھ کی کسی تاریخ میں سلطان ملک شاہ کے حکم سے معزول ہوا۔ اس حساب سے خواجہ نے تقریباً ۲۸ برس، ۵ مہینے وزارت کی۔ اور یہ وہ قیمتی ایام ہیں کہ جس کی نظیر تاریخوں میں بہت کم ملتی ہے۔"

خواجہ نظام الملک کی موت کی پیشین گوئی

نگارستان[3] کا مصنف (بحوالہ مجمع النوادر) لکھتا ہے کہ خواجہ نظام الملک کے ندیموں میں ایک منجم بھی تھا۔ جو وطن کی نسبت سے "موصلی" مشہور تھا۔ چنانچہ سفر و حضر میں موصلی خواجہ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اور خواجہ بھی اس کی بڑی خاطر کرتا تھا لیکن ضعف پیری سے موصلی کا کوکب اقبال جب سرحد اضراق میں

---

[1] نزہت القلوب حمد اللہ میں ان منزلوں کی صراحت ہے۔

[2] گنج دانش صفحہ ۳۵۰۔ [3] نگارستان صفحہ ۱۰۴۔

پہنچ گیا۔ تو خواجہ نے نیشا پور میں اُس کی جاگیر مقرر کر دی۔

خواجہ نظام الملک مذہبی شخص تھا، اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام مگر بمقتضائے فطرت انسانی خواجہ نے چلتے وقت موصلی سے پوچھا کہ "تم نے کبھی میرا زائچہ کیا ہے، اور یہ بھی دیکھا ہے کہ اس دار العمل سے میرا کوچ کب ہوگا؟"

موصلی نے کہا ہاں! میرے انتقال کے چھ مہینے بعد آپ بھی دنیا سے رخصت ہوں گے اور وہ وقت آجائے گا کہ ؎

گردو بروئے صفحۂ خاک، استخوانِ دست
از بہرِ حرف تجربہ دیگراں قلم

الغرض موصلی خواجہ سے رخصت ہوکر نیشا پور چلا گیا اور جب تک زندہ رہا خواجہ کا وظیفہ خوار رہا۔ مگر خواجہ کی یہ حالت تھی کہ نیشا پور کے آنے والوں سے موصلی کی سلامتی دریافت کیا کرتا تھا۔ آخر چند سال کے بعد ۴۸۵ھ میں کسی نے اطلاع دی کہ ربیع الاول کی پندرھویں تاریخ کو غریب موصلی مر گیا۔

خواجہ نظام الملک کو موصلی کے انتقال سے اپنی موت کا بھی زمانہ یاد آگیا۔ اور اسی وقت سے سفر آخرت کی تیاریاں شروع کر دیں چنانچہ کتاب الوصایا[۱] میں لکھا ہے کہ ۴۸۴ھ[۲] کے اخیر میں خواجہ نظام الملک بہت بیمار ہوگیا تھا۔ اور جب اس کو صحت ہوگئی تو ایک دن اپنے "صرف خاص" کے منتظم سے دریافت کیا کہ ہماری سرکار سے جن لوگوں کی سالانہ تنخواہیں اور وظیفے مقرر ہیں اُن کو امسال پہنچے ہیں یا نہیں" چنانچہ تحقیقات سے دریافت ہوا کہ کسی کو کچھ نہیں دیا گیا ہے۔ تب خواجہ[۳] کو شیخ مہنہ کا بھی قول یاد آیا۔ اور سمجھ لیا کہ اب رخصت کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ چنانچہ جو

---

[۱] وصایا خواجہ نظام الملک۔

[۲] تاریخ کامل اثیر میں لکھا ہے کہ خواجہ بمقام بغداد بیمار ہوا تھا۔ اور زمانہ علالت میں بڑے صدقے دیئے گئے تھے۔ اور فقراء و مساکین اس قدر جمع ہوتے تھے کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا تھا۔ غسل صحت پر خلیفہ مقتدی بامر اللہ نے خواجہ کو خلعت مرحمت فرمایا تھا۔

[۳] دیکھو صفحہ کتاب ہذا۔

ضروری انتظام کرنا تھے وہ خواجہ نے کر دیتے اور خواجہ فخر الملک کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ اور ٹھیک چھ مہینے کے بعد خواجہ کا انتقال ہو گیا۔ جیسا کہ مولانا جامی نے تحریر فرمایا ہے۔

لہ مولانا جامیؒ نے خواجہ نظام الملک اور منجم موصلی کے واقعہ کو سلسلۃ الذہب میں اس طرح پر نظم کیا ہے کہ۔

بود در دولتِ نظام الملک — آن فلک بحر فضل او را فلک
موصلی بستہ بہ نیشا پور — بہ نجوم و اصولِ آن مشہور
پشتِ او چوں کماں بہ قبضۂ شیب — متصل در کمانش، سہم الغیب
ہر چہ از آسماں خبر دادی — تیرِ حکمش خطا نیفتا دے
بود در شہر خادم خواجہ — در سفر ہا ملازم خواجہ
ضعف پیری برو چو زور آورد — رو ئے در عالم سرور آورد
خواست روزی ز خواجہ اذن نہاد — از نشاپور، روئے در بغداد
خواجہ وقتِ وداع با او گفت — کا ے ولت، گنج رازہائے نہفت
کئے بود وقتِ رختِ بستن من — صدفِ پُر گہر شکستنِ من
گفت چوں من روم پس از شش ماہ — رخت بندی ازیں نشیمن گاہ
دستت از کار و بار بستہ شود — صدفِ پُر گہر شکستہ شود
خواجہ ایں راز را نگہ می داشت — چشم بر واصلانِ رہ می داشت
از نشاپور ہر کرا دیدے — خبر موصلی بپرسیدے
ہر کہ از صحتش خبر گفتے — ہم چو گل از نشاط بشگفتے
موصلی را بنامہ کردے یاد — خاطرش را ز تحفہ کردے شاد
زیں حکایت گذشت سالے چند — بود خواجہ بحالِ خود خرسند
ناگہاں قاصدے رسید از راہ — از نشاپور و اہل ان ناگاہ
خواجہ احوال موصلی پرسید — گفت، مسکیں بخواجہ جاں بخشید
زاں خبر وقت خواجہ درہم شد — دل شادش نشانۂ غم شد
مہلے خواست از ستم زدگاں — شادماں ساخت جانِ غم زدگاں

خواجہ نظام الملک کی وفات پر شعراء کے مرثیے

خواجہ نظام الملک کے قتل کے پینتیس دن (شب جمعہ) پندرھویں شوال کو مطابق ۸ ارنومبر ۴۸۵ھ و ۱۰۹۲ء بمقام بغداد۔ سلطان ملک شاہ نے بھی بعارضہ حمی محرقہ (تپ شدید) انتقال فرمایا۔ اور خواجہ کا یہ قول صادق آیا کہ "جب میرے سامنے سے دوات اُٹھائی جائے گی تو ملک شاہ کے بھی سر سے تاج اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ امیر[۱] معزی نے اسی مضمون کو ایک رُباعی میں اس طرح پر ادا کیا ہے:۔

نہ شناخت ملک سعادت اختر خویش   در منقبت وزیرِ خدمت گرخویش
بگماشت بلائے تاج برلشکر خویش   تا در سرِ تاج کرد آخر سرِ خویش!

ملک شاہ اور نظام الملک کی وفات پر شعراء عجم اور عرب نے بکثرت مرثیے لکھے ہیں لیکن بہ نظر طوالت ہم صرف ملک الشعراء امیر معزی اور حکیم الوزی اور شبل الدولہ مقاتل بن علیہ کے مختصر مرثیوں پر اس واقعہ کو ختم کرتے ہیں۔ اور خواجہ سے رخصت ہوتے ہیں۔

مرثیہ امیر معزی

شغل[۲] دولت بے خطر شد کارِ ملت باخطر   تا تہی شد دولت و ملت زِ شاہِ دادگر
مردماں گفتند، شورید است شوال[۳] ای عجب   بود ازیں معنی، دلِ معنی شناساں را خبر

وقفہا کرد و وقف نامہ نوشت   تخم چندی ہزار نیکی کشت
کرد ادا، آنقدر کہ وامش بود   وام داراں شدند ازاں خوشنود
بو صابا زبان درازی کرد   بس کساں را کہ کارسازی کرد
شست از کار و بار دنیا دست   دیدہ بر راہ انتظار نغمت
تا بہ تیغ جماعتے بیباک   لوح جاں شاں زحرف ایماں پاک

کرد جا در حظیرۂ شہداء
رَوَّحَ اللّٰہُ رُوحَہٗ اَبَداً

---

[۱] سلسلۃ الذہب دفتر سویم صفحہ ۲۶۰
[۲] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی۔ [۳] تذکرہ مجمع الفصحاء

در یکے مہ شد بفردوس برین دستور پیر | شاہ برنا از پسِ او رفت در ماہِ دگر
کرد یاری قہرِ یزداں، عجزِ سلطاں آشکار | قہرِ یزدانی ببیں و عجزِ سلطانی نگر
خسروا! گر مستی از مستی بہشیاری گرائے | ور بخواب خوش دری، از خواب خوش سر دار بر
تا بہ بینی باغ ملت را شدہ، بیرنگ و بوے | تا بہ بینی شاخ دولت را شدہ بے برگ و بر
بر زمیں چوں حکمراں گشتی، گرفتی کاستی | بر فلک چوں بدر گردد، کاستین گیرد قمر
رفتی و بگذاشتی در دیدۂ من اشک خویش | تا چو خوانم مدح تو بر من ہمی بارد درر
خاطرم نظم فتوحت را گہر در رشتہ کرد | رشتہا بگسست واز چشم بروں آمد گہر

امیر معزی کا یہ مرثیہ اگرچہ مختصر ہے۔ مگر چونکہ غم زدہ دل سے نکلا ہے، لہذا درد انگیز اور حسرت خیز ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی ٹیے میں شاعر نے دونوں کا ماتم کیا ہے۔

حکیمؔ انوری نے بجائے مرثیے کے ایک رباعی لکھی ہے۔ مگر وہ بھی سوز و گداز سے خالی نہیں ہے۔

حکیم انوری

ان جان جہاں ز جور افلاک برفت | بنیاد نظام ملک، در خاک گرفت
ان زہر زمانہ را چو تریاک برفت | او رفت و سعادت از جہاں پاک برفت

شبل الدولہ

(۱)

كان الوزير نظام الملك لؤلؤة | يتيمةً صاغها الرحمن من شرف
عزت فلم تعرف الايام قيمتها | فردها غيرةً منه الى الصدف

لہ جامع التواریخ صفحہ ۲۸۵۔ فصل ۱۰ مطبوعہ کلکتہ۔

لہ المستطرف فی کل فن مستطرف صفحہ ۲۰۲۔ جلد ۲ مضمون کے لحاظ سے یہ اشعار بھی لاجواب ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ خواجہ نظام الملک حقیقت میں ایک دُرِ یکتا تھا۔ ارباب زمانہ اس کی قیمت کا جب صحیح اندازہ نہ کر سکے تو از راہ غیرت یہ انمول موتی پھر صدف کو واپس کر دیا گیا۔

(۲)

وتبرت وجهك وانصرفت مودعا ‏ ‏ بابی وامی وجهك المقبورا
وارى ديارك بعد وجهك قفرة ‏ ‏ والقبر منك مشيد معمورا
فالناس كلهم لفقدك واحد ‏ ‏ فی كل بيت رنة وزفير
عجبا لاربع اذرع فی خمسة ‏ ‏ فی جوفها جبل اشم كبير

لہ شاعر خواجہ نظام الملک کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں ۔ میں تجھ کو دفن کرکے گورستان سے واپس آگیا ہوں ۔ مگر حال یہ ہے کہ تیرے بغیر ساری بستی ویران پڑی ہوئی ہے البتہ قبر تجھ سے آباد ہے ۔ تیرے انتقال سے ہم سب اکیلے رہ گئے ہیں ۔ اور ہر گھر سے گریہ وزاری کی آواز آرہی ہے ۔ اور سب سے عجیب بات جو میں دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ قبر جیسے تنگ مکان میں ایک مرتفع اور طولانی پہاڑ کیونکر سما گیا ہے ۔

دُوسرا حصّہ

تمہید

تبارک اللہ! ازاں بادشہ کہ در ملکش — وزیرِ عقل تصرف نہ کردہ بی تقصیر
زباں ادا نتواند حساب شکرش را — دگر بہ ہر نفسے صد سخن کند تقریر

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کا پہلا حصہ ختم ہو چکا۔ یہ حصہ جن معتمد اور مستند تاریخوں سے ماخوذ ہے۔ اس کا صحیح اندازہ حوالہ جات مندرجہ حاشیہ سے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خواجہ کی زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ مجمل ہو یا مفصل، انھی تاریخوں کا ایک جامع انتخاب ہے۔ تاہم اس حصہ میں جن واقعات کی تفصیل ہے وہ عنوان یہ ہیں۔

خواجہ کا خاندان اور وطن۔ عہدِ طفولیت اور عام ابتدائی حالات۔ تعلیم و تربیت۔ شیوخ و اساتذہ، طالب علمانہ سفر۔ ذاتی فضل و کمال۔ اخلاق و عادات، خانگی زندگی۔ واقعہ قتل کی مفصل تاریخ۔

عنوان مذکورۂ بالا میں سے، ہر ایک کے تحت میں جو واقعات تحریر ہیں وہ بھی صفحات تاریخ میں "زریں یادگار" کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن ان اوراق کو اگر کوئی نکتہ سنج مورخ، تنقید کی عینک لگا کر دیکھے تو کہہ سکتا ہے کہ "یہ تو نظام الملک کے عہدِ وزارت کی یک رُخی تصویر ہے"

لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ناظرین کو خواجہ کا ایسا مرقع دکھائیں جس میں اس مقدس صورت کا ایک ایک خال وخط نمایاں ہو اور اصلی تصویر کا جلوہ آنکھوں میں پھر جاتے۔

وزرائے اسلام کی فہرست (طبقہ سلاطین عجم) میں خواجہ نظام الملک کا نام واضح

قانون سلطنت کے لحاظ سے سرے پر ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ جس درجہ کا وہ قانون داں ہے، ویسا ہی مُدبّرِ اعظم بھی ہے۔ اپنے طبقہ میں صدر نشینی کا امتیاز رکھتا ہے۔

خواجہ نظام الملک نے جس طرح دنیا میں اپنی قلمی فتوحات کی ایک زندہ اور محسوس یادگار چھوڑی ہے۔ اسی طرح میدانِ کارزار میں بھی اُس کی تلوار کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ اور مفتوحہ مقامات پر نظام الملکی پھریرہ آج تک اُڑ رہا ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے "السّیف والقلم توأمان" کی ضرب المثل کو حیاتِ جاوید بخشی ہے۔

ان خوبیوں کے علاوہ علوم و فنون کی اشاعت میں، جس فیاضی، دریادلی، اور بلند ہمتی سے خواجہ نظام الملک نے کام لیا ہے وہ بھی اُس کا خاص حصہ ہے۔ بلکہ بعض اُمور (صیغہ تعلیمات)، میں تو اولیت کا تاج اُس کے سر پر ہے۔

اسی طرح نظارت نافعہ (صیغہ پبلک ورکس)، میں بھی خواجہ نے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اُس کی بنائی ہوئی شان دار اور سر بفلک عمارتوں میں سے آج کسی ایک کی بھی عکسی تصویر ہم پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ البتہ عراق عرب وغیرہ کا ویرانہ اپنے دامن میں ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کو امانت کی طرح اس وقت تک چھپاتے ہوئے ہے۔ اور اربابِ بصیرت کے کانوں میں ان کھنڈرات سے یہ صدا آتی ہے۔

کہاں ہیں؛ وہ گُردانِ زابلستانی — کہاں ہیں؟ وہ اہرامِ مصری کے بانی
مٹاکر رہی سب کو دنیائے فانی — گئے پیش وادی کدھر، اور کیانی
لگاؤ کہیں کھوج کلدانیوں کا
بتاؤ نشاں کوئی ساسانیوں کا

علیٰ ہذا القیاس خواجہ نظام الملک کے اور بھی کارنامے ہیں، جو اس حصہ میں دکھائے جائیں گے۔

حصّہ اول میں یہ لکھا جاچکا ہے کہ خواجہ کی وزارت سولھویں ذی الحجہ ۴۵۶ھ / ۱۰۶۳ء سے[1]

[1] ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ / ۱۰۶۳ء لغایت ۶ ربیع الاول ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء عہد الپ ارسلان۔ اور ۷ ربیع الاول ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء لغایت ۱۲ رمضان ۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء عہد ملک شاہ میں خواجہ وزیر رہا۔ اس حساب سے مجموعی تعداد ایام وزارت کی اٹھائیس

شروع ہوئی اور بارھویں رمضان ۴۸۵ھ؁ ۱۰۹۲ء؁ کو ختم ہو گئی۔ اس حساب سے ایام وزارت کے تخمیناً اُنتیس[۱] سال ہوتے ہیں۔ وقائع نگار کی حیثیت سے فرض ہے کہ کم و بیش ہر سال کے واقعات پر تبصرہ لکھا جاتے۔ لیکن بترتیب سنین واقعات لکھنے میں' بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔ لہٰذا قدیم مورخوں کی تقلید چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر مہتم بالشان واقعہ ایک خاص عنوان سے لکھا گیا ہے۔ عام اس سے کہ اس کا تعلق عہد الپ ارسلان سے ہو یا ملک شاہ سے؛

مورخین کے نزدیک خواجہ نظام الملک سے جو سب سے بڑی خدمت دولت سلجوقیہ کی ہوئی ہے۔ وہ قوانین ملکی کا وضع کرنا ہے۔ جس کی نسبت ملک شاہ کا یہ فخریہ دعوی تھا کہ "آیندہ یہی میرا دستور العمل ہوگا۔

بہ لحاظ تقسیم خدمات ملکی اگرچہ یہ قانون خواجہ کی سب سے اخیر کارگذاری ہے۔ مگر چونکہ اُمور وزارت میں یہ کام سب سے زیادہ قابل قدر اور لائق تحسین ہے لہٰذا سب سے پہلے قانون سلطنت پیش کیا جاتا ہے۔

اس عہد میں نوع انسان نے فضائل و کمالات اور تمدن و معاشرت میں چونکہ غیر متناہی درجات تک ترقی کرلی ہے لہٰذا اُسی پیمانے پر قانون سلطنت بھی وضع کیا گیا ہے۔ اور علوم و فنون کی فہرست میں قانون بھی مستقل علم کی حیثیت سے داخل ہے۔ چنانچہ عہد قدیم سے اب تک آہستہ آہستہ مدبران مشرق و مغرب نے قوانین پر جس قدر اضافہ کیا ہے اُس کی تشریح جب ہی ہو سکتی ہے کہ قانون کی تاریخ لکھی جاتے۔ لیکن روزمرہ کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ سلطنت کا کوئی صیغہ ایسا نہیں ہے۔ جو قانون کی حکومت سے آزاد ہو چنانچہ ایسی ترقی کے دور میں تعلیم یافتہ گروہ کی نظروں میں خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کی کیا عظمت ہوگی۔ مگر نہیں! پڑھتے وقت اُن کو یہ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ تحریر آج سے آٹھ سو

بقیہ صفحہ ۱۷۱۔ برس۔ سات مہینے اور ۲۵ پچیس دن ہوتے ہیں۔

[۱] خواجہ نظام الملک نے ۴۸۴ھ؁ ۱۰۹۱ء؁ میں یہ قانون مرتب کر کے ملک شاہ کے حضور میں پیش کیا تھا جس کا نام سیر الملوک (سیاست نامہ) تھا۔ اس وقت ہندوستان میں سلطان مسعود ثانی بن ابراہیم بن مسعود بن محمود غزنوی کی حکومت تھی اور انگلستان میں ولیم ثانی ملقب بہ روفس حکومت کر رہا تھا تاریخی حیثیت سے ناظرین اب خود مقابلہ کریں۔

چالیس برس قبل کی لیجئے۔ اور حکومت اسلام کا زمانہ ہے۔ مذہب کا عمل دخل ہے۔ طرز زندگی بالکل سادہ ہے۔ اور شریعت کے مطابق ہر مقدمہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ باوجود اس کے یہ قوانین ام موجودہ کے اُصول حکمرانی سے کس درجہ مطابق ہیں۔ اگر جزئیات سے قطع نظر کی جائے۔ تو کلیات میں برائے نام اختلاف رہ جاتا ہے اور بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زمانہ حال کا قانون اور ضابطہ، سلاطین سابق کے قوانین کا خوشہ چین ہے۔ اور یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کے لئے کسی مثال کی ضرورت نہیں ہے۔

اب ناظرین بہ نظر غور و تعمق خواجہ نظام الملک کے قانون سلطنت کو ملاحظہ فرمائیں خاتمہ پر ہم بھی ایک مختصر تبصرہ (ریویو) لکھیں گے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ وَهُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

خواجہ نظام الملک کا قانونِ سلطنت

بادشاہ اور رعایا کے فرائض

۱۔ "عادتِ الٰہی یوں ہی جاری ہے، کہ وہ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے ایک شخص کو انتخاب کر لیتا ہے، پھر شاہانہ فنون سے آراستہ کر کے اپنی مخلوقات کا انتظام اُس کے سپرد کر دیتا ہے، جس سے فتنہ و فساد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بادشاہ کی ہیبت وحشمت کا سب کے دلوں میں سکہ بٹھا دیتا ہے۔ تاکہ اُس کے عہدِ دولت میں خدا کی مخلوق چین سے زندگی بسر کرے، اور بے کھٹکے ہو کر بادشاہ کے دوامِ سلطنت کی دعا مانگتی رہے۔

۲۔ جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ کر دین و مذہب کا خاکہ اُڑانے لگتے ہیں، اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں اُس وقت وہ اُن کے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہے اور بجائے عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمراں مسلط کرتا ہے۔ اس دورِ انقلاب میں خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں، اور گنہگار اپنے کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے کہ "جب کسی نیستاں میں آگ لگتی ہے تو اول وہ خشک چیزوں کو جلاتی ہے پھر ہمسائیگی کے طفیل میں تر و تازہ چیزیں بھی جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔"

۳۔ جب خدا اپنی مہربانی سے کسی کو صاحبِ تاج و تخت کرتا ہے تو اُس کے اقبال کے

لہ سیاست نامہ فصل اول صفحہ ۵ و ۶۔ مطبوعہ پیرس دارالسلطنت فرانس مرتبہ پروفیسر شفر مدیر مدرسۃ السنہ شرقیہ پیرس۔

اندازے پر علم وعقل بھی مرحمت فرماتا ہے۔ اور صرف یہی دو چیزیں ہیں کہ جن سے رعایا پر (بہ لحاظ کمی وبیشی مراتب) حکومت کی جاتی ہے۔

۴۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کو جانے پہچانے اور اُس کی قدر و مرتبہ کے مطابق درجہ ومنصب عطا کرکے دین و دنیا کے کاموں میں اُن پر بھروسہ کرے۔

۵۔ جب رعایا بادشاہ وقت کی اطاعت اور اپنے فرائض پورے طور سے ادا کرتی ہے تو خدا کی طرف سے بھی اُس کو امن و چین کی زندگی ملتی ہے۔ ایسے عہد سعادت میں اگر قائم مقامان سلطنت سے ناشائستہ افعال سرزد ہوں، یا وہ ملک پر دست درازی کریں تو پہلے اُن کو تادیب ونصیحت سے سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ غفلت کی نیند سے جاگ اُٹھیں، تو اپنے عہدوں پر قائم رکھے جائیں اور اگر اگلے رنگ میں ڈوبے رہیں، تو بلا تامل وہ شخص مقرر کردیا جائے، جو اُس خدمت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۶۔ رعایا میں جو لوگ حقوق نعمت کو نہ پہچانیں، اور پُر امن زمانہ کی قدر نہ کریں، بلکہ بدنیتی سے سرکشی پر آمادہ ہوں تو اُن کو سزا دی جائے لیکن سزا کا پیمانہ جُرم کے مطابق رہے۔

۷۔ جن بادشاہوں نے نہریں جاری کیں، تالاب کھُدوائے، دریاؤں پر پُل باندھے شہر گاؤں، پُروے آباد کیے، نئے قلعے بنائے، یا عام راستوں پر مسافرخانے جاری کیے اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا اور وہ آخرت میں بھی ان نیکیوں کا صلہ پائیں گے۔

(۲) بادشاہ کا برتاؤ رعایا سے اور ہر کام باقاعدہ انجام دینا

آسمان[^۱] ہمیشہ نئے رنگ لایا کرتا ہے اور سلطنت کو ایک خاندان سے دوسرے میں منتقل کردیتا ہے۔ اس دور انقلاب میں شریف پامال اور مفسد طاقتور ہو جاتے ہیں۔ اور جو چاہتے ہیں کرگذرتے ہیں۔ امارت کا درجہ برائے نام رہ جاتا ہے، کیونکہ ہر فرومایہ چاہتا ہے کہ میں بادشاہ اور وزیر کا لقب اختیار کرلوں۔ اور اس کا کچھ خیال نہیں ہوتا ہے کہ ہم اس کے مستحق بھی ہیں یا نہیں۔ جب ایسا ہنگامہ ہوتا ہے تو سلطنت اور شریعت میں ضعف آجاتا ہے اور مدتوں نظام سلطنت

---

[^۱]: فصل ۴، صفحہ ۱۲۵۔

درہم برہم رہتا ہے۔ لیکن پھر خدا کی مہربانی سے وہ ناگوار زمانہ گذر جاتا ہے۔ اور کوئی عاقل وعادل بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے اور وہ اپنی عقل سے ہر چیز میں تمیز کرتا ہے۔

ہمیشہ وہی بادشاہ کامیاب ہوتے ہیں جنھوں نے حکمرانی میں اصول سلطنت اور قوانین مملکت کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے۔ دشمنوں کو مقہور کرنا سلطنت کے جمع و خرچ کو دیکھنا اور بدعت کا دور کرنا بادشاہ کا کام ہے۔ بادشاہوں کو اس پر بھی ہمیشہ توجہ رہی ہے کہ قدیم خاندان اور شاہی نسلیں امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کریں اور جب تک وہ زندہ رہیں اُن کے وظائف بند نہ ہوں مستقین کو بیت المال[1] سے اُن کا حصہ برابر پہنچتا رہے۔ تاکہ یہ لوگ دعائے خیر سے یاد کریں۔

مثال چند لوگوں نے جو معزز خاندان سے تھے ہارون[2] الرشید کو یہ درخواست دی کہ ہم آپ کی رعایا ہیں۔ ہم میں سے بعض عالم اور حافظ ہیں اور بعض وہ ہیں جن کے

---

[1] بیت المال (پبلک ٹرزری) خزانہ کا نام ہے یہ صیغہ بھی فاروق اعظم کی ذات سے وجود میں آیا۔ اس خزانہ میں وہ رقومات اور اشیا داخل ہوتی تھیں جن کے مسلمان مستحق ہوں اور اس کا کوئی خاص مالک متعین نہ ہوا اسی طرح اس خزانے سے خرچ بھی ہوتا تھا جو مسلمانوں کی ضروریات سے متعلق ہو۔

[2] یہ خلیفہ مہدی کا چھوٹا بیٹا تھا۔ پورا نام ہارون الرشید ابوجعفر ہے۔ اخیر ذی الحجہ ۱۴۵ھ / ۷۶۳ء میں بمقام رے پیدا ہوا اس کی ماں کا نام خیرزان تھا۔ ابوجعفر منصور دادا) اور مہدی نے اپنے خوش نصیب بیٹے کی تعلیم و تربیت میں خاص اہتمام کیا تھا چنانچہ کوئی فن ایسا نہ تھا کہ جس میں ہارون الرشید کو مجتہدانہ کمال حاصل نہ ہو۔ ۲۲ برس کی عمر میں بمقام عیسیٰ آباد اپنے بڑے بھائی خلیفہ ہادی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات سولھویں تاریخ ربیع الاول ۱۷۰ھ / ۷۸۶ء میں بڑے شان و شکوہ سے تخت نشین ہوا۔ اس عہد میں سلطنت عباسیہ کمال عروج پر تھی۔ رقبہ حکومت کی حد ہندوستان اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک تھی۔ اور سوائے اسپین کے کل اسلامی دنیا تابع فرمان تھی یورپ جس پر ناز کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کا ملک تھا اور یہ دونوں ہارون الرشید کے باج گزار تھے۔ سالانہ خراج داسان بندوبست کے مطابق، آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپیہ تھا۔ فوج کی تعداد تقریباً دو لاکھ سوار و پیادہ کی تھی اور وقت ضرورت کے دوسری قسم کی فوج متطوعہ (والنٹیر) بھی تھی۔ ملکی فتوحات سے زیادہ اس عہد میں علمی فتوحات ہوئیں۔ اس زمانہ پر مسلمان جس قدر فخر کریں وہ کم ہے۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

بزرگوں کا اس سلطنت پر حق ہے اور ہمارا حصہ بیت المال میں بہت کچھ ہے ۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کی ذاتی خواہشوں میں سارا خزانہ لٹ رہا ہے، اور ہم لوگ روٹیوں سے محتاج ہو رہے ہیں۔ اگر بیت المال سے ہمارا حصہ نہ دلایا جائے گا تو ہم خدا سے فریاد کریں گے ۔ کہ وہ ایسا خلیفہ مقرر کرے جو مسلمانوں پر مہربان ہو۔"

یہ درخواست پڑھکر خلیفہ بہت ہی متاثر ہوا۔ جب محل سرا میں پہنچا تو زبیدہ خاتون نے افسردہ خاطر دیکھکر پوچھا کہ خیر تو ہے؟ خلیفہ نے واقعہ بیان کیا تو خاتون نے کہا کہ "امیر المومنین کو اس مسئلہ میں وہی کرنا چاہیے جو اگلے خلفا نے کیا ہے ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے ۔ کہ بیت المال مسلمانوں کی ملکیت ہے ۔ اور آپ اُس میں سے بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں اُن کی شکایت حق بجانب ہے"۔

اتفاقاً دونوں نے یہ خواب دیکھا کہ" وہ میدان قیامت میں کھڑے ہیں ۔ اور ہر ایک شخص حساب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر، داخل بہشت ہو رہا ہے ۔ لیکن ہماری نسبت رسول اللہ صلعم نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ یہ پیش نہ کئے جائیں ۔ کیونکہ ان کے سبب سے مجھے خدا کے حضور میں شرمندہ ہونا پڑے گا ۔ اور میں ان کی شفاعت نہ کروں گا ۔ کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کے مال کو اپنا سمجھ رکھا ہے اور مستحقین کو محروم کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ ہولناک خواب دیکھکر دونوں جاگ

باقی صفحہ ۱۷۶ - امام مالک، امام موسیٰ کاظم، قاضی ابو یوسف، امام محمد، عبداللہ بن مبارک، عباس بن احنف شاعر، فضیل بن عیاض، ابن سماک، سیبویہ، کسائی، یونس بن حبیب نحوی جیسے فخر روزگار مشاہیر اسی عہد میں تھے اس نامور خلیفہ میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں جمع تھیں ۔ جو ایک پاک باز اور دین دار مسلمان بادشاہ میں ہونا چاہیں جاحظ کا قول ہے کہ جیسے ارباب کمال ہارون کو میسر ہوئے وہ دوسرے خلیفہ کو نہیں ملے ۔ کیونکہ وزارت میں برامکہ عہدہ قضا پر امام ابو یوسف، شاعروں میں مروان بن ابی حفصہ، ندیموں میں عباس بن محمد عباسی، حاجیوں میں فضل بن الربیع، مغنیوں میں ابراہیم الموصلی ۔ اس کے عہد کا سب سے اہم تاریخی واقعہ خاندان برامکہ (یحیٰی، فضل، جعفر برمکی وزرار سلطنت) کی تباہی ہے (تفصیل کے لئے دیکھو ہماری کتاب البرامکہ مطبوعہ ۱۸۹۷ء نامی پریس کانپور) تیئیس ۲۳ برس دو مہینے اٹھارہ دن حکمرانی کرکے ۴۷ برس ۵ مہینے کی عمر میں ۳ رجمادی الاخری ۱۹۳ھ میں بمقام طوس انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ باوجود فیاضی کے انتقال کے وقت خزانہ عامرہ میں اٹھارہ ارب نقد روپیہ چھوڑا مکمل سوانح عمری کے لئے ناظرین کو ہماری کتاب "رشید اعظم" کا منتظر رہنا چاہیے جس کی اشاعت کا انشاء اللہ تعالیٰ جلد انتظام کیا جاوے گا۔ اور اُس میں ہارون الرشید (باقی در صفحہ آئندہ)

اٹھے، اور خدا کا شکر کیا۔ اور دوسرے دن بیت المال سے مستحقین کو ہزارہا درہم و دینار تقسیم کئے۔ اور زبیدہ[1] نے اپنے ذاتی مال سے ہزارہا دینار صدقہ کئے۔ اور کوفہ اور مکہ معظمہ کے راستہ میں پختہ چاہات اور سرحدوں پر مستحکم قلعے بنائے اور مذہبی لڑائیوں کے لئے اسلحہ اور گھوڑے خرید کئے اور ان مصارف

بقیہ صفحہ ۱۷۷؎ اور مامون الرشید کے صحیح مرقعے ہوں گے۔ جو خوش قسمتی سے مل گئے ہیں۔

[1] امۃ العزیز ملقب بہ زبیدہ (بنت جعفر بن منصور عباسی) ہارون الرشید کی سب سے ممتاز اور پیاری بی بی کا نام ہے۔ اس خلیفہ کے چھ نکاح ہوتے تھے، مگر شرافت نسب اور دیگر خصوصیات کی وجہ سے کوئی بیگم زبیدہ کے ہم پلہ نہ تھی۔ کیونکہ زبیدہ کا چچا مہدی خلیفہ تھا، باپ کو اگرچہ خلافت میسر نہیں ہوئی مگر ابن خلیفہ ہونے سے کس کو انکار ہوسکتا ہے جس کے ساتھ عقد ہوا وہ خلفاء عباسیہ میں واسطۃ الخلفاء کے لقب سے ممتاز ہے۔ اور خود اس کا لخت جگر امین الرشید بھی خلیفہ ہوا۔ شمس العلماء شبلی نعمانی المامون میں تحریر فرماتے ہیں کہ "زبیدہ خاتون کی ایجاد پسند طبیعت نے زیب و زینت کے متن پر بہت سے حاشیے اضافہ کئے جو نہایت ذوق و مسرت سے قبول کئے گئے اور تمام اُمراء و عمائد میں رواج پا گئے۔ عنبر کی شمعیں اور جواہر کی مرصع جوتیاں اسی کی ایجادات سے ہے۔ چاندی، آبنوس، صندل کے تختے اول اُسی نے تیار کرائے اور اُن کو دیبا وسمور اور مختلف رنگ کے حریر سے آراستہ کیا۔ کپڑوں کی ساخت میں یہ ترقی ہوئی کہ زبیدہ کے استعمال کے لئے ایک ایک تھان پچاس ہزار اشرفی کی قیمت کا تیار ہوا۔ عیش و طرب کا تو یہ رنگ تھا جو تم پڑھ چکے ہو۔ اب مذہبی رنگ میں زبیدہ کو دیکھو تو وہ اپنے زمانہ کی رابعہ بصری معلوم ہوگی۔ کیونکہ اس کے محل میں ایک سو کنیزیں حافظ قرآن تھیں جن میں سے ہر ایک کو صرف ۱۰ پارے سنانا پڑتے تھے۔ تلاوت قرآن کے وقت قصر زبیدہ میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا شہد کی کھیاں گنگنا رہی ہیں (دکان یسمع فی قصرھا للہ وی النحل من قراءۃ القرآن) ابن جوزی کی روایت ہے کہ شہر مکہ میں پانی کا کال رہتا تھا اور حج کے زمانہ میں ایک مشک پانچ روپے میں آتی تھی لیکن زبیدہ نے سب سے پہلے ۸۵ لاکھ روپیہ صرف کرکے ۱۲ میل کے فاصلے سے ارض حجاز میں ایک نہر جاری کی جس کے فیض سے ہر گھر میں چشمے بہنے لگے۔ اس نہر کا نام عَینُ المُشَاس تھا اب نہر زبیدہ کے نام مشہور ہے اور جس کی مرمت کے لئے امسال چندہ ہو رہا ہے، زبیدہ کی ۱۶۵ھ (۷۸۱ء) میں شادی ہوئی تھی۔ ۲۸ برس تک بلند اقبال شوہر کا ساتھ رہا ۱۹۳ھ (۸۰۸ء) میں بیوہ ہوئی اور بمقام بغداد بروز شنبہ ماہ جمادی الاولی ۲۱۶ھ (۸۳۱ء) میں انتقال کیا۔ انتخاب از کتاب الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور مصنفہ سیدہ زینب مصری و شریشی شرح مقامات حریری، ابن خلکان صفحہ ۱۸۹۔ جلد اول۔

کے واسطے جاگیریں وقف کردیں۔ اور پھر بھی جو روپیہ بچ رہا اُس سے کاشغر کی سرحد پہ شہر بدخشاں وتبریز آباد کیا۔ علاوہ اس کے خوارزم، اور اسکندریہ کی حدود میں مستحکم قلعے اور جابجا مسافر خانے بنائے اور ایک کثیر رقم مجاوران مدینہ منورہ اور بیت المقدس پر تقسیم کی گئی۔

شاہان بیدار کی یہ حالت رہی ہے کہ دیرینہ سال اور فوجی تجربہ کاروں کی عزت کیا کرتے اور ہر ایک کا درجہ ومرتبہ خاص تھا۔ اور جب کوئی مہم پیش آتی تو انھیں سے مشورہ کیا کرتے تھے لڑائی کے موقعہ پہ ہمیشہ وہی لوگ بھیجے جاتے جو آزمودہ کار ہوتے تھے۔ لیکن اس پر بھی یہ خاص احتیاط کی جاتی تھی کہ ایک دیرینہ سال ضرور ہمراہ کردیا جاتا تھا جو ہر موقعہ پر لغزشوں سے بچاتا رہتا تھا۔

(۳) بادشاہوں کو خدا کی نعمت کا قدر شناس ہونا چاہیے

بادشاہوں[1] کو خدا کی رضا مندی حاصل کرنا چاہیے۔ مگر یہ رضا مندی جب ہی ہوسکتی ہے کہ بندگان خدا پر عدل[2] و احسان کیا جائے۔ عدل کا ثمرہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا ٹھنڈے دل سے دعائیں مانگتی ہے، جس سے سلطنت مستحکم اور ملک میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور دین و دنیا کی نیک نامی حاصل ہوتی ہے۔ اور آخرت کا حساب ہلکا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ مشہور قول ہے کہ "الملک یبقی مع الکفر و لا یبقی مع الظلم" یعنی سلطنت کفر سے تو باقی رہ جاتی ہے مگر ظلم وستم سے نہیں رہتی۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے دادا ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا۔ چنانچہ جب تابوت خطیرۂ ابراہیمی کے قریب پہنچا، اس وقت حکم الٰہی نازل ہوا کہ یہ جگہ یوسف کے واسطے نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے سلطنت کی

---

[1] فصل دوم صفحہ ۸ و۹ سیاست نامہ [2] قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عدل کی تاکید ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ (اور جب لوگوں کے جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو) دوسرا حکم ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ اور ارشاد نبوی یہ ہے۔ کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ۔ عَدْلُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِّنْ عِبَادَۃِ سَبْعِیْنَ سَنَۃً یعنی ہر شخص نگہبان ہے اور قیامت کے دن اُس کو اپنی رعیت کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔ اور ایک ساعت کا انصاف ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ عبادت کا نتیجہ عابد کی ذات تک محدود ہوتا ہے اور عدل کا فائدہ تمام مخلوق کو (باقی در صفحہ آئندہ)

جس کی جواب دہی ہنوز باقی ہے" مقام غور ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ حال ہو تو پھر ماوشما کس گنتی میں ہیں۔

(۲) احادیث سے ثابت ہے کہ جو صاحب تاج و تخت ہیں یا کسی قسم کی حکومت رکھتے ہیں۔ (مثلاً بزرگ خاندان جن کو اپنے گھر پر حکومت حاصل ہے) اُن سے قیامت کے دن سب سے پہلے یہی پرسش ہوگی حتیٰ کہ چرواہے کو اپنی بکریوں کے ریوڑ کی جواب دہی کرنا پڑے گی۔

اے میرے شہنشاہ (خطاب از ملک شاہ) خوب سمجھ لیجئے! کہ قیامت کے دن تمام حکمرانوں سے ان کی رعایا کے متعلق سوال ہوگا۔ اور یہ عذر کسی کا نہ سُنا جائے گا کہ یہ کام فلاں شخص کے سپرد تھا۔ پس جب کہ یہ حال ہے تو بادشاہ کو اپنی ذمہ داریوں اور حقوق رعایا سے غافل نہ ہونا چاہئیے"

(۴) عدل وانصاف

کم سے کم یہ تو ضرور ہے کہ ہفتہ میں دو دن تصفیہ مقدمات کے لئے بادشاہ خود اجلاس کرے اور رعایا کی شکایتوں کو بلا واسطہ سُن کر ہر معاملہ میں حکم صادر کرے، اور جب یہ خبر ملک میں پھیل جائے گی کہ بادشاہ عدالت میں بیٹھکر ہفتہ میں دو دن مظلوم اور فریادیوں کو اپنے سامنے بُلا کر ان کے حالات سُنتا ہے، تو ظالموں کو خود ہی خوف اور سزا کا کھٹکا ہوگا۔ اور ستم آزاری گھٹ جائے گی۔ چنانچہ میں نے کتب قدیمہ میں پڑھا ہے۔

(۱) کہ قدیم شاہان عجم کا دستور تھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر جنگل کے کسی اونچے ٹیکرے پر کھڑے ہوتے تھے، تاکہ تمام داد خواہوں کو اپنی آنکھ سے دیکھکر اُن کی دادرسی کریں۔ اور یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ بادشاہ قلعوں میں رہتے ہیں اور وہاں تک پہنچنے میں کتنے ہی حجاب کے پردے طے کرنے پڑتے ہیں، اور حاجب و دربان بھی مظلوم کو بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیتے ہیں۔

(۲) ایک بادشاہ کچھ اونچا سنتا تھا۔ اُس نے خیال کیا کہ مترجم فریادیوں کی شکایتیں صحیح طور

بقیہ صفحہ ۱۷۹۔ پہنچتا ہے۔ اور حکما کے نزدیک بھی عادل ہونا انسان کی سب سے بڑی صفت ہے۔ ؎ فصل سوم صفحہ ۱۰۔

پر مجھ سے نہیں بیان کرتے ہیں، اس لئے میرا حکم بھی ٹھیک نہ ہوتا ہوگا۔ چنانچہ اُس نے عام حکم جاری کر دیا کہ "تم رسیدوں کے سوا کوئی سُرخ لباس نہ پہنے۔ تاکہ مجھے شناخت کرنے میں وقت نہ ہو۔" یہ بادشاہ ہاتھی پر سوار ہوکر جنگل میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور جن لوگوں کو سُرخ کپڑے پہنے دیکھتا۔ اُن سب کو پہلے ایک جگہ جمع کرتا، پھر تخلیہ میں ایک ایک کا حال پوچھتا اور وہ چلا چلا کر اپنا حال کہتے تھے۔ اور بامراد دعائیں دیتے ہوئے واپس جاتے تھے۔

شاہان سامانیہ میں اسمٰعیلؒ[۱] بن احمد ملقب بہ امیر عادل بڑا منصف، نیک سیرت، پاک مذہب اور غریب نواز بادشاہ گذرا ہے جس کے واقعاتِ زندگی مشہور ہیں۔

اس امیر کا دارالسلطنت بخارا تھا اور خراسان، عراق اور ماوراءالنہر اس کے بزرگوں کے علاقے تھے۔ چنانچہ سیستان سے یعقوب[۲] بن لیث نے خروج کیا۔ اور تمام سیستان پر قبضہ کر لیا۔ چونکہ داعیان مذہب اسماعیلیہ کا یعقوب پر جادو چل چکا تھا۔ لہٰذا خلفاء بغداد سے اُس کو بد اعتقادی پیدا ہوئی۔ اور دارالخلافہ پر حملہ کر کے حضرت عباسؓ کے خاندان کو مٹانا چاہا۔ جب یعقوب کے ارادے سے خلیفہ کو خبر ہوئی تو اُس نے سفارت روانہ کی اور پیام بھیجا کہ "تم کو بغداد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ کوہستان، عراق اور خراسان پر قبضہ رکھو۔ اور اُس کا انتظام کرتے رہو۔ تاکہ دل میں دوسرے خیالات ہی نہ پیدا ہوں۔" لیکن یعقوب نے کہلا بھیجا کہ "میری تو

---

[۱] اسمٰعیل بن احمد ملقب بہ امیر عادل، آل سامان میں پہلا بادشاہ ہوا ہے۔ اس کا سلسلۂ نسب بہرام چوبیں پر ختم ہوتا ہے آٹھ برس دو مہینے حکومت کر کے ۲۹۵ھ میں فوت ہوا۔ اس بادشاہ کا عاقل، عادل، حلیم ہونا مشہور ہے اور اس کی سوانح عمری نہایت دلچسپ ہے ماز نگارستان، وتاریخ الدول سید احمد دحلان۔

[۲] "یعقوب" شاہان صفاریہ میں صرف تین حکمراں ہوئے ہیں اول لیث[۱] دوسرا یعقوب[۲] تیسرا عمرو[۳]۔ خراسان، سیستان، مازندران، فارس، خوزستان، کرمان میں ان کی حکومت تھی ۲۵۶ھ لغایت ۲۸۹ھ حکومت رہی۔ یعقوب بن لیث ابتدا میں محنت مزدوری کیا کرتا تھا۔ مگر اپنی بہادری سے پھر لٹیروں کا سردار بن گیا۔ اور جب فوجی قوت اعلیٰ درجے کی ہوگئی تو محمد بن طاہر گورنر خراسان پر فوج کشی کر دی۔ اور اس کو ۲۵۹ھ میں شکست دے کر قید کر لیا اور خود حاکم بن گیا۔ خلیفہ معتمد باللہ کو یہ امر نہایت ناگوار معلوم ہوا۔ مگر ایک لڑائی کے بعد مجبوراً صلح پر آمادہ ہوا۔ بقیہ حالات اُس واقعہ میں تحریر ہیں۔ یعقوب نہایت بہادر اور مستقل مزاج سپاہی تھا۔ ۲۶۵ھ میں فوت ہوا۔

یہ آرزو ہے کہ حاضر دربار ہوکر شرائط خدمت بجالاؤں۔ اور تجدید بیعت کروں۔ اور جب تک یہ تمنا پوری نہ ہوگی واپس نہ ہوں گا۔" چنانچہ بارگاہِ خلافت سے بار بار قاصد روانہ ہوئے۔ مگر ہر بار ایک ہی جواب لائے۔ اور آخرالامر یعقوب نے بغداد کی طرف کوچ کردیا۔ اس اطلاع سے خلیفہ کو بدگمانی ہوئی اور ارکان دولت کو جمع کرکے کہا کہ "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب باغی ہوگیا ہے۔ اور نیت مجرمانہ سے ادھر آرہا ہے۔ کیونکہ میں نے حاضری کی اجازت نہیں دی ہے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ لوٹ جاؤ، مگر وہ نہیں پلٹتا ہے۔ بہرحال بدنیتی معلوم ہوتی ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مذہب باطنیہ میں داخل ہوگیا ہے۔ لیکن جب تک وہ بغداد میں پہنچ نہ جائے گا اس کا اظہار نہ کرے گا۔ اس لئے اب ہم کو ہوشیار ہونا چاہیئے اور تمھارے نزدیک جو تدابیر مناسب ہوں بیان کرو۔ چنانچہ بالاتفاق طے پایا کہ خلیفہ کو شہر چھوڑ کر جنگل میں ڈیرے ڈالنا چاہیئے۔ اور اعیان دولت بھی ہمراہ ہوں۔ یعقوب خلیفہ کو آبادی سے باہر پائے گا تو فوج کو دیکھکر لڑائی کا قیاس کرے گا اور اُس وقت اُس کی سرکشی کا حال معلوم ہوجائے گا۔ لیکن دوطرفہ فوج میں لوگوں کی آمدورفت جاری رہے، تاکہ حالات معلوم ہوتے رہیں۔ اگر یعقوب بغاوت پر آمادہ ہوگا تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تمام عراق اور خراسان کے سردار اُس کی طرف ہوجائیں اور جنگ کی اجازت دیں اور اگر لڑائی نہ ٹلے تو کسی نہ کسی تدبیر سے ہم یعقوب کی فوجوں کو واپس کردیں گے۔ اور اگر شکست پائی تو بھی ہم قیدیوں کی طرح زنداں میں نہ رہیں گے بلکہ زندہ و سلامت کسی نہ کسی طرف چلے جائیں گے۔ چنانچہ امیرالمومنین کو یہ تدبیر پسند آئی اور اسی رائے پر عمل کیا گیا۔ ؎ اس نامور خلیفہ کا نام المعتمد علی اللہ احمد تھا۔ چنانچہ یعقوب کی فوجیں خلیفہ کی برابر خیمہ زن ہوئیں اور منزل پر پہنچ کر امیر نے خلیفہ سے کہلا بھیجا کہ "آپ بغداد کو خالی کردیں

؎ المعتمد علی اللہ ابوالعباس (ابوجعفر احمد) ابن متوکل۔ تاج داران بغداد میں نیرھواں خلیفہ ہے۔ مہتدی باللہ کے قتل ہونے پر جوسق کے قیدخانہ سے نکال کر امرائے دربار نے ۲۵۶ھ میں تخت نشین کیا۔ اس کا بھائی موفق نہایت قابل اور نیک شخص تھا۔ کل کاروبار سلطنت کو وہی انجام دیتا تھا اور خود عیش وعشرت میں پڑا رہتا تھا۔ موسیقی اور شاعری سے بہت شوق تھا۔ کاتب اس کے اشعار سونے کے پانی سے لکھا کرتے تھے۔ اور ۲۶۵ھ میں یعقوب صفار اور احمد بن طولون (حاکم مصر) نے بغاوت کی بلکہ احمد سے یہاں تک بگاڑ ہوا۔ کہ مصر میں معتمد پر اور بغداد میں احمد بن طولون پر، سرِمنبر لعنت کی جاتی تھی۔ اس کے عہد میں سب سے بڑا واقعہ بہبود خارجی کا خروج ہے جس نے (باقی در صفحہ آئندہ)

اور جہاں جی چاہے تشریف لے جائیں۔ چنانچہ خلیفہ نے دو ہفتے کی مہلت مانگی اور وہ نا منظور ہوئی۔ ادھر خلیفہ نے رات کو امیر کے افسران فوج سے کہلا بھیجا۔ کہ "یعقوب باغی ہو کر ملاحدہ سے مل گیا ہے اور اُس کے آنے کا منشا یہ ہے کہ ہمارے خاندان کو مٹا کر دشمنوں کو ہمارا جانشین کرے اب بتاؤ کہ تم بھی یعقوب کے ہم خیال ہو یا نہیں"۔ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ "ہم تو امیر کے نمک خوار اور حکم کے تابع ہیں"۔ مگر فوج کے بڑے حصہ نے کہدیا کہ "ہم کو ان واقعات کی کچھ خبر نہیں ہے۔ اور جہاں تک ہم کو علم ہے امیر ہرگز امیر المومنین کا مخالف نہیں ہے۔ اور اگر مخالفت کا اعلان ہوا تو ہم ہرگز اجازت نہ دیں گے۔ رزم اور بزم دونوں میں ہم خلیفہ کے ساتھ ہیں"۔

یہ قول امرائے خراسان کا تھا۔ خلیفہ کو جب سرداران فوج کی ہمدردی کا علم ہوا تو مطمئن ہو گیا۔ اور دوسرے دن دلیرانہ امیر یعقوب کو پیغام بھیجا کہ "تمہاری طرف سے ناسپاسی اور کفران نعمت کا اعلان ہو چکا ہے۔ اب صرف تلوار حدِ فاصل ہے۔ اور مجھے مطلقاً اس کا خوف نہیں ہے کہ تمہاری فوج کثیر اور میری قلیل ہے"۔ اس کے بعد فوج کو تیاری کا حکم دیدیا۔ اور لڑائی کا نقارہ بجا دیا گیا۔ جنگل میں فوجیں صف آرا ہو گئیں۔ امیر یہ تیاریاں دیکھ کر بول اُٹھا کہ بس اب میں کامیاب ہو گیا۔ اور اپنی فوجوں کو بھی صف بندی کا حکم دے دیا۔ لڑائی کے موقعہ پر خلیفہ فوج کے وسط میں تھا چنانچہ عین وقت پر خلیفہ نے ایک نقیب کو حکم دیا کہ "وہ دونوں فوجوں کے مابین اونچی آواز سے للکار کر کہے۔ کہ "اے گروہ اسلام! واقف ہو جاؤ کہ یعقوب باغی ہو گیا ہے، اور اس کی فوج کشی کا یہ مطلب ہے کہ حضرت عباس کے خاندان کا استیصال کر دے۔ اور کسی کو مہدیہ[1] سے لا کر تخت نشین

بقیہ صفحہ ۱۸۲ = لاکھوں مسلمان اور سادات کو قتل کر دیا۔ صرف بصرہ میں تین لاکھ آدمی ایک دن میں قتل ہوئے علوی عورتیں دو روپیہ سے تین روپیہ تک اس کے لشکر میں نیلام ہوا کرتی تھیں۔ لیکن موفق نے بڑی بہادری سے بہبود کا مقابلہ کیا اور آخر کو اس کا سر کاٹ کر بغداد میں لایا۔ تمام بغداد میں مثل عید کے یہ خوشی کا دن تھا۔ معتمد کے اخیر دور حکومت میں بمقام کوفہ قرامطہ کا زور ہوا۔ جعفر بن محمد المعروف بہ ابومعشر بلخی نجومی اسی دربار سے متعلق تھا۔ ۲۷۹ھ/۸۹۱ء میں المعتمد نے انتقال کیا۔ از سیوطی۔ صفحہ ۱۴۶ مطبوعۂ مصر و مختصر الدول ابن العبری صفحہ ۲۵۶۔ مطبوعۂ بیروت۔

[1] "اَلْمَھْدِیَّۃ" افریقیہ (بربر) کا مشہور شہر ہے۔ قیروان سے جانب جنوب دو مرحلے کے فاصلہ پر ہے۔ ایک زمانہ دراز تک خلفائے فاطمیہ کا دار السلطنت رہا لیکن ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء میں بنو فاطمہ کی کمزوریوں سے عیسائیوں (باقی در صفحہ آئندہ)

کرے اور بجائے سنت کے بدعت پھیلائے۔ جو شخص خلیفہ رسول کی اطاعت نہ کرے گا وہ خدا کا نافرمان بندہ ہوگا۔ اور دائرہ اسلام سے نکل جائے گا۔ اور یہی حکم خدا کا ہے کہ " اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ " اب وہ کون شخص ہے جو بہشت چھوڑ کر دوزخ میں جانا چاہتا ہے۔ آؤ حق کی مدد کرو اور باطل کو چھوڑ دو۔"

جب امیر کی فوج نے یہ کڑکا سنا تو اُمرائے خراسان اُدھر سے ادھر آگئے۔ اور سب نے بالاتفاق کہا کہ "ہم کو یقین تھا کہ امیر بہ نظر اطاعت حسب الحکم عالی حاضر ہوا ہے۔ اب چونکہ وہ باغی ہوگیا ہے لہٰذا جب تک دم میں دم ہے ہم آپ کے ساتھ ہیں اور لڑنے مرنے پر تیار ہیں " اس اعانت سے خلیفہ کو بڑی قوت پہنچ گئی اور پہلے ہی حملہ میں امیر یعقوب شکست کھاکر خوزستان کو چلا گیا۔ خلیفہ کی فوج نے کل خزانہ امیر کا لوٹ لیا۔ اور مال غنیمت سے فوج مالا مال ہوگئی۔ لیکن امیر نے خوزستان پہنچ کر ہر طرف آدمی دوڑا کر فوجوں کو جمع کیا۔ اور عراق اور خراسان کے خزانے سے درہم و دینار منگائے۔ خلیفہ نے ان تیاریوں کا حال سُن کر ایک قاصد معہ نامہ کے روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سیدھے سادے آدمی ہو۔ مگر مخالفوں کے بہکانے سے مغرور ہوگئے تھے اور انجام کار پر کچھ نظر نہ تھی۔ آخر دیکھ لیا کہ خدا نے کیا کر دکھایا۔ خود تمہاری فوج نے تم کو شکست دلادی۔ خیر میں اس کو ایک سہو سمجھتا ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ اب تم بیدار ہوگئے ہوگے۔ اور اپنے کئے پہ پشیمان ہوگے۔ عراق اور خراسان کی امارت کے لئے تم سے شائستہ تر کوئی دوسرا نہیں ہے اور میرے نزدیک تمہارے حقوق نعمت بھی بہت زیادہ ہیں لہٰذا میں اعلےٰ خدمات کے معاوضے میں پہلی خطا کو معاف کرتا ہوں اور جو کچھ ہوا اس کو سمجھتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ اب اس قصے کو بھول جاؤ۔ اب فرمان عالی یہ ہے کہ بہت جلد عراق و خراسان میں پہنچ کر ملکی انتظام میں مصروف ہو۔" اس فرمان کے مطالعہ سے بھی امیر کا دل کچھ نرم نہ ہوا اور نہ اپنے فعل پر پشیمان ہوا۔ اور حکم دیا کہ "ایک خوان (چوبی کشتی) میں کچھ ساگ پات، اور کچھ مچھلیاں، اور چند گرہیں پیاز

بقیہ صفحہ ۱۸۳ نے چھین لیا۔ نقشہ میں ۲۵-۲۷ عرض شمال اور ۱۱- طول مشرق پر واقع ہے۔ ازمراصد الاطلاع وجام جم

ﻫ جو سبب خواجہ نے اس فتح کا لکھا ہے اگرچہ وہ بھی صحیح ہوگا مگر خلیفہ معتمد کے سپہ سالار اور بھائی موفق کی بہادری اور حکمت عملی کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔

کی رکھکر لاویں۔" جب یہ خوان سامنے آگیا تب حکم دیا کہ خلیفہ کے قاصد کو بلاؤ اور قاصد سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم رخصت ہو اور میری جانب سے خلیفہ کے حضور میں عرض کرو کہ میں ذات کا کسیرا ہوں اور اپنے موروثی کام سے واقف ہوں۔ میری غذا جو کی روٹی، مچھلی، ساگ، اور پیاز ہے سلطنت، خزانہ، اور فوج وحشم میری عیاری اور بہادری کا نتیجہ ہے۔ اس کو نہ تو میں نے میراث میں پایا ہے اور نہ آپ کا عطیہ ہے۔ میں اُس وقت تک نچلا نہیں بیٹھ سکتا ہوں جب تک سر مبارک مہدیہ میں نہ بھیج لوں اور خاندان کو تباہ نہ کر ڈالوں۔ یا تو میں اپنا قول پورا کروں گا یا پھر وہی جو کی روٹی اور ساگ پر گذارا ہے۔ میں نے خزانہ کا منہ کھول دیا ہے اور فوجوں کو بُلایا ہے۔ اور قاصد کے قدموں کے نشان پر میں بھی آرہا ہوں۔" یہ کہکر قاصد کو رخصت کیا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ وہ عارضہ قولنج میں مبتلا تھا۔ اور درد میں تڑپ رہا تھا مگر پھر بھی فتح بغداد سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ اپنے بھائی عمرو بن لیث کو ولی عہد کر کے خزانے کی یادداشتیں سپرد کردیں اور مرگیا۔[1]

اس نئے امیر نے بغداد کا خیال نہیں کیا اور کوہستان میں چلا گیا اور کچھ عرصہ تک وہاں ٹھہر کر خراسان کو روانہ ہوا۔ عمرو بن لیث نہایت زندہ دل، فیاض، ہوشیار، اور صاحب اثر تھا۔ اور اس کی مروت اور ہمت کا یہ حال تھا کہ باورچی خانے کا اسباب چار سو اونٹوں پر چلتا تھا۔ باقی سامان کا اسی سے اندازہ کرلو۔ لیکن خلیفہ کو عمرو بن لیث کی طرف سے بھی دلی ہراس تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اپنے بھائی کا چلن اختیار کرے اور پھر وہی دن دیکھنا پڑیں، اس لئے خلیفہ ہمیشہ اسمٰعیل بن احمد سامانی کو اُبھارا کرتا تھا اور اس قسم کے پیام بھیجا کرتا تھا کہ "عمرو بن لیث پر حملہ کر کے اُس کا ملک چھین لو اور خراسان وعراق کی امارت کے واسطے تم زیادہ موزوں ہو کیونکہ یہ ملک تمہارے اجداد کا ہے۔ اور اُن کا قبضہ غاصبانہ ہے۔ اول تو تم حق دار ہو، دوسرے نیک صفات تیسرے یہ کہ میں دعاگو۔ اس لئے کوئی شبہ نہیں ہے کہ خدا تم کو عمرو بن لیث پر فتح دے گا۔ یہ خیال چھوڑ دو کہ میری فوج قلیل ہے خدا فرماتا ہے

---

[1] امیر یعقوب کی موت اور عمرو بن لیث کی تخت نشینی کی ایک ہی تاریخ ہے یعنی ۲۶۵ھ / ۸۷۸ء۔ یہ امیر اسمٰعیل بن احمد سامانی کی قید میں بمقام بغداد ۲۸۹ھ / ۹۰۱ء میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے قتل کردیا گیا۔ اس کے انتقال کے بعد خاندان سامان کو بہت عروج ہوا۔ (ازدول سید احمد وحلان حالات بنی صفار)

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ - امیر اسمٰعیل خلیفہ کی باتوں میں آگیا۔ اور فوج جمع کر کے جیحون سے اُترا اور اپنے چابک کی نوک سے جب فوج کا جائزہ لیا تو کُل دو ہزار سوار تھے۔ اور فوج کی حالت یہ تھی کہ فی دو سوار ایک کے پاس سپر تھی۔ اور بیس میں سے ایک کے پاس آہنی جال۔ اور پچاس میں سے ایک کے پاس نیزہ تھا۔ اور رکابیں اکثر لکڑی کی تھیں، غرضکہ اس حال سے یہ فوج نہر آمو یہ اُتر کر مرو پہنچ گیا ہے۔ اور وہاں کا شحنہ بغیر مقابلہ بھاگ گیا ہے اور فوجیں دارالسلطنت کی طرف آرہی ہیں۔ اُس وقت عمرو ہنسا اور ستر ہزار سوار کا جائزہ لیا۔ (جو آہنی لباس میں ڈوبے ہوئے تھے) غرضکہ یہ فوج بلخ کو روانہ ہوئی اور مقابل میں پہنچ کر لڑائی شروع ہوگئی لیکن اتفاق سے عمرو بن لیث کو بلخ کے دروازے پر شکست ہوگئی اور لطف یہ ہے کہ تمام فوج میں سے نہ کوئی زخمی ہوا اور نہ کوئی مقید، مگر صرف عمرو بن لیث قید ہوگیا اور جب اسمٰعیل کے سامنے گرفتار ہو کر آیا۔ تو حکم ہوا کہ "چیتے والوں (یوز بانان) کے سپرد کر دو"۔

اسی جنگ کا یہ واقعہ ہے اور عجائبات عالم میں سے ہے کہ دوپہر کے وقت عمرو بن لیث کا ایک فراش لشکر میں گھوم رہا تھا کہ اُس کی نظر عمرو پر پڑگئی (جو ایک خیمہ میں قید تھا) فراش اپنے امیر کی یہ حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور پاس جا کر عرض کیا کہ "آج کی رات آپ میرے مہمان ہوں کیونکہ میں بالکل تنہا ہوں"۔ امیر نے فراش سے کہا کہ "جب تک زندگی ہے بغیر کھانے کے گذر نہیں ہے لہٰذا کھانا تیار کرو"۔ چنانچہ فراش ایک سیر گوشت لایا۔ اور دو تین ڈھیلے مٹی کے جمع کر کے چولھا بنایا اور کنڈے

---

[1] یہ لڑائی ربیع الآخر ۲۸۷ھ میں ہوئی تھی۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اسمٰعیل کی فوج بارہ ہزار اور عمرو کی فوج اسی ہزار تھی۔ [2] پندرھویں ربیع الآخر ۲۸۷ھ بروز منگل عمرو بن لیث کو شکست ہوئی اور شکست کا سبب یہ ہوا کہ جنگی باجوں کی آواز سے عمرو کا گھوڑا بگڑ گیا تھا اور باگ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی عمرو نے بہت کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اور گھوڑا منٹوں میں امیر اسمٰعیل کی فوج میں پہنچ گیا۔ اور وہاں گرفتار ہوگیا۔ اور ایسی عظیم الشان جنگ کا چند منٹوں میں وارا نیارا ہوگیا۔ اس واقعہ پر کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لشکر چوں کوہ راکس بخدا کم شکست | بے مدد عمرو زید چوں تو بہ یک چشم زخم

تاریخ نگارستان صفحہ ۱۱۰۔

سُلگا دیے، اور کسی سپاہی سے دیگچی مانگ کر گوشت کے پارچے بھوننا چاہے اور خشک ٹکڑوں کو دیگچی میں رکھکر نمک کی فکر میں چلا گیا۔ دن ڈھل رہا تھا کہ ایک کُتا آیا اور دیگچی سے ایک ہڈی نکالی۔ جب منھ جلنے لگا تو ہڈی چھوڑ کر بھاگنا چاہا مگر دیگچی کا حلقہ گردن میں آگیا اور وہ بدحواس ہوکر بھاگا۔ عمرو نے یہ حال دیکھکر اپنے نگہبانوں سے کہا کہ "مجھے دیکھو اور عبرت پذیر ہو، میں وہ ہوں کہ جس کے باورچی خانہ کا اسباب آج صبح چار سو اونٹوں نے اٹھایا تھا اور پھر بھی خوان سالار کو کمی اونٹوں کی شکایت تھی، اور آج رات کو یہ عالم ہے کہ تمام باورچی خانہ ایک کتے کی گردن پر ہے۔ پھر کہا کہ "اَصْبَحْتُ اَمِیْرًا وَ اَمْسَیْتُ اَسِیْرًا" میں صبح کو امیر تھا اور شام کو اسیر ہوں۔[۱]

عالم گرفتاری میں عمرو بن لیث نے اپنے خزانے کی فہرستیں ایک معتمد کے ذریعے سے امیر اسمٰعیل کے پاس بھیج دیں، مگر امیر نے یہ کہکر واپس کر دیا کہ یہ" درہم و دینار وہ ہیں جو بوڑھی عورتوں کی سوت کی کتائی اور مسافروں، یتیموں، ضعیفوں، کے مال سے ظالمانہ طریقہ سے جمع کئے گئے ہیں۔ اور جس کی جواب دہی خدا کے سامنے خود تجھ کو کرنا پڑے گی، وہ تو میری گردن پر ڈالنا چاہتا ہے، قیامت کے دن جب دعوے دار کھڑے ہوں گے کہ ہمارا مال واپس کرو جو ناحق لیا گیا ہے۔ اُس وقت تم کہدو گے کہ میں نے اسمٰعیل کے سپرد کر دیا ہے اُس سے مانگو میں اُن کے جواب اور خداوند عزّوجل کے عتاب کی طاقت نہیں رکھتا ہوں"۔ چنانچہ محض دیانت اور خوفِ خدا سے یہ خزانہ اسمٰعیل نے قبول نہیں کیا اور یہ ساری احتیاط محض اس لئے تھی کہ قیامت کے مواخذے سے بچیں۔

(۵) عمّال و وُزراء اور غلاموں کی نگرانی

بادشاہ[۱] کا یہ بھی فرض ہے کہ وقت تقرر عُمّال کو نصیحت کرے، کہ وہ رعایا سے اچھا برتاؤ کریں اور صرف جائز رقم نرمی اور رعایت سے آمدنی کے وقت وصول کریں، کیونکہ قبل از وجوب مطالبہ وصول کرنے میں رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور لوگ ضرورتاً اپنا مال واسباب ڈو ڈو آنے کو بیچتے پھرتے ہیں اور آخر کو تباہ و خانہ برباد ہو جاتے ہیں۔ جب رعایا میں سے کوئی شخص ہل، بیل اور

[۱] فصل چہارم سیاست نامہ

تخم ریزی کے قابل نہ رہے۔ اور بالکل محتاج ہو جائے اس وقت تقاوی سے مدد کی جائے۔ اور سرکار کی جانب سے وہ بالکل سبکبار کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر میں آرام سے رہے اور پردیس کی صورت نہ دیکھے۔"

مثال کے طور پر میں چند واقعات بیان کروں گا۔

(۱) قباد[1] ملک کے عہد حکومت میں سات برس تک قحط رہا۔ اور آسمان سے برکتوں کا نازل ہونا بند ہو گیا۔ اس وقت بادشاہ نے عاملوں کو حکم دیا کہ "غلہ کے ذخیرے بیچ ڈالے جائیں اور محتاجوں کے واسطے بیت المال کھول دیا جائے۔" چنانچہ تمام سلطنت میں ایک شخص بھی دوران قحط میں بھوک کی شدت سے فوت نہیں ہوا۔ اور یہ نتیجہ صرف بادشاہ کی نگرانی کا تھا کہ اس نے عمال کی پورے طور پر دیکھ بھال کی تھی۔

(۲) عمال کی نگرانی ہمیشہ کی جائے اگر وہ اس طرح پر رہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تو خیر ورنہ وہ برطرف کر دیئے جائیں۔ اور اگر محاصل ملکی رعایا سے زیادہ وصول کریں، تو واپس لے کر ان کو دے دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور وہ دراز دستی چھوڑ دیں۔"

(۳) وزراء کو بھی دیکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ سلطنت اور حکومت کا نظام صیغہ وزارت سے وابستہ ہے۔

(۴) جب وزیر نیک چلن اور مدبر ہوتے ہیں۔ تب ہی ملک آباد اور فوج و رعایا شاد رہتی ہے۔ اور

---

[1] قباد جس کا لقب "نیکو رائے" ہے۔ ساسانیوں میں انیسواں بادشاہ ہے۔ اس کے عہد میں وزیر سوخرا دپدر بزرجمہر کا پورا عمل دخل تھا۔ جب وہ بہت حاوی ہو گیا تو قباد نے سپہ سالار شاپور کی مدد سے اس کو قتل کر دیا۔ حکومت کے دس برس بعد مزدک کا ظہور ہوا۔ اس بادشاہ کو عمارت سے خاص ذوق تھا۔ اس کے عہد میں چند شہر آباد کئے گئے جن کے نام یہ ہیں۔ شاہ جورہ۔ کارزون۔ حلوان۔ ارغان۔ شہر آباد۔ بردع۔ گنجہ۔ اور موصل کی تجدید کی۔ اور شہر اصل کو مستحکم کیا۔ طبرستان میں متعدد عمارتیں بنائیں" اناس۔ ٹی۔ سی۔ ایس۔ قیصر روم سے متعدد لڑائیاں ہوئیں اور کامیاب رہا۔ اس کے آٹھ بیٹے تھے، نوشیرواں، فیروز، سہم، زرداد، آردشیر، کاؤس، یزدگرد، رزیر، مگر سب سے نامور نوشیرواں ہوا۔ ۴۳ برس سلطنت کر کے فوت ہوا۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۲۰، ۳۲۱ نامۂ خسرواں صفحہ ۱۳۰۔ تاریخ ملکم صاحب عہد قباد۔"

خود بادشاہ کو بھی اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے ۔ اور اگر وزرا ایسے نہ ہوتے تو نتیجہ برعکس نکلتا ہے۔ چنانچہ بہرام[1] گور اور اس کے وزیر "راست روشن" کا واقعہ مشہور ہے ۔

---

[1] بہرام گور کے وزیر کا نام راست روشن تھا اور کل انتظام سلطنت اُس کے سپرد تھا۔ اور اس قدر معتمد علیہ تھا کہ بہرام گور کسی کی بات اُس کے مقابلہ میں نہ سنتا تھا۔ اور خود دن رات سیر و شکار میں پڑا پھرتا تھا۔ بہرام گور کا ایک شخص اور بھی برائے نام جانشین تھا۔ جس کو خلیفہ بہرام گور کہتے تھے ۔ چنانچہ راست روشن نے اُس شخص سے کہا کہ چونکہ میرے مزاج میں عدل بہت ہے اس وجہ سے رعایا بے ادب ہوگئی ہے اور بادشاہ کو عیش وطرب سے دلچسپی ہے ۔اس لئے جب تک رعایا کو قرار واقعی سزا نہ دی جائے گی اس وقت تک بربادی کا احتمال ہے ۔ لہٰذا جس کے واسطے جو سزا میں تجویز کروں اُس کا عمل درآمد آپ کی طرف سے ہونا چاہیئے ۔ اور میری رائے میں سزا کے دو اصول ہیں ایک یہ کہ بداعمالوں کی تعداد گھٹادی جائے ۔ دوسرے یہ کہ نیک آدمیوں سے مال و دولت چھین لیا جائے ۔ چنانچہ جس کو خلیفہ گرفتار کرتا تھا۔ راست روشن اُس کو رشوت لے کر چھوڑ دیتا تھا۔ غرضکہ تمام سلطنت میں کسی کے پاس گھوڑا، غلام، خوبصورت کنیز، یا عمدہ جاگیر باقی نہیں رہی تھی، جس پر وزیر نے بذریعہ رشوت قبضہ نہ کرلیا ہو۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا برباد ہوگئی اور ملک کے معزز و سربرآوردہ اشخاص جلاوطن ہوگئے اور خزانہ شاہی خالی ہوگیا ۔ چنانچہ ایک زمانہ دراز اسی طرح پر گذر گیا ۔ اور ایک غنیم ملک پر چڑھ آیا ۔ تب اس موقعہ پر بادشاہ نے چاہا کہ صلہ و انعام دے کر فوج کو دشمن کے مقابلہ پر روانہ کیا جائے ۔ اس لئے خزانہ کا جائزہ لیا تو وہاں پر بجائے رقم کے صفر تھا ۔ اُمراء و رؤساء شہر کو دریافت کیا لوگوں نے کہا : مدت ہوئی کہ فلاں رئیس فلاں شہر کو چلا گیا ہے"۔ سبب پوچھا تو وزیر کے خوف سے سبھوں نے کانوں پر ہاتھ دھر لئے ۔ بہرام گور نے بہت غور کیا لیکن جب کچھ پتا نہ چلا تب علی الصباح تنہا صحرا کی طرف نکل گیا۔ چونکہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا لہٰذا اکیس میل تک چلا گیا اور کچھ معلوم نہ ہوا کہ میں کہاں جارہا ہوں ۔ لیکن جب تمازت آفتاب سے پیاس کی شدت ہوئی اس وقت ہوش آیا اور پانی کے لئے جنگل میں چاروں طرف نظر دوڑائی دور سے کچھ دھواں سا اٹھتا ہوا معلوم ہوا۔ اس لئے آبادی کا یقین کرکے اُدھر چل دیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ بکریاں سو رہی ہیں اور ایک راؤٹی کھڑی ہوئی ہے اور سولی پر ایک کتا لٹک رہا ہے ۔ اس منظر نے بہرام گور کو حیرانی میں ڈال دیا۔ جب راؤٹی کے دروازے پر پہنچا تو ایک گڈریہ نے اندر سے نکل کر سلام کیا۔ اور بہرام کو گھوڑے سے اُتارا۔ اور ماحضر سامنے رکھدیا۔ اُسے بالکل خبر نہ تھی کہ یہ ہمارا شہنشاہ بہرام گور ہے ۔ بہرام نے کہا "اے فیاض مہماں نواز دعوت قبول کرنے سے پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس رفیق نے کیا کیا تھا جس کی یہ سزا دی گئی ہے"۔ باقی در صفحہ آئندہ

سکندر نے جو دارا پر فتح پائی اُس کا بڑا سبب یہ تھا کہ دارا کا وزیر سکندر سے سازباز کر گیا تھا۔ جب دارا مارا گیا تو نزع کے وقت کہا کہ "غفلت امیر و خیانت وزیر پادشاہی ببرد"۔

(بقیہ صفحہ ۱۸۹) چرواہے۔ نے کہا کہ یہ "کتا میری ریوڑ کا چوکیدار تھا اور اس قدر دلیر تھا کہ اکیلا دس بھیڑیوں (گرگ) کا مقابلہ کرتا تھا اور اُن کی یہ مجال نہ تھی کہ ریوڑ میں پھٹک سکیں۔ میں اکثر اس کے بھروسے پر دو دو دن تک شہر میں رہا کرتا تھا۔ یہی اُن کو چراتا تھا اور اپنی جگہ پر واپس لے آتا تھا۔ مدت تک اس کا یہی حال رہا۔ ایک دن میں نے بکریوں کو شمار کیا تو کچھ کم معلوم ہوئیں یہاں تک کہ دن بدن تعداد گھٹتی گئی اور میں کسی طرح سے اس کمی کا سبب دریافت نہ کرسکا اور بظاہر کوئی چُرانے والا بھی نہ تھا۔ جنابِ من! آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب عامل صدقات (ٹکس کلکٹر یا تحصیل دار، محصول کے لئے آیا تو بقیہ بکریاں ٹکس کے نذر ہوگئیں۔ اب میں عامل کی طرف سے رکھوالی کرتا ہوں۔

اب اس کا قصہ سُنئے کہ اس کو ایک بھیڑنی (مادہ گرگ) سے دلی لگاؤ ہوگیا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ اتفاق سے ایک دن میں لکڑیوں کی تلاش میں جنگل میں گیا لوٹ کر ایک بلند ٹیکرے سے بکریوں کو دیکھا تو وہ چر رہی تھیں۔ مگر ایک دشمن جان اُن کی گھات میں لگی ہوئی تھی۔ جب اُس نے دیکھا تو دُم ہلاتا ہوا چلا اور وہ بھی اپنے جگہ سے رُک کر چُپ چاپ کھڑی ہوگئی، ایک جھاڑی کی آڑ سے میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اب میں آپ سے کیا کہوں کہ اس بدچلن نے اُس کے ساتھ کیا کیا؟ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ یہ کونے میں جا کر سو رہا۔ اور اُس نے ایک بکری کو چیر پھاڑ کر اپنا پیٹ بھرا۔ اور چلتی ہوئی۔ اور اس نمک حرام نے ذرا بھی غُرفش نکی۔ جب میں نے جان لیا کہ یہ ساری تباہی اس کی گمراہی اور نمک حرامی سے پیدا ہوئی ہے۔ تب میں نے اس کو سولی کی نذر کردیا۔ اور اس کی خیانت کی یہی سزا تھی جو آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں"۔

بہرام گور کو اس واقعہ سے نہایت تعجب ہوا۔ اور راستے میں واپسی کے وقت سوچتا رہا۔ آخر اُس کے خیال میں آگیا کہ "رعیت مثل ریوڑ کے ہے اور وزیر اُس کا چرواہا ہے"۔ اس وقت تمام ملک میں سخت پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔ جس سے پوچھتا ہوں کوئی صحیح حال نہیں بتاتا ہے۔ بلکہ سب چھپاتے ہیں۔

چنانچہ گھر پہنچ کر جانچ شروع کی تو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ یہ ساری خرابیاں راست روش کی کج روی سے ہیں۔ اس نے رعایا سے بُرا سلوک کیا ہے اور برعکس اپنے نام کے اُس کا چلن ہے۔

بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ کسی کے نام پر فریفتہ نہ ہونا چاہیئے۔" میں نے چونکہ وزیر کو صاحب (باقی در صفحہ آئندہ)

بادشاہ کو کسی وقت اپنے قائم مقاموں سے غافل نہ رہنا چاہیے اور ہمیشہ ان کے چال چلن کی ٹوہ میں رہا کرے۔ جب اُن کی خیانت اور کج روشی ظاہر ہو جائے تو اُن کی معزولی میں ذرا بھی توقف نہ کرے اور اس پر بھی کفایت نہ کی جائے بلکہ باندازۂ جرم سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

بقیہ صفحہ ۱۹۰: اختیار کر دیا ہے اس لئے اُس کے ڈر سے کوئی سچی بات نہیں کہتا ہے۔ اب تدبیر یہ ہے کہ کل صبح کو جب وہ حاضر دربار ہو تو سب کے سامنے اُس کو ذلیل کروں۔ اور حکم دوں کہ فوراً پابزنجیر کر دیا جائے۔ اس کے بعد قیدیوں کو بلا کر اُن کی کہانی سُنوں اور عام منادی کرادوں کہ راست روش وزارت سے معزول کیا گیا ہے اور پھر کبھی اپنے عہدے پر وہ بحال نہ کیا جائے گا۔ جو اُس کے مظالم کا داد خواہ ہو وہ دعویٰ پیش کرے، اور اظہار دے۔ اگر اُس نے حکومت انصاف سے کی ہوگی اور کسی سے مال ناجائز نہ لیا ہوگا اور لوگ اُس کے مداح ہوں گے تو خلعت وزارت سے سرفراز کروں گا ورنہ سزا دوں گا۔" چنانچہ دوسرے دن بہرام گور نے دربار عام کیا۔ جب راست روش حاضر ہوا تو بہرام نے اُس کو مخاطب کر کے کہا کہ "یہ کیا تہلکہ ہے جو تو نے میری سلطنت میں مچا رکھا ہے۔ فوج کو مفلس اور رعایا کو پریشان کر دیا ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ سب کی تنخواہیں اور وظیفے وقت معینہ پر پہنچیں، اور ملک کی آبادی سے غفلت نہ کی جائے اور رعایا سے صرف جائز خراج لیا جائے، اور خزانے میں بھی روپیہ وافر موجود رہے لیکن اب جو میں دیکھتا ہوں تو خزانہ خالی پڑا ہوا ہے۔ فوج تباہ حال ہو رہی ہے اور رعایا اپنی طرف بھاگی پھرتی ہے اور تو سمجھتا ہے کہ میں شراب وشکار کے نشہ میں مست ہو رہا ہوں اور ملکی معاملات سے غافل ہوں۔" یہ کہکر راست روش کو ذلت کے ساتھ دربار سے نکال دیا۔ اور پاؤں میں بھاری بیڑیاں ڈال دی گئیں اور قید کر دیا گیا اور شاہی محل کے دروازے پر معزولی کا ڈھنڈورا ان الفاظ پٹوا دیا گیا کہ بادشاہ نے راست روش کو وزارت سے موقوف کر دیا ہے اور کبھی وہ اس خدمت پر مقرر نہ کیا جائے گا جس جس کو اُس نے ستایا ہو وہ بے کھٹکے حاضر دربار ہو کر استغاثہ کریں۔ بادشاہ انصاف کے واسطے تیار ہے۔"

چنانچہ سب سے پہلے قیدیوں کی تحقیقات شروع ہوئی۔ انھوں نے اپنی اپنی داستان سُنائی، جانچ کی گئی تو منجملہ سات سو قیدیوں کے تخمیناً بیس ایسے تھے۔ جو خونی یا چور یا واقعی ملزم تھے اور باقی سب بے گناہ تھے جن کو وزیر نے مال و زر کے لالچ سے قید کر رکھا تھا۔ اور اُن کے باغ، مکانات، و جاگیر کو ضبط کر لیا تھا۔ ان میں بعض سات سات برس کے قیدی تھے کچھ غیر ملک کے سوداگر تھے، جو محض اس جرم پر گرفتار تھے کہ اپنے مال کی قیمت چاہتے تھے چونکہ منادی عام ہو گئی تھی اس لئے اطراف وجوانب سے بکثرت باقی در صفحہ آئندہ

جب کسی کو کوئی بڑی خدمت سپرد ہو تو اُس کے معاملات کی تفتیش کے لئے اپنا ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جائے کہ وہ اُس کے رنگ ڈھنگ سے آگاہ کرتا رہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اُس کو خبر نہ ہو کہ مجھ پر نگراں (خفیہ پولیس) مقرر ہے۔

بقیہ صفحہ ۱۹۱: فریاد دی آئے۔ جب بہرام گور نے وزیر کے یہ ظلم دیکھے تو مزید تحقیقات کی غرض سے خانہ تلاشی کا حکم دیا چنانچہ کاغذات کے بستہ میں ایک خط اُس بادشاہ کا برآمد ہوا جو اس وقت حملہ آور ہوا تھا۔ اور ایک تحریر دستخطی راست روش کی ملی جس کا یہ مضمون تھا۔ کہ "اس قدر آہستگی کیوں ہے عُقلا کا قول ہے کہ دولت کو غفلت اُڑا لی جاتی ہے۔ میں فرماں برداری کے اُس درجہ پر ہوں کہ جس پر ہونا چاہیے۔ افسران فوج کو میں نے (اپنی سرکار سے) باغی اور حضور کا ہواخواہ بنا دیا ہے اور کل فوج کو مفلس کر دیا ہے۔ اور آپ کے واسطے خزانے لبریز ہیں۔ تاج۔ ٹپکا۔ اور تخت ایسا گراں بہا تیار کر رکھا ہے کہ جس کی نظیر آج تک نہیں دیکھی ہے۔ اس وقت میدان خالی ہے اور دشمن غافل، جہاں تک جلد ممکن ہو آئے۔ ایسا نہ ہو کہ مرد خوابیدہ بیدار ہو جائے۔"

جب بہرام نے یہ خط پڑھا تو معلوم ہوا کہ دشمن اسی کے بل پر آ رہا ہے اب اس کے کمینہ پن میں کوئی شک نہیں ہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط کر لی جائے اور نیلام کر کے جو جس کا یافتنی ہو وہ اُس کو دیدیا جائے جب یہ سب ہو لیا تو راست روش کو معہ اُس کے تیس مددگاروں کے قصر شاہی کے سامنے سولی دیدی گئی۔ اور سات روز تک منادی ہوا کی کہ یہ سزا اُس شخص کی ہے جو بادشاہ وقت سے مخالفت اور اُس کے دشمنوں سے موافقت کرے۔"

صرف اس ایک سیاست سے کُل ملک درست ہو گیا۔ اور دشمن سرحد سے پھر گیا۔ اور بہرام کو معذرت کے ساتھ دوستانہ تحائف بھیجے اور چونکہ یہ سارے انتظام چرواہے کی کارروائی دیکھکر کئے گئے تھے لہٰذا اس کے صلہ میں اُس کو سات سَو بکریاں شاہی گلے سے دی گئیں اور محصول معاف کر دیا گیا۔ اور خلعت سے سرافراز ہوا۔

چونکہ یہ واقعہ بہرام گور کا تھا۔ لہٰذا ناظرین کی دلچسپی کے لئے بہرام کے بھی مختصر تاریخی حالات لکھے جاتے ہیں۔

یزدجرد ساسانیوں میں تیرھواں تاجدار تھا۔ چونکہ اول درجہ کا ظالم تھا لہٰذا عربوں نے اس کو اثیم کا خطاب دیا تھا چونکہ ظالم کبھی پھولتا پھلتا نہیں ہے اس وجہ سے اس کی بھی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی اور عمومًا خورد سالی میں بچے۔ مثل کلیوں کے مرجھا کر رہ جاتے تھے۔ جب اس کا بیٹا بہرام چار برس کا ہو گیا تو یہ بہت خوش ہوا اور دربار کے منجموں سے جن کا نام سروش، اور ہوشیار تھا زائچہ بنوایا انھوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ صاحب تاج و تخت ہوگا۔ مگر مدائن اس کو راس نہیں عرب کی سرزمین میں یہ نہال بارآور ہوگا۔ چنانچہ یزدجرد نے (باقی در آئندہ صفحہ)

حکیم ارسطاطالیس نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ جب تو اپنی سلطنت کے اہل قلم کو ناراض کر دے تو پھر اُن کو کوئی خدمت نہ دینا کیونکہ یہ اسرار سلطنت سے دشمنوں کو آگاہ کر دیں گے اور تیرے قتل کی فکر کریں گے۔ اور حسب ذیل مجرم بغیر سزا کے نہ چھوٹنے جائیں۔

بقیہ صفحہ ۱۹۲۔ نعمان بن منذر بن عمرو بن عدی کو جو حیرہ کا فرماں روا اور سلطنت عجم کا ماتحت تھا بلایا اور بہرام کو سپرد کر دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ "اس بچہ کی پرورش ایسے مقام پر کی جائے جو آب و ہوا کی لطافت میں ضرب المثل ہو۔ اور اس کی سکونت کے واسطے ایسے دو محل بنوائے جائیں جس میں دلچسپی کے پورے سامان ہوں "
چنانچہ نعمان نے بغرض سکونت ایک محل بنوایا جس میں تین گنبد تھے اور اس مناسبت سے اس کا نام سہ دیر (سدیر معرب)، رکھا اور دوسرا محل کھانا کھانے اور معمولی نشست و برخاست کے لئے بنایا اور اس کا نام خوردن گاہ (خورنق معرب) قرار پایا۔ ان محلوں کا معمار اور مہندس سنمار رومی تھا۔ خوردن گاہ (خورنگاہ مخفف) میں حیرت انگیز صنعت یہ تھی کہ وہ طلوع آفتاب کے وقت سفید، چاشت کے وقت سرخ، دوپہر کے وقت سبز غروب آفتاب کے وقت زرد ہو جاتا تھا۔ اور رات کو مثل ماہتاب کے چمکتا تھا۔ نعمان نے سنمار کو بہت بڑا صلہ دیا۔ چونکہ یہ انعام اس کے اندازہ سے بہت زیادہ تھا لہٰذا اُس نے کہا کہ میں ایسا مکان بھی بنا سکتا ہوں جو سورج مکھی کی طرح آفتاب کے ساتھ چکر کھاتا رہے۔ نعمان نے اس خیال سے کہ اگر ایسا مکان تیار ہو گیا تو خورنگاہ کی عدیم المثالی میں فرق آجائے گا لہٰذا اُس نے سہ دیر کی چھت سے سنمار کو گرا دیا اور وہ مرگیا۔ عربی، فارسی علم ادب میں سدیر، اور خورنق کے حوالے بکثرت آتے ہیں۔ مثلاً سلمان ساوجی کہتا ہے ؎ خورم تراز خورنقی وخوشتراز سدیر، ونگہ بدیں سخن در و دیوار تو گواہ اسود بن یعفر ؎ ارض الخورنق والسدیر و بارق، والقصر ذی الشرفات من سنداد "

غرضکہ تین معلموں کی اتالیقی میں بہرام نے دس برس کی عمر میں فارسی، عربی، ترکی میں کمال حاصل کیا اور شکار و شہسواری میں بھی جو عرب کا حصہ ہے خوب مہارت کی۔ اور نعمان نے اُس کو ملک ایران کی تاریخ اور خاندانی حالات سے بھی واقف کر دیا تھا لیکن یزدجرد کے مرنے پر ارکان دولت نے ایک دوسرے شاہزادے کو جس کا نام کسرے تھا۔ اور جو خاندان اردشیر بابکان سے تھا تخت نشین کر دیا۔ لیکن بہرام نے ایک سخت امتحان کے بعد کسرے سے تخت چھین لیا۔ یہ بہرام شکار کا بڑا شائق تھا۔ اور گورخر کا خاص کر شکار کرتا تھا۔ اس وجہ سے بہرام گور مشہور ہوا۔ قوت کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شیر نے گورخر شکار کیا۔ لیکن بہرام نے ایسا تیر مارا (باقی در صفحہ آئندہ)

(۱) جو سلطنت کا آرزو مند ہو۔ (۲) یا حرم میں بدنیتی کرے (۳) یا سرکاری راز فاش کرے (۴) یا ظاہر میں بادشاہ کا دوست اور باطن میں دشمن ہو۔

اور خلاصہ سب کا یہ ہے کہ جب بادشاہ بیدار ہوتا ہے تو سلطنت کا کوئی کام اُس سے پوشیدہ نہیں رہتا ہے۔

(۶) مستاجراورکاشتکاروں کے تعلقات[۱]

دیہات[۲] کے ٹھیکہ داران کو چاہیے کہ وہ کاشت کاروں سے صرف اس قدر وصول کریں کہ جس قدر وصول کرنے کا حکم ہے۔ اور وہ بھی عمدہ طور پر جس میں اُن کا مال و اسباب سلامت

بقیہ صفحہ ۱۹۳ = کہ جو دونوں کو نشانہ کرتا ہوا زمین میں پیوست ہوگیا۔ تاریخ اور تذکروں میں اس کے فارسی و عربی اشعار تحریر ہیں۔ راست روش اس کے وزیر کا نام تھا۔ جو خاقان چین مسمٰی ایل بی سے مل گیا تھا۔ لیکن بہرام نے ایک حکمت عملی سے خاقان کو گرفتار کرکے اپنے ہاتھ سے بمقام مرو قتل کردیا۔ خاقان نے ۲½ لاکھ فوج سے براہ ترکستان، خراسان پر حملہ کیا تھا۔ لیکن بہرام نے بمقام کرکان جب خاقان پر چھاپہ مارا ہے اُس وقت تیرہ ہزار سوار ہمراہ تھے۔ علاوہ فوج کے قارن گستہم مہر فیروز، مہر برزین، نرسی، فیروز بہرام، خراد سات عجمی شاہزادے۔ اور رہام، فیروزان، داد برزین، عاملان سے گیلان، زابلستان ہمراہ تھے۔ فتح کے بعد بہرام دارالسلطنت کو واپس آیا۔ اور اس عظیم الشان فتح کی خوشی میں تمام مملکت کا سہ سالہ خراج معاف کردیا۔ جس کی میزان ایک سو چالیس کروڑ دینار (زر خالص) تھی۔ اور راست روش کو موقوف کرکے مہر نرسی کو وزیر کیا۔ انتخاب از ناسخ التواریخ صفحہ ۲۰ جلد دوم نامہ خسروان صفحہ ۱۸۰۔ المعجم حالات بہرام۔ دسیر الملوک نظام الملک۔

[۱] فصل پنجم صفحہ ۲۸-۲۷۔ سیاست نامہ۔

[۲] وصول مال گزاری کا یہ طریقہ کہ تمام دیہات ٹھیکہ پر دے دیئے جائیں اور مستاجروں سے معاملہ کیا جائے۔ زمانہ حال کے عقلا کے نزدیک غیر مستحسن ہے۔ اور ہندوستان کی جن ریاستوں میں فی زمانہ یہ طریقہ جاری ہے وہاں جمع بندی کے مطابق پوری رقم بلکہ نصف رقم بھی سالانہ ریاست کو وصول نہیں ہوتی ہے البتہ اہل کاران دفتر انشا اور وزیر مال (جو خائن اور مرتشی ہوں) کے آہنی صندوق روپے اور اشرفیوں سے (باقی در صفحہ آئندہ)

رہے۔ اور زن و فرزند امن سے رہیں اور اس سے زیادہ اُن پر کوئی حق نہیں ہے۔

جب کاشت کار عرض حال کے لئے دربار میں آنا چاہے تو اُن کو روکنا نہیں چاہیئے۔ اور جو ٹھیکہ دار اس کے خلاف کرے اُس کا ٹھیکہ فسخ کر دیا جائے اور سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور اُن کو جاننا چاہیئے کہ رعیت اور ملک سب بادشاہ کا ہے۔ اور ٹھیکہ دار بھی کاشت کار کے لئے مثل والیان ملک کے ایک شحنہ ہے جس طرح پر کہ خود بادشاہ۔ یعنی دونوں رعایا کی راحت و آرام کے واسطے ہیں۔ جن بادشاہوں کی رعایا آرام سے رہتی ہے اُن کے واسطے آخرت کا عذاب نہیں ہے۔

مثال قباد ملک کے انتقال پر جب اُس کا بیٹا نوشیروان عادل تخت نشین ہوا، اُس وقت وہ اٹھارہ برس کا تھا اور سلطنت کا کُل کام کرتا تھا۔ انصاف گویا اُس کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اور نیک و بد کو خوب سمجھتا تھا۔ اُس کا قول تھا کہ "میرا باپ ضعیف الرائے، سلیم دل، اور بھولا شخص ہے اُس نے ملک کو گماشتوں پر چھوڑ رکھا ہے۔ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور خود مفت میں بدنام ہوتا ہے۔ اور مزدک کے طلسمات پر فریفتہ ہو گیا ہے۔ عمال اور والی (جو ناجائز وصول تحصیل سے ملک کو ویران اور رعایا کو فقیر کر رہے ہیں) جب روپے کی تھیلیاں سامنے بھر کر لاتے ہیں تو وہ اُن سے خوش ہوتا ہے، کیونکہ زر پرست ہے اور اُن سے کبھی نہیں پوچھتا کہ یہ پیشی جو محاصل میں ہوئی کہاں سے ہوتی؟ کیونکہ ملک کی آمدنی صرف عامل کی تنخواہ اور مصارف فوج وغیرہ کے واسطے کافی ہے اور پھر جو رقم کثیر لایا ہے تو آخر میراث پدر سے تو لایا نہ ہوگا؟ بہر حال یہ وہ تھیں ہیں جو ناجائز طور سے وصول کی گئی ہیں۔ لیکن کسی عامل سے نہیں کہا گیا کہ محاصل ملک صرف اس قدر ہے۔ جس میں یہ خرچ ہے اور یہ داخل خزانہ ہوا ہے تاکہ دوسروں کو بھی خیال ہوتا۔

چنانچہ عہد نوشیروانی میں بھی تین چار سال تک ٹھیکہ داروں اور عاملوں کی طرف سے

بقیہ صفحہ ۱۹۴ بھر جاتے ہیں کیونکہ بقایا مال گذاری کی مثلیں برسوں دائر رہتی ہیں اور نمائشی طریقے وصول مال گذاری کے دکھائے جاتے ہیں۔ لیکن اخیر میں تمام بقایا غیر ممکن الوصول قرار پاتا ہے اور مثل داخل دفتر کر دیجاتی ہے۔ ہندوستان میں جو قانون وصول مال گذاری کا گورنمنٹ میں جاری ہے نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ اور ریاستوں کے لئے قابل تقلید ہے البتہ جمع کا پرتہ اور میعاد بندوبست قابل ترمیم ہے۔

یہ اُدھم مچا رہا تب ایک دن دربار عام میں عمال کے روبرو نوشیرواں نے یہ تقریر[1] کی۔

"اول میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے بادشاہ بنایا۔ اور پھر سلطنت بھی کیسی دی کہ موروثی! میرے چچا نے مجھ پر چڑھائی کی خدا نے مجھے کامیاب کیا۔ اور میں نے بھی بزور تلوار ملک فتح کیا۔ جب مجھے خدا نے بادشاہ بنایا۔ تو میں نے بھی تم کو حکومت میں حصہ دیا۔ اور کسی مستحق کو محروم نہیں رکھا۔ جو اہل کار میرے والد کے عہد سے حکومتوں پر ممتاز ہیں میں نے اُن کو بحالِ خود رہنے دیا ہے۔ اور اُن کی جاگیر و اعزاز میں مطلق کمی نہیں کی گئی ہے۔ میں ہمیشہ تم سے یہی کہتا ہوں کہ رعایا سے نیک سلوک کرو اور اُن سے ناجائز رقم مت وصول کرو۔ میں تمھاری عزت کی قدر کرتا ہوں۔ مگر تم خود اپنی عزت نہیں کرتے ہو۔ نہ کسی کی بات سُنتے ہو۔ نہ خدا سے ڈرتے ہو۔ نہ خلق خدا سے شرماتے ہو۔ لیکن میں خدا سے ڈرتا ہوں (کیونکہ وہ گناہوں کی سزا دیتا ہے)، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے ظلم اور شامتِ اعمال کا اثر میری سلطنت پر پڑے۔ خدا کی مہربانی سے کوئی دشمن سر پر نہیں ہے۔ اور چین کے ساتھ معاش حاصل ہے۔ اس لئے بہت ہی اچھا ہوتا کہ ہم اور تم خدا کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے۔ کیونکہ ناشکری اور ظلم سے مُلک کو زوال ہوتا ہے۔ اور نعمتیں بھی چھین لی جاتی ہیں۔ اس لئے بندگان خدا سے اچھا برتاؤ کرو، بزرگوں کی عزت کرو۔ کمزوروں کو نہ ستاؤ اور نہ اُن پر اپنا بوجھ ڈالو، اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھو۔ بدوں سے پرہیز کرو۔ میں خدا اور اُس کے فرشتوں کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے بھی ان اُصول کے خلاف عمل کیا تو پھر میں توقف نہ کروں گا۔"

سب نے کہا کہ "ہم فرماں بردار ہیں۔ حکم کی تعمیل کریں گے۔" مگر چند روز کے بعد پھر سب اپنے اپنے ڈھنگ پر آ گئے اور لوٹ مار کرنے لگے۔ کیونکہ وہ نوشیرواں کو نادان بچہ سمجھتے تھے۔ ہر سرکش کا یہ خیال تھا کہ خود ہم نے نوشیرواں[2] کو تخت پر بٹھایا ہے۔ جب چاہیں اُتار دیں۔

---

[1] خواجہ نظام الملک نے بطور خلاصہ نوشیرواں کی تقریر لکھی ہے۔ تاریخوں میں نوشیرواں کا یہ پورا خطبہ موجود ہے۔ اور جن کو نظم سے ذوق ہے وہ اس کو شاہنامہ فردوسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

[2] چونکہ اس کتاب میں متعدد مقامات پر نوشیرواں کا ذکر آ چکا ہے لہٰذا مزید تاریخی حالات ناظرین کی اطلاع کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

(بقیہ در صفحۂ آئندہ)

نوشیرواں یہ واقعات خاموشی سے دیکھ رہا تھا اور صلح وآشتی کی حکمت سے سلطنت کئے جاتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح پانچ برس گذر گئے۔ لیکن ایک بڑھیا کی فریاد پر جب والیٔ بائیجان قتل کیا گیا۔ اور اُس کی ساری جائداد ضبط کی گئی تب جملہ انتظام درست ہوگیا۔

بقیہ صفحہ ۱۹۶ء قباد نیکو رائے کی اولاد میں سب سے روشن خیال صرف نوشیرواں تھا۔ اس کا لقب کسریٰ تھا۔ اور اسی وجہ سے تمام ساسانیوں کو اکاسرہ کہتے ہیں۔ قباد نے اپنی حیات میں ولی عہد کر دیا تھا۔ بادشاہ ہو کر نوشیرواں نے مدائن میں سکونت اختیار کی اور ایوان کسریٰ تعمیر کرایا۔ جو عمارات العجم میں ایک تاریخی عمارت ہے۔ نوشیرواں کے تاج میں اس قدر جواہر نصب تھے کہ وہ کبھی سر پر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ وزن کی وجہ سے وہ تخت کے اوپر لٹکا دیا گیا تھا۔ چنانچہ جب نوشیرواں تخت پر بیٹھتا تو تاج سر پر مثل چتر کے قربان ہوتا تھا۔ نوشیرواں کا اُستاد تمیشار ساسان تھا۔ جو اپنے زمانے میں ایک نامور حکیم کا درجہ رکھتا تھا۔ اس کے دربار میں روزانہ تین سو ساٹھ حکمائے عجم اور دیگر ارباب کمال جمع ہوتے تھے اور سلطنت کے اہم معاملات انہیں کے مشورے سے طے ہوا کرتے تھے۔ خاص خاص ارکان سلطنت حسب ذیل ہیں۔

وزیر اعظم	بہبود	نائب وزیر	بزرجمہر
میر منشی اعلےٰ	یزدگرد	موبد موبداں	اردشیر
حاجب اعظم	وزداں	وزیر فوج	بابک
افسر الاطبا	برزویہ	مصاحبین	متعدد تھے

مگر سب سے نادر روزگار سابق یمنی تھا جو علم قیافہ دزرلیا لوجی) میں ضرب المثل تھا تخت نشینی کے بعد سب سے پہلے نوشیرواں نے صوبوں میں والی مقرر کئے چنانچہ سب سے بڑے حسب ذیل پانچ صوبے تھے۔

(۱) **خراسان** : نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مرورود۔ فاریاب۔ اندراب۔ طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ بادغیس۔ باورد۔ غرشستان طوس۔ نسا۔ سرخس۔ جرجان۔ بوشنج۔ البوزجان۔ خرجرد۔ زوزن۔ قائن۔ اسفرائن۔ شہرستان۔ بلادر۔ جرمقان زم۔ اسفزار۔

(۲) **آذربائیجان** : طبرستان۔ رے۔ قزوین۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نہاوند۔ دینور۔ حلوان۔ ماسبذان مہرجان۔ شہرزور۔ صامغان۔

(۳) **فارس** : اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور۔ کارزون۔ فسا۔ داراب جرد۔ اردشیر خرہ۔ سابور۔ اہواز۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

ہر دوسرے تیسرے سال عمال اور ٹھیکہ دار بدل دینا چاہیے تاکہ اُن کے قدم مضبوط نہ ہو جائیں۔ اس انتظام سے مُلک بھی آباد رہے گا اور دین و دنیا کی نیک نامی بھی حاصل ہوگی۔

بقیہ صفحہ ۱۹۶: یزد۔ جندے سابور۔ نہر تیری۔ مناذر۔ تستر۔ ایذج۔ رام ہرمز۔ عسکر مکرم۔ ارجان۔ سوس۔ ابرقوہ۔ فیروز آباد۔ سیراف۔

(۴) **کرمان**: بردسیر۔ جیرفت۔ سیرجان۔ زرند۔ ہرموز۔

(۵) **عراق**: ہیت۔ حلہ۔ قادسیہ۔ حیرہ۔ کوفہ۔ انبار۔ عکبرا۔ سامرہ (سر من رائے۔ سامیرا۔ سامرا۔ سر من رے۔ سار من راتے۔ سامَر۔ (بالمد) سر من راء۔ (ممدود الآخر) سار من راء) بابل نہروان۔ جلولا۔ واسط۔ علوان۔ بصرہ۔ عبادان۔ بروان۔ صرصر۔ بغداد۔ مدائن (یہ سلسلہ حد روم پر ختم ہوتا ہے) چنانچہ عمال میں فارس کا عامل ہزاربد کرمان کا آذرماہان۔ حیرہ کا منذر ماء السماء نہایت مشہور و معروف ہیں۔

نوشیرواں کو جس چیز نے حیات جاویدبخشی ہے وہ اس کا عدل و انصاف اور قانون سلطنت ہے اگر کوئی ان حالات کو لکھنا چاہے تو الف لیلہ کا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ عدل کے متعلق مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ "ولدت فی زمن الملک العادل"۔ اور قانون سلطنت میں یہ کہ جزیہ، اور زمین کی پیمائش اور لگان وغیرہ کے متعلق جو قاعدے اُس نے بنائے تھے وہ حضرت عمرؓ رضی اللہ جیسے نامور مدبر اور فاتح اعظم نے بجنسہ یا باد نے تغیر قائم رکھے۔ بلکہ عراق کے بعض شہروں میں نوشیروانی اصول مالگذاری کے مطابق آج تک عمل درآمد ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے فوجی سپاہیوں اور عہدہ داروں کا رجسٹر اسی عہد میں تیار ہوا۔ سوار اور پیادے کی تنخواہ مقرر کی گئی۔ یعنی سوار کی جاگیر ۴ ہزار درہم اور پیادہ کی سو درہم۔ روم پر تین۳ لاکھ کی جمعیت سے حملہ آور ہوا اور قیصر جسٹی نین سطاینس کو باج گذار بنا لیا۔ ۲ کروڑ دینار زر خالص اور ۲ کرور درہم خراج ٹھہرا (علاوہ تحائف) ۴۷ برس زندہ رہا ۴۸ برس حکومت کی۔ اس کے اقوال حکمت بکثرت ہیں۔ ہم صرف ایک مقولہ لکھتے ہیں۔

سلطنت کا قیام فوج سے ہے اور فوج کا خزانے سے، خزانہ کا خراج سے۔ اور خراج کا عمارت (آبادی) سے اور عمارت کا عدل سے، اور عدل، اصلاح عمال پر موقوف ہے۔ اور عمال کی اصلاح وزرا کی استقامت پر منحصر ہے۔ اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ اپنے فرائض سے واقف ہو۔ نوشیرواں ۵۳۰ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اور ۴۸ برس سلطنت کرکے ۴۷ برس کی عمر میں ۵۷۸ء میں انتقال کرگیا۔ انتخاب از ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۵۵، کسریٰ نامہ متفرق مقامات۔ کشف الظنون صفحہ ۲۸۹۔ ۲۹۰ مطبوعہ بغداد۔

(۷) قاضی خطیب اور محتسب کے فرائض

قاضی

بادشاہ کو چاہئیے کہ تمام ملک کے ایک ایک قاضی (منصف و جج) سے واقفیت حاصل کرے۔ اور اُن میں سے جو عالم (قانون داں) اور متدین ہوں وہ مقرر کئے جائیں۔ اور جو ایسے نہ ہوں وہ برطرف کئے جائیں۔ ہر ایک کی تنخواہ باندازہ مصارف مقرر کی جائے تاکہ رشوت کی حاجت نہ ہو۔ یہ سب سے نازک اور مشکل خدمت ہے۔ کیونکہ یہ طبقہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہے۔

۱؎ فصل ششم صفحہ ۴۸-۴۲۔ سیاست نامہ۔ ۲؎ اسلام نے امور مذہبی کے قیام اور سیاسی حیثیت سے جو عہدے قائم کئے ہیں۔ وہ قاضی، خطیب، اور محتسب، مفتی، موذن، اور امام مسجد کا عہدہ ہے۔ خلفائے راشدین اور شاہان اسلام کے عہد میں ان عہدہ داروں کے انتخاب میں خاص توجہ کی جاتی تھی۔ لیکن ہندوستان میں باستثنا بعض ریاستوں کے نہ اب یہ عہدے ہیں اور نہ ان پر کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ البتہ قاضی کی تعریف میں حکام مال فوجداری اور دیوانی داخل ہیں کیونکہ انفصال مقدمات کا کام ان کے ہاتھ میں ہے اور یہ گروہ رعایا کی جان و مال پر حکومت کرتا ہے۔ لہذا عہدۂ قضا کے متعلق چند الفاظ لکھے جاتے ہیں جس کا تعلق ہر فیصلہ کنندہ سے ہے۔

بادشاہ کی طرف سے جو ترازو رعایا کے اعمال تولنے کے لئے ہے وہ قاضی کی ذات ہے اس لئے جس شخص کو یہ خدمت سپرد کی جائے اُس میں کم از کم ان صفات کا ہونا لازمی ہے۔ یعنی متقی، پرہیزگار، صاحب وقار، راست باز، ذکی الطبع، سنجیدہ مزاج، فقیہہ (قانون داں) اور اپنے عہدہ کے فرائض سے پورے طور پر واقف ہو۔ ثبوت کے قبل فیصلہ سنانے میں جلدی نہ کرے اور ثبوت ختم ہونے پر فیصلہ لکھنے میں توقف بھی نہ کرے۔ رعایا کے مذاہب اور قومی رسم و رواج سے واقف ہو۔ اور سب سے بڑھکر جس کی احتیاط بمنزلہ فرض کے ہے وہ یہ ہے کہ بجز بادشاہ وقت کے کسی کا ہدیہ اور تحفہ قبول نہ کرے۔ خلفاء اور شاہان اسلام کو اس حصہ پر خاص توجہ تھی اور جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کتب سیاست کے ذیل میں خاص اس عنوان پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ "فصل المقال فی ھدایا العمال" مشہور کتاب ہے۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں قاضیوں کی تنخواہ ترقی کرکے ۲۷۰۰ دینار (۵۰ ۱۲ روپیہ) تک پہنچ گئی تھی۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ نے تنخواہ درہم تنخواہ مقرر فرمائی تھی کہ نفس مقدمہ میں کسی کی سفارش نہ سنے، اور دوران تحقیقات میں فریقین کے مدارات پر خاص توجہ کرے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے پر اپنے عہدہ کا اثر نہ ڈالے نہ اُن کو دبائے۔ اور معمولی لغزشوں کی گرفت (باقی در صفحہ آئندہ)

جب قاضی غلط فہمی یا لالچ وغیرہ سے فیصلہ کریں۔ تو دوسرے حکام کو اس کی سماعت کرنا چاہیے اور بادشاہ سے اطلاع کرنا چاہیے کہ وہ موقوف کئے جائیں یا اُن کو سزا دی جائے۔

عمّال کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ وہ قاضیوں کو مدد دیتا رہے تاکہ اُن کے ظاہری اعزاز کی کساد بازاری نہ ہو۔ اور اگر کوئی شیخی، یا دولت مندی کی وجہ سے قاضی کے حکم سے حاضر عدالت نہ ہو تو عمّال اُن کو بجبر و سختی حاضر عدالت کردیں اور یہ عہدہ اس قدر معزز ہے کہ خلفائے راشدین نے بنفسِ نفیس

بقیہ صفحہ ۱۹۹: نہ کرے۔ قاضی کا یہ بھی فرض ہے کہ گواہوں اور وکلا کی بھی تفتیش کرتا رہے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے خلفائے عباسیہ کے عہد میں قاضی کے ماتحت ایک معدل کا عہدہ تھا۔ اس عہدہ دار کے پاس ایک رجسٹر رہتا تھا۔ جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے۔ اور مقدمہ کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اُس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ عام حقوق۔ اور مشتبہ جائدادوں تمسّکوں کے کاغذات مرتب رکھتا تھا۔ اور عموماً دستاویزات کی رجسٹری اُس کے دفتر میں ہوتی تھی یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ اور اس لئے نہایت مشہور اور راست باز اور ثقہ لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے۔ لیکن فی زمانہ کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس میں پیشہ ور گواہ اور بد اعمالوں کی ضمانت کرانے والے موجود نہ ہوں۔ اکثر اوقات حکام فریب میں آجاتے ہیں اور اصلی ملزم ان گواہوں کے صدقہ میں چھوٹ جاتے ہیں۔ علاوہ معدل کے قاضی کے ماتحت حسب ذیل عملہ تھا۔

کاتب القاضی۔ حاجب القاضی۔ نقیب القاضی۔ اُمناء القاضی۔

قاضی کے لئے یہ بھی لازمی ہے کہ فیصلہ کے وقت ہنسی مذاق نہ کرے بلکہ چہرے پر ایسا سکوت اور تحمل معلوم ہو کہ گویا کچھ غور کررہا ہے اور فیصلہ سُنانے سے پہلے ایسی رائے کا اظہار نہ کرے جس سے معلوم ہو کہ مدعی یا مدعا علیہ کے حق میں مقدمہ کا فیصلہ ہوگا۔ یہ چند ہدایتیں ایسی ہیں کہ فصل خصومات میں عموماً حکام کے لحاظ کے لائق ہیں۔ لیکن جن ممالک میں اسلامی حکومت ہے وہاں قاضی کو فیصلہ مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام اور مفلسوں کی خبرگیری، وصیتوں کی تعمیل، بیواؤں کی تزویج (جب کوئی والی نہ ہو) اس قسم کے کام سپرد ہیں۔ ماتحت قاضیوں کے فیصلہ کا اپیل قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے یہاں ہوتا تھا۔ اور جس عدالت میں ایسے مقدمات پیش ہوتے تھے اس کا نام تاریخ میں "دیوان المظالم" ہے اور عربی میں بہ زمانہ حال مجلس استئناف۔ (عدالت اپیل) کہتے ہیں۔

عربی میں متعدد کتابیں قضاۃ کے حالات میں تحریر ہیں۔ جن سے اُن کی روشن ضمیری اور ذہانت اور فیصلہ مقدمات کا ملکہ ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب عقد الفرید للملک السعید میں قاضی محمد بن عمران۔ عاقبۃ بن یزید۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

خدمات قضا کو انجام[1] دیا ہے۔

شاہانِ عجم کا دستور تھا کہ وہ نوروز[2] اور مہرجان کے زمانے میں ایک جشن عام کرتے تھے جس میں کُل رعایا کو شریک ہونے کی اجازت تھی۔ اور کسی کے واسطے روک ٹوک نہ تھی۔ اور انعقاد دربار سے چند روز قبل منادی ہوجاتی تھی۔ کہ فلاں تاریخ مقرر ہوئی ہے۔ اور تاریخ معینہ پر بازار میں ایک خاص منادی ہوتی تھی کہ اگر کوئی شخص کسی فریادی کو حاضری دربار سے روکے گا تو بادشاہ

بقیہ صفحہ ۲۰۰ شریک بن عبداللہ کوفی عبید بن ظبیان وغیرہ مشاہیر قاضیوں کے واقعات درج ہیں۔ کتاب الاذکیا ابن جوزی۔ اور المستطرف میں بھی بکثرت روائتیں موجود ہیں۔ شائقین یہ کتابیں مطالعہ کریں۔ انتخاب از سلوک المالک فی تدبیر الممالک۔ ومعید النعم سبکی۔ ومقدمہ ابن خلدون۔

[1] قاضی اور قضاۃ یہ دو لفظ اس قدر جامعیت رکھتے ہیں کہ جن پر مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے لیکن ہمارے زمانہ میں قاضی وہ کہلاتے ہیں جو نکاح پڑھاتے ہیں۔ اور جس کو گورنمنٹ ایکٹ قاضیان کے مطابق مقرر کرتی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جس عہدہ کی ابتدا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوئی تھی اس کو بعض حضرات نے خوب ہی ذلیل کیا ہے۔ مسلمانوں پر گورنمنٹ کا خاص احسان ہوگا۔ اگر وہ اس کے متعلق ایک کمل دستورالعمل مقرر کردے۔ اور ان کے رجسٹر جس میں نکاح درج ہوتے ہیں ایسے مطبوعہ فارم پر ہوں کہ جس میں جعل وفریب اور ترمیم وتنسیخ کا موقعہ نہ ہو۔ اگر سرکاری حیثیت سے ایسے رجسٹر مرتب ہوں تو نکاح وطلاق وغیرہ کے مقدمات میں حکام کو بھی آسانی ہوجائے۔

[2] نوروز ماہ فروردین (۲۱ مارچ) کا پہلا دن ہے کہ جس دن آفتاب عالمتاب برج حمل کے نقطۂ اول میں قدم رکھتا ہے اور فصل بہار کی آمد ہوتی ہے۔ ایرانیوں کے عقائد کے مطابق یہ دن نہایت مقدس ہے کیونکہ خداوند عالم نے حضرت آدمؑ اور دنیا کو اسی دن پیدا کیا ہے۔ اور سبعہ سیارہ کو گردش کرنے کا اسی دن حکم ملا۔ اور یہی وجہ تسمیہ نوروز کی ہے۔ لیکن مورخین کا قول ہے کہ جب جمشید پیش دادی نے اصطخر میں قصر شاہی مسمّٰی بہ تخت جمشید بنایا اور علی الصباح تخت پر بیٹھکر مشرق کا نظارہ کیا تو سب سے پہلے سورج کی کرن جب تخت وتاج پر پڑی اور جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگوں کی نظر خیرہ ہونے لگی تو انھوں نے نعرہ خوشی بلند کیا اور اس نورانی صبح کا نام نوروز رکھا۔ اور عام طور پر جشن عظیم منایا گیا۔ چنانچہ پارسیوں میں ہنوز یہ یادگار منائی جاتی ہے۔

منجمین کے نزدیک نوروز کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام نوروز عامہ اور دوسرے کا نام نوروز خاصہ ہے چنانچہ جو دن تحویل آفتاب کا برج حمل میں ہے اس کا نام نوروز عامہ ہے اور اس سے زیادہ ساعت سعید کوئی نہیں ہے (باقی در صفحۂ آئندہ)

اُس کو قتل کردے گا۔ غرضکہ تاریخ معینہ پر بادشاہ سب کے واقعات سنتا تھا۔ اگر کسی کو محض بادشاہ کی ذات سے شکایت ہوتی۔ تو بادشاہ تخت سے اُتر آتا تھا۔ اور موبد موبدان (مذہبی سردار) کے سامنے دوزانو ہو بیٹھتا اور کہتا کہ سب سے پہلے اس شخص کا فیصلہ میرے مقابلہ میں بلا رورعایت کیا جائے۔ اور منادی پھر پکارتا کہ جو بادشاہ پر نالشی ہوں وہ سب ایک جگہ بیٹھ جائیں تاکہ اُن کا فیصلہ کردیا جائے۔ پھر بادشاہ موبد سے مخاطب ہوکر کہتا کہ "خدا کے نزدیک بادشاہوں کے گناہوں سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بادشاہ رعایا کی نگہداشت کریں اُن کو ظالم سے بچائیں۔ اس سے وہ گویا خدا کی نعمتوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ جب بادشاہ ظالم ہوتا ہے تو فوج کا ہر سپاہی ظالم ہوجاتا ہے۔ اور خدا کو بھول جاتا ہے۔ تب اُن پر خدا کا عتاب ہوتا ہے اور اُن کی شامت اعمال سے سلطنت اُس خاندان سے نکل جاتی ہے۔

"اے موبد! میرے معاملے میں رعایت نہ کرنا۔ جب خدا مجھ سے پوچھے گا تو میں تجھ سے سوال کروں گا"۔ اس کے بعد موبد معاملے پر نظر ڈالتا، اگر دعویٰ سچا ہوتا تو اُس کا انصاف کیا جاتا۔ اگر

بقیہ صفحہ ۲۰۱۔ اور چھٹی تاریخ ماہ فروردین کا نام نوروز خاصہ ہے۔ کیونکہ اس دن جمشید نے دوبارہ تخت پر اجلاس کیا اور خاص جشن کیا۔ اور غسل و طہارت کے بعد سب عبادت میں مشغول ہوئے اور خاص خاص رسموں کی بنیاد ڈالی گئی چنانچہ اکاسرہ میں مسلسل چند دن کا جشن کیا جاتا تھا اور عام طور سے قیدیوں کی رہائی اور حاجت مندوں کی حاجت روائی انھیں ایام پر موقوف ہوا کرتی تھی اور عیش و عشرت کا بھی خاتمہ ہوجاتا تھا۔

مہرجان۔ مہرگان (مہرجان) مہینہ مہر (اکتوبر) کی سولھویں تاریخ کا نام مہرجان ہے۔ اور یہ وہ تاریخ ہے کہ جب آفتاب برج میزان میں آتا ہے۔ اور خزاں کو موسم بہار کا جانشین کرتا ہے۔ نوروز کے بعد ایرانیوں میں اس سے بڑا کوئی اور جشن نہیں ہے۔ اس کی بھی شکل نوروز کے دو قسمیں ہیں۔ ابتدائے تاریخ ۱۶ اور انتہائے تاریخ ۲۱ ہے۔ مذہبی فضیلت اس تاریخ میں یہ ہے کہ گویا خدا نے اسی دن زمین کو پیدا کیا۔ اور تمام روحیں اپنے قالب میں آئیں۔ اور اُسی دن یزداں نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے کاوہ آہنگر کی مدد کی تھی جس نے ضحاک پر فتح پائی۔ اور جو جشن اس یادگار میں منایا گیا وہ قومی مہر و محبت کا دیباچہ تھا۔ اس لئے مہرگان نام قرار پایا۔ علاوہ اس کے اور بھی متعدد اسباب ہیں جس کے لئے تاریخ عجم دیکھنا چاہیئے اور بعض ارباب لغت نے لکھا ہے کہ ہر مہینے کی سولھویں تاریخ کو مہرگان کہتے ہیں۔ انتخاب از انجمن آرائے ناصری و برہان قاطع و تاریخ عجم۔

بادشاہ پر جھوٹا دعویٰ دائر ہوتا اور مدعی ثابت نہ کر سکتا تو اُس کو سخت سزا دی جاتی تھی۔ کہ آئندہ اوروں کو جسارت نہ ہو۔ جب بادشاہ کے معاملات ختم ہو جاتے۔ تب بدستور بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا، اور سب کو مخاطب کر کے بیان کرتا کہ میں نے سب سے پہلے اپنی ذات سے اس لئے کارروائی شروع کی تھی کہ تم کو ظلم کرنے کی جرأت نہ ہو۔ پھر بلا رو رعایت معاملات کا تصفیہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اردشیر[1] کے عہد سے یزدگرد تک یہ قاعدہ جاری رہا لیکن یزدگرد نے اس قدیم رسم کو چھوڑ دیا اور ظلم و ستم کا بانی ہوا۔

بادشاہ کو انفصال مقدمات کے لئے خود بیٹھنا چاہیئے۔ اور سب کی درخواستیں سُننا چاہیئے۔ بادشاہ ترک ہو یا عرب، جب وہ قانون شریعت سے واقف نہ ہوگا تو نائب کی ضرورت پڑے گی۔

---

[1] ساسانیوں میں اردشیر بن بابک بن ساسان اصغر (سلسلہ نسب اسفندیار پر ختم ہوتا ہے) پہلا بادشاہ ہے۔ اُس کی ماں کا نام گہر آفرید تھا سنہ ۲۲۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اور سام بن رضیع کو جو مشہور مدبر تھا وزیر بنایا۔ تاریخ ایران میں اس کی سلطنت سے ایک نیا زمانہ شروع ہوتا ہے۔

اردشیر کو شہنشاہی کا لقب ملا۔ اردشیر کی سوانح عمری بہادری اور محنت کا سبق پڑھاتی ہے کیونکہ اردشیر نے نہایت ادنیٰ درجہ سے ترقی حاصل کر کے پادشاہی پائی تھی۔ اردشیر کو عمارت سے بہت ذوق تھا اور اس کے عہد میں متعدد شہر آباد ہوئے مثلاً کورہ آردشیر۔ اردشیر آباد۔ (متصل مدائن) سہر مزاردشیر (متصل ہواز)۔ استباد اردشیر۔ (متصل اصطخر) بردشیر کورشیر پانچ سو پچپن شہر اور چھ سو قصبات پر اُس کی حکومت تھی اور مردم شماری اسّی کرور تھی۔ جو قانون سلطنت اس بادشاہ نے بنایا وہ صدیوں ایران کا دستور العمل رہا۔ اس کی تصنیفات میں سے دو کتابیں مشہور ہیں ایک کا نام کارستان (کارنامہ) اس کتاب میں مہمات ملکی اور سیر و سیاحت کی کیفیت درج ہے۔ دوسری کتاب آداب العیش۔ اس میں حسنِ معاشرت کے طریقے ہر درجہ کے آدمی کے لئے بتائے ہیں۔ نوشیرواں نے اس کی متعدد نقلیں ملک میں شائع کی تھیں تاکہ رعایا میں حسن اخلاق قائم رہے۔ قیصر روم اور فغفور چین۔ اردشیر کے باج گذار تھے۔ ۸۰ برس کی عمر ہوئی۔ ۱۴ برس دو مہینہ سلطنت کی اُس کے اقوال تاریخ اور ادب کی کتابوں میں بکثرت درج ہیں۔ انتخاب از ناسخ التواریخ و نامہ خسروان۔

یزدگرد

یزدگرد (یزدجرد) خسرو پرویز کا بیٹا اور ایران کا آخری بادشاہ ہے۔ اُس کے زمانے میں مسلمانوں نے ایران پر فتح پائی تفصیل کے لئے "الفاروق" علامہ شبلی نعمانی دیکھو۔

اور ملک کے تمام قاضی درحقیقت نائب السلطنت ہیں۔اس لئے بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ قضاۃ کی عزت وتکریم اعلےٰ درجے کی کریں۔

(۸) خطیب

مثل قضاۃ کے خطیب جامع مسجد کا بھی انتخاب ہونا چاہیئے جو پارسا اور مفسر ہوں۔کیونکہ امامت کا مسئلہ نازک ہے اور مقتدیوں کا تعلق امام سے وابستہ ہے۔جب امام کی نماز میں خلل ہو تو مقتدیوں کا خدا حافظ ہے۔

(۹) محتسب

ہر شہر میں محتسب مقرر کرنا چاہیئے۔تاکہ وہ بازار میں باٹ (اوزان) اور نرخ کی جانچ کرتا رہے۔اور لین دین کی نگرانی رکھے، تاکہ کوئی شکایت نہ ہو۔جو چیزیں دیہات سے فروخت کے لئے آئیں اُس میں یہ احتیاط رہے کہ آمیزش نہ ہونے پائے اور کم وزن تولنے کی زیادہ جانچ ہوتی رہے۔ اس عہدہ دار کی عزت ووقار کا قائم رکھنا بادشاہ اور اُس کے نائبوں کو ضرور ہے۔کیونکہ یہ اُصولِ سلطنت میں داخل ہے۔اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو غریبوں کو تکلیف اٹھانا پڑے گی اور بازاروں کا کام درہم برہم ہو جائے گا۔بنئے، بقال، جیسا چاہیں گے من مانا بیچیں گے۔

یہ عہدہ بادشاہ کی جانب سے کسی خواص یا خادم یا بوڑھے ترک کو ملا کرتا تھا۔جن سے لوگ ڈرتے تھے۔چنانچہ ذیل کا واقعہ مشہور ہے۔

سلطان محمود غزنوی، ندیمان خاص میں ایک شب محونشاط تھا۔اور اس کے دو ندیم علی نوشتگین و محمد عربی (یہ دونوں سپہ سالار تھے) بھی حاضر مجلس تھے۔چنانچہ علی نوشتگین نے کھانے کے وقت گھر جانے کی اجازت مانگی۔چونکہ دن زیادہ چڑھ گیا تھا۔اور یہ نشہ میں چور ہو رہا تھا۔سلطان نے کہا کہ "اس وقت گھر سے باہر قدم رکھنا خلاف مصلحت ہے یہیں آرام کرو۔نماز ظہر کے بعد چلے جانا، اُس وقت تک طبیعت سنبھل جائے گی۔اگر محتسب ان حالوں سے دیکھ لے گا تو وہ حد جاری کرے گا، اور ساری عزت خاک میں مل جائے گی، اور مجھ کو بھی صدمہ ہوگا۔لیکن میں شرع

کے حکم میں دم نہ ماروں گا۔"

علی نوشتگین پچاس ہزار فوج پر افسری کرتا تھا۔ اور خود بھی ایک من چلا بہادر تھا۔ ہزار پہلوانوں کی برابر اُس کی طاقت مشہور تھی۔ اُس کے خیال میں نہ آیا کہ محتسب کون ہے اور کیا کر سکتا ہے؟ اور سپاہیانہ جوش میں کہا کہ "میں تو بغیر گھر جائے نہیں رہ سکتا ہوں"، اور آخر کو اپنے جلوس کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ محتسب[1] نے دیکھا کہ سو سواروں کے جھرمٹ میں سپہ سالار صاحب بدمست جا رہے ہیں، چنانچہ اُسی وقت حکم دیا کہ "اس کو گھوڑے پر سے اُتار لو۔" اور اس کے بعد خود گھوڑے سے اُتر کر اپنے ہاتھ سے دُرّے لگائے اور وہ بھی اس سختی سے کہ زمین پر منہ کے بل گر گر پڑتا تھا۔ اُردَلی کے سوار پیادے کھڑے منہ تکتے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ چونکہ یہ محتسب سلطان کا خادم اور بوڑھا ترک تھا، اور قدیم نمک خوار، اس لئے اس کے مقابلے میں کوئی چون وچرا نہ کر سکا۔ سپہ سالار مذکور کو سخت ندامت تھی اور راستہ میں کہتا جاتا تھا۔ "جو بادشاہ کا حکم نہ مانے گا اُس کا حال مجھ جیسا ہو گا۔" دوسرے دن سلطان نے پیٹھ کھول کر دیکھی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے تھی۔ ہنس کر فرمایا کہ "توبہ کرو اب کبھی گھر سے جھومتے ہوئے نہ نکلنا۔"

چونکہ محمود اُصولِ سیاست اور نظامِ حکومت کا پابند تھا۔ اس وجہ سے اس کے زمانے میں انصاف خوب ہوتا تھا۔

---

[1] علاوہ اُمورِ مندرجۂ بالا کے محتسب کو ان اُمور کی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ بازار یا مجمع میں کوئی امر خلافِ شریعت نہ ہونے پائے۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے بوجھ نہ لادا جائے۔ کشتی میں زیادہ آدمی سوار نہ ہونے پائیں۔ جہاز اور مزدور پر مقدار مقررہ سے زیادہ وزن نہ ہو۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات مخدوش ہوں اُن کو مالکوں سے گروا دے۔ جو معلم لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں اُن کو سزا دے۔ نان بائیوں کی دوکان کی پکی ہوئی روٹیاں بھی وزن کرا کے دیکھتے تھے۔ اور گوشت کا نرخ روزانہ درج کتاب کیا جاتا تھا۔ نائب محتسب معہ سپاہی پیادوں کے دن رات بازاروں اور گلیوں میں گشت کرتا رہتا تھا۔ اب محتسب کی اکثر خدمات ناظم مجلس بلدیہ (میونسپل بورڈ کے سکرٹری) انجام دیتے ہیں۔ سلطنت اندلس میں اسی عہدہ کا نام خطۃ الاحتساب تھا۔ اور در اصل یہ عہدہ بھی عہدہ قضا کی شاخ ہے۔ محتسب کا اجلاس روزانہ جامع مسجد میں ہوا کرتا تھا۔

(۱۰) عاملانہ عہدہ داروں کی نگرانی

ہر شہر[۱] میں بادشاہ کو اول ایسا دین دار اور خدا ترس آدمی تلاش کرنا چاہئے، کہ جو صاحب غرض نہ ہو۔ اور جب ایسا شخص مل جائے تو شہر کی امانت اُس کے سپرد کردی جائے۔ اور حکم دیا جائے کہ "اس شہر اور اس کے نواح کی عام نگرانی تمھارے سپرد ہے۔ عامل، قاضی، محتسب، اور تمام رعایا کے حالات سے واقفیت پیدا کرو۔ اور مجھے اطلاع دو۔" ایسے بزرگ جوان صفات سے متصف ہوں۔ اور اس خدمت کو خوشی سے قبول نہ کریں تو ان پر زور ڈالا جائے۔

(۱) چنانچہ[۲] امیر عبداللہ بن طاہر (جس کی قبر کی نیشا پور میں زیارت ہوتی ہے) کا دستور تھا

---

[۱] فصل ہفتم صفحہ ۴۳۔

[۲] طاہر بن الحسین ملقب بہ ذوالیمینین، خلیفہ، مامون الرشید عباسی کا نامور سپہ سالار ہے جس کو فتح بغداد و قتل امین کے بعد، مامون الرشید نے ۲۰۵ھ میں صوبہ خراسان کا گورنر کردیا تھا۔ لیکن جس دن مامون کے خلاف طاہر نے بغاوت کا خیال ظاہر کیا اُسی دن اُسے زہر دیدیا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانی ۲۰۷ھ کا ہے۔ لیکن چونکہ طاہر مامون کا قدیم خدمت گذار تھا اس وجہ سے اُس کے حقوق کا لحاظ کیا گیا اور خراسان کی حکومت اُس کے بیٹے کو دی گئی۔ غرضکہ اسی طاہر کا ایک دوسرا نامور بیٹا عبداللہ تھا۔ جو صاحب الشرطہ (افسر محکمہ پولیس) کے عہدہ سے ۲۱۰ھ میں مصر کا مستقل گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ اور اُس کے فضل و کمال کا اندازہ اس طرح پر کیا جا سکتا ہے کہ تقرر کے بعد مامون نے عطائے سند کے لئے عبداللہ کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ "یوں تو ہر شخص اپنی اولاد کی نسبت حسن ظن رکھتا ہے۔ لیکن طاہر نے جو کچھ تمھاری تعریف میں کہا اُس سے کم کہا، جس کے تم دراصل مستحق ہو۔" طاہر نے یہ مژدہ سنا تو بیٹے کو ایک نہایت مفصل خط لکھا۔ (عبداللہ بن طاہر جب مصر کا گورنر ہوا ہے اُس وقت طاہر فوت ہوچکا تھا۔ اس لئے طاہر نے یہ خط ۲۰۶ھ یا ۲۰۷ھ میں لکھا ہے جب کہ عبداللہ رقہ کا گورنر تھا۔ اور نصر بن شیبث کے مقابلے میں نمایاں کارگذاری کرچکا تھا) جو آئین حکومت، انتظامات ملکی، رفاہ رعایا، کے متعلق ایک نہایت مدبرانہ دستور العمل ہے۔ یہ خط اس قدر مقبول ہوا کہ تمام لوگوں نے اس کی نقلیں لیں، اور خود مامون نے اس کی باضابطہ نقلیں عموماً حکام سلطنت کے پاس بھجوائیں اور کہا کہ طاہر نے دنیا و دین، تدبیر رائے، سیاست، اصلاح ملک، و حفاظت سلطنت اور قیام خلافت کے متعلق کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔" چونکہ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو قانون سلطنت اور سیاست سے (باقی در صفحہ آئندہ)

کہ وہ ہر کام دین دار اور پارسا لوگوں کے سپرد کیا کرتا تھا۔ جس کا یہ اثر تھا کہ مال طیب خزانہ میں

بقیہ صفحہ ۲۰۶ ۔ خاص تعلق ہے ۔لہٰذا ترجمہ اس خط کا لکھا جاتا ہے کیا عجب ہے کہ ہندوستان کی اسلامی اور غیر اسلامی ریاستوں کے والیٔ ملک اور اُن کے عمال اس دستور العمل سے فائدہ اُٹھائیں اور ہماری گورنمنٹ کے عہدہ دار بھی محروم نہ رہیں ۔اس خط کے بعض مضامین خالص اسلامی ہیں اور اُن کے مخاطب مسلمان ہیں ۔تاہم باستثنا اس کے عام مضامین ایسے ہیں جن سے ہر شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے ۔

امیر عبداللہ شجاعت اور تدبیر کے علاوہ بڑا ادیب، محدث، شاعر، اور موسیقی داں تھا۔ اس کی فیاضیوں کے سامنے خود مامون الرشید کی دریا دلی بھی کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی ۔ابو تمام طائی صاحب الحماسیہ اس کے دربار کا شاعر تھا۔ تمام خاندان شاہی اس کی عزت کرتا تھا۔ چنانچہ ۲۱۱ھ/۸۲۶ء میں جب امیر عبداللہ داخل بغداد ہوا ۔تو خود معتصم باللہ اس کے استقبال کو نکلا۔ مرنے سے پہلے بیس لاکھ درہم خرچ کر کے غلام آزاد کرائے ۔اور ان مصارف پر جب مرا تو چار کرور درہم خاص اُس کے خزانہ میں موجود تھے ۔امیر عبداللہ ۲۱۳ھ/۸۲۹ء میں خراسان کا گورنر مقرر ہوا اور ۲۳۰ھ/۸۴۴ء میں فوت ہوا ۔اس کے بعد طاہر بن عبداللہ اور محمد بن طاہر حکمراں ہوئے ۔امرائے طاہریہ جن کو ملوک طاہریہ کہنا چاہیے ان کی حکومت خراسان میں ۲۰۵ھ/۸۲۰ء سے شروع ہوئی ۔اور مسلسل پانچ حکمرانوں کے بعد ۲۵۹ھ/۸۷۲ء میں ختم ہوگئی ۔یہ خاندان اگرچہ خلفاء کا ماتحت تھا مگر برائے نام ۔تمام مورخین کی رائے ہے کہ دولت عباسیہ کے زوال کا دیباچہ آل طاہر کی مسلسل حکومت تھی ۔

چنانچہ اس خاندان کا اخیر حکمراں محمد بن طاہر، یعقوب صفار کے ہاتھ گرفتار ہوگیا اور خاندان کا خاتمہ ہوا لیکن جو طرز عمل ان امراء کا تھا وہی صفاریوں کا رہا اور یہ سلسلہ تباہی بغداد تک برابر قائم رہا۔ انتخاب از المامون، تاریخ الدول الاسلامیہ ۔۱۲

طاہر کا خط عبداللہ بن طاہر کے نام

میرے عزیز بیٹے! میں سب سے اول تم کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو، جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔تم کو رات دن اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اُس کی مرضی پر چلو اور اُس کے غصہ سے ڈرتے اور کانپتے رہو ۔تمھارا فرض ہے کہ تم اپنی رعیت کی نگہبانی اور حفاظت میں شب و روز سرگرم رہو ۔جو صحت اور تندرستی خدا نے تم کو عنایت کی ہے اُس کو غنیمت سمجھو اور آخرت کو پیش نظر رکھو ۔یاد رکھو کہ ایک دن خدا کے حضور میں جاؤگے اور تم سے تمھارے افعال کی نسبت سوال کیا جائے گا، اس لئے جو کام تم شروع کرو (باقی در صفحہ آئندہ)

جمع ہوتا تھا۔ اور رعایا پر کسی قسم کی سختی بھی نہ ہوتی تھی۔

بقیہ صفحہ ۲۰۷۔ اُس کو ایسی طرح انجام دو کہ قیامت کے دن تم کو عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہونا پڑے۔

یاد رکھو کہ خدا نے تم پر احسان کیا ہے اور رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا تم پر واجب کیا ہے۔ تم خدا کے بندوں پر حکومت کرتے ہو۔ تم پر لازم ہے کہ اُن کے ساتھ انصاف کرو اور اُس کا پورا پورا حق ادا کرو اور اُس کی حدود سے سرمو تجاوز نہ کرو۔ اُن کی عزت اور جان و مال کی حفاظت کرو۔ ملک میں امن و امان قائم رکھو اور اہل ملک میں عام راحت و آسودگی پھیلاؤ۔ خدا نے جو فرائض تمھارے ذمہ واجب کئے ہیں اُن کے انجام دینے یا نہ دینے کی نسبت تم سے ایک دن ضرور باز پُرس کی جائے گی اور تمھاری نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ کیا جائے گا اور اُن کا بدلہ دیا جائے گا۔ پس تم پر لازم ہے کہ اس بات کے سوچنے اور سمجھنے کے لئے اپنے دماغ پر زور دو اور عقل و فہم سے اچھی طرح کام لو۔ یہ وہ اصول ہے جس پر تمھاری زندگی کا مدار ہونا چاہیے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو اس اُصول پر عمل کرنے کی توفیق دے اور تم اس پر عمل کرنا لازم جانو اور اپنے تمام کاموں کی بنیاد اسی اُصول پر رکھو۔

پانچ نمازیں جو خدا نے تم پر فرض کی ہیں، اُن کو ٹھیک وقت پر اور جماعت کے ساتھ ادا کرو۔ وضو اور طہارت کے جو شرائط ہیں ان سب کا لحاظ رکھو۔ نمازمیں جو سورتیں پڑھو۔ اُن کو آہستگی اور ترتیل کے ساتھ ادا کرو۔ رکوع اور سجدہ کرنے میں کوئی گھبراہٹ نہیں ہونا چاہیے۔ غرضکہ نماز کے جتنے ارکان ہیں، اُن سب کو نہایت اطمینان سے انجام دو۔ جو لوگ تمھارے مصاحبوں اور ندیموں میں داخل ہوں، یا تمھارے خدمت گار اور ملازم ہوں، اُن کو بھی اس بات کی ترغیب دو کہ وہ جماعت کی نماز پڑھا کریں۔ نماز سے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، نیکیوں کی تحریک ہوتی ہے اور انسان بدیوں اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ تم پر یہ بھی لازم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرو اور خلفائے راشدین اور سلف صالح کے طریقہ زندگی کو اختیار کرو۔ جب کوئی مشکل کام پیش آئے، تو خدا سے دعا کرو کہ وہ تمھیں اُس کے حل کرنے کی توفیق دے اور وہ پہلو سجھائے جو سراسر نیک ہو۔ پھر اس بات کی کوشش کرو کہ وہ کام ایسے طریقے سے انجام دیا جائے، جو خدا کے احکام اور رسول اللہ کی ہدایتوں اور نصیحتوں کے خلاف نہ ہو۔ اس کے بعد اُس کام پر ہاتھ ڈالو اور انصاف کو کبھی اور کسی معاملہ میں ہاتھ سے نہ دو۔ ہر معاملہ کا، جو تمھارے عزیزوں اور دوستوں سے تعلق رکھتا ہو، یا اجنبی لوگوں کے متعلق ہو، انصاف کے موافق فیصلہ کرو۔ اس کا بالکل خیال نہ کرو کہ تم اُس فیصلے کو پسند کرتے ہو یا ناپسند کرتے ہو۔

(باقی در صفحہ آئندہ)

(۲) حدیث شریف میں آیا ہے کہ "العدل عز الدنیا وقوت السلطان وفیہ صلاح العامۃ والخاصۃ"

بقیہ صفحہ ۲۰۸ شریعت کے عالموں اور قرآن مجید پر عمل کرنے والوں کو سب لوگوں پر ترجیح دو اور اُن کو اپنی صحبت میں شریک کرو، کیونکہ ایک انسان کے لئے جو چیز سب سے بڑھ کر مایۂ ناز ہو سکتی ہے، وہ دین داری اور خدا شناسی ہے۔ یہ وہ چیز ہے، جو نیکیوں اور بھلائیوں کی ہدایت کرتی ہے اور مہلک برائیوں اور بدیوں سے باز رکھتی ہے۔ جب خدا کسی انسان کو نیکی کی توفیق دیتا ہے، تو وہ خدا کی عظمت اور جلال کو ہمیشہ پیش نظر رکھتا ہے اور آخرت میں بلند ترین درجات پر پہنچنے کی تمنا کرتا ہے۔ اگر تم بھی اس ہدایت پر عمل کرو، تو آخرت میں روحانی ترقی تم کو نصیب ہوگی، دنیا میں ہر شخص تمھارے ساتھ عزت و توقیر سے پیش آئے گا، تمھارا رعب اہل دنیا پر طاری ہوگا، وہ تمھارے ساتھ محبت و اُلفت سے پیش آئیں گے اور تمھارے انصاف پر بھروسا کریں گے۔

ہر ایک کام میں جس کو تم شروع کرو، یا انجام دو، اعتدال کو کبھی ہاتھ سے نہ دو اور ہمیشہ خیر الامور اوسطها پر عمل کرو۔ افراط و تفریط سے بچنا اور ہر کام میں توسط اختیار کرنا ایسا عمدہ طریقہ ہے کہ اس سے زیادہ مفید اور عمدہ اور اطمینان بخش کوئی طریقہ نہیں ہے۔ اعتدال ہدایت کی طرف رہبری کرتا ہے اور ہدایت اس بات کی دلیل ہے کہ خدا نے خوش قسمتی اور کامیابی کا منظر اُس شخص کی آنکھوں کے سامنے پیش کیا ہے، جو ہدایت کے طریقے پر چلتا ہے۔ اعتدال ہی پر مذہب کا مدار ہے اور شریعت بار بار اسی کی تاکید کرتی ہے تم بھی دنیا میں اعتدال و توسط اختیار کرو۔

عزیز بیٹے! تم ہمیشہ آخرت کی طلب میں رہو اور نیک کام کرنے میں ہمیشہ آمادگی ظاہر کرو اور یاد رکھو کہ نیکی میں کوشش کرنے کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ نیکی کرنے سے کوئی مقصد اس کے سوا نہیں ہے کہ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرو اور آخرت میں خدا کے دوستوں اور اُس کے نیک اور مقبول بندوں کا قرب تم کو حاصل ہو۔ اگر تم اعتدال اور توسط اختیار کرو گے تو دنیا میں تمھاری عزت ہوگی اور تم گناہوں اور بدیوں سے بچو گے، اس سے بہتر کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جس سے انسان کے تمام کام درست ہوں۔ پس تم کو بھی اسی طریقے پر چلنا چاہیئے، تاکہ تمھارے سب کام درست ہوں اور تمھاری عزت اور وقعت لوگوں کی نگاہوں میں زیادہ ہو خدا کی نسبت تم ہمیشہ نیک گمان رکھو۔ تمھاری رعیت بھی ہمیشہ تمھاری نسبت نیک گمان رکھے گی۔ ہر کام میں خدا سے عجز و نیاز کے ساتھ التجا کرنے کو اپنی کامیابی کا ذریعہ تصور کرو، تاکہ ہمیشہ اُس کی رباتی (در صفحہ آئندہ)

اور خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ ؕ

(۳) حضرت فضیلؒ بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ۔ اگر کہیں میری دعا مستجاب ہو تو میں

لہ ابو علی فضیل بن عیاض، نہایت مشہور و معروف صوفی ہیں۔ ابتدا میں ابیورد اور سرخس کے مابین راہزنی کیا کرتے تھے۔ لیکن یکایک خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی۔ توبہ کر کے بمقام کوفہ ریاضت میں مشغول ہوئے۔ اور زمرۂ کاملین اور ارباب طریقت میں شمار ہوتے۔ کتاب المعارف میں اصحاب الحدیث کے ذیل میں ابن قتیبہ نے آپ کا تذکرہ لکھا ہے۔ ہارون الرشید عباسی کے عہد میں بمقام مکہ معظمہ بحیثیت ایک مجاور، بماہ محرم ۱۸۷ھ ۸۰۲ء انتقال فرمایا تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ صوفیہ اور ابن خلکان دیکھو

بقیہ صفحہ ۲۰۹ ۔ نعمتیں اور برکتیں تم پر نازل ہوں، ہر شخص کی نسبت جس کو تم کوئی کام سپرد کرو، نیک گمان کرو اور بغیر کسی معقول وجہ کے اس کے کام کی نسبت بدگمانی نہ کرو۔ تمھارا فرض یہ ہے کہ الزام لگانے سے پہلے ہر کام کا امتحان کرو اور اس کی حقیقت معلوم کرو۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ لوگوں کی نسبت بدگمانی کرنا اور ان پر بے جا طور سے الزام لگانا شریعت میں سخت گناہ ہے۔ پس تم اپنے دوستوں اور ملازموں کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آؤ۔ بغیر تحقیق کے کبھی ان کے کاموں کی نسبت بدگمانی کرنا اور ان پر بے جا طور سے الزام لگانا شریعت میں سخت گناہ ہے۔ پس تم اپنے دوستوں اور ملازموں کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن سے پیش آؤ۔ بغیر تحقیق کے کبھی ان کے کاموں کی نسبت بدگمانی نہ کرو اور ان پر الزام نہ لگاؤ۔ دیکھنا شیطان تمھارے طریقہ زندگی میں کوئی رخنہ نہ پائے ورنہ وہ تمھاری ادنیٰ کمزوری کو کافی سمجھے گا اور تم کو بدگمانی میں ڈال کر غم میں مبتلا کر دے گا۔ اور تمھارے عیش کو مکدر اور تمھاری زندگی کو تیرہ و تار کر ڈالے گا۔ خوب سمجھ لو کہ حسن ظن سے ایک عجیب طاقت اور راحت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم لوگوں کی نسبت نیک گمان رکھو گے تو تمھاری تمام خواہشیں پوری ہوں گی اور سب کام درست رہیں گے اور لوگ تم سے محبت کریں گے، مگر یہ بھی خیال رہے کہ اگر محض حسن ظن پر بھروسہ کرو گے اور اپنے ملازموں کے ساتھ حد سے زیادہ مروت اور مہربانی سے پیش آؤ گے اور ان سے بازپرس نہیں کرو گے اور اپنے کاموں پر نظر نہیں رکھو گے، تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ تمھارے ہر انتظام میں خلل آجائے گا اور تمھارا ہر کام نادرست ہوگا۔ تمھارا فرض ہے کہ اپنے ماتحتوں اور ملازموں کے کاموں پر نظر رکھنے اور رعیت کے باب میں احتیاط کرنے اور ان کی اصلاح و بہبودی پر متوجہ ہونے اور ان کی ضرورتوں اور حاجتوں کو پیش نظر رکھنے کو سب کاموں سے زیادہ مقدم سمجھو۔ یہ وہ طریقہ ہے (باقی آئندہ)

یہی دعا مانگوں کہ خداوندا سلطان عادل مرحمت فرما۔

بقیہ صفحہ ۲۱۰ ۔ جس سے دین قائم رہتا ہے اور سنت نبوی زندہ ہوتی ہے۔ جب تم اس طریقہ پر عمل کرو، تو اپنی نیت کو ہر حال میں خالص رکھنا۔

عزیز بیٹے! تم کو سب سے پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے اور ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ کل تم سے تمہارے بُرے اور بھلے کاموں کی نسبت سوال کیا جائے گا۔ برائیوں پر تم کو سزا دی جائے گی اور نیکیوں پر تم انعام پاؤ گے۔ خدا نے دین کو دنیا کی امن و امان اور حفاظت اور اہل دنیا کی بہبودی اور آسائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ پس تمہارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ تم جن لوگوں پر حکومت کرتے ہو اُن کے ساتھ دین داری کے طریقے سے پیش آؤ اور شریعت کی ہدایتوں کے بموجب اُن سے برتاؤ کرو۔ خدا نے جرائم کی جو حدیں قائم کردی ہیں، اُن کو جاری کرو، اور مجرموں کو اُن کے جرموں کے موافق سزا دو اور اس میں ذرا غفلت اور کوتاہی نہ کرو۔ اگر تم مجرموں اور بدکاروں کے سزا دینے میں کوتاہی کروگے، تو عام آدمی تمہاری نسبت بدگمانی کریں گے اور اُن کا خیال تمہاری نسبت اچھا نہیں رہے گا۔

دین کے احکام پر عمل کرنے میں تم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو۔ کہ جو ہدایتیں واضح اور روشن ہیں، اُن کو اختیار کرو اور جن باتوں میں شبہ ہو اُن کو بالکل ترک کردو اس سے فائدہ یہ ہے کہ تمہارا ایمان قائم رہے گا اور تمہاری دین داری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اُس کو ضرور پورا کرو۔ اور کسی آدمی سے نیکی اور بھلائی کا وعدہ کرو، تو اس کا پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ نرمی کی باتوں کا ہمیشہ نرم جواب دو۔ اپنی رعیت کے عیبوں سے چشم پوشی کرو۔ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے سے زبان کو بند رکھو۔ جو لوگ جھوٹ بولنے اور فریب کی باتیں کرنے کی عادت رکھتے ہوں اُن سے تم ہمیشہ دشمنی رکھو چغل خوروں کو بدگوئی اور غیبت کی سزا دو، کیونکہ ایسے آدمیوں کو صحبت میں رکھنے اور اُن کو جھوٹ بولنے پر جرأت دلانے سے تمہارے موجودہ اور آئندہ کاموں میں ضرور خلل آئے گا۔ جھوٹ بولنا تمام گناہوں کی ابتدا ہے اور تہمت لگانا اور غیبت کرنا اُن کی انتہا ہے۔ چغل خور آدمی کا کوئی دوست نہیں ہوتا اور جس شخص میں یہ بیہودہ اور خراب عادت ہوتی ہے اُس کا کوئی کام پورا نہیں ہوتا۔ نیک چلن اور راست باز آدمیوں سے تم کو ضرور محبت کرنی چاہیے۔ شریفوں کی اعانت کرو، مگر اُسی حالت میں جب کہ وہ حق پر ہوں کمزوروں کی غم خواری کرو۔ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ غرضکہ ہر ایک گروہ کے اور ہر قسم (باقی در صفحہ آئندہ)

(۱۱) شریعت

بادشاہ پر واجب ہے کہ فرض و سنّت اور احکام شریعت کے قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ اور علمائے ملّت کی عزّت و حرمت کرتا رہے۔ اور بیت المال سے اُن کو وظائف دیئے جائیں اور یہی طریقہ پرہیزگاروں سے برتے۔ اور یہ معمول کرے کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ علمائے دین

بقیہ صفحہ "۲۱۱" کے آدمیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرو۔ مگر ہر وقت اور ہر حالت میں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خدا کی خوشنودی اور اُس کے احکام کی فرماں برداری کرنا مقصود ہے اور تم اپنے حسنِ سلوک کی جزا اہلِ دنیا سے نہیں، بلکہ آخرت میں خدا سے پاؤ گے۔

ناجائز ارادے اور ظلم و ستم کے ولولے اپنے دل میں پیدا نہ ہونے دو اور اپنے تئیں ہمیشہ اُن سے دُور رکھو اور رعیت پر ظاہر کر دو کہ تم ظلم و ستم نہیں کرو گے اور اپنے کسی ناجائز ارادہ کو پورا کرنا نہیں چاہو گے۔ سیاست کے ساتھ ہمیشہ انصاف کو مدِنظر رکھو، اور رعیت کے معاملات کا جو فیصلہ کرو، وہ ہمیشہ حق پر ہو اور اُن کی نسبت پہلے سے ایسی معلومات حاصل کرلو، جو راہِ راست سے تم کو منحرف نہ ہونے دے۔ غصہ کے وقت ہمیشہ اپنے نفس کو قابو میں رکھو اور تحمل اور بردباری کو ہر کام میں ترجیح دو۔ خود بینی اور غرور سے اپنے تئیں محفوظ رکھو، اور کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں جو حکومت کرتا ہوں، جو چاہوں کرسکتا ہوں، کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس سے ارادے کا فاسد ہونا اور خدا کی عظمت و جلال پر یقین نہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خدا کی نسبت تم ہر وقت اپنی نیت کو خالص رکھو اور اُس کی عظمت و جبروت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور یہ خوب جان لو کہ اس دنیا کی حکومت خدا کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے، سلطنت اور حکومت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جو لوگ دنیا میں حکمرانی کرتے ہیں اور آسودگی اور دولت مندی میں ڈوبے ہوئے ہیں، جب وہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں، اور اُس کے ساتھ نافرمانی اور سرکشی سے پیش آتے ہیں، تو بہت جلد اُن کی حشمت اور ثروت پر زوال آتا ہے اور بدبختی کا عذاب اُن پر نازل ہوتا ہے۔

حرص و طمع کو اپنے پاس نہ آنے دو اور جو خزانے اور ذخیرے تم جمع کرتے ہو، وہ اس لئے ہونے چاہئیں کہ تم اُن کو حق داروں میں تقسیم کرو اور رعیت کی بہبودی اور آسائش میں اُن کو صرف کرو نیکیوں اور بھلائیوں میں انصاف اور معدلت میں، رعیت کی اصلاح اور ملک کی آبادی میں، لوگوں کی جانیں محفوظ رکھنے اور مظلوموں (باقی در صفحہ آئندہ)

سے ملا کرے۔ اور اُن سے قرآن وحدیث سیکھے۔ اور شاہان عادل کے قصص وحکایات سُنے۔

بقیہ ۲۱۲۔ کی فریاد سننے میں جہاں تک تم سے ہو سکے، کوشش کرو اور کبھی ان امور سے غافل نہ ہو جب دولت کے انبار لگ جاتے ہیں اور خزانوں میں روپیہ کثرت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے تو اُس میں کبھی ترقی اور بیشی نہیں ہوتی جب تک کہ اُس کو رعیت کی بہبودی اور حق رسانی میں صرف نہ کیا جائے۔ اگر تم میری اس ہدایت کا خیال رکھو گے تو رعایا کی حالت درست ہوگی، ملک کو رونق اور سرسبزی حاصل ہوگی اور تمھاری حکومت مضبوط اور تمھاری مملکت محفوظ ہو جائے گی۔ تم کو ہمیشہ اپنے خزانوں کو اسلام اور اہل اسلام کی حمایت اور حفاظت میں صرف کرنا چاہیے۔ جو لوگ امیرالمومنین کے خیرخواہ اور وفادار ہیں، اُن کا اور رعایا کا حق تم کو اپنے خزانوں سے نکالنا چاہیے اور ہمیشہ ایسی تدبیر کرنی چاہیے جس سے رعیت کو آسائش اور بہبودی حاصل ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے، تو خدا کی نعمت جو تم کو دی گئی ہے، پائدار اور برقرار رہے گی، بلکہ روز بروز اُس میں اضافہ ہوگا اور خراج کے وصول کرنے اور رعیت سے مطالبہ کا روپیہ حاصل کرنے پر تم پہلے سے زیادہ قادر ہو گے اور تمھارے احسان اور انصاف کے سبب سے تمام آدمی تمھاری اطاعت اور فرماں داری پر پہلے سے زیادہ کمربستہ ہوں گے اور جو انتظام تم جاری کرنا چاہو گے اُس کو وہ نہایت آسانی سے قبول کریں گے میں نے یہ نصیحت اس لیے کی ہے کہ تم اُس پر اپنی پوری توجہ مبذول کرو اور اپنی فضیلت اور خوبی سب اسی نصیحت پر عمل کرنے میں تصور کرو۔ تم کو سمجھنا چاہیے کہ جو مال خدا کی راہ میں صرف کیا جاتا ہے وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتا، بلکہ باقی اور پائدار رہتا ہے۔

تم کو لازم ہے کہ جو لوگ تمھارے احسان کا شکریہ ادا کریں اور تمھارے ساتھ اطاعت اور خلوص کا اظہار کریں۔ اُن کے ساتھ تم بھی حسنِ سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ اور ایسا نہ ہو کہ دنیا تمھیں دھوکا دے اور ناز ونعمت میں پڑ کر اپنی عزت کو بھول جاؤ اور اُن حقوق کے پورا کرنے میں سُستی کرو، جو تمھاری گردن پر ہیں۔ یاد رکھو کہ سُستی کرنے کا نتیجہ افراط و تفریط ہے اور افراط و تفریط کا نتیجہ ہلاکت ہے تمھارا ہر کام صرف اس غرض سے ہونا چاہیے کہ تم اُس کے ذریعے سے خدا کو راضی کرو اور اُسی سے ثواب کی توقع رکھو، یہ میں بار بار اس لئے کہتا ہوں کہ خدا ہی نے تم پر اپنی نعمتیں نازل کی ہیں اور وہی تم پر کامل مہربانی کر سکتا ہے۔ وہ اُن لوگوں کو جو اُس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ زیادہ نعمت عطا کرتا ہے اور نیکی کرنے والوں کو اُن کی نیکی اور بھلائی کی عمدہ جزا دیتا ہے۔

کسی گناہ کو تم ادنیٰ اور حقیر نہ جانو کسی حاسد کے ساتھ نرمی اور دلجوئی سے پیش نہ آؤ۔ کسی بدکار پر رحم نہ کرو، کسی ناشکرے کے ساتھ فیاضی سے پیش نہ آؤ۔ کسی دشمن کے ساتھ چکنی چپڑی باتیں نہ کرو، کسی بدگو (باقی در صفحہ آئندہ)

جب یہ صحبت ہو اُس وقت دنیاوی مشاغل سے اطمینان ہونا چاہیئے۔ اور ایسے جلسہ میں علما کو حکم دے

بقیہ صفحہ ۲۱۳ ۔ اور چغل خور کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤ۔ کسی بے وفا اور نمک حرام پر احسان نہ کرو۔ کسی گنہگار آدمی کے دوست نہ بنو۔ کسی ریاکار کی تعریف نہ کرو۔ کسی فقیر کو محروم اور نا اُمید نہ جانے دے۔ کسی انسان کو حقارت اور ذلت کی نظر سے نہ دیکھو۔ بیہودہ باتوں سے ہمیشہ نفرت کرو۔ کسی کے ساتھ ہنسی اور دل لگی سے پیش نہ آؤ۔ جو وعدہ کرو، اُس کو پورا کر کے رہو اور فضول باتوں اور احمقانہ باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ کبھی غصہ کا اظہار نہ کرو۔ کبھی تعریف کی خواہش نہ کرو۔ جب چلو تو اکڑ کر نہ چلو۔ آخرت کی باتوں میں اس قدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ دنیا میں کوئی کام نہ کر سکو۔ کسی ظالم سے ڈر کر اُس کے افعال سے چشم پوشی نہ کرو۔ جو انعام تم کو آخرت میں ملے گا، اُس کی دنیا میں خواہش کرنا حماقت ہے۔ جو لوگ فقہ میں کامل مہارت رکھتے ہوں، اُن سے ہمیشہ مشورہ لیتے رہو اور اُن کے مشورہ کو تحمل سے سنو۔ جو لوگ تجربہ کار اور دانشمند ہیں، اُن کی رائے پر عمل کرو۔

بُخل سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس سے رعیت کی اصلاح و انتظام کے کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تم یہ بھی یاد رکھو کہ اگر تم حریص ہو گے تو رعیت سے زیادہ وصول کرو گے اور ان کو بہت کم دو گے اس صورت میں تمھارے بہت ہی کم کام پورے ہوں گے، کیونکہ رعیت تمھارے ساتھ اسی حالت میں محبت کر سکتی ہے۔ جب کہ تم اُن کی دولت کی پروا نہ کرو اور اُن کے ساتھ ظلم و ستم سے پیش نہ آؤ۔ سب سے پہلے تم اُن لوگوں کے ساتھ احسان کرو، جو تمھارے دوست اور وفادار ہوں اور تمھاری حکومت کے خیر خواہ ہوں۔ اُن کے ساتھ خوب فیاضی سے پیش آؤ اور اس موقعہ پر ہرگز بخل نہ کرو۔ یاد رکھو کہ یہی سب سے پہلی نافرمانی ہے، جو انسان سے ظہور میں آئی ہے اور جو لوگ نافرمان ہیں، وہ یقیناً ذلیل و خوار ہوں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں بخل سے بچاتے ہیں، وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ تم اس آیت کو ہر وقت مدنظر رکھو اور مسلمانوں کا حصہ اپنے خزانے میں سے ہمیشہ نکالتے رہو اور اس بات پر یقین کر لو کہ فیاضی خدا کے بندوں کے سب سے عمدہ اور پاکیزہ افعال میں سے ہے۔ تم بھی اس کو اپنی عادت اور خصلت بنا لو، مگر تمھاری کوئی فیاضی بے محل اور بے موقع نہیں ہونی چاہیئے۔

فوج کے متعلق جو اُمور دفتروں اور رجسٹروں میں درج ہوں، اُن پر ہمیشہ تم اپنا خیال رکھو۔ اُن کی تنخواہیں وقت پر ادا کرو۔ اُن کی خدمات کے لحاظ سے ہمیشہ اُن کی تنخواہوں میں اضافہ کرتے رہو، تاکہ وہ فاقہ زدہ اور تنگ حال نہ ہوں۔ اس سے اُن کی قوت اور ہیبت میں ترقی ہو گی اور وہ نہایت خلوص اور وفاداری (باقی در صفحہ آئندہ)

کہ وہ مناظرہ شروع کریں، اور جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو وہ دریافت کرے، اس اصول کی پابندی

بقیہ صفحہ ۲۱۴ کے ساتھ تمھارے حکموں پر گردن جھکائیں گے۔ حکمرانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کامیابی اور خوش قسمتی کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنی فوج اور رعایا کے ساتھ رحم و انصاف اور نیکی و فیاضی سے پیش آئیں۔ اگر تم اس نصیحت پر عمل کروگے اور اس ہدایت کو اپنا شعار بنالوگے، تو تم کامیابی اور بہبودی سے محروم نہیں رہوگے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا خدا کو اس قدر پسند ہے کہ اُس کے مقابلہ میں نہ کوئی چیز وقعت رکھتی ہے، نہ کوئی چیز اس قدر مقبول ہے۔ انصاف وہ میزان ہے، جس میں خدا کے بندوں کے اعمال تولے جاتے ہیں۔ انصاف پر فیصلہ کرنے اور انصاف کے موافق کام کرنے سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے ملک میں امن و امان کی روشنی پھیلتی ہے۔ مظلوم اپنی بےکسی اور مظلومیت کی داد پاتے ہیں۔ لوگوں کے حقوق ضائع نہیں ہوتے۔ اُن کی زندگی آسائش اور بہبودی سے بدل جاتی ہے۔ وہ حکمرانوں کے فرماں بردار رہتے ہیں۔ اُن کی عزتیں اور جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں اور مذہب کے احکام پر ہر شخص کی گردن جھکنے لگتی ہے۔

میرے عزیز بیٹے! تم بھی خدا کے احکام پر گردن جھکاؤ اور اُن کو جاری کرنے میں سختی سے کام لو۔ ظلم و ستم سے اپنے تئیں محفوظ رکھو۔ شریعت کی حدیں قائم کرو، مگر کسی کام میں جلدی نہ کرو اور گھبراہٹ اور بےقراری کی علامتیں اپنے چہرہ پر ظاہر نہ ہونے دو، جو تجربے تم کو حاصل ہو چکے ہیں اُن سے فائدہ اٹھانے میں ذرا غفلت نہ کرو۔ خاموشی میں چوکنے اور ہوشیار رہو اور بولنے میں ہمیشہ سچائی اور سنجیدگی سے کام لو۔ دشمنوں سے بھی انصاف کے ساتھ پیش آؤ۔ جب کسی معاملے میں تم کو شبہ ہو، تو اُس میں تامل کرو اور صریح حجتوں اور روشن اور واضح دلیلوں کی تلاش میں رہو نہ اپنی رعیت میں سے کسی شخص کی جنبہ داری اور بےجا حمایت کرو، نہ کسی شخص کی طعن اور ملامت کی پروا کرو۔ تم کو ہمیشہ ہر کام استقلال سے کرنا چاہیئے اور فیصلہ کرنے سے پہلے خوب سوچنا اور سمجھنا اور اُس کے ہر پہلو کو ٹٹولنا چاہیئے۔ تمھارے دل میں اس کے سوا کوئی خواہش نہیں ہونی چاہیئے کہ جو معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے، اُس میں حق کو معلوم کرکے اُس کے موافق فیصلہ کرو اور جو بات ناحق ہے، اُس کو رد کرو۔ تم پر لازم ہے کہ تم اپنی تمام رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور جس طرح تم اُن پر حکومت کرتے ہو۔ اسی طرح ہمیشہ یہ خیال کرو کہ حق تم پر حکومت کرتا ہے۔ کسی شخص کی جان لینے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ ناحق کسی کی جان لینا خدا کے نزدیک ایسا بڑا گناہ ہے۔ جس کی برابر کوئی گناہ نہیں ہوسکتا۔

جو خراج زمینوں سے وصول کیا جاتا ہے اور ملکی انتظامات میں صرف کیا جاتا ہے، اُس پر اپنی (باقی در صفحہ آئندہ)

چند روز میں خود بخود ہو جائے گی۔ اور بہت زمانہ نہ گذرنے پائے گا کہ اکثر احکام شریعت اور تفسیر القرآن و

بقیہ صفحہ ۲۱۵ = پوری توجہ مبذول کرو۔ یہی وہ چیز ہے جس سے رعیت کی حالت درست ہوتی ہے۔ اسلام کو ترقی ہوتی ہے اہلِ اسلام قوت اور عظمت حاصل کرتے ہیں۔ اُن کے مخالفوں کا حسد شعلہ زن ہوتا ہے۔ اور جو کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں اُن کی ذلت ہوتی ہے۔ جن لوگوں سے خراج وصول کیا جاتا ہے وہ اُن پر اس طرح لگانا چاہیے کہ انصاف کے خلاف نہ ہو۔ خراج عام طور پر سب سے وصول کرنا چاہیے اور کسی کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔ نہ کسی شریف کو اس سبب سے کہ وہ شریف ہے، نہ کسی دولت مند کو اس سبب سے کہ وہ دولت و ثروت رکھتا ہے، نہ کسی کاتب کو اس سبب سے کہ وہ تمھاری پیشی میں رہتا ہے، نہ کسی اپنے مصاحب یا ملازم کو اس سبب سے کہ وہ تمھارا مصاحب یا ملازم ہے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیے کہ خراج کی جو مقدار کسی شخص سے وصول کرو وہ ایسی ہونی چاہیے جو اُس کی طاقت اور استطاعت کے موافق ہو، اور اُس کے وصول کرنے میں جبر و زیادتی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اس برتاؤ سے ہر شخص رضامند ہوگا اور سب یہ سمجھیں گے کہ اگر خراج کے وصول کرنے میں کسی پر سختی ہوتی ہے، تو وہ درحقیقت کسی ایک پر نہیں ہے بلکہ سب پر ہے۔

خوب یاد رکھو کہ جن لوگوں پر تم حکومت کرتے ہو اُن کے تم محافظ اور خزانچی مقرر کئے گئے ہو۔ جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ رعیت اس لئے کہلاتے ہیں کہ تم اُن کے راعی اور نگہبان ہو وہ اپنی آمدنی میں سے جو کچھ تم کو دیتے ہیں اُس سے یہ غرض ہے کہ تم اُس کو اُن کی اصلاح حالت اور اُن کی بہبودی میں صرف کرو۔ جن لوگوں کو تم اُن پر حکومت کرنے کے لئے مقرر کرو، وہ ایسے ہونے چاہئیں، جن کی رائے صائب ہو، جو تجربہ کار ہوں، جو اپنے فرائض منصبی سے کامل طور پر واقف ہوں۔ جو سیاست اور حکومت کی قابلیت رکھتے ہوں، اور جو دیانت دار اور نیک دل ہوں۔ اُن کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو اور یہ ایک ضروری بات ہے، جس سے تم کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر تم میری اس نصیحت پر عمل کرو گے اور اپنے فرائض کو جو تمھارے ذمہ ہیں، نہایت مستعدی اور سرگرمی سے انجام دو گے تو خدا اپنی برکتیں تم پر نازل کرے گا۔ اُس کی نعمتیں تمھارے لئے روزافزوں ہوں گی۔ تمھاری شہرت اور ناموری تمام دنیا میں پھیل جائے گی۔ تمھاری رعیت تم سے محبت اور اُلفت کے ساتھ پیش آئے گی۔ اُن کی عام بہبودی اور آسائش کو ترقی ہوگی۔ نیکیاں اور بھلائیاں تمھارے ملک میں پھیل جائیں گی۔ آبادی اور سرسبزی عام طور پر تمام ملک میں نظر (باقی در صفحہ آئندہ)

احادیث نبوی سے واقفیت پیدا ہو جائے گی ۔ اور پھر اگر کوئی چاہے کہ عقائد مذہبی سے اس کو برگشتہ

بقیہ صفحہ ۲۱۶ = آئے گی ۔ تمھاری حکومت کی آمدنی میں ہر روز اضافہ ہوتا رہے گا ۔ تمھارے خزانے بھرپور ہوں گے تمھاری فوج طاقتور ہوگی ۔ عام لوگوں کو اپنی فیاضی کے ذریعہ سے تم مسخر کرسکو گے ۔ تمھارے انصاف اور تمھاری سیاست کا چرچا دشمنوں میں بھی پھیل جائے گا اور وہ تم کو رشک و حسد کی نظر سے دیکھیں گے ۔ ہر ایک ملکی انتظام کے سرانجام دینے کے لئے تمھارے پاس کافی سامان اور کافی قوت مہیا ہوگی ۔ پس تم کو لازم ہے کہ میری اس ہدایت کو پیش نظر رکھو اور اس طریقہ پر کسی اور طریقہ کو ترجیح نہ دو، کیونکہ اگر خدا نے چاہا تو اس کے سبب سے تمھاری تعریف ہر شخص کی زبان پر جاری ہوگی ۔ اپنے ملک کے ہر ضلع میں تم ایک ایسے مستعد شخص کو مقرر کرو، جو وہاں کے حاکم کی طرز حکومت اور طریقہ انتظام اور اس کے چال چلن اور دیگر ضروری حالات سے تم کو ہمیشہ مطلع کرتا رہے ۔ اس سے فائدہ یہ ہے کہ ہر حاکم اور عامل، جو بطور نائب کے تمھاری طرف سے کسی ضلع پر حکومت کرتا ہوگا، وہ ہمیشہ یہ خیال کرے گا کہ تم ہر وقت اس کے سر پر ہو اور اس کی کوئی بات ایسی نہیں ہے، جس سے تم خبردار نہ ہوتے ہو، اپنے نائبوں اور ملازموں کو جب تم کوئی حکم دو، تو ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس کا کیا انجام تم کو اچھا دکھائی دے، تو اس کو فوراً جاری کردو، ورنہ تامل کرو، اور ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اہل بصیرت اور صاحب علم ہوں ۔ غرض کہ ہر حکم سوچ سمجھ کر دینا چاہیئے ۔ کیونکہ اکثر ہوتا ہے کہ جب انسان کسی کام کو شروع کرتا ہے تو اس کا اپنی عقل کے موافق اندازہ کرتا ہے اور وہ اندازہ غلط ہوتا ہے ۔ پھر اس کو اپنی مرضی کے موافق سرانجام دیتا ہے اور وہ سرانجام دینا اس کام کو تباہ کرنا ہوتا ہے ۔ انجام پر نظر نہ ڈالنے کا ہمیشہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کام بگڑ جاتا ہے اور اس کی درستی اور اصلاح کا وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے پس تم کو لازم ہے کہ جس کام کو کرو، احتیاط اور ہوشیاری سے کرو اور ہر کام کو بذات خود انجام دو ۔ ہر کام کے شروع کرنے سے پہلے تمھارا یہ فرض بھی ہونا چاہیئے کہ تم اس کے انجام پانے کی خدا سے دعا مانگو اور اس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو ۔ آج کا کام تم کو آج ہی انجام دینا چاہیئے اور اس کو کل پر چھوڑنا نہیں چاہیئے، کیونکہ کل جو کام تم کو کرنا ہے وہ آج کے کام سے تم کو باز رکھے گا اور اتنی مہلت نہیں دے گا کہ تم اس کے ساتھ اس کو بھی انجام کرسکو گے ۔ خوب یاد رکھو کہ جو دن گذر گیا وہ اپنا کام بھی ساتھ لے گیا ۔ اگر ایک دن کام میں ذرا بھی تاخیر ہوتی ہے، تو دوسرے دن دو کام کرنے پڑتے ہیں اور ان دونوں کا انجام دینا مشکل ہو جاتا ہے اگر تم ہر دن کا کام اسی دن کرتے رہو گے، تو اپنے نفس اور بدن کو آرام دو گے اور تمھارا کوئی (باقی در صفحہ آئندہ)

کروے تو نہ کر سکے گا - اور رعایا کو بھی حصول علم دین کی رغبت پیدا ہو جائے گی ۔حدیث میں آیا ہے

بقیہ صفحہ ۲۱۷ : کام ادھورا نہیں رہے گا ۔

جو لوگ شریف۔ سن رسیدہ اور تجربہ کار ہوں، جن کی نیک نیتی، خیر خواہی اور محبت کا ثبوت بار بار مل چکا ہو اُن کو اپنا خالص دوست اور خیر خواہ سمجھو اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک اور فیاضی سے پیش آؤ۔ جو شریف آدمی تباہ حال اور مفلس ہو گئے ہوں، اُن کی اصلاح حالت کی کوشش کرو۔ اور اُن کی پرورش اور خبر گیری کرتے رہو۔ محتاجوں اور مسکینوں اور اُن لوگوں کا بھی ہمیشہ لحاظ رکھو، جو اپنے معاملے کو تمھارے سامنے پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور جن کو اپنے حقوق سے آگاہی نہیں ہے ۔ اُن سے نرمی اور دل جوئی کے ساتھ اُن کا حال پوچھو اور اُن کے معاملے کی تحقیق کرو اور اُن کی خبر گیری کے لئے ایسے شخصوں کو مقرر کرو جو نیک نیت اور نیک دل ہوں اور اُن کو حکم دو کہ وہ کامل تحقیق کے بعد اُن کے معاملات کا انصاف اور رحم دلی سے فیصلہ کریں اور اُن کی ضرورتوں کو پورا کریں، یا مناسب حکم کے لئے اُن کے معاملے کی رپورٹ تمھارے پاس بھیجیں ۔ جن لوگوں پر کوئی سختی اور مصیبت نازل ہو، اُن کے اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کے لئے اپنے خزانے سے روزینہ مقرر کرو۔ اس باب میں تم کو امیر المومنین کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیئے ۔ تم اُن کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور اُن کو مدد دو اور اُن کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرو، تاکہ اُن کی زندگی تلخی اور تکلیف میں بسر نہ ہو اور تمھاری زندگی اور مال میں خدا برکت دے اور تمھیں قیامت کے دن اُس کا ثواب ملے ۔

جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہیں اور اُس پر عمل کرتے ہیں اُن کو بہ نسبت دوسروں کے بیت المال سے حصہ دینے میں ترجیح دو اور اُن کی خبر گیری اور دل جوئی کو مقدم جانو۔ بیماروں کے لئے شفا خانے تعمیر کراؤ، جن میں وہ آرام سے رہ سکیں اور اُن کی خدمت اور خبر گیری کے لئے شفا خانوں میں ملازم مقرر کرو، تاکہ جس چیز کی اُن کو ضرورت ہو، وہ فوراً اُس کو مہیا کریں ۔ اُن کے علاج کے لئے ایسے طبیب ملازم رکھو، جو تجربہ کار ہوں اور جو اپنے فن میں کامل مہارت رکھتے ہوں ۔ ان تمام اُمور میں تم کو خرچ کرنے کی اجازت ہے ۔ جب تک کہ فضول خرچی اور اسراف کا الزام تم پر نہ لگایا جائے ۔

یاد رکھو کہ لوگوں کے حقوق جب بالواسطہ ادا کئے جاتے ہیں تو وہ اس بات پر قانع نہیں ہوتے، بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ بذات خود حاکموں کے روبرو پیش ہو کر اپنے معاملہ کو پیش کریں ۔ کیونکہ اس طرح اُن کو یہ اُمید (باقی در صفحہ آئندہ)

کہ بادشاہ کے واسطے سب سے اچھی چیز اُس کا پاکیزہ مذہب ہے۔ کیونکہ مملکت اور مذہب مثل

بقیہ صفحہ ۲۱۸ = ہوتی ہے کہ اُن کی اچھی طرح حق رسی ہوگی اور اُن کے معاملے پر کماحقہ توجہ کی جائے گی۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ حکومت کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں، جب اُن کے سامنے بہت سے معاملات پیش ہوتے ہیں۔ اور بہت سے مقدمات کا انبار ہو جاتا ہے، تو وہ اُن کی کثرت کو دیکھکر گھبرا جاتے ہیں اور پوری توجہ سے ہر معاملے کو طے نہیں کرتے۔ اور محنت اور مشقت کرنے سے جی چراتے ہیں، مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص خدا کے بندوں سے بے پروائی کے ساتھ پیش آتا ہے اور اُن کے معاملات پر پوری توجہ نہیں کرتا، وہ اُس شخص کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا جو انصاف کے درپے ہے اور جو نیک نامی اور ثواب کا خواہاں ہے۔ پس تم کو لازم ہے کہ تم لوگوں کو بے تکلف اپنے پاس آنے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دو اور بالمشافہ اُن سے گفتگو کرو اور اُن کے معاملات اور مقدمات پر توجہ کرنے کے لئے اپنے حواس کو جمع رکھو۔ اور اُن کی ہر بات کو اطمینان سے سُنو اور اُن کے ساتھ نرمی اور مہربانی اور خندہ جبینی سے پیش آؤ جو سوال تم اُن سے کرو، وہ نرمی اور آہستگی سے کرو۔ اگر وہ حاجت مند ہوں تو اُن کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرو اور جب کسی کو کچھ دو، تو ہمیشہ ہنس مکھ ہو کر دو۔ اور اُس پر خوشی کا اظہار کرو اور اُن سے نہ کسی معاوضہ کی توقع رکھو۔ نہ اُن پر کوئی احسان جتاؤ۔ اگر تم ایسا کروگے، تو یہ ایک ایسی تجارت ہوگی، جس کا فائدہ تم آخرت میں پاؤ گے۔

جو حکمراں تم سے پہلے گذر چکے ہیں اور جو قومیں زمانہ سلف میں برباد ہو چکی ہیں، اُن کے حالات کو مطالعہ کرو اور اُن سے عبرت حاصل کرو۔ پھر اپنے ہر کام کو خدا کی مرضی اور خوشنودی کے دائرے میں محدود کر دو۔ اُس کے احکام پر گردن جھکاؤ۔ اُس کی شریعت پر عمل کرو۔ اُس کے دین کو قائم کرنے میں سرگرم رہو۔ جو بات سنت الٰہی کے برخلاف ہو اور جس سے خدا کی نارضامندی اور ناخوشی کا اندیشہ ہو، اُس کو یک لخت ترک کر دو۔ تمھارے نائب جو مال جمع کرتے ہیں، اُس پر ہمیشہ نظر رکھو۔ ناجائز طریقے سے جمع نہ کرو اور بے جا طور پر خرچ نہ کرو۔ علما کو اپنی مجلسوں میں شریک کرو اور اُن سے مشورہ کرتے رہو۔ اپنی خواہشوں کو شریعت کے تابع کر دو اور نیکیوں کے پھیلانے میں مستعدی کے ساتھ کوشش کرتے رہو۔ تمھارے سب سے زیادہ مقرب اور عزیز دوست وہ لوگ ہوں، جو تمھارے عیبوں کو دیکھکر اُن کے ظاہر کرنے میں کبھی باک نہ کریں، اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ حق بات کہیں اور اس کی پروا نہ کریں کہ نکتہ چینی کرنے سے تم اُن سے ناراض ہو جاؤ گے۔ اگر ایسے آدمی تم کو دستیاب ہوں۔ تو یہ سمجھ لینا کہ وہ تمھارے نہایت خیرخواہ دوست ہیں اور اُن کی قدر کرنا (باقی در صفحہ آئندہ)

(باقی در صفحہ آئندہ)

دو بھائیوں کے ہیں۔ جب مملکت میں انقلاب ہوگا تو مذہب میں بھی رخنہ پڑے گا۔ اور جب مذہب میں فتور ہوگا تو سلطنت پر بھی اُس کا اثر پڑے گا۔ حضرت سفیان[1] ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب

بقیہ صفحہ ۲۱۹ = تمھارا فرض ہے۔

جو عامل اور محاسب اور کاتب تمھارے پاس روزانہ آتے ہوں، اُن کے لئے دن کا ایک خاص وقت مقرر کرو۔ تاکہ وہ اپنی ضرورتوں کو تمھارے سامنے پیش کر سکیں اور رعیت اور اضلاع کے حالات سے تم کو مطلع کر سکیں، جب کوئی معاملہ تمھارے سامنے پیش کیا جائے، تو اپنی پوری قوت اُس کے سمجھنے اور اُس کی نسبت حکم دینے میں صرف کرو اور پوری توجہ اس بات پر مبذول کرو کہ اُس کا فیصلہ کیا ہونا چاہیے۔ بار بار اُس پر غور و فکر کی نظر ڈالو اور انصاف اور ہوشیاری سے اُس کو طے کرو جس معاملہ میں کوئی شبہ ہو، اُس کو سوچنے اور تحقیق کرنے کے لئے دوسرے وقت پر اُٹھا رکھو۔

اپنی رعیت میں سے کسی آدمی پر احسان نہ جتاؤ اور اپنے احسان کا جو صلہ تم رعیت سے چاہو وہ یہی ہونا چاہیے کہ وہ امیرالمومنین کی حکومت کے خیر خواہ اور وفادار ہوں۔ تمھاری تمام فیاضیاں جو رعیت کے ساتھ ہوں وہ صرف اسی بات پر محدود ہونی چاہئیں۔

میں آخر میں یہ بات لکھنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ تم میرے اس خط کو بار بار پڑھو اور خوب سمجھ کر پڑھو اور جو نصیحتیں اور ہدایتیں میں نے اس میں درج کی ہیں اُن پر عمل کرو اور ہر کام میں جس کو تم انجام دینا چاہو، خدا سے مدد مانگو اور اُس سے نیکی اور بھلائی کی درخواست کرو، کیونکہ خدا کی رحمتیں اور برکتیں انھیں لوگوں پر نازل ہوتی ہیں جو نیک عمل کرتے ہیں۔ غرضکہ تمھاری زندگی کا ہر کام ایسا ہونا چاہیے جس سے خدا کی رضامندی اور خوشنودی حاصل ہو۔ غیر مذہب اور غیر قوم کے جو لوگ تمھاری حکومت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اُن کو بہبودی اور رفاہ و آسائش حاصل ہو۔ ملک میں انصاف اور امن وامان کی روشنی پھیلے۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ان نصیحتوں پر عمل کرنے کی تم کو توفیق دے اور تم اپنی زندگی اور حکومت میں کامیاب ہو۔ والسلام۔

۔ منقول از معارف جلد ۴ نمبر ۱ مترجمہ مولوی محمد عزیز الرحمٰن عزیز (اصل خط کے لئے دیکھو تاریخ کامل ابن اثیر)

[1] حضرت سفیان ثوری اپنے زمانے کے مشہور امام اور مجتہد ہیں، اور اُن مشاہیر میں ہیں کہ جنھوں نے ابتدائے علم حدیث کی تدوین کی منصور عباسی کے عہد میں بمقام بصرہ سنہ ۱۶۰ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ انتقال یہ ہے۔

آنکہ سفیان ثوریش نام است　　مرشد خاص و رہبر عام است

(باقی در صفحہ آئندہ)

سے اچھا بادشاہ وہ ہے جو اہلِ علم سے محبت رکھتا ہو اور سب سے بُرا وہ عالم ہے کہ جو بادشاہ سے ملتا جلتا ہو۔

لقمانؑ حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں انسان کا سب سے اچھا دوست علم ہے۔ اور علم خزانے سے بہتر ہے۔ کیونکہ ہم کو خزانے کی نگہبانی کرنی پڑتی ہے اور علم خود ہمارا محافظ ہوتا ہے۔

حضرت حسنؒ بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ " میں اُس کو عاقل نہیں سمجھتا ہوں جو عربی علم ادب کا ماہر ہو بلکہ عاقل وہ ہے جو مختلف علوم جانتا ہو۔ اگر ایک شخص ترکی، فارسی یا رومی زبان میں تفسیر قرآن کا عالم ہو۔ مگر عربی زبان نہ جانتا ہو تو وہ بھی عالم ہے۔ ہاں اگر اس مقدس زبان سے واقف ہو تو بہت اچھا ہے کیونکہ کلام مجید عربی میں نازل ہوا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی زبان تھی چونکہ بادشاہ ظل اللہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس کو صاحب علم ہونا چاہیئے تاکہ کوئی حکم جہالت پر محمول نہ ہو۔

جو بادشاہ دانشمند ہوئے ہیں دیکھو اُن کا نام آج تک کیسا مشہور ہے! اور حقیقت میں یہی وہ ہیں۔ کہ جن کے کارنامے قیامت تک باقی رہیں گے۔ اس فہرست میں فریدوں، سکندر۔ اردشیر۔ نوشیروانِ عادل امیر المومنین فاروقِ اعظم۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، خلیفہ ہارون الرشید، مامون الرشید، معتصم باللہ۔ امیر اسمٰعیل بن احمد سامانی۔ اور سلطان محمود غزنوی کا نام داخل ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۲۰: مرقد عالیش بہ بصرہ داماں سال ترحیل او ہمای جہاں

ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۰۲ و مفتاح التواریخ صفحہ ۲۸

لہ (لقمان) مورخین نے صراحت کی ہے کہ لقمان نبی نہ تھے بلکہ نہایت نامور حکیم تھے۔ حبش کے باشندے تھے۔ اور بنی اسرائیل میں کسی کے غلام تھے۔ لیکن اُن کے مالک نے دولت کثیر دے کر آزاد کر دیا تھا۔ یہ زمانہ حضرت داؤد علیہ السّلام کا تھا۔ لقمان کا ہر قول حکمت اور نصیحت ہے۔ معارف ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۱۹

ٔ؎ حضرت حسن بصری مشہور تابعین میں سے ہیں۔ علاوہ تبحر علمی کے زہد و پارسائی کا بھی تمغہ رکھتے تھے اور اپنے عہد کے ممتاز فصحا میں شمار کئے گئے ہیں۔ یہ زمانہ یزید ابن عبدالملک کی حکومت کا تھا۔ چنانچہ عمر ابن ہبیرہ والی عراق و خراسان کے دربار میں بجواب سوال اطاعت یزید، جو تقریر حسن بصری نے کی ہے وہ اُن کی آزادی اور حق پسندی کی بڑی دلیل ہے ۱۱۰ھ بمقام بصرہ انتقال فرمایا۔ ابن خلکان صفحہ ۱۲۸۔ جلد اول

یہ وہ جلیل القدر شاہنشاہ تھے، جن کے واقعات سے تاریخ کے صفحات مزین ہیں۔ لوگ ان کے حالات پڑھتے ہیں اور دعا سے یاد کرتے ہیں۔ (فصل آٹھویں سیاست نامہ)

(۱۲) نظارت

ناظر (اشراف)، وہ مقرر کیا جائے جس پر پورا بھروسہ ہو۔ تاکہ وہ دربار کے واقعات کو سمجھ بوجھ کر ضرورت کے وقت بیان کیا کرے۔ اطراف و جوانب میں یہ ناظر اپنے ماتحت خود روانہ کرے گا۔ مگر جو لوگ بھیجے جائیں وہ اپنی رائے کے مستحکم اور دیانت دار ہوں تاکہ ان کو ہر قسم کا علم ہوتا رہے۔ اُن کے مصارف بیت المال سے وقت معینہ پر ادا کئے جائیں، ایسا نہ ہو کہ اُن کی تنخواہوں کا بار رعیت پر پڑے اور وہ رشوت لینے لگیں۔ (فصل نہم سیاست نامہ)

(۱۳) محکمۂ وقائع نگاری و پرچہ نویسی

بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ اپنی رعایا اور فوج کے حالات سے کچھ نہ کچھ ضرور واقف ہو، عدم واقفیت کے لئے قرب و بُعد کا عذر معیوب ہے۔

جن بادشاہوں کو اپنی رعایا اور فوج کا حال معلوم نہیں ہے، اُن پر غفلت اور ستمگاری کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جو بدامنیاں اور دست درازیاں اُس کے عہد سلطنت میں ہوتی ہیں اُن کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ ان حالات سے بادشاہ واقف ہے یا بے خبر ہے۔ اگر اُس کو علم ہے اور پھر بدنظمیوں کا تدارک نہیں کرسکتا ہے، تو اوروں کی طرح وہ بھی ایک ظالم ہے۔ اور گویا خود اُس نے علانیہ ظلم کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ بادشاہ واقف نہیں ہے، تو اس سے زیادہ غفلت اور کیا ہوسکتی ہے؟ بہرحال یہ دونوں صورتیں ناپسندیدہ ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ واقعہ نگاری[1] کا دفتر قائم کیا جائے۔

---

[1] واقفیت حالات کے لئے پرچہ نویس اور واقعہ نگاروں کی ابتدا شاہان اسلام میں امیرالمومنین فاروق اعظم کے عہد میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت عمر کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُن سے مخفی نہ رہے اور اُنھوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر صیغہ پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے۔ جس کے سبب (باقی در صفحہ آئندہ)

زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں یہ طریقہ جاری تھا کہ ہرکاروں کے ذریعہ سے ہر قسم کی خبریں جلد جلد بادشاہ تک پہنچا کرتی تھیں۔ چنانچہ پندرہ سو میل کے فاصلہ پر اگر ایک پولا گھاس یا ایک مرغ کوئی زبردستی چھین لیتا۔ تو اُس کی بھی خبر بادشاہ کو ہو جاتی تھی۔ اور محض اطلاع پر یہ واقعہ ختم نہ ہوتا تھا بلکہ ملزم سزایاب ہوتا تھا۔ اور تمام ملک میں بادشاہ کی بیداری کی دھوم مچ جاتی تھی۔

لیکن فی الحقیقت یہ کام بہت نازک ہے۔ واقعہ نگاری کی خدمت ایسے لوگوں کے سپرد ہونا چاہیئے کہ جن کی زبان اور قلم بدگمانی کے دھبوں سے پاک ہوں۔ اور اُن میں خود غرضی نہ ہو، کیونکہ اس گروہ سے ملک کا امن و امان قائم رہتا ہے اور یہ گروہ خاص بادشاہ کی ذات کا نوکر ہے ان کی تنخواہ بھی ٹھیک وقت پر دینا چاہیئے تاکہ دلی اطمینان سے یہ اپنا کام کیے جائیں۔ اور تمام حوادث کی اطلاع کرتے رہیں۔ ایسے بادشاہ کے عہد سلطنت میں کسی کو بغاوت کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کی تادیب سے ڈرتے ہیں۔ بہرحال پرچہ نویسوں کی تقرری بادشاہ کے عدل اور بیدار مغزی اور قوتِ فیصلہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس صیغہ کو ملک کی آبادی میں بڑا دخل ہے۔

بقیہ صفحہ ۲۲۲:- سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ بلکہ گھروں کی چار دیواری کے اندر کسی ملکی معاملہ پر گفتگو ہوتی تھی تو وہ بھی آپ کو معلوم ہو جاتی تھی۔ اسی طرح پر خلفائے عباسیہ کے عہد میں بھی انتظام تھا۔ چنانچہ مامون الرشید کی نسبت مورخوں نے لکھا ہے کہ "سترہ" سو عجوزہ عورتیں مقرر تھیں جو تمام دن شہر میں پھرتی تھیں اور شہر کا کچا چٹھا اس کو پہنچاتی تھیں۔ لیکن مامون کے سوا اور کسی کو اُن کے نام و نشان سے اطلاع نہ تھی۔ ایسا ہی زبردست انتظام دور دراز کے صوبوں اور بڑے بڑے اضلاع کے متعلق تھا اور روزانہ ڈاک براہِ راست مامون الرشید تک پہنچتی تھی۔ چنانچہ یہ سلسلہ تمام پچھلے مسلمان بادشاہوں میں جاری رہا۔ اور عہدِ مغلیہ میں محی الدین اورنگ زیب عالمگیر پر اس انتظام کا خاتمہ ہو گیا۔ چنانچہ دربار میں عالمگیر کی زبان سے ایسے فقرے نکل جاتے تھے جس کا ظہور کچھ دنوں کے بعد ہوتا تھا۔ اور اکثر شاہانِ ہم عصر کے خطوط۔ اور عمال کے عرائض کا مضمون لفافہ کھولنے سے پہلے بتا دیتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگ عالمگیر کو ایک روشن ضمیر ولی اور عارف باللہ سمجھتے تھے۔ تمام ہندوستان کی سرحدوں اور مخدوش مقامات پر اُس کے پرچہ نویس مقرر تھے جن میں اکثر صوفی ہوتے تھے اور بعض مجنون و مجذوب کے لباس میں رہا کرتے تھے۔

مثال | جب سلطان محمود غزنوی نے عراق پر قبضہ کیا تو کوچ و بلوچ کے قزاقوں نے رباط دیر کچین پر ڈاکہ ڈالا۔ چنانچہ ایک بڑھیا کا بھی مال و اسباب لُٹ گیا۔ اُس نے آکر سلطان سے فریاد کی کہ "یا تو میرا مال دلادے یا اُس کا معاوضہ ادا کر" سلطان نے کہا مجھے خبر نہیں ہے کہ دیرکچین[1] کہاں ہے؟ بڑھیا بولی کہ اے سلطان! اس قدر ملک فتح کر جس کے جغرافیہ سے تو واقف ہو سکے۔ اور اُس کا انتظام کر سکے؟ اس عاقلانہ جواب کو سلطان نے تسلیم کیا اور کہا کہ ہاں تو سچ کہتی ہے لیکن یہ بتا کہ یہ ڈاکو کس طرف سے آئے تھے، اور کون تھے؟ بڑھیا نے کہا کہ یہ کوچ بلوچ کے جرگے تھے جو کرمان کے قریب رہتے ہیں۔ یہ سُن کر سلطان نے کہا کہ کرمان تو میری سرحد سے باہر اور میرے ملک سے بہت دور ہے میں اُن کا کوئی انتظام نہیں کر سکتا ہوں۔

بڑھیا نے کہا ہائے افسوس!! اسی برتے پر شہنشاہی کا دعویٰ ہے۔ وہ بادشاہ کیا جو اپنی سلطنت کا انتظام نہ کر سکے۔ اور وہ چرواہا کیسا جو اپنی بکریوں کو بھیڑیے سے نہ بچا سکے؟ پس میرا تنہا اور ضعیف ہونا۔ اور تیرا فوج و لشکر رکھنا دونوں برابر ہیں۔ یہ جواب سُن کر محمود آب دیدہ ہوا اور بڑھیا کو اطمینان دلایا کہ میں ان ڈاکوؤں کا انتظام کرتا ہوں اور تیرا مال واپس دلاتا ہوں۔ بعد ازاں بڑھیا کو بہت کچھ دے دلاکر

لہ کرمان کے پہاڑی جرگوں میں کوچ بلوچ چوری اور غارت گری میں ضرب المثل ہیں۔ چنانچہ فردوسی طوسی اور حکیم قطران کے یہ اشعار سنداً پیش کیے جاتے ہیں۔

فردوسی

هم از پهلوی پارس کوچ و بلوچ | زگیلاں جنگی و دشت سروچ (نام موضع کرمان)
سپاہے بکردار کوچ و بلوچ | سگالندہ جنگ مانند کوچ
زکوہ بلوچ و ز دشت سروچ | برفتند خنجر گذارانِ کوچ

حکیم قطران

هستند اہلِ فارس ہراساں زکارِ من | زانساں کہ اہل کرماں ترساں ز دزد کوچ

[2] دیرکچین۔ اصفہان کے قریب ایک پڑاؤ کا نام ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جس جگہ بہرام گور کے واسطے اس کے اتالیق نعمان بن منذر نے مشہور و معروف محل ته دیر دسدیر، تعمیر کیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عوام نے اس کا نام دیرکچین رکھدیا۔ المعجم فی آثار عجم حالات بہرام گور۔

رخصت کر دیا۔ اور بو علی الیاس امیر کرمان کو حسب ذیل نامہ لکھا۔

مجھے عراق آنے کی خواہش نہ تھی۔ میں تو ہمیشہ سے ہندوستان کے جہاد میں مشغول تھا۔ لیکن جب میرے پاس متواتر عرضیاں پہنچیں کہ دیالمہ نے عراق میں غدر مچا رکھا ہے اور مسلمانوں کے گھر لوٹ رہے ہیں اور اُن پر طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔ علاوہ اس کے مذہبی معاملے میں بے اعتدالیاں کر رہے ہیں۔ اور سال میں دو تین مرتبہ رعایا سے خراج وصول کیا جاتا ہے۔ مجدالدولہ اپنے کو شاہنشاہ کہلانا چاہتا ہے۔ مذہب زنادقہ اور بواطنہ ہر شہر و نواح میں پھیل رہا ہے۔ صانع مطلق کا انکار ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سب کو بالائے طاق رکھدیا ہے۔ اس لئے میں نے ہندوستان کے غزوات کو چھوڑ کر عراق کا قصد کیا ہے۔ میری تلوار نے۔ دیالمہ، زنادقہ، بواطنہ کی بیخ کنی کر دی ہے۔ چنانچہ بہت سے قتل ہو چکے ہیں۔ اکثر بھاگ گئے ہیں، بعض گرفتار ہیں۔ اور خراسان کی حکومت اُن بزرگوں کے سپرد کر دی ہے جو اُن کے دشمن ہیں اور عراقیوں سے دفتر پاک کر دیا گیا ہے۔ اور مجھے خدا نے محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ ملک کو مفسدوں سے پاک و صاف کر کے اچھے لوگوں سے دنیا کو آباد کروں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مفسدان کوچ بلوچ نے رباط دیر کچین پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تم اُن کو گرفتار کرو اور ڈکیتی کا مال برآمد کر کے قزاقوں کو پھانسی دیدو۔ یا اُن سب کو گرفتار کر کے ہمارے حضور میں بمقام رے بھیج دو تاکہ اُن کے حوصلے آئندہ کو پست ہو جائیں اور کرمان سے چل کر میرے ملک میں لوٹ مار نہ کریں۔

اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی تو یاد رکھو کہ کرمان بمقابلہ سومنات بہت قریب ہے۔

ابو علی الیاس سلطان کا نامہ پڑھکر خوف زدہ ہو گیا۔ اور قاصد کو بہت کچھ انعام دیا۔ اور اپنی عرضی کے ہمراہ جواہرات خوش رنگ، ظرائف دریا، اور سونے چاندی کی بدریاں بھی روانہ کیں عرضی کا مضمون یہ تھا۔

"میں تو سلطان کا فرماں بردار غلام ہوں۔ مگر کرمان کی کیفیت اور میری حالت سلطان کو معلوم نہیں ہے۔ میری طرف سے لٹیروں کو کسی قسم کا ایما نہیں ہے۔ اور کرمان کی رعایا سُنی المذہب ہے۔ اور کوچ بلوچ کی پہاڑیاں کرمان سے علیحدہ ہیں اور اُس کا راستہ بھی پہاڑوں اور دریاؤں کے سبب سے بہت دشوار گذار ہے۔

ان ڈاکوؤں سے میں بھی عاجز ہوں۔ کیونکہ عموماً چور اور مفسد ہیں اور اُن کی وجہ سے چھ سو میل راستہ پُر خطر ہے۔ اور دن رات لوٹ مار کیا کرتے ہیں۔ چونکہ بڑا جتھا ہے۔ میں تنہا مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا ہوں۔ اس کی تدبیر سوائے سلطان کے اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔ میں ہر حال میں فرماں بردار ہوں جو حکم ہو اُس کی تعمیل کروں "۔

سلطان نے بو علی کا جواب پڑھ کر سمجھ لیا کہ جو کچھ لکھا ہے وہ سچ ہے۔ اور قاصد کو خلعت دے کر رخصت کیا اور امیر سے کہلا بھیجا۔ کہ تم کرمان کی فوجوں کو اکٹھا کر کے اُن کو جا بجا سرحد پر پھیلا دو۔ اور فلاں مہینے کے خاتمے پر کرمان کی سرحد پر پہنچ جاؤ۔ اور جس طرف کوچ بلوچ ہوں اُسی جانب قیام کرو جس وقت ہمارا قاصد معہ فلاں نشان کے تم سے ملے اُسی وقت کوچ کر دینا۔ اور اُن پہاڑیوں میں گھس کر چھوٹے بڑوں کو قتل کرنا، اور عورتوں اور بوڑھوں سے جس قدر مال مل سکے وہ سب فراہم کر کے بھیج دینا تاکہ اُن کے مالکوں کو دیدیا جائے "۔ غرضکہ جب قاصد چلا گیا تو سلطان نے منادی کرائی کہ "جو سوداگر یزد اور کرمان کو جانا چاہتے ہیں۔ وہ سامان سفر درست کریں۔ اور میں اُن کے ہمراہ بدرقہ روانہ کروں گا اور یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ جس کا مال کوچ بلوچ غارت کریں گے اُس کا تاوان خزانۂ شاہی سے دے دیا جائے گا"۔ منادی کے ہوتے ہی بمقام رے بے انتہا سوداگر جمع ہو گئے اور سلطان نے وقت معین پر قافلہ روانہ کرا دیا۔ اور ایک سردار کو معہ ڈیڑھ سو سواروں کے بطور بدرقہ کے روانہ کر کے سمجھا دیا کہ میں تمھارے پیچھے فوج روانہ کرتا ہوں مطمئن رہنا۔ اور رخصت کے وقت ایک شیشہ زہر قاتل کا اُس امیر کے سپرد کر دیا اور یہ ہدایت کی کہ "جب تمھارا قافلہ اصفہان پہنچ جائے تو وہاں ٹھہر جانا اور تخمیناً دس خروار سیب اصفہانی خرید کر کے اپنے ہمراہ رکھ لینا۔ جب دیکھنا کہ کوچ بلوچ کی سرحد قریب آ گئی ہے اور صرف ایک رات کی منزل باقی ہے اُس وقت کسی تیز آلے سے سیبوں میں سوراخ کر کے زہر پیوست کر دینا۔ اور جن دس اونٹوں پر سیب لدے ہوئے ہوں اُن کو چھوڑ دینا کہ وہ تمام قافلہ میں پھیل جائیں اور خورجیوں میں سیب اس انداز سے رکھنا کہ سب کو نظر آئیں۔ جب ڈکیتوں سے سامنا ہو تو لڑائی کو ٹال دینا کیونکہ اُن کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور جو سپاہی مسلح ہوں وہ قصداً ڈیڑھ میل پیچھے رہیں مجھے یقین ہے کہ بڑا حصہ اُن کا سیب کھاتے ہی ہلاک ہو جائے گا

تھوڑی دیر کے بعد تلوار سے دشمن کا مقابلہ کرنا۔ اور یہ انگوٹھی دیتا ہوں بو علی کے پاس بذریعہ خاص سوار کے بھیج دینا۔ اور جہاں تم ٹھہرنا وہاں بو علی کو بلانا۔ وہ معہ فوج پہنچے گا۔

میر قافلہ نے عرض کیا کہ "میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سلطان کی یہ حکمت عملی کارگر ہوگی اور ملک ان لٹیروں سے پاک ہو جائے گا" اور قافلے کا کوچ کر دیا۔ اصفہان پہنچ کر سیب خریدے گئے۔ پھر قافلہ یہاں سے کرمان چلا گیا۔ قافلے کی آمد سُن کر بلوچی بھی اول سے تیار بیٹھے تھے۔ اور چونکہ قافلہ نہایت عظیم الشان تھا۔ یہ لوگ بھی چار ہزار مسلح جوانوں سے مقابلے کو تیار ہوئے۔ جب چور گھاٹی پندرہ میل رہ گئی اُس وقت لوگوں نے میر قافلہ کو اطلاع دی کہ بلوچی جمع ہو کر آپ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ سوداگر یہ خبر وحشت اثر سُن کر ڈر گئے۔ مگر میر قافلہ نے اُن کو اطمینان دلایا اور کہا "تمھارے نزدیک جان بہتر ہے یا مال۔ سب نے کہا کہ جان کے مقابلے میں مال، کیا مال ہے۔ میر قافلہ نے کہا کہ میں تمھارے مال پر اپنی جان فدا کرنے کو موجود ہوں اور جب کہ سلطان کی جانب سے تم کو مال کا پورا معاوضہ ملے گا تو اب تردد کس بات کا ہے۔ خدانخواستہ سلطان کو تم سے یا مجھ سے عداوت نہیں ہے کہ وہ ہم کو معرض ہلاکت میں ڈالتا۔ تم مطمئن رہو علی الصباح دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے۔ اور انشاء اللہ ہم ہی کامیاب ہوں گے۔ لیکن تم سب میرے کہنے پر عمل کرنا" چنانچہ میر قافلہ نے سب کو اپنی کارروائیوں سے مطلع کر دیا اور شب کے وقت تمام سیب زہر آلود کرا دیئے۔ اور ساربانوں کو ہدایت کر دی کہ جب قزاق قافلے میں گھس پڑیں اور ہم بھاگنے کا قصد کریں۔ اُس وقت تم سیب زمین پر پھینک دینا اور خود بھی بھاگ جانا"

غرضکہ میر قافلہ نے انتظام کر کے آدھی رات کو کوچ کر دیا۔ سورج نکلنے پر لٹیروں نے تین طرف سے حملہ کیا۔ میر قافلہ نے نمائشی طور پر دو تین تیر چلائے اور آخر کو مقابلے سے گریز کیا۔ اور جو فوج ڈیڑھ میل کی مسافت پر پڑی ہوئی تھی اُس سے جا ملا۔ اور سب سپاہیوں کو جمع کر کے مقابلے پر آمادہ کیا۔ ادھر قزاقوں نے میدان صاف دیکھ کر اطمینان سے سیب کھانا اور گٹھریاں کھول کر دیکھنا شروع کیا۔ بلکہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے اُن کو بھی اُنھوں نے سیب تقسیم کئے۔ غرضکہ سبھوں نے سیب کھائے۔ مگر ایک گھنٹہ نہ گذرا تھا کہ سب غش کھا کر گرنے لگے۔ حسب ہدایت سلطان جب میر قافلہ نے اُن کو جا کر دیکھا تو اکثر کو مُردہ پایا۔ اور چونکہ امیر بو علی الیاس کی بھی فوج پہنچ گئی تھی۔ لہٰذا تخمیناً

دس ہزار بلوچی قتل ہوئے اور بے انتہا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ امیر ابو علی نے یہ اسباب سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور سلطان نے منادی کرادی۔ چنانچہ تمام ملک سے لوگ آتے تھے۔ اور اپنا مال پہچان کر خوش خوش لے جاتے تھے۔

اس کے بعد سلطان نے پرچہ نویسوں کو مقرر کر دیا۔ تمام ملک سے ہر قسم کی خبریں پہنچتی تھیں اور سلطان اُس کی تلافی کرتا تھا۔

زمانہ قدیم سے محکمہ خبر رسانی بادشاہوں کے یہاں قائم تھا۔ لیکن سلجوقیوں نے اس طرف توجہ نہیں کی ہے جس کی تصدیق ذیل کے واقعہ سے ہوتی ہے۔

سلطان شہید الپ ارسلان سے ایک دن ابوالفضل سکزی نے پوچھا کہ حضور نے پرچہ نویسوں کو کیوں نہیں مقرر کیا؟

فرمایا تم چاہتے ہو کہ میرا ملک برباد ہو جائے۔ اور میرے خیر خواہ مجھ سے چھوٹ جائیں؟

ابوالفضل نے کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہا سنو۔ جب میں اُن کو مقرر کروں گا تو جو میرے دوست ہیں وہ بہ سبب اتحاد اور سچی محبت کے اُن کی کچھ بھی پروا نہ کریں گے اور جو حقیقت میں دشمن ہیں وہ اس گروہ سے دوستی پیدا کرلیں گے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وقائع نگار ہمیشہ دوستوں کے مخالف اور دشمنوں کے موافق خبریں سنائیں گے۔ اور خبریں خواہ اچھی ہوں، یا بُری، میں دونوں کو مثل تیر کے سمجھتا ہوں، کیونکہ جب متواتر تیر اندازی کی جائے گی تو اخیر میں کوئی نہ کوئی تیر نشانہ پر لگ ہی جائے گا۔ یعنی دوستوں کی طرف سے دل میں کدورت اور دشمنوں کی جانب سے محبت بڑھتی جائے گی۔ اور آخر کو یہ نوبت پہنچے گی کہ جو دوست ہیں وہ دل سے دور ہو جائیں گے اور بجائے اُن کے دشمن قریب پہنچ جائیں گے۔"

(رائے نظام الملک) لیکن میری رائے میں اس گروہ کا رکھنا اُصول سلطنت میں داخل ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ لوگ اعتبار کے ہوں۔" (فصل دہم سیاست نامہ)

---

(۱۴) محکمۂ جاسوسی

بادشاہ کو چاہیے کہ تمام اطراف سلطنت میں سوداگروں، سیاحوں، صوفیوں، دوا فروشوں اور درویشوں کے لباسوں میں جاسوس روانہ کیا کرے۔

اور اُن کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ تمام ملک کی خبریں بادشاہ تک پہنچائیں، اور کوئی واقعہ پوشیدہ نہ رہنے پائے۔

اس محکمہ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ملک میں نئے فتنے نہیں اُٹھ سکتے ہیں، کیونکہ اکثر ہوا ہے کہ عمال وغیرہ نے ادھر سر اٹھایا اُدھر جاسوس کی اطلاع پر یکایک بادشاہ نے موقع پر پہنچ کر تدارک کر دیا۔ یا اگر کسی بادشاہ نے دوسری طرف سے ملک گیری کا قصد کیا تو اس بادشاہ نے پہلے سے اپنا انتظام کر لیا ہے۔ اور لبا اوقات رعایا کے بہت سے بگڑے ہوئے کام جاسوسوں کی خبر پر بن گئے ہیں جیسا عضد الدولہ[۲] کا واقعہ مشہور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہوں نے عدل و انصاف کے واسطے بڑی بڑی کوششیں کی ہیں۔

---

[۱] دفعہ گیارہ میں جو کچھ خواجہ نظام الملک نے لکھا ہے یہ اُس کا ایک ضمیمہ ہے۔ جاسوسی کا محکمہ آج بھی تمام مہذب ممالک میں ہے اور اُن کی کارروائیاں نہایت حیرت انگیز ہوتی ہیں۔ چنانچہ دولت عثمانیہ میں بھی اس صیغہ کی کارروائی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور ہماری گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان میں بھی یہ محکمہ ہے۔ مگر یورپ کے مقابلے میں ابھی ابتدائی حالت میں ہے۔ اور ہندوستانی ریاستوں میں سرکار نظام خلد اللہ ملکہ کی اہل کار نہایت اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ گذشتہ دربار دہلی منعقدہ ۱۹۰۲ء میں اس محکمہ نے قابل تعریف کام کیے ہیں۔ عربی تاریخوں میں یہ محکمہ بریداور صاحب البرید کے نام سے موسوم ہے اور جس کے ذمہ ڈاک کا بھی انتظام تھا۔

[۲] شاہان دیالمہ میں عضد الدولہ سے زیادہ بیدار، زیرک، اور مدبر کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے چنانچہ اس بادشاہ کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک دن کسی مخبر نے بادشاہ کو پرچہ لکھا کہ بکار سرکار فلاں مہم پر میں جا رہا تھا۔ شہر کے پھاٹک سے نکل کر دو سو قدم تک گیا ہوں گا کہ راستے میں ایک جوان سے ملاقات ہوئی جس کا چہرہ زرد تھا۔ اور گردن و رخساروں پر زخموں کے نشان تھے۔ مجھے دیکھ کر اُس نے سلام کیا۔ جواب کے بعد میں نے پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کس لئے کھڑے ہیں؛ جواب دیا کہ مجھے ایک ہم سفر کی ضرورت ہے۔ جو ایسے شہر میں لے چلے جہاں کا سلطان عادل اور قاضی منصف ہو۔"

تب کہیں ارباب فساد سے دنیا پاک ہوئی ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ بادشاہ کی مستقل رائے خواہ وہ کسی معاملہ

بقیہ صفحہ ۲۲۹ ۔ میں نے کہا آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ عضدالدولہ سے عادل اور قاضی شہر سے زیادہ ایماندار اور کون ہو سکتا ہے؟ اُس نے کہا کہ اگر فی نفسہ بادشاہ عادل اور حالات ملک سے باخبر ہوتا تو اُس کے حکام بھی نیک چلن ہوتے۔ لیکن جب کہ اُس کے حکام برعکس ہیں تو یہ دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ عضدالدولہ عادل بادشاہ ہے۔ میری رائے میں وہ ضرور غافل ہے۔

میں نے کہا کہ آپ اپنے واقعات بیان کیجئے جن سے بادشاہ و قاضی کی غفلت ثابت ہو۔ اُس نے کہ میرا افسانہ طولانی ہے۔ لیکن اب میں اس شہر سے جاتا ہوں تو قصہ مختصر ہو جائے گا۔ اگر آپ میری کہانی سننا چاہتے ہیں۔ تو چلئے راہ میں عرض کروں گا۔ غرضکہ میں اُس مسافر کے ساتھ ہو لیا۔ ایک منزل پر ٹھہر کر اُس نے کہا کہ سُنئے جناب! میرا مکان اسی شہر کے فلاں محلہ میں ہے۔ اور اپنے باپ کا نام بتا کر کہا کہ آپ جانتے ہیں وہ کیسا امیر اور کس رتبہ کا شخص تھا۔ جب وہ انتقال کر گیا تو چند سال تک میں عیش و طرب کے جلسوں میں پڑا رہا۔ اور اسی زمانے میں ایک مہلک عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ چونکہ اُمید زیست منقطع ہو چکی تھی۔ لہٰذا میں نے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھے تندرست کر دیا تو حج و جہاد کروں گا۔ بارے خدا نے مجھے اچھا کر دیا بعد غسل صحت میں نے زیارت خانہ کعبہ کے واسطے سامان سفر درست کیا۔ اور چونکہ شوق جہاد بھی دامن گیر تھا اس لئے لونڈی غلاموں کو بھی (ایک ایک مکان معہ دیگر سامان کے دے کر) آزاد کر دیا۔ اور بقیہ اسباب فروخت کر کے پچاس ہزار دینار نقد کر لئے۔ پھر خیال آیا کہ سفر پُرخطر ہے اس قدر نقدی ہمراہ لے جانا مصلحت کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا کہ تیس ہزار دینار کافی ہیں۔ بقیہ چھوڑ جانا چاہئے۔ غرضکہ میں نے تانبے کے دو کلسے خریدے اور دس دس ہزار دینار اُن دونوں میں رکھ دیئے اور اس امانت کے لئے میں نے قاضی القضاۃ کو انتخاب کیا۔ کیونکہ بادشاہ کی طرف سے وہ مسلمانوں کی جان و مال کا مالک تھا اس لئے اس کی جانب خیانت کا شبہ تک نہیں ہوا۔ اور زر امانت قاضی صاحب کے سپرد کر کے میں حج کو روانہ ہو گیا۔ حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کی پھر روم کو چلا گیا۔ وہاں مذہبی لڑائی میں چند سال تک اُلجھا رہا۔ آخر ایک لڑائی میں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔ دو چار برس تک روم میں قید رہا۔ لیکن قیصر کے غسل صحت میں جب قیدی رہا ہوئے اُن میں میں بھی چھوٹ گیا۔ غرضکہ دس برس کے بعد بحالت تباہ قاضی صاحب کی حضوری نصیب ہوئی۔ دو دن تک قاضی صاحب نے میری طرف کچھ التفات نہ کیا۔ تیسرے دن جب مجمع کم ہو گیا تو میں قاضی صاحب کے بہت ہی پاس جا بیٹھا اور اپنی معرفی خود ہی کرنے لگا۔ جب میں اپنا سفرنامہ بیان کر چکا اور زر امانت طلب کیا اُس وقت (باقی در صفحہ آئندہ)

میں ہو ایک زبردست فوج سے زیادہ طاقتور ہے ۔

بقیہ صفحہ ۲۳۰ ۔ قاضی صاحب بغیر جواب دیے بھرے میں اُٹھ چلے گئے اور میں غمزدہ چلا آیا ۔ چونکہ میری حالت سقیم تھی لہذا نہ تو میں اپنے گھر جا سکا اور نہ کسی دوست عزیز کے گھر جانے کی جرأت ہوئی ۔ اور میری حالت یہ تھی کہ رات کو کسی مسجد میں اور دن کو کسی گوشے میں چھپ کر پڑا رہتا تھا ۔ قصہ مختصر یہ کہ دو تین بار قاضی صاحب سے عرض کیا ۔ مگر جب کچھ جواب نہ ملا ۔ تب ناچار ہو کر ساتویں دن میں نے سختی کی ۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ تیرا مغز چل گیا ہے ۔ اور مالیخولیا ہو گیا ہے ۔ صعوبت سفر سے دماغ میں خشکی آگئی ہے اس لئے ہذیان کا مادہ ہیجان میں آگیا ہے نہ میں تجھے پہچانتا ہوں اور نہ نفس معاملے کی خبر ہے ۔ ہاں جس شخص کا تو نام لیتا ہے اُس سے واقف ہوں مگر وہ تو ایک خوبصورت نوجوان تھا ۔ اور عمدہ کپڑے پہنا کرتا تھا ۔ میں نے کہا جناب عالی میں وہی بدنصیب شخص ہوں البتہ زخموں نے میری صورت بگاڑ دی ہے ۔ لیکن اس کا جواب قاضی صاحب نے یہ دیا کہ "تیری بکواس سے مجھے دردِ سر ہوتا ہے ۔ خیریت اسی میں ہے کہ چپ چاپ چلا جا ۔" اس کے بعد میں نے عذاب و ثواب پر طولانی تقریر کی اور یہ بھی کہہ دیا کہ منجملہ بیس ہزار کے پانچ ہزار آپ کی نذر ہیں جب اس پر بھی حامی نہ بھری تو میں نے کہا کہ حلالاً طیّباً نصف قبول فرمائیے ۔ اور نصف مجھے دید یجئے ۔ اس وقت نہایت حاجت مند ہوں ۔ اگر میرا کہنا باور نہ ہو تو دستاویز لکھا لیجئے ۔ مگر قاضی صاحب کچھ ایسے سنگ دل تھے کہ مطلق نہ پسیجے ۔ اور کہا تو دیوانہ ہو گیا ہے ۔ میرا کہنا مان اور چلا جا ۔ ورنہ دیوانہ قرار دے کر ابھی بیمارستان (ہسپتال) میں بھجوا دوں گا ۔ جہاں تیرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی جائیں گی اور جنم بھر وہاں تو پڑا مرے گا ۔

چونکہ اب مجھے یاس ہو گئی تھی ۔ لہذا جنم قیدی ہونے کے ڈر سے میں نے ہلکے ہلکے قدم اُٹھائے اور رخصت ہوا اور سمجھ لیا کہ قاضی صاحب ایک حبہ نہ دیں گے البتہ جو حکم دیں گے اُس کی فوراً تعمیل ہو جائے گی اور دل کو یوں سمجھا لیا کہ جب قاضی خود ہی ظالم بن جائے تو پھر کون ایسا ہے جو قاضی کی پرسش کرے ۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر عضد الدولہ عادل ہوتا تو آج میری بیس ہزار کی رقم قاضی کے ہاتھ میں نہ پڑی رہتی ۔ اور میں یوں ننگا ، بھوکا ، خانماں برباد ہو کر دیس سے پردیس کو نہ جاتا ۔"

جب یہ واقعہ جاسوس نے سُنا تو اس مسافر کی حالت زار پر اُس کا دل بھر آیا اور کہا کہ اے بندۂ خدا نا امیدیوں کے بعد امید پوری ہوا کرتی ہے تو خدا سے لو لگا وہ مسبب الاسباب ہے ۔

پھر کہا کہ یہ گاؤں جو سامنے ہے یہاں ایک میرا مہمان نواز دوست رہتا ہے ۔ براہ مہربانی آپ بھی (باقی دیکھو ۲۳۲)

بقیہ صفحہ ۲۳۱ : میرے ساتھ چلئے ایک رات دن یہاں ٹھہر کر آگے چلیں گے۔ غرضکہ یہ دونوں گاؤں میں ٹھہر گئے اور ماحضر کھا کر اپنے کمروں میں جا کر آرام کرنے لگے۔ اِدھر جاسوس نے یہ کارروائی کی کہ کل واقعات لکھکر عضدالدولہ کے پاس پرچہ بھیج دیا۔ پرچہ کو پڑھ کر عضدالدولہ نے حکم دیا کہ فوراً معہ اُس شخص کے حاضر ہو۔ چنانچہ جاسوس نے مسافر سے کہا کہ چلئے بادشاہ نے یاد فرمایا ہے۔ اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو واقعات آپ نے راستے میں بیان کئے ہیں وہ کسی نے بادشاہ تک پہنچا دیئے ہیں۔ اب مجھے یقین ہے کہ آپ کا کام ہو جائے گا۔ غرضکہ بادشاہ نے خلوت میں کل حال سُن کر مسافر سے کہا کہ آپ اطمینان رکھیں قاضی میرا نائب ہے۔ میں آپ کے کام کی خود فکر کروں گا۔ مگر سردست آپ اصفہان چلے جائیں۔ جب میرا حکم پہنچے اسی وقت آنا چاہیئے ہارون الرشید معتصم باللہ، المتوکل، المعتضد کو محکمۂ ڈاک پر خاص توجہ تھی۔

دوسرا ذریعہ خاص شاہی ڈاک کی روانگی کا نامہ بر کبوتر تھے۔ اور ملک شاہ کے عہد میں بھی اُن سے کام لیا جاتا تھا۔ مگر خواجہ نے معمولی بات خیال کر کے صرف عنوان قائم کر دیا ہے اور تفصیل نہیں لکھی ہے۔ لہٰذا ناظرین کی اطلاع کے لئے چند سطور بطور تاریخی واقعہ کے لکھی جاتی ہیں۔ کہ نامہ بر کبوتر کس قسم کے ہوتے تھے۔ اور وہ کیا کام کرتے تھے۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ کبوتروں سے خبر رسانی کا کام اول یونان اور روم نے لیا ہے لیکن مسعودی کی روایت سے ثابت ہے کہ جب خلیفہ المعتصم باللہ ابو اسحٰق محمد بن الرشید (۲۱۸ھ/۸۳۳ء - ۲۲۷ھ/۸۴۱ء) بابک کے مقابلے میں فتح پائی ہے تو بغداد میں سب سے پہلے یہ خبر کبوتر لایا تھا۔

چنانچہ اس واقعہ کے بعد جو خلفا ہوتے انھوں نے اس پر خاص توجہ کی۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا یہاں تک کہ نورالدین محمود بن زنگی نے توجہ کی (جس کی تفصیل یہ ہے)، کہ نورالدین کی حکومت ایران کی مشرق سے نوبہ کی سرحد تک پھیل گئی تھی۔ مصر اور شام کے بندرگاہ جو بحر روم کے مشرقی اور جنوبی سواحل پر تھے اُن پر آئے دن یورپ کی فوجیں حملہ آور ہوتی تھیں اور نورالدین کی قلمرو میں قتل و غارت کا سیلاب بہاتی تھیں اور اس سے پہلے کہ اُن کے حملے کی خبر ہو اور مدافعت کے لئے سرحد پر فوج کشی کی جائے اہل یورپ اپنا کام کر کے واپس چلے جاتے تھے۔ ۵۶۷ھ/۱۱۷۱ء میں نورالدین نے اپنی وسیع قلمرو کا انتظام کرنے اور اُس کو یورپ کے حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ تجویز کی کہ موصل کے نامہ بر کبوتروں سے جن کو مناسیب کہتے تھے پیغام رسانی کا کام لیا جائے اُس نے اپنے تمام ملک میں جا بجا چوکیاں مقرر کیں اور اُن کی خورد برداخت اور اُن سے مخبری کا کام لینے کے لئے ایک وسیع محکمہ قائم کیا۔ چوکیوں پر جا اخبار نویس تھے اُن کی مبتی قرار تنخواہیں مقرر کیں۔

بقیہ صفحہ ۲۳۲۔ اخبار نویس کو حکم تھا کہ جب کوئی غنیم اس کی چوکی کے قریب حملہ آور ہو یا کوئی ضروری اور اہم واقعہ پیش آئے تو فوراً ایک کاغذ کے پرزے پر اس کی خبر لکھے اور اگلی چوکی کے کبوتر جو اس کے پاس ہیں اُن میں سے ایک کے بازو میں وہ کاغذ کا پرزہ باندھ کر چھوڑ دے۔ کبوتر نہایت تیزی سے اڑتا تھا اور سیدھا اگلی چوکی پر پہنچ جاتا تھا جہاں اُس کبوتر کا اصلی مقام ہے اس چوکی کا نگہبان اس کبوتر کے بازو سے کاغذ کھول کر دوسرے کبوتر کے بازو میں باندھ دیا جاتا اور نورالدین کے پاس نہایت سرعت سے خبر پہنچ جاتی تھی اور اس سے پہلے کہ غنیم اس کے ملک میں کسی قلعہ یا بندرگاہ پر حملہ آور ہو نورالدین کی فوج جو مقام حملہ سے قریب ہوتی تھی ۔ اس کا حکم پاتے ہی فوراً اس مقام پر پہنچ جاتی تھی۔ اور دشمن کی غافل اور بے خبر فوج کو پسپا کر دیتی تھی۔ اس عمدہ تدبیر کا اثر یہ ہوا کہ نورالدین کی تمام قلمرو اندرونی اور بیرونی خطروں سے بالکل محفوظ ہو گئی اور اس کی حکومت اور سیاحت کا رعب خاص و عام کے دلوں میں دوڑ گیا۔

مصر میں خلفائے فاطمیین نے اس محکمہ کی طرف خاص توجہ مبذول کی تھی ۔ نامہ بر کبوتروں کے پالنے اور اُن کی غور و پرداخت کے لئے ایک مستقل دفتر تھا۔ بہت سے دفتر تھے جن میں کبوتروں کے نسب نامے درج ہوتے تھے۔ ناصرالدین اللہ جو بغداد کے اخیر خلفا میں نامور ہوا ہے اُس نے بھی ۵۹۱ھ / ۱۱۹۴ء میں نامہ بر کبوتروں کے لئے ایک وسیع محکمہ قائم کیا اور اپنی قلمرو میں اخبار نویس پھیلا دیئے۔ اعلیٰ نسل کے کبوتر نہایت تلاش اور تحقیق سے خرید کئے جاتے۔ کتابوں میں اُن کے نسب نامے نہایت غور و تفتیش سے لکھے جاتے تھے۔ کبوتروں کے پالنے اور فروخت کرنے والے خوب جانتے تھے کہ اُن کے کبوتر کس کس نامی کبوتر کی نسل سے ہیں۔ اعلیٰ نسل کا ایک کبوتر ہزار دینار (دہ ہزار روپیہ) تک قیمت پاتا تھا۔ ناصرالدین اللہ کی اس کوشش اور حسن تدبیر کا یہ اثر تھا کہ اُس کی تمام قلمرو میں اس سرے سے اُس سرے تک کوئی نیا واقعہ یا حادثہ ایسا نہیں ہوتا تھا جس کی اُس کو خبر نہ ہو۔ مصر اور ہندوستان والے اُس کے نام سے ایسا ہی ڈرتے تھے جیسا کہ بغداد کے باشندے (جو اس کی حکومت اور سلطنت کا مرکز تھا) چین کی سرحد سے اندلس تک اُس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور اس کا رعب حکومت تمام ملکوں پر چھا گیا تھا۔

قاضی محی الدین بن عبدالظاہر نے ایک مستقل کتاب نامہ بر کبوتروں کے حالات پر لکھی ہے جس کا نام تمائم الحمائم ہے۔ اُس میں نامہ بر کبوتروں کے نسب نامے۔ اُن کی عادات و خصائل۔ پیغام رسانی اور پیغام نویسی کے طریقے اور اُن کے متعلق بہت سے دلچسپ حالات قلم بند کئے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ

بقیہ ۲۳۳۔ فی اخبار مصر والقاہرہ " میں چند دلچسپ باتیں اُس کتاب سے نقل کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ خبر جس کاغذ پر لکھی جاتی تھی اُس کو کبوتر کے بازو میں باندھتے تھے تاکہ بارش سے محفوظ رہے۔ آئین سلطنت تھا کہ جب کبوتر آسمان سے شاہی محل پر اُترتا تھا فوراً خلیفہ کو خبر کی جاتی تھی خود خلیفہ خبر کے پڑھنے میں ایک ساعت توقف نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اگر ایک لحظہ بھی غفلت کی جاتی تو بہت سے مہات ملکی کے فوت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ خود خلیفہ اپنے ہاتھ سے کاغذ کھولتا اور پڑھتا تھا اُس وقت اگر خلیفہ کے سامنے خاصہ چُنا ہوا ہوتا تو فوراً کھانے سے دست بردار ہوتا۔ حکم تھا کہ اگر خلیفہ اُس وقت بستر خواب پر ہوں تو فوراً جگا دیئے جائیں۔ سو کر اُٹھنے کا انتظار نہ کیا جائے خبر ایک خاص قسم کے کاغذ پر لکھی جاتی تھی جو وَرَقُ الطَّیْر کے نام سے مشہور تھا۔ خبر لکھنے کے وقت کاغذ پر حاشیہ نہیں چھوڑتے تھے۔ چنانچہ دو سو دینار سفر خرچ اور پانچ جوڑے کپڑے دے کر مسافر کو رخصت کر دیا۔ اور قاضی سے حصول مال کی فکریں کرنے لگا۔ لیکن منظور یہ تھا کہ ملک میں بدنامی نہ ہو کیونکہ قاضی علاوہ دیرینہ سال ہونے کے صاحبِ فضل و کمال بھی تھا۔ اگر شاہی اختیارات برتے جاتے تو تمام ملک میں یہ واقعہ مشہور ہو جاتا۔ اس لئے عضدالدولہ نے حکمت عملی سے کام لیا۔ یعنی ایک دن دوپہر کو قاضی صاحب کو طلب کیا اور خلوت میں بلا کر حسب ذیل گفتگو شروع کی۔

عضدالدولہ:۔ قاضی صاحب آپ کو معلوم ہوا کہ میں نے کیوں آپ کو تکلیف دی؟

قاضی:۔ اس کا علم تو بادشاہ ہی کو ہے۔

عضدالدولہ:۔ مجھے ان دنوں طرح طرح کی فکریں رہتی ہیں۔ جس کی وجہ سے رات کی نیندیں اُچاٹ ہو گئی ہیں۔ دنیا اور اُس کی سلطنت ہیچ نظر آتی ہے۔ حیات مستعار کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اب اس سے چھٹکارا دو ہی طرح ہو سکتا ہے یا تو کوئی غنیم ملک پر حملہ کرے اور ہم سے ملک چھین لے۔ جس طرح ہم نے اوروں سے چھین لیا ہے۔ یا موت آ جائے اور وہ ناشاد و نامراد اُٹھائے تاکہ قصہ تمام ہو۔ اس پچھلی صورت سے کسی کو مفر نہیں ہے اگر میں اپنی اس قلیل زندگی میں لوگوں سے اچھا برتاؤ کروں گا تو لوگ مجھے کلمۂ خیر سے یاد کریں گے اور عذاب قیامت سے بچ کر داخل بہشت ہو جاؤں گا اور اگر بدی کروں گا تو سوائے دوزخ کے اور کہاں ٹھکانا ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے مجھے نیکی کرنا چاہیئے۔ مگر جس چیز میں مجھے آپ کے مشورے کی حاجت ہے وہ شہزادوں اور شہزادیوں کا معاملہ ہے۔ لڑکوں کا چنداں خیال نہیں ہے وہ تو پرندوں کی مثال ہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک جا سکتے ہیں۔ مگر لڑکیوں

کی خرابی ہے اور اُن کو پورا ترکہ بھی نہیں مل سکتا ہے۔اس لئے میں اپنی حیات میں اُن کے لئے کچھ بندوبست کرنا چاہتا ہوں اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے آپ جیسا پارسا، متقی، متدین، ملنا دشوار ہے۔ لہٰذا علاوہ جواہرات کے دو ہزار دینار نقد آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ مگر اس واقعہ سے سوائے علام الغیوب کے اور تیسرا واقف نہ ہو۔ اور اگر وہ زمانہ آجائے جس کا مجھے خدشہ ہے اور لڑکیوں پر مصیبت پڑے تو آپ انھیں اپنے گھر بلا کر عقد کریں اور یہ مال اُن کو تقسیم کر دیں کہ کسی دوسرے کی دست نگر نہ ہوں اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ ایک وسیع تہ خانہ بنوائیں تاکہ میں چُپ چاپ وہاں خزانہ رکھوا دوں اور اس غرض کے لئے اول دو سو دینار مغربی دیئے جاتے ہیں۔

قاضی:۔ میں تو حضور کا غلام ہوں۔ جہاں تک ہو سکے گا یہ خدمت انجام دوں گا۔ اور تیاری سرداب کے لئے حضور سے کسی عطیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کام کو میں اپنے صرفہ سے کر سکتا ہوں۔

عضدالدولہ:۔ نہیں نہیں آپ کی پاک کمائی کا روپیہ میں صرف کرانا نہیں چاہتا۔ اور یہ کون سی شرط مروت ہے کہ میرے ذاتی کام کے لئے آپ اتنا روپیہ صرف فرمائیں۔ یہی نوازش کیا کم ہے کہ جو خدمت سپرد کی گئی ہے وہ انجام دیں"۔

غرضکہ قاضی صاحب دو سو دینار لے کر خوشی خوشی رخصت ہوئے اور دل میں کہنے لگے کہ پیرانہ سالی میں قسمت نے پلٹا کھایا ہے اگر بادشاہ مرگیا تو یہ مال میرا ہے۔ کیونکہ کوئی دستاویز مجھ سے نہیں لکھائی گئی ہے۔ اور دو گواہ علاوہ اس رقم کے اور موجود ہیں۔ گو اُس کا مالک زندہ ہے مگر انشاء اللہ وہ مجھ سے ایک حبہ لے نہیں سکتا ہے"۔

اس وقت کے خیال تو گئے گذرے ہوئے اور قاضی صاحب نے ایک مہینہ کے اندر تہ خانہ تیار کرا لیا۔ اور ایک دن عضدالدولہ بہت خوش ہوا اور قاضی صاحب سے زر امانت کی تفصیل بیان کر دی اور کہا کہ میں کل رات کو ملاحظہ کر کے حکم دوں گا۔

اب عضدالدولہ نے اصفہان سے اُس نوجوان کو طلب کیا۔ اور قاضی سے کہا کہ آپ منگل کو تشریف لائیں۔ اور خزانچی کو حکم دیا کہ ایک سو چالیس آفتابوں میں دینار اور تین ظروفوں میں مروارید اور چند پیالوں میں یاقوت۔ لعل، فیروزہ، بھر کر خزانے میں رکھدے۔ قاضی صاحب یہ زر و جواہر دیکھکر نہال ہو گئے اور یہ کہکر رخصت کر دیئے گئے کہ آپ میری آواز کے منتظر رہیں۔ آج ہی رات کو امانت پہنچ جائے گی۔

(۱۵) تقرری ہرکارہ[1] و انتظام کبوتران نامہ

مشہور مقامات پر ہرکارے رکھنا چاہیئے۔ اور ان کی تنخواہیں مقرر کی جائیں تاکہ دن رات میں[2] ڈیڑھ سو میل کی خبریں پہنچ جایا کریں۔ اور ملک کا کوئی نیا واقعہ پوشیدہ نہ رہے۔

بقیہ صفحہ ۲۳۴ اس اثناء میں اصفہان سے وہ جوان بھی آگیا۔ اُس کو عضدالدولہ نے حکم دیا کہ اب تم قاضی کے پاس جاؤ اور کہو کہ "میں نے مدتوں صبر کیا۔ اور آپ کی عزت و حرمت قائم رکھی مگر اب مجھ سے صبر نہ ہوگا۔ سارا شہر جانتا ہے کہ میرے باپ کے پاس کس قدر دولت تھی۔ اور تمام شہر میری گواہی بھی دے سکتا ہے۔ لہذا اب میری امانت مرحمت فرما دیجیے۔ ورنہ آج ہی عضدالدولہ سے فریاد کرتا ہوں۔ وہ آپ کے اعزاز کو خاک میں ملا دے گا۔ اور ایسی سزا دے گا کہ لوگوں کو عبرت ہوگی۔ دیکھو تو سہی اب قاضی کیا جواب دیتا ہے:

چنانچہ نوجوان نے یہی کیا۔ قاضی نے خیال کیا کہ خدانخواستہ اگر یہ شخص میری بُرائی عضدالدولہ سے جا کر بیان کرے تو اُس کو میری ایمان داری میں شبہ پڑ جائے گا۔ اور میں اس خزانے سے محروم رہوں گا۔ لہذا مناسب یہ ہے کہ اس کا مال واپس کر دوں۔ دو آفتابوں سے ایک سو پچاس آفتابے معہ جواہرات کے کہیں زیادہ لاگت کے ہیں غرضکہ یہ سوچ کر اُس نوجوان کو اپنے حجرے کے اندر لے گئے اور بغل گیر ہو کر کہا کہ پیارے عزیز! میں نے تیری تلاش میں ساری دنیا چھان ڈالی، تو اب تک کہاں تھا۔ میں تو تجھ کو اپنے بیٹے کے برابر سمجھتا ہوں اب تک جو کچھ کیا وہ بمقتضائے احتیاط تھا۔ یہ دونوں آفتابے موجود ہیں۔ لو اور جو چاہو کرو۔ نوجوان نے مزدوروں کے سر پہ آفتابے رکھوا دیئے اور در دولت پر حاضر ہو گیا۔ جب عضدالدولہ نے نوجوان کو دیکھا کہ وہ معہ آفتابوں کے حاضر ہے اور قاضی کی خیانت ثابت ہو چکی ہے۔ تب قاضی کا مال و اسباب ضبط کر لیا گیا۔ مگر بڑھاپے کی وجہ سے اور کوئی سزا نہیں دی۔ البتہ اپنے عہدے سے برطرف کر دیا گیا"

عضدالدولہ فنا خسرو شاہنشاہ بن بویہ، دولت بنی بویہ میں سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ یہ ۳۳۸ھ/۹۴۹ء میں تخت نشین ہوا اور ۳۷۲ھ/۹۸۲ء میں فوت ہو گیا۔ مستقل سوانح عمری لکھنے کے لائق ہے۔

[1] عربی تاریخوں میں ہرکارے کا نام "سعادۃ" ہے۔ اور اس طریقہ ڈاک کا موجد سلطان معزالدولہ ہے۔

[2] افسوس ہے کہ خواجہ نظام الملک نے اپنے زمانہ کی محکمہ ڈاک کا پورا انتظام نہیں لکھا ہے بلکہ اس کے ایک جزو پر نظر ڈالی ہے۔ حالانکہ ۱۶۶ھ/۷۸۲ء میں خلیفہ مہدی عباسی نے سب سے پہلے باضابطہ یہ محکمہ جاری کیا۔ اور (باقی در صفحہ آئندہ)

بقیہ ۲۳۶: خلفائے بنوامیہ کے عہد میں اپنے عروج پر پہنچا۔ چنانچہ محکمہ ڈاک کا نام دیوان البرید تھا۔ اور ناظم اعلیٰ (پوسٹ ماسٹر جنرل) صاحب البرید کہلاتا تھا۔ جس کی مصنف آثار الاول نے یہ تعریف لکھی ہے: "اَلْبَرِیْدُ فَاِنَّھَا وِلَایَۃٌ جَلِیْلَۃٌ خَطِیْرَۃٌ وَمَعْلَّۃٌ مَا یُحْتَاجُ اِلیٰ جَمَاعَۃٍ کَثِیْرَۃٍ وَاِلیٰ الْمَوَادِ الْعَزِیْزَۃِ وَالتَّوْسِعَۃُ عَلَیْہِ"۔ یعنی یہ عظیم الشان خدمت ہے اور اس افسر کے متعلق ایک بڑا عملہ رہتا ہے۔ چنانچہ زمانہ موجودہ میں جس وسیع پیمانہ پر یہ محکمہ ہے اس سے کسی قدر عہد قدیم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صاحب البرید کے فرائض میں شاہی ڈاک کے اہتمام کے علاوہ اور کام بھی سپرد تھے۔ مثلاً شہر کے اہم واقعات سے روزانہ خلیفہ کو اطلاع دینا، اور میعاد معینہ پر وزرات اعظم، اور عمال اور والیان ملک کے چال چلن اور خاص خاص حالات کی اطلاع کرنا، دارالضرب (ٹکسال) کا معائنہ اور موجودات نقدی کی پڑتال کرنا فوج کا جائزہ لینا اور تقسیم تنخواہ کے وقت موجود ہونا۔ زراعت کے حالات معلوم کر کے خلیفہ سے اطلاع کرنا۔

اگرچہ ناظم ڈاک خانے کے اب یہ فرائض نہیں ہیں لیکن پھر بھی اکثر راز کے معاملات قبل از وقت اس محکمہ کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتے ہیں (یورپ کے قصہ نگاروں نے عجیب و غریب واقعات لکھے ہیں)

شاہی ڈاک کے ہمراہ رعایا کے خطوط اور ہر قسم کی مراسلتیں روانہ ہوتی تھیں۔ مگر کسی قسم کا محصول لیا جانا ثابت نہیں ہے۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک ہر یک (ہرکارہ) ڈاک پہنچاتا تھا۔ اور بعید مقامات کی ڈاک گھوڑے، خچر، اونٹ پر جاتی تھی۔ چنانچہ ممالک فارس میں گھوڑوں اور حجاز میں خچروں۔ اور شام میں اونٹوں پر ڈاک جاتی تھی۔ اور ان جانوروں کے گلے میں زنجیر یا گھنٹی لٹکا دی جاتی تھی۔ جس کی آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ ڈاک آرہی ہے۔ اور اس آواز کا نام قعقعۃ البرید ہے۔ اب صرف بگل بجایا جاتا ہے۔ اور ہر چوکی پر بکثرت جانور رہتے تھے۔ چنانچہ صوبے کے والی (گورنر) اور اعلیٰ عہدہ دار ڈاک گاڑیوں کے ذریعہ سے اپنے صدر مقام تک سفر کیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی فوج کو یہ محکمہ مدد دیتا تھا۔ ڈاک کے ہر جانور پر (مثل فوج کے) فرق امتیاز کے لئے داغ دیا جاتا تھا تمام ممالک محروسہ میں کس قدر خرچ اس محکمہ کا تھا اس کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکتی۔ لیکن عہد امیہ میں صرف صوبہ عراق میں عملہ ڈاک خانہ خریداری جانوران، اور اُن کی خوراک میں ایک لاکھ چون ہزار دینار (۲ ½ لاکھ فرانک مطابق ۷ لاکھ ۰۰ ہزار سکۂ انگریزی) کا خرچ تھا۔ اور ۹۳۰ چوکیاں قائم تھیں۔ اور ہشام ابن عبدالملک کے وقت میں محض عملہ کا خرچ چار لاکھ درہم (ایک لاکھ روپیہ تھا) چنانچہ ناظرین ایک صوبے کے خرچ سے تمام محکمہ کے خرچ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

(باقی در صفحہ آئندہ)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳
عملہ کی تقرری، موقوفی، اور تقسیم تنخواہ ناظم کے ہاتھ میں تھی۔ اہم معاملات کے کاغذات ناظم خلیفہ کے روبرو پیش کرتا تھا۔ اور وہاں سے حکم ہوتا تھا۔ اور ایک صحیح فہرست (پوسٹل گائڈ) تمام مقامات کے ڈاک خانوں میں موجود رہتی تھیں جس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کا فاصلہ بھی تحریر ہوتا تھا۔ فی زمانہ سرکاری ڈاک خانہ جات میں بھی اس کی تقلید کی گئی ہے مگر فاصلہ تحریر نہیں ہے۔ نہ یہ لکھا ہے کہ ایک ڈاک خانے کے متعلق کس قدر مواضعات ہیں (یقین ہے کہ یہ نقص جلد رفع کیا جائے گا۔)

جہاں سے جہاں تک ڈاک کا سلسلہ تھا اُن تمام راستوں کی حفاظت بھی ناظم کے سپرد تھی اور تمام علاقے کے اندر جو قبائل آباد تھے اُن کی بھی خبر رکھنا پڑتی تھی کہ وہ برسرِ اطاعت ہیں یا آمادہ بغاوت ہیں۔ خلفائے عباسیہ میں عموماً خبر کے اول بسم اللہ نہیں لکھتے تھے اور آخر میں دن اور وقت کے سوا سنہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ مخاطب کی نسبت تعریف اور القاب کے لمبے چوڑے الفاظ نہیں لکھے جاتے تھے۔ صرف واقعہ کو مختصر الفاظ میں لکھتے تھے اور عبارت حشو وزوائد سے بالکل پاک ہوتی تھی۔ عبارت کے آخر میں بطور تفاول کے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے "حسبنا ونعم الوکیل" اگر دو کبوتر ایک ساتھ چھوڑے جاتے تھے تو ایک کبوتر کا حال دوسرے کے کاغذ میں درج کرتے تھے تاکہ اگر اُن میں سے کوئی کبوتر وقت پر نہ پہنچے تو اُس کے آنے کا انتظار کیا جائے۔

قاضی محی الدین بن عبدالظاہر، قاضی فاضل اور عماد کاتب نے جو فنِ انشا کے امام خیال کئے گئے۔ نامہ بر کبوتروں کی تعریف اور اُن کے حالات میں قلم کا زور دکھایا اور رنگین مسجع طرز کی نہایت فصیح و بلیغ نثر میں لکھی ہیں۔ قاضی فاضل نے نامہ بر کبوتروں کو ملائکۃ الملوک۔ انبیاء الطیر۔ خطباء الطیر۔ وغیرہ کے القاب سے ملقب کیا۔ ہے جو اُن کے لئے بہت موزوں ہیں۔ ابو محمد احمد بن علوی بن ابی عقبال قیروانی نے متعدد نظمیں ان کبوتروں کے حالات پر لکھی ہیں جس کا ایک مختصر نمونہ یہ ہے۔

خضر تفوق الریح فی طیرانها   یا بعد بین غدوها ورواحها
تاتی باخبار الغداة وعشیة   لمسیر شهر تحت ریش جناحها
وکانما الروح الامین بوحیه   نفث الهدایة منه فی ارواحها

کبوتروں کی ڈاک مصر و شام میں نورالدین زنگی کے وقت سے حاکم بامر اللہ کے زمانہ تک جو مصر میں خلفائے عباسیہ کی یادگار تھا برابر دو سو برس تک جاری رہی ہے۔ ابن فضل اللہ دمشقی جو اس خلیفہ کے دربار میں تھا اور جس نے ۷۴۹ھ / ۱۳۴۸ء میں وفات پائی التعریف بالمصطلح الشریف میں لکھتا ہے کہ میرے زمانے میں مصر (باقی در صفحہ آئندہ)

کے جنوب اور ملک نوبہ کی سرحد پر قوص "اسوان ۔ عیذاب تک جو کبوتروں کی ڈاک جاری تھی بند ہوگئی ہے لیکن شام اور مصر میں اب بھی کبوتروں کی ڈاک کی بہت سی منزلیں آباد ہیں اور ان میں ڈاک جاری ہے ۔ اس کے بعد ابن فضل اللہ نے اپنے زمانے کی منزلیں گنوائی ہیں جن کو ضروری اور دلچسپ سمجھکر ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

کبوتروں کی ڈاک کی منزلیں

نام مقام	کیفیت
قاہرہ سے اسکندریہ تک۔	
قاہرہ ۔ سونیر	
قاہرہ ۔ بلبیس	بلبیس مصر کا شہر ہے اور شام کے راستہ پر فسطاط سے تیس میل کے فاصلے پر ہے۔
بلبیس ۔ صالحیہ	
صالحیہ ۔ قطیا	صالحیہ فرات اور دجلہ کے درمیان دوآبہ میں واقع ہے۔
قطیا ۔ وارده	قطیا مصر کی راہ میں ایک قصبہ ہے ۔جو ریگستان میں واقع ہے۔
وارده ۔ غزہ	
غزہ ۔ بلدالخلیل	غزہ شام کی انتہائی سرحد پر ہے جو مصر سے ملتی ہے۔
غزہ ۔ بیت المقدس۔	
غزہ ۔ نابلس	نابلس فلسطین میں بیت المقدس سے ۲۰ میل پر ہے۔
غزہ ۔ لد	
لد ۔ قاقون	لد۔ بیت المقدس کے قریب ایک قصبہ ہے۔
قاقون ۔ جنین	قاقون فلسطین میں رملہ کے قریب ایک قلعہ ہے
جنین ۔ صفد	صفد حمص کی حد پر ایک پہاڑی قصبہ ہے۔
جنین ۔ بیسان	بیسان صوبہ اردن کا ایک شہر ہے۔
اربد ۔ طفس	اربد، طبریہ کے قریب صوبہ اردن میں ایک قریہ ہے۔

نام مقام	کیفیت
طفس ۔ ضمین	
ضمین ۔ دمشق	ضمین دمشق سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔
بسیان ۔ اذرعات	اذرعات ملک شام میں ایک قصبہ ہے۔
طفس ۔ اذرعات	
دمشق ۔ بعلبک	
دمشق ۔ قارا	
دمشق سے قریتین	قریتین تدمر سے دو منزل کے فاصلے پر ہے۔
قارا ۔ حمص	اگر حمص سے دمشق کو جائیں تو قارا پہلی منزل پر آتا ہے۔
حمص ۔ حماۃ	
حماۃ ۔ معرہ	معرہ حلب کی نواح میں اُس سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے
معرہ ۔ حلب	
حلب ۔ بیرہ	بیرہ حلب کے قریب ایک قلعہ ہے۔
حلب ۔ قلعۃ المسلمین	
حلب ۔ بھنی	بھنی ایک قلعہ ہے جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر سمیاط کے قریب واقع ہے
قریتین ۔ تدمر	
تدمر ۔ سخنہ	تدمر حلب سے ۵ دن کی راہ پر قدیم شہر ہے۔ سخنہ تدمر کے قریب ہے
سخنہ ۔ قباقب	سخنہ اور قباقب کے درمیان چندروز سے کبوتروں کی ڈاک بند ہوگئی ہے۔ اور تدمر سے
قباقب ۔ رحبہ	قباقب اور قباقب سے رحبہ کی طرف کبوتر اُڑائے جاتے ہیں۔ (ابن فضل اللہ)

اس میں شک نہیں کہ مصر و شام میں کبوتروں کی ڈاک ابن فضل اللہ کے زمانے تک جاری تھی اور اُس سے سلطنت کے انتظام میں برابر مدد کی جاتی تھی لیکن نہیں معلوم ہوا کہ کب بند ہوئی اور اس وقت سے کب تک جاری رہی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے عہد سلطنت میں صدہا سال تک کبوتروں سے (باقی در صفحہ آئندہ)

(۱۶)[۵] وکیل خاص

باورچی خانہ[۶]، شراب خانہ، اصطبل، محل سرائے شاہی اور شاہزادوں کے محل کی نگرانی، جس معتمد کے سپرد ہوا کرتی ہے۔ وہ وکیل خاص کہلاتا ہے۔ اس خدمت کے لئے مشکل سے کوئی ملتا ہے کیونکہ یہ کام نہایت نزاکت اور ذمہ داری کا ہے۔ اس عہدہ دار کا فرض ہے کہ وہ روزانہ دربار شاہی میں حاضر ہو کر تمام کاموں کی اطلاع کیا کرے۔ اور بادشاہ کو چاہیئے کہ اُس کی عزت و حرمت قائم رکھے۔

(۱۷)[۱] ندیم و مصاحب

بادشاہوں کے لئے قابل مصاحبوں[۲] کا رکھنا بھی ضرور ہے۔ کیونکہ بادشاہ، اُمرا، دربار اور سپہ سالاران

بقیہ صفحہ ۲۴۰: پیغام رسانی کا کام لیا ہے اور انتظام سلطنت کے لئے حسن تدبیر کا کوئی دقیقہ نظر انداز نہیں کیا ہے۔ زمانہ موجودہ میں جرمنی اور فرانس وغیرہ کی نسبت جو شہرت ہے کہ وہ نامہ بر کبوتروں سے میدان جنگ میں کام لیتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

انتخاب و نقل از کتاب آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ ۱۰۰ و معید النعم سبکی صفحہ ۴۱۔ مسعودی صفحہ ۶۹۔ حاشیہ کامل اثیر جلد ۹۔ و حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاہرہ۔ صفحہ ۱۸۶ جلد دوم۔ ان سائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ اخبار چودھویں صدی نمبر ۲۲۔ مطبوعہ ۱۵ رجون ۱۸۹۶ء بحوالہ علی گڑھ گزٹ مضمون نوشتہ مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی۔ اڈیٹر معارف۔

[۵] فصل ۱۷، صفحہ ۲۰۸۔ سیاست نامہ۔

[۶] وکیل خاص، اعزاز و مرتبہ میں وزیر اور حاجب کا ہم پلہ ہے۔ عہد سلجوقیہ میں نامور اُمرا اس عہدے پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور فرائض کی تفصیل خواجہ نے کردی ہے۔ لیکن خلفائے عباسیہ اور سلاطین ایران و ہندوستان کے عہد حکومت میں مثل مشرف اور مستوفی کے وزارت کے ماتحت یہ بھی ایک عہدہ تھا۔ اور جو فرائض وکیل خاص کے خواجہ نے لکھے ہیں اُن پر جُداگانہ افسر مقرر تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱ خوان سالار، میر بکاول۔ ۔ ۔ داروغہ باورچی خانہ ۲ شراب دار، شربت دار، آبدار ۔ ۔ داروغہ شراب وغیرہ

۳ میر آخور، آختہ بیگی ۔ ۔ ۔ داروغہ اصطبل ۴ میر بختی۔ ۔ ۔ داروغہ شتر خانہ

باقی در صفحہ آئندہ

فوج کے ساتھ بے تکلفی سے ربط ضبط نہیں کر سکتا ہے۔ اور اگر اس طرح پر ملے جلے تو رُعب وداب میں فرق پڑ جائے گا۔

بقیہ صفحہ ۲۴۱ ۱۔۵ استادالدار ۔۔۰ ناظر حرم

تفصیلی خدمات کے واسطے آئین اکبری علامہ ابوالفضل ومعید النعم سبکی وسلوک الملوک شہاب الدین دیکھنا چاہیئے۔ ۳۔۵ فصل ۱۷، صفحہ ۸۲۔ ۲۔۵ ظل اللہ فی الارض (زمین پر خدا کا سایہ) جیسا معزز خطاب بادشاہ کو دیا گیا ہے۔ اس لئے وہ شخص بھی بڑا خوش نصیب ہے جو بادشاہ کے سایہ میں ہو۔ لیکن اس سایہ میں پہنچ کر راحت اُٹھانا معمولی آدمیوں کا کام نہیں ہے۔ کیونکہ حقیقت میں بادشاہ کی ذات اونچے پہاڑ کی ایسی چوٹی سے مشابہ ہے جس کی سطح پر سبزۂ زمردیں کا فرش، اور ہرے بھرے میوہ دار درختوں کی قطار بھی ہے۔ صاف وشفاف پانی کی نہریں بھی جاری ہیں۔ خوبصورت وخوش رنگ چڑیاں بھی اِدھر اُدھر چہچہاتی پھرتی ہیں اور ہزاروں طرح کی دلچسپیاں ہیں لیکن ہر گوشے میں شیر و پلنگ اور صحرائی درندے بھی اپنی تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے مردہ دل اس منظر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور زندہ دل اپنی جواں مردی سے اس سرسبز اور سر بفلک چوٹی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچ کر حظ نفسانی اٹھاتے ہیں۔ غرضکہ یہی مثال بادشاہ اور ندیم کی ہے۔ اس لئے ندیم (اڈیکانگ) کا عہدہ نہایت نازک اور خطرناک ہے۔ کیونکہ بادشاہ خرد سال بچوں کی طرح بگڑ جاتے ہیں اور شیروں کی طرح غضبناک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کسی حکیم کا قول ہے: من اراد صحبة الملوك فليدخل كالاعمى وليخرج كالاعمى وليخرج كالاخرس فهو طريق السلامة۔ یعنی بادشاہوں کے دربار میں خندۂ امن کا صرف یہی طریقہ ہے کہ اندھوں کی طرح داخل ہو اور گونگوں کی طرح نکل جائے۔ خواجہ نے ندیم کی خدمات کی صراحت کی ہے۔ اور کتب اخلاق وسیاست میں طول طویل ہدایتیں مصاحبوں کے واسطے تحریر ہیں۔ مگر چونکہ مشرق اور مغرب کے بادشاہوں کے آداب میں اختلاف ہے اس لئے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے البتہ ندیم میں اوصاف ذیل کا ہونا ضروری ہے اور یہ وہ صفات ہیں جو مشرق اور مغرب میں مشترک ہیں۔

(۱) خاندان اور شرافت کے لحاظ سے معزز ہو، دین داری اور رسائی کے ساتھ فہمیدہ اور سنجیدہ ہو۔
(۲) صحیح الاعضا ہو۔ اور جسم میں اعتدال ہو۔ حسنِ صورت کے ساتھ زندہ دلی کا بھی جوہر رکھتا ہو۔
(۳) خوش پوشاک، طیب الرائحہ، اور معائب سے پاک ہو۔ اور لباس اخلاق وادب سے آراستہ ہو۔
(۴) رازدار ہو۔ غیبت سے متنفر ہو۔ اور اشاروں پر کام کرنے والا ہو۔

جن کو سرکاری خدمتیں سپرد ہوں وہ مصاحب نہ بنائے جائیں۔ اور جو مصاحب ہیں وہ ملکی عہدوں پر نہ مقرر کئے جائیں۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے رعایا کو بہت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ عامل کی یہ صفت ہے کہ وہ ہمیشہ بادشاہ سے خائف رہے اور ندیم کو یہ زیبا ہے کہ وہ شوخ وطرار ہو جس کی بذلہ سنجیوں سے بادشاہ کا دل بہلے۔ مگر ایسی باتوں کے لئے بھی فرصت کا وقت چاہیئے تاکہ سلطنت کے ضروری کاموں میں ہرج نہ واقع ہو۔

مصاحبوں اور ندیموں کا رکھنا فائدے سے خالی نہیں ہے۔ اوّل یہ کہ ندیم بادشاہ کا مونس ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ شب و روز ہمراہ رہتے ہیں اس لئے حفاظت جان بھی کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر خدانخواستہ کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ بادشاہ پر جان فدا کریں اور سپر کا کام دیں۔ چوتھے یہ کہ ندیموں سے ہر قسم کی گفتگو ہو سکتی ہے۔ پانچویں یہ کہ مثل جاسوس کے بادشاہوں کے حال سے خبردار رہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ بحالت مستی و ہوشیاری، ندیم بہت سی اچھی بُری باتیں کہہ جاتے ہیں جو مصلحت سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔

ندیم کے لئے شرط ہے کہ وہ شریف، فاضل، خوش اخلاق، زندہ دل، رازدار، پاک مذہب، اور واقف قصص وحکایت ہو، نرد و شطرنج کا کھیل جانتا ہو، موسیقی کا بھی ماہر ہو۔ اور اگر مرد میدان ہو، تو اور بھی بہتر ہے۔ اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ بادشاہ کے مزاج کے موافق اور اُس کا ہم خیال ہو۔ ندیم کو معلم نہ بننا چاہیئے کہ بادشاہ کی ہر بات پر کہہ اُٹھے کہ حضور یہ کیجئے اور یہ نہ کیجئے اور یہ کیوں ہوا یا کیوں کر ہوا؟ ایسی باتوں سے یار شاطر بار خاطر بن جاتا ہے۔

مجلس عیش وطرب، سیر و شکار، اور چوگان بازی کے (پولو) تمام سامان مہیا کرنا ندیم کا فرض ہے علاوہ بریں سفر و حضر، جنگ و جدال، شادی بیاہ، اور دیگر ملکی معاملات میں بھی اگر وہ وزراء وغیرہ سے مشورہ کرنے کی تدبیر کریں تو بہتر ہے۔ بعض بادشاہ اپنے مصاحبوں میں منجم اور طبیب[1] بھی رکھتے

بقیہ صفحہ ۲۴۲۔ (۵)، نحو، لغت، علم الاشعار۔ تاریخ، سیر، لفاصلات، حکایات، ضرب الامثال، اور لطائف کا ماہر ہو۔

[1] ارکان سلطنت میں طبیب (ڈاکٹر)، موضوع فن اور علمی شرافت کے لحاظ سے ایک ضروری عنصر ہے، گو شاہان سلجوقیہ کو ندرت و التفات ہو یہ دوسری بات ہے۔ مگر زمانہ گذشتہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر بادشاہ اور شہنشاہ کے مصاحبین منتخب روزگار اطباء ہوتے تھے، شہادت کے واسطے مسلمان بادشاہوں میں صرف دربار بغداد و زیاتی در صفحہ آئندہ

تھے جس سے یہ تجربہ کرنا مقصود تھا کہ دیکھیں وہ اپنا اپنا کیا کام کرتے ہیں۔ کیونکہ طبیب کا تو یہ

بقیہ صفحہ ۲۴۲ ۔ اور اندلس کی تاریخ کافی ہے۔ ان درباروں میں ہندو، عیسائی، یہودی طبیب موجود تھے۔ اور جو اخلاقی برتاؤ اُن سے کیا جاتا تھا۔ آج اُن کا کوئی ہم مذہب بھی اس قدر نہیں کرسکتا ہے۔ ان کی سوانح عمریاں اگر دیکھنا چاہتے ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی کتاب طبقات الاطباء دیکھو۔ بہرحال طبیب بادشاہوں کے دربار میں ایک ضروری رکن ہے۔ البتہ طبیب میں اوصاف ذیل کا ہونا لازمی ہے۔

(۱) طب کی علمی اور عملی شاخ اور تصنیفات قدیم پر عبور رکھتا ہو۔

(۲) کثیر العلاج ہو۔ اور غور و فکر کا عادی ہو۔

(۳) حاسد اور طامع نہ ہو۔ مزاج کا فیاض ہو۔

(۴) خوش پوشاک ہو اور عطریات سے ذوق رکھتا ہو۔

(۵) عقاقیر (جڑی بوٹی) اور ادویہ، اغذیہ سے واقف ہو۔

(۶) مفردات اور مرکبات کی اعلیٰ اور ادنیٰ شاخوں سے ماہر ہو۔

(۷) موسم کی ہر فصل سے عموماً اور اعتدال کے زمانے سے خصوصاً باخبر ہو۔

(۸) پانی اور ہوا کے علم سے واقف ہو۔ اور کم از کم جغرافیہ کا وہ حصہ جانتا ہو جس کا تعلق علم طب سے ہے۔

(۹) بعض علما کے نزدیک طبیب کو نجوم کا جاننا بھی ضروری ہے (زمانہ حال کے اطبا کو ان امور کی طرف توجہ کرنا چاہیے)، اور تمام مہذب دنیا میں نہایت وسیع پیمانے پر آج نہ صرف محکمہ طبابت قائم ہے بلکہ ہر شاہی خاندان میں نامور اور مستند طبیب موجود ہیں۔ لیکن منجم کے معاملے میں جو اختلاف زمانہ سابق میں تھا۔ میری رائے میں وہ آج بھی ہے۔ لیکن قول فیصل سے پہلے نجوم کی ماہیت پر چند سطریں لکھنا ضروری ہیں علوم و فنون کی ہر تاریخ میں علم نجوم کا مجمل یا مفصل تذکرہ ہے لیکن علوم طبیعہ (سائنس) کی تاریخ میں حساب اور نجوم پر (جو لازم و ملزوم ہیں) حکماء نے مفصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم اسکندریہ میں جب علوم طبعی کا درس شروع ہوا اور عملی فوائد کا ظہور ہونے لگا تو ایک گروہ نے یہ جدت کی کہ عالم اسباب کے ہر واقعہ کو بجائے اس کے کہ محسوسات اور مشاہدے کے تغیرات سے مطابق کرتے۔ انھوں نے روحانیات اور علویات سے مطابق کرنا شروع۔ چنانچہ افلاطون نے نہایت بلند آواز سے اپنے شاگردوں کو تعلیم کیا کہ حقائق اعداد کا مطالعہ انسان کے دماغ کو سچے تخیل کا عادی کرتا ہے اور اُس کی پرواز اشیاء مادی اور اجسام (باقی در صفحہ آئندہ)

کام ہے کہ وہ بادشاہ کی صحت کو ہر وقت دیکھتا رہے۔ اور نجومی بتائے کون کام کس ساعت میں کیا

بقیہ صفحہ ۲۴۴ سے بالا تو ہے۔ تم علم الاعداد کو تجارت کی غرض سے نہ سیکھو بلکہ عالم ظاہری کے تغیرات سے قطع تعلق کرکے روحانیات کی طرف متوجہ ہو۔

متاخرین نے جو محض متقدمین کے روایت کش ہیں۔ ایک کو دس اور دس کو سو کر دکھایا۔ اور اعداد کو تقسیم کرکے ہر عدد کے خواص طبعی لکھنا شروع کر دیئے۔ مثلاً عدد کے چار مراتب احاد، عشرات، مآت، الوف (اکائی دہائی سیکڑہ ہزار) قرار دیئے گو یہ تقسیم نہایت دانشمندی اور اصولی طریقہ پر کی گئی تھی مگر شارحین نے عدد کی طبیعت میں چار مراتب کا ہونا لازمی قرار دیا اور اگر یہ نہ کہتے تو امور طبیعہ سے نہ عدد کے رموز کی مطابقت ہوتی اور نہ یہ کہنے کی جرأت ہوتی۔ کہ خدا کو چار کا عدد (مربعات) پسند ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عنصر چار ہیں (آتش، باد، آب، خاک)، طبائع بھی چار ہیں (حرارت، برودت، رطوبت، یبوست)، خلط بھی چار ہیں (دم، بلغم، صفرا، سودا) زمانے بھی چار ہیں (ربیع، خریف، صیف، شتا)، سمت بھی چار ہیں (مشرق، مغرب، شمال، جنوب) علیٰ ہٰذالقیاس چار کی کوئی حد نہیں ہے اور بطور پہیلی کے بوجھو تو لاکھوں چار نکلیں گے **بقول شخصے** "چار اگر چار سے جائیں تو رہیں چار کے چار" غرض کہ اسی حیثیت سے ہر عدد کے خواص مرتب ہوئے۔ اور امور طبیعہ اور امور روحانیہ میں جہاں تک ہو سکا مطابقت کی گئی۔ اور انھیں اعداد نے ہجراں نصیب عشاق کو اپنے معشوقوں سے ملا دیا۔ اور ان ہی نے جرار لشکروں کو آن کی آن میں پامال کر دیا اور خدا جانے کیا کچھ کیا۔ بہر حال یونان کے اس جدید فلسفے سے ہندوستان بھی نہ بچ سکا۔ اور ان اعداد نے نقش سلیمانی اور لوح سلیمانی کے روپ میں بڑے بڑے کرشمے دکھائے اور آخر کو علم الاعداد کا دوسرا نام سحر اور جادو قرار پایا۔

متاخرین کا طبقہ اگر متقدمین کے نقش قدم پہ نہ چلتا تو علوم طبعی کو جو معراج اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہوئی ہے۔ یہ بات اب سے چھ سات سو برس پہلے حاصل ہو جاتی۔ اور موسیقی جیسے متعدد علوم و فنون ان ہی اعداد سے پیدا ہوتے۔

اعداد کے بعد نجوم کا وقت آیا اور خلاف وضع واضع کے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا۔ اگرچہ نجوم کی ایجاد کا فخر بابل اور عراق عرب کو ہے۔ مگر چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں یونانیوں نے اس کو اوج کمال پر پہنچا دیا۔ اور سب سے پہلے انھوں نے جنم پترہ بنایا۔ مگر زمانۂ مابعد میں جب مشاہدہ اور تجربہ کی ترقی ہوئی تو نجوم کی روشنی دھندلی پڑنے لگی۔ چنانچہ اٹلی کی سلطنت (شخصی اور جمہوری) نے نجومیوں کو خارج از بلد (باقی در صفحہ آئندہ)

جائے جو مبارک ہو۔ لیکن بعض سلاطین اس کے خلاف ہیں اور اُن کا یہ مقولہ ہے کہ طبیب ہم کو نفیس اور خوش ذائقہ کھانوں اور دیگر لذائذ سے روکتا ہے اور بلا سبب بھی دوائیں پلاتا ہے۔ اور نجومی

بقیہ صفحہ ۲۴۵: کرنے کا قانون پاس کیا۔ مگر چونکہ نجوم کا دلوں پر پورا قبضہ تھا اس لئے قانون کچھ نہ کرسکا۔ اور سلطنت روم کے اطراف و جوانب میں نجومی مثل سیاروں کے چلتے پھرتے رہے۔

بادشاہوں میں سے ثانی برس اور حکیموں میں سینا دونوں نجوم کے معتقد اور تاثیر کواکب کے قائل تھے لیکن سرد نے عراق عرب (کالڈیا) کے نجومیوں پر متواتر اعتراض کئے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ جب کہ ایک ہی ساعت میں بادشاہ، تاجر، کاشت کار اور فقیر کے گھر لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ اور باوجود اتحاد طالع (وقت) کے پھر ان سب کا حال مختلف ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ کواکب کی سعادت اور نحوست کا کوئی اثر وقت ولادت پر نہیں ہوتا۔ اگر کواکب کا اثر سچا ہوتا تو تمام بچوں کی حالت یکساں ہوتی۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آفتاب اور ماہتاب کے مقابلے میں سیارے لاکھوں میل کے فاصلے پر ہیں اس قدر بُعد سے اُن کی تاثیر ہم تک متعدی نہیں ہوسکتی ہے۔ غرضکہ اسی قسم کے متعدد عقلی اعتراضات تھے۔ نجومیوں نے اس کے جواب بھی دیئے اور سب سے بڑھ کر جو جواب ہوسکتا تھا وہ یہ تھا کہ آئندہ کے متعدد واقعات پر اپنی تحریری رائیں دیں اور پیشین گوئیاں کیں جو اُن کے قول کے مطابق ہوئیں۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ مخالفت کم ہوگئی اور کتنے ہی لوگوں کے عقائد متزلزل ہوگئے اور عام رائے یہ قرار پائی کہ بحیثیت ایک علم کے نجوم صحیح ہے اور اس پر غلطی کا اطلاق ظلم ہے۔ البتہ احکام میں جو غلطیاں ہوتی ہیں یہ نجومی کی بھول اور قوت عقلی کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ لیکن دنیا سے یہ فرقہ ناپید نہیں ہوا۔ البتہ اسلام نے نجوم کا قطعی استیصال کردیا۔ اور یہ اخراج ایسا مستحکم تھا کہ باوجود انقضائے تیرہ سو برس کے مسلمانوں کے عقائد میں فرق نہیں آیا اور کبھی دل سے نجوم کے معتقد نہیں ہوئے۔ مگر باوجود اس کے بھی نجوم آج تک باقی ہے۔ اور اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب تک آسمان پر چاند سورج اور ستارے قائم ہیں۔ علم نجوم بھی قائم رہے گا۔ خلفاء عباسیہ اور شاہان اسلام (جس میں ہندوستان بھی داخل ہے) میں بھی دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ نجوم کا معتقد رہا ہے۔ اور ایک مخالف۔ خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں نجومی اکثر رہا ہے، اور آج بھی مہذب سلطنتوں میں موجود ہیں مگر نہ وہ ضمیر بتاتے ہیں نہ انسان کے واقعات زندگی پر پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ بلکہ ان کا اصطرلاب "دوربین" اور کرۂ اجرام فلکی کے اصلی حقائق سے آگاہ کرتا ہے اور علوم طبیعیہ کے معارف اور حقائق دنیا پر ظاہر کرتا ہے۔ جس کے فوائد اصطلاحی نجوم کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔"

عیش کو تلخ کر دیتا ہے اور اُن کاموں سے روک دیتا ہے کہ جو حقیقت میں کرنے کے لائق ہیں۔
لیکن قول فیصل یہ ہے کہ "دونوں اپنی اپنی ضرورت کے وقت بلائے جائیں" اگر ندیم کہن سال صحبت یافتہ ہو تو بہت اچھا ہے۔ بادشاہوں کی عادت و خصال کا اگر اندازہ کرنا چاہو تو اُن کے مصاحبوں کو دیکھ لو۔ ان لوگوں کی خوش طبعی، فروتنی، اور معاملات وغیرہ سے بادشاہوں کے افعال کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

ندیموں کے بھی مختلف درجے ہوتے ہیں۔ بعضوں کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہے اور بعضے کھڑے رہتے ہیں۔ شاہ غزنین کے بیس مصاحب تھے۔ جن میں دس بیٹھنے والے اور دس کھڑے ہونے والے۔ اور شاہان غزنین نے یہ رسم سامانیوں سے سیکھی تھی۔ لیکن شاہان سلف اور خلفاء کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ اس قدر ندیم رکھتے تھے جس قدر اُن کے بزرگوں کے عہد میں ہوا کرتے تھے۔ بادشاہ کے ندیم کو معاش سے مستغنی اور دیگر نوکروں کے مقابلے میں معزز ہونا چاہیے۔ لیکن زیادہ ضروری یہ ہے کہ اُن میں خودداری، تہذیب۔ اور جاں نثاری کا مادہ ہو۔

(۱۸) فوج خاصہ

ہمیشہ[1] دو سو منتخب سواروں کو بارگاہ سلطانی میں حاضر باش رہنا چاہیے جو قد و قامت، شکل و صورت، اور قوت و جسارت میں خاص طور سے ممتاز ہوں۔ اور یہ سپاہی خراسانی اور دیلمی ہوں اور دونوں کی تعداد برابر ہو۔ ہر حالت میں خواہ سفر ہو یا حضر یہ ساتھ رہیں گے۔ ان کی وردیاں خوبصورت

---

[1] روم اور یونان کی فوجی نظام کی ہم نے تحقیق نہیں کی ہے کہ ان شاہوں نے فوج خاصہ (باڈی گارڈ) مقرر کی تھی یا نہیں لیکن یزدگرد شہنشاہ عجم کے حالات میں تحریر ہے کہ اس نے خاص اپنے واسطے دیلم کی فوج سے ایک دستہ مقرر کیا تھا جس کی تعداد چار ہزار تھی۔ اور وہ "جند شاہنشاہ" یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ چنانچہ قادسیہ کی لڑائی کے بعد یہ فوج ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی۔ اور سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے اُن کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفے میں آباد کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کر دیں" اور حضرت فاروق اعظم کی فوج میں عجمی۔ رومی۔ یونانی ہندی جاٹ یہودی، مجوسی، داخل تھے گو یہ عام فوج تھی مگر فوج خاصہ کا پہلا عنوان اسی جگہ سے قائم ہوا۔ اور تمام قوموں کے اشخاص فوج میں داخل کیے گئے۔ ملک شاہ کے عہد میں ان سپاہیوں کا نام فوجی اصطلاح میں "مفردان" تھا۔

ہوں، اور اسلحہ سے آراستہ ہوں۔ چنانچہ بیش ڈھال اور پر تلے طلائی ہوں اور ایک تہائی نقرئی اور نیزے بھی اعلےٰ قسم کے ہوں۔ اور پھر ہر پچاس پر ایک افسر مقرر کیا جائے جو اُن کو کام تقسیم کرے اور پیدل بقدر چار ہزار کے ہوں۔ جن کا نام درج رجسٹر ہو۔ اور ہر ہزار کی جماعت ایک جُداگانہ قوم سے ہو جن میں سے ایک ہزار خاص بادشاہ کی خدمت کے لئے رہیں اور بقیہ امیروں، سپہ سالاروں کی ماتحتی میں دے دیئے جائیں تاکہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

(۱۹) فرامین واحکام شاہی کی عظمت

بارگاہ سلطانی سے فرمان بکثرت جاری ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کی کثرت ہوتی ہے، پھر اُس کی عظمت باقی نہیں رہتی ہے۔ اس لئے جب تک کوئی خاص مہم نہ ہو مجلس عالی سے کوئی فرمان قطعاً جاری نہ ہونا چاہیئے اور اشاعت کے بعد اُس کی یہ عزت ہونا چاہیئے کہ جب تک حکم کی تعمیل نہ ہو جائے کوئی شخص اُس کو ہاتھ سے زمین پر نہ رکھ سکے۔

اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص فرمان شاہی کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہے یا اُس کی تعمیل میں لیت و لعل کرتا ہے تو اُس شخص کو پوری سزا دینا چاہیئے اگرچہ وہ بادشاہ کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

بادشاہ اور عوام کے مکتوبات میں جو فرق ہے اس کی نہایت صحیح مثال یہ ہے کہ "ایک عورت نے نیشاپور سے غزنین پہنچ کر سلطان محمود سے فریاد کی کہ تیرے عامل نے میری زمین چھین لی ہے اور اُس پر مالکانہ قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان نے عامل کے نام پروانہ جاری کیا "کہ اس عورت کی زمین واپس کر دے"۔ لیکن عامل نے بجائے تعمیل حکم کے اُس عورت سے حجت کی اور کہا کہ "میں پھر سلطان کو اس زمین کے حالات سے اطلاع دوں گا۔ کیونکہ یہ تیری ملکیت نہیں ہے۔" مجبوراً اس عورت نے پھر سلطان سے جا کر عرض کیا۔ تب سلطان نے ایک غلام کو عامل کی گرفتاری کا حکم نامہ دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو حکم دیا کہ "ایک ہزار ضرب بید کی سزا دی جائے۔" عامل نے بہت کچھ عذر کیا اور اپنے شفیع پیش کئے اور ہر ضرب بید کو ایک دینار نیشاپوری کے عوض خریدنا چاہا۔ مگر سلطان نے ایک ساعت نہ کی۔ سزا کے بعد لوگوں نے عامل کو سمجھایا کہ "اگرچہ زمین تمہاری تھی تاہم

لے فصل ۱۱۔ صفحہ ۷۶۔

سلطان کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ زمین کی سپردگی کے بعد جو صحیح واقعہ تھا وہ عرض کرنا چاہیئے تھا۔ اُس پر حکم عالی صادر ہو جاتا۔ سلطان محمود نے یہ سزا اس لئے دی تھی کہ دو سروں کو عبرت ہو۔ اور آئندہ عُمّال ایسی سرکشی نہ کریں۔

جو کام بادشاہ کا ہے وہ اُس کو خود کرنا چاہیئے، یا حکم دینا چاہیئے۔ مثلاً سزا دینا۔ قتل کرنا وغیرہ اور اگر بغیر حکم بادشاہ کے کوئی شخص اپنے نوکر یا غلام کو بھی سزا دے تو بادشاہ کو چاہیئے کہ اُس کی تنبیہ کرے۔

بہرام چوبیں، خسرو پرویز کا بڑا پیارا وزیر اور سپہ سالار تھا۔ خلوت و جلوت میں ساتھ رہتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عامل ہرات اور سرخس نے تین سو اونٹ (سُرخ بال والے) جن پر بیش قیمت اور روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں لدی ہوئی تھیں نذر کئے۔ پرویز نے سب بہرام کو بخش دیئے۔ تاکہ مصارف باورچی خانے میں وسعت پیدا ہو۔ اُس کے دوسرے دن پرویز کو اطلاع ہوئی کہ بہرام نے کل اپنے غلام کو میں بید لگائے ہیں۔ یہ خبر سُن کر اُسی وقت بہرام کی حاضری کا حکم دیا۔ اور جب وہ سامنے آیا تو سلاح خانے سے پانچ سو تلواریں منگائیں۔ اور بہرام سے کہا کہ ان میں سے جو اعلےٰ درجے کی ہوں وہ علیحدہ کرو۔ بہرام نے ڈیڑھ سو پسند کیں۔ پھر حکم دیا کہ ان کا بھی انتخاب کرو۔ غرضکہ اخیر میں صرف دو تلواریں رہ گئیں۔ تب پرویز نے حکم دیا کہ اب ان کو ایک نیام میں رکھو یہ سُن کر بہرام نے عرض کیا کہ "دو تلواریں ایک نیام میں ٹھیک طور سے نہیں آئیں گی"۔ پرویز نے کہا کہ "پھر دو بادشاہ ایک ملک میں کیوں کر رہ سکتے ہیں؟ چنانچہ بہرام فوراً سمجھ گیا اور خطا کا اقرار کیا۔ پرویز نے کہا کہ "اگر تو میرا خدمت گذار اور آوردہ نہ ہوتا تو میں کبھی معاف نہ کرتا۔ خدائے عزوجل نے زمین کی حکومت صرف مجھ کو مرحمت فرمائی ہے اور میں فیصلے کا مجاز ہوں، آئندہ اگر کسی غلام سے قصور ہو جائے تو اوّل مجھ سے کہو میں اُس کو مناسب سزا دوں گا"۔

اور مقتضائے[1] احتیاط یہ ہے کہ شاہی فرامین صرف وہی شخص لے جائیں جو اس کام کے لئے مقرر ہیں۔ ایسا نہ کریں کہ اپنے نائبوں کو دے دیں۔

---

[1] فصل ۱۵ صفحہ ۸۱۔

(۲۰) بادشاہ کو حکما اور عقلاء سے مشورہ کرنا چاہیئے

جو شخص[1] کامل العقل تجربہ کار، اور اپنی رائے کا مستحکم ہو اُس سے مشورہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ[2] یوں تو ہر شخص میں عقل ہوتی ہے مگر کمی بیشی کا ضرور فرق ہوتا ہے۔ جو شخص عاقل، تجربہ کار ہو وہ عاقل

---

[1] فصل ۱۸، صفحہ ۸۴-۸۵۔

[2] جب انسان مشکلات میں گھر جاتا ہے تو اپنی مدد کے واسطے دوسروں کے خیالات سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور تبادلۂ خیالات کے بعد جو رائے قائم ہوتی ہے اُسی کا نام مشورہ ہے۔ دنیا میں فقیر سے بادشاہ تک کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو کم وبیش مشکلات کا سامنا نہ ہوتا ہو۔ بلکہ بادشاہ تو ہر دم نئی آفتوں میں مبتلا رہتا ہے مذہب اسلام نے اپنے پیغمبر کو "شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" کی اسی وجہ سے ہدایت کردی ہے تاکہ پیغمبر کا فعل اُمت کے واسطے سنت قرار پا جائے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی طرز عمل یہ تھا کہ آپ اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ مشورے کے متعلق متعدد احادیث ہیں مثلاً المشورۃ حصن من الندامۃ وامان من الملامۃ" (۲) المستشیر والمستشار مؤتمن" اسی طرح پر حکما، علماء، صحابہ کرام اور سلاطین وغیرہ کے متعدد اقوال کتب اخلاق میں تحریر ہیں۔ حضرت عمر ابن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ مشاورے اور مناظرے کو باب رحمت اور مفتاح برکت سمجھو۔ ایک حکیم کہتا ہے کہ "من استعان بذوی العقول فاز بدرک المامول"۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کام مشورہ سے کیا جاتا ہے اُس میں ناکامی اتفاقیہ ہوتی ہے اور اگر ہو تو ارشاد نبوی کے مطابق ندامت اور ملامت سے تو بلا شبہ چھٹکارہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ انسان کیسا ہی دانشمند اور فرزانہ کیوں نہ ہو؟ لیکن اُس کی شخصی رائے تمام مشکلات کے اطراف وجوانب کا احاطہ نہیں کرسکتی ہے۔ چنانچہ یورپ میں مجلس شوری عمومی (پارلیمنٹ) ومجلس الاشراف (ہاوس آف لارڈز) ومجلس العموم (ہاوس آف کامنز) کا وجود فقط بادشاہوں کی مشکلات اور مہمات کے آسان کرنے کے واسطے ہوا ہے۔ اور روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ ان مجالس کا فیصلہ ہر پہلو سے مفید، مستحکم اور صحیح ہوتا ہے۔ اور انھیں مشاہدات کا نتیجہ ہے کہ شاہنشاہ ایران نے بھی مجلس شوری قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ اور رعایائے روس بھی انعقاد مجلس کے واسطے بغاوتیں کررہی ہے جو ایک روز کامیاب ہوگی۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

ناآزمودہ کار سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جس کی یہ مثال ہے کہ: ایک شخص نے کسی مرض کا علاج طب کی کتاب میں دیکھا ہے۔ اور دواؤں کے نام سے بھی واقف ہے۔ مگر دوسرے شخص نے علاج کرکے تجربہ حاصل کیا ہے۔ یا ایک سفر کردہ اور تجربہ کار ہے اور دوسرے نے کبھی گھر سے باہر قدم نہیں نکالا ہے۔ اس صورت میں ان دونوں میں بہت فرق ہے۔

عقلا کا قول ہے کہ ایک شخص کی تدبیر ایک مرد کی قوت اور دس کی تدبیر دس مردوں کی قوت کے برابر ہے۔ اور اس پر تو تمام دنیا کا اتفاق ہے۔ کہ انسانوں میں کوئی بھی آنحضرتؐ سے زیادہ صائب الرائے نہیں ہوا۔ لیکن باوجود اس عقل و دانش کے خداوند تعالےٰ نے فرماتا ہے کہ: شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ یا محمّدؐ" جب کہ پیغمبر علیہ السّلام مشورے سے بے نیاز نہ تھے تو پھر بادشاہ کی کیا حقیقت ہے۔ اس لئے بادشاہ جب کوئی کام کرنا چاہے یا کوئی معاملہ پیش آجائے تو اُس کو اپنے کہن سال خیر خواہوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ لیکن عمل اُس رائے پر کیا جائے جو متفق علیہ ہو۔ اور جو لوگ مشورہ نہیں کرتے ہیں اُن کو سمجھنا چاہیے کہ وہ ضعیف الرائے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ خود کام کہلاتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲۵۰۔

بہرام گور نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ ہر معاملے میں عقلا سے مشورہ کرنا کیونکہ جو تدبیر مشورہ سے ہوتی ہے وہ ضرور کامیاب ہوتی ہے اور اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شکاری سے اکثر شکار بچ کر نکل جاتا ہے اور نشانہ خطا کرتا ہے۔ لیکن جب چند شکاری ہوتے ہیں تو اُس کو گھیر کر مار ہی ڈالتے ہیں۔

بادشاہ کو جن لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے اُن کی خواجہ نے صراحت کردی ہے لیکن عام طور سے مشورہ میں اُمور ذیل قابل لحاظ ہیں

(۱) مشیر اپنا سچا دوست ہو۔ اور معاملات میں تجربہ رکھتا ہو۔

(۲) سلیم الفکر ہو۔ اور اُس کو نفس معاملے سے کوئی تعلق نہ ہو۔

(۳) رائے دینے کے وقت اس قدر متوجہ ہو کہ اُس کا ذہن یا خیال کسی اور طرف منتقل نہ ہو۔

(۴) حاسد کاذب معلم، اور جاہل عورتوں سے مشورہ نہ کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حکماء کی رائے کے مطابق محض اپنی رائے پر بھروسہ کرنا داخل ضلالت ہے۔ انتخاب از کتاب ادب الدنیا والدین ابوالحسن بصری و کتاب الذریعہ راغب اصفہانی وغیرہ۔

(۲۱) سفارت

ممالکِ غیر کے سفیر یکایک آجاتے ہیں، اور کسی کو خبر نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ خود بادشاہ اُن کی آمدو رفت کی اطلاع دیتے ہیں۔ بلکہ اس کو بُرا جانتے ہیں۔ اس لئے والیان سرحد کو حکم دیا جائے کہ جب کوئی باہر سے اُن کے علاقے میں داخل ہو تو فوراً بذریعہ خاص سوار کے مفصل حالات سے اطلاع دیں، کہ کون آیا ہے اور کہاں سے آیا ہے، اور آنے کا مقصد کیا ہے؟ سوارو، پیادوں، کی تعداد کس قدر ہے۔ ظاہری شان و شوکت کا کیا حال ہے؛ اور اسی مقام سے سفارت کے ہمراہ اپنا ایک معتمد کردے تاکہ وہ دوسری منزل تک پہنچا دے۔ غرض کہ اسی طرح سے ہر ہر شہرو ناحیہ کے حاکم اپنے معتمد کے ہمراہ سفارت کو دارالسلطنت تک پہنچا دیں۔ راستے میں خاطر و مدارات کی کوئی بات اُٹھا نہ رکھی جائے اور واپسی کے وقت بھی یہی طریقہ برتا جائے۔ کیونکہ سفارت کے ساتھ اچھا یا بُرا جو برتاؤ کیا جاوے گا وہ فی الحقیقت اُس ملک کے بادشاہ کے ساتھ سمجھنا چاہیئے جس کی سفارت ہے۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اُصول رہا ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں کی عزت اور اُن کے سفارت کی قدر کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر لڑائی کے زمانے میں سفیر آیا ہے۔ اور اُس نے اپنی سفارت کا اُسی طرح حق ادا کیا ہے جیسا اُس کو حکم ملا ہے۔ تب بھی اُس کو آزردہ خاطر نہیں کیا ہے۔ کیونکہ سفارت کا آزردہ کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اور خداوند تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ۔

اور یہ بھی سمجھ لو کہ شاہوں میں جو ظاہر طور پر سفیر آیا جایا کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد صرف نامہ و پیام ہی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ درپردہ سیکڑوں راز ہوتے ہیں۔ وہ یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ راستے، گذرگاہیں، گھاٹیاں، نہریں، اور تالاب کس قسم کے ہیں۔ فوج اس طرف سے گذر سکتی ہے یا نہیں۔ چارہ گھاس کہاں مل سکتا ہے اور کہاں نہیں۔ ان مقامات کا حاکم کون ہے اور فوج کی تعداد کس قدر ہے۔ اور دوسرے ساز و سامان کے کیا اندازے ہیں۔ دربار کا کیا ڈھنگ ہے۔ علاوہ اس کے طریقہ نشست و برخاست، سیر و شکار چوگان بازی، اور دیگر آداب سلطنت اور عام اخلاق و

۱؎ فصل ۱۲۔ صفحہ ۸۸ ۲؎ مسئلہ سفارت پر جس قدر خواجہ نے لکھا ہے موجودہ زمانہ کی کوئی سفارت یا کمیشن بھی اس سے زیادہ تحقیقات نہیں کرسکتی ہے۔ البتہ کوئی سفارت بلا اجازت نہیں جاتی ہے۔ اور عہد قدیم میں کسی اطلاع کی ضرورت نہ تھی۔

آداب کا بھی اندازہ کرتے ہیں۔ اور یہ دیکھتے ہیں کہ بادشاہ بوڑھا ہے یا جوان، عالم ہے یا جاہل، ملم رقبۂ حکومت آباد ہے یا ویران، فوج و رعیت اپنے بادشاہ سے رضامند ہے یا ناراض۔ اور ملک کے تمول کی کیا حالت ہے۔ بادشاہ فی نفسہ بیدار ہے یا غافل ہے۔ مزاج میں سخاوت ہے یا بخالت ہے۔ عام رجحان طبعی کا کیا حال ہے یعنی جدوجہد پر مائل ہے، یا ہزلیات کا شیدا ہے۔ عورتوں کی رغبت رکھتا ہے یا غلاموں کا شیدائی ہے۔ اس کے بعد وزیر کو دیکھتے ہیں کہ کس رتبے کا ہے؟ آیا عقل و تدبیر کے ساتھ متدین بھی ہے یا نہیں۔ سپہ سالاران فوج تجربہ کار ہیں یا نوآموز۔ مصاحبین کس رنگ ڈھنگ کے ہیں کس چیز کو دوست رکھتے ہیں اور کس کو دشمن جانتے ہیں۔

نتیجہ اس چھان بین کا یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت میں اُس بادشاہ سے مخالفت ہو جائے یا اُس کے ملک پر قبضہ کرنے کا ارادہ ہو تو آسانی سے کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر میں اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ "سلطان سعید الپ ارسلان حنفی المذہب تھا۔ اور اکثر کہا کرتا تھا۔ کہ کاش! میرا وزیر بھی حنفی المذہب ہوتا۔ کیونکہ شافعی ہونے کی وجہ سے اس میں سیاست و ہیبت نہیں ہے"۔

چونکہ سلطان متعصب تھا اس وجہ سے میں ہمیشہ اُس سے ڈرا کرتا تھا۔ حسنِ اتفاق سے سلطان کو شمس الملک نصر بن ابراہیم (خان سمرقند) کی سرکشی کی وجہ سے ماوراء النہر کا سفر در پیش آیا۔ اور سلطان نے سفارت روانہ کی۔ چنانچہ میں نے بھی اپنی جانب سے دانشمند اشتر کو سفیر کے ساتھ کر دیا تاکہ جو واقعات پیش آئیں وہ براہِ راست مجھے معلوم ہو جائیں، چنانچہ واپسی سفارت پر شمس الملک نے اپنا سفیر سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ چونکہ یہ بھی آئین سفارت میں داخل ہے کہ سفیر وزراء سے ملاقات کر کے عرض مطلب کرتے ہیں۔ تاکہ وزیر کے ذریعہ سے بادشاہ تک حالات پہنچ جائیں۔ اور رخصت کے وقت بھی مل کر جاتے ہیں۔ چنانچہ شمس الملک کا سفیر بھی مجھ سے ملنے آیا۔ میں اُس وقت جلسۂ احباب میں بیٹھا شطرنج کھیل رہا تھا۔ اور ایک بازی میں انگوٹھی جیت چکا تھا۔ مگر یہ انگوٹھی بائیں ہاتھ کی اُنگلی میں ڈھیلی ہوتی تھی اس لئے میں نے داہنے ہاتھ میں پہن لی تھی۔ جب اطلاع ہوئی کہ سفیر دروازے پر پہنچ گیا ہے اس وقت بساط اُلٹ دی گئی۔ اور سفیر بلالیا گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں چونکہ میں اُس انگوٹھی کو اُنگلی کے چاروں طرف گھما رہا تھا۔ سفیر نے بھی اُس کو دیکھا تھا۔ غرضکہ وقت خاص کا یہ معاملہ تھا۔ سفیر رخصت ہو کر چلا گیا۔

اور سلطان نے دوبارہ اپنا سفیر بجواب سفارت شمس الملک سمرقند روانہ کیا۔ اس مرتبہ بھی میں نے دانشمند اشتر کو ساتھ کر دیا تھا۔ اور یہ دونوں شمس الملک کے روبرو دربار عام میں پیش ہوئے اُس وقت خان نے اپنے سفیر سے پوچھا کہ "سلطان کو عقل و تدبیر میں کیسا پایا، فوج کس قدر ہے۔ اور دیوان و دفتر کی ترتیب کا کیا حال ہے؟" سفیر نے ہر چیز کی مدح کر کے کہا کہ "میں نے صرف ایک عیب پایا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو کسی کو مجال سرکشی نہ ہوتی، خان نے پوچھا وہ کیا ہے؟ سفیر نے کہا کہ وزیر شیعی مذہب ہے۔ کیونکہ وقت ملاقات کے میں نے دیکھا کہ وہ انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہنے ہوئے تھا اور اُس کو گھمارہا تھا اور مجھ سے باتیں کرتا جاتا تھا۔ جب اس واقعہ کی مجھے اطلاع ہوئی تو نہایت صدمہ ہوا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ میرا شافعی المذہب ہونا ہی سلطان کو ناگوار ہے۔ اگر کہیں اُس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں شیعہ ہوں تو پھر وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ اس لئے میں نے تیس ہزار دینار صرف کئے اور ہمیشہ کے لئے کچھ لوگوں کا وظیفہ مقرر کر دیا کہ اس واقعہ کی سلطان تک اطلاع نہ ہو۔"

نتیجہ اس حکایت کا یہ ہے کہ سفیر اکثر عیب جو ہوا کرتے ہیں۔ اور اُن کی نظر عیب و ہنر پر یکساں پڑتی ہے جو بادشاہ عاقل ہیں وہ اس قسم کی نکتہ چینیوں سے اپنے اخلاق درست کر لیتے ہیں اور مہذب ہو جاتے ہیں۔

سفیر ایسا شخص ہونا چاہیئے جس کو بادشاہوں کی صحبت میسر ہوئی ہو اور ادائے مطلب میں نہ تو قاصر ہو اور نہ فضول گو ہو۔ کمال علمی کے ساتھ سفیر کا تجربہ کار۔ اور وجاہت ظاہری سے آراستہ ہو۔ دیرینہ سال عالم کو دوسروں پر شرف ہے۔

اگر بادشاہ اپنے کسی مصاحب کو سفارت پر روانہ کرے تو زیادہ اعتبار کے قابل ہے۔ اگر سفیر نوجوان اور فوجی تجربہ کار ہو تو زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اس ایک شخص سے ہم سب کا اندازہ ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سفیر بادشاہ کی عقل و سیرت کا آئینہ ہوتا ہے۔

ایسے موقعوں پر جب کسی ملک سے سفیر آئے (کم از کم)، بیس غلاموں کو بیش قیمت لباس اور مرصع اسلحہ سے آراستہ کر کے تخت کے گرد کھڑا کرنا چاہیئے۔

برداشت خانوں میں چارہ جمع کرنا

حالت[1] سفر میں جس منزل پر بادشاہ کا قیام ہونے والا ہے وہاں پہلے سے چارہ گھاس نہیں مل سکتا۔ اور ایک دن کے چارہ گھاس کے لئے بڑی کوشش کرنا پڑے گی۔ لہٰذا جن رستوں سے آئندہ گذرنا ہو یا جن پڑاؤ میں ٹھہرنا ہو وہاں اس کا خاص انتظام پہلے سے کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس نقص سے اصل مہم میں ناکامی نہ اٹھانا پڑے۔ اور اگر یہ ذخیرے کام نہ آویں تو بعد کو فروخت کرکے اس کی قیمت مثل دیگر محاصل کے داخل خزانہ سرکاری کردی جائے! اس انتظام سے قطع نظر سہولت کے رعایا کو بھی آرام ملتا ہے۔

(۲۳) قاعدہ تقسیم تنخواہ فوج

تمام[3] فوج کی تنخواہ نقد ادا کردی جائے جو جاگیردار ہیں اُن کو بھی فوج کے اندازے پر حساب کرکے نقد دیدیا جائے۔ اور یہ حکم کبھی نہ دیا جائے کہ خزانے سے اس قدر روپیہ برآمد کرلو۔ بہتر یہ ہے کہ تنخواہ بادشاہ اپنے ہاتھ سے تقسیم کرے تاکہ دل میں بادشاہ کی محبت پیدا ہوجائے اور وقت پر وہ اچھی طرح سے کام کریں۔

---

[1] فصل ۲۰ صفحہ ۸۶۔

[2] ملک شاہ نے تمام ممالک محروسہ کا پانچ مرتبہ دورہ کیا تھا۔ اور بڑی شان وشوکت سے گھر سے نکلتا تھا لہٰذا ان احکامات کا جاری کرنا ضروری تھا۔ مگر اس زمانے میں نہ بادشاہوں کو فوج وحشم کے ساتھ طولانی سفر کرنے کی ضرورت باقی ہے۔ اور نہ وہ اپنی مجبوریوں سے دارالسلطنت سے باہر جاتے ہیں۔ اُن کی سب سے بڑی جولاں گاہ چند منزل کی شکارگاہ ہوتی ہے۔ اور اس کے واسطے تمام سامان دارالحکومت سے روانہ ہوتا ہے۔ البتہ فوجوں کے کوچ ومقام پر رسدرسانی کا انتظام نہایت وسیع پیمانے پر ہوتا ہے ہر پڑاؤ پر وہی بندوبست کیا جاتا ہے جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہے۔ اور تحصیلداروں کے فرائض میں یہ اہم خدمت ہے۔ البتہ جو دشواریاں اس انتظام میں تحصیلداروں کو پیش آتی ہیں۔ اُس پر ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

[3] فصل ۲۳ صفحہ ۹۱۔

قدیم بادشاہوں کا دستور تھا کہ سپاہیوں کو تنخواہ کے عوض میں جاگیر نہیں دیا کرتے تھے بلکہ سال میں چار مرتبہ اُن کی تنخواہیں خزانے سے دی جاتی تھیں۔ جس سے وہ اپنی حالت کو درست رکھتے تھے۔ ملکی حکام ہر قسم کی آمدنی خزانے میں داخل کیا کرتے تھے اور تین مہینے کے بعد اُن کی تنخواہ دی جاتی تھی۔ دفتر کی اصطلاح میں اس کو بیشیہ گانی کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ محمود غزنوی کے خاندان میں اب تک جاری ہے۔ اور جاگیرداروں کو ہدایت کی جائے کہ اگر ایک گھوڑا مر جائے یا کہیں غائب ہو جائے تو اُس کی اطلاع کیا کریں۔ اور ہر مہم میں اُن کو مدد کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی گریز کرے تو تنبیہ کے ساتھ اُن سے تاوان وصول کر لیا جائے۔

(۲۴) فوج بھرتی کرنے کا قاعدہ

فوج میں جب ایک جنس کے سپاہی ہوں گے تو اُن میں خطرے کا احتمال ہے اور اُن سے جانفشانی بھی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے فوج میں ہر جنس کے سپاہی یعنی دیلمی، خراسانی، گرجی وغیرہ۔ نا چاہیے۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں ترکی، خراسانی، عربی، ہندی، دیلمی۔ غوری سپاہی بھرتی تھے۔ اور سفر کی حالت میں مختلف ممالک کے سپاہیوں کا پہرہ رہتا تھا۔ جس کا [illegible] تھا کہ ہر گروہ

ؔ خواجہ نظام الملک نے بعد تحریر اس قانون کے یہ قاعدہ توڑ دیا تھا۔ اور سپاہیوں کو بجائے نقد تنخواہ کے جاگیریں دیدی گئی تھیں۔ یہ بحث خواجہ کے اولیات میں لکھدی گئی ہے۔

ؔ فصل ۲۴ صفحہ ۹۲۔ ؔ مختلف اقوام سے فوج بھرتی کرنے کا اُصول نہایت مفید ہے لہٰذا اس میں متعدد ملکی حکمت عملیاں ہیں جس کی صراحت کا یہ موقعہ نہیں ہے لیکن شاہان اسلام اس اصول پر صدیوں سے عملدرآمد کرتے چلے آتے ہیں۔ چنانچہ ۴۳۱ھ میں مسعود غزنوی نے سلجوقیہ کے مقابلے میں جو فوج بھیجی تھی اُس میں ہندوستان کی ایک پلٹن موجود تھی جس کا نامور سپہ سالار بے سنگھ تھا۔ اس کے بعد مؤرخ نے یہ رائے لکھی ہے "ازیں روایت نیکو پیداست کہ دریں عہد سلاطین اسلامیہ افواج جنگی را از طبقہ ہندوان نگاہ داشتن آغاز کردہ بودند، و ہندوان در عبور کردن رود سندہ از برائے جنگیدن از طرف شاہان مظفر اسلامیہ باک نمی داشتند" کتاب آثار الاول میں ایک پورا باب ان قوموں کے افعال و عادات اور خواص میں موجود ہے جن کو فوج میں بھرتی کرنا چاہیے۔ یورپ اور ہندوستان میں اسی اُصول کی پابندی کی جاتی ہے۔ الفاروق شبلی نعمانی بحوالہ فتوح البلدان سیاست نامہ تاریخ ہندوستان مصنفہ جان اسی ایتمن ترجمہ فارسی مولوی عبدالرحیم مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۱۸۹۔

دوسرے سے جوڑتا تھا۔ اور جس کی نوکری جس جگہ ہوتی تھی وہ صبح تک اسی مقام پر رہتا تھا۔ اور جب دن کو کوئی لڑائی ہوتی تھی تو ہر ملک کا سپاہی اپنی تعریف کے خیال اور بدنامی کے ڈر سے جان لڑا دیتا تھا۔ تاکہ کسی فریق کے مقابلے میں غفلت و سستی کا الزام عائد نہ ہو۔

جب فوج میں اُصول سے کام لیا جائے گا تو یقین ہے کہ ہر سپاہی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھکر قدم پیچھے نہ ہٹائے گا، تاوقتیکہ وہ اپنے دشمن کو شکست نہ دیدے۔

اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب فوج ایک دو مرتبہ نمایاں فتح حاصل کر لیتی ہے تو اُس فوج کے ایک سو سوار اپنے مقابلے میں ایک ہزار کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہیں۔ اور دشمن کو بھی یکا یک ایسے فتح یاب لشکر کے مقابلے کی جرأت نہیں پڑتی ہے۔

شیوخ عرب، سرواران کرد، دیلمی، رومی اور ایسے اشخاص جنھوں نے حال میں اطاعت کا حلف اُٹھایا ہو۔ اُن کو حکم دینا چاہیے کہ وہ اپنے لڑکوں اور بھائیوں کو (بطور اُول) کے حاضر دربار رکھا کریں اور ایک سال کے بعد یہ رخصت کر دیئے جائیں۔ لیکن جب تک اپنے قائم مقاموں کو حاضر نہ کریں۔ ہرگز نہ جانے پائیں۔ اس اُصول کی پابندی سے بغاوت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہر قبیلے کے سردار موجود ملیں گے۔ یہ جماعت پانچ سو آدمیوں سے کم نہ ہونا چاہیے۔

(۲۵) خدمت گار اور غلاموں سے کام لینے کا طریقہ

ہر وقت اور بلا ضرورت نوکروں کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے، کیونکہ کسی وقت اگر سب کے سب غائب ہو جاتے ہیں تو تھوڑی دیر بعد پھر آ جاتے ہیں۔ ایک بار کام بگاڑیں تو دوسری مرتبہ اچھی طرح سمجھا دینا چاہیے۔ تاکہ بار بار کہنا نہ پڑے۔ اور جو غلام، امیر حاجب، وغیرہ کی ماتحتی میں ہوں۔ اُن کے افسروں کو حکم دیا جائے کہ ہر روز اس قدر غلام کار خدمت کے لئے بھیجے جائیں۔

زمانہ سابق میں جس دن غلام خرید ہو کر آتا تھا۔ اُس دن سے بڑھاپے تک ہر روز اُس کی تعلیم و تربیت کی جاتی تھی۔ اور بہ لحاظ تعلیم و تربیت اُن کے درجے مقرر ہوتے تھے۔ مگر ہمارے زمانے میں اُن قاعدوں کی پابندی نہیں ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مختصراً بیان کرتا ہوں۔

---

[1] فصل ۲۵ صفحہ ۹۳ [2] فصل ۲۷، صفحہ ۹۴۔ نہایت ۱۰۸۔

سامانیوں میں یہ قاعدہ جاری تھا کہ آہستہ آہستہ خدمات اور شائستگی کے لحاظ سے غلاموں کا درجہ بڑھاتے تھے۔ چنانچہ جو غلام نیا خرید کیا جاتا تھا وہ ایک سال پیادہ رکھا جاتا تھا اور سواری کے ہمراہ زندنیچی[1] پہن کر چلتا تھا۔ اور اُن کو سخت تاکید تھی کہ چوری چھپے سے بھی ایک سال تک گھوڑے پر سوار نہ ہو۔ اور بحالت خلاف ورزی اُن کو سزا دی جاتی تھی۔ ایک سال کے بعد وثاق باشی کی تحریر پر حاجب، سواری کے لئے ترکی گھوڑا دیتا تھا۔ مگر لگام اور دوال سادہ ہوتی تھی۔ پھر ایک سال بعد قراچوری[2] دی جاتی تھی کہ وہ کمر میں باندھیں۔ اور پانچویں سال عمدہ زین و لگام، وقبائے[3] داراتی اور آہنی گرز دیا جاتا تھا۔ چھٹے سال جامۂ[4] عنوان ملتا تھا۔ اور ساتویں سال خیمۂ یکسری (جس کی طنابیں سولہ میخوں میں کھینچی جاتی تھیں)، اور تین غلام اُس کو اور دیئے جاتے تھے۔ اور لقب وثاق باشی ہوتا تھا۔ نمد سیاہ کی ٹوپی ہوتی تھی جس پر ہلکی سنہری تحریر کردی جاتی تھی۔ اور قبائے گنجہ کا لباس ہوتا تھا۔ غرضکہ اسی طرح ہر سال درجہ بڑھتے بڑھتے خیل باشی سے حاجب کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔

اگر ہر موقعہ پر اس کے ہاتھ سے بڑے بڑے کام ہوتے اور وہ اپنی شائستگی اور قابلیت کے جوہر دکھاتا تب کہیں پینتیس برس کی عمر میں امارت اور حکومت کا اعزاز بخشا جاتا تھا۔

الپتگین[5] نے جو خاندان سامانیہ کا پروردہ تھا اسی عمر میں خراسان کی سپہ سالاری پائی تھی

---

[1] زندنیچی، سوزن کار سفید موٹا کپڑا۔ [2] قراچوری۔ لانبی تلوار، داشائی۔ [3] ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔ [4] جامۂ عنوان اس اصطلاح کے معنے لغت میں نہیں ملے۔ ۱۲

[5] امیر احمد بن اسمٰعیل سامانی کا پروردہ اور جاں نثار غلام تھا اور ترکی نسل سے تھا۔ جو طریقہ اس عہد میں غلاموں کی تعلیم اور تربیت کا تھا۔ الپتگین اُس کا پورا نمونہ تھا۔ خراسان میں اُس کی گورنری کا زمانہ یادگار ہے۔ سبکتگین (ترکی لفظ ہے "دو سبز تپے" اس کا ترجمہ ہے) کو اسی جگہ خرید کیا تھا۔ اور اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ایک دن تین غلام بکنے کو آئے۔ الپتگین نے سب کو خرید کرلیا۔ ان میں سب سے ممتاز سبکتگین تھا۔ چنانچہ تیسرے دن حاجب نے اطلاع کی کہ ایک وثاق باشی مرگیا ہے۔ اُس وقت سبکتگین سامنے تھا۔ الپتگین نے کہا کہ اسی کو مقرر کردو۔ حاجب نے عرض کیا کہ یہ خدمت قبل از وقت ہے۔ الپتگین نے کہا کہ میں نے حکم دیدیا ہے اور اُس نے سُن لیا ہے اب میں اس عطیہ کو واپس لینا نہیں چاہتا ہوں۔ غرضکہ اٹھارہ برس تک سبکتگین معزز درجوں پر مقرر ہوتا رہا اور ہر خدمت پر اعلیٰ درجے (باقی در صفحۂ آئندہ)

مقلا کا قول ہے کہ لائق خدمت گار اور شائستہ غلام بیٹے سے کہیں بڑھ کر ہے ۔ اور خدا نہ کرے کہ اچھے نوکر اور تعلیم یافتہ غلام ہاتھ سے نکل جائیں جیسا کسی شاعر کا قول ہے ؂

یک بندہ مطاوع بہ از صد فرزند　　　کیں مرگ پدر خواہد و آں عمر خداوند

غلاموں کی نگرانی اس امر میں بھی کی جائے کہ وہ بغیر حکم شاہی ، اور وہ بھی بحالت خاص ضرورت ، کسی مہم پر روانہ کئے جائیں کیونکہ اُن کی ذات سے رعایا کو سخت تکلیف پہنچی ہے ۔ اگر کسی سے دو سو دینار وصول کرنے کا حکم ہے تو یہ پانسو وصول کراتے ہیں ۔ (فصل ۱۲ صفحہ ۶۸)

بقیہ صفحہ ۲۵۸ ۔ کی کارگزاری دکھائی ۔ اور الپتگین کی موت تک ساتھ رہا ۔ ۳۵۰ھ / ۹۶۱ء میں جب امیر عبدالملک سامانی چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر مر گیا ۔ اُس وقت الپتگین نیشاپور میں تھا ۔ اُمرائے دارالسلطنت نے قاصد بھیج کر الپتگین سے مشورہ کیا کہ آپ کی رائے میں کس کو بادشاہ مقرر کیا جائے ۔ الپتگین نے دو رائیں دیں ۔ قاصد ہنوز واپس نہیں آیا تھا کہ اُمرائے منصور برادر عبدالملک کو تخت نشین کر دیا ۔ چونکہ منصور کا انتخاب الپتگین کے خلاف تھا اس وجہ سے اُمرائے دربار نے بادشاہ کو الپتگین سے ناراض کر دیا ۔ جب یہ خبریں خراسان تک پہنچیں تو اندرا و دور اندیشی الپتگین نے خراسان چھوڑ دیا ۔ اور ہندوستان کو غزوات کے ارادے سے روانہ ہوا ۔ لیکن چونکہ غزنیں الپتگین کا مولد اور منشار تھا اس وجہ سے اسی کو دارالحکومت بنایا ۔ اس وقت غزنیں ایک معمولی گاؤں تھا ۔ یہاں تک پہنچنے میں منصور کی طرف سے سخت رکاوٹیں پیدا کی گئیں اور لڑائیاں ہوئیں مگر آخر کو الپتگین کامیاب ہوا ۔ اور ساٹھ برس اپنے آقاؤں کی خدمت کر کے نانداز اسّی برس کا ہو کر ۳۵۲ھ / ۹۶۳ء میں فوت ہوا ۔ آل سامان کا یہ وفادار ، صادق القول ، شجاع ، مدبر ، فیاض ، خدا ترس ، اور خدمت گذار غلام تھا ۔ خود مختار ہو کر صرف تیرہ برس زندہ رہا ۔ چنانچہ غزنیں میں سلطنت کی نبیاد اس کی ذات سے پڑی ۔ مورخوں کا بیان ہے کہ تین ہزار تواعد داں غلام خراسان سے الپتگین کے ہمراہ چلے آئے تھے ۔ اول انھیں کی ذات سے غزنیں کی آبادی ہوئی ۔ اس کے بعد افغانی جرگے فوج میں بھرتی کئے گئے ۔ اُس کے انتقال پر ابواسحاق اس کا بیٹا تخت نشین ہوا ۔ لیکن یہ کمزور ، ناتوان ، اور عیاش شاہزادہ ۳۵۵ھ / ۹۶۶ء میں فوت ہو گیا اور مُلک نے سبکتگین کو اُس کا جانشین بنا دیا ۔ چنانچہ اسی نامور کا بیٹا محمود غزنوی ہے جو شاہان غزنیں میں سب سے نامور شہنشاہ تسلیم ہوا ہے ۔ سچ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم و تربیت نے اپنے عہد میں جس شان و شکوہ کے غلام تیار کئے اور جس زور کی انھوں نے حکومت کی ہے اُس کی نظیر آج آزاد بادشاہوں میں بھی نہیں مل سکتی ہے ۔ "انتخاب از تاریخ نامۂ خسروان ، ملکم ، الفنسٹن ، سیاست نامہ"۔

(۲۶) دربار

دربارِ عام دربار[1] کی ترتیب اس طرح پر کی جائے کہ اول بادشاہ کے عزیز و اقارب آئیں اُس کے بعد مُلک کے معزز سردار ارکانِ فوج۔ پھر دیگر اشخاص، اور جب تمام گروہوں کا داخلہ ایک ہی مرتبہ ہو، تو وضیع و شریف کا امتیاز کرلینا چاہیے۔ جب دربار شروع ہو تو پردہ اُٹھا دیا جائے۔ اور حاجب کی روک ٹوک نہ رہے، کیونکہ یہی شناخت دربارِ عام کی ہے۔ اور اس علامت کا ہونا ضرور ہے کیونکہ امرار کو بغیر شرفِ مُلاقات بادشاہ واپس جانا نہایت گراں گذرتا ہے۔ اور دربار میں پہنچ کر شرفِ حضوری حاصل نہ ہو اس سے بھی بادشاہ پر بدگمانیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور بہت سے جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور درباروں کے کم ہونے سے لوگوں کے کاروبار بند ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بادشاہ کو اکثر دربار منعقد کرنا چاہیے ہفتے میں ایک دو روز عام جلسہ ہونا چاہیے اور داخلے میں کسی کی روک ٹوک نہ کی جائے۔ جس دن دربار میں خواص کے جانے کا دن ہو اُس دن عوام نہ جائیں۔ مگر دونوں کو ایسی تاریخوں سے اطلاع ہونی چاہیے۔ تاکہ یہ نوبت نہ ہو کہ ایک بُلایا جائے اور دو سرا نکالا جائے۔ اور آنے والوں کے ہمراہ ایک غلام سے زیادہ نہ ہو۔

دربارِ خاص عیش[2] و طرب کی مجلس میں یہ نہایت ناپسندیدہ ہے کہ آنے والے جام و صراحی اور ساقی لے کر حاضر ہوں۔ کیونکہ یہ رسم قدیم سے چلی آتی ہے کہ تمام خورد و نوش کا سامان اُمرا بادشاہ کے گھر سے اپنے گھر لے جاتے ہیں نہ برعکس اس کے۔ کیونکہ بادشاہ اور رعایا میں آقا اور غلام کی نسبت ہے۔

اس مجلس کے ارکان صرف ندیم ہونا چاہئیں۔ مگر جیسا کہ میں اول بیان کرچکا ہوں، غلام، اور سپہ سالاران فوج یا معزز طبقہ کے لوگ اس زمرہ میں داخل نہ کئے جائیں۔

بادشاہ کے حضور میں بیٹھنے اور کھڑے ہونے دونوں کی جگہیں مقرر ہیں۔ لہذا اس میں بھی پہلی ترتیب کا خیال رکھنا چاہئے اور تخت کے گرد معزز طبقہ کے ارکان کھڑے ہوں۔ اگر ان میں کوئی اور شامل ہو جائے تو حاجب کو چاہیے کہ علیحدہ کردے اسی طرح ہر درجے میں نظر رکھنا چاہیے۔

---

[1] فصل ۲۸ و ۲۹ ۔ صفحہ ۱۰۹۔ [2] فصل ۳۰ صفحہ ۱۱۱۔

تاکہ کوئی نااہل شریک[۱] نہ ہو جائے۔

(۲۷) اہلِ فوج کی حاجتیں

تمام سپاہیوں[۲] کی عرض داشتیں اور اُن کی خواہشات کی اطلاع افسروں کے ذریعے سے بادشاہ تک ہونا چاہیے تاکہ جو نیکی ہو وہ اُن کے ہاتھ سے ہو۔ اس کارروائی سے فوجی سرداروں کی عزت بڑھ جاتی ہے۔ اگر کوئی سپاہی اپنے افسر سے بدزبانی کرے تو اُس کو سزا دی جائے۔ تاکہ چھوٹے بڑے کا فرق معلوم ہوتا رہے۔

(۲۸) صاحبانِ جاگیر و منصب

جن[۳] امیروں کو بڑی بڑی جاگیریں اور منصب دیئے جائیں اُن کو یہ بھی تاکید کی جائے کہ اعلیٰ درجے کا فوجی سامان رکھیں۔ اور غلاموں کو خریدکریں، کیونکہ اُن کی شان وشوکت کا یہی ذریعہ ہیں۔ اور محض اپنے مکان کی آرائش سے اُن کی زینت نہیں ہو سکتی ہے۔ جس جاگیردار کو پہلی بات کا خیال ہوگا اُس کا قرب واختصاص بادشاہ سے اپنے ہم چشموں کے مقابلے میں بڑھتا جائے گا۔

(۲۹) اُن لوگوں کے قصور کی سزا جن کو سلطنت نے درجۂ ادنیٰ سے اعلیٰ پر پہنچایا ہے

جن[۴] لوگوں کو خود ہی بادشاہ درجۂ ادنیٰ سے اعلیٰ پر پہنچاتا ہے۔ اُن کی تربیت میں ایک زمانۂ دراز صرف ہوتا ہے۔ جب ایسے لوگوں سے کوئی قصور ہو جائے تو علانیہ عتاب کرنے سے اُن کی آبروریزی ہوتی ہے اور پھر بہت کچھ عزت افزائی سے بھی وہ اپنے اصلی درجے پر نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ اس لیے انسب طریقہ یہ ہے کہ اُن کی خطاؤں پر اول چشم پوشی کی جائے اور بُلاکر بٹھا دیا جائے کہ سوچو! تم نے یہ حرکت نہایت ناشائستہ کی ہے چونکہ ہم اپنے پروردہ کو ذلیل نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے درگذر کی جاتی ہے۔ مگر خبردار اب آئندہ ایسا نہ ہو۔ ورنہ تم اپنے درجے سے نیچے اُتار دیے جاؤ گے۔ اور اس میں ہماری

۱؎ زمانہ حال میں دربارداری کے جو قواعد ہیں وہ عہد قدیم سے بالکل جداگانہ ہیں اور ان آداب سے قریباً ہر تعلیم یافتہ واقف ہے لہٰذا کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۲؎ فصل ۳۱ صفحہ ۱۱۱۔ ۳؎ فصل ۳۳ صفحہ ۱۱۲۔ ۴؎ فصل ۳۳ صفحہ ۱۱۲۔

طرف سے کوئی قصور نہ ہوگا بلکہ وہ تمھارے ہی کرتوتوں کی سزا ہوگی۔ امیرالمومنین حضرت[1] علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ جاں باز اور بہادر کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو غصے کی حالت میں اپنے تئیں سنبھالے اور ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس کے بعد پشیمانی اُٹھانا پڑے۔

انسان کی عقل کا منتہا یہ ہے کہ اول تو غصہ نہ آئے۔ اور اگر آجائے تو پھر عقل پر غالب نہ ہونے پائے۔ کیونکہ جب خواہشات نفسانی کا عقل پر غلبہ ہوتا ہے تو آنکھوں پر پردے پڑجاتے ہیں۔ اور اُس سے دیوانوں کے سے افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے سمجھدار آدمیوں کو ایسی حالت سے بچنا چاہیئے۔

(۱) روایت ہے کہ حضرت امام حسین[2] رضی اللہ عنہ معزز لوگوں کے ہمراہ خاصہ نوش فرمارہے تھے۔

---

[1] امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہاشم کے پوتے اور ابوطالب کے نامور بیٹے ہیں، آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا (بنت اسد بن ہاشم) اور ہاشمیوں میں سے سب سے پہلے ہاشمی حضرت علی ہیں۔ فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی اور داماد ہیں اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا آپ ہی کی ذات پاک کی تفسیر ہے۔ خلافت کے دنیاوی انتظام میں اگرچہ آپ کا چوتھا درجہ ہے۔ مگر سلسلۂ امامت میں آپ رکن اول ہیں۔ عام الفیل کے تیسویں برس تیرھویں رجب کو بمقام مکۂ معظمہ آپ کی ولادت ہوئی اور ۳۵ھ میں مسند خلافت پر جلوہ فرما ہوئے۔ آپ کے عہد کے اہم واقعات میں سے جنگ جمل اور جنگ صفین ہے۔ اور مسلمانوں کی بدنصیبی سے یہ پہلی نزاع تھی جو خانۂ اسلام میں پیدا ہوئی۔ اگرچہ ملکی فتوحات میں اضافہ نہ ہوا مگر روحانی فتوحات میں بڑی ترقی ہوئی۔ شجاعت، ہمت، فیاضی، اور صاف دلی میں آپ کی ذات عدیم المثال ہے۔ جنوری ۶۶۱ء ۴۰ھ میں بمقام کوفہ ۱۷ رمضان المبارک یوم جمعہ جبکہ آپ نماز صبح کے واسطے مسجد جارہے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے زخمی کیا۔ اور اسی صدمہ سے شب یکشنبہ میں بتاریخ ۱۹ رمضان المبارک سفر آخرت قبول فرمایا۔ اور نجف اشرف میں دفن ہوئے جو مسلمانوں کا مرجع و مآب ہے تاریخ وفات میں یہ شعر مشہور ہے ؎

ابن ملجم سر علی چو برید — سال فوتش ازاں عیاں گردید

از اتحاف و معارف ابن قتیبہ و سیوطی والتوفیقات الالہامیہ۔

[2] امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ کے تیرہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں تھیں مگر حضرت امام حسین اولاد اکبر اور حضرت امام حسین

اور نہایت بیش قیمت لباس پہنے ہوئے تھے۔ اور علاوہ بھی بہت موزوں اور خوبصورت بند حا تھا کہ پیچھے سے غلام نے ایک کھانے کا پیالہ اُٹھا کر سامنے رکھنا چاہا مگر اُس کے ہاتھ سے یکایک پیالہ چھوٹ

بقیہ صفحہ ۲۶۲ = فرزند ثانی سب سے مشہور تر ہیں۔ ۵ شعبان ۴ھ میں بمقام مدینہ منورہ آپ کی ولادت ہوئی۔ امیر معاویہ کے انتقال پر اس کے بیٹے یزید سے خلافت پر نزاع پیدا ہوئی جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ بمقام کربلا (واقع عراق ناحیہ کوفہ) بروز جمعہ ۱۰ محرم ۶۱ھ مطابق یکم اکتوبر ۶۸۰ء میں آپ مع کثیر رفقا اور عزیزوں کے شہید ہوئے۔ شہادت سے تھوڑی دیر قبل آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جنگ میں تشریف لائے ۔

انا ابن علی الحبر من آل ہاشم   کفانی بھذا مفخرا حین افخر
وجدی رسول اللہ اکرم من مشیٰ   ونحن سراج اللہ فی الارض نزہر
وفاطمۃ امی سلالۃ احمد   وعمی یدعی ذا الجناحین جعفر
وفینا کتاب اللہ ینزل صادقاً   وفینا الھدی والوحی والخیر یذکر

اس دردانگیز واقعہ پر علاوہ مورخین کے عرب، عجم، روم، شام اور ہند کے شعرا نے جس قدر مرثیے لکھے ہیں اُس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے اور میر انیس اور مرزا دبیر مرحوم نے جس قدر لکھا ہے وہ عام طور سے مشہور ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت ناصر الدین مرحوم شاہ ایران نے اپنے شاہنشاہ کے غم میں چند اشعار لکھے ہیں اُس کے لکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہے۔

خنجر شمر بخون شہ خوباں تشنہ   خنجر شہ ہمہ خنجر بُراں تشنہ
من چو خضرم وفراتست اگر آب حیات   خضر کے ماندہ بسر چشمۂ حیواں تشنہ
آہ ازاں لحظہ کہ اصغر بسر دوش پدر   داد غنچہ ہمہ غنچۂ پیکاں تشنہ
کودکانم کہ ہمہ شہد و شکر می خوردند   حال طوطی صفتند در شکرستاں تشنہ
گفت شاہ شہدا با پسر سعد لعیں   آب در کوزہ رواداری و مہماں تشنہ
مہر زہرا بود ایں آب و ہمہ اولادش   کشتہ گشتند و فتادند بمیداں تشنہ
دیو و دد جملہ ازیں آب ہمہ سیراب اند   کس ندیدست لب آب سلیماں تشنہ
گبر و ترسا و نصاریٰ ہمہ زیں آب خورند   بلب نہر مگر گوشۂ عمراں تشنہ
اکبرم کشتہ شد از تیغ شما در میداں   رفت در خلد بریں شاہ جواناں تشنہ
دستہا از تن عباس فگندند بخاک   کس ندیدست کہ سقا سپرد جاں تشنہ

ناصرا ہر آب خوری یاد کن از شاہ شہید
زانکہ خود کشتۂ شہنشاہ شہیداں تشنہ

گیا۔ جس سے تمام چہرہ اور سر مبارک آلودہ ہو گیا بمقتضائے بشریت آپ کو غصہ آیا اور چہرہ سرخ ہو گیا اور اسی حالت میں غلام کی طرف دیکھا وہ کانپ کر فوراً بول اُٹھا کہ اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ؕ خدا کا حکم سنتے ہی آپ کا غصہ جاتا رہا اور چہرہ سے فرحت اور مسرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اور غلام سے فرمایا کہ جا میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ اب تو ہمیشہ کے واسطے میرے غصے اور تنبیہ سے بے خوف رہے گا۔

(۳) امیر[۱] معاویہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ انتہا درجے کے حلیم تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ دربار عام میں ایک نوجوان شکستہ حال آیا اور سلام کر کے گستاخانہ امیر کے سامنے ہو بیٹھا اور اس طرح گفتگو کرنے لگا۔

نوجوان:۔ امیر المومنین ایک نہایت مشکل کام لے کر آیا ہوں اگر آپ اُس کے ایفا کا وعدہ کریں تو عرض کروں۔

امیر معاویہ:۔ ہاں! تم اپنی حاجت بیان کرو جہاں تک ممکن ہوگا اُس کے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔

نوجوان:۔ میں ایک مفلس آدمی ہوں۔ اور میری بی بی نہیں ہے۔ اور آپ کی والدہ بیوہ ہیں۔ اگر آپ اُن کا عقد مجھ سے کر دیں تو میں بی بی والا ہو جاؤں اور وہ شوہر والی۔ اور آپ داخل ثواب ہوں گے۔

اور ایک دو جملے ایسے کہے جن کے لکھنے کے لئے تہذیب مانع ہے۔ مگر امیر کے مزاج میں کسی طرح کا

---

[۱] معاویہ بن ابو سفیان، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اور خدمت کتابت پر ممتاز رہے ہیں۔ مگر سفیان اور اُن کی بی بی ہند نے جو بدسلوکیاں آنحضرت سے کی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ معاویہ نے محض اپنی قابلیت سے سپہ سالاری سے امارت کا درجہ حاصل کیا۔ اور خلفائے امویہ میں سب سے پہلے امیر ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی کے انتقال اور امام حسنؓ کی شہادت کے بعد بلا مزاحمت امیر بن گئے۔ چنانچہ ۲۰ ربیع الثانی یوم یک شنبہ ۴۱ھ میں بمقام دمشق تخت نشین ہوئے۔ اور دار الخلافت کو دمشق سے شام میں منتقل کر دیا۔ ۱۹ برس ۳ ماہ ۵ یوم حکومت کر کے ۷۸ برس کی عمر میں ۶۰ھ میں فوت ہوئے اور یزید تخت نشین ہوا۔ سیاست اور تمدن میں ہزاروں قسم کی ترقیاں اسی عہد میں ہوئیں۔ جس کی تفصیل کے واسطے ایک مستقل کتاب چاہیے۔ فتوحات بھی بہت ہوئیں۔ کابل فتح ہوا۔ اور سندھ تک فوج آکر واپس ہو گئی۔ قسطنطنیہ پر حملہ ہوا۔ شاہ یونان کو باج گذار بنایا۔ اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ ۴۷من ۸ سیر سونا سالانہ دیا کرے بسیرہلی وغیرہ۔

تغیر واقع نہیں ہوا اور اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اور سب نے تسلیم کر لیا کہ امیر معاویہ سے زیادہ حلیم اب کون ہو سکتا ہے؟

عقلا کا قول ہے کہ حلم اچھی چیز ہے لیکن اقبال کے زمانے میں اور لائق تر ہے۔ اور نعمت بھی عمدہ شے ہے لیکن بحالت شکر گذاری اعلیٰ تر ہے۔ مگر جب علم اور خدا ترسی بھی ہو تو سبحان اللہ!

(۳۰) پاسبان اور دربان

پاسبان اور دربان، اور نوبت بجانے والوں پر جو ناظر ہو اُسے چاہیئے کہ ان لوگوں کے معاملات میں خاص احتیاط رکھے اور سب کو پہچانے۔ اور روزانہ اندرونی طور پر تحقیقات کرتا رہے کیونکہ یہ معمولی آدمی ہیں۔ ذرا سے لالچ میں آ جاتے ہیں، جب کوئی غیر شخص اس گروہ میں پایا جائے تو فوراً اُس کی تحقیقات کر لی جائے اور شب کے وقت ہر نوبت والے کو بہ نظر تجسس دیکھ لینا چاہیئے۔ اور کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خدمت نازک اور خطرناک ہے۔

(۳۱) دسترخوان شاہی

بادشاہوں کے سامنے طرح طرح کے کھانوں کے خوان سجائے جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ اُس کے پُر تکلف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو لوگ صبح کو حاضر خدمت ہوں اُن کو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ ناشتے میں شریک ہونا چاہیئے، اور اگر کسی وجہ سے کوئی شریک نہ ہو تو بطور خود وقت مقررہ پر بادشاہ کو کھانا چاہیئے۔ لیکن یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت عام دسترخوان نہ بچھایا جائے۔ سلطان طغرل سلجوقی صبح کے کھانے میں خاص تکلف کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر جنگل میں شکار

ل فصل ۲۴۔ صفحہ ۱۱۴۔ ۲ فصل ۳۵۔ صفحہ ۱۱۵۔

۳ شاہان عجم کا دسترخوان جیسا وسیع اور پُر تکلف ہوتا تھا اس کی تقلید تو کسی سے نہیں ہو سکی لیکن اسلامی تاریخ میں امیر معاویہ کے عہد سے خلفائے عباسیہ تک اور اُن کے بعد اُن کے جانشین حکمرانوں میں یہ صفت باستثنا بعض مسلسل پائی جاتی ہے اور ان کے واقعات سے تاریخ کے صفحے مزین ہیں۔ حجاج ابن یوسف (جس کا ظلم حاتم کی سخاوت سے زیادہ مشہور ہے) جو ولید ابن عبدالملک اموی کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ اس کے دربار میں ہزار خوان نفیس (باقی در صفحہ آئندہ)

کھیلتا رہتا تو اُسی جگہ پر دسترخوان بچھا دیا جاتا۔ اور اس کثرت سے خوان لگائے جاتے تھے۔ کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ یہی اُصول خواتین ترکستان کا تھا اور اُن کے باورچی خانے کا دروازہ ہروقت کھلا رہتا تھا۔ تاکہ سب فیضیاب ہوں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی ہمت اور مروت اُس کے درجے کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ اور بادشاہ کا مرتبہ ظاہر ہے لہذا اُس کو اپنی شان کے موافق دسترخوان رکھنا چاہیئے۔ بلکہ اس معاملے میں اگلے بادشاہوں سے سبقت لے جانا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندگانِ خدا کو جو بادشاہ فراخ حوصلگی سے کھانا کھلاتے ہیں اُن کے ملک و مال اور عمر میں ترقی ہوتی ہے۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ فرعون[1] بادشاہ مصر کے باورچی خانے میں روزانہ چار ہزار بکریاں اور چار سو بیل اور دو سو اونٹ ذبح ہوتے تھے اس کے علاوہ طرح طرح کے حلوے اور غذائیں ہوتی تھیں۔ اور تمام اہل مصر اور فوج والے شریکِ دسترخوان ہوتے تھے۔ اور جب تک اُس کی سلطنت رہی یہی طریقہ جاری رہا۔

حضرت موسیٰ[2] علیہ السلام کے حالات میں مورخوں نے لکھا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے حضرت موسیٰ

بقیہ صفحہ ۲۷۰ کھانوں کے اہل مجلس کے سامنے چنے جاتے تھے۔ حالانکہ یہ صرف ایک صوبے کا حاکم تھا امیر معاویہ کے حالات میں لکھا ہے کہ کھانے کے وقت دربان و حاجب کا عمل دخل اُٹھ جاتا تھا اور صلائے عام ہوتا تھا۔ اور آج بھی غازی سلطان عبدالحمید خاں اور مظفرالدین شاہنشاہ ایران خلداللہ ملکہم کا دسترخوان عہد قدیم کی فیاضیوں کا اصلی نمونہ ہے اور چھوٹے پیمانے پر مسلمان حکمرانوں میں بکثرت نظائر موجود ہیں۔

[1] جس طرح فی زماننا شاہان مصر کا لقب خدیو ہے ویسے ہی زمانہ قدیم میں اُن کا لقب فرعون تھا۔ جس کے معنی متکبر اور سرکش کے ہیں۔ فراعنہ یکے بعد دیگرے وارث ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو انھوں نے سخت تکلیف دی اور مصر میں دو سو سولہ برس قید رکھا (یہ زمانہ حضرت یعقوبؑ کی آمد سے خروج حضرت موسیٰؑ تک ہے) فراعنہ کا سلسلۂ نسب عملیق بن عولیح بن عاد پر ختم ہوتا ہے۔ کلام مجید میں فرعون اور حضرت موسیٰ کا جس قدر واقعہ ہے وہ صرف ایک ہی فرعون سے متعلق نہیں ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ بڑا حصہ ولید بن مصعب کے متعلق ہے اور بحر احمر میں یہی فرعون غرق ہوا ہے (ناسخ التواریخ جلد اول)۔

[2] موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام خدا کے ان جلیل الشان (باقی در صفحہ آئندہ)

کی دعا پر وعدہ فرمایا تھا کہ "میں فرعون کو دریائے نیل میں غرق کرکے اُس کی سلطنت کا تم کو مالک بنا دوں گا" چنانچہ جب اس وعدے کو کئی برس گذر گئے اور فرعون کی فرعونیت میں کچھ کمی نہ ہوئی۔ تب حضرت موسیٰ نے چالیس دن روزے رکھے اور طور سینا پر جا کر مناجات کی اور عرض کیا کہ خداوند عالم تیرا وعدہ کب پورا ہوگا؟

غیب سے آواز آئی کہ "اے موسیٰ! تم فرعون کو جلد ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ لیکن اُس کے دم سے میرے ہزارہا بندے پرورش پاتے ہیں۔ قسم ہے مجھے اپنے عزت وجلال کی جب تک اُس کا دسترخوان وسیع رہے گا، یاد رکھو! کہ میں اُس کو ہلاک نہ کروں گا۔ اور جب اس میں کمی دیکھو تو سمجھ لینا کہ اُس کی موت قریب ہے" چنانچہ جب حضرت موسیٰ نے فرعون کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں، اور یہ خبر فرعون کو پہنچی تو اُس نے ہامان[1] سے کہا کہ "موسیٰ بنی اسرائیل کو میرے مقابلے کے

بقیہ صفحہ ۲۴۶: رسولوں میں سے ہیں کہ جن پر توریت مقدس نازل ہوئی۔ (والدہ کا نام یوکبد 'یُوحانندن' اباحنہ' یا یوخابث تھا) عمران کے آپ دوسرے بیٹے تھے جو ہارون کے بعد اسّی برس میں پیدا ہوئے تھے۔ اور حضرت موسیٰ کو اسّی برس کی عمر میں نبوت مرحمت ہوئی تھی اور چالیس برس بنی اسرائیل کو ہدایت وتلقین مذہب کرکے ایک سو بیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اس وقت مصر کے تخت پر فراعنہ میں سے ولید بن مصعب حکمراں تھا جو مصر کا اخیر فرعون تھا۔ اور ایران میں اس وقت منوچہر کی حکومت تھی۔ حضرت موسیٰ کی شادی شعیبؑ کی بیٹی صفورا سے ہوئی تھی۔ قارون بن قہر بن قاہث بن لاوی آپ کا چچازاد بھائی تھا جو اس وقت کے دولت مندوں میں سب سے بڑھکر تھا اور سامری جس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا۔ یہ بھی اسی زمانے میں تھا۔ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں ان سب کے حالات مفصل تحریر ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام طویل القامت تھے۔ اور بال گھونگروالے مزاج میں غصہ بہت تھا اور زبان میں لکنت تھی۔ از معارف ابن قتیبہ وناسخ التواریخ جلد اول، ابن خلدون اخبار بنی اسرائیل۔

[1] ولید بن مصعب کا نامور وزیر ہے جس طرح یہ فرعون دعویٰ الوہیت میں سرشار تھا۔ ویسا ہی یہ وزیر کفر وزندقہ میں مبتلا تھا۔ حضرت موسیٰ کے وعظ سے فرعون ایمان لانے پر رضامند ہوگیا تھا۔ مگر ہامان نے کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج تک تو خدائی کرتا تھا اور لوگ تیرے سامنے سجدہ کرتے تھے اور اب تو موسیٰ کے کہنے سے فرضی خدا کی عبادت کرے گا۔ اور خدائی کرکے بندوں میں شامل ہوگا۔ اور اسی طرح سے موسیٰ کے ہر معجزے کی تردید کرتا تھا بحر احمر میں فرعون کے غرق ہونے کا سبب بھی یہی ہامان تھا۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

لئے جمع کر رہے ہیں۔ انجام کی خبر نہیں ہے کہ کیا ہو۔ اس لئے خزانے کو معمور رکھنا چاہیے تاکہ کسی وقت ہماری قوت کم نہ ہو۔ اور اس کی تدبیر یہی ہے کہ باورچی خانے کا خرچ نصف کر دیا جائے، چنانچہ اس خرچ میں کمی ہوتی گئی۔ حضرت موسیٰ اس خبر کو سن کر نہایت خوش ہوتے اور خدا کا وعدہ یاد آ گیا۔ چنانچہ جس روز فرعون دریائے نیل میں غرق ہوا ہے اُس دن اُس کے باورچی خانے میں صرف دو بکریاں ذبح ہوئی تھیں۔ اور اسی مہمان نوازی کے سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خداوند تعالیٰ نے تعریف کی ہے۔

حاتم طائی[1] کا نام دنیا میں صرف اسی صفت سے زندہ ہے۔ حق تعالیٰ سب کو اسی صفت سے بہرہ یاب کرے۔ آمین وَلِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ۔

جوانمردی از کارہا بہتر است | جوانمردی از خوئے پیغمبر است
دو گیتی بود بر جوانمرد راست | جوانمرد باش و دو گیتی تراست

بقیہ صفحہ ۲۷۰: سیاہ خضاب کا موجد بھی یہی ہامان ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو خدا پر ایمان لائے تو تیرا شباب لوٹ آئے گا۔ جب ہامان نے سنا تو یہ کہا۔ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں اور خضاب لگا کر سفید بالوں کو سیاہ کر دیا۔ چنانچہ سیاہ خضاب لگانے والے فرعون کی سنت ادا کرتے ہیں۔ اور انصافاً ہے بھی فضول کیونکہ ؎

خضاب پردۂ پیری نمی شود صائب | بہ کرو حیلہ خزاں را بہار نتواں کرد

[1] تاریخ اسلام میں چند نامور حاتم گذرے ہیں، مگر سب میں ممتاز اور ضرب المثل حاتم طائی ہے۔ اور حاتم کو صرف فیاضی، مروت اور خلق نے عوام و خواص میں روشناس کر دیا۔ حالانکہ وہ ایام جاہلیت کا نامور شاعر بھی ہے۔ یہ نامور عرب کے مشہور قبیلے طے میں پیدا ہوا۔ عبداللہ کا بیٹا اور سعد کا پوتا اور حشرج کا پر پوتا تھا۔ حاتم کی ماں عتبہ بھی فیاضی میں مشہور رہے۔ اس لئے یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ حاتم مادرزاد فیاض تھا۔ حاتم کا باپ اپنے نونہال کو شیر خوار چھوڑ کر گیا تھا۔ اس لئے دادا نے پرورش کیا ہوش سنبھالنے پر دادا نے اونٹوں کی نگرانی سپرد کر دی اور حاتم جنگل میں رہنے لگا۔ لیکن حضرت نے پہلی ہی فیاضی میں ۲۹۰ اونٹ عبید بن ابرص، بشر بن ابی حازم اور نابغہ ذبیانی کو بحصہ برابر تقسیم کر دیئے اور اس جرم پر دادا نے گھر سے نکال دیا۔ مگر خدا نے حاتم کو مال و دولت سے بہرہ ور کر دیا۔ اور تمام عمر فیاضی کرتا رہا۔ اور اس کی فیاضی کا ہر واقعہ عجیب و غریب ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کے مشاہیر میں سے ہے۔ ظہور اسلام سے قبل فوت ہوا۔ ولادت اور فوت کی تاریخ کا پتہ نہیں لگا۔ حاتم کا دیوان بیروت میں ۱۸۸۸ء میں چھپ کر شائع ہوا (باقی ملاحظہ صفحہ)

(۴۷) خدمت گار اور شائستہ غلاموں کے حقوق

خدمت گاروں میں جو اچھا کام کرے اُس کو صلہ ملنا چاہیئے۔ اور جو قصور کرے اُس کو باندازہ قصور سزا دی جائے تاکہ اوروں کو عمدہ کام کرنے کی رغبت پیدا ہو اور یہ دستور ہے کہ سزا یافتہ زیادہ ڈرتا ہے۔ اس لئے سب کام ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

حکایت خردادیہ راوی ہے کہ ملک پرویز اپنے ایک مقرب خاص سے ناراض ہو گیا اور اُس کو اپنے پاس آنے سے روک دیا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس سے نہ ملنے پائے۔ مگر باربدؔ مطرب بے روزانہ شراب و طعام پہنچا دیا کرتا تھا جب پرویز کو یہ خبر ہوئی تو باربد سے کہا کہ جو شخص میری حراست میں ہو اُس کی خبر گیری کا تجھ کو کیا حق ہے۔ باربد نے عرض کیا کہ جو احسان حضور نے اُس کے ساتھ کیا ہے اتنا تو مجھ سے نہیں ہو سکتا ہے۔ پرویز نے پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا حضور نے اُس کی جان بخشی کر دی ہے۔ یہ سُن کر خوش ہوا اور امیر کو چھوڑ دیا۔

آل سامان کا یہ دستور تھا کہ اُن کے سامنے اگر کوئی اچھی بات کہتا یا کوئی جوہر دکھاتا اور وہ کہتے

بقیہ صفحہ ۲۷۰ ہوا ہے۔ سفانہ اس کی بیٹی بھی نہایت مشہور فیاض عورت تھی اور جو آنحضرتؐ کے عہد میں گرفتار ہو کر آئی تھی اور آنحضرت کے روبرو ایسی فصیح و بلیغ تقریر کی جو اس کی قوم کی رہائی کا سبب ہوئی حاتم کی تعریف میں جو فقرے سفانہ نے استعمال کئے تھے اُس کو سُن کر آپ نے فرمایا تھا کہ " ھذہ صفات المومنین حقا" شیخ سعدیؔ نے بوستان میں یہ حکایت لکھی ہے۔ اولاد ذکور میں صرف ایک بیٹا تھا جن کا نام عدی تھا۔ اور جو اپنی بہن سفانہ کی تحریک سے مسلمان ہوا۔ اور رواۃ احادیث میں سے ہے۔ انتخاب از بلوغ الارب فی احوال العرب جلد اول صفحہ ۳، مطبوعہ بغداد و تذکرہ شعراء عرب۔ ودالمنثور فی طبقات ربات الخدور صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ مصر۔

لے فصل ۲۲ صفحہ ۱۱۰ ؎ خسرو پرویز کا نامور مغنی ہے سدا د آفرید۔ پیسگار گردش خسروانی وغیرہ راگنیوں کا موجد ہے۔ جہرم (فارس) کا باشندہ تھا خسرو کا امیر مغنی جس کا نام " سرکش" تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ باربد دربار میں داخل ہو۔ لیکن ایک باغبان کی مدد سے جس کا نام مردوئی تھا اس کو خسرو کی حضوری نصیب ہوئی۔ اور ایک ہی ترانے کے صلے میں پہلے ہی مرتبہ موتیوں سے منہ بھر دیا گیا۔ دربار کا دوسرا مغنی نکیسا تھا۔ نظامی ؎

نکیسا چنگ را کردہ خوش آواز　　　نگندہ ارغنوں را پردہ ساز

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۹۰۸ تفصیل کے لئے دیکھو شاہنامہ فردوسی حالات خسرو پرویز۔

کہ بہت خوب تو اُسی وقت خزانچی ایک ہزار درہم دیدیتا تھا۔

اور شاہان اکاسرہ عدل، مروت، ہمت میں تمام شاہان سلف سے فائق تھے اور اُن میں بھی نوشیرواں عادل سب سے افضل تھا۔

(۳۳) عمال کی شکایت کی خفیہ تحقیقات

اگر کسی[1] گوشۂ ملک سے یہ خبر پہنچے کہ وہاں کی رعایا پریشان ہے، اور شبہ ہو کہ مخبر خود غرض ہیں تو بادشاہ کو اپنے معتمدین میں سے کسی شخص کو نامزد کرکے اس طرف خاموشی سے بھیج دینا چاہیئے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ کس کام کے لئے جاتا ہے۔ اور وہ ایک مہینے تک اُن اطراف میں پھر کر شہر اور گاؤں کی آبادی اور ویرانی کی حالت دیکھے اور عامل کے متعلق جو خبریں سُنائی دیں اُس کی جانچ کرے۔ کیونکہ عمال کا یہ بھی دستور ہے کہ ایسے موقعہ پر وہ کہا کرتے ہیں کہ مجھ سے لوگ رنج و عداوت رکھتے ہیں۔ لہذا اُن کی باتیں قابل سماعت نہیں۔ اگر ان کے اقوال پر توجہ کی جائے گی تو وہ اور سرکش ہو جائیں گے۔ ایسے خود غرضوں کی باتوں میں آجانے سے رعایا تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

(۳۴) امور سلطنت میں بادشاہ کو جلدی نہ کرنا چاہیئے

بادشاہ[2] تک جب کوئی خبر پہنچے یا کوئی معرکہ پیش آئے۔ تو اُس میں عجلت سے کام نہ لیا جائے بلکہ آہستگی سے جانچ کرنا چاہیئے تاکہ جھوٹ اور سچ کی تصدیق ہو جائے۔

جب دو فریق حاضر ہوں اور اپنی روداد بیان کریں اس وقت کسی طرح فریقین پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ بادشاہ کا میلان کس جانب ہے۔ کیونکہ درصورت اظہار جو فریق سچائی پر ہے وہ ڈر جائے گا۔ اور عرض مدعا سے قاصر رہے گا مگر جھوٹے کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ چنانچہ یہی قرآن مجید میں ہے۔ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا" بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّیْطَانِ وَالتَّاَنِّیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ بزرجمہر کہتا ہے کہ کسی کام میں جلدی کرنا ہلکے پن کی دلیل ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ پشیمان و غمناک ہوا کرتے ہیں اور اپنی حرکتوں پر خود ہی نادم ہو کر بار بار استغفار کرتے ہیں

[1] فصل ۳۰ صفحہ ۱۱۹۔ [2] فصل ۳۸ صفحہ ۱۲۰۔

(۳۶) امیر حرس و چوب دار کی خدمات

ہر دور[1] سلطنت میں امیر حرس کا عہدہ نہایت مقتدر شمار کیا گیا ہے ۔اور حاجب کے بعد اس عہدہ دار کا مرتبہ ہے، کیونکہ امور سیاسی سے اسے زیادہ تعلق ہے ۔ جب بادشاہ کسی پر غصہ ہوتا ہے تو وہ اس عہدہ دار کو حکم دیتا ہے کہ فلاں شخص کو قتل کر، ہاتھ پاؤں کاٹ ڈال، پھانسی دے، بید لگا، جیل خانے میں لے جا، یا کنویں میں قید کر، اس وجہ سے سب لوگ امیر حرس سے ڈرتے ہیں اور جان کے خوف سے مال و دولت اس پر نثار کرتے ہیں ۔

امیر حرس صاحب نقارہ و نشان رہتا ہے ۔اور اس کی سیاست کا لوگوں پر بادشاہ سے زیادہ خوف ہوتا ہے اور یہ عزت اس کے عہدے کے لئے ضرور ہے ۔

چوب دار بارگاہ سلطانی میں کم از کم پچاس چوب دار ہر وقت حاضر رہنا چاہیئے جن میں سے بیس کے عصا نقرئی ہوں اور بیس کے طلائی اور دس بہت ہی شان دار ہوں ۔

(۳۶) خطاب و القاب

بادشاہوں نے ہمیشہ کثرت سے القاب کے دینے میں تحمل کیا ہے ۔کیونکہ جو چیز بافراط ہوتی ہے اُس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے ہر شخص کے درجے و مرتبے کا خیال رکھنا اور اُس کو اُسی حیثیت کا خطاب دینا معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ ناموس سلطنت میں داخل ہے ۔کیونکہ اگر گنوار اور شہری کو ایک ہی لقب سے یاد کریں یا جاہل اور عالم دونوں ایک ہی خطاب سے پکارے جائیں تو پھر اُن کے درجے میں کیا فرق ہوگا ۔اس لئے بادشاہ کے لئے جائز نہیں ہے کہ عطائے خطاب میں فرق امتیاز باقی نہ رکھے ۔ پہلے زمانے میں اُمرا اور ترکوں کا لقب حسام الدین، سیف الدولہ، وغیرہ ہوا کرتا تھا ۔ اور ارکان سلطنت کا عمید الدولہ، ظہیر الملک، قوام الملک، وغیرہ ۔لیکن ہمارے زمانے میں یہ فرق اُٹھ گیا ۔اور ایک دوسرے کے لقب باہم خلط ملط ہو گئے ہیں ۔ذیل کے واقعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ القاب و خطاب کیسی عزت کی چیز ہے ۔

---

[1] فصل ۳۹، صفحہ ۱۲۱ ۔ [2] سیاست نامہ صفحہ ۱۳۱ لغایت ۱۳۰، فصل چہلم ۔

دارالسلطنت غزنیں میں جب سلطان محمود تخت نشین ہوا تو امیر المومنین "اَلْقَادِرُ[1] بِاللّٰہِ" عباسی سے عطائے خطاب کی استدعا کی۔ چنانچہ دربار خلافت سے یمین الدولہ کا خطاب مرحمت ہوا لیکن جب سلطان نے ولایت نیمروز، خراسان، ہندوستان، سومنات، تک معہ تمام عراق کے فتح کرلیا۔ اُس وقت دربار کو ایک سفارت معہ گراں بہا تحائف کے روانہ کی۔ اور خلیفہ سے خواہش ظاہر کی کہ یمین الدولہ کے لقب پر کچھ اور اضافہ کیا جائے۔ مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ حتیٰ کہ سلطان نے دس مرتبہ اپنا قاصد بھیجا مگر کچھ کامیابی نہ ہوئی اور سلطان محمود کی بیتابی کا یہ سبب تھا کہ خاقان ثمرقند کو خلیفہ نے تین لقب دیئے تھے۔ یعنی ظہیر الدولہ، معین خلیفۃ اللہ، ملک المشرق والصین اور سلطان کو صرف یمین الدولہ کا تمغہ دیا گیا تھا۔ اس لئے سلطان نے پھر خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ خاقان کو جس کو میں نے تخت پر بٹھایا ہے، حضور سے تین لقب عطا ہوتے ہیں اور مجھ کو صرف ایک حالانکہ میں نے بڑا کفر توڑا ہے بلحاظ خدمات لحاظ فرمایا جائے۔ خلیفہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "لقب حقیقت میں ایک خلعت ہے جس سے مرد کی عزت وعظمت بڑھ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ تم خود ہی شریف اور معزز ہو۔ لہٰذا تمہارے واسطے ایک لقب کافی ہے۔ رہا خان سمرقند کا مقابلہ۔ تو وہ ایک نادان ترک ہے اس لئے میں نے اُس کی درخواست کو منظور کرلیا ہے۔ اور تمہاری جو عزت میرے دل میں ہے اُس کا اندازہ میں خود ہی کرسکتا ہوں۔ لیکن سلطان کی اس جواب سے تشفی نہ ہوئی بلکہ سخت صدمہ ہوا۔ اور محل میں آکر ایک ترکی خواص سے جو اکثر اپنی خوش بیانی سے سلطان کو خوش رکھا کرتی تھی۔ شکایتاً کہا کہ " میں نے اس امر میں کہ خلیفہ میرے لقب پر کچھ اضافہ کرے۔ بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی اور خاقان سمرقند جو دراصل میری رعیت ہے۔ وہ کئی لقب سے ممتاز ہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ خاقان کے گھر سے وہ تمام سندیں، جو امیر المومنین نے وقت عطائے لقب مرحمت فرمائی ہیں۔ کوئی چُرا لائے۔ اس کا صلہ میں خاطر خواہ دوں گا۔" چنانچہ اس خواص نے اقرار کیا کہ

---

[1] القادر باللہ ابو العباس احمد بن اسحاق بن مقتدر ۳۸۱ھ/۹۹۱ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنی حکمت عملی سے اُمرا آل بویہ کا زور توڑا اور عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر دولت عباسیہ کو زندہ کردیا۔ بہاء الدولہ بن عضد الدولہ کی بیٹی سے اس خلیفہ نے بعوض ایک لاکھ دینار عقد کیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دربار خلافت سے محمود کو سلطان اور یمین الدولہ کا خطاب اور خلعت مرحمت ہوا۔ ۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء میں یہ خلیفہ فوت ہوا۔ طبقات ناصری والفخری۔

میں اس کام کو پورا کروں گی۔ سلطان نے خوش ہو کر سامان سفر درست کر دیا اور یہ خواص روانہ ہو گئی اور واپسی کے بعد سلطان سے اپنا سفرنامہ اس طرح سے بیان کرنا شروع کیا کہ "میں حضور سے رخصت ہو کر غزنیں سے کاشغر گئی اور وہاں سے چین و خطا کے ریشمی کپڑے وغیرہ خرید کر کے معہ چند کنیز اور ترکی غلاموں کے ایک قافلے کے ہمراہ سمرقند روانہ ہوئی۔ اور منزل مقصود پر پہنچ کر تین روز کے بعد خاتون (بیگم خاقان سمرقند) کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوئی اور حضور میں پہنچ کر ایک خوبصورت کنیز پیش کی اور بولی کہ میں ایک سوداگر کی بی بی ہوں وہ مجھ کو اپنے ساتھ سفر میں رکھتا تھا۔ شہر خطا جانے کا قصد تھا۔ مگر ختن پہنچ کر اس نے عالم آخرت کا سفر اختیار کیا۔ تب میں ختن سے کاشغر چلی گئی خان موصوف کو میں نے نذر دی اور عرض کیا کہ میرا شوہر خاقان سمرقند کا غلام تھا۔ اور میں اس کی کنیز چنانچہ یہ لڑکا اس مرحوم کا یادگار ہے اور جس قدر سرمایہ باقی ہے وہ بھی خاقان کا عطیہ ہے۔ ذرہ نوازی ہو گی اگر چند نیک آدمیوں کے ہمراہ مجھ بیوہ اور اس یتیم بچے کو حضور یوزکند اور سمرقند تک پہنچا دیں میں تمام عمر آپ کی دعاگو رہوں گی۔ چنانچہ خان کاشغر نے ایک رہبر ساتھ کر دیا۔ اور حاکم یوزکند کو حکم دیا کہ وہ مجھے اچھی طرح سے سمرقند پہنچا دے چنانچہ حضور کے صدقے میں خدا خدا کر کے یہاں تک پہنچ گئی ہوں۔ اب میری یہ آرزو ہے کہ سرکار مجھ پر شفقت کا ہاتھ رکھیں اور اپنی لونڈی سمجھ کر حضور میں پڑا رہنے دیں۔ اور میرے شوہر کی بھی یہی آرزو تھی کہ سمرقند پہنچ کر تمام عمر یہاں سے قدم نہ نکالوں گا۔ اور میرے پاس جو سرمایہ ہے اس کو بیچ کر کوئی جائداد خرید لوں گی جو میرے اور اس یتیم بچے کے واسطے کافی ہو گی۔ خاتون نے کہا کہ "بی بی اطمینان سے رہو۔ جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا تمہارے لئے اٹھا نہ رکھوں گی۔ مکان اور کھانے کپڑے کا صرفہ میرے ذمے ہے۔ تم شوق سے میرے پاس رہا کرو۔ اور میں خاقان سے بھی تمہاری سفارش کروں گی۔" چنانچہ پہلے دن بیگم سے بات چیت کر کے چلی آئی اور دوسرے دن پھر حاضر خدمت ہوئی۔ بیگم کے ذریعے سے خاقان کا بھی سلام میسر ہوا۔ میں نے اول ایک ترکی غلام اور ایک خوبصورت گھوڑا نذر کیا۔ اس کے بعد اپنا مختصر حال خاقان سے کہا۔ پھر آہستہ آہستہ تحفے تحائف اور لطائف و ظرائف سے میں نے دونوں کو اپنا کر لیا۔ اور خاقان سے باوجود اس کے اصرار و تاکید کے کچھ نہیں لیا جب چھ مہینے گذر گئے تو ایک دن میں نے خاقان اور

اُس کی بیگم کے سامنے بعد تمہید مدعا و ثنا کے عرض کیا کہ ایک حاجت رکھتی ہوں اگر قبول ہو تو عرض کروں۔ دونوں نے کہا۔ یہ تو ہماری عین خوشی ہے۔ میں نے کہا کہ میری بڑی لپتی کا صرف میرا ایک بیٹا ہے۔ میں نے اُس کو علم القرآن اور علم ادب کی تعلیم دی ہے۔ باقبال خداوندیقین ہے کہ وہ صالح ہوگا۔ اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ خدا اور رسول کے احکام کے بعد امیرالمومنین کے فرمان کا درجہ ہے اور دربار خلافت کا کاتب نہایت نامور ادیب ہے اگر مرضی مبارک ہو تو دو تین روز کے واسطے وہ فرامین مرحمت ہوں تاکہ کسی ادیب سے حضور کا غلام اس کو پڑھ لے۔ میری استدعا سُن کر دونوں نے کہا کہ یہ تو محض معمولی بات ہے۔ تم کو کوئی شہر اور جاگیر طلب کرنا چاہیے تھا۔ اور فرامین تو مابدولت کے یہاں پچاس ہوں گے چاہو تو سب لے لو۔ میں نے کہا نہیں صرف ایک کافی ہے۔ چنانچہ حسب الحکم خزانے سے وہ دستاویز برآمد ہو کر میرے حوالے کردی گئی۔ جب میں حصول مدعا میں کامیاب ہوئی تو میں نے سفر کا سامان کیا اور اونٹوں پر اسباب لاد کر اہل محلہ سے ظاہر کیا کہ ایک ہفتہ کے واسطے پرگنہ میں دیہات خریدنے جاتی ہوں۔ چنانچہ کڑی منزلیں طے کرتی ہوئی ایک ہفتہ میں غزنیں پہنچی اور اب سلطان کی خدمت میں وہ فرمان پیش کرتی ہوں سلطان محمود نے اس فرمان کو ایک عالم کے ہاتھ خلیفہ قادر باللہ کے حضور میں بھیج دیا۔ اور عریضے میں لکھا کہ میرا ایک نوکر سمرقند گیا تھا وہاں کے کسی مکتب میں ایک لڑکا یہ پڑھ رہا تھا اُس نے لڑکے سے چھین کر میرے سامنے پیش کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نامہ و فرمان ایسے شخص کے پاس بھیجنا چاہیے جو اُس کو عزیز سمجھے اور اپنے سر کا تاج بنائے:

خلیفہ قادر باللہ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے خاقان کو نہایت غصے سے لکھا اور سلطان محمود کا سفیر چھ مہینے تک بغداد میں پڑا رہا اُس کو اور کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ تب سفیر نے جو کہ خود بھی بڑا عالم تھا۔ قاضی القضاۃ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک مسلمان بادشاہ جس نے محض دین کے واسطے کفار پر جہاد کیا ہو اور جس نے دارالکفر کو دارالاسلام بنایا ہو۔ اور وہ خلیفہ سے ملنا چاہے لیکن بُعد مسافت مانع ہو تو اس صورت میں وہ کسی عباسی کو تخت پر بٹھا کر بطور خلیفہ کے اُس کی پیروی کرسکتا ہے یا نہیں۔ قاضی القضاۃ نے لکھ دیا کہ ہاں وہ ایسا کرسکتا ہے:

اب اس سفیر نے اپنی عرض داشت کے ہمراہ فتوے کو خلیفہ کے حضور میں پیش کیا اور لکھا کہ

عرصے سے دولت پرپڑا ہوں۔ سلطان محمود نے لاکھوں ہی منت سماجت سے اضافۂ لقب کی درخواست کی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ نامنظور ہوئی۔ اگر سلطان قاضی القضاۃ کے فتوے پر جو شرع کا حاکم ہے عمل درآمد کرے تو امیر المومنین کے نزدیک وہ معذور سمجھا جائے گا یا نہیں؟ خلیفہ نے عرض داشت پڑھنے کے ساتھ ہی حاجب کو حکم دیا کہ سفیر کو پیش کرو اور اُسے مطلع کر دو کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔ اور محمود کو خطاب ملے گا۔"

غرض کہ محمود جیسے شخص کو باوجود خدمت ہائے پسندیدہ "اَمِیْنُ الْمِلَّۃ" کا لقب کن مشکلوں سے ملا تھا۔ سلطان جب تک زندہ رہا وہ یَمِیْنُ الدَّوْلَۃ اَمِیْنُ الْمِلَّۃ کے لقب سے مشہور رہا۔ آل سامان جنھوں نے عرصے تک سلطنت کی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا صرف ایک لقب تھا۔ مثلاً امیر نوح کا شہنشاہ، اور اُس کے باپ کا امیر سدید، اور اُس کے دادا کا امیر حمید، اور اسمٰعیل بن احمد کا امیر عادل؛

قضاۃ اور ائمہ کے لقب اس طرح ہوا کرتے تھے۔ جیسے مَجْدُ الدِّیْن، شَرَفُ الْاِسْلَام، سَیْفُ السُّنَّۃ، زَیْنُ الشَّرِیْعَۃ، فَخْرُ الْعُلَمَاء وغیرہ چونکہ شریعت کا تعلق خاص علما سے ہے لہٰذا اُن کو ایسے لقب دیئے جاتے تھے۔ اور اگر کوئی جاہل خود ہی صاحب لقب بن جائے تو اُس کو سلطنت کی طرف سے سزا دی جائے۔ سپہ سالاران فوج اور عمال کو دولہ کا خطاب دینا چاہیے۔ مثلاً سیف الدولہ، حسام الدولہ، ظہیر الدولہ اور وزیروں کو شرف الملک، عمید الملک، نظام الملک، کمال الملک، وغیرہ

لہ ایک مورخ نے لکھا ہے کہ سلطان محمود نے خلیفہ قَادِرْ بِاللّٰہ سے علاوہ اضافہ القاب کے یہ بھی خواہش کی تھی کہ دار الخلافہ بغداد کے سکے اور خطبے میں میرا نام بڑھایا جائے لیکن خلیفہ نے یہ درخواست نامنظور کی تب محمود نے غصہ ہو کر لکھا کہ میری درخواست منظور کی جائے ورنہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا اور عمارت کا ملبہ ہاتھیوں کی پیٹھ پر لاد کر غزنیں لاؤں گا۔ چنانچہ خلیفہ نے بجواب اس کے ایک خط سربمہر بند کر کے محمود کے پاس بھیج دیا۔ جب خط کھولا تو اُس میں بِسْمِ اللّٰہ کے بعد اول الف ممدودہ (آ) اور وسط میں لام (ل) اور آخر میں میم (م)، لکھا ہوا تھا۔ اور خاتمے پر تحریر تھا وَالصَّلٰوۃُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ تحریر دیکھکر محمود اور اُس کے ارکان حیرت زدہ رہ گئے۔ لیکن اتفاق سے اس وقت ابوبکر قہستانی دربار میں تشریف لائے اور اُنھوں نے محمود سے خط کا مضمون پوچھا جس کے جواب میں یہ تحریر آئی ہے تو علامہ قہستانی نے بیان کیا کہ اس خط میں سورہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ۔ الٓمٓ۔ پر اشارہ ہے یہ برجستہ جواب محمود کی سمجھ میں آگیا اور اُس کے دل پر خوف چھا گیا اور اپنی تحریر پر نادم ہو کر خلیفہ سے بادب پیش آیا (آثار الاول حسن بن عبداللہ صفحہ ۸۱) اس قسم کی تحریر کا نام "رمز" ہے۔ اور خود سلاطین اسلام اور اُن کے کاتب رازداری کے مواقع پر ایسی تحریریں لکھا کرتے تھے جن کے نظائر تاریخوں میں موجود ہیں۔

سلطان الپ ارسلان کے عہد حکومت تک خطابات باقاعدہ تقسیم ہوا کرتے تھے لیکن اس عہد کے بعد پھر امتیاز اٹھ گیا اور خطاب گڈمڈ ہو گئے ۔ اور اسی کثرت کی وجہ سے کوئی خطاب کا طالب نہیں رہا۔ حکمرانان عراق (قونیہ) کا لقب عضد دولۃ اور رکن الدولۃ تھا۔ اور ان کے وزیر استاد جلیل، اور استاد خطیر کے لقب سے سرفراز تھے۔

طبقہ وزراء میں سب سے زیادہ فاضل اور بزرگ صاحب بن عباد تھا۔ اس کا لقب صاحِب کافی الکُفَاۃ سلطان محمود کے وزیر کا لقب شمسُ الکُفَاۃ تھا۔

بادشاہوں کے القاب میں دنیا اور دین کا لقب زمانۂ سابق میں نہ تھا ۔لیکن سب سے پہلے خلیفہ اَلمُقتَدِی[1] بِاَمرِ الله نے سلطان ملک شاہ کو مُعِزُّ الدُّنیَا وَالدِّین کا لقب عطا فرمایا ۔لیکن سلطان کے انتقال کے بعد یہ لقب موروثی تمغہ ہو گیا ۔کیونکہ سلطان برکیارق رُکنُ الدُّنیَا وَالدِّین اور محمود ۔ غِیَاثُ الدُّنیَا وَ الدِّین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ علیٰ ہذالقیاس۔ نَاصِرُ الدُّنیَا وَ الدِّین اور مُحیُّ الدُّنیَا والدِّین بھی القاب تھے ۔اور بیگمات کو بھی لقب الدُّنیَا وَالدِّین دیا جاتا تھا ۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ یہ القاب و خطاب بادشاہوں کو سزاوار ہیں کیونکہ دین و دنیا کی مصلحت انھیں کی ذات سے وابستہ ہیں ۔ مجھے نہایت تعجب ہوتا ہے جب میں ایک معمولی غلام کا لقب معین الدین و تاج الدین سنتا ہوں ۔ حالانکہ مذہب کو ان حضرات سے نہایت نقصان پہنچتے ہیں اور اُن سے زیادہ بد مذہب کوئی دوسرا نہیں ہے۔

ماحصل اس بیان کا یہ ہے کہ صرف چار گروہوں کو لقب دین و اسلام کے سزاوار ہیں۔

(۱) بادشاہ ۔(۲) وزیر ۔ (۳) عالم ۔ (۴) امیر۔ اور امیر بھی عام طور سے نہیں بلکہ وہ جو جہادی لڑائیوں میں مشغول رہتا ہو۔ اور اُن کے علاوہ جو کوئی دین و اسلام اپنے لقب

---

[1] المقتدی بامراللہ ابوالقاسم عبداللہ ۔ ۴۶۷ھ میں اپنے باپ القائم بامر اللہ کے انتقال پر تخت نشین ہوا ۔اس خلیفہ کے وقت میں دولت بنی بویہ کا تو خاتمہ ہو چکا تھا ۔ مگر آل سلجوق اب بجائے اُن کے حکومت کرتے تھے خلفاء عباسیہ میں اَلمُقتَدِی ایک عالی ہمت اور دانشمند شخص تھا ۔ مذہبی احکام کی اشاعت پر خاص توجہ تھی ۔ ۴۸۷ھ میں یکایک انتقال کیا ۔سلطان ملک شاہ اور المقتدی کے تعلقات کو ہم نے کسی قدر حصہ اول کے صفحہ میں لکھ دیا ہے لہٰذا اس موقعہ پر تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

میں اضافہ کرکے اُس کو سزا دی جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اور عطائے خطاب سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ شخص عوام سے ممتاز سمجھا جائے۔ مثلاً ایک مجلس میں دس آدمیوں کا نام محمد ہے اب اگر ہم اُن میں سے صرف ایک کو پکاریں تو سب کے سب پکار اُٹھیں گے کہ لبّیک گو خطاب ایک ہوگا مگر ہر شخص سمجھے گا کہ مجھ کو بلاتے ہیں۔ اور جب اُن میں سے ایک کا موفق۔ دوسرے کا کامل تیسرے کا سدید۔ چوتھے کا رشید لقب ہوگا تو آواز دینے پر صرف وہی ایک شخص بولے گا۔ اور لقب ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے ہر ایک درجے و مرتبے میں بہ لحاظ خرد و بزرگ تمیز ہوتی ہے۔ شاہان بیدار و عادل کو چاہیے کہ آئین قدیم پر بھی نظر ڈالتے رہیں اور کوئی کام بغیر غور و فکر نہ کریں[1]۔

---

[1] جو شکایت پانچویں صدی ہجری میں خواجہ نظام الملک نے اپنی سلطنت سے کی ہے بجنسہٖ وہی شکایت آج بھی موجود ہے کیونکہ شاہی تقریبات پر جب خطاب پانے والوں کی فہرست چھپتی ہے تو اُس میں عجیب قسم کا فرق نظر آتا ہے۔ اور کوئی خاص اُصول خطاب ملنے کا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ کیونکہ عام نگاہوں میں جو شخص بہمہ وجوہ خطاب کا مستحق ہوتا ہے وہ گورنمنٹ کی عزت افزائی سے محروم رہ جاتا ہے اور ایسے شخص کو خطاب مل جاتا ہے جس کی نسبت وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ سلطنت نے عطائے خطاب کے واسطے کسی خاص سفارش پر لحاظ فرمایا ہو جس کی عوام کو خبر نہ ہو۔ دوسری غلطی یہ ہو رہی ہے کہ جو جس خطاب کا مستحق ہے اُس کو وہ خطاب نہیں ملتا ہے بلکہ دوسرا خطاب دیا جاتا ہے جس کو پانے والا بھی پسند نہیں کرتا ہے مثلاً علما۔ کو بجائے شمس العلما۔ کے خان بہادر کا خطاب ملتا ہے اور جو خان بہادری کے مستحق ہیں وہ شمس العلما ہو جاتے ہیں۔ تمام ہندوستان اور عموماً ہر طبقے میں اس وقت ایسے باکمال اور خیر خواہ سلطنت موجود ہیں جو قدر دانی کے مستحق ہیں مگر وہ حکام ماتحت کے غلط انتخاب کی وجہ سے ہمیشہ محروم رہ جاتے ہیں۔

ایسی ہی شکایت ہم کو اپنے علما سے بھی ہے کہ وہ خود اپنے لیے چوڑے القاب تجویز کر لیتے ہیں اور بجائے مختصر ناموں کے مُہر میں طولانی عبارتیں نظر آتی ہیں۔ اور اُن سے زیادہ اُن کے حال پر افسوس ہوتا ہے جن کے ناموں کے قبل 'علامہ' اور ابوالفضل وغیرہ لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ القاب نہ سلطنت کی طرف سے عطا ہوتے ہیں نہ ملک کی طرف سے دیئے گئے ہیں بلکہ خود انھیں کے دماغ اور قلم کا نتیجہ ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بھی عطائے القاب میں نہایت ہی بخل سے کام لیا ہے۔ ہمارے زمانے کے فرضی 'علامہ' اور 'ابوالفضل' بوعلی سینا سے بڑھ کر نہیں ہیں جن کو باوجود اس فضل و کمال کے صرف ایک مختصر خطاب دیا گیا تھا یعنی 'شیخ' مگر انصاف یہ ہے کہ جو عظمت و جلال 'شیخ' کے لفظ سے ہویدا ہے وہ مطلا و مینا کار تمغوں میں بھی ڈھونڈنے سے نہیں مل سکتی ہے۔

(۳۷) ہر کسے را بہر کارے ساختند
لِکُلِّ عَمَلٍ رِجَالٌ

شاہانِ بیدار اور وزرائے تجربہ کار نے کسی زمانے میں یہ نہیں کیا ہے کہ ایک شخص کو دو خدمتیں سپرد کی ہوں۔ کیونکہ اس صورت میں دو کاموں میں سے حسن و خوبی کے ساتھ صرف ایک ہی ہوگا اور ایک یا تو کلیتہً خراب ہوجائے گا یا اُس میں کوتاہی ہوگی۔ غرض کہ بااُصول نہ یہ ہوگا اور نہ وہ۔ اور جب تم خود غور سے دیکھو گے تو اس قسم کے عہدے دار کو ہمیشہ جنجال میں پھنسا ہوا پاؤ گے اور خرابی کام پر تم اُس کا یہ بھی عذر سنو گے کہ میں کیا کیا کروں؛ اور اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ "جس گھر میں دو بیبیاں ہوتی ہیں وہاں اچھی طرح جھاڑو نہیں دی جاتی ہے۔

دخانہ بدو کد بانو نارفتہ بود) سلطان کی غفلت اور وزیر کی ناقابلیت کی ایک یہ بھی پہچان ہے کہ دفتر وزارت سے ایک عامل کو دو خدمتوں کا پروانہ دیا جائے۔ اس انتظام سے علاوہ دیگر مشکلات کے ایک دقت یہ بھی پیش آتی ہے کہ بہت سے کام والے بیکار بیٹھے رہتے ہیں۔

زمانہ سابق میں ایک خاص اہتمام یہ بھی تھا کہ جو لوگ شریف خاندان، پارسا، اور مذہب میں راسخ الاعتقاد ہوتے تھے انھیں کو خدمتیں دی جاتی تھیں۔ اس معاملے میں میں پھر کہوں گا کہ ملک کا سب سے بڑھ کر وہ دشمن ہے کہ دس آدمی بیکار پڑے رہیں اور اُن کا کام تنہا ایک شخص کرتا رہے۔ سلطنت کے ایسے دشمن کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بادشاہ سے یہ کہتا ہے کہ خداوند نعمت ملک میں ہر طرف امن وامان ہے۔ اس وقت کوئی دشمن مقابلے پر آمادہ نہیں ہے۔ شاہی فوج کی تعداد تقریباً چار لاکھ ہے۔ مگر میرے نزدیک صرف ستر ہزار کافی ہے۔ اگر بقیہ رسالے اور پلٹنیں توڑ دی جائیں تو خزانے میں اس قدر روپیہ کی توفیر ہو جائے گی اور چند سال کے بعد خزانہ پورے طور سے معمور ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر سمجھ لو کہ ہمارے خداوند نعمت کے قبضۂ حکومت میں آج ملک خراسان، ماوراء النہر کاشغر، بلا ساغون، خوارزم، نیمروز، عراق، فارس، شام، آذربائیجان، ارمن، انطاکیہ، اور بیت المقدس ہے۔ اور فوج کی تعداد صرف چار لاکھ ہے۔ اگر بجائے چار لاکھ کے سات لاکھ سوار ہوتے تو سندھ، ہند

لے صفحہ ۱۴۸ ملغایت ۱۵۶ فصل ۴۲۔

ترکستان، چین، ماچین، حبش، بربر اور اقصائے مغرب پر ہمارا قبضہ ہوتا۔ اب ہم اگر ان میں سے بھی تین لاکھ تیس ہزار سواروں کے نام کاٹ دیں تو بتایئے کہ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے۔ ضرور ہے کہ دوسری سلطنت میں رجوع کریں گے۔ یا کسی کو اپنا افسر بنا کر سارے ملک میں تاخت وتاراج شروع کریں گے اور اُن کی ذات سے اس قدر شورش پیدا ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کئے ہوئے خزانے بھی خالی ہوجائیں گے۔ جیسا کہ فخرالدولہ کے عہد میں ہوا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطنت کا قیام فوج سے ہے اور فوج روپیہ کے بل پر رکھی جاتی ہے۔ اب جو شخص اس کے خلاف ہوگا وہ ملک کا دشمن ہے۔

جس طرح فوج کی نگہداشت ضروری ہے اسی طرح اُن عمّال کی بھی جو اپنے فرائض سے سُبک دوش کر دیئے گئے ہیں۔ بڑے عہدہ داروں سے جب اُن کی خدمتیں لے لی جائیں تو اُن کی خورد و نوش کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اُن کے حقوق کو نظرانداز کرنا مصلحت ملکی، اور اخلاق و مروت کے بھی خلاف ہے۔ تیسرا گروہ علماء و فضلا کا ہے۔ یہ بھی بیت المال سے وظیفہ پانے کے مستحق ہیں۔ میں اُس وزیر کو اچھا نہیں سمجھتا ہوں جو اس گروہ کے حالات سے بادشاہ کو مطلع نہ کرتا ہے۔ کیونکہ جب اُن کا وظیفہ بند ہو جائے گا تو پھر سلطنت کے خیر خواہ نہ رہیں گے اور (ارباب عدالت پر علاوہ طعنہ زنی کے) ملک کے بیرونی دشمنوں سے سازش کر جائیں گے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ "لِکُلِّ عَمَلٍ رِجَالٌ" اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطنت میں ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ، درجے کے کام ہوتے ہیں اس لئے ہر عامل اور حکمراں کو بہ لحاظ اُس کے علم و فضل اور شائستگی کے عہدہ دینا چاہیے۔ اگر کوئی عہدہ دار ایک کام کے ہوتے ہوئے دوسرے خدمت کی درخواست کرے تو وہ ہرگز منظور نہ کی جائے۔

اس انتظام سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ لائق اشخاص برسرکار ہو جاتے ہیں اور ملک کی سرسبزی میں ترقی ہو جاتی ہے۔

وزیر جو تمام عمال اور والیان ملک کا افسر اعلیٰ ہے۔ اس کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ مرتشی اور خائن نہ ہو۔ کیونکہ افسر کا اثر ماتحتوں پر پڑتا ہے جو وزیر نیک نام اور نیک سیرت ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہ کو اپنا جیسا کر لیتے ہیں، اور جن بادشاہوں کا آج ذکر خیر کیا جاتا ہے دراصل یہ وہی ہیں جن کے وزیر نیک تھے۔ مثلاً

	نام بادشاہ		نام وزیر
۱	حضرت سلیمان علیہ السلام	۱	آصف بن برخیا
۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام	۲	ہارون علیہ السلام
۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۳	شمعون
۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
۵	کیخسرو	۵	گودرز
۶	منوچہر	۶	سام
۷	افراسیاب	۷	پیران پسر ویسہ
۸	گشتاسپ	۸	جاماسپ
۹	بہرام گور	۹	خورده روز
۱۰	نوشیرواں	۱۰	بزرجمہر
۱۱	ہارون الرشید	۱۱	برامکہ (یحییٰ، فضل، جعفر)
۱۲	سلطان محمود	۱۲	شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی
۱۳	فخر الدولہ دیلمی	۱۳	اسمٰعیل عباد (ملقب بہ صاحب)
۱۴	سلطان طغرل سلجوقی	۱۴	ابونصر کندری

یہ چند نام ہیں نے بطور مثال کے لکھ دیئے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی طولانی فہرست تیار ہو سکتی ہے وزیر کے واسطے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مذہب کا پکا، عقائد کا مستحکم، اور بادشاہ کا جاں نثار ہو۔ اور اگر وزیر خاندان وزارت سے ہو تو سبحان اللہ!

ہ وزرار اسلام وغیرہ کی یہ ایک مختصر فہرست ہے۔ اگر ملک کے نامور مصنف ان میں سے ایک ایک وزیر کی سوانح عمری لکھنا شروع کریں تو نہایت بیش قیمت تاریخی ذخیرہ جمع ہو جائے۔ خواجہ نظام الملک بھی اسی فہرست میں داخل ہے اور برامکہ کی مکمل سوانح عمری اس کے قبل شائع ہو چکی ہے۔

اس دفعہ میں جو بحث خواجہ نظام الملک نے کی ہے وہ زمانہ حال میں بھی مباحثہ طلب ہے اور ہندوستان کی مشہور معروف انجمن "نیشنل کانگرس" کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ جو حکام دو قسم کے اختیارات رکھتے ہیں ان کا جداگانہ بندوبست کیا جائے۔

چنانچہ اردشیر بابکان کے زمانہ سے یزدجرد اخیر شہنشاہ عجم تک یہی سلسلہ جاری رہا جس طرح بادشاہ ابن بادشاہ ہوتا تھا ۔ اسی طرح سے وزیر ابن وزیر ہوا کرتا تھا لیکن زوال سلطنت کے ساتھ ہی وزراء عجم کے خاندان سے وزارت بھی جاتی رہی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو کام جس کے سپرد کیا جائے وہ اس کا اہل ہو۔ اور دو خدمتیں ایک شخص کو نہ دی جائیں۔ بادشاہ ہمیشہ رعایا کے حالات کی تفتیش کرتا رہے اور لڑکوں کو کبھی اعلیٰ درجہ نہ دیوے اور بوڑھے اور عقیل لوگوں سے صلاح اور مشورہ کرتا رہے اور عدل و سیاست کی ترازو سے تمام کاموں کو تولتا رہے ۔

(۳۸) بیگمات شاہی کے اختیارات

بادشاہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے زیردستوں کو حاوی نہ ہونے دے کیونکہ اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ اور بادشاہ کی عزت و منزلت گھٹ جاتی ہے ۔ خصوصاً بیگمات کہ یہ پردہ نشینوں کا گروہ ہے اور ان میں اعلیٰ درجے کی عقل نہیں ہوتی ہے اور یہ سیپیاں صرف موتیوں کے گون کی ہیں ۔ (گوہر نسل مقصود ہے) چنانچہ مشہور قول ہے ۔ کہ ہرچہ اصیل تر شائستہ تر، ہرچہ مستور تر ستودہ تر۔ بیگمات شاہی جو حکم دیتی ہیں یہ ہمیشہ وہی ہوتے ہیں جو اہل غرض اُن کو بھا دیتے ہیں ۔ کیونکہ مردوں کی طرح عورتوں کو برائے العین دیکھنے کا موقعہ نہیں ملتا ہے بلکہ اُن کی پیش خدمتیں' کان بھرتی رہتی ہیں ۔ اس لئے عورتوں کے احکام اکثر راستی کے خلاف ہوتے ہیں ' جن سے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں ۔

زمانۂ سابق میں بھی جب عورتوں کا سلطنت پر غلبہ ہوا ہے تو ایسے شور و شر پیدا ہوئے ہیں جس کی نظیر سودابہ[۲] اور کیکاؤس کا معاملہ ہے ۔

بادشاہوں کا ہمیشہ یہ اُصول رہا ہے کہ وہ کبھی عورتوں کے فرماں بردار نہیں ہوئے ہیں اور نہ کبھی اُن کے راز عورتوں کے کانوں تک پہنچے ہیں ۔

---

[۱] دفعہ ۴۲ ۔ صفحہ ۱۵۶

[۲] شاہ ہاماوران کی بیٹی اور کیکاؤس کی بی بی کا نام ہے ۔ یہ اپنے سوتیلے بیٹے سیاوش پر فریفتہ ہو گئی تھی ۔ پورا قصہ شاہنامۂ فردوسی میں درج ہے ۔

سکندرِ اعظم[1] نے جب وارثِ تختِ عجم پر فتح پائی اور دارا[2] کو اُس کے ایک نمک حرام خدمت گار نے قتل کر ڈالا تو مصاحبوں نے سکندر سے کہا کہ دارا کا محل پریوں کا مسکن ہے اور اُس کی بیٹی[3] تو اس بلا کی خوبصورت ہے کہ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے۔ سکندر نے جواب دیا۔ کہ" میں نے اُن کے مردوں پر فتح پائی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اُن کی عورتیں مجھے شکست دیں"۔ چنانچہ محض اس خیال سے سکندر نے

---

[1] دنیا کے مشہور ترین بادشاہوں میں سے ایک سکندرِ اعظم بھی ہے یہ نامور اور بلند اقبال فاتح صوبہ مقدونیہ (یونان کے شمال میں ہی کے شہر پیلا میں ۳۵۵ برس قبل مسیح علیہ السلام پیدا ہوا۔ اس کا باپ فیلقوس مقدونیہ کا بادشاہ تھا! ور اس کی ماں کا نام المپیاس تھا سکندر بچپن ہی سے ہونہار معلوم ہوتا تھا! ور اس کی تعلیم و تربیت شاہانہ طریقے سے کی گئی تھی سکندر کی پہلی معلمہ اس کی دایہ دے نیکا تھی اس کے بعد لیونٹس، سیماوس، اتالیق مقرر ہوئے آدر تکمیل ارسطو کی تعلیم سے ہوئی جس میں بڑا حصہ فلسفہ اور ریاضی کا تھا سکندر کی سوانح عمری میں سب سے تعجب انگیز امر ہے کہ اس نے بیس سال کی عمر میں سلطنت شروع کی اور تینتیس سال کی عمر میں فوت ہو گیا اور صرف ۱۲ بارہ سال میں دنیا کا اس قدر حصہ فتح کر لیا جو آج ایک صدی میں بھی دشوار ہے سکندر کی فتوحات میں سب سے عظیم الشان دارا کا مقابلہ ہے جس میں گیارہ لاکھ پیدل اور دس ہزار ایرانی سوار تھے اور سکندر کی کُل فوج پچاس ہزار تھی مگر دارائے عجم کو بمقام اربیلا (اردبیل) ۳۳۱ء قبل مسیح میں شکست ہوئی اس فتح سے کل مغربی ایشیا پر سکندر کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد سکندر نے اُس علاقے پر قبضہ کر لیا جو دریائے ڈینوب اور دریائے اندس کے درمیان واقع ہے اور آخر میں فتوحات کا سیلاب بیاس اور ستلج کے سنگم تک پہنچا۔ اس وقت سکندر کی عمر ۲۶ برس کی تھی فتوحات سے سکندر کا غرور بڑھتا جاتا تھا۔ اور مزاج سے سپاہیانہ پن، سادگی، اعتدال، انصاف پسندی، رخصت ہوتی جاتی تھی۔ لباس و پوشاک طرزِ معاشرت، اور عیش و عشرت میں سکندر ایرانیوں کا مقلد ہو گیا تھا۔ اور قومی شعار آہستہ آہستہ رخصت ہو رہے تھے۔ سکندر کی سوانح عمری سے انسان کو نہایت مفید سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ سکندر نے یونانی تہذیب و زبان کو فتوحات کے ساتھ ساتھ ترقی دی۔ علم جغرافیہ، اور خواص الاشیا کے عجیب نکات قدیم دنیا کو صرف سکندر کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے کم از کم ستر شہر آباد کئے اور ایسے موقعہ پر جس کے ذریعے سے تجارت اور شائستگی میں ازحد ترقی ہوئی۔

[2] شاہانِ عجم کے سلسلۂ کیاں میں دارا نواں تاج دار ہے۔ یہ داراب کا بیٹا تھا۔ دنیا کی عظیم الشان سلطنت پر حکمرانی کرتا تھا۔ چودہ برس حکومت کر کے دنیا سے سدھارا۔

[3] دارا کی بیٹی کا نام روشنک تھا۔ اور حقیقت میں یہ حسن و جمال کی دیوی تھی۔ اگرچہ لڑائی کے موقعہ پر سکندر نے دارا کے محل سرا کو نہیں دیکھا لیکن بعد میں دارا کی وصیت کے مطابق روشنک کو بی بی بنایا۔

دارا کے حرم سرا کی سیر نہیں کی۔ علی ہذالقیاس زمانۂ بنی اسرائیل میں یوسف و کرسف اور عجم میں شیریں خسرو اور فرہاد کا قصہ مشہور ہے۔ بزرجمہر سے لوگوں نے پوچھا کہ آل ساسان میں تم ایسا مدبّر اور فرزانہ وزیر موجود تھا تو پھر اُن کی بربادی کا باعث کیا ہوا؟ حکیم نے جواب دیا کہ اس زوال کے دو سبب تھے ایک یہ کہ آل ساسان نے بڑے کام چھوٹوں کے سپرد کر رکھے تھے۔ دوسرے یہ کہ ارباب دانش کا کوئی خریدار نہ تھا اور سلطنت کے کام عورتوں اور لڑکوں پر چھوڑ دیتے گئے تھے۔ اور جب اُمور سلطنت اس گروہ کے سپرد ہوں تو جان لو کہ اب سلطنت اس گھر سے رخصت ہوا چاہتی ہے۔

مامون الرشید عباسی کا قول ہے کہ "کوئی بادشاہ ایسا نہ ہونا چاہیے جو پردہ نشینان حرم کو سلطنت اور فوج اور خزانے کے معاملات میں گفتگو یا مداخلت کرنے کی اجازت دے۔ یا وہ کسی کی حمایت کریں یا ایک کو مقرر اور دوسرے کو برطرف کریں یا کسی کو سزا دیں۔ کیونکہ جب ایسی صورت ہوگی تو مردوں کا اس دربار میں ہجوم ہوگا۔ اس وقت اُس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوں گے۔ اور اس کا اثر سلطنت پر پڑے گا۔"

کیخسرو کا قول ہے کہ جو بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی سلطنت قائم رہے اور ملک تباہ نہ ہو اُس کو چاہیے کہ بیگمات کو سر نہ چڑھائے اور سوائے اپنی لونڈی باندیوں کے اُن کو اس قدر موقعہ نہ دیا جائے کہ وہ کسی اور معاملے میں گفتگو کریں۔

امیر المومنین فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ "عورتوں کا کلام بھی مثل عورتوں کے پردے میں رہنا چاہیے یعنی جس طرح علانیہ کوئی اُن کو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح کھلم کھلا کوئی اُن کی بات بھی نہیں سن سکتا ہے۔" یہ چند نظائر اس مضمون میں کافی ہیں۔ زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔

لے یوسف و کرسف کا قصہ مثنوی مولانا روم میں مفصل تحریر ہے۔ اور اُردو میں قدر بلگرامی مرحوم کی ایک مثنوی اس پر موجود ہے جو چھپ گئی ہے۔ شیریں، خسرو، فرہاد کے حالات بھی مشہور ہیں حاشیہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ٹ ہمارے زمانے کے سعدی اور عمر خیام شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی مدظلہ العالی نے اس مضمون کو ایک رباعی میں نہایت ہی خوبی سے ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

دیکھو جس سلطنت کی حالت برہم ۔۔۔ سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم

یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت ۔۔۔ یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

اب یہ سمجھ لو کہ زبردست اور زیردست کے کیا معنی ہیں۔ خلاق عالم نے سب سے زبردست بادشاہ کو پیدا کیا ہے اور ساری دنیا اس کے ماتحت (زیردست) اور وظیفہ خوار ہوتی ہے۔ لہذا اُن کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھنا چاہیے کہ وہ ہمیشہ فرماں بردار رہیں اور حد سے زیادہ نہ بڑھنے پائیں۔ ایک دن حکیم بزرجمہر[1] نے نوشیروان عادل سے کہا کہ ملک و سلطنت بادشاہ کے لئے ہے لیکن بادشاہ نے ملک فوج کو دے رکھا ہے۔ حالانکہ یہ حق اہل ملک کا ہے۔ اگر فوج والے رعایا پر مہربان نہ ہوں

---

[1] بزرجمہر (بوذرجمہر، زرمہر، بزرگ مہر) نوشیروان عادل کا مشہور وزیر ہے جو عام طور پر حکیم بزرجمہر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے باپ کا نام "سوخرا" ہے اور لقب "بختکان" اور اسی مناسبت سے بزرجمہر کو ابن بختکان کہتے ہیں۔ سوخرا کا سلسلۂ نسب طوس بن نوذر تک پہنچتا ہے۔

آثارالوزرا کی روایت ہے کہ دربار نوشیرواں میں بزرجمہر کی رسائی اس تقریب سے ہوئی تھی کہ نوشیرواں نے ایک شب میں تین مرتبہ خواب دیکھا کہ "اس کے سامنے ایک پیالہ شراب کا بھرا ہوا رکھا ہے۔ اور ایک سور (خوک) آکر اُس کو پی جاتا ہے"۔ یہ خواب دیکھ کر وہ بدحواس ہوگیا۔ اور موبدوں سے جو ملازم دربار تھے کوئی اس خواب کی صحیح تعبیر نہ بتا سکا۔ تب اطراف ملک سے اور معبر طلب ہوئے۔ چنانچہ سرد آزاد نامی ایک موبد بزرجمہر کو مرو سے لایا۔ اور اُس نے نوشیرواں کو بتایا کہ "حرم سرا میں خواجہ سراؤں کے لباس میں ایک مرد چھپا ہوا ہے۔ اور کوئی بیگم اُس سے ناجائز تعلق رکھتی ہے"۔ چنانچہ تحقیقات سے قیصر روم کی بیٹی پر (جو نوشیرواں کی ایک بیگم تھی) یہ جرم ثابت ہوا۔

اس واقعہ کے بعد نوشیرواں نے بزرجمہر کو اپنا مصاحب بنا لیا اور پھر آہستہ آہستہ ترقی دے کر درجۂ وزارت تک پہنچایا۔ نوشیرواں کو خوش نصیبی سے جیسے ارکان سلطنت مل گئے تھے اس کی نظیر سے ساسانیوں کا اخیر دور خالی ہے اس نامور اور مدبر وزیر کے مشورے سے نوشیرواں نے بہت سے ایسے کام کئے ہیں جن کے سبب سے نوشیرواں کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ مزدک کا قتل اور مذہب مزدکیہ کا استیصال بھی اسی وزیر کے مشورے سے ہوا تھا۔ ہندوستان کے راجہ پرتاب چند نے بزرجمہر کے زمانے میں نوشیرواں کو شطرنج روانہ کی تھی جس کے جواب میں بزرجمہر نے "نرد" ایجاد کر کے بھیج دی تھی۔ اخیر زمانے میں ایک قصور پر نوشیرواں نے بزرجمہر کو پھانسی دیدی۔ اس حکیم کے اقوال کتب تواریخ اور کتب ادب میں بکثرت تحریر ہیں۔ چنانچہ علامہ بہاء الدین عاملی نے اپنی کتاب کشکول اور المخلاط میں بہت سے اقوال نقل کئے ہیں۔

انتخاب از کتاب آثارالوزرا سیف الدین۔ و ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۸۷۔

اور صرف اپنے جہت کی خیر منائیں اور اُن کو ہر قسم کی سیاست کا حکم دے دیا جاتے تو پھر بادشاہ اور فوج میں کیا فرق باقی رہے گا۔ احکام سیاست ہمیشہ بادشاہ سے متعلق ہوتے رہے ہیں۔ فوج کو کبھی حد سے زیادہ اختیار نہ دیا جاتے۔

اگر کوئی بادشاہ چاہتا ہے کہ سلاطین سابق پر سبقت لے جائے تو اُس کو اپنے اخلاق درست کرنا چاہیے۔ اور یہ اس طرح پر ممکن ہے کہ کینہ، حسد، کبر، غضب، شہوت، حرص، لجاجت، بخل، ظلم خودکامی، ناسپاسی، اور دروغ گوئی کو چھوڑ دے۔ اور حیا، حلم، عفو، تواضع، سخاوت، راستی، صبر شکر، عدل، انصاف، کو اپنا شعار بنائے۔ جو بادشاہ ان صفات سے آراستہ ہوتا ہے اُس کو کبھی مشیر سلطنت کی حاجت نہیں ہوتی ہے۔

(۳۹) خزانہ

بادشاہوں کے ہمیشہ دو خزانے ہوا کرتے تھے۔ ایک خزانہ اصلی یعنی سرمایہ دوامی اور دوسرا خزانہ خرچ، جس سے روزمرہ صرف ہوتا تھا۔ ملک کا خراج اور تمام آمدنیاں سرمایہ دوامی میں جمع کی جاتی تھیں اور بغیر خاص مجبوری کے اس خزانے سے نہیں لیا جاتا تھا، اور اگر لیا جاتا تھا تو قرض کے طور پر اور جس بادشاہ کو یہ خیال نہ ہوگا اُس کا خزانہ ہمیشہ خالی رہے گا اور مہم کے وقت دقت اٹھانا پڑے گی۔

خزانے کے معاملے میں یہ بھی احتیاط رکھنا چاہیے کہ جو محصول وقت پر آنے والے ہوں اُن کو کسی دوسری رقم میں محسوب نہ کیا جائے ورنہ اخراجات میں دشواری پیش آئے گی۔ چنانچہ ایک تاریخی واقعہ بیان کرتا ہوں۔

سلطان محمود نے اپنے حاجب امیر التونتاش کو ولایت خوارزم پر نامزد کیا۔ سالانہ خراج خوارزم کا ساٹھ ہزار دینار تھا اور التونتاش کا سالانہ وظیفہ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ امیر مذکور کو جب ایک سال ہو گیا تو سلطان کی خدمت میں عرض داشت روانہ کی کہ ساٹھ ہزار دینار جو خوارزم کا خراج ہے۔ وہ میرے وظیفے میں محسوب کر دیا جائے۔ بجائے اس کے کہ خزانے سے یہ رقم ادا کی جائے۔" وزارت پر اس وقت شمس الکفاۃ احمد حسن میمندی تھا۔ اُس نے عرضی کو پڑھکر یہ جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم! امیر التونتاش کو واضح ہو کہ یہ امر کسی طرح پر بہتر نہیں ہے۔ جس قدر

خراج کی ادائیگی تمہارے ذمّے ہے وہ کبھی چھوڑا نہیں جا سکتا ہے۔ لہٰذا محصول ملکی خزانے میں داخل کرو اور تمہارے وظیفے کی وا‌‌نہد ملک سیستان سے کرائی جائے گی تاکہ آقا اور غلام میں فرق باقی رہے۔

مجھے امیر خوارزم کی عقل پر تعجب آتا ہے کہ اُس نے ایسی درخواست کرنے کی کیونکر جرأت کی یا تو اس نے محمود کو بہ نظر حقارت دیکھا ہے۔ یا احمد حسن کو غافل اور ناتجربہ کار سمجھ رکھا ہے۔ بہرحال اس خیال سے توبہ کرنا چاہیئے۔ غلام کا اپنے آقا سے ساجھا کرنا نہایت خطرناک ہے"

چنانچہ احمد حسن نے ایک سپاہی کے ہاتھ یہ خط بھیج دیا اور خوارزم شاہ نے ساٹھ ہزار دینار خزانے میں داخل کئے اور عامل سیستان کو لکھا گیا کہ وہ مازو اور پوست انار اور روئی خوارزم کو بھیج دے۔

(۴۰) فیصلہ مقدّمات

بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ فریادی جمع رہا کرتے ہیں، اور جب تک اُن کی داد رسی نہیں ہوتی ہے وہ موجود رہتے ہیں۔ کوئی مسافر یا کسی ملک کا سفیر جب یہ حالت دیکھے گا تو وہ خیال کرے گا کہ اس ملک میں یوں ہی ظلم وستم ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے ظلم کا دروازہ بند ہونا چاہیئے۔ بعد سماعت واقعہ اور اجرائے احکام فریادی فوراً رخصت کر دیئے جائیں۔

مشہور ہے کہ یزدگرد شہنشاہِ عجم نے امیر المومنین فاروق اعظم کے دربار میں اپنا سفیر بھیجا۔ اور یہ کہلا بھیجا کہ "ساری دنیا میں میرے دربار سے زیادہ شان و شوکت کسی دربار میں نہیں ہے نہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس لشکر و خزانہ ہے۔ اور جس قدر ساز و سامان ہے وہ بے نظیر ہے"

امیر المومنین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ "تیرا یہ کہنا سچ ہے کہ دربار میں لوگوں کی کثرت ہے، مگر وہ ستم رسیدہ فریادی ہیں تیرا خزانہ بھی آباد ہے مگر وہ حرام کا مال ہے۔ فوج کے سپاہی دلیر ضرور ہیں، مگر نافرمان ہیں۔ یاد رکھ جب سلطنت جاتی رہے گی۔ تو کوئی ساز و سامان کام نہ آئے گا۔ جن چیزوں پر تجھے فخر ہے۔ یہ تیری بداقبالی اور زوال کی علامتیں ہیں"

بادشاہ کو چاہیئے کہ خود عادل ہو اور طمع نہ کرے تب دوسروں پر اُس کا اثر پڑے گا۔ جیسا کہ سلطان محمود[1] غزنوی کا واقعہ ہے کہ ایک سوداگر نے سر دربار سلطان محمود سے شہزادہ مسعود کی شکایت کی اور کہا

---

[1] اس نامور سلطان کا پورا نام بصراحت نسب نامہ یہ ہے "یمین الدولہ نظام الدین ابوالقاسم سلطان محمود غازی بن امیر

کہ میں پردیسی سوداگر ہوں۔ اور مدت سے اس شہر میں پڑا ہوا ہوں گھر جانا چاہتا ہوں لیکن نہیں جا سکتا۔ کیونکہ شہزادے نے ۶۰ ہزار دینار کا مجھ سے سودا خریدا ہے اور قیمت نہیں ادا کرتا ہے، میں

بقیہ صفحہ ۲۸۶: ناصر الدین سبکتگین بن جوق قرا بجکم بن قرا ارسلان بن قرا ملت بن قرا النعمان بن فیروز بن یزد جرد شہریار فارس؛ یہ بہادر فاتح جمعرات کی شب کو (شب عاشورا) بتاریخ نویں محرم الحرام ۳۶۱ھ (مطابق یکم اکتوبر ۹۷۱ء) پیدا ہوا۔ اور امیر سبکتگین کے سایہ عاطفت میں سنِ رُشد کو پہنچا۔ اور امیر مذکور کے انتقال پر چھبیس برس کی عمر میں بمقام غزنین ۳۸۸ھ ۹۹۸ء تخت نشین ہوا۔ خراسان، بخارا، اور بلخ کی فتوحات کے بعد بروز یک شنبہ ماہ صفر ۳۸۹ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۹۹۹ء) سلطان نے امیر الامرائی کے درجے سے (یہ منصب سلاطین سامانیہ کی طرف سے تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور خطبے سے عبد الملک بن نوح سامانی کا نام خارج کرکے اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اور اسی سال خلیفہ القادر باللہ عباسی نے سلطان کو یمین الدولہ کا خطاب مرحمت فرمایا۔ جب ملک کے اندرونی انتظامات سے اطمینان ہو گیا تو سلطان نے ہندوستان کا رخ کیا اور متواتر حملے کرکے کامیابیاں حاصل کیں۔ چنانچہ فتوحات ہند میں سب سے عظیم الشان سومنات کا کارنامہ ہے۔ سلطان اس مہم پر ستمبر ۱۰۲۴ء میں غزنین سے روانہ ہوا تھا اور اکتوبر ۱۰۲۴ء میں بمقام ملتان پہنچا تھا۔ چنانچہ مسلسل لڑائیوں کے بعد بروز دوشنبہ ماہ شعبان ۴۱۶ھ (مطابق ۱۰ ستمبر ۱۰۲۵ء) سومنات کا مندر فتح ہوا۔ شعرا نے مبارکباد کے قصائد پڑھے۔ عسجدی مروزی کے چند شعر پر ہم یہاں اکتفا کرتے ہیں۔

تا شاہِ خسرواں سفرِ سومنات کرد — آثار غزو را علم معجزات کرد
نبرد نام کفر جہاں را زلوحِ دیں — شکر و دعائے خویشتن انداجات کرد
شطرنج ملک باخت ملک با ہزار شاہ — ہر شاہ را بلعبِ دگر شاہ مات کرد
محمود شہریار ملک آنکہ ملک را — بنیاد بر محامد و بر مکرمات کرد
شاہا تو از سکندر بیشی بداں جہت — کو ہر سفر کہ کرد بدیگر جہات کرد
یمین الرضائے ایزد جوئے تو در سفر — با زاد سفر بجستن عین الحیات کرد

تو کارہا بہ نیزہ و تیر و کماں کنی
او کارہا بحیلہ و کلک و دوات کرد

سلاطین غزنویہ میں محمود سے زیادہ جاہ و جلال والا کوئی اور بادشاہ نہیں گذرا ہے۔ خراسان، خوارزم، طبرستان، عراق، بلاد نیمروز، فارس، خیال، غور، طخارستان (ہندوستان صوبہ پنجاب)، پر اس کی حکومت تھی۔ (باقی در صفحہ آئندہ)

چاہتا ہوں کہ میرے مقابلے میں شہزادہ مسعود قاضی کے سامنے بھیجا جائے" محمود کو سوداگر کا واقعہ سن کر نہایت رنج ہوا اور مسعود سے کہلا بھیجا کہ "یا تو سوداگر کا تصفیہ کردو۔ یا اس کے ساتھ کچہری میں قاضی کے سامنے حاضر ہو۔ تاکہ شرعی حکم جاری کیا جائے" چنانچہ سوداگر قاضی کے سامنے حاضر ہوا۔ جب سلطان کا پیام مسعود تک پہنچا۔ اُس نے فوراً تحویل دار سے پوچھا کہ خزانے میں کس قدر نقد موجود ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ بیس ہزار دینار۔ شہزادے نے کہا کہ یہ رقم سوداگر کو دے کر بقیہ کے لئے تین دن کی مہلت مانگو۔ اور سلطان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ بیس ہزار دینار میں نے اس وقت ادا کر دیئے اور تین دن میں بقیہ بھی ادا کردوں گا۔ میں کپڑے پہن کر تیار بیٹھا ہوں کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ آیا میں دارالعدالت کو جاؤں یا نہ جاؤں" سلطان نے کہلا بھیجا کہ "میں کچھ نہیں جانتا۔ جب تک سوداگر کا روپیہ بے باق نہ کرے گا میں تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا" مسعود بھی ان باتوں کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ اِدھر اُدھر سے قرض لے کر دوسری نماز کے وقت تک ساٹھ ہزار دینار نقد سوداگر کو ادا کر دیئے۔ جب یہ خبر سوداگروں کے ذریعے سے ملک چین، خطا، مصر اور دیگر اطراف عالم میں پہنچی تب ہر طرف کے سوداگر غزنین میں جھک پڑے۔ اور دنیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو غزنین کے بازار میں موجود نہ

شہر حمص کے عامل نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز[1] کو درخواست بھیجی کہ شہر کی فصیل گر گئی ہے

بقیہ صفحہ ۲۸۰، اور ملوک ترکستان اس کے فرماں بردار تھے۔ دربار میں ہر علم و فن کے اہل کمال موجود تھے ۳۲ برس سلطنت کر کے چہار شنبے کے دن بماہ ربیع الثانی ۴۲۱ھ (مطابق ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء) میں بمقام غزنین انتقال کیا"

انتخاب از طبقات ناصری صفحہ ۹۔ "و مجمع الفصحا صفحہ ۴۳، تاریخ الفنسٹن حالات محمود و التوفیقات الالہامیہ"

[1] عمر بن عبدالعزیز بن مروان، سلسلۂ خلفائے بنی امیہ میں ساتویں خلیفہ ہیں لیکن بلحاظ صفات و تقدس آپ کا درجہ خلفاء راشدین کے بعد سمجھا جاتا ہے چنانچہ سفیان ثوری حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بعد آپ کو پانچواں خلیفہ قرار دیتے ہیں ۶۲ھ (۶۸۱ء) میں حضرت عمر کی ولادت موضع حلوان (مصر کا ایک مشہور گاؤں ہے) میں ہوئی۔ آپ کی والدہ ام عاصم، فاروق اعظم کی پوتی تھیں۔ اور حضرت فاروق کی پیشین گوئی کہ میری اولاد میں ایک شخص ایسا عادل پیدا ہوگا کہ جس کے عدل سے دنیا بھر جائے گی" وہ عمر ابن عبدالعزیز کے ذریعے سے پوری ہوئی۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنی بیٹی فاطمہ سے بمقام دمشق آپ کا عقد کیا۔ اور سلیمان ابن عبدالملک کے انتقال پر ۹۹ھ (۷۱۷ء) میں تخت نشین ہوئے حکمرانی میں فاروق اعظم کے مشابہ تھے اور سلطنت سے اپنے اہل و عیال کے واسطے صرف دو درہم (آٹھ آنہ) باقی در صفحہ آئندہ)

مرمت کے لئے جیسا حکم ہو اُس کی تعمیل کی جائے۔ خلیفہ نے جواب میں لکھا کہ پتھر، اینٹ و چونے سے دیوار کا بنانا فضول ہے۔ شہر کی چاردیواری عدل و انصاف سے بنا اور راستوں کو ظلم و خوف سے پاک کر۔ خداوند تعالےٰ نے حضرت داؤدؑ سے فرمایا ہے یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔ یعنی اے داؤد میں نے تم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے کہ تم میرے بندوں پر سچائی سے حکومت کرو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنِ اسْتَعْمَلَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ عَامِلاً وَّھُوَ یَعْلَمُ اَنَّ فِی الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِّنْہُ فَقَدْ خَانَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ تفسیر اُس کی یہ ہے کہ پارسا لوگوں کو عامل مقرر کرنا چاہیے۔ تاکہ بندگان خدا کو نہ ستائیں۔ اور اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا نہ کرے تو گویا وہ خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔

یہ دنیا حقیقت میں بادشاہوں کا روزنامچہ ہے اگر وہ یہاں نیکی کریں گے تو نیکی سے یاد

بقیہ صفحہ ۲۸۸ ۔ روز لیا کرتے تھے۔ بیت المال مسلمانوں پر وقف تھا۔ اور اُس میں یہاں تک احتیاط تھی کہ جب تک سلطنت کا کام انجام دیتے تھے اُس وقت تک شمع سامنے جلتی تھی اور بعد ختم کام گل کردی جاتی تھی آپ کی بی بی فاطمہ کو ہمیشہ تنگ دستی کی شکایت رہی مگر آپ پند و نصائح سے راضی کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن تر و تازہ انگور بکنے آئے۔ بی بی سے کہا کہ ایک دینار ہو تو لاؤ۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ جب آپ خلیفہ ہو کر ایک دینار پر قادر نہیں ہیں تو میں کہاں سے لاؤں۔ تقوی کا یہ عالم تھا کہ اپنے عزیزوں میں سے کسی سے ایک سیب تک ہدیتے میں قبول نہیں کیا۔ جو لباس زیب تن رہتا تھا اُس میں اکثر پیوند ہوتے تھے۔ اور انتقال کے وقت جو قمیص پہنے ہوتے تھے بجز اُس کے دوسرا موجود نہ تھا۔ ذمیوں کے ساتھ جو برتاؤ اس عہد میں ہوا وہ ضرب المثل ہے مسجد نبوی کو بہت وسیع کیا باغ فدک بنی فاطمہ کو دیدیا۔ اور امیر معاویہ کے وقت سے حضرت علی اور اُن کے طرف داروں پر خطبہ میں جو لعن طعن ہوا کرتی تھی وہ حکماً بند کردی اور یہی موت کا سبب ہوا۔ لوگوں نے غلام کو ایک ہزار دینار دے کر زہر دلوادیا۔ چنانچہ غلام نے جب تنہائی میں یہ واقعہ بیان کیا تو دینار لے کر بیت المال میں بھیج دیئے اور غلام کو آزاد کر کے حکم دیا کہ بھاگ جاؤ ورنہ لوگ تجھے قتل کر ڈالیں گے۔ دیر سمعان میں بتاریخ ۲۵ ماہِ رجب ۱۰۱ھ (مطابق ۱۰ جنوری ۷۲۰ء) میں ۳۹ برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ۲ برس ۵ مہینے ۱۴ دن حکمرانی کی۔ آپ کی مفصل سوانح عمری "سیرۃ العمرین" ہالینڈ میں چھپ چکی ہے خدا کسی مسلمان کو توفیق دے تو اردو میں بھی ایک مکمل سوانح تیار ہو سکتی ہے۔ آپ کی بی بی کی مدح میں یہ شعر مشہور ہے ؎

"بنت الخلیفہ والخلیفہ جدھا ۔ اخت الخلائف والخلیفۃ زوجھا" انتخاب از تاریخ سیوطی و مختصر الدول وغیرہ

کیے جائیں گے اور اگر بد ہیں تو بُرائی سے یاد کیے جائیں گے۔ اور لوگ اُن پر لعنت کریں گے۔ حکیم عنصری نے خوب کہا ہے۔

ہم سمر خواہی شدن گر سازی از گردوں سریر ‌ ‌ ‌ ‌ ہم سخن خواہی شدن گر بندی از گردوں کمر

رنج بر تا چوں سمر گردی نکو باشد سمر ‌ ‌ ‌ ‌ جہد کن تا چوں سخن گوی توی باشد سخن

(۴۱) مداخل و مخارج

ملک کی آمدنی و خرچ قلمبند کرنا چاہتے، خاص کر خرچ کی رقموں کو بہ نظر تامل دیکھنا چاہیئے جو رقم قابل مجرائی نہ ہو وہ کاٹ دی جاتے۔ اور اگر آمدنی میں زیادتی ہو یا کمی تو عامل سے باز پرس کی جائے اگر اُس کا بیان صحیح نہ ہو تو صورت کی مطالبہ کرنا چاہیئے۔ دنیاوی ال کے حصول میں بادشا کو منصفی کے ساتھ میانہ روی اختیار کرنی چاہیئے اور حتی الوسع آئین ملک اور قدیم اصولوں پر چلنا چاہیئے۔ اور خود کسی بدعت کا موجد نہ ہو۔ بادشاہ کا فرض ہے کہ وہ عُمّال کی جانچ کرے اور آمدنی وخرچ پر نظر رکھے۔ اور دشمنوں کی حفاظت و بچاؤ کی غرض سے خزانہ معمور رہے۔ بادشاہ کی زندگی ایسی ہونا چاہیئے کہ نہ تو کوئی اُس کو بخیل کہے۔ اور نہ اس قدر صَرف کرے کہ لوگ اُس کو فضول خرچ کہیں۔ فیاضی کے موقعہ پر لینے والے کی حیثیت پر نظر رہے۔ جو شخص ایک دینار کا مستحق ہے اُسے سو دینار نہ دینا چاہیئے۔ اور جو سَو کا مستحق ہے اُسے ایک دینار نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے بزرگوں کی قدر و منزلت میں امتیاز نہیں رہتا ہے۔ اور لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کہ بادشاہ اہل فضل اور ارباب دانش کو نہیں پہنچانتا۔ اور بلا سبب رنجیدگی بڑھ جاتی ہے اپنے دشمنوں سے اس طرح لڑے کہ صلح کی جگہ باقی رہے اور دوست دشمن سے ایسا ملا جُلا رہے کہ جب چاہے الگ ہو جاتے۔ اور جب چاہے مل جاتے۔ نہ ہمیشہ خوش طبعی کرے اور نہ ایک دم سے ترش رو ہو جائے، اور اگر کبھی سیر و شکار و لذات دنیاوی میں مشغول ہو جائے تو کبھی کبھی خدا کا شکر ادا کرے، صدقہ دے، روزے رکھے، قرآن شریف کی تلاوت کرے۔ تاکہ دین و دنیا میں برابر حصہ لیتا رہے اور ہمیشہ خیر الامور اوسطہا پر عمل کرے۔ حتی الامکان ایسی کوشش کرتا رہے کہ اُس کا ہر کام دنیا میں یادگار رہ جاتے۔ اور انصاف یہ ہے کہ دنیا کی ساری تکلیفیں صرف نیک نامی کے واسطے ہیں۔ مذہب کے معاملات میں

بھی پوری کوشش کرتا رہے تاکہ خداوند تعالےٰ اُس کے سارے مقصد پورے کرے۔

خاتمہ قانون سلطنت ختم ہو چکا قبل اس کے کہ اس مضمون پر ہم کچھ لکھیں۔ بطور یادگار ایک شاعر کے قصیدے سے چند اشعار نقل کرتے ہیں جس کو نظم میں مختصر تقریظ کہنا چاہیے وھو ہذا۔

بھر بیت ایں کتاب پُراز گونہ گوں گہر ‏ ‏ یا باغ جاں فزائے پراز گونہ گوں ثمر
باغ ست گر بباغ بود موضعِ شمار ‏ ‏ بحر ست گر بہ بحر بود موضع دُرر
ہر فصل اندرو چو درختے ست از نہاد ‏ ‏ بارش ہمہ غرائب و برگش ہمہ غُرر
گنجے ست پر عجائب و کانیست پُر طرف ‏ ‏ درجیست پر بدائع و درجے ست پر گہر
اصلش ہمہ نوادر و فرعش ہمہ مفید ‏ ‏ فصلش ہمہ معانی و شرحش ہمہ عبر
جداست و پند و حکمت و امثال و داستاں ‏ ‏ بے حد درو حکایت و بیمر درو سمر
الفاظ او مہذب و عالی چو آسماں ‏ ‏ معنی ازو چو زھرۂ تاباں گہہ سحر
آئین و رسم و سیرتِ شاہان تاج دار ‏ ‏ ترتیب ملک و ملت و تقدیر خیر و شر
بینی درو عیاں صفتِ بزم و بارگاہ ‏ ‏ یابے درو نہاں صفتِ رزم و کر و فر
تحصیل مال و مملکت آئین و داد و دیں ‏ ‏ تدبیر کار لشکر و تقدیر روزگر
پیدا درو طریقت بدخواہ و نیک خواہ ‏ ‏ ہنجار جرّ منفعت و رائے دفع ضر
ہر لفظ و ہر معانی کاندر فصولِ اوست ‏ ‏ نیکوتر از جوانی و شیریں تر از شکر
صافی ز ہزل و بدعت و پاکیزہ از ہوا ‏ ‏ شائستہ ہم چو دانش و بائستہ چوں مطر
از خواندنش نگیر و خوانندہ را ملال ‏ ‏ گردد بصیر ہر کہ گمارد برو بصر
ہر قصہ را ز آیتِ قرآں یکے دلیل ‏ ‏ ہر فصل را ز قولِ پیمبر یکے خبر
از ہر سخن کہ یاد کنے اندرو نشان ‏ ‏ از ہر ہنر کہ نام بری اندرو اثر
قانون رسمہائے بزرگان نام دار ‏ ‏ فہرست کارنامہ شاہان تاجور
ہر کس کہ ایں بخواند و بود کاربند ایں ‏ ‏ اقبال جاوداں بودش بیگماں ببر
اندر خورِ شہنشہِ دیندار و داد در ‏ ‏ تالیفِ یادگار نظام نکو سیر
ہرگز شہ ندید وزیرے دگر چنیں ‏ ‏ ہرگز کسے نہ کرد کتابے چنیں دگر
ایں دفتر مبارک و دستور خسرواں ‏ ‏ فرخندہ باد بر شہ دیندار و دادگر

خاتمہ

سیاست ملکی، اور نظم ونسق سلطنت پر، خواجہ نظام الملک نے جس قدر لکھا ہے۔ اگرچہ اس عہد ترقی میں اس کو کسی خاص صیغہ کا قانون یا ضابطہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ تاہم سلطنت اور رعایا کے جو حقوق ایک دوسرے پر ہیں، اُن کی صحیح تفسیر ان اوراق میں موجود ہے۔ اور نظام حکومت کے لئے جن محکموں کی ضرورت ہے بالاجمال وہ بھی خواجہ نے بتا دیئے ہیں۔ البتہ وزارت اور اُس کی مشکلات و متعلقات پر خواجہ نے بحث نہیں کی ہے۔ بلکہ اس[1] موضوع پر کتاب الوصایا میں اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ لہذا کتاب مذکور کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس کے مطالعے کے بعد، قانونِ سلطنت اور وزارت پر تفصیل سے گفتگو کرنے اور نتائج اخذ کرنے کا موقع ملے گا۔

---

[1] دیکھو صفحہ ۶، حصہ اول کتاب ہذا۔

دستور الوزرا

مرتبہ

خواجہ نظام الملک طوسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرزندِ ارجمند! میں تجھے چند نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔ گو میں جانتا ہوں کہ تو انہیں کان لگا کر نہ سنے گا اور نہ کسی طرح سے تیری طبیعت ان کو قبول کرے گی لیکن پھر بھی میں تجھ کو معذور سمجھتا ہوں کیونکہ سمجھ بوجھ کا زمانہ اخیر عمر میں ہوتا ہے۔ جب میں عمر میں تمہارے برابر تھا۔ اگر اس وقت مجھ کو بھی تو مخبر عادل اور مشیر صادق سمجھاتے تو بھی میں ان کی بات کو ہرگز ہرگز نہ سنتا اور نہ کچھ مجھے احساس ہوتا۔ لیکن تم میرے فرزند ہو! بہ لحاظ مروت اور رشتۂ پدری میرا فرض ہے کہ میں تم کو ان حقائق سے آگاہ کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔ لہٰذا ہر امر کو تفصیل سے بیان کرتا ہوں۔

(۱) ترکِ وزارت پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے بعد وزارت اختیار نہ کرنا اور جہاں تک ہو سکے دولتِ جاوید یعنی قناعت کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور دنیا کی چاپلوسی پر شیدا و فریفتہ نہ ہو جانا، کیونکہ اوّل کی لذتیں آخر کی حسرتوں کی برابر قیمت نہیں رکھتی ہیں۔ اور حقیقت میں دنیا ایک خواب کا خیال یا شراب کا غرور ہے کہ ذرا دیر میں سب کچھ ہے اور پھر کچھ بھی نہیں۔ اور آخرت کا مواخذہ صرف دنیا کی وجہ سے ہے لہٰذا خدا سے پناہ مانگنا چاہیے۔

چونکہ اس مضمون کو بزرگانِ دین نے اپنی تصنیفات میں نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے، لہٰذا مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں ہے صرف مقصود اصلی تمہیداً بیان کرتا ہوں۔

علی العموم ہر منصب میں ضرر اور خطر ہے خصوصاً وزارت کہ وہ مناصب کا مجموعہ ہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ تم کو وزارت کی مضرتوں سے آگاہ کر دوں۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ دنیاوی مراتب میں انسان کے سلطنت کے بعد سب سے بڑھکر وزارت کا درجہ ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ منصب بے انتہا خطرناک بھی ہے۔ اگر الگ الگ ہر خطرے کی تفصیل لکھی جائے تو طوالت ہو گی۔ لہٰذا ایسی کلیات بیان کرتا ہوں کہ جس کی ہر کلی میں بکثرت جزئیات شامل ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اس مختصر بیان سے نہایت عمدہ نتیجے پیدا ہوں گے انشاءاللہ تعالیٰ"

(۱) پہلا خطرہ | صبح سے شام تک بلا ناغہ لوگوں کے معاملات میں وزیر کو مختلف احکام صادر کرنا پڑتے ہیں اور حکم الٰہی یوں ہے" فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡعَدۡلِ" یعنی جو حکم ہو وہ کانٹے کی تول ہو۔ ایسی صورت میں خدانخواستہ اگر اُن میں سے کوئی ایک بھی حکم خداوندی کے خلاف صادر ہو جائے تو اس ایک لحظہ کے نقصان کی تلافی سو برس کی حکومت میں نہیں ہو سکتی ہے۔

اگرچہ عقلاً یہ ممکن ہے کہ تائید الٰہی سے تمام احکام انصاف پر مبنی ہوں۔ لیکن ہر موقعہ پر عدل کا قائم رہنا قریب قریب محال کے ہے۔ چنانچہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

(۱) مجھے ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا کہ معاملات میں کوئی حکم شرع کے خلاف نہ صادر ہو۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی کے عہد میں بھی اگرچہ یہ خیال تھا۔ لیکن سلطان ملک شاہ کے زمانے میں یہ خیال بہت کچھ ترقی کر گیا تھا۔ اور اُس کا یہ سبب ہوا کہ ایک عامل کے ذمے سرکاری مطالبہ تھا۔ اور وہ فوت ہو گیا۔ چنانچہ بعلت بقایا اُس کا ایک انگور کا باغ ضبط کر لیا گیا۔ لیکن اُس کے لڑکوں نے دعوی کیا کہ یہ باغ ہم کو ماں کی طرف سے وراثتاً ملا ہے۔ اور اپنے ثبوت میں دستاویزات پیش کیں۔ تب میں نے حکم دیا کہ یتیموں کے حق میں باغ واگذار کر دیا جائے کیونکہ انگور کی بجلت سے سرکار فائدہ اُٹھا چکی ہے۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ انگوروں کا معاوضہ بھی یتیموں کو ملنا چاہیے۔ لیکن چند روز کے بعد یہ خیال دل سے جاتا رہا۔ اور میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں حشر کے میدان میں کھڑا ہوں اور نہایت سختی سے پوچھا جاتا ہے کہ تو نے یتیموں کا حق کیوں باطل کر دیا۔ اس کے بعد عذاب کے فرشتے مجھ کو ایک غار کے کنارے گھسیٹ کر لے گئے جو حد سے زیادہ تاریک، ہولناک اور عمیق تھا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ مجھے اُس غار میں دھکیل دیں تب میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کون مقام ہے؟

انھوں نے کہا کہ اس کو ویل کہتے ہیں (نام طبقہ جہنم) ویل کا نام سن کر میں چیخ اٹھا اور فوراً

آنکھ کھل گئی۔ وہی کی خوفناک تصویر چند روز تک میرے سامنے رہی۔ اس سلسلے میں بیمار ہوگیا۔ اچھے ہونے پر بہت کچھ صدقہ اور خیرات دیا اور ان یتیموں کو انگوروں کا بھی معاوضہ دلا دیا گیا۔ لیکن اس خواب کا میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔

اس عہد میں (ایام حکومت ملک شاہ) عدالت کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ اور جب تک معاملے کی تحقیقات انتہا پر نہیں پہنچ جاتی ہے میں قطعی فیصلہ نہیں سُناتا ہوں۔ اور جب کسی مقدمے میں زیادہ اُلجھن ہوتی ہے تو اُمرا سے مشورہ کر لیتا ہوں۔

چونکہ میں شیخ ابو اسحٰق[1] فیروز آبادی کا معتقد تھا اس لئے ایک دن اُن سے عرض کیا کہ "قبلۂ عالم! میں ان دنوں سخت تشویش میں مبتلا ہوں اور دن رات میرے دل پر خوف چھایا رہتا ہے۔ شیخ نے فرمایا کیا فکر ہے بیان کرو! میں نے عرض کیا کہ: سلطنت کی وجہ سے مشرق و مغرب کے معاملات میرے سامنے پیش ہوتے ہیں اور ہر معاملے میں مجھے حکم کرنا پڑتا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں انصاف کا خون نہ ہو جائے"

شیخ نے فرمایا کہ اے خواجہ اگر یہ عقدہ درمیان میں نہ ہوتا تو وزیر بھی طبقہ اولیاء اللہ میں شمار ہوتا۔ اور وزارت کرنا حقیقت میں خدا کے نیک بندوں کا کام ہے اس لئے کہ ایک حکم (جو انصاف کے ساتھ دیا گیا ہے) عمل میں دو رکعت نفل کے برابر ہے۔ لیکن سخت مشکل ہے کہ کبھی ایک آدمی صرف انگور کے غلط فیصلہ کرنے کے جرم میں جہنم کے طبقہ ویل کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اور اگر وہ کہیں باغ کا بھی حکم دے دیتا تو ضرور قعر جہنم میں ڈال دیا جاتا اور پھر کبھی رہائی نصیب نہ ہوتی۔

چونکہ شیخ نے میرا ہی معاملہ اپنے صفائے باطن سے بیان کر دیا تھا۔ لہٰذا میں نے ان کے مبارک ہاتھوں کا بوسہ لیا اور معلوم ہو گیا کہ شیخ بھی اصحاب مقامات و ارباب کرامات میں سے ہیں اور صرف یہی واقعہ میرے مزید ارادت کا باعث ہوا۔

دوسرا خطرہ[2] سب سے بڑھ کر یہ خطرہ ہے کہ بعض اوقات محض ایک فرد واحد کی رضا مندی کے خیال سے ہزاروں آدمیوں کو (جن میں ہر درجے اور مرتبے کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور جو مختلف ملک و دیار میں رہتے ہیں) آزردہ اور رنجیدہ کرنا پڑے گا اور پھر بھی یہ اطمینان نہ ہوگا کہ

---

[1] شیخ کے حالات صفحہ ۱۱۴۔ حصہ اول میں تحریر ہیں۔

دراصل وہ شخص دل سے بھی رضا مند ہے یا نہیں، بلکہ بجائے ملاطفت وعنایت کے ہمیشہ بلا وجہ ناراضی اور کدورت ہی پائی جائے گی اور یہی پلہ ہمیشہ گراں رہے گا۔ ایک دن میں نے ابوالمعالی، امام الحرمین عبدالملک جوینی سے جن کی خدمت میں مجھے عالم شباب سے قرب وہمت کا اعزاز حاصل تھا۔ عرض کیا کہ "اے امام مسلمانان! مجھکو آپ کی کمال ذکاوت وذہانت میں کچھ بھی شبہ نہیں ہے۔ اس لئے اپنی ایک مشکل جس میں عرصۂ دراز سے گرفتار ہوں اور جس کو میں نے آج تک کسی سے کہا بھی نہیں ہے، حل کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک زمانہ دراز سے میں اس بادشاہ کی (ملک شاہ سلجوقی) خدمت کرتا ہوں اور انجام فرائض میں اس قدر سعی کرتا ہوں کہ جو طاقت بشری سے زیادہ ہے۔ اور اپنی کارگذاریاں اس درجہ دکھلاتا ہوں کہ جو دوسرے سے نہیں ہوسکتی ہیں۔ اور جہاں تک غور وتامل سے دیکھتا ہوں تو مہات ملکی میں (ظاہر وباطن) کسی قسم کی کوتاہی بھی نہیں پاتا ہوں، اور سلطان اظہار عنایت میں بھی کمی نہیں کرتا ہے بلکہ سالہا سال سے ایسی عظیم الشان سلطنت کا انتظام میرے سپرد کردیا ہے اور اپنی مہربانیوں سے مجھے محسود خلائق بنادیا ہے۔ اور یقین واثق ہے کہ اس حالت میں بھی ہرگز تغیر وتبدل نہ ہوگا۔ لیکن جب میں نے گہری نظر سے جانچ کی تو معلوم ہوا کہ طبیعت سلطانی میں میری طرف سے کچھ غبار ہے۔ مگر اس دقیقے سے سوائے میرے کوئی اور واقف نہیں ہے۔ اب فرمائیے کہ آپ کی رائے میں اس کا کیا باعث ہے؟

امام نے فرمایا کہ "اے خواجہ! اگرچہ تو اوروں سے فضل وعقل میں بہت بڑھ کر ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ تو نہیں سمجھتا کہ مال وملک پر ہر انسان اپنا دل فدا کرتا ہے۔ خاص کر ملوک وسلاطین، پس جبکہ تو نے کسی کے معشوق ومحبوب پر قبضہ کرلیا ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس کا دل تجھ سے صاف ہو؛ اور خوب سمجھ لو! کہ ہر وقت بادشاہ کے دل میں یہ خیال گذرتا رہتا ہے کہ جو چیز میری ہے وہ تمام وکمال فلاں شخص کے قبضہ تصرف میں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں خیانت کرجائے۔ چنانچہ اس تصور کے آتے ہی ایک ہلکا سا غبار اس کے آئینہ دل پر چھا جاتا ہے۔ اور پھر جس قدر دن گذرتے جاتے ہیں یہ تصور تصدیق صفت ہوتا جاتا ہے۔ اور پھر جس قدر دن گذرتے جاتے ہیں یہ تصور تصدیق

---

[1] امام الحرمین کے حالات صفحہ ۱۰۸ حصہ اول میں تحریر ہیں۔

صفت ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رضامندی برائی اور صفائی پر کدورت غالب آجاتی ہے۔ مثلاً بیماری کہ ابتدا میں وہ طبیعت کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے اور بہت کچھ دبی رہتی ہے۔ لیکن جب کہنہ ہوکر طول پکڑ جاتی ہے تو پھر ہرچند طبیعت اُس کو دفع کرتی ہے، لیکن اُس کا اثر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ ایسی صورت ہے کہ وزیر اپنی کفایت شعاری اور توفیرِ خزانہ دکھلا کر بھی اس کا تدارک نہیں کرسکتا ہے۔ بلکہ یہ مادہ روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے۔ مثلاً بادشاہ کے کسی مد میں پچاس ہزار دینار کا خرچ ہے۔ لیکن اُس کو یقین ہے کہ اس میں سے پانچ ہزار کی رقم بھی افسردگی خاطر کے لئے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ خیال پانچ ہزار سے بڑھتے بڑھتے ایک لاکھ تک پہنچ جاتے تو خیال کرو کہ رنج کس قدر ترقی کر جائے گا۔

(۱) اور ایک بڑی دشواری یہ ہے کہ سلاطین بعض کام وزرا سے ایسے لینا چاہتے ہیں کہ جو بمنزلۂ محال کے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ اعیانِ حضرت اور مقربانِ دولت ملک سلطنت کے معاملے میں دخیل نہ ہونے پائیں اور شہزادے وغیرہ بھی مالی تصرفات سے روکے جائیں اور ان میں سے اگر کسی معاملے کی وزیر کو اطلاع ہو تو وہ اُن سے بازپرس بھی کرے۔ اور باوجود اس کے یہ شرط ہے کہ کوئی ناراض نہ ہو اور نہ بادشاہ سے شکایت ہو۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر کسی شخص سے متعدد ابواب میں عمدہ کام انجام پائیں اور اُس کی خدمات کے نتائج بھی سامنے ہوں اور بدیہی طور پر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس شخص کی درایت وفراست سے مثلاً ایک سو ملکی انتظامات سدھر گئے ہیں اور اس کی حسن تدبیر سے خزانے میں بھی توفیر ہوئی ہے۔ تب بھی اس کا شکریہ نہیں ادا کیا جاتا ہے۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ کیا بھی تو اوپری دل سے۔ اور اگر شاذ و نادر حسن خدمات کا تذکرہ کیا بھی جاتا ہے تو وہ دیرپا نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر بادشاہ کی زبان پر اس کی خدمات کا ذکر آگیا تو ارکان مجلس خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ اور خدانخواستہ اگر اس کے برخلاف کوئی صورت ہوئی اور ذرا سا بھی اوضاع ملکی میں خلل پڑا یا جزئی نقصان امور مالی میں ہوگیا تو پھر شکایت کے دفتر کھل جاتے ہیں اور مدتوں نہیں بھولتے ہیں، بلکہ بادشاہ کو بھولی بسری کہانیاں یاد دلائی جاتی ہیں۔ غرضکہ یہ وہ حالتیں ہیں جس کا اخیر نتیجہ نقصان و مضرت ہے۔ اس لئے قناعت بہتر ہے۔ کیونکہ اس کے

صدقے میں تمام تردّدات سے کامل استغنا نصیب ہو جاتا ہے۔ اور اگر قناعت کے ساتھ عبادت بھی شامل ہو تو زہے قسمت۔

(۴) "فضل[1] بن ربیع" کچھ دنوں کے لئے خلیفہ ہارون الرشید عباسی کا وزیر مقرر ہو گیا تھا اتفاق سے اُسی زمانے میں حج کا موسم قریب آگیا۔ خلیفہ نے فضل سے مشورہ کیا کہ امسال صاحب محمل (قافلہ سالار حج) کون ہوگا؟ فضل نے کہا کہ اس میں مشورے کی کیا حاجت ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ سالار قافلہ ایسا ہونا چاہیئے کہ جس پر اعتبار رہو، کیونکہ ناموس امیرالمومنین اور بیگمات شاہی کے محمل بھی ساتھ ہوں گے۔ اور عراق سے مکہ معظمہ تک کا سفر ہے۔ فضل نے عرض کیا کہ سچ پوچھئے تو مجھ سے زیادہ اور کون اس عزّت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ امیرالمومنین اپنی فیاضی سے اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو ایک فرض بھی ادا ہو جائے گا۔ غرضکہ بڑی منت سماجت سے فضل کی درخواست منظور ہوئی۔ لیکن بعد واپسی حج کے فضل کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی اُس نے وزارت چھوڑ دی تھی اور یاد الٰہی میں معروف ہو گیا تھا۔

خلیفہ کا دستور تھا کہ وہ ایام متبرکہ میں درویشوں اور گوشہ نشینوں سے ملا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن اُس کو یہ خیال ہوا کہ فضل میرا قدیم خدمت گذار ہے اگر میں اس زاویہ نشین سے جا کر ملوں تو مرحمت شاہانہ سے کچھ بعید نہ ہوگا۔ چنانچہ خلیفہ فضل کے مکان پر گیا اور اثنائے گفتگو میں فضل سے پوچھا کہ تمھارے ترک وزارت کا کیا سبب ہے۔ فضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر پوچھا کہ اچھا تم اب تمھاری کیسی گذرتی ہے؟ فضل نے کہا بہ نسبت پہلے کے اب بہت اچھا رہتا ہوں۔ عہد وزارت میں جس بادشاہ کا میں فرماں بردار تھا۔ وہ میری دس خدمتوں کا صرف ایک صلہ دیتا تھا۔ اور اب ایسے شہنشاہ کی اطاعت کرتا ہوں۔ کہ جو ایک خدمت کا دس گنا اجر دیتا ہے: مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا "پہلے جب میں دربار خلافت میں کچھ عرض کرنا چاہتا تھا تو موقع و محل کی دیکھ بھال میں بہت کچھ سختیاں اُٹھانا پڑتی تھیں۔ اور آج اس کی کچھ پابندی نہیں ہے۔ جو میرے دل میں ہے

---

[1] ابوالعباس فضل بن ربیع بن یونس بن محمد بن عبداللہ دربار ہارون الرشید عباسی کا ایک نامور رکن ہے۔ برامکہ کے عہد وزارت میں حاجب کے درجے پر ممتاز تھا۔ بعد کو چند روز کے واسطے وزیر بھی ہو گیا تھا۔ برامکہ کی تباہی و بربادی میں فضل نے خاص طور پر حصہ لیا تھا (تفصیل کے لئے دیکھو البرامکہ و ابن خلکان جلد اول) ذیقعدہ ۲۰۸ھ میں انتقال کیا۔

وہ خود جاگتا ہے "اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ" پہلے مجھ کو بادشاہ کے مہمات امور کی تکمیل کرنا پڑتی تھی اور اب وہ خود میرے کاموں کا ذمہ دار ہے۔ پہلے جب بادشاہ خواب راحت میں ہوتا تھا تو مجھے جاگنا پڑتا تھا۔ اب میں بے خبر سوتا ہوں اور وہ میری حفاظت کرتا ہے "لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ" پہلے میں یہ جانتا تھا کہ میرا رزق اس بادشاہ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ ہم دونوں کا رزق اُس بادشاہ کے ہاتھ میں ہے "وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا" جب فضل نے ایسی طولانی تقریر کی تو خلیفہ ہارون الرشید کو رقت طاری ہوئی اور فضل کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم! پہلے تو میرا خدمت گار تھا لیکن آج تو میرا بھائی ہے۔"

فضل نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج میرے سوال کا جواب مرحمت ہوا۔ اگر میں تمام عمر نوکری کرتا تو بھی مجھ کو یہ عزت حاصل نہ ہوتی۔

اس لئے اے فرزند! قناعت کو غنیمت جان اور دنیا کی ابتدائی شیرینی پر آخرت کی تلخی کو قربان نہ کر۔ واللہ الموفق والمعین ؏

تیسرا خطرہ شاہزادوں کے ملال اور آزردگی کا تدارک کرنا سخت مشکل ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کا دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تکمیل اور اُن کی نگرانی خود کرتے ہیں۔ اور اُن کے عروج وکمال کا ایک خاص وقت ہوتا ہے، اس لئے شروع زمانے میں جب اُن کی کامیابی میں دیر ہوتی ہے۔ (مثلاً مالی وملکی اختیارات کا نہ ملنا جس کا اجر خاص بادشاہ کے ہاتھ میں ہے) تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا قصور وزیر صاحب کا ہے۔ جس طرح طبیب تشخیص مرض میں مادے کو بیرونی اسباب سے تمیز نہیں کرتا ہے۔ عَیَاذًا بِاللّٰہِ مِنۡهَا۔

شہزادوں کا میلانِ خاطر ہر روز کسی نہ کسی مقصد کی طرف ہوتا ہے۔ اور جب اُن کی مراد پوری نہیں ہوتی ہے تو وہ خفا ہو جاتے ہیں۔ غرضکہ ہر خواہش کے بڑھنے پر رنج و ملال کا درجہ بڑھتا جاتا ہے اور بعض اوقات شہزادے کو کسی شخص سے بدگمانی نہیں ہوتی ہے۔ لیکن نوجوان اور ناتجربہ کار ملازم اپنے بیہودہ مقاصد کی کامیابی کی وجہ سے بہکا کر سیدھے رستے سے پھیر لاتے ہیں۔ بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ شاہزادوں کی تالیف قلوب اور اُن کی رضامندی حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ان کی اکثر خواہشیں ممکن الحصول نہیں ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً وہ چاہتے ہیں کہ یک بارگی ادنیٰ درجے

سے مقربان حضرت پناہی کے مرتبے میں پہنچ جاتیں یا مدارج مال وجاہ میں اُن کے ہم پلہ بن جاتیں۔ علی ہذا القیاس اور معاملات بھی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر شہزادوں کی کامیابی کی کوشش کی جائے تو پھر وزارت کی بڑی نظیر ہوتی ہے، لیکن تجربے سے ثابت ہے کہ اس گروہ کی متابعت ہمیشہ بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہوتی ہے۔

حکایت سلطان ملک شاہ نے شمس الملک[1] خاقان ترکستان کو بمقام ترمذ[2] شکست دے کر یہ ارادہ کیا کہ ترکستان نے ملک شاہ کا نخشب[3] تک استقبال کیا۔ اور خاقان کی جانب سے معذرت کے ساتھ از سرِ نو معاہدہ کیا۔ اُس وقت سلطان کا غصہ دھیما ہوا۔ اور نخشب سے ملک شام کا قصد کیا۔ لیکن ملکی ضرورتوں سے یہ رائے قرار پائی، کہ موسم سرما، رے میں بسر کیا جائے، اور اسی مقام پر ہر طرف سے فوجیں آکر جمع ہو جائیں اور شروع فصل بہار میں شام کا سفر کیا جائے۔ خیر یہ تمہید تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ نفس مطلب یہ ہے کہ اسی زمانے میں بمقام بسطام[4] شہزادۂ محمد کے یہاں بیٹا پیدا ہوا۔ سلطان نے خوش ہو کر لڑکے کا نام پوچھا شہزادے نے کہا میں نے سلطان بایزید نام

---

[1] شمس الملک ابو الحسن ابراہیم بن نصر ایلک خاں بادشاہ ماوراء النہر کا بیٹا تھا۔ جس کو ملک شاہ نے اپنا باج گذار بنا لیا تھا یہ واقعہ ۴۶۶ھ ۱۰۷۳ء کا ہے۔ الوافی جلد اول صفحہ ۲۷۹ و کامل اثیر صفحہ ۳۲ جلد ۱۰۔ [2] ترمذ دریائے جیحوں کے کنارے ماوراء النہر کے شہروں میں سے نہایت قدیم اور مشہور رہا ہے، اس شہر کی آب و ہوا ضرب المثل ہے ؎ گفتم اے بخت بہشت ست سواد ترمذ گفت راضی مشو از روضۂ رضواں بگیاہ؛ بازاروں کا فرش اینٹ کا کھرنجہ تھا۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی صاحب صحیح اسی خاک سے ہیں۔ مراصد الاطلاع صفحہ ۹۴ و گنج دانش صفحہ ۱۴۴ و معجم البلدان یاقوت صفحہ ۳۸۲ جلد ۲۔ [3] نخشب ماوراء النہر کا مشہور شہر ہے دریائے جیحوں اور سمرقند کے درمیان میں ہے مراصد الاطلاع صفحہ ۹۵ و معجم البلدان صفحہ ۲۷۳ جلد ۸۔ [4] بسطام کو تقویم البلدان ابو الفدا میں کورہ قومس کے مشہور شہروں میں شمار کیا ہے اور بعض نے خراسان کے شہروں میں شمار کیا ہے۔ نیشاپور کی سڑک پر واقع ہے ایران کے آباد شہروں میں ہے۔ قطب العارفین حضرت بایزید کا مولد و مدفن یہی شہر ہے شیخ کے حالات تذکرۂ صوفیہ میں دیکھو آپ کی رباعیات مشہور ہیں مثلاً ؎

اے عشق تو کشتہ عارف و عامی را | سودائے تو گم کردہ نکو نامی را
ذوق لب میگوں تو آوردہ بروں | از صومعہ بایزید بسطامی را

تفصیلی حالات کے لئے دیکھو سفرنامہ خراساں ناصر الدین شاہ مرحوم۔ از مراصد و مرآۃ البلدان ناصری و معجم البلدان صفحہ ۱۰۱ جلد دوم۔

رکھا ہے۔ چنانچہ بنام پسر مذکور المامہ حکم دیا کہ لڑکے کی کھلائی اور دائی اور گہوارہ وغیرہ کے مصارف کے لئے بسطام کی آمدنی مرحمت کی جاتی ہے۔ لیکن اتفاق سے دو دن کے بعد یہ لڑکا فوت ہو گیا۔ اور آج حساب سے پورے سات برس اس واقعہ کو ہو چکے ہیں۔ لیکن شاہزادہ محمد چاہتا ہے کہ بحوالہ فرمان سابق، اس آمدنی سے نفع اٹھاتا رہے۔ لیکن خود اس قدر جرأت نہیں رکھتا کہ سلطان سے عرض کرے۔ اور نہ ارکان سلطنت سے کہنا چاہتا ہے (کیونکہ کھٹکا ہے کہ جواب باصواب نہ ملے گا) اور نہ اس پر رضامند ہے کہ میں سلطان سے عرض کروں۔ اور مجھے بھی یہی مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ سلطان سے اس کا کچھ ذکر نہ کروں کیونکہ سلطان کا جواب شاہزادے کے خلاف ہوگا اور وہ سمجھے گا کہ میں نے کچھ سعی نہیں کی ہے۔ بلکہ سلطان سے الٹی شکایت کی ہے۔ غرضکہ ہر سال اپنی جاگیر تومس[۱] سے بسطام کی آمدنی شہزادے کے نذر کیا کرتا ہوں لیکن پھر بھی میری طرف سے اس کے تیور اچھے نہیں ہیں۔

میرے بیٹے! تجھے یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ شہزادوں کے حصول مقاصد کے لئے تکلیف اٹھانا چاہیئے اور کسی طرح کا خیال نہ کرنا چاہیے تاکہ ان کے ملال کا سمندر موج زن نہ ہو۔

سنو! اگرچہ عقلاً یہ محال نہیں ہے، لیکن عادتاً ممتنعات سے ہے کیونکہ جو صورتیں ان کی رضامندی کی ہیں۔ اکثر انھیں سے اپنی کساد بازاری ہوتی ہے۔ اور کوئی انسان اپنے ہاتھوں برباد ہونا پسند نہیں کرتا ہے۔ جس کی نظیر ذیل کا واقعہ ہے۔

جب سلطان[۲] الپ ارسلان کو معلوم ہوا کہ شام، روم، اور فرانس کے عیسائیوں نے قیصر روم کے بل پر مسلمانوں کے خلاف یہ عہد کیا ہے کہ بغداد سے دولتِ عباسیہ کے تاجدار کو خارج کر کے بجائے اس کے کسی جاثلیق[۳] کو تخت نشین کریں۔ اور دارالسلام بغداد کی تمام مسجدیں، دیر و

---

[۱] تومس۔ اصلی نام کومس ہے عربوں نے قومس کر دیا ہے جبل طبرستان کے ذیل میں ہے۔ اس میں متعدد شہر اور قصبے ہیں جن میں سے رے اور نیشاپور کے مابین قصبۂ دامغان بہت مشہور ہے۔ اور دامغان سے دو منزل بسطام ہے مراصد و معجم البلدان صفحہ ۱۰۵ جلد ۷۔ [۲] قیصر ارمانوس اور الپ ارسلان کا یہ تاریخی واقعہ بہت مشہور ہے۔ ذی قعدہ سنہ ۴۶۳ھ مطابق ۱۰۷۰ء میں یہ لڑائی ہوتی تھی تمام عربی تاریخوں میں تفصیل سے تحریر ہے اور مسٹر گبن نے بصراحت لکھا ہے۔ [۳] جاثلیق= یونانی کثلکوس Kathol iKos - فرقہ ایست از نصاری کہ بمذہب قدیم سنت بفارسی کاتولیک (کیتھلک) خوانند۔ سواء السبیل الی معرفۃ المعرب والدخیل صفحہ ۲۶ ؛ عیسائی علما اور مجتہدین کے متعلق حسب ذیل الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

کلیسا کردی جائیں، اور اس پر بھی بس نہ کیا جاوے، بلکہ تمام ممالک اسلام مساجد کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے؛ اُس وقت سلطان نے عیسائیوں کی مدافعت کے لئے دوبارہ روم کا قصد کیا۔ اور قیصر روم پر فتح یاب ہو کر اُس کو گرفتار کر لیا۔ جب قیصر سامنے آیا تو سلطان بہت دیر تک اُس سے مذاق کی باتیں کرتا رہا۔ قیصر کا مکالمہ تاریخوں میں لکھا ہوا ہے اور اُس کا یہ فقرہ جو اپنی رہائی کے واسطے سلطان سے کہا تھا۔ بہت مشہور ہے کہ "اگر تو قصاب ہے تو ذبح کر ڈال، اور اگر سوداگر ہے تو بیچ ڈال، اور اگر بادشاہ ہے تو بخش دے"، چنانچہ سلطان مرحمت شاہانہ سے پیش آیا۔

ایک دن قیصر نے جب کہ فوجیں دارالسلطنت کو واپس جا رہی تھیں۔ سلطان سے کہا کہ میں تو یہاں قید میں پڑا مر رہا ہوں۔ اور اس میں شک نہیں کہ کوئی ملک بغیر بادشاہ کے نہیں رہ سکتا ہے! اس صورت میں میرے ملک پر دوسرے کا قبضہ ہو جائے گا اور اُس کے دفع کرنے میں سلطان کو دوبارہ تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ اور ابھی تو خیریت ہے کہ تمام ممالک میرے قائم مقاموں کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر مجھ کو سلطان جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو مثل دیگر فرماں برداروں کے میں بھی خراج ادا کرتا رہوں گا"

چنانچہ سلطان نے نہایت اعزاز سے قیصر کو رخصت کیا اور قیصر بھی مطابق معاہدے کے ہر سال مقررہ خراج بھیجا کرتا تھا۔ اور اُس کے وزراء علیحدہ بیش قیمت رومی تحائف اور زر نقد بھیجتے تھے۔

میری غرض اس تاریخی واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ ایک سال یہ خراج اور تحائف روم سے آ رہے تھے اور سلطان الپ ارسلان اُس وقت مرو میں مقیم تھا اس لئے شہزادہ ملک شاہ (یہ واقعہ عہد شباب کا ہے)، مصلحت ملکی کی وجہ سے معہ مختصر فوج کے بمقام رے موسم سرما بسر کر رہا تھا۔ اور شہزادے کو حکم تھا کہ جب تک وہ رے میں ہے، جو لوگ ممالک روم ولایت کرخ،

بقیہ صفحہ ٣٠١

(١) بطرک و بطریق (معرب رومی) Patricius سردار اعظم، پوپ روم، دس ہزار پر افسر۔

(٢) جاثلیق۔ بلاد اسلام میں عیسائیوں کا مذہبی پیشوا، بطریق کا نائب۔

(٣) مطران رئیس الکہنہ (۴) اسقف، مطران کا نائب، (۵) طرخان، پانچ ہزار پر افسر

(٦) قومس، دو سو پر افسر معرب Comes۔ از فرائد اللغہ جلد اول مصنفہ ہنری کوس مطبوعہ بیروت ١٨٨٩ء صفحہ ٣٣٧-٣٣٠

دیار شام اور بلاد عراق سے آدیں اُن کے حالات کی تفتیش کرے اور اُن کی معروضات کو سُنتا رہے اور اپنے معتمد کے ہمراہ اُن کو میرے پاس بھیج دیا کرے۔

چنانچہ اُس زمانے میں ملک شاہ کا کاتب عمید منصور تھا۔ یہ شخص حد سے زیادہ نادان اور ناتجربہ کار تھا۔ اور اس پر بھی اپنی عقل و دانش پر اُس کو بڑا ناز تھا۔ غرضکہ اسی زمانے میں قیصر کی سفارت حسب معمول پہنچی۔ یہ زمانہ فصل بہار کا تھا۔ اور شہزادہ سلطان کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے روانہ ہو چکا تھا۔ اس لئے عمید منصور کو حکم دیا کہ سفارت کے ہمراہ سلطان کے حضور میں روانہ ہو جائے اور تحائف کو دیکھ لے۔ چنانچہ عمید نے ہر چیز کو دیکھنا شروع کیا۔ تو تحائف میں ہر قسم کے صوف بھی تھے۔ اور ہر رنگ کے صوف کی گٹھریاں علیحدہ علیحدہ تھیں۔ چنانچہ اس کوتاہ اندیش نے سفید رنگ کا ایک صوف نکال لیا اور خیال کیا کہ یہ شہزادے کے واسطے کافی ہے اور مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ شہزادے سے اس واقعہ کی اطلاع بھی کر دی تھی یا نہیں، لیکن سفارت کو کسی نہ کسی طرح رضامند کر لیا تھا کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ گویا اس کو بھول جائیں۔ اور اس واقعہ سے پہلے مجھے رسے کے کاتبوں (پرچہ نویس) نے یہ اطلاع دی تھی کہ شہزادے کی مجلس میں ایک شب میری کارگزاری اور کفایت شعاری کا ذکر ہو رہا تھا۔ شہزادے نے فرمایا کہ نہایت تعجب ہے کہ باوجود اس قدر وسعت سلطنت کے یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی گوشۂ ملک میں کوئی ایک دینار پر تصرف کرے اور وہ خواجہ (نظام الملک) کو معلوم نہ ہو جائے" عمید نے کہا کہ یہ سب سلطان الپ ارسلان کے اقبال کا نتیجہ ہے۔ ورنہ اگر کوئی اس طوس کے بیل (گاؤ طوسی) کو بیچ بھی ڈالے تو اسے خبر نہ ہو" غرضکہ عمید سفارت کے ہمراہ مرو تک پہنچ گیا اور سلطان کے حضور میں نذرانے اور تحفے پیش ہونے لگے۔ چنانچہ جب صوف کے تھان پیش کئے گئے۔ اُس وقت مجھے خیال آیا کہ اور تو سب رنگ ہیں مگر سفید رنگ کیوں نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے ایلچی سے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ بھیجنے والے جانیں! تب میں عمید کی طرف متوجہ ہوا تو اُس کے چہرے پر مجھے کسی قدر تغیر محسوس ہوا۔ اور آپ ہی آپ بڑبڑانے لگا کہ رنگوں میں سفید کوئی رنگ نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ خواجہ صاحب! اس وقت مسائل حکمت سے کوئی بحث نہیں ہے کہ حکمانے بیاض (سفید) کو الوان میں شمار کیا ہے یا نہیں؛ بلکہ اس وقت تو گفتگو اس پر ہے کہ جب

ایک بادشاہ نے محض زیب و زینت کے خیال سے ہر رنگ کے نفیس صوف بھیجے ہیں تو سفید رنگ کا ہونا بھی ضرور تھا۔ اور یہ محض میرا خیال ہے جو دل میں کھٹک رہا ہے۔ چنانچہ بعد از رخصت سفارت میں نے فوراً دو ایک آدمی اُن کی قیام گاہ پر بھیجے اور فہرست تحائف لے کر اُن میں سے ایک شخص میرے پاس آیا۔ اور نہایت احتیاط سے باتوں باتوں میں میں نے پوچھا مگر کوئی بات ایسی نہ معلوم ہوئی جس سے خیانت پائی جاتی۔ غرضکہ میں نے معذرت کے بعد اُس کو واپس کیا۔ لیکن عمید مغرور نے دربار کے واقعہ سے شہزادے کو بایں الفاظ اطلاع کی کہ "طاؤس آنحضرت بجہر تبل این مناقشہا نمود و بسے دیگر از ہذیانات آں اضافہ کردہ"

چونکہ میں اس تحقیقات میں ناکام رہا تھا اس وجہ سے تمام شب اسی اُدھیڑ بُن میں رہا صبح کی نماز پڑھ کر میں مصلے پر متفکر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ قیصر روم نے سلطانہ (بیسگم الپ ارسلان) کے لئے علیحدہ تحائف روانہ کئے ہیں۔ اور تحائف کی ایک فہرست بھی ان لوگوں کے پاس ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سفید صوف کا تذکرہ یہ لوگ اُس جماعت سے کردیں اور کچھ ردوبدل ہو جائے۔ سلطانہ ان دنوں مرغزار رادکان[1] میں جلوہ فرما تھیں۔ کیونکہ انھیں ضعف قلب ہو گیا تھا اور پہلے بھی یہ عارضہ اسی پر فضا جگہ میں جاتا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً ایک تیز رفتار قاصد طوس کو روانہ کیا اور وہاں سے وہ اُردوئے حرم میں داخل ہوا۔ چنانچہ نواب حرم نے تمام کاغذات ایک خریطے میں سربمہر کر کے میرے پاس بھیج دیئے اور سفارت کا ایک آدمی بھی ہمراہ کر دیا۔ سب سے پہلا کاغذ جو خریطے سے برآمد ہوا وہ تحائف کی مفصل فہرست تھی۔ اُس میں بھی تمام صوف باعتبار رنگوں کے تھے۔ تب میں نے افسر سفارت کو طلب کر کے خلوت میں صحیح صحیح حال پوچھا۔ اب چونکہ انکار کا موقعہ باقی نہ تھا اس لئے اُس نے صاف صاف بتا دیا۔ لیکن میں نے خود اس معاملے کے اخفا اور اظہار میں تامل کیا۔ کیونکہ معاملے کے اظہار میں ولی عہد سلطنت کی ناراضگی کا خوف تھا۔ لیکن یہ وہ فعل شنیع تھا کہ اس کا چھپانا بھی مجھ پر مشکل تھا۔ پھر میں نے خیال کیا کہ یہ سفید صوف کیا عجب ہے کہ عمید کے تحت میں ہو۔ لہٰذا میں نے خصومت کا پہلو بچا کر عمید کو یہ رباعی لکھ بھیجی ؎

---

[1] دیکھو حاشیہ صفحہ ۲۶ حصہ اول کتاب ہٰذا۔ معجم البلدان میں اس کو راذکان لکھا ہے۔ ابو محمد عبداللہ بن ہاشم و حسن بن احمد بن محمد راذکانی مشہور محدث و فقیہ یہاں گذرے ہیں۔ دیکھو صفحہ ۲۰۴ جلد ۴۔ معجم البلدان۔

از سر بنہ ایں نخوت کاؤسی را — بگزار بجبر ئیل طاؤسی را
یعنی ہمہ صوفہائے قیروسی را — پیش آر۔ وگرگا وگو طوسی را

باوجود ثبوت کے پھر بھی عمید کا وہی انکار رہا اور اپنی ہی کہے گیا۔ آخر میں نے مجبور ہوکر یہی فیصلہ کیا کہ یہ قصہ جوں کا توں طے کر دیا جائے۔ کیونکہ زیادہ چھیڑ چھاڑ میں ولی عہد کی ناراضگی کا کھٹکا تھا۔

چوتھا خطرہ

ہمیشہ دیوان و دفتر کے مہتمم بالشان معاملات ارکان سلطنت اور اُمراء دولت سے وابستہ رہا کرتے ہیں اور وہ مجلس میں برابر اٹھتے بیٹھتے ہیں اور گفتگو کرتے ہیں اگر اُن سے ان امور میں وزیر تکلف کرے تو یہ ممکن نہیں ہے اور بڑی مشکل یہ ہے کہ اس گروہ سے نہ تو پوری پوری دوستی ہی ہو سکتی ہے اور نہ دشمنی کی جا سکتی ہے۔ بلکہ ان کی دوستی اور دشمنی دونوں پرخطر ہیں لہذا میں ہر دو پہلوؤں پر الگ الگ بحث کروں گا۔

دوستی کے خطرے

یہ خوب سمجھ لو کہ سچے عشق، اور خالص محبت کی بنیاد صرف انہیں لوگوں میں مستحکم طور پر پڑ سکتی ہے جن کے دلوں میں فی نفسہ وفاداری، سچائی اور نباہ کا خیال ہو۔ لیکن جن کو ہمیشہ اوروں کی زوال نعمت اور نقصان دولت کی فکر دامن گیر رہتی ہے اُن میں یہ رشتہ کیونکر جوڑ سکتا ہے؟ سچی محبت نہ تو کل ایسے اشخاص سے ہو سکتی ہے اور نہ کسی فرد واحد سے۔ کیونکہ دوستی کا تو یہ تقاضا ہے کہ اپنے دوست کے دشمن کو بھی دشمن ہی سمجھے۔ لیکن چونکہ یہ سب اصل مزاج میں ایک دوسرے سے بہ لحاظ غیرت و نفرت الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اس لئے عقلاً اس گروہ سے میل ملاپ کرنا گویا بیٹھے بٹھائے عداوت مول لینا ہے۔ یعنی جس طرح جمع بین الضدین ممتنع ہے۔ اسی طرح ان میں محبت کا ہونا بھی محال ہے۔ اور نفاق خود ہی کیا کم بُری خصلت ہے۔ اور جب کوئی اُس پر آمادہ ہو جائے تو وہ زیادہ عرصہ تک چھپ نہیں سکتی ہے۔

مجموعی حیثیت سے جو نقصان اس محبت میں ہیں وہ میں بیان کر چکا۔ اب اُس محبت کی مضرت کا بیان کرتا ہوں جو بانفرادہ کی جاتی ہے۔

جب کسی ایک شخص سے محبت ہو جاتی ہے تو دوسرے لوگ خود اُس کی عداوت پر تل جاتے ہیں اور قبل اس کے کہ اس دوستی سے کوئی ثمرہ مترتب ہو اس دشمنی سے سو طرح کے نقصان پہنچ جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر جو نقصان اس میں وہ یہ ہے کہ بادشاہ کا مزاج بدل جاتا ہے۔

کیوں کہ کبھی کوئی بادشاہ وزیر اور اعیان دولت کے میل جول سے راضی نہیں ہوا ہے بلکہ اُن کے اتحاد کو شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں۔

حکایت الپ ارسلان کے ابتدائی دور حکومت میں تملش[1] سلجوقی نے باغی ہوکر تمام ملک رے پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس لئے سلطان نیشا پور سے اس بغاوت کے فرو کرنے کو روانہ ہوا۔ جب لشکر وادی الملح میں پہنچا تو حکم دیا کہ تمام خزانہ، جو فوج کے ساتھ جارہا ہے وہ سپاہیوں کو تقسیم کردیا جائے۔ میں سعید عارض کے ہمراہ فوج نظام کی جانچ پڑتال میں ہرطرف گھومتا پھرتا تھا کہ اتفاق سے امیر التونتاش کے خیمے کی طرف جا نکلا۔ چونکہ درباریوں میں یہ امیر نہایت محترم اور معزز تھا۔ اس لئے تعظیماً اور نیز امیر کے فرمانے سے تھوڑی دیر کے لئے میں وہاں ٹھہر گیا۔ چنانچہ اس کی اطلاع اُسی وقت سلطان کو کردی گئی۔ اور میرے اس ذرا دیر کے قیام سے وہاں کچھ اور ہی خیال پیدا ہوا۔ حالانکہ التونتاش ایک ناتجربہ کار، کم عقل، اور سیدھا سادہ ترکمان تھا۔ اور اکثر معاملات میں میری اور اُس کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ میں نے قلم دان وزارت اُٹھادیا۔ اور اُس نے کمر سے تلوار کھول کر سلطان کے سامنے رکھدی۔ مگر سلطان کو یقین نہ آتا تھا اور وہ بناوٹ سمجھتا تھا۔ اور میری طرف سے جو بدگمانی ہوچکی تھی وہ بدستور قائم رہی اور اُس کے نقصان کا اثر بھی مجھکو محسوس ہونے لگا۔

عداوت کا نتیجہ جس طبقے میں دشمنی اور عداوت کا ظہور ہوتا ہے وہ کبھی سرسبز نہیں ہوتا۔ اور گو معمولی آدمیوں کی بھی عداوت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ لیکن زبردست کی عداوت تو اور بھی خطرناک ہوتی ہے۔ اور خاص کر ایسی جماعت جس کو دربار شاہنشاہی میں وثوق اور اعتماد کا درجہ حاصل ہو۔ ایسے لوگوں سے دشمنی کرنا گویا جان بوجھ کر اپنی جان، مال اور عزت کا برباد کرنا ہے۔ کیونکہ معزز طبقے کے لوگوں کو جب غصہ آتا ہے یا کوئی بڑی ضرورت پیش آجاتی ہے تو وہ اپنے دشمن پر غالب ہونے کے لئے تمام عمر کی دولت صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

---

[1] تملش بن ارسلان بن سلجوق۔ الپ ارسلان کا چچا زاد بھائی تھا۔ طغرل بیگ نے اس کو اپنی حیات میں روم پر بغرض فتوحات روانہ کیا تھا چنانچہ شاہان قونیہ، قیصریہ، ملطیہ، واقصرا کا یہ مورث اعلیٰ تھا۔ الپ ارسلان اور تملش میں ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء میں یہ لڑائی ہوئی تھی۔ ابو الفدا کی روایت ہے کہ علم نجوم میں اس کو بڑا ملکہ تھا۔ تفصیلی حالات تاریخ آل سلجوق و کامل اثیر میں تحریر ہیں۔

کہ خود بادشاہ اس شخص کی غرض وغایت سے واقف ہو جاتا ہے اور دشمن کو شکایت کا موقعہ نہیں ملتا اس ذریعہ سے کچھ دلوں تک امن وامان رہتا ہے۔ لیکن آخر کو بُرے نتائج مزید پیدا ہوتے ہیں۔

حکایت سلطان محمود غزلوی کے ابتدائی دور حکومت میں خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی[1] عہدۂ وزارت پر ممتاز تھا۔ اور سلطان کا ایک نہایت معتبر اور معتمد رشتہ دار امیر علی خویشاوند حاجب تھا۔ چونکہ خواجہ سے امیر علی دشمنی رکھتا تھا اور سلطان بھی اس عداوت سے واقف تھا اس لئے امیر علی کی گھری چالیں خالی جاتی تھیں اور سلطان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص خواجہ کی انتظامی غلطیاں بھی دکھلاتا تو سلطان اُس کو حاجب کی شرارت سمجھتا تھا۔ غرضکہ جب امیر کو یقین ہوگیا کہ اب اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی ہے تب خاموش ہوکر موقعہ کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ خواجہ کی حالت خود ہی درجۂ تنزل کو پہنچ گئی۔ اور اس تنزل کا سبب یہ ہوا کہ خواجہ نے تمام اطراف سلطنت میں ظالم عمال مقرر کر رکھے تھے۔ جنھوں نے رعایا کو ان کی طاقت اور قوت سے زیادہ ستا رکھا تھا۔ خصوصًا صوبۂ خراسان کی حالت نہایت ابتر تھی۔ علاوہ مظالم کے قحط کی شدائد نے وہ مصیبتیں برپا کی تھیں کہ العظمة لله! غرضکہ جس قدر محاصل درج جمع بندی تھے اُن سے ایک حبۂ بھی سرکار کو وصول نہیں ہوا اور رعایا آوارہ وطن ہوکر خانہ بدوش ہوگئی۔ ان حالات کو دیکھکر ابوالعباس خود بھی پریشان ہو رہا تھا مگر وہ کیا کرسکتا تھا بجز اس کے کہ اپنی تدبیریں ناکامی کا اقرار کرے۔ اور چونکہ آمدنی داخل خزانہ نہیں ہوئی تھی اس لئے سلطان کی ناراضگی کی متواتر خبریں خواجہ تک پہنچ رہی تھیں۔ اخیر کو بے قرار اور حیرت زدہ ہوکر خواجہ نے سلطان کی حضور میں وزارت سے استعفا بھیج دیا۔ سلطان نے فرمایا کہ "خواجہ سے کہہ دو کہ میں تم پر نہ تو ظلم کرتا ہوں نہ کسی قسم کا دباؤ ڈالتا ہوں بلکہ صرف یہ کہتا ہوں کہ جس قدر رقم وصول کی گئی ہے اور جس کی تصدیق دفتر وزارت سے ہوتی ہے وہ خزانہ شاہی میں داخل کردی جائے۔ اور وزارت سے علیحدہ ہو جایئے" لیکن اس کے

---

[1] خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اسفرائنی دربار عمید الملک فائق میں عہدہ کتابت پر مامور ہوا تھا۔ لیکن بعد زوال دولت فائق، امیر ناصرالدین سبکتگین کے دربار میں آیا اور درجہ وزارت پر ممتاز ہوا۔ اور سلطان محمود نے بھی خلعت وزارت سے مشرف کیا۔ علاوہ علمی فضل وکمال کے نہایت نامور مدبر تھا۔ لیکن امرا کی سازش اور جوڑ توڑ سے عہدہ وزارت جلد ختم ہوگیا جیسا کہ خواجہ نے لکھا ہے۔

بعد خواجہ ابوالعباس سے وزارت کا قلمدان ابواسحٰق محمد بن الحسن رئیس بلخ کو دلادیا گیا۔

شمس الکفاۃ خواجہ احمد حسن میمندی سلطان اور وزیر کے مابین سفارت کا کام کرتا تھا۔ غرضکہ بڑی کوششوں سے یہ طے پایا کہ خواجہ ابوالعباس ایک لاکھ دینار طلائی داخل خزانہ کرے۔ چنانچہ عہد نیابت عمید الملک فائق سے ولایت خراسان، اور ایام وزارت تک جس قدر نقد اور لونڈی و غلام اور دیگر جائداد منقولہ وغیر منقولہ پیدا کی تھی وہ سب تاوان میں سلطان کے نذر ہوگئی۔ جب خواجہ ابوالعباس مفلس ہوگیا۔ اور نوبت فاقے کی پہنچ گئی تب سلطان سے اپنی تباہ حالت کا اظہار کیا سلطان نے نوازش شاہانہ فرمائی اور اپنے روبرو طلب کرکے کہا کہ "ابوالعباس میری جان اور سر کی قسم کھا کر بیان کرو کہ اب تم بالکل محتاج ہوگئے ہو اور تمھارے پاس کچھ باقی نہیں ہے اگر سچ سچ کہدو تو پھر تم سے بقیہ مطالبے کا کچھ مواخذہ نہ کیا جائے گا۔" خواجہ نے کہا کہ اس وقت قسم کھانے سے معافی چاہتا ہوں دوبارہ اپنے اہل وعیال سے تحقیق کرلوں اگر ان کے پاس کچھ بھی ہوگا تو میں داخل کردوں گا اس کے بعد قسم کھاؤں گا۔ چنانچہ گھر جاکر سب کو ڈرا دھمکا کر اور بڑی بڑی قسمیں دے کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک ناکت خدا لڑکی کا اسباب جہیز کسی سوداگر کے یہاں امانتاً رکھا ہے۔ چنانچہ وہ بھی لاکر داخل خزانہ کردیا اور پھر بادشاہ کی جان وسر کی قسم کھائی کہ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن امیر علی خویشاوندکو ہنوز عناد باقی تھا، اور وہ اس قسم کا حال بھی سُن چکا تھا۔ اس لئے ایک دن تخلیے میں جب کہ سلطان ہندوستان کا سفر کررہا تھا۔ عرض کیا کہ مجھے مدت سے ابوالعباس کی خیانت کا حال معلوم ہے اور ہر وقت میں اس کے اظہار کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن سلطان کے نزدیک شکایت خود غرضی پر محمول سمجھی جاتی تھی۔ لیکن باقبال حضور! بلا وساطت میرے ابوالعباس کی خیانت کھُل گئی۔ اور اس پر بھی وہ شہنشاہ کی جھوٹی قسم کھاچکی ہے۔ حالانکہ چند چیزیں اس وقت بھی ایسی نادرالوجود اُس کے پاس ہیں جن سے اکثر بادشاہوں کے خزانے خالی ہیں۔ یہ سُن کر سلطان نہایت متاثر ہوا۔ اور کہا کہ اگر تمھاری بات سچ ہوئی تو ابوالعباس ضرور سیاست کا مستوجب ہوگا۔ امیر نے کہا کہ اگر ان چیزوں کے برآمد کرنے کا مجھ کو اختیار دے دیا جائے تو میں اپنے دعوے کو ثابت کرسکتا ہوں سلطان نے فرمایا منظور ہے مگر شرط یہ ہے کہ جب تک تمھارے قول کی سچائی ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک اُس کی جان کے خواہاں نہ ہونا۔ چنانچہ معاہدے کے بعد

امیر رخصت ہو گیا اور اس زمانے میں خواجہ ابوالعباس ایک قلعے میں قید تھا۔ اب امیر کا حال سُنیئے کہ ہندوستان کی کسی لڑائی میں اُس کو ایک خنجر مل گیا تھا جس کے قبضے پر ساٹھ مثقال کا یاقوت رمانی جڑا ہوا تھا۔ اور نبی سامان کے دفینے سے ایک پیالہ فیروزے کا اڑا لیا تھا جس میں ایک سیر شربت آجاتا تھا۔ اور بادشاہ کے خوف سے یہ دونوں چیزیں مخفی رکھتا تھا۔ غرضکہ ان چیزوں کو اپنے ہمراہ قلعے میں لیتا گیا اور خواجہ کو حراست میں لے کر اپنے سپاہیوں کے سپرد کر دیا۔ اور چند روز کے بعد سلطان کے حضور میں خنجر اور پیالہ پیش کیا اور کہا کہ نہایت آسانی سے بغیر سختی اور تدارک کے یہ چیزیں مل گئی ہیں جن میں سے ایک شاہانِ ہند کا تحفہ ہے جو حضور میں پیش نہیں کیا گیا۔ اور دوسرا وقت ملنے دفینے نبی سامان کے خیانت کیا گیا ہے۔ اب بقیہ مال کے لئے اگر حکم ہو تو سختی کی جائے سلطان نے ناراض ہو کر یہ چیزیں امیر علی خویشاوند کو بخش دیں اور حکم دیا کہ جس طرح ہو بقیہ مطالبہ اس سے وصول کیا جائے۔ چنانچہ جب سلطان ہندوستان کو روانہ ہو گیا اُس وقت امیر علی نے خواجہ کو اُس کے دشمنوں کے سپرد کر دیا اور اسی کشاکش میں وہ مر گیا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ بڑے آدمیوں سے عداوت کرنے کا نتیجہ مخبر بفساد ہوا کرتا ہے۔ واللہ الحافظ الرقیب ۔۔

پانچواں خطرہ وزیر کو ضرورتاً منافع ملکی اور اپنے مالی فوائد میں جن لوگوں کو اپنے سے زیادہ کا حصہ دار بنانا چاہیے وہ عامل، کاتب، سفیر، دبیر اور اہل کاران دفتر ہیں۔ کیونکہ جس طرح نظام سلطنت بغیر سپاہیوں اور سپہ سالاروں کے محال ہے۔ اسی طرح وزارت کی مشکلات کا حل بغیر اس فرقے کے ممتنع ہے۔ اگر اس جماعت سے رعایت نہ کی جائے تو یہ جان کے خواہاں ہو جاتے ہیں۔ عزت و دولت کا تو ذکر کرنا ہی فضول ہے۔ لہٰذا دوسرے گروہ کے مقابلے میں یہی مناسب ہے کہ ان لوگوں کا فقر، ثروت سے۔ عجز، قوت سے۔ محنت، دولت سے اور گمنامی شہرت سے تبدیل کر دی جائے اور انواع واصناف کے انعام واکرام سے یہ مالا مال کر دیئے جائیں۔ تاکہ ہلاکت اور استیصال کے درپے نہ ہوں۔ اور اگر کبھی ان سے رعایتیں نہ کی جائیں یا اُن کے جائز حقوق ہمیشہ کے لئے میٹ دیئے جائیں تو بلاشبہ یہ سب کے سب نفاق وخلاف پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اُن کو بھڑکا کر آمادہ فساد کر دیتے ہیں اور ایک شخص کے ٹوٹ جانے سے پھر اکثر متحد اور متفق ہو جاتے ہیں۔

میرے بیٹے! تمہارا یہ خیال کہ جب حکومت کی باگ عزیزوں، رشتہ داروں[1] اور معتمدان خاص کے ہاتھ میں ہوگی تو اس قسم کی خیانت نہ پیدا ہوگی اور یہ نقصانات وجود پذیر نہ ہوں گے سراسر غلط ہے۔ کیونکہ عزیز و اقارب سے خدمات و مہمات ملکی کا سرانجام ہونا، غیروں کی خدمات سے کہیں بڑھ کر خطرناک ہے تم دیکھتے ہو! کہ میں نے بسبب مزید اعتقاد امانت و دیانت کے تمہارے بھائیوں پر تمام سلطنت تقسیم کردی ہے اور اُن کو بڑے عہدوں پر مقرر کردیا ہے جس سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ تمام مصالح و مفاسد سلطنت سے مجھے آگاہ کرتے ہیں اور ضرور ہے کہ وہ اپنے نام اور خاندانی عزت میں داغ نہیں لگائیں گے۔

بادشاہ بیگم (ترکان خاتون) ایک عرصے سے مجھ سے ناراض ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ سلطان اُن کے بیٹے محمود کو ولی عہد سلطنت قرار دیں۔ مگر اس ارادے میں کامیاب نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ سلطان کے نزدیک شہزادہ برکیارق میں عقل و دانش کی علامتیں اور جہاں داری کے آثار بہت زیادہ ہیں۔ اور بادشاہ بیگم سمجھی ہوئی ہیں کہ میں اس ولی عہدی میں حارج ہوں۔ اس لئے وہ خفا ہیں اور چاہتی ہیں کہ کوئی الزام میرے سر منڈھ دیں جس سے سلطان کا مزاج برہم ہوجائے اور میرے مخالفوں سے اس قسم کی ٹوہ لیا کرتی ہیں۔ اور ایسی ہی باتیں پوچھا کرتی ہیں۔ لیکن ابھی تک کوئی نقص نہیں ملا ہے۔ اور وہ سلطان سے بجز اس کے اور کچھ کہہ نہیں سکتی ہیں کہ میں نے سلطنت کو اپنے بیٹوں پر تقسیم کر رکھا ہے۔ مگر یہ وہ راز ہے کہ جس کو سوائے میرے کوئی نہیں جانتا ہے لیکن مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ صرف اسی ایک بات نے سلطان کے دل میں گھر کرلیا ہے خدا انجام بخیر کرے خلاصہ یہ ہے کہ عزیز و رشتہ داروں کو خدمات سلطنت سپرد کرکے خود اپنی ذات کو اتہام کا نشانہ بنانا ہے۔ اور لوگ اس کو امانت کے خلاف سمجھتے ہیں۔

اور اگر غیروں کو انتظام سپرد کردیا جائے تو اُس کی بھی مضرتیں بہت ہیں چنانچہ حسن بن صباح کی ذات سے مجھے جو مصیبتیں پہنچیں اور پہنچ رہی ہیں اور آئندہ معلوم نہیں کہ اور کیا پیش آئیں وہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔

[1] دیکھو نوٹ مندرجہ حاشیہ صفحہ ۸۰ حصہ اول۔ جس میں محمود اور برکیارق کی ولی عہدی کی بحث ہے۔

اسبابِ وزارت

اب تک میں نے جس قدر بیان کیا ہے چونکہ وہ تمھارے عقیدے اور ارادے کے خلاف ہے (یعنی ترک وزارت کا وعظ) اس لئے اس کا کوئی اثر تم پر نہ پڑے گا۔ لیکن اب میں ایسے چند اسباب بیان کروں گا کہ جو لوازمہ وزارت ہیں اور انشاءاللہ تم اُن سے بہت کچھ فائدہ اُٹھاؤ گے۔

کوئی کام کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، لیکن پھر بھی وہ اُصول سے خالی نہ ہوگا۔ خصوصًا وزارت کا کام کہ جس پر ملک وملت، اور دین ودولت کا انحصار ہے۔ اس میں بدرجہ اولیٰ شرائط کی پابندی چاہئیے۔ منصب وزارت میں چار شرطیں ہیں جن کی بجاآوری واجب اور جن کا لحاظ رکھنا فرض ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) خداوند تعالیٰ کے احکام کی حفاظت (۲) بادشاہ کے احکام کی تعمیل (۳) بادشاہ کے ملنے والوں کی رعایت (۴) عامۂ خلائق کے حفظ مراتب کا خیال۔

سنو! انسان بمقتضائے فطرت کبھی ایسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے، کہ جس میں اُس کا کوئی مطلب نہ ہو۔ اور عقلاً مقصود ہر کام سے اُس کا مناسب حال ہوا کرتا ہے۔ کوئی کام کرنے والا فضول محنت کرنا نہیں چاہتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دس روز کے سفر سے جو قلیل منافع حاصل ہو سکتا ہے اس کے واسطے کوئی ہوشیار آدمی ایک سال کا سفر گوارا نہیں کرے گا۔ لہٰذا ایسے بڑے منصب میں (جیسا کہ وزارت ہے) لباس، سواری، اور کھانے پینے کے تکلفات پر نظر نہ ڈالنا چاہئیے۔ کیونکہ ادنیٰ ترین شخص کو بھی یہ چیزیں کوشش سے مل سکتی ہیں۔ لیکن مقصود اس منصبِ عالی سے یہ ہے کہ دین و دنیا کی نیک نامی حاصل ہو اور اُس کا حصول بغیر پابندی شرائط مذکورۂ بالا محال ہے۔

پہلی شرط۔۱ اگر آج اس شرط کی تعمیل میں قصور و تقصیر ہو جائے تو کل قیامت کے دن حسرت و ندامت سے کہنا پڑے گا۔ یٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ۔

اس شرط میں جو چیز سب سے مہتم بالشان ہے وہ یہ ہے کہ اپنے مذہبی عقائد میں مستحکم ومضبوط ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اہلِ بدعت کی ملمع ساز گفتگو اور گمراہ فرقوں کی سخن آرائی سے مرکز راستی سے دور جا پڑو۔ کیونکہ ارباب دولت کی مجلس میں حکیم، صوفی، عارف، موحد وغیرہ سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن

بہت ایسے ہوتے ہیں کہ اپنے کو محقق کہتے ہیں۔ اور حکمت، عرفان، توحید اور تحقیقات مذہب کے پیرایے میں بہت سے معتقدات باطلہ بیان کر جاتے ہیں۔ جس کے سننے سے آہستہ آہستہ عقائد میں خلل پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا۔ اس امر کی ضرورت ہے، کہ تم راسخ العقیدت بن جاؤ۔ اور فرض و سنن کی پابندی میں مستعدی کرو۔ طاعت و عبادت میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔ اور مدارج دین کی ترقی اور شریعت کے زندہ رکھنے میں خوب ہی کوشش کرو۔ لوگوں کی تعریف و توصیف پر اپنے خالق کی رضامندی کو مقدم سمجھو۔ اور خوب سمجھ لو! کہ جب تک عمدہ اخلاق نہ ہوں اور بُری خصلتوں سے پرہیز نہ کیا جائے اُس وقت تک خدائے پاک کی رضامندی حاصل نہیں ہو سکتی ہے اور ان اُمور میں کسی معلم و مرشد کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ علم اچھا ہے۔ جہل بُرا ہے۔ عدل محمود ہے، ظلم مذموم ہے، سخاوت مقبول ہے، اور بخل مکروہ ہے۔ اور نہ اس میں کوئی شبہ ہے کہ اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہونا حیات جاوید کی دلیل ہے۔ اور ناپسندیدہ خصائل کا اختیار کرنا ہلاکت اور ابدی عذاب کا باعث ہے ''

حکایت جب سلطان ملک شاہ کی شادی[1] خلیفہ بغداد کے یہاں قرار پا گئی اور سب جھگڑے طے ہو گئے، تب سلطان نے حکم دیا کہ اطراف عرب و عجم میں تمام اکابر و اشراف کو نیوتہ دیا جائے کہ وہ مجلس عقد میں شریک ہوں۔ چنانچہ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، بلاد شام، روم، عراق، فارس، خراسان، ماوراء النہر وغیرہ میں قاصد بھیجے گئے کہ معزز مہمان براہ راست بغداد تشریف لائیں چنانچہ اس قدر مجمع ہوا کہ کوئی زمانہ اس کی نظیر نہیں لا سکتا۔ بغداد کے مغربی حصے میں خیام سلطانی نصب ہوئے تھے، اور مشرقی حصے میں قصر خلافت واقع تھا۔ چنانچہ نکاح کے دن سلطان نے حکم دیا کہ اول تمام اعیان دولت دارالخلافۃ کو روانہ ہوں اور ترکوں کے دستور کے موافق خلیفہ سے عقد کی رضامندی حاصل کریں وترکوں کا دستور تھا کہ عین برات کے دن بیٹے کی طرف سے کچھ لوگ بیٹی والے کے گھر جا کر نہایت منت و سماجت سے عقد کی منظوری حاصل کرتے تھے اور اجازت کے بعد برات روانہ

---

[1] المقتدی بامر اللہ ابو القاسم عبد اللہ عباسی سے ملک شاہ نے ۴۷۵ھ ۱۰۸۲ء میں اپنی بیٹی کا عقد کیا تھا اور اس شادی کے تفصیلی حالات ہم نے نظام الملک کے واقعات قتل میں لکھے ہیں۔ مگر خود ملک شاہ کی شادی کا واقعہ صرف خواجہ کی روایت پر لکھا گیا ہے کیونکہ تاریخ کامل ابن اثیر وغیرہ میں اس شادی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن (باقی در صفحہ آئندہ)

ہوتی تھی، چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لئے "ارکان دولت بہ لحاظ عظمت حریم خلافت تک پیادہ روانہ ہوئے۔ جب خلیفہ کو اطلاع ہوئی تو فوراً ایک خادم سے کہلا بھیجا کہ" نظام الملک سوار ہو کر آئے" چنانچہ صرف میں سوار تھا اور جملہ اکابر میرے ساتھ پیدل تھے جب آستانہ خلافت پر پہنچے تو مجھے ایک مسند پر بٹھایا اور بقیہ حضرات میرے دائیں بائیں کھڑے ہوئے۔ خلیفہ کی جانب سے سب کو خلعت تقسیم ہوئے اور جو خلعت مجھے مرحمت ہوا اُس پر نقش تھا" الوزیر العالم العادل نظام الملک رضی امیر المومنین"

ابتدائے دولت اسلام سے اس وقت تک کسی وزیر کو" رضی امیر المومنین کا خطاب نہیں ملا تھا میرا مطلب اس واقعہ کے بیان سے یہ ہے کہ" اُس وقت شیطان میرے نفس میں عظمت اور جبروت کے خیالات پیدا کر رہا تھا اور میں ان چیزوں کی بے وفائی اور ناپائیداری کے خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور باوجود اس اعزاز کے مجھے اپنا ضعف اور عجز نظر آرہا تھا۔ اور یہ تو میں اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ منصب یا اسی قسم کے ایک لاکھ۔ ایک درجہ (ڈگری)، بکار یا ایک مرتبہ کے درد سر کے لئے وجہ تسکین نہیں ہوسکتے ہیں۔ اور میری زبان پر اُس وقت کلمہ کا حول جاری تھا۔ یہ واقعہ تو دن کا تھا جب رات ہوئی۔ تو میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی مسند ایک بلند مقام پر بچھی ہوئی ہے۔ اور میں اُس پر وہی خلعت پہنے ہوئے بیٹھا ہوں۔ مگر تنہائی کی وجہ سے خوف وحشت میں مبتلا ہوں۔ ناگاہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدشکل اور کریہہ منظر آدمی میرے برابر آن کر بیٹھ گیا۔ جس کی بدبو سے میرا دم گھٹا جاتا تھا۔ اس کے بعد اور لوگ بھی اُسی شکل وصورت کے آئے اور مسند پر بیٹھتے چلے گئے، اور یہ آنے والے بدصورتی میں اگلوں سے بھی فوق رکھتے تھے۔ غرضکہ اس قدر ہجوم ہوا کہ میں کشمکش میں پڑ گیا۔ بلکہ قریب تھا کہ میں مسند سے سر کے بل گر پڑوں اور اُن کی بدبو سے دم نکل جائے، چنانچہ غایت اضطراب سے میں جاگ اُٹھا اور خدا کا شکر کیا، اور صبح کو صدقہ دیا گیا۔ لیکن جب رات آئی تو پھر وہی اگلا سماں پیش نظر تھا۔ اور آج میں اس قدر بدحواس ہوا کہ بدن کانپنے لگا اور اگر جاگ نہ پڑتا تو یقین تھا کہ تمام عمر سوتا ہی رہ جاتا۔ القصہ جب تیسری رات آئی تو میں ڈر کے مارے قصداً جاگتا رہا لیکن پچھلے پہر نیند کے حملوں نے

بقیہ صفحہ ۳۱۲۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی المقتدی کے خاندان میں ہوئی تھی خلفائے عباسیہ میں المقتدی اٹھائیسواں خلیفہ تھا۔ جس کا عہد حکومت ۴۶۷ھ لغایت ۴۸۷ھ ہے۔

مجھے مغلوب کر دیا اور وہی گذشتہ نظارہ سامنے آ گیا۔ اور میں اپنے کو مسند سے گرا یا ہی چاہتا تھا۔ کہ ایک خوبصورت اور عطر میں ڈوبی ہوئی روحانی اور نورانی جماعت جلوہ فرما ہوئی۔ اور جیسے ہی اس جماعت کا ایک شخص سلام کر کے میرے پاس بیٹھا ویسے ہی ان میں سے ایک شیطان رو چکر ہوا، اور تھوڑی دیر میں آہستہ آہستہ سب سرک گئے اور نئے مہمانوں کی ہم نشینی سے مجھ میں تازگی اور زندہ دلی پیدا ہو گئی۔ جب خاطر خواہ سکون ہو گیا تو میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اور وہ کون لوگ تھے؛ جواب دیا کہ ہم تمھارے اخلاق حمیدہ اور وہ عادات ذمیمہ تھے۔ ہم دونوں کی مدت قیام کی کوئی میعاد نہیں ہے۔ بلکہ تمام عمر کا ساتھ ہے۔

اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ "ہم میں سے کون رہے اور کون جائے؟ خواب وخیال کی باتیں ہیں۔ جو لطف میں نے اٹھایا اُس کا پورا بیان کیوں کر کروں۔

مختصر یہ کہ واقعہ کچھ ایسا عجیب وغریب تھا کہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور اسی حالت میں پڑا ہوا تھا کہ نوکروں نے سوتے سے جگا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صاحبان مسند وزارت، اخلاق حمیدہ کے حصول میں کوشش کریں، اور اُس کو لوازمۂ وزارت سمجھیں اور بُری عادتوں سے ہمیشہ بچتے رہیں۔

طریق عبودیت ۲ | دوسری بات واجب العمل یہ ہے کہ اتفاقات حسنہ کو اپنی تدبیر کا نتیجہ نہ سمجھے گو حصول اس کا تدبیر کے بعد ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔ بلکہ اُس کو خدا کے فضل وکرم پر محمول کرنا چاہیے۔ لیکن میرا یہ قول بھی نہیں ہے کہ کسی قسم کی تدبیر ہی نہ کی جائے بلکہ میں علانیہ کہتا ہوں کہ کیسا ہی چھوٹا کام کیوں نہ ہو قواعد عقلیہ سے جانچ کر اُس کی تدبیر کی جائے۔ اگر نتیجہ خاطر خواہ نکلے تو سمجھ لو کہ یہ بھی خدا کی مہربانی ہے۔ اس خیال کو اگر انسان اپنی سیرت بنا لے تو ایک مبارک خاصیت بلکہ تکمیل ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ ہر مقصد میں تدبیر سے کامیابی نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی بدیہی ہے کہ اگرچہ بغیر تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن بسا اوقات مجھے تجربہ ہوا ہے کہ وہ بغیر تدبیر کے ہوئے ہیں جس کو میں "اتفاق حسنہ" سے تعبیر کرتا ہوں۔

حکایت (۱) | قزل ارسلان[1]، امیر فارس وکرمان کی بغاوت کا حال سُن کر جس سال سلطان

---

[1] قزل ارسلان اور نغلو یہ کے واقعات، نہایت تفصیل سے فتوحات ملکی کے ذیل میں تحریر ہیں۔

الپ ارسلان نے فارس و کرمان کا سفر کیا ہے ۔ اُس وقت طنجہ کا حاکم فضلویہ تھا ۔ چونکہ اُس نے اپنی اطاعت سے سلطان کو رضامند کر لیا تھا ۔ لہٰذا حکومت فارس کی سند بھی فضلویہ کو لکھدی گئی تھی ۔ لیکن جب سلطان کرمان ہو کر خراسان کو روانہ ہو گیا تو فضلویہ فارس کے ایک مستحکم قلعے میں اپنا تمام خزانہ اور فوج لے کر چلا گیا ۔ اور سلطان سے بغاوت پر آمادہ ہوا ۔ لہٰذا سلطان نے اس شورش کے مٹانے کے لئے مجھے مامور کیا ۔ چنانچہ ہماری فوجیں فصیل قلعے کے نیچے بہت جلد پہنچ گئیں ۔ لیکن خیرخواہان سلطنت میں سے جو اس صوبے اور نیز قلعے کے حالات سے آگاہ تھے اُنھوں نے عرض کیا کہ قلعے کا محاصرہ کسی طرح مناسب نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ قلعہ ناقابل فتح ہے ۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ فضلویہ کو خوف دلایا جائے ، اس وقت بآہستگی انتظام ہو جائے گا ۔ چنانچہ میں نے بہت کچھ غور کیا اور دل ہی دل میں فیصلہ کرتا رہا کہ فضلویہ کے پاس جانا چاہیئے یا سفر کرنا چاہیئے ؛ لیکن مرجح پہلو نہ نکلا تب میں نے فیصلہ کیا کہ اس صورت میں سلطان کا حکم مقدم ہے ۔ اگر میری کوشش کامیاب ہو گئی تو بہتر ہے ورنہ عدول حکمی کے مواخذے سے بری رہوں گا ۔ غرضکہ یہ رائے قطعی ہو گئی اور قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا ۔ محصورین مستغنی تھے اور وہ کسی طرف سے نظر نہ آتے تھے اور میں نے بھی مستحکم ارادہ کر لیا کہ محاصرہ نہ اُٹھاؤں گا ۔ بلکہ اسی غرض سے ایک سال کی رسد کے لئے احکام جاری کر دیئے تھے ۔ مختصر یہ کہ صرف ایک رات محاصرہ رہا اور صبح کو چاشت کے وقت یکایک قلعے سے الامان کی صدا آنے لگی ۔ تب میں نے امن و امان کا حکم جاری کیا ۔ فضلویہ نے سالانہ خراج ادا کرنا منظور کیا ۔ اور بہت سے تحفے تحائف روانہ کئے ۔ ہم لوگوں کو نہایت استعجاب تھا ۔ اور وہاں کے باشندوں کو بھی حیرت تھی ۔ کیونکہ یہ وہ قلعہ ہے جو برسوں کی لڑائی میں بھی فتح نہیں ہو سکتا تھا ۔ پھر کیا سبب ہوا کہ اس قدر جلد قبضے میں آ گیا ؛ لیکن تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جس شب کا یہ واقعہ ہے اس رات کو خودبخود قلعے کے تمام تالاب اور حوض خشک ہو گئے تھے ۔ اور کنوؤں کا بھی پانی سوکھ گیا تھا ۔ اور ایک گھونٹ پانی بھی کہیں میسر نہیں آ سکتا تھا ۔ اس لئے محصورین امان کے طالب ہوئے تھے جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے خدا کا شکر کیا اور سمجھ لیا کہ سب تدبیریں تقدیر الٰہی کے ماتحت ہیں ۔ کیونکہ جو تدابیر فتح قلعے کے لئے کی گئی تھیں اور جو واقعہ پیش آیا اُس میں مشرق و مغرب کا فاصلہ تھا ۔ میں نے ایسے بہت

کرشمے دیکھے ہیں مگر مناسب حال اسی قسم کا ایک واقعہ درج ہے۔

حکایت ۴۶۳ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے خراسان سے روم کا سفر کیا اور نواح کرخ میں پہنچ کر سلطان تو روم کو روانہ ہو گیا۔ اور چونکہ کرخ کی فتح کا اہتمام شاہزادہ ملک شاہ کے سپرد کیا گیا تھا، لہٰذا شاہزادہ کرخ کی طرف بڑھا۔ اور ایک قلعے کے قریب پہنچ گیا یہ نہایت بلند اور مستحکم قلعہ تھا۔ اور اس کے چاروں طرف نہریں تھیں، نام اس قلعہ کا مریم نشین[1] تھا" اور ملک کے مشہور علماء و مشائخ (قسیس و رہبان)، وہاں موجود تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ قلعہ بھی عیسائیوں کا ایک گرجا ہے۔ اور کرخ والے بھی اکثر عیسائی تھے۔ غرضکہ اس قلعے کے چاروں طرف گرد آوری کی گئی تو معلوم ہوا کہ سوار و پیادے دونوں قلعے کی برجیوں تک نہیں پہنچ سکتے ہیں یہ حال دیکھ کر ملک شاہ کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ قلعہ کا بحال خود چھوڑ دینا اور اہالیانِ کرخ سے کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنا، اور سلطان سے مدد مانگنا، اور طبل فوج سے قلعے پر حملہ کرنا، یہ سب صورتیں تکلیف سے خالی نہ تھیں۔ اور جدال و قتال کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلتا تھا۔ اور بے عزتی کا خیال ان سب پر مستزاد تھا۔ اس لیے میں نے ملک شاہ کو سمجھایا کہ آپ پریشان نہ ہوں بادشاہوں کی مہمات اور ہی صورت سے سر ہوا کرتی ہیں۔ اور اُن کو عامۂ خلائق کے کاموں سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر بادشاہوں کے کام معمولی آدمیوں کی طرح ہو جایا کریں تو پھر تائید ذوالجلال کیونکر معلوم ہو، اور کافۂ انام پر ترجیح کا پہلو کیوں کر نکلے؟

القصہ دوسرے دن مقابلے کی تیاری کی گئی۔ اور بہادروں نے بذریعہ کشتیوں کے خندق سے عبور کیا، اور بڑی کوششیں کیں، لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بلکہ بہت سے بہادر سپاہی ضائع ہو گئے اور ملک شاہ بغیر میری اطلاع چند آدمیوں کے ہمراہ ایک برج کے نزدیک چلا گیا اور قلعہ سے سنگ ریزیں پھینکی گئیں یہ موقعہ نہایت خطرناک تھا۔ مگر خدا نے بچا لیا۔ اور برج کے نیچے سے نکل کر یہ لوگ دور چلے گئے۔ شاہزادے کی یہ حالت دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا اور مجھ سے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ ہنوز حیرانی رفع نہیں ہوئی تھی کہ زور شور سے آندھی آئی اور تاریکی نے ساری دنیا کو ظلمت کدہ بنا دیا اور اس کے بعد ہولناک زلزلہ آیا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ گویا قیامت آ گئی ہے۔

---

[1] اس قلعے کے تفصیلی حالات اور اس جنگ کا پورا خلاصہ فتوحات کے ذیل میں درج ہے۔

جب مطلع صاف ہو گیا اور روشنی نمودار ہوئی تو دیکھا کہ قلعے کا مشرقی حصہ گر گیا ہے اور دیوار کے گرنے سے سارا خندق اٹ گیا ہے۔ چنانچہ فوج بلا تکلف قلعے میں داخل ہو گئی۔ فتح نصیب ہوئی اور اکثر عیسائی مسلمان ہو گئے۔ اور صرف اسی ایک فتح سے بقیہ بلادکرخ پر قبضہ ہو گیا۔

میرا مطلب اس واقعے کے بیان سے یہ ہے کہ سارے مقاصد تدبیر پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ تائید آسمانی اور تقدیر ربانی بھی کوئی چیز ہے۔

(۳) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ جل شانہ کی اطاعت، اور بادشاہ وقت کی اطاعت، فرض ہے۔ اور جب کہ یہ فرماں برداری عامۂ خلائق پر عموماً فرض کی گئی ہے۔ تو جو لوگ مقربین اور خاص الخاص ہیں۔ اُن پر تو بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے۔ اور سب سے بڑھ کر اُس شخص پر جس کے ہاتھ میں مالی و ملکی اختیارات اور حکومت کی باگ دیدی گئی ہو، اور جو سلطنت کے گھٹاؤ بڑھاؤ اور امور مملکت کی پیچیدگیوں کے سلجھانے کا ذمہ دار ہو۔ اس قسم کی اطاعت اس وقت تک نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ بادشاہ وقت کی عظمت و جلال کا سکہ دل پر نہ بیٹھ جائے۔ اور جب تک ایسا نہ ہوگا وہ خالص محبت کہ جو حقیقت میں اطاعت اور تعظیم و تکریم کا نتیجہ ہے طرفین میں پیدا نہ ہوگی، اور انجام کار غیر مستحسن نتائج ظہور پذیر ہوں گے۔ اب رہے تعظیم سلاطین کے اسباب وہ کئی نوع پر تقسیم ہیں۔

(۱) سب سے پہلے دفع مضرت ہے یعنی بادشاہ سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے لیکن یہ صفت عامۂ خلائق میں مشترک ہے اس لئے وزیر کو سب سے زیادہ بادشاہ کی تعظیم کرنا کوئی خاص فائدہ نہیں بخشتا ہے۔

(۲) دوسرے جذب منفعت ہے جس کو کنایتہً اُمید کہتے ہیں اور جس طرح نوع اول میں ساری خلقت سہیم و شریک تھی۔ اسی طرح اس نوع میں دربار کے تمام خاص و خواص مشترک ہیں اس لئے جب تک خوف و رجا کا پردہ درمیان سے نہ اُٹھ جائے، اور خالص محبت اور سچی ارادت نہ پیدا ہو اُس وقت تک خاطر خواہ ثمر مترتب نہیں ہوتا ہے۔ اور جب عقیدت اس درجے پر پہنچ جائے اور پھر کسی مقصد میں خلل پڑ جائے تو نقصان کا خوف نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ کامیابی جلد ہو سکتی ہے۔

اب میں وہ تدبیریں بتاتا ہوں کہ جن کے ذریعے سے انسان راسخ العقیدت بن جاتا ہے۔

(۱) خوب سمجھ لو کہ بغیر توفیق الٰہی اور تائید سماوی کے کوئی شخص بادشاہ نہیں بن سکتا ہے۔ اور

نہ ساری دنیا کو وہ اپنا فرماں بردار بنا سکتا ہے، اگرچہ غلبہ اور تسلط کے کتنے ہی اسباب موجود کیوں نہ ہوں؛ لیکن فی الحقیقت سب کا مرجع تائید غیبی ہے۔ اور صرف اس ایک سبب کے وجود پذیر ہونے پر دیگر اسباب خود بخود مہیا ہو جاتے ہیں۔ اور یہ نتیجہ ارادت الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ سلطان عادل کی اطاعت فرض ہے کیونکہ وہ زمین پر خدا کا سایہ ہے۔ (ظل اللہ فی الارض)

حکایت روایت ہے کہ ابن[1] اعلم رصدی سے جو مشاہیر منجموں سے تھا خلیفہ ہمیشہ ضمیر[2] کے سوالات کیا کرتا تھا۔ اور استخراج ضمیر میں کوئی منجم ابن اعلم کا ہم پلہ نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف ناصر[3] بنانی جو ابن اعلم کا ایک نہایت ذکی الطبع شاگرد تھا۔

ایک دن خلیفہ نے ایک پرچہ کاغذ پر کچھ لکھکر قالین کے نیچے (جس پر بیٹھا ہوا تھا) دبا دیا اور ابن اعلم

[1] مامون الرشید عباسی کے بعد خلافت کی شان وشوکت میں زوال آگیا تھا اور عنان حکومت مختلف شخصوں کے ہاتھ میں تھی چنانچہ خلیفہ القاہر باللہ ابو منصور محمد کے زمانے میں بنی بویہ کی ابتدا ہوئی ابو شجاع بویہ بن فنا خسرو جو یزد جرد کی اولاد میں تھا اس کے تین بیٹے عماد الدولہ علی اور رکن الدولہ حسن اور معز الدولہ احمد بڑے نامور ہوئے اور ان کا اقتدار دربار میں بڑھنے لگا۔ چنانچہ المُسْتَکْفِیْ باللہ کے دربار سے احمد کو امیر الامرا کا عہدہ ملا اور آئندہ یہی خاندان تخت بغداد کا مالک تھا۔ جس کو چاہتے تھے تخت نشین کرتے تھے اور جس کو چاہتے تھے اُتار دیتے تھے۔ چنانچہ رکن الدولہ کا بیٹا عضد الدولہ، بنی بویہ میں سب سے بڑھ کر نامور ہوا ہے۔ اور یہ فارس کا حکمراں تھا (اس کا عہد حکومت ۳۳۸ھ؍۹۴۹ء لغایت ۳۷۲ھ؍۹۸۲ء ہے) اس کا نام علمی ترقیوں میں نہایت ممتاز تھا۔ اگر یہ بہادر حمایت علم کا عَلَم لے کر نہ اُٹھتا تو دسویں صدی عیسوی کے خاتمے پر علم کا چراغ گُل ہو جاتا۔ چنانچہ اس کے دربار میں منجملہ مشاہیر علمائے ہیئت کے ایک ابن اعلم بھی تھا۔ اس شریف علوی کا نام ابو القاسم علی بن حسین بن محمد بن عیسیٰ تھا۔ اور تاریخ میں ابن اعلم کے نام سے مشہور ہے۔ ہیئت میں عضد الدولہ ابن اعلم کا شاگرد تھا۔ اور ہمیشہ اس شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ عضد الدولہ کے انتقال کے بعد صمصام الدولہ اُس کے بیٹے نے ابن اعلم کی کچھ قدر نہ کی اور وہ ناراض ہو کر چلا گیا اور ۳۷۵ھ میں حج کو روانہ ہوا اور واپسی کے وقت بمقام عسیلہ انتقال کیا۔ خواجہ نظام الملک نے جس واقعہ کو لکھا ہے یہ خلیفہ المطیع یا الطائع کے وقت کا ہے۔ "انتخاب از مختصر الدول عبری ص ۲۰۸ و تاریخ عرب موسیو سیدیو فرانسیسی۔ بیان ترقی علم ہیئت" [2] ضمیر۔ سائل کا مافی الضمیر جب خود نجومی بیان کرتا ہے تو اس سوال کو ضمیر کہتے ہیں

[3] بنان۔ مرو شاہجہاں کا ایک مشہور قریہ ہے "مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۲۹ معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۸۸"

سے پوچھا کہ بتاؤ ہیں نے کیا لکھا ہے ؛ (اس وقت ناصر بھی موجود تھا) ابن اعلم نے استخراج ضمیر کے قاعدے سے بتایا کہ "اس کاغذ پر خداوند جل جلالہ کا نام لکھا ہوا ہے" لیکن ناصر نے ابن اعلم سے اختلاف کیا اور کہا کہ "اس پر بادشاہ کا نام نامی ہے" تب خلیفہ نے ابن اعلم سے پوچھا کہ "تم کس قاعدے سے کہتے ہو کہ خدا کا نام ہے ؟" اُس نے جواب دیا کہ "دلائل اور علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی رفعت وشان کا نام ہے اور تمام علامتوں سے خاص ہیبت ٹپکتی ہے۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ وہ خدائے تعالےٰ کا نام ہے" پھر خلیفہ نے ناصر سے دریافت کیا کہ تمھاری کیا دلیل ہے ؟ اُس نے کہا کہ "جناب استاذی جو کچھ فرماتے ہیں اور جن دلائل کی بنا پر حکم لگایا ہے وہ مجھے بھی معلوم ہیں۔ اور میں بھی کہنا چاہتا تھا کہ خدا کا نام ہے۔ لیکن یہ دعویٰ صفات الٰہی کے مقابلے میں کچھ ٹوٹتا ہوا معلوم ہوا پھر میں نے سوچا کہ اگر خدا کا نام ہوتا تو امیر المومنین اُس کو قالین کے نیچے نہ دباتے۔ اس لئے میں نے نہایت یقین سے کہا کہ اس پر بادشاہ کا نام ہے" اس مباحثے کے بعد خلیفہ نے وہ کاغذ نکالا تو اُس پر تحریر تھا "سلطان عادل" اس معرکۃ آلارا حکم پر ساری مجلس کو تعجب ہوا۔ اور ناصر بنائی کو خلیفہ نے صلہ و انعام سے مالا مال کر دیا۔

اس روایت سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ سلطان عادل کا یہ درجہ ہے کہ عقل نے صفات الٰہی سے اوصاف بادشاہی پر استدلال کیا۔ اور اقبال ربانی کی علامتوں کو اُس نے اوضاع سلطانی سمجھا اس لئے اُس شخص کو جس کی دانشمندی و فرزانگی پر سلطان عادل نے اعتماد کرکے دنیا کا سب سے بلند ترین درجہ (یعنی وزارت) سپرد کر دیا ہو، زیبا ہے کہ وہ سچائی اور امانت کا مسلک اختیار کرے۔ اور ایسے کام کرے جس میں سلطنت کی مالی حالت ترقی پذیر ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عدل و انصاف قائم رہے۔ اور دلچسپی کے بیہودہ خیالات دل سے مٹا دیئے جائیں خصوصاً وہ کام جن کو شریعت نے منع کیا ہے۔ کیونکہ ذرا سی عیش پرستی میں بڑے بڑے کام بگڑ جاتے ہیں۔ اور تھوڑی سی جدوجہد میں معلوم نہیں کہ کیا کچھ ہو جاتا ہے۔

وزیر کو چاہیئے کہ اپنے عیش و عشرت کو صرف بادشاہ کی رضامندی پر منحصر رکھے۔ اور یہ یقین کرلے کہ خدام کی کوئی خوشی بادشاہ کی خوشنودی مزاج کی برابر نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ دنیا کی ساری لذتوں کا سرچشمہ یہی ہے اور ساری کوشش اسی کے حصول کے لئے کی جاتی ہے، ابتدائے ملازمت میں دل لگا کر کام کرنا چاہیئے کیونکہ

آگے چل کر اس کی لیاقت اور کارگزاری سے ہر قسم کی توفیر اور مالی ترقیاں ہوں گی جن کی اطلاع بادشا تک پہنچے گی۔ لیکن حکومت ملنے پر فوراً ہی اُن تمام تجاویز پر عمل درآمد نہ کرنا چاہیے جو ترقی ملک کے لئے سوچی گئی ہوں بلکہ اُن کا نفاذ آہستہ آہستہ کیا جائے۔

(۲) جب معلوم ہو جائے کہ کسی خاص وجہ سے بادشاہ پریشان و متردد ہے تو اُس کی اصلاح کی فوراً فکر کی جائے اگر کامیابی ہو جائے تو وزیر کی یہ سعی قابل شکر گذاری ہوگی۔

ایسے تفرقے جو وزیر کی تدبیر سے علاج پذیر ہو سکتے ہیں وہ دو نوع پر تقسیم ہیں ایک ملکی دوسرا مالی

تفرقہ ملکی۔۱ | تفرقہ ملکی کی تفصیل ایسے مختصر مضمون میں نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن بسبیل اجمال سمجھ لینا چاہیے کہ جس چیز پر ساری ملکی تدبیریں منحصر ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے دوستوں کو رضامند رکھے اور دشمنوں سے ہمیشہ بچتا رہے۔ دوستوں کو تالیف قلوب اور مہربانی سے اس طرح رکھنا چاہیے کہ وہ دن بدن خیرخواہ ہوتے جائیں اور کسی وقت میں بھی مخالف نہ ہوں، باقی رہے دشمن وہ حصر عقلی کے مطابق تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ۔ مساوی۔ ادنیٰ۔ جو دشمن درجۂ اعلیٰ کا ہے اُس سے حتی المقدور ہوشیار اور پُرحذر رہنا چاہیے۔ اور جو درجۂ ادنیٰ کا ہے نہ اُس کو باقی رکھنا چاہیے نہ مہلت دینا چاہیے۔ اور برابر والے سے جہاں تک ہو سکے صلح و آشتی قائم رکھی جائے۔

بادشاہ کو عموماً بدعہدی اور نقض معاہدے سے بچانا چاہیے اور اہل اسلام سے خصوصاً۔ کیونکہ بدعہدی کا نتیجہ ہر عہد میں نامبارک ہوا ہے۔ جو بادشاہ مضبوطی سے معاہدے پر قائم رہے ہیں اُن کو بمقابلے اُن فوائد کے جو نقض معاہدے سے حاصل ہوتے، اپنے قول پر قائم رہنے سے (منجانب اللہ) کہیں بڑھ کر فائدہ ہوا ہے۔

حکایت | نواح بلخ میں جب امیر اسمٰعیل سامانی اور عمرو لیث کا مقابلہ ہوا تو یہ مشہور ہے کہ امیر اسمٰعیل نے

ؔ آل سامان، خراسان اور ماوراء النہر میں سامانیوں کی حکومت ۲۶۱ھ؁ ۸۷۴ء؁ لغایت ۳۸۹ھ؁ ۹۹۹ء؁ رہی ہے۔ اس خاندان میں نو بادشاہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے۔

نہ تن بودند ز آل سامان مشہور ۔۔۔ بہ ہر یک بحکومت خراسان مغرور

اسمٰعیلی و احمدی و نصری ۔۔۔ دو نوح و دو عبدالملک و دو منصور

چنانچہ امیر اسمٰعیل اسی خاندان کا حکمران تھا اور عمرو لیث صفاریہ خاندان سے تھا۔ از نگارستان

عمرولیث کو گرفتار کر لیا تھا۔ اور اس کے خزانے کی تلاش شروع ہوگئی تھی۔ لیکن جب کہیں سراغ نہ چلا تو خود عمرولیث سے پوچھا۔ اُس نے کہا کہ "مہتمم خزانہ میرا ایک عزیز تھا جس کا نام سام ہے۔ اگر وہ ہرات میں لوٹ آیا ہے تو معلوم ہوگا" چنانچہ چند روز کے بعد امیر اسمٰعیل ہرات پہنچا۔ تو رعایائے ہرات امن وامان کی طالب ہوئی اور اُن کی درخواست منظور کی گئی لیکن جب اُن سے سام اور خزانے کا حال دریافت کیا گیا تو تمام رؤسا نے قسمیں کھائیں اور کہا کہ ہم کو کچھ علم نہیں ہے۔ غرضکہ جب خزانہ ہاتھ نہ لگا تو فوج میں بے دلی پھیلنے لگی۔ کیونکہ شروع لڑائی سے اب تک کہیں ایسا مال غنیمت نہیں ملا تھا کہ جس سے اُن کے دل خوش ہوتے۔ اور نہ اہالیان ہرات نے نذرانہ پیش کیا۔ لہٰذا سب کی یہ رائے ہوئی کہ ہرات والے حقیقت میں مطیع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آخر میں یہ ضرور بغاوت کریں گے۔ چنانچہ ارکان دولت نے متفق ہو کر امیر اسمٰعیل سے عرض کیا کہ اس وقت ہرات کی مردم شماری تخمیناً ایک لاکھ ہے۔ بطور امداد اگر ہر شخص سے دو مثقال سونا لیا جائے تو تینتیس مَن سترہ سیر آٹھ چھٹانک[1] سونا وصول ہوگا اور اگر اس کا نصف فوج کو دیدیا جائے تو بہت کچھ ان کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ امیر نے فرمایا" کہ میں نے مسلمانوں کو امان دی ہے اور قسم کھا چکا ہوں اب اس کے خلاف کوئی تاویل نہ کروں گا" اور فوراً ہرات سے کوچ کر دیا تاکہ وہ شیطان کے مکر و فریب سے بچیں اور پھر اس قسم کا ذکر نہ کریں کہ جو نقض معاہدے کا باعث ہو؟ دوسری منزل پر پہنچ کر اعیان سلطنت نے پھر وہی ذکر شروع کیا۔ اور کہنے لگے معلوم نہیں اس مُلک پر ہمارا قبضہ رہے یا نہ رہے۔ اس حالت میں یہاں سے ناکام جانا مصلحت ملکی سے بعید ہے۔ لیکن امیر نے پھر وہی جواب دیا اور کہا کہ جس قادر مطلق نے عمرولیث کو تازیانہ تقدیر کے بل پر میرے سامنے دوڑایا اور اُس کو گرفتار کرادیا۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ بغیر کسی قسم کی تاخت و تاراج کے میری فوج کا کفیل ہو جائے۔ یہ مایوسی کا جواب سُن کر ارکان دولت رخصت ہوگئے، اور اُسی وقت یہ معاملہ پیش آیا کہ ایک کنیز غسل خانے میں تھی اور اُس کی مرصع حمائل کپڑوں کے اوپر رکھی ہوئی تھی کہ ایک چیل حمائل کے لعلوں کو گوشت کا ٹکڑا سمجھکر لے اُڑی۔ چنانچہ اسی وقت سوار دوڑائے گئے۔ انھوں نے چیل کا تعاقب کیا۔ جب وہ ایک جگہ جا کر ٹھہری تو سواروں نے اُس کو گھیر لیا اور حمائل پنجے سے چھوٹ گئی۔ لیکن اس جگہ کنواں تھا وہ اُس

---

[1] بشرح نرخ موجودہ ستائیس روپیہ فی تولہ بیس لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہوا۔

میں جا گری۔ چنانچہ ایک شخص رسیوں کے ذریعے سے، کنوئیں میں اُتارا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرا کنواں اُس کے اندر اور ہے اور اس میں صندوق رکھے ہوئے ہیں، پاس جا کر دیکھا تو خزانہ نکلا اور معلوم ہوا کہ سام مذکور بلخ سے بھاگ کر لوگوں کی نظروں سے بچتا ہوا پہاڑی راستے سے اس طرف آیا اور اس مقام پر خزانہ لا کر چھپا دیا۔ غرضکہ جس قدر عمرو لیث کے خزانے کی اُمید تھی اور جتنا کہ فوج رعایا سے ہرات سے وصول کرنا چاہتی تھی اُس کا دو چند مل گیا۔ اور یہ عہد و پیمان پر قائم رہنے کا صلہ تھا۔

تفرقہ مالی۔۲ اگر بادشاہ مالی مشکلات سے متردد ہو۔ مثلاً فوجی مصارف زمانہ جنگ میں، یا اسی قسم کے دیگر اخراجات۔ اس وقت وزیر کو سعی کرنا چاہئیے کہ عمدہ ذریعوں سے یہ مصارف نکل آئیں۔ بلکہ وزیر کی غیبت میں اگر کوئی خیر خواہ اُن تدابیر کا بادشاہ سے ذکر کر دے تو بہت ہی مناسب ہے۔

حکایت سلطان الپ ارسلاں سلجوقی کا منجملہ خزانوں کے ایک مخزن قلعہ گیو، تھا یہ قلعہ لزاح فراہان[1] میں واقع تھا اور سلطان کی اس خزانے پر خاص توجہ تھی۔ چنانچہ جب کبھی خراسان سے عراق یا عراق سے خراسان جانے کا اتفاق ہوتا۔ تو اس خزانے کا ضرور ملاحظہ ہوتا تھا۔ اور اس میں جس قدر کمی معلوم ہوتی اس کا فوراً تدارک کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ دوسری مرتبہ جب روم پر فوج کشی ہوئی۔ اور فوجیں بمقام رے پہنچیں اس وقت فوج کی تنخواہ اور وظیفے باقی تھے۔ اور چونکہ سلطان نے کئی بار فرمایا تھا کہ جب تک ممالک روم پر پورا قبضہ نہ ہو جائے گا واپسی نہ ہو گی اور کم سے کم تین برس تک ان ممالک میں رہنا پڑے گا۔ اس لئے مشورہ کامل کے بعد سلطان نے حکم صادر فرمایا کہ قلعہ گیو سے یہ مصارف ادا کئے جائیں۔ چنانچہ جب یہ مہم ختم ہو گئی تو واپسی کے وقت سلطان نے لزاح فراہان میں قیام کیا۔ اور فرمایا کہ یہ بڑا بیش قیمت ذخیرہ تھا اور اس میں سے کثیر رقم نکل گئی ہے۔ اور جب دفتر سے حساب پیش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ دس لاکھ صرف ہو چکے ہیں۔ لہٰذا سلطان نے حکم دیا کہ یہ کمی فوراً پوری کی جائے۔ چنانچہ سلطان کو پریشان دیکھ کر میں خیمے سے باہر نکل آیا۔ اور جاگیر خالصہ کے ایک سو عمال کی فہرست مرتب کر کے اُن کے نام یہ حکم بھیج دیا کہ ہر عامل

---

[1] فراہان جس کو فرہان بھی کہتے ہیں لزاح ہمدان میں ایک مشہور گاؤں ہے، ابو نصر صاحب نصاب اسی گاؤں کا باشندہ تھا حقیقت میں یہ ایک جھیل کا نام ہے جو ۱۲ میل لمبی چوڑی ہے۔ ایام خریف میں یہ پانی سے پُر رہتی ہے۔ اس کے بعد جب خشک ہو جاتی ہے تو نمک کا ذخیرہ چھوڑ جاتی ہے۔ صفحہ ۲۰۳ جلد ۶۔ معجم۔

دس ہزار درہم رہیہ حبہ بہ اضافہ داخل جمع بندی نہ تھا۔ بلکہ متفرقات سائر پر جمع تشخیص کر دی گئی تھی۔ جو بند و لبست سے چھوٹی ہوئی تھی، بمیعاد تین ماہ داخل کرے اور چونکہ مسلسل فصلوں (فصل نا مذیا دو فصلا) کی ادائے لگان کا زمانہ تھا۔ لہذا میعاد کے اندر خزانہ عامرہ میں یہ رقم داخل ہوگئی۔

اس کے بعد میں ایک ضرورت سے رَے چلا گیا۔ اور میری غیبت میں سعید حاجب نے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو وہ ازحد خوش ہوا اور خواجہ ابو علی شاداں کو کلمات خیر سے یاد کیا۔

دوسری شرط۔۲ بادشاہ کے ساتھ یہ بھی بھلائی ہے کہ اُس کے حق میں وزیر کی سعی سے نیک دعاؤں کا ذخیرہ ہوتا رہے۔ گر یہ مقصد عدل و احسان کی فیاضی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کوشش کرے کہ صفحہ ہستی پر سلطان کا ذکرِ جمیل باقی رہے لیکن یہ بقائے دوام حسن سیرت، عدالت اور سچائی سے ممکن ہے۔ جن بادشاہوں کا نام صفحات ایام پر ثبت ہے اور وہ نیکی سے یاد کئے جاتے ہیں یہ وزیر کے عدل کی برکت کا نتیجہ ہے۔ اور اگر برعکس ہو تو خود ہی قیاس کر لو۔

اور یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ بادشاہ کتنا ہی مہربان ہو تاہم اُس کے لطف و عنایت پر کسی طرح اعتماد نہ کرنا چاہیئے بلکہ جہاں تک ہو سکے ان امور میں احتیاط کی جائے۔ اور جو اسباب بادشاہ کی مہربانیوں کے باعث ہوں اُس کے بڑھانے کی فکر کی جائے۔

وزیر کو ہمیشہ یہ فکر رکھنا چاہیئے کہ بادشاہ کا میلان خاطر کس جانب ہے اور جب معلوم ہو جائے تو اپنی پوری قوت حصولِ مقصود میں صرف کر دے، اس سعی سے بادشاہ رضامند ہوگا۔ تم جانتے ہو! کہ اُس بادشاہ حقیقی جل شانہٗ کی (جس کی ذات میں نہایت درجے کا استغنا، اور انتہائے مرتبہ کا تقدس ہے) خوشنودی بھی بغیر اس سیرت کے میسر نہیں ہو سکتی ہے، چہ جائیکہ بادشاہ مجازی، جو فی نفسہٖ ہر قسم کی حاجت اور احتیاج رکھتا ہے؟

جب بادشاہ کی نیت مصلحت ملکی یا انصاف پسندی کے مغائر معلوم ہو تو اُس کو کھلے ہوئے لفظوں میں نصیحت نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اور پر مثالوں اور نظائر سے نقصان و مضرت سمجھا دینا چاہیئے۔ تاکہ بادشاہ کا ادب بھی قائم رہے اور اُس کے مزاج کا رُخ بھی ادھر سے اُدھر پھر جائے۔

حکایت ایک زمانے میں سلطان الپ ارسلان کے عزیز و رشتہ داروں کا دربار میں مجمع ہو گیا تھا اور اُن کے انعامات و مصارف کی وجہ سے خزانے پر بار پڑتا جاتا تھا۔

لہٰذا امرائے دربار کی یہ رائے قرار پائی کہ ہر عزیز کو کسی نہ کسی ضلعے کی حکومت پر بھیج دیا جائے اس کارروائی سے اُن کو بھی فارغ البالی نصیب ہوگی اور سالانہ خراج بھی خزانہ شاہی میں داخل کرتے رہیں گے اور مصارف بھی گھٹ جائیں گے۔ اس رائے کو سلطان نے بھی مصلحتاً منظور فرما لیا لیکن جب مجھ سے مشورہ کیا تو مجھے تامل ہوا۔ کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو نہ اُصول حکومت سے واقف تھے اور نہ اُن کے اخلاق ہی عمدہ تھے (بلکہ وحشی ترکوں کا ایک گروہ تھا) میری رائے میں اُن کی حکومت سے اُس ملک کی رعایا کی کامل بربادی و تباہی متصور تھی اور خزانہ اُن کے ہاتھوں میں دے دینا آیندہ کی خرابیوں کا باعث تھا لیکن چونکہ میں سلطان سے صاف صاف اس معاملے کو کہوں یا نہ کہوں؟

جب جواب دینے میں وقفہ ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ آخر اس مسئلے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اسی کا ہم شکل ایک واقعہ خلیفہ منصور عباسی کا یاد آگیا ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ علامہ اصمعی[1] کی روایت ہے کہ عمرو بن عمید بغداد کے مشہور مشائخوں میں سے تھا۔ اور خلیفہ منصور عباسی[2] اس کا مرید تھا۔ اور سلطنت کے تمام معاملات میں شیخ کے مشورے پر عمل کرتا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ تمام مملکت میں آل عباس حکمراں تھے۔ اور ہمیشہ اُن کے ظلم و ستم کی شکایتیں ہوا کرتی تھیں لیکن رشتے کے سبب سے خلیفہ منصور اُن کے تدارک میں سستی کیا کرتا تھا۔

اُسی زمانے میں شیخ نے منصور کے مشورے اور اجازت سے براہ بیت المقدس حجاز کا سفر کیا جب شیخ قدس شریف پہنچ گیا۔ تو وہاں کی رعایا نے بمنت و سماجت شیخ کو ٹھہرا لیا۔ اس درمیان میں متواتر قاصد خلیفہ خلیفہ کے آئے۔ مگر شیخ نے بغداد کا قصد نہیں کیا۔ تب مجبور ہو کر خلیفہ نے اپنا ایک معتمد روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ حضور کی نسبت میرا یہ عقیدہ ہے کہ جو آپ کے دل میں ہے وہی آپ کی زبان پر ہوگا۔ لہٰذا ارشاد فرمایئے کہ بغداد سے بیزاری کا باعث کیا ہے؟ جب معتمد حق سفارت ادا کر چکا اور شیخ کی خدمت میں چند روز تک حضوری رہی تو ایک دن عرض کیا۔ کہ بغداد جناب کا اصلی وطن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ

---

[1] ابو سعید عبد الملک بن علی بن اصمع مشہور بہ اصمعی بصری۔ لغت۔ نحو۔ اخبار۔ نوادرات کا امام ہے ۱۲۲ھ/۷۴۰ء میں پیدا ہوا ۲۱۶ھ/۸۳۱ء میں فوت ہوگیا۔ عربی علم لغت کا ایک خمس اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ بلا کا ذہین تھا۔ علاوہ متفرق مضمون کے اشعار میں صرف رجز کے بارہ ہزار شعر یاد تھے تصنیفات میں سے ۳۵ مفید کتابوں کی فہرست ابن خلکان میں درج ہے تذکرہ شعرائے عرب صفحہ ۱۰۴۔

[2] ابو جعفر منصور دوانیقی خلافت عباسیہ میں دوسرا تاجدار تھا ۱۳۶ھ/۷۵۴ء میں بعد انتقال اپنے بھائی سفاح (باقی در صفحہ آئندہ)

سفر کی غربت کو وطن کی مفارقت پر ترجیح دی گئی ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ رقت طبع اور ضعف قلب میں مبتلا ہوں۔ اور وہاں ہمیشہ فریادی آیا کرتے ہیں۔ اب مجھ میں اس قدر قوت نہیں ہے کہ بالتصریح منصور سے اُس کی شکایت کروں، اور عمال کے ظلم سے مظلوموں کو بچاؤں۔ اور فی سبیل اللہ منصور کی خیر خواہی کا جس قدر خیال ہے اِس اعتبار سے اشارتاً و کنایتاً بھی کہتا ہوں مگر منصور نہ اس پر التفات کرتا ہے اور نہ توجہ سے سنتا ہے۔ چند مرتبہ تنبیہاً میں نے کہا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ظالم اپنے طریقے سے دست کش نہ ہو مگر وہ دوسروں کو منع کر سکتا ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔ اور جو شخص دفع ظلم پر قادر ہو کر تدارک نہ کرے وہ قیامت کے دن جواب دہ ہوگا اور سزا پائے گا۔ اور عالم آخرت میں سب سے بڑی حسرت کی یہ بات ہوگی کہ کسی کو اوروں کے قصور میں سزا بھگتنا پڑے۔

القصہ خلیفہ کا معتمد واپس گیا۔ اور جب شیخ کا یہ واقعہ بیان کیا تو خلیفہ نے معتمد کو پھر واپس کیا اور بڑی معذرت کی اور پچھلے جرائم سے توبہ کی اور قول و قسم کے بعد کہلا بھیجا کہ آیندہ شیخ کی تمام تعریضوں اور اشارات پر فوراً عمل کیا جائے گا۔ اور جیسا کہ مریدوں کا دستور ہے۔ ہمیشہ شیخ کے مقصود کے مطابق عمل کرے گا۔ شیخ حرم اور اکابرین قدس سے بھی سفارش کرائی کہ وہ حضرت کو واپسی بغداد کے لئے مجبور کریں۔ غرض خدا خدا کر کے عمرو بن عبید نے بغداد کا قصد کیا۔ اور جس دن تشریف لائے اُسی دن خلیفہ زیارت کے واسطے حاضر ہوا۔ اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد جو پچھلے زمانے میں پیش آئی تھیں، خلیفہ نے شیخ کے ہمراہیوں اور راستے کا حال دریافت کیا۔ (شیخ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ پیادہ پا چلتا تھا) شیخ نے فرمایا کہ میرے ہمراہ اس سفر میں تین چار رفیق تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ ان میں سے ایک ضائع ہو گیا اور باقی خیر و عافیت سے منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ جب ہم لوگ قدس شریف سے باہر نکل آئے تو ہر شخص اپنا اسباب خود اٹھائے تھا۔ لیکن وہ عزیز دوسروں کا بھی اسباب لئے ہوتے تھا۔ چند روز تک تو اچھی طرح چلا گیا۔ لیکن ایک پڑاؤ پر جہاں پانی نایاب تھا وہ خستہ ہو کر گر پڑا۔ چونکہ وہ ہمارا ہم سفر

بقیہ صفحہ ۳۲۴ ء کے تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نہایت بہادر، منتظم اور شائق علم و کمال تھا۔ مورخین نے اس کو "فاتحہ الخلفاء" کا لقب دیا ہے اس کے عہد میں ملک اور فوج کا باقاعدہ بندوبست ہوا ہے۔ مزاج کا سخت اور خوں ریز تھا۔ انتہائے بخل کی وجہ سے دوانیقی کہلاتا تھا۔ مگر اہل علم کے واسطے فیاض تھا۔ اس نے اس عقیدے پر بہت زور دیا کہ خلیفہ نائب خدا ہے۔ اس کے عہد کا مشہور واقعہ بغداد کی تعمیر ہے ۱۵۸ھ میں فوت ہوا۔

تھا۔ لہذا اُس کی خاطر سے ہم بھی ٹھہر گئے۔ ہر چند اُس نے سمجھایا کہ یہ منزل خطرناک ہے میرے واسطے آپ تکلیف نہ اٹھائیں۔ بہرحال وہ اسی جگہ رہ گیا اور معلوم نہیں کہ اس کا کیا نتیجہ ہوا خلیفہ نے کہا ایسے شخص پر آپ کو افسوس کیوں آتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے ہی اسباب سے گراں بار ہو رہا تھا تو اُس نے دوسروں کا بار کیوں اُٹھایا؟

شیخ نے خلیفہ کا جواب سُن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ الحمدللہ کیا خوب بات کہی۔

اب خلیفہ کو اپنی غلطی معلوم ہوئی اور متنبہ ہوگیا۔ اور ظالم عاملوں کے اختیارات چھین لئے اور آئندہ جب تک امانت و دیانت کی تصدیق نہ ہو جاتی۔ کوئی شخص ملکی عہدے پر مقرر نہ کیا جاتا۔

جب میں نے سلطان الپ ارسلان سے یہ واقعہ بیان کیا۔ تب وہ سوچتا رہ گیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عمرو بن عمید خدا کا نیک بندہ تھا۔ مجھے اُس کا قول نہایت پسند ہے۔ اس کے بعد اپنے ارادے کو فسخ کر دیا۔

میرا مطلب اس تذکرے سے یہ ہے کہ جب کسی کام کا نفع و نقصان اچھی طرح سے سمجھا دیا جاتا ہے تو اُس کا نتیجہ ضرور مطلب کے موافق ہوتا ہے۔

وزیر میں اس قدر استعداد اور قابلیت ہونا چاہیئے کہ اگر دربار شاہی میں کسی علم و فن کا ذکر چھڑ جائے تو وہ اُس میں بقدر ضرورت دخل رکھتا ہو۔ کیونکہ دربار عام میں بادشاہ یا کوئی درباری وزیر سے مخاطب ہو کر کوئی سوال کرے تو وہ جواب دینے میں عاجز نہ ہو گو ندیم کے لئے یہ صفت ضروری ہے لیکن جس کو دربار سے تعلق ہو اور خاص کر اُس شخص کے لئے جس کو متعدد مقدمات اور مہمات کے لئے سر دربار گفتگو کرنا پڑتی ہے۔ بدرجہ اولیٰ واجب ہے۔ اگرچہ تمام کمالات علمیہ کا حاصل کرنا وزیر کے لئے لازم نہیں ہے۔ مگر دو فن میں اعلےٰ درجے کا کمال ہونا ضروری ہے اور امُور مالی و ملکی میں بغیر اس کے چارہ نہیں ہے اور وہ فنِ حساب اور تاریخ ہے۔

حساب کی امور مالی میں جس قدر حاجت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اور اس فن کے فوائد و ثمرات بھی بدیہی ہیں۔

تاریخ کو تدابیر ملکی میں بہت کچھ دخل ہے کیونکہ عالم اسباب میں کبھی کسی نئے واقعہ کا ظہور نہیں ہوتا ہے بلکہ وہی ہوتا ہے جو بارہا ہو چکا ہے اور جس کے نظائر موجود ہیں۔ اور چونکہ پچھلے واقعات پڑھے

ہوتے، سمجھے ہوئے سُنے ہوئے ہوتے ہیں کہ فلاں کام کا خاتمہ یوں ہوا تھا۔ اور جب کوئی ویسا ہی معاملہ سامنے آجاتا ہے تو یقین رکھو کہ اس کا بھی انجام ویسا ہی ہوگا۔ مثلاً جس شخص کو شاہ بخارا کی فوجی حالت اور الپتگین کا حیلہ معلوم ہے کہ کیونکر لشکر بخارا کو شکست ہوئی تھی تو ایسے موقعہ پر دشمن اُس کو شکست نہیں دے سکتا ہے۔ اور اسی قسم کے اکثر نظائر ہیں۔ بہرحال گذشتہ تاریخ کے واقعات سے ملازمان شاہی کو جن کو دربار سے تعلق رہتا ہو، بڑے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک برجستہ مثال خود بادشاہ سے صدائے آفریں ولغزۂ تحسین بلند کرا دیتی ہے۔

حکایت رمضان المبارک میں نماز عصر کے بعد سلطان الپ ارسلان کی مجلس میں نامور علماء کا مجمع ہوا کرتا تھا۔ اور مذاکرۂ علمیہ کے بعد قریب افطار یہ جلسہ برخاست ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ان ہی دنوں میں امام جمال الدین جندی (یہ ماوراء النہر کے مشہور عالم تھا اور خاقان ترکستان کے دربار میں معزز عہدہ رکھتے تھے) بقصد سفر حجاز ترکستان سے مرو میں تشریف لائے۔ ایک دن امام صاحب بھی مجلس میں شریک ہوئے اور قاضی مرو سے مباحثہ شروع ہوا لیکن بڑھتے بڑھتے مناقشے کی نوبت پہنچ گئی مضمون زیر بحث یہ تھا کہ الخالق، البادی، المصور، متحد المعنی الفاظ ہیں۔ اور یہ دعوی امام صاحب کا تھا لیکن قاضی صاحب فرماتے تھے کہ ہر لفظ کے معنی الگ الگ ہیں۔ چنانچہ آداب مناظرے کے موافق بحث ہو رہی تھی اور ہر فریق اپنے ثبوت میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ بیان کر رہا تھا لیکن قطعی فیصلہ نہ ہوتا تھا اور بحث طول پکڑتی جاتی

لے پورا واقعہ تاریخوں میں بالتفصیل تحریر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ منصور سامانی کی پندرہ ہزار فوج نے الپتگین کے سات سو سپاہیوں کا تعاقب کیا تھا لیکن الپتگین اس وقت کوہ ہندوکش کے ایک درے میں مقیم تھا۔ الپتگین نے دو سو جوان درے پر پھیلا دیے اور پانچ سو کی پانچ صفیں بنا کر مقابلہ کیا اور میدان کارزار میں برائے نام مقابلہ کر کے قصداً درے کی جانب معہ فوج کے چلا گیا۔ منصور کے سپہ سالار نے تعاقب کا حکم دیا۔ چونکہ درۂ تنگ اور عمیق تھا۔ لہٰذا بڑا حصہ فوج کا یوں ضائع ہو گیا اور جو باقی رہے اُن کو پھیل کر لڑنے کا موقعہ نہیں ملا اور الپتگین نے درے کے اوپر سے تیر اور پتھروں کی بارش شروع کر دی چنانچہ جو فوج باقی رہ گئی تھی وہ یوں تلف ہو گئی۔ خواجہ کا مطلب یہ ہے کہ جو اس واقعہ سے واقف ہوگا وہ ہرگز ایسی تنگ گھاٹی میں دشمن کے تعاقب کا حکم نہ دے گا۔ انتخاب از نگارستان صفحہ ۱۱۰۔ حالات آل سامان۔ خواجہ نظام الملک نے بھی الپتگین کے حالات میں اس لڑائی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ خُلم اور بلخ کے درمیان جو مشہور و معروف پہاڑی درّہ ہے وہاں لڑائی ہوتی تھی اور سب سے زیادہ نمایاں کارروائی سبکتگین نے کی تھی جو الپتگین کا نامور غلام تھا۔ سیاست نامہ باب ۲۷

تھی۔ امام صاحب اپنے دعوے پر جمے ہوئے اور وہ آفرینندہ، ہست کنندہ اور نگارندہ کے معنی میں کسی قسم کی تفریق اور مغائرت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن قاضی صاحب کا قول تھا کہ عدم مغارقت مانع مغائرت نہیں ہے۔ اور سلطان بھی قاضی کا طرف دار تھا۔ اور چاہتا تھا کہ قاضی کی جیت ہو جائے۔ اگرچہ بحث کو اچھی طرح نہ سمجھا تھا، جب میں نے سلطان کے تیور دیکھے تو عرض کیا کہ تینوں الفاظ کے معنی میں جو فرق ہے وہ ذیل کی مثال سے معلوم ہو سکتا ہے۔

مثال سب سے پہلے جس بادشاہ کے سر پر چتر اپنا سایہ ڈالا وہ بہمن تھا۔ اور اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ جب بہمن اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے ملک نیمروز[1] کو روانہ ہوا۔ تو یہ موسم کڑی دھوپ کا تھا اور شدت سے لو چلتی تھی۔ اور بعض بعض راستے حد سے زیادہ آتش انگیز تھے۔ اُس وقت بہمن نے حکم دیا کہ ایک سوار دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں طرف سے میرے سر پر سایہ کرلے۔ آردشیر (ایک نامور مصاحب) نے دیکھا کہ دو شخص اس ذریعے سے بادشاہ کے قریب ہوئے جاتے ہیں، تب اُس نے حکم دیا کہ سپر بالائے نیزہ رکھکر ایک شخص ہم رکاب چلے پشوتن جو ایک نامور مہندس تھا اس نے خیال کیا کہ سائے کے واسطے ایک جُدا گانہ تجویز کی جائے۔ چنانچہ سپر سے ملتا جلتا ہوا اُس نے چتر بنایا۔ اس لئے مجازاً بہمن کو باری چتر (یعنی ہست کنندہ) اور آردشیر کو مصوّر (یعنی نگارندہ) کہیں گے کیونکہ چتر کی خاص صورت کا خیال اسی کے دل میں پیدا ہوا اور پشوتن آفرینندہ قرار پایا۔

جب میں نے یہ مثال بیان کی تو ساری مجلس نے نعرۂ تحسین بلند کیا۔ اور سلطان الپ ارسلان حد سے زیادہ خوش ہو۔ اور جب مجھ پر خاص مہربانی ہوتی تھی تو اُس کی یہ شناخت تھی کہ خواجہ علی شاداں

---

[1] ملک نیمروز ولایت سجستان کا نام ہے جس کو عام طور سے سیستان کہتے ہیں۔ یہ ولایت اقلیم سوم میں واقعہ ہے جس میں متعدد شہر آباد ہیں، مگر عموماً ریگستان ہے۔ اس کا مشہور شہر زرنج ہے ہرات کے جنوب میں، جس کو کرشاسف پہلوان نے آباد کیا تھا۔ اس کا فارسی نام زریک ہے اور چونکہ اس شہر کے متصل ریگ رواں کا دریا تھا۔ لہذا ایک زبردست بند ریگ سے بچاؤ کے لئے بنا دیا گیا۔ بہمن نے اپنے زمانہ سلطنت میں اس شہر کو از سر نو آباد کیا اور سُکان نام رکھا۔ جس کو عوام شکستکان کہنے لگے۔ یہی لفظ عربی میں جا کر سجستان اور فارسی میں سیستان ہو گیا ہے اور بجائے ایک شہر کے نام ہونے کے پورا صوبہ اسی نام سے موسوم ہو گیا۔ انتخاب از نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی۔ تفصیل کے لئے دیکھو معجم البلدان جلد ۵ صفحہ ۳۰۷ و جلد ۲ صفحہ ۳۲۶

کو ذکر خیر سے یاد کرتا تھا۔ چنانچہ اُس وقت بھی فرمایا کہ خواجہ علی پر خدا کی رحمت ہو۔

تیسری شرط ۳ بادشاہ کے حفظ مراتب کے متعلق چند امور بدلائل عقلی بیان کر چکا ہوں۔ اب اس مسئلہ کے متعلق مختصراً بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ ہر قسم کے فتنے جن کے اُٹھنے کا اندیشہ ہوسکتا ہے۔ اس کے بانی یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے اس طرف زیادہ توجہ رکھنا چاہیے۔ اور جن لوگوں کو بادشاہ کا قرب میسر ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) **بیگمات** (۲) **شاہزادے** (۳) **امیر الامراء** (۴) **باقی ملازمان**۔ ان لوگوں کی موافقت کے نتائج اور مخالف گروہ سے احتراز کے شرائط اجمالاً وتفصیلاً بکثرت ہیں۔ لیکن شرط کلی اجمالی یہ ہے کہ مہات سلطنت میں اس درجہ استقامت اور سچائی ہو کہ کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے۔ یعنی اگر کسی مقام پر چند احباب اُس کا تذکرہ کر رہے ہوں تو کوئی اُن پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ فلاں بات تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور نہ دشمنوں کو ایسا پہلو ہاتھ آئے کہ وہ اپنے قول میں سچے نکلیں۔ اور خدا اُس وقت سے بچائے کہ اپنے ہواخواہ مضرت کے درپے ہوں۔ اور دشمنوں کا عروج ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسلک راستی سے پھر جائے گا تو اُس کا یہی انجام ہوگا۔ یعنی وہ احباب کہ جو ہماری حالت کے سنوارنے کی فکر میں ہوں گے وہ جھوٹے سمجھے جائیں گے (اور یہ زوال کی کھلی ہوئی علامت ہے) اور جو دشمن ہماری برائی چاہتے ہیں اور ہجو کرتے ہیں وہ سچے ملنے جاتیں گے (اور یہ کمال کی شناخت ہوگی)، غرض کہ سچائی اور دیانت کا جب عالمگیر شہرہ ہو جاتا ہے تب دوستوں کو خیر خواہی کا بڑا موقعہ ملتا ہے۔ اور دشمنوں پر بداندیشی کا میدان تنگ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اکثر معاملات کی بنیاد اسی اُصول موضوعہ پر رکھنی چاہیے کہ حصول مقاصد میں کامیابی ہوتی جائے۔ مذکورہ بالا اصناف اربعہ کے شرائط کی تفصیل ترتیب وار حسب ذیل ہے۔

رعایت بیگمات حرم ۱ عہد قدیم میں اور خصوصاً شاہان عجم کے دور سلطنت میں بیگمات وخواتین حرم کو امور سلطنت میں کچھ دخل نہ تھا۔ اور نہ اُن سے کسی امر میں مشورہ کیا جاتا تھا۔ لیکن خواتین ترکستان کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ تمام امور میں بیگمات سے مشورہ کرتے تھے اور بالآخر اُن کی رائے سب پر غالب ہوتی تھی۔ اور چونکہ سلاطین ترکمان بھی اُسی خاندان کے پروردہ ہیں لہٰذا وہ بھی ان ہی اُصول کے پابند ہیں اس لئے بیگمات کی حمایت میں رہنا بہت ضرور ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ان پر قبضہ کیوں کر ہو؟ اس کا آسان طریق یہ ہے کہ محل کی خواصوں سے ملتا جلتا رہے اور اُن کو انعامات سے خوش کرتا رہے۔ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ عام طور پر نہ ملے بلکہ جس کو قرب اختصاص زیادہ ہو اُسے ملاتے رکھے۔ اور کسی کو مطلق خبر نہ ہو۔ اور جس کے ساتھ احسان وسلوک کیا جائے وہ یہی سمجھے کہ مجھ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ اس قسم کی فیاضی سے بڑے کام نکل جاتے ہیں۔ اور یہ فیاضی صرف اسی جگہ کام نہیں آتی ہے۔ بلکہ اصناف اربعہ میں، ہر جگہ اور ہر شخص کے ساتھ مفید ہے۔ میں آگے چل کر اسی کی صراحت کروں گا۔

جب اس گروہ پر قبضہ ہو جاتے تو دیکھو کہ وہ کون سے اسباب ہیں، جن کے سبب سے ہم پر یہ مہربانیاں قائم رہ سکتی ہیں۔ اور معلوم ہونے پر اس کے حصول میں کوشش کرو۔ اور جب تمھاری حمایت کرنے لگیں تو پھر آہستہ آہستہ اپنا رسوخ بڑھاتے جاؤ اور اس میں غفلت نہ کرو کیونکہ زمانہ سابق میں اکثر ہوا ہے کہ بڑے بڑے اُمرا ایک ادنے کنیز کی فتنہ پردازیوں کے مقابلے میں عاجز آگئے ہیں۔

حکایت سلطان محمود غزنوی کا ملک خوارزم پر جب پورا قبضہ ہو چکا۔ تو ارکان سلطنت کو حکم دیا کہ وہاں کی حکومت کے لئے جو شخص سب سے زیادہ قابل ہو اُس کو پیش کرو۔ چنانچہ چند روز تک امرا میں مشورہ ہوتا رہا۔ آخر سب سے بڑے سردار امیر التونتاش نے ضمناً و کنایتاً خود اپنے واسطے تحریک کرائی۔ لیکن بظاہر دبی زبان سے انکار کرتا رہا۔ اور چونکہ خواجہ احمد حسن میمندی کو امیر مذکور سے ازحد محبت تھی۔ لہٰذا اُس نے بھی اس رائے کو پسند کیا۔ اور عطائے سند میں ساعی ہوا۔ رکیونکہ امیر کی بھی دلی آرزو یہی تھی)، لیکن سلطان کی جانب سے اس حکم کی منظوری میں سب کو تعجب تھا۔ کیونکہ التونتاش امیر الامرا کے منصب پر فائز تھا۔ لیکن خوارزم چونکہ سب سے بڑا صوبہ تھا۔ اس لئے سلطان بھی راضی ہو گیا اور سند ولایت دے کر التونتاش کو رخصت کر دیا۔

امیر التونتاش اور امام ناصر الدین گرامی (غزنیں کا ایک نامور رئیس) میں بڑی محبت تھی۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد امیر نے خوارزم سے ناصر الدین کی خدمت میں پیام بھیجا کہ مجھے شرف ملازمت کی ازحد آرزو ہے۔ مگر میرا غزنیں آنا نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا بہ نظر حقوق محبت اور بقصد زیارت مقابر بزرگان خوارزم آپ ہی تشریف لائیں۔ چنانچہ ناصر الدین کو بھی خوارزم کی سیر اور التونتاش کی ملاقات کی آرزو تھی لہٰذا فوراً روانہ ہو گیا۔ امیر نے بڑے اعزاز سے لیا اور اپنا مہمان رکھا۔

ایک دن ناصرالدین نے امیر سے سوال کیا کہ "جب سلطان کی عزت افزائی سے آپ کا آستانہ مرجع خلائق تھا۔ اور وہ اعزاز بہ لحاظ مال و دولت وشہرت خوارزم کی حکومت سے سَو گنا زیادہ تھا۔ تو پھر ایسے اقتدار کو چھوڑ کر ایک صوبے کی حکومت اختیار کرنے کا کیا باعث تھا؛ امیر التونتاش نے قسم کھا کر کہا کہ میرے معزز دوست یہ وہ راز ہے کہ جس کو میں نے آج تک اپنے عزیزوں سے بھی مخفی رکھا ہے۔ لیکن آپ سے سچ سچ عرض کرتا ہوں۔ میں نے صرف جمیلہ قندھاری کی وجہ سے یہ حکومت اختیار کی ہے اس وسیع سلطنت کا انتظام برسوں سے میرے ہاتھ میں ہے۔ مگر یقین جانیے کہ اس عرصے میں جو انتظام میں نے کیا کہ وہ اُس نے پلٹ دیا۔ لیکن جو اُس نے کیا میں اُس کو درہم برہم نہ کر سکا۔ چنانچہ اس پیچ و تاب سے دنیا مجھ پر تاریک ہو رہی تھی۔ مگر مجھ سے کوئی تدارک نہ ہوسکتا تھا اور اسی وجہ سے میں نے گوشہ گیری اختیار کرلی ہے۔ اب انشاء اللہ اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔

یہ واقعہ تو بیگمات حرم کی مخالفت کی تائید میں تھا۔ اب اُن کی موافقت کے منافع بیان کرتا ہوں جو شخص ان کا رفیق ہے وہ گویا سب سے بڑا مربی اور حامی رکھتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں کسی کی حمایت اُسی قدر موثر ہوتی ہے کہ جس قدر اُس کو بادشاہ کے مزاج میں دخل و تصرف ہوتا ہے۔ اور اس امر میں بیگمات کے برابر کون ہو سکتا ہے؛ لہٰذا ان کی حمایت کی چار دیواری ایک چلتا ہوا تعویذ اور اُن کی محافظت کا ایک گوشہ مستحکم قلعہ کی برابر ہے۔ اور صحیح نظیر اس کی ذیل کا واقعہ ہے۔

حکایت ۱ سلطان محمود کا مزاج اخیر زمانے میں خواجہ احمد حسن سے بگڑ گیا تھا۔ اور خواجہ پر ہر طرف سے دشمنوں کا نرغہ تھا۔ چنانچہ اس دور انقلاب میں خواجہ[1] حسنک میکال وزارت کا امیدوار تھا۔ اور ہر روز یہی خبریں اڑا کرتی تھیں کہ میکال کا بجائے خواجہ احمد تقرر ہو گیا۔ مگر چونکہ سلطان کی نئی بیگم مشہور بہ "مہد چگل" (یہ خان ترکستان کی بیٹی تھی)، خواجہ احمد کی حامی تھی۔ اس وجہ سے

---

[1] سلطان محمود کے دربار کا ایک نامور امیر ہے جس کا نام ابو علی حسن بن محمد ہے۔ مگر تاریخ میں حسنک میکال کے نام سے مشہور ہے حسنک میکال خاص سلطان کا پروردہ تھا۔ سلطان اس کی شیریں کلامی، لطیفہ گوئی، اور حاضر جوابی سے بہت خوش رہتا تھا۔ خواجہ احمد کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ خواجہ کی معزولی کے بعد وزیر ہوا اور سلطان کی حیات تک وزیر رہا۔ کفایت شعاری اُس کا خاص اصول تھا۔

کوئی نقصان نہ پہنچا تھا۔ جمیلہ قندھاری، جو مہد چگل[1] کی ایک خواص تھی۔ اس کی مدد سے خواجہ بدلوں بلاؤں سے محفوظ رہا۔ اور امیر التونتاش۔ جس کو لوگ امیر سبکتگین کا قائم مقام سمجھتے تھے۔ جب کبھی خواجہ کے مقابل ہوتا شکست پاتا تھا۔

جن ایام میں کہ سلطان نواح کابل میں خیمہ زن تھا۔ ان ہی دنوں میں خواجہ احمد بعض مہمات سلطنت کے انصرام کے لئے غزنیں گیا ہوا تھا وہاں معلوم ہوا کہ ایک قافلہ خریداری پشمینہ کے لئے ترکستان جانے والا ہے۔ اور شروع موسم سرما میں غزنیں لوٹ آئے گا۔ چنانچہ خواجہ نے محض اس خیال سے کہ ہر سال خاندان کے لئے بہت سے اونی کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے یہ ارادہ کیا کہ اپنا ایک معتمد قافلے کے ہمراہ بھیج دیا جائے۔ اور وہ غزنیں سے چند اقسام کا مال ترکستان لے جاتے اور اس کے معاوضے میں وہاں سے پشمینہ خرید کر لائے تو فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

چنانچہ خواجہ نے انتخابی اور تجارتی اسباب اپنے معتمد کے ہمراہ روانہ کر دیا۔ مگر مخبروں نے اُسی دن خواجہ حسنک سے اطلاع کی۔ اور اُس نے التونتاش کے گوش گذار کر دیا۔ یہ خوش خبری سن کر التونتاش پھڑک اٹھا اور خواجہ حسنک سے کہا "کہ احمد کی ذلت اور رسوائی کے واسطے اس الزام سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؛ کیونکہ وہ روزانہ فخریہ بڑ لگایا کرتا ہے کہ مجھے دنیوی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جس قدر ہے وہ صرف سلطان کی مصلحت کی وجہ سے ہے۔ اور اب حضرت تجارت کی غرض سے قافلہ روانہ کرتے ہیں۔ مگر خوب تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ جھوٹی خبر ہو اور اُلٹی ندامت اٹھانا پڑے تو خواجہ حسنک نے کہا نہیں یہ بالکل سچی بات ہے۔ لاریب فیہ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ راز کھل جاتا تو خواجہ احمد کو ایسی شکست ہوتی کہ پھر اُس کا دفعیہ دشوار تھا۔

غرضکہ جب خواجہ کو یہ حال معلوم ہو گیا تو اُس نے جمیلہ خاتون سے صاف صاف کہہ دیا (اب ان دونوں کے ملنے جُلنے کا حال سُنو، کبھی تو ایسا ہوتا کہ سال میں صرف ایک بار ملاقات ہوتی تھی اور کبھی دن میں دس مرتبہ اور پھر کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کون آیا اور کون گیا)، چنانچہ جمیلہ نے خواجہ سے کہلا بھیجا کہ آپ مطمئن رہیں اس سازش کا توڑ بہت آسان ہے۔ اور خود بیگم سے جا کر سارا قصہ کہہ دیا۔

---

[1] چگل بکسرتین چنانچہ شاعر کہتا ہے ۔ این لالہ رخاں کہ اصل شاں از چگل است ؛ یارب کہ سرشت پاک شاں از چہ گل است

ترکستان کا مشہور شہر ہے یہ شہر حسن اور تیر اندازی میں ضرب المثل ہے۔ مہد چگل سلطان محمود کی بیگم کا لقب تھا۔

جب بیگم نے پوچھا کہ کیوں جمیلہ ؟ اب اس کی تدبیر کیا ہے ۔ تو عرض کیا کہ ایک فہرست مرتب کی جائے اور جو اسباب خواجہ نے اپنے معتمد کو دیا ہے وہ بطور تحفہ وہدیہ کسی نہ کسی شخص کے نام نامزد کر دیا جائے۔ اور علاوہ اس کے چند چیزیں ایسی بھی بھیج دی جائیں کہ جو خاص بیگمات کے پہناوے سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک دوسرے راستے سے یہ چیزیں راتوں رات پہنچا دی جائیں۔ اور زبانی پیام دیا جائے کہ جب امیر التونتاش کے سپاہی اس قافلے کو راستے سے واپس کریں تو چپ چاپ چلے آئیں۔ لیکن دربار میں پہنچ کر میر قافلہ ظاہر کرے کہ میں سلطانہ مہد چگل کا فرستادہ ہوں ۔ اور جو تحائف خواتین کے نامزد ہیں وہ معہ تحریر کے سلطان کے روبرو پیش کر دے۔

المختصر خواجہ حسنک کے یقین دلانے پر التونتاش نے سلطان سے حسب ذیل گفتگو کی۔

سلطان :۔ (التونتاش کی گفتگو سنکر) ایسا نہ ہو کہ خلاف واقع ہو۔

التونتاش :۔ نہیں ! میں نے خوب اطمینان کر لیا ہے معاملہ مطابق واقعہ کے ہے۔

سلطان :۔ اس واقعہ کی سچائی کیونکر ظاہر ہو سکتی ہے۔

التونتاش :۔ اگر فرمان عالی شرف نفاذ پائے تو تاجر معہ مال کے دربار میں حاضر کر دوں۔

سلطان :۔ بہت خوب۔

چنانچہ حکم ہوتے ہی التونتاش نے ایک افسر قافلے کے واپس لانے کے لئے روانہ کیا اور وہ قافلے کو واپس لایا۔ لیکن افسر قافلے نے راستے میں حسب ہدایت کچھ نہ کہا اور جب حاضر دربار ہوا تو چیخ اٹھا کہ میں فرستادہ سلطانہ ہوں اور لفافہ سربمہر پیش کیا۔ اور مقنعہ اور حمائل وغیرہ جو خاص عورتوں کی چیزیں ہیں وہ ملاحظہ کرائیں۔ اُس وقت امیر التونتاش کی جماعت کو ازحد شرمندگی ہوئی۔ اور سب کے سب خوف زدہ ہو گئے اور اُن سے کوئی بات بناتے نہ بن پڑی۔ جب سلطان محل میں تشریف لے گئے تو مہد چگل سیر ہو گئی اور تیوریاں چڑھا کر بولی" کہ برسوں کے بعد میں نے اپنے عزیزوں کو تجھ ایسے جلیل القدر بادشاہ کی طرف سے چند معمولی تحائف بھیجے تھے اور اُس پر بھی میرے بھیجے ہوئے آدمی کو یوں خجالت اور ندامت اُٹھانا پڑے اور میری حمائل اور مقنعہ سب کے سامنے کھولا گیا۔ اور اسی قسم کی بہت سی اُلٹی سیدھی باتیں سُنائیں۔

سلطان بیگم کی تقریر سے بہت متاثر ہوا اور اسی حالت میں اس جماعت کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔

رہا اس فتنے کے بانی تھے) لیکن چونکہ بیگم کو یقین تھا کہ یہ لوگ بے گناہ ہیں۔ لہٰذا اُسے بھی یہ گوارا نہ ہوا کہ خون ناحق ہوں۔ اور سلطان سے کہدیا کہ ان لوگوں سے آئندہ اور بھی بہت سے قصور سرزد ہوں گے۔ لہذا مجھے منظور نہیں ہے کہ میرے باعث سے یہ قتل کئے جائیں۔ غرض التونتاش کو بہت بڑی زک ملی اور خواجہ حسنک بھی ذلیل و رسوا ہوا۔ اُس پر یہ طُرّہ ہوا کہ وہ تاجر بڑے تزک واحتشام سے ترکستان کو روانہ کیا گیا۔

اس مثال سے تم کو واضح ہوا ہوگا کہ بیگمات کی حمایت کے کیا کچھ نتائج ہیں۔

رعایت شاہزادگان عالی تبار۔۲

یہ عقل و تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ شاہزادوں کی رضامندی اور ناراضگی پر وزیر کا نفع و نقصان موقوف ہے (خواہ اس کا ظہور کسی وقت میں ہو) ان کی ذرا سی توجہ اور التفات خاطر سے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ اور ادنےٰ تغیر مزاج سے ویسے ہی نقصان پہنچ جاتے ہیں۔

گو سلاطین ابتدا میں کسی وجہ سے علانیہ شاہزادوں کو حکمرانی اور اختیارات میں پوری آزادی نہ دیں لیکن اس میں شبہ نہیں ہے کہ درپردہ ان ہی پر نظر رہتی ہے۔ کیونکہ یہی ملک و مال کے وارث ہوتے ہیں اور جب کہ عامۂ خلائق میں یہ صفت پائی جاتی ہے تو بادشاہوں میں تو بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے۔

اس گروہ کی محافظت کا مجمل قاعدہ یہ ہے اور احتیاط اور دوراندیشی کا مقتضا بھی یہی ہے کہ سب چھوٹے بڑوں کی اطاعت کرتا رہے۔ بلکہ چھوٹوں کی کچھ اور ہی خاصیتیں ہیں۔ کیونکہ بادشاہ ان کی خاطر داری کو عین محبت سمجھتا ہے اور کسی قسم کے خوف اور اُمید کا خیال نہیں کرتا ہے (خصوصًا وہ بچہ جو خود بادشاہ کا لاڈلا اور منظور نظر معلوم ہو)

بادشاہوں کے بچے بہت جلد بڑے ہو جاتے ہیں اور خدا نہ کرے کہ وہ کسی سے ناراض ہو جائیں۔ یہ کم سن بچے کیوں کر رضامند رکھے جائیں۔ اس کا کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے؛ بلکہ جیسا زمانے کا چلن ہو اُس کی پیروی کی جائے۔ البتہ جو شاہزادے بڑے ہوں اُن کے حصول مقصد میں جہاں تک ممکن ہو کوتاہی نہ کرنا چاہیے۔ جس چیز کی انھیں ضرورت ہو وہ ان کی مجلس میں پہنچ جائے۔ اگر کُل نہ ہو سکے تو جزو ہی سہی۔ اور وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہماری فرمائشات کی تعمیل میں مضائقہ کیا جاتا ہے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں زیادہ فائدہ ہوگا۔ لیکن دوسری صورت بہت مفید ہے کیونکہ اول میں گو فوائد ہیں مگر بُرائیاں بھی ہیں۔ بخلاف دوسری صورت کے؛

دوسری شکل ان کی رضامندی کی یہ ہے کہ جو نوکر منہ لگے ہوں اور جن کی باتیں بقدر اُن کے اعزاز کے سُنی جاتی ہوں اُن کو اپنی فیاضیوں سے خوش رکھا جائے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو شاہزادوں کی خوشنودی مزاج کی فکر رکھے اور موجباتِ ملال سے الگ تھلگ رہے۔

حکایت سلطان محمود غزنوی اپنے بیٹے مسعود سے اکثر ناراض رہا کرتا تھا۔ خواجہ احمد حسن[۱] اگرچہ اس حزن و ملال کو پورے طور سے دفع نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اُس کی حسنِ سعی سے زیادہ بھی نہ ہونے پاتا تھا۔ اور تمام سال میں ایک مرتبہ بھی خواجہ کی مسعود سے ملاقات نہ ہوتی تھی، مگر باوجود اس کے کوئی دن ایسا نہ تھا جس میں خواجہ کو مسعود کی رضامندی کا خیال نہ رہتا ہو۔ جب خواجہ معزول ہوگیا۔ تو اس کی جگہ حسنک میکال مقرر ہوا۔ لیکن یہ نوجوان محض ناتجربہ کار تھا اور اُس کو یہ بھی غرور تھا کہ میں سلطان کا طرف دار ہوں۔

سلطان کا مزاج اگرچہ مسعود سے برہم تھا۔ مگر مدتوں کسی کو معلوم نہ ہوا۔ مگر شاہزادہ محمد کی ولیعہدی پر یہ راز کھُل گیا۔

مدعائے بیان یہ ہے کہ حسنک میکال نے مسعود کی خوشنودی مزاج کی کچھ پروا نہ کی۔ اور شاہزادے کے ماتحتوں اور جاگیر کے ٹھیکہ داروں کو تنگ کرنے لگا اور جیسا کہ عدالت والوں کا

---

[۱] سلسلۂ وزراء اسلام میں احمد بن حسن میمندی بھی نہایت نامور وزیر گذرا ہے۔ سلطان محمود نے اس کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ خواجہ احمد ابتداء سے شاہزادہ مسعود کا طرف دار تھا۔ لیکن وزارت کے ۱۸ برس بعد جب شاہزادہ محمد کی ولیعہدی ہوئی تو عام طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ دراصل خواجہ، شاہزادہ محمد کا بدخواہ ہے۔ اس لئے امیر التونتاش، علی خویشاوند، اور حسنک میکال وغیرہ نے جو دربار میں امیر الامرا کا درجہ رکھتے تھے اپنی متفقہ کارروائیوں سے سلطان محمود اور خواجہ احمد میں بگاڑ کرادیا۔ اور آخر کو سلطان سخت ناراض ہوگیا۔ مگر حمایت مہد چگل سے خواجہ کو نقصان نہیں پہنچا۔ لیکن باہمی عداوت کا نتیجہ آخر کو ظاہر ہوا اور خواجہ قلعہ کالنجر میں قید کردیا گیا۔ اور حسنک میکال وزیر ہوا۔ خواجہ احمد اُن باکمال وزرا میں ہے۔ جس کی مستقل سوانح عمری لکھی جاسکتی ہے۔

دستور ہے ہر معاملے میں جھگڑے پیدا کردیتے، جس سے مسعود رنجیدہ ہوگیا۔ انہیں دنوں کا واقعہ ہے کہ ہندوستان کے کسی راجہ نے ایک تلوار بطور تحفہ روانہ کی۔ شہزادے نے اپنی مجلس میں اس کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ نہایت تیز اور جوہر دار ہے اور لوہے کو کاٹ جاتی ہے جب درباری رخصت ہوگئے اور چند مصاحب رہ گئے تو اُن سے پوچھا کہ یہ تلوار کس لائق ہے؟ کسی نے کہا کہ جہاد کے لئے، کسی نے کہا کہ اعدائے دولت پر وار کے لئے موزوں ہے۔

غرضکہ ہر ایک نے ایک بات کہی شاہزادے نے کہا "میرا جی چاہتا ہے کہ صبح کو کمر سے باندھوں اور جب حسنک سلام کے لئے حاضر ہو تو اُس کے سر پر ایسا ہاتھ لگاؤں کہ سینے تک کاٹتی ہوئی چلی جائے۔ سلطان قصاص میں مجھے مار ڈالنے سے رہے۔ اور اس پر پورے طور سے آمادہ ہوگیا لیکن ہم نشینوں نے بمنت عرض کیا۔ کہ اس قتل سے فتنہ اُٹھ کھڑا ہوگا۔ اور معلوم نہیں کہ سلطان کس درجہ برہم ہوں۔ لہذا اس فعل کا اقدام کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

جب خواجہ احمد حسن تک یہ واقعہ پہنچا تو اُس نے کہا کہ خدا نے بڑا فضل کیا۔ اور خیر ہوگئی۔ کیونکہ عزت اور دولت تو اول ہی رخصت ہو چکی تھی جسم میں آدمی جان باقی تھی وہ خواجہ حسنک کے نذر ہو جاتی۔ غرضکہ تھوڑے زمانے میں سلطان محمود غزنوی کا انتقال ہوگیا اور سلطان محمد تخت و تاج کا مالک ہو کر بمقام غزنیں سریر آرائے حکومت ہوا۔ باپ کے انتقال کے وقت مسعود اصفہان میں تھا۔ فوراً آیا اور بھائی سے آمادۂ پیکار ہوگیا۔

سلطان مرحوم کے ارکان نے مسعود کو حکمرانی کے لئے زیادہ موزوں سمجھا۔ اس لئے شہزادۂ محمد کو خود ہی گرفتار کر کے ایک قلعہ میں قید کردیا۔ اور ہرات تک مسعود کے استقبال کے لئے گئے۔ اور شہزادے کے پہنچنے کے بعد حسنک میکال جیسے ہی گھوڑے سے اُترا طرف داران مسعود نے اس کو سولی پر چڑھا دیا اور خواجہ احمد حسن کو وزیر مقرر کردیا۔ گو یہ وزارت زیادہ مدت تک قائم نہ رہی۔ مگر خواجہ کا اعزاز بہت بڑھ گیا۔

خواجہ اکثر کہا کرتا تھا کہ الحمد للہ میری حکومت کا خاتمہ ایسا ہوا کہ دوستوں کو خوشی کا اور دشمنوں کو غم سے گھلنے کا موقعہ ملا۔

نتیجہ اس تمہید کا یہ ہے کہ شہزادوں کی مہربانی کا ثمرہ اور اُن کے قہر کا نتیجہ یقینی ملتا ہے۔ گو کتنا ہی

زمانہ گذر جائے۔

۲۔ امیروں کی خاطر تواضع جس زمانے سے سلطنت کی بنیاد پڑی اُس وقت سے یزدگرد کے عہد تک مالی اور ملکی تدابیر وزرا کیا کرتے تھے۔ اور صرف وزیر دوسرا بادشاہ یا اُس کا قائم مقام ہوا کرتا تھا۔ اور یہ اقتدار خواہ ایک وزیر ہو یا دو' انھیں میں محدود رہتا تھا۔ لیکن سلاطین تُرک کے عہد میں امور سلطنت کے دو حصے ہوگئے ہیں۔ پس جس گروہ کے مالی انتظام سپرد ہے وہ اُمرا کہلاتے ہیں اور جس فرقے کے ملکی اہتمام سپرد ہے وہ وزرا کہلاتے ہیں۔

خواجہ احمد حسن نے سلطان محمود کے عہد میں قدیم اُصول پر عملدرآمد کیا تھا۔ اور تمامی اُمور سلطنت میں وزرا عجم کا پیرو تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان محمود نے سفر کا قصد کیا' علی خویشاوند' ارسلان حاجب' اور سبکتگین حاجب کو جو امیر کبیر کا درجہ رکھتے تھے مشورے کے واسطے طلب کیا۔ علی خویشاوند نے جو ان میں سب سے بالاتر تھا' عرض کیا کہ ہم لوگ اہل سیف ہیں۔ تدبیر مملکت کیا جانیں؟ اگر حکم ہو تو دہکتی ہوئی آگ میں گر پڑیں' بہتے دریا میں کود پڑیں' ہوا میں گرہ لگا دیں۔ پہاڑ کو جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیں۔ لیکن سفر کے معاملے میں حضور خواجہ سے مشورہ فرمائیں یہ اُس کا کام ہے۔ باوجود اس وقار کے اُمرا کی عداوت سے خواجہ کی وزارت کا ڈھچر ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اُمرا کی اعزاز و تکریم میں بقدر اُن کے مراتب کے کوتاہی نہ کی جائے۔ گو بادشاہ وقت کی عنایت بھی شامل حال ہو۔ تاہم عاقبت اندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں اُن سے رجوع کرتا رہے۔

یہ آداب وزارت میں داخل نہیں ہے کہ دربار شاہی کے سوا وزیر کہیں اور جائے۔ لیکن پھر بھی کبھی نہ کبھی کسی مہم سلطانی کا حیلہ کرکے کسی امیر کے گھر جانا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ خفیہ طور پر جہاں تک ممکن ہو سارے حالات سے واقفیت پیدا کرے۔ لیکن اُمرا کے جمع خرچ کے جو ذریعے ہوں اُن کی فکر نہ کرے اور حتی الوسع ٹال جائے۔

تیسرے یہ کہ سب کے سامنے اُمرا کے قصور نہ بیان کئے جائیں۔ اور خدا نخواستہ اگر ضرورت آپڑے تو اپنی زبان سے کچھ نہ کہے۔ بلکہ خوش نما پیرائے میں بہ لطائف الحیل کہہ گذرے اور حتی الامکان نرمی کا برتاؤ رکھے۔

جو بڑے درجے کے امیر ہوں اُن کو اعلیٰ خدمتیں برابر دی جائیں۔ اور فائدوں کے دروازے اُن پر بند نہ کئے جائیں۔ اور جہاں تک ہو سکے اُن سے نہ اُلجھے۔ اور اگر اتفاقیہ کوئی اُن میں سے مقابلے پر آجائے تو بجائے سختی کے نرمی سے تدارک کیا جائے۔

دوسرے یہ بھی ضرور ہے کہ بلا سبب عداوت نہ پیدا کرے۔ اور نہ اُن کی خرابی کے در پے ہو۔ خصوصاً ایسے امیر سے جو قابلیت اور مرتبے میں ہم پلہ ہو۔

جس کو خدا نے عظمت و عزت دے رکھی ہے اُس کی ہر ادا سے شائستگی ٹپکتی ہے۔ اور کبھی ایسوں سے عداوت کھیلتی نہیں ہے اور تجربہ ہو چکا ہے کہ خود محرکِ عداوت کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور فریق مخالف دولت سعادت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ جس کی ٹھیک نظیر داشلیم ہندی کا واقعہ ہے۔

حکایت سومنات[1] کی فتح کے بعد سلطان محمود کا ارادہ ہوا کہ ایک سال تک وہاں قیام کرے۔ کیونکہ یہ ایک وسیع ملک تھا۔ اور قطع نظر افراط نادر و نایاب اشیا کے لوازمِ سومنات

---

[1] سومنات ۔ جزیرہ نما گجرات (کاٹھیاواڑ) کے جنوبی کنارے پر سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو سومنات دیوتا کے نام سے مشہور تھا اور سومنات کی مورت ایک عالی شان قلعے کے اندر تھی۔ جس کا ایک ایک برج سر بفلک تھا۔ اور دریا کی لہریں قلعے کی ہر وقت قدم بوسی کیا کرتی تھیں۔ عہد قدیم میں سومنات دیوتا کا مندر ہندوستان کا سب سے مشہور تیرتھ تھا۔ چندر گرہن اور سورج گرہن کے ایام میں دو دو تین تین لاکھ جاتری اس مندر میں جمع ہوتے تھے اور عقیدت مند راجاؤں نے دو ہزار گاؤں اخراجات کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ دو ہزار پانڈے اور پانسو ناچنے والے اور تین سو بجانے گانے والے مستقل طور پر ملازم تھے۔ دیوتا کا ہر روز تازہ گنگا جل سے اشنان ہوتا تھا (گنگا اس مقام سے چھ سو کوس کے فاصلے پر ہے)۔ جس مقام پر سومنات کا مجسمہ (اسٹیچو) نصب تھا۔ قلعہ کا وہ حصہ تمام عمارت کی جان تھا یعنی چھپن ستونوں پر بیضہ عنقا کی طرح گنبدی چھت دھری ہوئی تھی۔ اور ہر ستون ایک ڈھال سنگِ مرمر کا تراشا ہوا تھا۔ اور از سر تا پا جواہرات سے مرصع تھا۔ پچی کاری کی گل کاری چین کے نقش و نگار مٹاتی تھی اور کندن کی ڈلک ستاروں پر آنکھ مارتی تھی۔ وسط میں ایک طلائی زنجیر لٹکتی تھی۔ اس میں ایک سونے کا چراغ دن رات وظیفہ جلتا تھا۔ اور خدا جانے کن وقتوں سے اسی طرح روشن چلا آتا تھا جس کی قسمت میں محمود کے حملے سے گل ہونا لکھا تھا۔ دروازے کے سامنے دیوتا کھڑے تھے جن کا قد پورے پانچ گز کا تھا۔ دو گز زمین میں اور تین گز باہر نمودار تھے۔ اور جس طلائی زنجیر میں گھنٹہ لٹکتا تھا۔ اُس کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ روپیہ کیا جاتا ہے۔ محمود کا بقیہ باقی در صفحہ آئندہ

میں سونے کی کانیں تھیں اور سراندیپ جو تمام ہندوستان میں یاقوت کا معدن تھا وہ سومنات کی قسمت میں تھا۔

ارکان دولت نے عرض کیا کہ خراسان کا ملک جو بڑی لڑائیوں کے بعد قبضہ میں آیا ہے اس کو چھوڑ کر سومنات کو دارالسلطنت بنانا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ سلطان نے واپسی کا عزم کیا۔ لیکن اُن سے کہا کہ اس ملک کی حکومت کا کیا انتظام کیا جائے؟

مخالفت کا اندیشہ ہے۔ اور حکومت کو استحکام نہ ہوگا۔ لہٰذا اس دیس کے راجاؤں میں سے کسی کو تفویض کر دیا جائے [illegible] کسی شخص پر متفق ہونے لگا۔ بعض نے عرض کیا کہ حسب و نسب کے لحاظ سے ملکی سرداروں میں کوئی دابشلیم کی برابری نہیں کرسکتا ہے۔ اور ابھی ایک شخص ان میں موجود ہے۔ جو برہمنوں کے طریقے سے حکمت و ریاضت میں مشغول ہے اور وہی یہاں کا راجہ ہوسکتا ہے اِس رائے سے بعضوں نے اختلاف کیا اور کہا کہ وہ بد اخلاق ہے اور غضب الٰہی میں مبتلا ہے۔ اُس کی گوشہ نشینی حقیقتاً نہیں ہے۔ بلکہ چند مرتبہ وہ بھائیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا اور اُن سے جان کی پناہ مانگ کر ایک جگہ بیٹھ رہا ہے۔ لیکن اس خاندان میں ایک شخص اور بھی ہے جو بڑا عاقل اور عالم بھی ہے۔ اور برہمن اُس کی حکمت کے معتقد ہیں۔ اور ایک حصہ ملک پر اُس کی حکومت بھی ہے۔ اگر سلطان کی طرف سے سند حکومت اس شخص کو دی جائے تو وہ ملک کو آباد رکھے گا اور چونکہ قول کا سچا اور عہد کا پورا ہے۔ لہٰذا جس قدر سالانہ خراج طے پائے گا وہ باوجود بُعد مسافت کے ہر سال غزنیں بھیجتا رہے گا۔

سلطان نے فرمایا "اگر وہ حضور میں آکر استدعا کرتا تو اُس کی درخواست قبول کی جاتی۔ لیکن جس نے اپنی خیرخواہی کا اظہار نہ کیا ہو، اور ہندوستان جیسے ملک میں حکومت نہ کی ہو اُس کو اتنی بڑی سلطنت کیسے دی جاسکتی ہے۔

القصہ دابشلیم مرتاض طلب ہوا اور سومنات کی حکومت اُس کی سپرد کرکے خراج ٹھہرالیا گیا چنانچہ دابشلیم

بقیہ صفحہ ۳۴۸ ۔ حملہ سلاطین اسلام کے اُن مشہور واقعات میں شمار کیا جاتا ہے جس سے ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ (انتخاب از الفنسٹن و قصص ہندآزاد)

لہ تاریخ ہندوستان میں دابشلیم کے حالات تحریر ہیں۔ یہ دابشلیم گجرات کے قدیم راجہ کی اولاد میں تھا اور غالب یہ ہے کہ چاورا خاندان سے تھا۔

نے اقرار کیا کہ "تمام عمر اطاعت کروں گا۔ اور سونا، اور یاقوت اور دیگر معدنی اشیاء خزانہ سلطانی میں بھیجتا رہوں گا لیکن میرے عزیزوں میں ایک شخص ہے جو مجھ سے انتہا درجے کی عداوت رکھتا ہے اور چند مرتبہ ہنگامۂ کارزار بھی گرم ہو چکا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سلطان کی واپسی کی جب اُس کو اطلاع ہوگی تو وہ مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ اور میری موجودہ حالت محض بے سروسامانی کی ہے میں مغلوب ہو جاؤں گا اور وہ کل ملک پر غالب ہو جائے گا۔ اس لئے حضور عالی اس طرف توجہ فرمائیں اور اُس کے شر کو دفع کر دیں تو کابلستان ، زابلستان اور خراسان سے شائستگی ٹپکتی ہے۔ اور کچھ زمانے میں بھیجتا رہوں گا۔" اور یہ وہی شخص ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور کل اہل بیت اور لوگوں نے کہا تھا کہ دابشلیم مرتاض سے زیادہ مستحق ہے۔ سلطان نے ارشاد فرمایا کہ "میں غزوات کی نیت سے گھر سے نکلا ہوں۔ تین برس ہو چکے ہیں کہ غزنین پہنچنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ گو چھ مہینے اور گذر جائیں مگر اس مہم کا سر کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ مہم پر روانہ ہو گیا۔ اُس ملک کے لوگوں نے دابشلیم سے کہا کہ تو نے بُرا کیا کہ سلطان کو اپنے عزیز کے برباد کرنے کی تحریک کی خدا نے جس کو معزز کیا ہے وہ تیری چغلی اور کوشش سے ذلیل نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ اس واقعہ کو بھی لوگوں نے سلطان سے کہہ دیا۔ اگرچہ سلطان بھی متردد تھا۔ لیکن چونکہ سامان سفر کر چکا تھا۔ اس لئے نقض سفر پر رضا مند نہ ہوا۔ اور اُس ملک کو فتح کر کے راجہ کو گرفتار کیا اور دابشلیم مرتاض کے سپرد کر دیا۔ دابشلیم نے کہا کہ "ہمارے مذہب میں بادشاہوں کا قتل کرنا عیب میں داخل ہے اور تمام فوج اُس بادشاہ سے مخالف ہو جاتی ہے جو بادشاہ کے قتل کا فتویٰ دے۔ اور اس ملک کا یہ دستور ہے کہ جب دشمن پر قابو پاتے ہیں تو اپنے ملک میں لا کر اُس جگہ جہاں تخت شاہی ہوتا ہے ایک سردابہ بناتے ہیں اور اُس کو وہاں قید رکھتے ہیں، اور آمد و رفت کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ مگر ایک حجرہ کا اتنا بڑا رکھا جاتا ہے جس سے ہر روز کھانے کا نکال جا سکے۔ اور یہ قیدی اُس وقت تک حوالات میں رہتا ہے کہ جب تک اُس کا فاتح حکمراں رہے۔ چونکہ مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ اس کو اس طرح قید رکھوں۔ اس لئے اگر سلطان اپنے ہمراہ غزنین لے جائیں تو مناسب ہے۔ جب ملک کا خاطر خواہ بندوبست ہو جائے اُس وقت سلطان کو اختیار ہے کہ میرے پاس بھیج دے۔ تاکہ وہ دستور کے موافق قید رکھا جائے۔"

سلطان نے منظور کیا۔ اور غزنین کو روانہ ہوگیا۔ داشلیم سومنات کے تخت پر بیٹھا۔ اور سلطان کو ہندوستان کے تحفے بھیجتا رہا۔ اور ارکان سلطنت کو بھی انواع نفائس، اور تحفہ تحائف سے رضامند رکھا۔ جب ملک پر اقتدار ہوگیا تب اپنے دشمن کو طلب کیا۔ لیکن سلطان کو راجہ کی سپردگی میں تردد تھا۔ اُس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ دشمن کے سپرد کیا جائے۔ لیکن چونکہ ارکان سلطنت داشلیم سے ملے ہوتے تھے سب نے بالاتفاق کہا۔ سلطان کے واسطے ایفائے وعدہ ضرور ہے کیونکہ دوسری صورت میں مخالفت کا اندیشہ ہے۔ اور ملک ہاتھ سے نکل جائے گا۔ غرضکہ قیدی داشلیم کے پاس بھیج دیا گیا۔ اور سرحدی راجاؤں کے نام بغرض انتظام پروانے جاری کر دیتے گئے کہ قیدی کو سرحد سومنات تک پہنچا دیں۔ چنانچہ راجہ نے اپنے تخت کے نیچے قیدخانہ بنانے کا حکم دیا۔ اور چونکہ اس ملک کا یہی دستور تھا کہ جب دشمن ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ جاتا تو ایک لوٹا اور تھالی اُس کے سر پر رکھکر گھوڑے کے ساتھ پیادہ دوڑاتے تھے۔ اور اسی طرح بارگاہ تک لاتے تھے اس کے بعد بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اور دشمن قید میں بھیج دیا جاتا تھا۔

چنانچہ اس رسم کے ادا کرنے کے لئے داشلیم بھی شہر کے باہر نکلا۔ لیکن چونکہ قیدی کے آنے میں وقفہ تھا داشلیم شکار کے شوق میں آگے بڑھ گیا۔ مگر دھوپ کی شدت سے ایک درخت کے سایے میں سو رہا اور سرخ رومال مُنہ پر ڈال لیا۔ ہندوستان میں بکثرت ایسے شکاری جانور ہیں جن کی چونچیں تیز اور پنجے سخت ہوتے ہیں۔ انھیں میں سے کوئی ایک جانور ہوا میں اُڑ رہا تھا... سُرخ رومال کو گوشت کا ٹکڑا سمجھکر ہوا سے اُترا اور زور سے منہ پر چنگل مارا جس کے صدمے سے ایک آنکھ جاتی رہی۔ اور دونوں آنکھوں میں شدت سے درد پیدا ہوگیا۔ اتنے میں قیدی بھی آپہنچا۔ مگر چونکہ داشلیم اندھا ہوچکا تھا اور اس قیدی راجہ کے سوا کوئی مستحق حکومت نہ تھا۔ سب نے اس کی نذر ادا کی اور تخت پر بٹھا دیا اور جو معدودے چند مخالف تھے اُن کو سزا دیدی گئی اور وہ رسم بدخود اس بدنصیب راجہ کو ادا کرنا پڑی جس کے ارادے سے یہ روانہ ہوا تھا۔

میرا مطلب اس حکایت کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ جو حقیقی عزت کا مستحق ہے وہ دشمن کی سعی سے ذلیل نہیں ہو سکتا۔ اگر ابتدا میں اتفاقیہ کوئی قصور اُس سے ہوجاتا ہے تو آخر میں خدا کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اُس کی عزت کے درجے کو دوچند کر دیتی ہے۔ اور جو اُس کی بُرائی کے درپے

ہوتا ہے وہ خدا کے غضب میں پڑ جاتا ہے۔

رعایت ملازمان شاہی۔۴

ندیم مجلس سلطانی اور اصحاب سیف و قلم بھی رعایت کے مستحق ہیں۔ مگر فرقہ اول خاص کر ہے۔ جو لوگ حضور رس ہیں اور جن کو شرف گفتگو حاصل ہوتا ہے۔ اُن کی خاطر مطابق پیمانہ التفات شاہی کرنا چاہیے۔ اور مقتضائے تدبیر یہ ہے کہ یہ رعایتیں علانیہ نہ ہوں، بلکہ چپ چاپ، اور جہاں تک ہو سکے ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ کی جائے۔ اور اس گروہ کی کمی مرتبہ واقتدار پر نہ جانا چاہیے۔ بلکہ محض ان کے آنے جانے اور گفت و شنید کو ایک بڑا درجہ سمجھنا چاہیے۔ گو محض حقارت سے ہر شخص کے دل میں عداوت کا مادہ نہیں پیدا ہوتا ہے۔ مگر یہ تو ہو سکتا ہے کہ کسی وقت میں اس خیال سے نقصان پہنچ جائے۔ مثلاً یہ کہ جو اپنا مددگار ہے وہ بدخواہ ہو جاتے یا یہ کہ وہ شخص ادنی درجے سے اعلےٰ پر ترقی کر جائے۔ بہر حال یہ تمام احتمالات نقصان سے خالی نہیں ہیں۔ اور توہمات کا علاج عقلاً واجب ہے اور وہ بھی اس قاعدہ کلیہ پر منتہی ہوتا ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو ہمیشہ بڑا سمجھنا چاہیے اور وہ کیا ہیں؟ آگ، بیماری، دشمن، یہ ممکن ہے کہ اول ایک چنگاری ہو، مگر آخر میں وہ تمام دنیا کو پھونک سکتی ہے۔ یا بیماری کا مادہ کہ ابتدا میں کم ہو۔ مگر انتہا پر وہی ہلاکت کا سبب ہو جاتا ہے۔ یہی حال دشمن کا ہے کہ وہ شروع میں حقیر اور عاجز نظر آتا ہے مگر انجام کار قوی اور زبردست ہو جاتا ہے۔ اس لئے اُس کے شر کو کم نہ سمجھنا چاہیے۔ اور دشمن بھی گناہ کی خاصیت رکھتا ہے اگر کوئی شخص چھوٹے سے گناہ کو بڑا سمجھکر فوراً تدارک کرے گا تو اُس کا دفعیہ ہو جائے گا ورنہ غفلت سے اُس کی نقصان اُٹھانا پڑیگا۔

حکایت

فضل بن ربیع، ایک دن ابوالحسن معبر (ابن سیرین کا نواسہ تھا) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص نہایت قوی ہیکل میری طرف جھپٹا اور لپٹ گیا۔ میں نے بھی ساری قوت سے اُس کا مقابلہ کیا اور آخرش اسے زمین پر پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد ایک دُبلا پتلا آدمی مقابلے کو اُٹھا۔ میں نے اُس کی لاغری دیکھکر خیال کیا کہ جب میں نے ایسے زبردست پہلوان کو چت کر دیا تو پھر اس کی کیا حقیقت ہے اور کچھ زیادہ داؤں پیچ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہاتھ ملاتے ہی اُس نے مجھ کو ایسی پٹخنی دی کہ مرتے مرتے بچ گیا۔ اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ ابوالحسن نے فرمایا کہ "یہ تیرے گناہوں کا نظارہ تھا۔ جو دشمنوں کے روپ میں سامنے

آیا پہلے شخص کو تو نے بڑا سمجھا تھا وہ جلد دفع ہو گیا اور کوئی مضرت نہیں پہنچی۔ اور دوسرے کو چھوٹا سمجھ کر اس کے دفعیہ کی کوئی تدبیر نہیں کی وہ غالب آیا اور اس نے تجھ کو قریب المرگ کر دیا۔ اور ٹھیک یہی مثال دشمن کی ہے۔

رعایت اہل سیف وقلم۔۵ جو تلوار کے مالک ہیں اُن کو امور وزارت کے اصلاح و فساد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے اُن کی تالیف قلوب نہایت ہی سہل ہے اور وہ تھوڑی سی توجہ سے شکر گذار ہو جاتے ہیں۔ لیکن خاطر و مدارات میں ارباب قلم کو میں مقدم اور منہم بالشان سمجھتا ہوں اور یہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور تاکیداً پھر کہتا ہوں کہ تخت سلطنت بغیر اصحاب سیف کے اور مسند وزارت بغیر ارباب قلم کے قائم نہیں رہ سکتی ہے۔

عبدالحمید احمد نے اپنے وصیت نامے میں لکھا ہے کہ مہات سلطنت کے مدارج کا کاتبوں کے حالات سے مقابلہ کرو۔ اور دونوں میں سے جو جس کی صلاحیت رکھتا ہو وہ کام اُس کے سپرد کر دو اور اپنی طرف سے نا امید نہ کرو اور نہ اُمیدواروں کی تعداد بڑھاؤ کیونکہ خاص گروہ کے میل جول اور نشست برخاست سے اکثر فساد اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

حکایت یہ مشہور واقعہ ہے کہ نوشیرواں عادل نے صرف بزرجمہر سے ایک خاص وقت میں کچھ اسرار سلطنت بیان کئے تھے جس کو دوسرے وقت لوگوں نے بجنسہٖ آکر دہرا دیا۔ بلکہ چند مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جو گفتگو بزرجمہر سے ہوتی تھی وہ بجنسہٖ نوشیرواں تک پہنچ جاتی تھی اس لئے نوشیرواں کو نہایت تعجب ہوا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بزرجمہر سلطنت کا رازدار ہے اور یہ غیر ممکن ہے کہ وہ ایسے راز فاش کر دے۔

اس لئے خود بزرجمہر سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ بزرجمہر نے بڑی غور و فکر کے بعد کہا کہ "حاشا! اس معاملہ میں میری زبان بھی ہمراز نہیں ہے۔ مگر ہاں ایک بات ہے اور وہ یہ کہ دربار میں ان دونوں ارباب ذکاوت و فراست کا جمگھٹا ہے جس وقت حضور میں میری طلبی ہوتی ہے، تو یہ سب مل کر قیاس کرتے ہیں کہ طلبی کس غرض سے ہوئی ہے اور آخر میں خلبۂ آرا سے کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو جاتی ہے اور یہی سبب ہے کہ مخفی اُمور طشت از بام ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو خاص خاص خدمتوں پر مقرر کر دیا جائے چنانچہ اس کارروائی کے بعد پھر ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

اور یہ بھی چاہیئے کہ جن کے چہروں سے حسن اعتقادی اور محبت جھلکتی ہو وہ خلعتِ خدمت سے سرفراز ہوتے رہیں۔ مگر جو کچھ ہو اُس سے یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ وزیر کو کسی شخص سے خاص محبت ہے یا کسی پر اعتبار ہے۔ لیکن جو گروہ مفسدہ پرداز ہو وہ ان عنایتوں کا مستحق نہیں ہے۔ جن لوگوں سے فتنہ و فساد کا احتمال ہو سکتا ہے وہ دو گروہ ہیں۔

ایک تو وہ ہے کہ جن کو بادشاہ اور ارکان سلطنت کے نزدیک وقعت اور اعزاز حاصل ہے۔ اور دوسرا برعکس اس کے۔

طبقہ اول سے وزیر کو اعزاز و اکرام برتنا چاہیئے۔ لیکن نہ اس قدر کہ لوگ بزدلی اور خوف پر محمول کریں اور اظہار عداوت سے جہاں تک ہو سکے بچتا رہے۔ اور اُن کو ہمیشہ کاموں میں لگائے رکھے۔ اور بعد عطائے حکومت اُن کی خرابی کاموں کی مسلسل اطلاع بادشاہ اور اعیان حضرت سے کرتا رہے تاکہ خوش اعتقادی جاتی رہے۔ مگر کبھی قطعی ارادہ کسی کے قتل و ہلاکت کا نہ کرے۔ کیونکہ عقلاً و مذہباً یہ بُری عادت ہے۔ اور اس کا مرتکب دین و دنیا میں قابل ملامت اور موجب نفرت ہے۔

حکایت ناصر میکال کو غزنیں جاتے ہوئے بمقام کیاباد۔ معلوم نہیں کس نے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر غزنیں پہنچی تو اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ یہ قتل خواجہ احمد کے اشارے سے ہوا ہے۔ کیونکہ سلطان کا مزاج ناصر سے بگڑتا جاتا تھا۔ اور دربار میں ایک دو مرتبہ ناصر کا ذکر بھی آیا تھا۔ دانشمند حصیری جو سلطان کا مقرب خاص تھا۔ اُس نے ایک دن خواجہ احمد سے کہا کہ "دنیا کبھی اہل استحقاق سے خالی نہ ہو گی دشمنوں پر غلبہ حاصل کر کے آپ کامیابی چاہتے ہیں اور آپ کا یہ بھی خیال ہے کہ کوئی قابل آدمی موجود نہ تھا اس وجہ سے اضطراری حالت میں آپ کو اختیارات دیئے گئے ہیں۔ یہ محض غلط ہے۔ بلکہ دراصل کسی کی جان کا خواہاں ہونا خود اپنے کو معرض ہلاکت میں ڈالنا ہے، بلکہ اگر کسی شخص کو معرض ہلاکت میں دیکھے اور اس میں خود شریک بھی نہ ہو تاہم اُس کے قتل پر رضامند نہ ہو۔ ورنہ جزا اور مکافات کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ اور ہرگز خون ناحق پر راضی نہ ہونا چاہیئے۔ اور مفسد نوکروں کی باتوں پر ہرگز یقین نہ کیا جائے۔ گو وہ کیسے ہی اور کتنے ہی معقول طریقے پر بیان کریں۔

تم کو معلوم ہے! (خطاب بفرزند) کہ سلطان الپ ارسلان نے کندری پر غضبناک ہو کر اُس کے قتل کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ اُس کی خیانت اور خباثت کا پورے طور پر امتحان ہو چکا تھا۔ اور اُس کی دلیری

اور سیہ کاری کی پورے طور پر خبریں پہنچ رہی تھیں، اور امیرالمومنین بھی ناراض تھے۔ اور دارالخلافتہ کے ارکان بھی چاہتے تھے کہ وہ قتل کیا جائے۔ سلطان کو میں اس فعل سے باز رکھ سکتا تھا۔ مگر میں نے منع نہیں کیا۔ اور کئی برس سے اسی خوف میں مبتلا ہوں اور جس دن یہ واقعہ یاد آجاتا ہے۔ منہ کا نوالہ کڑوا ہو جاتا ہے اور رات کو نیند حرام ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ کے متعلق تاکیداً تم سے ایک اور واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جس کا اب تک میں نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا ہے۔

حکایت کندری کے قتل کے ایک سال بعد میں نے خواب دیکھا کہ گویا اس کو قید خانے (جیل) کی طرف کشاں کشاں لئے جاتے ہیں اور میں بھی "رسن در گردن" اس کے پیچھے چلا جارہا ہوں۔ پھر ہم دونوں کو ایک ہی خبیث سے نکال کر مقتل لے گئے۔ کندری کے سارے رشتہ دار تلواریں سونت کر مجھ پر بڑھے، لیکن یہ ہولناک منظر دیکھتے ہی میں چیخ اٹھا اور آنکھ کھل گئی۔ مگر پھر بہت جلد بیہوش ہوگیا۔ غرض کہ اسی خوف سے کئی روز تک جاگتا رہا۔ اور بہت کچھ خیرات کی گئی۔ بارے خدا کا شکر ہے کہ میرے دل سے وہ ملال جاتا رہا۔

طبقۂ دوم کے لائق اشخاص ہر حالت میں مہربانی کے مستحق ہیں۔ اور اُن کو بلند درجوں تک پہنچانا چاہیئے۔ البتہ نالائقوں کو اپنے دروازے پر کبھی نہ آنے دو۔ اور اگر کسی موقعہ پر ایسے لوگ جمع ہو جائیں تو اُن کو باہم لڑا دینا چاہیئے اور پھر اُن کو اُن کی بداعمالیوں کی سزا دینا چاہیئے تاہم یہ ایسا گروہ ہے کہ ایک ٹکڑے روٹی سے خوش ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی چھوٹی سی خدمت دیدی جائے اور اس قسم کی خدمتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اور میری رائے میں یہ برتاؤ سب سے بہتر ہے۔

حکایت سلطان الپ ارسلاں کے عہد میں وزیر ہوئے مجھے تھوڑی مدت گذری تھی کہ ایک دن میں حضور میں حاضر ہوا سلطان نماز سے فارغ ہو کر وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مصلے کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر حکم دیا کہ پڑھو۔ اُس میں اول سے آخر تک میری شکایت تھی۔ اور ہر صیغے میں خیانت کا الزام لگایا تھا۔ جب میں پڑھ چکا تو پوچھا کہ سب پڑھ لیا۔ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ "اگر یہ تحریر سچی ہے تو اپنی عادت وسیرت کو بدل ڈالو تاکہ پھر ایسی شکایت نہ ہو۔ اور اگر

---

[1] خواجہ نظام الملک کے دامن پر وزیر ابو نصر محمد عمید الملک کندری کے خون کا دھبہ ہے۔ اور اس کو کوئی مورخ نہیں دھو سکتا ہے اور اس کی تمام سوانح عمری میں صرف یہی ایک داغ نظر آتا ہے تفصیل کے لئے دیکھو صفحہ ۹۰ حصہ اول کتاب ہذا۔

جھوٹ ہے تو اُن لوگوں کو کسی کام میں لگا دو کہ افتراپردازی کی اُن کو فرصت نہ ملے اور اپنے کاموں میں مصروف رہیں۔ میں اٹھا اور دُعائیں دیتا ہوا باہر نکل آیا اور سلطان کی نصیحت کے مطابق اُن کو برسرکار کر دیا۔ پھر اُن سے ایسی ہذیان سرائی ظہور میں نہ آئی۔

ارباب سیف و قلم کی محافظت کے جو طریقے تھے وہ وزراء سلف کے اخبار و آثار سے بطریق امثال و نظائر بیان کر چکا ہوں۔ اب مختصر بیان عامۂ خلائق کی نگہداشت کا کرنا چاہتا ہوں جو خدا کی امانت ہیں۔ عامۂ خلائق سے رعایت کرنا یہی سب سے بڑی نصیحت ہے۔ دین و دنیا دونوں میں اس کے فوائد و ثمرات کا منتظر رہنا چاہیے اور اسی کی طرف اشارہ ہے "اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفْقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ۔ اوامر الٰہی (رضا کے احکام) کی تعظیم کے بعد، حسنات کے جو درجے ہیں اُن میں سے کوئی بھی اس شفقت کے برابر نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ ہے، وہ اسی کا ضمیمہ ہے۔ جس طرح طبیب شفیق مہربانی کی نظر سے بیمار کی حالت پر غور کرتا ہے اور جو طریقہ مریض کے سود و بہبود کا ہوتا ہے اُسی پر توجہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے حق سے علیحدہ ہو جائے۔ اسی طرح خلائق کی مہات پر نظر ڈالنا چاہیے۔ تاکہ ظاہر و باطن میں سب اُس کے ہوا خواہ رہیں۔

اگلے زمانے کے وزراء (جَعَلَ اللّٰہُ سَعْیَھُمْ مَشْکُوْرًا) کا یہ چلن تھا کہ وہ ہمیشہ سلاطین کو مرحمت و شفقت کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے جس کی برکت سے رعایا امن و چین میں رہتی تھی اور بادشاہ کا نام بھلائی سے یاد کیا جاتا تھا اور خود ثواب کے مستحق ہوتے تھے۔

حکایت جس زمانے میں سلطان الپ ارسلان، روم کی مہم پر جانے والا تھا اس وقت ضرورتاً رعایا سے بطریق استمداد، خراج پیشگی طلب کیا جاتا تھا اور آمدنی کا زمانہ دور تھا۔ اس وجہ سے لوگ پریشان تھے۔ اور مرو میں بیماری پھیلی ہوئی تھی جس میں لوگ کثرت سے مر رہے تھے۔ چنانچہ ایک دن دربار میں ان واقعات کا ذکر آیا۔ سلطان نے کہا کہ موت تو ایک بلائے بے درماں ہے نہ اُس کو مال فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ سلطنت و سپاہ سے کام نکل سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ "اگر کچھ تدارک ہو سکتا ہے تو وہ صرف عدل و مرحمت ہے۔ اور قدیم تاریخ میں میں نے پڑھا ہے۔ کہ ایک عجم کے بادشاہ نے حکم دیا کہ خزانے کی جانچ پڑتال کر کے اطلاع کی جائے کہ کس قدر ہے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس حکم کا منشا کیا ہے؟ مگر وزرائے سلطنت نے باحتیاط تحقیقات کر کے خزانے کی

کیفیت سے مطلع کردیا ۔چنانچہ خزانے کی مقدار معلوم ہونے پر بادشاہ نے اعیانِ دولت کو طلب کیا اور سب کے سامنے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اگر خدانخواستہ کسی وقت سلطنت پر کوئی صدمہ پہنچے یا کسی قسم کا اندیشہ متصور ہو یا سفر پیش آئے تو اُس کے واسطے یہ خزانہ کافی ہے ۔لیکن اب میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ سے کوئی شخص نہ ستایا جائے گا ۔اور نہ رعایا میں کوئی کسی کے مقابلے میں عاجز و ضعیف سمجھا جائے گا تمام رعایا اسباب معاش کے مہیا کرتی ہے اور سلطنت کو بڑا حصہ اپنے مال کا دیتی ہے لہذا ہر شخص زراعت و تجارت وغیرہ کے ذریعے سے اپنی معاش حاصل کرے ۔اور جاگیر خالصہ میں میں بھی یہی کروں گا ۔اور فرمان جاری کردیا کہ باج و خراج یک قلم اٹھا دیا گیا ہے ۔اب حکام کا کام اس امر کی نگرانی کرنا ہے کہ زبردست سے زبردست کو کوئی تکلیف نہ پہنچے ۔چنانچہ اس انتظام کی برکت سے ملک میں چھ برس تک کوئی موت نہ واقع ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ ملک کی آبادی اس مدت میں کہاں تک ترقی کر گئی ہوگی ؛

یہ حکایت سُن کر سلطان نے اپنا حکم منسوخ کردیا اور فوجی ضرورت خزانے سے رفع کردی گئی ۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیشہ وزیروں نے رعایا کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا ہے جس کی برکت سے رعیت کو آسائش پہنچی اور بادشاہ کی عزت قائم رہی ۔اور خود اپنی ذات کے واسطے بھی دعائے خیر کا ذخیرہ کرتے رہے ۔

خواجہ نظام الملک کے دربار کے شعراء

خلیفہ مامون الرشید عباسی کی عظیم الشان یادگاروں میں سے ایک فارسی شاعری بھی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ فارسی شاعری نے اس زمانہ میں جنم لیا ہو اور اس عہد کے پہلے شاعری کا وجود نہ ہو۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ اسلام سے پہلے تمام فارس میں شعرا[1] پھیلے پڑے تھے اور اُن کی شاعری اوج کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن عربوں کی فتوحات کے بعد نظم فارسی کا دفتر ابتر ہو گیا اور سیلاب فنا اُن کو بہا کر خدا جانے کہاں لے گیا؟ کیونکہ کوئی مورخ عہد قدیم کے نامور شعرا کے کلام سے ایک غزل یا قطعہ[2] بھی نمونے کے طور پر پیش نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن اسی دربار کے نامور شاعر عباس[3] مروزی نے فصحائے عرب کے سامنے سب سے پہلے ایک فارسی قصیدہ مامون الرشید کی مدح میں لکھ کر فارسی کی مُردہ شاعری میں جان ڈال دی۔ اور پھر اُسی بنیاد پر آنے والی نسلوں نے نہایت رفیع الشان عمارتیں بنائیں۔

مامون الرشید کی تخت نشینی (۱۹۸ھ) سے اگرچہ فارسی شاعری کی دوبارہ بنیاد قائم ہوئی اور پھر ہر صدی میں ترقی ہوتی گئی لیکن شاہان سامانیہ[4] اور غزنویہ[5] کی سرپرستی اور علمی فیاضی نے فارسی

---

[1] شعرا آل سامان۔ اُستاد ابو عبد اللہ جعفر بن محمد رودکی، ابو العباس بن عباس رازی، ابو المثل بخاری رباقی آئندہ

[2] قدیم فارسی کا لٹریچر اس زمانے میں اس قدر ناپید ہو گیا ہے کہ آج اُس زمانے کی دو سطریں بھی نہیں مل سکتی ہیں۔ لیکن یورپ کی علمی تجسس اور تلاش نے بہت کچھ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ حال میں مسٹر مارگلٹ نے جو آکسفورڈ کے پروفیسر ہیں۔ قدیم فارسی کے بعض اشعار چھاپے ہیں جو اُن کو سُریانی خط میں دستیاب ہوتے ہیں۔ پروفیسر مذکور نے ان اشعار کی تفسیر اور شرح بھی لکھی ہے۔ الندوہ نمبر ۶ جلد اول ۱۳۲۲ھ [3] عباس مروزی کے حالات کے لئے تذکرۃ مجمع الفصحا دیکھنا چاہیے۔ جو قصیدہ اس نے مامون الرشید کی مدح میں لکھا ہے۔ اُس کے چند شعر یہ ہیں۔

اے رسانیدہ بدولت فرق خود بر فرقدین ۔۔۔ گسترانیدہ بفضل وجود در عالم یدین

مر خلافت را تو شائستہ چو مردم دیدہ را ۔۔۔ دین یزداں را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین

کس بدیں منوال پیش از من چنیں شعری نگفت ۔۔۔ مر زبانِ پارسی را ہست بایں نوع بین

شاعری کو بے انتہا وسعت دی ۔ اور صرف اس عہد میں جس قدر فارسی علم ادب مرتب ہوا ہے اگر اُس کی تاریخ لکھی جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے لیکن جب یہ خاندان برباد ہو گئے اور آلِ سلجوق کی حکومت کا دورہ آیا تو اُس وقت بھی فارسی شاعری خوب پھلی پھولی۔ کیونکہ سلاجقہ عموماً شعر و سخن کے دلدادہ تھے ۔ طغرل بیگ اور الپ ارسلاں سلجوقی جو بحیثیت ایک فوجی افسر کے حکمرانی کرتے تھے اُن کے دربار میں بھی عمادی شہریاری، اور مہری غزنوی جیسے باکمال شاعر موجود تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے جس طرح ان بادشاہوں کے جود وکرم نے علوم و فنون کو پھیلایا اور شعراء کو دولت سے مالا مال کر دیا۔ اسی طرح اس گروہ نے بھی اپنے پاکیزہ کلام سے ان کو بقائے دوام کی سند دی ۔ شریف مجدی گرگانی نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

ازاں چندیں نعیم جاودانی   کہ ماند از آلِ ساماں آلِ ساماں

ثنائے رودکی ماندست و مدحش   نوائے باربد ماندست و دستاں

الپ ارسلاں کے بعد جب جلال الدین ملکشاہ کا زمانہ آیا تو اس دربار میں بھی، برہانی، کافی ہمدانی، ابو المعالی نحاس، اور امیر الشعراء معزی اور لامعی وغیرہ تشریف لائے اور قصیدہ خوانی کے بعد دربارِ وزارت میں حاضر ہوئے ۔ خواجہ نظام الملک کو نظم سے دلچسپی نہ تھی اور نہ وہ مدحیہ قصائد سننا چاہتا تھا، لیکن وزیر ہو کر یہ محال تھا کہ دربار میں فقہا، صوفیہ، محدثین، اور مفسرین تشریف لائیں اور شعراء دروازہ پر کھڑے رہیں ۔ چنانچہ اُسی اُصول کے مطابق حاضرین دربار کے تذکرہ میں صرف اُن شعراء کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں جن کو خواجہ سے خصوصیت تھی اور اُن کے کلام کا محض وہ حصہ نذرِ ناظرین کیا جاتا ہے جس کا تعلق خواجہ سے ہے ۔

(۱) امیر مُعزّی

یہ نامور شاعر عبد الملک بُرہانی قندی کا بیٹا تھا، اصلی نام محمد تھا ۔ برہانی چونکہ خود صاحب

بقیہ صفحہ ۳۴۸ ؎ ابو اسحاق جوئباری، ابو الحسن طاخبازی نیشاپوری، ابو الحسن الکسائی ؎ شعراء غزنویہ، عنصری، عسجدی، فرخی، فردوسی، بہرامی، زینتی ۔ بزرجمہر، قائنی، منظفر، منشوری، منوچہری، مسعودی، غضائری، ابو حنیفہ اسکاف، راشدی، ابو الفرج رونی، مسعود سعد سلمان، محمد ناصر، شاہ ابو رجا، احمد خلف، عثمان مختاری، سنائی ۔

فضل وکمال تھا۔اس لئے ابتدائی تعلیم کے بعد محمد کو سمرقند سے تکمیل علوم وفنون کے لئے خراسان بھیج دیا اور یہاں کی درسگاہوں سے بہ حیثیت ایک طالب العلم محمد نے کافی علمی ذخیرہ حاصل کیا۔

برہانی[1] سلطان ابراہیم غزنوی کے دربار سے متعلق تھا۔لیکن سلطنت غزنویہ کی بربادی کے بعد بمقام اصفہان، ملکشاہ کے حضور میں آیا اور ملازم ہو گیا۔

افسوس ہے کہ اس نامور شاعر کا کلام مفقود ہے اور ذیل کے دو مصرے اس کے نام سے تذکروں میں ملتے ہیں۔

من رفتم و فرزند من آمد خلف الصدق

اورا بخدا و بخداوند سپردم

تذکرہ نویسوں نے اس کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ "حالت نزع میں برہانی نے سلطان ملک شاہ کو ایک قطعہ لکھا تھا اور اپنے بیٹے کے واسطے سفارش کی تھی کہ میرے بعد اس کی پرورش کی جائے چنانچہ اُس قطعہ کا یہ اخیر شعر ہے۔بہرحال یہ روایت صحیح ہو یا غلط مگر یہ تحقیق ہے کہ قلعۂ قزوین میں جب برہانی نے انتقال کیا تو سلطان نے برہانی کا وظیفہ محمد کے نام منتقل کر دیا تھا۔اور تھوڑے زمانے کے بعد ملک شاہ کی قدردانی سے محمد امیر معزی کے خطاب سے ممتاز ہو کر درجۂ اعلیٰ پر پہنچ گیا۔چنانچہ معزی کے اس واقعہ کو ہم حسب روایت امیر معزی بیان کرتے ہیں۔

نظامی، عروضی سمرقندی مصنف چہار مقالہ امیر معزی کا نہایت نامور شاگرد ہے وہ دوسرے مقالہ[2] میں لکھتا ہے کہ "ایک دن میں نے اپنی تکلیف اور مصیبت کا امیر معزی سے ذکر کیا اُنھوں نے مجھکو سمجھایا کہ کسی شاعر کی محنت رائیگاں نہیں جاتی ہے۔اگر ابتدا میں فروغ نہ ہو تو اخیر میں اُس کا ستارہ ضرور چمکتا ہے۔اور اسی قسم کی نصیحت آمیز گفتگو کے بعد امیر معزی نے اپنی ابتدائی حالت مجھ سے بیان کرنا شروع کی جو حسب ذیل ہے:

میرے والد امیر برہانی کو جو وظیفہ ملتا تھا اُن کے انتقال پر وہ میرے نام منتقل ہوا۔اور میں ملک شاہ

---

[1] سلطان ابراہیم غزنوی نے ۴۵۱ھ سے ۴۸۱ھ تک حکومت کی۔یہ بادشاہ بڑا متقی اور عابد تھا۔اس نے اُن ظلم دعووں سے ہاتھ اٹھا لیا تھا جن کی بدولت سلجوقیوں سے روز تلوار چلتی تھی۔ترجمہ تاریخ الفنسٹن صفحہ ۵۰۷

[2] چہار مقالہ صفحہ ۸۸ لغایت ۲۹ مطبوعہ اصفہان۔

کا شاعر مشہور ہو گیا۔ مگر حالت یہ تھی کہ کئی سال تک مجھ کو سلطان کا سلام بھی میسر نہیں ہوا۔ اور نہ حضوری کی عزت حاصل ہوئی۔ بلکہ میں دور سے اپنے خداوند نعمت کے درشن کر لیتا تھا۔ مصارف کے لئے ایک من غلہ اور ایک دینار (پانچ روپیہ) مقرر تھا۔ مگر یہ وظیفہ خرچ کو کافی نہ تھا اور قرض کا بار بڑھتا جاتا تھا اس پر طرہ یہ کہ جو مقرر تھا وہ بھی وقت پر نہیں ملتا تھا۔ اور اس کا یہ سبب تھا کہ وزیر السلطنت خواجہ نظام الملک شعراء سے بد اعتقاد تھا اور اُس کو شعر و سخن سے مناسبت نہ تھی، بلکہ وہ ہمیشہ صوفیائے کرام سے صحبت رکھتا تھا۔ غرضکہ اسی زمانہ میں ماہ صیام آ گیا اور جس دن چاند نکلنے کو تھا، اُس دن میرے پاس خرچ کو بھی کچھ نہ تھا۔ اس لئے میں اپنے مہربان محسن امیر علاؤ الدولہ علی بن فرامرز (شاہان عجم کی اولاد میں تھا) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ امیر شعر دوست سلطان کا داماد اور ندیم خاص تھا اور اس اعزاز کے علاوہ ایک بڑے عہدے پر مقرر تھا چنانچہ میں نے علاؤ الدولہ سے عرض کیا "(خداوند تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت دے) کہ جو کام باپ کرتا ہے۔ یہ کوئی ضرور نہیں ہے کہ بیٹا بھی وہی کام کرے یا جو فن باپ کو آتا ہو بیٹا بھی اُسے جانتا ہو میرا باپ ایک ہوشیار اور چالاک آدمی تھا اور الپ ارسلان اُس کا معتقد تھا جو کام وہ کر سکتا تھا مجھے اُس کے کرنے میں شرم دامن گیر ہے۔ میں نے حضور کی ایک سال خدمت کی ہے اور اس وقت ایک ہزار دینار کا مقروض ہوں۔ اگر اجازت ہو تو نیشا پور چلا جاؤں۔ اور ادائے قرض کا بندوبست کروں۔" جب میں کہہ چکا تو امیر نے فرمایا کہ "بے شک مجھ سے قصور ہو گیا ہے۔ اب آئندہ ایسا نہ ہو گا آج شام کو سلطان چاند دیکھنے کے لئے محل سرا سے برآمد ہوں گے تم بھی وہاں موجود رہنا۔ دیکھو! تو زمانہ کیا کروٹ بدلتا ہے۔" اور مجھے ایک سو دینار نیشاپوری دے کر رخصت کیا اور فرمایا کہ "اسے ماہ رمضان میں خرچ کرنا۔" چنانچہ بہ کمال مسرت میں گھر کو چلا گیا اور شام کو سلطان کے دردولت پر حاضر ہوا۔ اُسی وقت علاؤ الدولہ کی بھی سواری آئی۔ مجھے دیکھکر امیر بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ "اچھے موقعہ پر آئے۔" غرض کہ جب آفتاب غروب ہو گیا، تب سلطان چاند دیکھنے نکلا۔ علاؤ الدولہ سلطان کی داہنی طرف تھا۔ سلطان ہاتھ میں ایک کمان گروہہ لئے ہوئے چاند دیکھنے میں مصروف تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے چاند پر سلطان کی نظر پڑی اور بہت خوش ہوا۔ جب سب چاند دیکھ چکے تو علاؤ الدولہ نے مجھ سے کہا "اس واقعہ پر کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے فوراً یہ رباعی عرض کی

اے ماہ چو ابروان یارے گوئی — یا ہم چو کمان شہریارے گوئی
نعلی زدہ از زر عیارے گوئی — در گوش سپہر گوشوارے گوئی

میری اس فی البدیہہ رباعی پر علاؤالدولہ خوش ہوا اور میری بڑی تعریف کی۔ اور سلطان نے حکم دیا کہ "جاؤ اصطبل شاہی سے جو گھوڑا پسند ہو وہ لے لو" مگر میں نے تامل کیا۔ تب امیر نے ایک گھوڑا نامزد کر کے میرے نوکر کے سپرد کرا دیا۔ (اس گھوڑے کی قیمت تین ہزار دینار نیشا پوری قرار پائی) سلطان ملک شاہ تو حکم دے کر نماز مغرب کے واسطے مصلے پر کھڑا ہو گیا۔ چنانچہ میں نے بھی نماز ادا کی اور شام کا کھانا امیر علاؤالدولہ کے ہمراہ کھایا۔ اس وقت امیر نے حکم دیا کہ جو انعام تم کو ملا ہے اب اُس صلہ کی شکر گذاری میں کچھ کہو۔ چنانچہ میں نے برجستہ یہ رباعی عرض کی ؎

چوں آتش خاطر مرا شاہ بدید — از خاک مرا بر زبر ماہ کشید
چوں آب یکے ترانہ از من بشنید — چوں باد یکے مرکب خاصم بخشید

جس کو سن کر امیر بہت خوش ہوا۔ اور امیر کی تعریف پر سلطان نے ایک ہزار دینار مرحمت فرمائے۔ اور امیر نے یہ بھی فرمایا کہ "کل خواجہ نظام الملک کا دامن پکڑوں گا کہ وہ تمھاری تنخواہ خزانہ سے نقد دلا دیں اور غلہ کے واسطے حکم جاری کریں کہ اصفہان سے بھیج دیا جائے"۔

وزارت کا اقتدار دیکھو

سلطان نے فرمایا کہ ہاں علاؤالدولہ! تم یہ کر سکتے ہو! کسی اور کی تو یہ جرأت نہیں ہے۔ کہ خواجہ نظام الملک سے ایسے الفاظ کہہ سکے" اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اس کا تخلص میرے نام پر معزی رکھو۔ (جلال الدین و معز الدین ملک شاہ کے لقب تھے) چنانچہ علاؤالدولہ نے اُسی وقت مجھکو خواجہ معزی کہکر پکارا۔ جب سلطان نے سُنا تو فرمایا کہ نہیں اس کو امیر معزی کہو اور میں اُسی وقت درجۂ امارت پر ممتاز ہو گیا۔ اور دوسرے دن ایک ہزار دینار اور مرحمت ہوئے اور مصارف کے واسطے ایک ہزار من غلہ اور بارہ سو دینار مقرر کئے گئے[1]۔ چنانچہ عید کے بعد میں دربار سلطانی میں حاضر ہونے لگا اور ندیموں میں داخل ہو گیا اور

---

[1] ایشیائی درباروں کا قاعدہ ہے کہ جس دن کوئی معزز خطاب کسی کو دیا جاتا ہے۔ اُسی دن درجہ کے مطابق جاگیر اور تمام سامان بھی مرحمت ہوتا ہے۔ تاکہ منصب کے لحاظ سے وہ شریک دربار ہو سکے۔ اس قاعدہ کا عمل درآمد ہر ایشیائی سلطنت میں ہے ہندوستان میں سرکار نظام اور دیگر بڑی ریاستوں کا یہی آئین ہے۔

میرا اقبال دن بہ دن بڑھنے لگا۔

جو اپنا واقعہ امیر معزی نے بیان کیا ہے اس سے ثابت ہے کہ بدیہہ کہنا شاعری کا اعلیٰ کمال ہے۔ اور ہر شاعر پر فرض ہے کہ وہ اس قدر مشقِ سخن کرے کہ برجستہ کہہ سکے۔ کیونکہ امیر معزی آنِ واحد میں معمولی حالت سے ترقی کرکے درجۂ امارت پر پہنچا۔ اس کا باعث صرف وہی ایک رباعی ہے جو اس نے برجستہ کہی تھی۔

ملک شاہ نے اگرچہ معزی کو امیر الامرا بنادیا تھا۔ مگر کمال شاعری کے لحاظ سے کوئی خطاب نہیں دیا تھا۔ لیکن اس کے نامور بیٹے ناصر الدین سنجر نے معزی کو ملک الشعرا کا خطاب دیا۔ اور دربار سنجری میں وہ مثل ملک الشعرا عنصری کے چار سو شعرا پر حکومت کرتا تھا۔ امیر معزی کا جس قدر کلام تذکروں میں پایا جاتا ہے وہ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ غزل میں شیوخی اور نمکینی ملی ہوتی ہے۔ قصائد نہایت زور کے ہیں۔ غزل میں فرخی کا مقلد ہے۔ اور قصائد میں عنصری کا رنگ ہے۔ اس عہد کے نامور شعرا نے امیر معزی کے قصائد کا جواب لکھنے میں کوشش کی ہے۔ اور حکیم انوری جیسے باکمال شاعر نے امیر معزی کی ابیات کو تضمین کیا ہے اور خاقانی جیسا استاد اس کا معتقد ہے۔ غرضکہ امیر معزی کی جس قدر مدح فضل و کمال کے لحاظ سے کی جاتے وہ کم ہے۔

امیر معزی نے ۵۴۲ھ[1] میں بمقام مرو انتقال کیا۔ موت کا یہ واقعہ ہے کہ سلطان سنجر کے ہمراہ شکار کھیل رہا تھا کہ خود سلطان کے تیر سے زخمی ہوگیا۔ اور اسی صدمہ سے طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرگیا۔ چنانچہ خود کہتا ہے ؎

منت خدا ترا کہ بہ تیر خدایگان … من بندہ بے گنہ نشدم کشتہ رائگاں

انتقال کے بعد حکیم سنائی نے امیر معزی کی تعزیت میں حسب ذیل اشعار لکھے[2]۔

گر زہرہ بچرخ دوم آید نہ شگفت است … در ماتم طبع طرب افزائے معزی

کر جبرت درہائے یتیمش چو یتیماں … بہ نشستہ عطارد بعزائے معزی

امیر معزی کا خاص خاص کلام انگریزی میں بھی ترجمہ ہوکر چھپ گیا ہے۔ اب ہم وہ قصائد لکھتے ہیں جو صرف خواجہ نظام الملک کی مدح میں ہیں اور جن کا لکھنا اس کتاب میں نہایت ضروری ہے۔

---

[1] تذکرہ دولت شاہ۔ [2] مجمع الفصحا صفحہ ۵۰ جلد اول اور جملہ قصائد اسی تذکرے سے منقول ہیں۔

قصائد امیر معزی در مدح خواجہ نظام الملک

شداست باغ پر از رشتہ ہائے در خوش آب — شداست راغ[1] پر از تودہائے عنبر ناب

بباغ و راغ گر ابر و باد۔ داد ستند — بتودہ عنبر ناب و برشتہ در خوش آب

چمن شداست چو محراب و عندلیب ہمی — زبور خواند، داؤد وار در محراب

ہوا ز ابر چو پوشید جوشن رخشاں — ز عکس خویش گماں کرد مہر روشن تاب

ز غنچۂ گل و از شاخ بید، بادِ صبا — ز مردیں پیگان کرد بسّدیں[2] نشاب[3]

میانِ سبزہ نگر برگ لالۂ نعماں — میانِ لالۂ نعماں نگر سرشک سحاب

یکے چنانکہ بزنگار برزنی شنگرف — یکے چنانکہ بہ شنگرف برزنی سیماب

سرشک ابر و گلاب و شگوفہ کافور است — چو صندل است بجستہ و بغدیر[4] اندر آب

ہنوز ناشدہ طبع جہاں بغایت گرم — معالجتش بکافور و صندل است و گلاب

ہمی شود مطر[6] اندر تراب[7] مروارید — بفعل و طبع گر چوں صدف شدہ است تراب

ہمی زسیل بہارے شود سراب چو بحر — چنانکہ بحر شود پیش جود خواجہ سراب

بزرگوار وزیری کہ دست ہمت او — زروئے دولت و اقبال برگرفت نقاب

شہاب[8] ہست بلون و بشکل چوں قلمش — فلک بقوتِ آں دیو راز ند بشہاب[9]

اگرچہ پست کند کوہ پیل مست بہ نیشک[10] — دگرچہ ریزہ کند سنگ شیر شرزہ بناب[11]

نہ با عداوت او پیل مست دارد زور — نہ با سیاست او شیر شرزہ[12] آرد تاب

ایا گزیدہ چو طاعت بروزگار مشیب[13] — ایا ستودہ چو نعمت بروزگار شباب

کسے کہ او بہمہ تو لہا بود صدیق — اگر بہ نقضِ تو یک دم زند شود کذّاب

شود با من تو آہو برہ، ندیم ہژبر — شود بفر تو تیہو بچہ، قرینِ عقاب

---

[1] صحرا [2] منسوب بمرجان [3] تیر۔ [4] تالاب خورد [5] باران [6] خاک [7] رنگ سرخ [8] شعلۂ آتش [9] سامنے کے بڑے دانت جس کو ہندی میں کچلی کہتے ہیں [10] دنداں [11] خشمناک [12] عالم پیری۔

نمبر ۲

زبسکہ ماند دل و چشم من در آتش و آب — کشاد در دل و در چشم من در آتش و آب
چرا دو عارض و چشم مرا مرصع کرد — اگر بصنع نگشته است زرگر آتش و آب
دلم ز دلبر چون شاد و خوش بود که بود — نصیب چشم و دل من ز دلبر آتش و آب
اگر بشوید سر زلف را و خشک کند — شود ز زلفش پُر مشک و عنبر آتش و آب
نویسم ار صفتِ هجر او بدفتر بر — بگیرد از صفتش روے دفتر آتش و آب
گر اشک و آه هم پیدا شود بگیرد پاک — ز چشم و از دلِ من هفت کشور آتش و آب
همیشه از دل و از چشم من برشک درند — بقعر هاویه[1] و حوضِ کوثر آتش و آب
ترسم از دم و آهم که سرد و خشک شوند — چو بر خلیل و کلیمِ پیمبر آتش و آب
ز خشم و طبعِ تو بردند مادہ و مایہ — چہ بر اثیر[2] و چہ در بحر اخضر آتش و آب
حسودِ دشمنِ ملکِ ترا بسرد و بسوخت — بغرق و حرق از آن شد دلاور آتش و آب
حکایت از دل و چشم مخالفِ تو کند — همیشه زین جهد از برق و تندر[3] آتش و آب
چہ جوهر است حسامِ تو کاندرو دائم — عیان ستارہ و دُر است مضمر آتش و آب
شهاب شکل و فلک صورت و مجرّہ[4] صفت — برخ زبرجد[5] و مینا بہ پیکر آتش و آب
ز آب و گوهرش آتش جدا نداند شد — تو جمع دیدئی؟ در هیچ گوهر آتش و آب
همیشه کینه کش و ملک پرور است که دید — که کینه کش بود و ملک پرور آتش و آب

نمبر ۳

عشق آن سنگینِ دل سیمین بر زرین کمر — سنگِ من برد و سرشکم سیم کرد و روے زرد
گر نسوزد زلف و نگدازد دلش دارم عجب — زانکہ بر آتش بسوزد مشک و بگدازد شکر
نسبتے دارد هما نا زلفِ او با چشم من — بیعتے رفتہ است گوئی هر دو را با یکدگر
زلف او در شد بتاب و چشم من در شد بآب — چشم من کم کرد خواب و زلف او کم کرد سر
چشم من غواص شد تا زلف او شد باغبان — زلف او طرارہ است لیکن چشم من زو طرفہ تر

---

[1] دوزخ کا اخیر درجہ [2] کرۂ نار [3] بانگ رعد یعنی گرج [4] کہکشاں [5] ایک قسم کا زمرد

زلف او شمشاد تر۔ بیروں کشید ست از سمن — چشم من زآتش برآورد ست مروارید تر
تا ندیدم تیر مژگانش، ندانستم کہ ہست — تیر عشق و تیر ہجرش در دل و جان کارگر
زیں دو تیر کارگر پیوستہ باشد بیگزند — ہر کہ از جاہ وزیر داد گر سازد سپر
گر ہمائے ہمتش روزے کشاید پر و بال — شرق گیرد زیر بال و غرب گیرد زیر پر
ہر کہ بیند روز بخشیدن مبارک دست او — بحر زریں موج بیند ابر یاقوتیں مطر

نمبر ۴

کنونکہ خور[1] بہ ترازو[2] رسید و آمد تیر[3] — شدند راست شب و روز چوں تمام تو تیر
بکوہ سونش[4] سیم و بباغ زر تودہ است — چو روئے آینہ روشن شد است روئے غدیر[5]
مگر کہ عاشق زارند لعبتان چمن — کہ پشت شاں چو کماں است و روئے شاں چو زریر[6]
زفر و زیب تہی شد بسان ربع[7] و طلل[8] — ہماں چمن کہ چو بت خانہ بود پر تصویر
گمان برم کہ گلستان گناہ آدم کرد — کہ شد برہنہ چو آدم زجامہائے حریر
بتاکہائے رزان[9] بر بہ بیں کہ دست خزاں — ہزار خوشۂ لولو فروز دہ است بقیر[10]
شد از سپیدی و سرخی بدیع گونۂ سیب — چو رنگ روئے بتی کز قفا خورد تشویر[11]
بصورت و صفت آبی چو گوئے زریں است — برو نشستہ زمیدان شاہ گرد عبیر
کفیدہ نار و درود انہائے سرخ پدید — چو روز رزم دہان مخالفان وزیر
میان غیب و بسان ضمیر روشن او — ستارہ واسطہ گشتہ است آفتاب سفیر
چو گردش فلک است آمن او کہ عالم را — دہد جوانی و پیری و خود نگردد پیر
چو نام او نبود ناتمام باشد مدح — کہ مدح ہم چو نماز است نام او تکبیر
چرا بقول منجم موثر است سپہر — کہ در سپہر کند دولتش ہمی تاثیر
زمیں ز دولت او دید صد ہزار اثر — بزیر اثرے صد ہزار چرخ اثیر

---

[1] آفتاب [2] برج میزان [3] پارسیوں کا چوتھا مہینہ [4] برادہ [5] تالاب وغیرہ جس میں بارش کا پانی جمع ہو [6] ایک زرد رنگ کی گھاس [7] مکان و منزل [8] ویران مکانوں کے نشانات جس کو کھنڈر کہتے ہیں [9] انگور کی ٹہنیاں [10] تیر ایک سیاہ رنگ کا معدنی روغن ہے جو مائل بھرخی ہوتا ہے اور رال سے ایک جداگانہ شے ہے [11] شرمساری

زمہر فردہ فتح و بشارت ظفر شش　　ہمیشہ رنجہ بود پائے پیک دست و بیر
ہمی ز شرق فرستد بسوئے غرب سول　　ہمی ز غرب فرستد بسوئے شرق بشیر
مسیح اگر بدعا جان رفتہ باز آورد　　ہماں کند گہ تو قیع کلک او بصریر
ز سنگ زر کند، اقبال او چرا نکنند　　ز خاک درگہ او کیمیا گراں اکسیر
آیا علوم تو اثبات عقل را معنی　　آیا رسوم تو آیات عدل را تفسیر
ناعتقاد تو گر نسختے برند بہ چیں　　شوند مانویاں[1] دیں پرست و شرع پذیر
اگر پیام تو در خواب بشنود قیصر　　ز جاثلیق[2] جز اسلام نشنود تعبیر
ز فر بخت تو در تاج زیر چنگل باز　　بروں کند ز نشیمن عقاب را بہ صفیر
دگر بود بکف گرگ، بچہ روباہ　　چو بوئے عدل تو یابد ز شیر خواہد شیر
شرف گرفت بتو نامہ و دوات و قلم
چناں کجا بہ شہنشہ حسام و تاج و سریر

نمبر ۵

چناں خواہد شد از خوبی جہاں تا ہفتہ دیگر　　کہ گوئی جنت الفردوس را بکشاد رضواں در
جوانی از پس پیری کنوں خواہد شدن ممکن　　کہ باغ پیر تا ذہ روز خواہد شد جواں ز سر
ز کاشانہ براغ آیند و بنمایند خوباں رخ　　ز پنغولہ بباغ آیند و بکشایند مرغاں پر
سرشک ابر دیبا باف را فد بر زمیں دیبا　　نسیم باد عنبر سوز سوزد در ہوا عنبر
بگرید ہر زمانے ابر ہم چوں دیدہ عاشق　　بخندد ہر زمانے باغ ہم چوں چہرۂ دلبر
چناں کز کوہہ پیلاں بغرد کوس در ہیجا　　ز ابر تیرہ ہر ساعت خروشی در کشد تندر
نماید خویشتن قوس قزح چوں چنبر گیتی　　کہ باشد زمیں پنہاں شدہ یک نیمہ زاں چنبر
چو پوشیدہ تنہ پیراہن کہ ہر یک[3] بود پیدا　　بن و دامن یکے احمر یکے اصفر یکے اخضر
بدست باغباناں از بنفشہ دستہا بینی　　چو چینی قرطہ کان قرطہ دار در رنگ نیلوفر

---

[1] مذہب مانی کے پیرو [2] عیسائیوں کا مذہبی پیشوا جو بلاد اسلام میں رہتا ہے اور بطریق کا ماتحت ہوتا ہے۔ از فرائد اللغۃ۔

[3] سیف الدولہ کا یہ شعر خاص توجہ کے لائق ہے سہ یطرزہا قوس السحاب باصفر علی احمر فی اخضر تحت ابیض ۔ دیکھو ابن خلکان صفحہ ۳۶ جلد اول

دیا از بانوے نازک بدندان کاہ گیری
شود چوں نیل وانہ نداں اثر ماند ہمی ماند

ز بہر دیدن گلزار مہر دیدہ بگشا ید
سرشک ابر نوروزی چکد در دیدۂ مہر

چو از مینا یکے ساعد ز سیم پاک انگشتاں
بکف بر ساغر زرین و مرواریدشاں زبر

کنوں ہر ساعت اندر باغ قوم عاشقان بینی
زبر جدشان بزیر پائے و مرواریدشاں از بر

یکے با نالہ و زاری ز ہجر ماہ سنگیں دل
یکے با نعرہ و شادی ز وصل سرو سیمیں بر

بکوہ از لالہ کبکاں را شود شنگرف گوں بالیں
بدشت از سبزہ گوراں را شود زنگار گوں بستر

گہ از بیم غلامانت، تبہ شد خانہ بر خاقاں
گہ از سہم سوارانت، سیہ شد قصر بر قیصر

جواں و پیر پوسیدند، توقیعت بہر بقعہ
بزرگ و خرد پوشیدند تشریفت بہر کشور

کنوں آشفتہ شد گیتی، گزیدی طاعت و عزلت
کہ عزلت نہ قیل و قال، طاعت نہ شور و شر

سلامت بہ بہر حالی، چو غداری کند گردوں
فراغت بہ ز ہر کاری، چو بدکاری کند اختر

نہ دیدم در ہمہ گیتی ز کاخت خوبتر کاخی
کہ ہم عیوق را تخت است و ہم خورشید را منظر

بلندی کز بلندی ہست بامش بر سر جوزا
بزرگی کز بزرگی ہست بومش بر خط محور

کشیدستند در سقفش تو گوئی جامۂ دیبا
فگندستند در صحنش تو گوئی تختۂ مرمر

بہارے را ہمی ماند، ریاحینش ہمہ صورت
بہشتی را ہمی ماند، درختانش ہمہ پیکر

نمبر ۶

تا طیلسان[1] سبز برافگند جویبار
دیبائے ہفت رنگ بپوشید کوہسار

آں ہم چو گنج خانۂ قاروں شد از گہر
ویں ہم چو نقش خانۂ مانی شد از نگار

از ژالہ لالہ را ہمہ دُر است در دہن
وز لالہ سبزہ را ہمہ لعل ست در کنار

چوں بر کنار سبزہ بود لعل قیمتی
اندر دہان لالہ سزد دُرِ شاہوار

چرخ ستارہ بار شدا ست از نسیم باد
در ہر چمن کہ ہست درختی شگوفہ دار

نشگفت اگر ز غلغل بلبل قیامت است
باشد بہم قیامت و چرخ ستارہ بار

خورشید شد بلند و زد ریا بفعل خویش
در ساعتے ہمی بہوا بر کشد بخار

---

[1] ایک سرخ رنگ ستارہ ہے جو کاہکشاں کی داہنی جانب اور ثریا کے آگے رہتا ہے [2] چادر

گاہی ازاں بخار فلک را کند حجاب | گاہی ازاں حجاب زمیں را کند نثار
در ہمتش ہمی نرسد گردشِ فلک | گوئی فلک پیادہ شد و ہمتش سوار
ماند بنار خشمش و ماند بخاک حلم | اندر یکے تحرک و اندر یکے قرار
جاں در تعجب و خرد اندر تفکر است | تا خاک را چگونہ مسخر شد است نار

نمبر ۲

ہماں بہ است کہ امروز خوش خوریم جہاں | کہ دی گذشت و زفردا پدید نیست نشاں
در انتظار بہار و خزاں مباش کہ ہست | خزاں عدوئے بہار و بہار خصم خزاں
مگر خزاں بزراں، تو شربتے بنہاد | کہ ہست در ہمہ عالم مباح خونِ رزاں
مگر کہ در شب دی ماہ بادہ خوار زمی | عسس شدہ است کہ کرد است باغ را عریاں
زبرف ریزہ چو سوہاں شدہ است روئے غدیر | زیخ شدہ است رُخ آبگیر چوں سنداں
زماں مگر کہ بہ آہنگری برون آمد | کہ آب کرد چو سنداں و برف چوں سوہاں
چہ باک ازیں کہ جہاں سرگشت و ناخوش شد | کہ خانہ گرم و مُغنّی خوش است و بادہ جواں
گر از بنفشہ و لالہ زمیں و باغ تہی است | ز ہر دو ہست بکل زلف و چہرۂ جاناں
چو زلف و چہرۂ او ہست بیہدہ چہ خوریم | غم بنفشۂ سیراب و لالۂ نعماں
بماہ دی زخم زلف و رنگِ چہرۂ او | بنفشہ زار پدید آوریم و لالہ ستاں
دو گوہر است دریں وقت شرط مجلس ما | قنینہ معدن این و تنورہ مسکن آں
یکے چو آب زر اندر میان جام قدح | یکے چو برگ گل اندر میان آتشداں
بدیں دو گوہر روشن شب زمستاں را | چناں کنیم کہ ماند بروز تابستاں
چو ابر بر سرِ ما از ہوا فشاند سیم | کنیم بر سرِ و از تنورہ زر افشاں
چو مطربان سر انگشت را کنند سبک | بیاد خواجہ بکف بر نہیم رطل گراں
نظام دیں و در ملکت ملک سنجر | قوام دین و در ملکت ملکِ سلطاں
خدائے داد زشش چیز مر ترا شش چیز | کہ عمر مرد بہر شش بماند آباداں
کف از شراب و لب از خندہ و بر از معشوق | دل از نشاط و تن از ناز و خانہ از مہماں

نمبر ۳

زباغ و راغ بآسیب لشکر تشرین[1] — گرفت راہ نہمت سپاہ فرودین[2]
گرفت گونہ دینار دشت مینا رنگ — نہادہ تو دہ کافور کوہ مشک آگیں
چو پوشد بھوا ابر خیال اہرمن — نہفتہ شد نہ ہیں در نگاہ حورالعین
نہ باغ را خبر است از بنفشہ و سوسن — نہ راغ را اثر است از شقائق و نسرین
نہ ہست لالہ کوہی پلنگ را بستر — نہ ہست سوسن حمری تذرو را بالیں
اگرچہ فصل بہار از خزاں بہ است کہ دہر — ہمہ شگفتہ ازاں گردد و کشفتہ[3] ازیں
من از خزاں بہ یکے چیز شاکرم کہ خزاں — زبان ہائے درختاں ہمی کند زریں
ز بہر آنکہ درختاں بداں زباں خوانند — بجشن مہر مدیح وزیر شاہ زمیں
نظام ملک وزیر خلیفہ شمس کفات — غیاث دولت و صدر اجل قوام الدین

(۲) حکیم لامعی ملقب بہ بحر المعانی

یہ نامور شاعر جرجان کا باشندہ تھا۔ ابتدائے حال میں وطن سے خراساں آیا۔ اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہ کر علوم و فنون میں کمال حاصل کیا۔ اور امام صاحب کے فیض صحبت اور برکت سے بے انتہا علمی فوائد حاصل کئے۔ اپنے زمانہ کا نامور شاعر ہے تذکروں میں حالات بہت کم ملتے ہیں اور بجز تخلص کے یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ حضرت کا نام کیا تھا؟ ایک قطعہ خواجہ عمید سمرقندی کو لکھا ہے اس کے بعض اشعار سے نسب نامہ کا سلسلہ اس طرح پر معلوم ہوتا ہے۔

جد من ہست سماعیل و محمد پدرم — بوالحسن ابن سلیمان را داماد من
مر مرا ہست اسد طالع وازمادر خویش — روز آدینہ، بماہ رمضاں زادم من

کہتا ہے کہ محمد کا بیٹا اور اسماعیل کا پوتا اور ابوالحسن ابن سلیمان کا داماد ہوں۔ اصطلاح نجوم

---

[1] رومی مہینہ کا نام ہے جس کا زمانہ کاتک کے قریب ہوتا ہے۔ [2] پارسیوں کا پہلا مہینہ ہے [3] پژمردہ۔

[4] انتخاب از آذرکدہ، مجمع الفصحا، مختصر دیوان حکیم لامعی مطبوعہ بمبئی۔ افسوس ہے کہ یہ نسخہ نہایت غلط تھا اور کوئی صحیح نسخہ نہیں مل سکا اس وجہ سے اکثر اشعار چھوڑ دیئے گئے ہیں اور بعض صحت طلب ہیں۔

کی رو سے میرا طالع اسد ہے۔ اور ماہ رمضان یوم جمعہ میری ولادت ہوتی ہے، مگر افسوس ہے کہ سنہ ولادت نہ لکھا۔ تمام تذکرہ نویسوں نے لامعی کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے۔ حاجی لطف علی بیگ آذر صاحب آتشکدہ فرماتے ہیں "الحق بسیار طبع خوشی داشتہ" آذر کا یہ مختصر فقرہ نہایت قیمتی ہے اور لامعی کے کلام دلکش نے آذر کو خوب ہی گرما دیا ہے۔ جب اس قدر تعریف کی ہے۔ ورنہ ان کی نسبت بھی یہی ارشاد ہوتا کہ "بد نہ گفتہ است" سلطان سنجر کے زمانہ میں بمقام سمرقند انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی، وزیر ابو نصر کندری، اور خواجہ نظام الملک کی مدح میں جو قصائد لکھے ہیں وہ یادگار ہیں۔ صاحب مجمع الفصحا نے لکھا ہے کہ لامعی حسب ذیل شعرا کا ہم عصر رہا ہے۔

امیر برہانی، سوزنی سمرقندی، جمالی، عمعق بخاری، رشیدی، روحی سمرقندی، شمس یم کش عدنانی۔

قصائد لامعی در مدح خواجہ نظام الملک

کنم چرا نکنم روز و شب گلہ ز فراق
فراق کرد مرا زاں نگار دلبر طاق

فراق کرد مرا دور از آں منور ماہ
کہ ہست ماہ دو ہفتہ بنور او مشتاق

از و وصال چرا بے فراق دارم طمع
گہے وصال بدارم امید و گاہ فراق

کہ روئے آں بت ماہ است ماہ تاباں[1]
بآسماں برگہ روشنی است گاہ محاق

دلم بہ ابروے او فتنہ گشت و طرۂ او
کہ آں ز مشک[2] افسرت دیں ز غالیہ طاق

براں رواق و براں طاق نقش ہائے بدیع
بود نکوتر با نقش و رنگ طاق و رواق

مراست بستہ بشکوں دو بند عارض او
اناں دو بند مرآں ماہ را مباد اطلاق

کزاں دو بند گر اطلاق یابد آں سر نو
ز عشوہ کہ دہ جفت را دہند طلاق

کنند خلق براو جان و دل ہمہ نفقہ
در اوفتادہ ز بازار او بشغل نفاق

فگند عشق وے اندر دل من بآتش گشت
ز لف آتش دل پوست بر تنم محراق

---

[1] چاند کا گھٹنا۔ اور آخیر مہینہ کے تین دن جس میں چاند چھپ جاتا ہے [2] ایک مرکب خوشبو کا نام ہے [3] رہا ہونا۔ چھوٹنا۔

پۂف آتش اگر باشد آتشِ اندر دل ‏ دل وے ازدلِ من بجیں دارد احتراق

مگر وگر دخلاف بلاے ہمیشہ عادت تو ‏ خلاف کردن عہد وشکستن میثاق

بیار بادہ کہ آورد باد بوے بہار ‏ اَدِرْ عَلَیْنَا کاسًا عَلَی التَّمَآءِ دِہَاق

ہماں معدّلِ معروف کاں بشخص اندر ‏ کہ بادہ خواراں را خانند پیش دشاق

کنون چو بادِ صبا خیزدا زنشاط وکند ‏ ببادہ مزمزہ ہر بامداد واستنشاق

ہمی بخند د بادہ ہمے بگرید ابر ‏ چو روے معشوق این وآں چو دیدہ عشاق

مگر بگردن او برشدہ است مخنقہ تنگ ‏ کہ وقت دمت بحلق اندرافتدش خناق

رُخِ شقائق چوں روے نیکواں کہ شرم ‏ کَاَنَّ حُمْرَتَہٗ اَدْ رَاقِہَا دِمِ مِحْرَاق

درست گوئی ہر موقف از پۓ قرباں ‏ بوندجا بنی اعناق گوسفندوعناق

مگر کہ ہست گل یاسمن زرز دزسیم ‏ کہ ہست زراورا میان سیم اوراق

اگر سیہ عدقہ چشمہاے زرد مژہ ‏ ندیدہ اینک چشمی بدیں صفت واماق

دو چشم خویش براگن بچشم آذرگوں ‏ دریں زمان وبرآماق اوگمار آماق

بچشم برمژہ زرد اگر نکو نہ بود ‏ نکو بود سیہ اندرمیان چشم احداق

چو روز رزم یلان امیر دیں جفت ‏ یکے گرفتہ سپر درکف ویکے محراق

نہادہ گوش کہ یا بند گاہ فتح بواب ‏ زکدخداے خراسان وکدخداے عراق

وزیرِ سلطاں زیں زماں چراغ زمن ‏ ابو علیِ حسن بن علیِ بن اسحاق

لطیف خلق وے وخلقتش موافق خلق ‏ نہ آفریند مخلوق بہ از وخلاق

بود زگیتی مر خلق را بہین شرف آنکہ ‏ موافق آید با خلقت لطیف اخلاق

وزیرِ آں ملکست آنکہ خورد کرد بگذر ‏ سر ہزار نہال تن ھزار ملاق

بہ تیغ تیر نمی کرد میر طغرل فتح ‏ چنانکہ میر الپ ارسلاں بجست حماق

لہ ایک شرعی عہدہ ہے جو دفترِ قضا سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ عہدہ دار ایک رجسٹر رکھتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے تھے علاوہ اس کے اور بھی ذمہ داری کے کام سپرد ہوتے تھے لہ کلی کرنا لہ ناک میں پانی چڑھانا جیسا کہ وضو میں ہوتا ہے لہ گلا دبانا ہے گلو گرفتگی دنام عارضہ لہ ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالنا و بالفتح بمعنی بزغالہ مادہ۔

نسیم خاطر او گر رسد بہ بحر شود — عبیر بوئے درا و زنگ و آب تلخ مذاق
ہر آں کسے کہ بود مشفق آں وزیر براد — نہ ہیچ بہ نبود درجہاں ولی مشتاق
گر سیاست آرد بدید ہیبت او — خشوع در ابصار و خضوع در اعناق
گر سخاوت بر ہر کہ او کشاید دست — کشاید آں را بر آسماں در ارزاق
مخالفان ورا درد ہاں بشرق و بغرب — مَی از نہیب جحیم است انگبیں عناق
موافقاں را در عصر او ز برکت او — درم فزوں تر ہر چند بیشتر انفاق
نہ بیم قسمت جور و نہ خوف نزل نزول — نہ بیم ہیبت افلاس خشیت املاق
برند گفتن لغت وے و نوشتن او — بفرقداں ز شرف فرق ساغر وراق
زکس نہ رزق فرو شد وے و نہ رزق خرد — ہگرز بر بخورد زو مشعبد و زراق
ز عشر یک صدقہ زائراں از و گیرند — ہزار زن چو سہا دخت رز دہند طلاق
اگرچہ دشمن او ہست سال و ماہ شقی — شقی تر آنکہ از و در دلش نفاق و شقاق
اگر نہد طبق و خواں سرائے ہمت خویش — سپہر باید خواں دستارگاں اطباق
زمین مشرق و مغرب سپرد خواہد ہر — بداں عنایت او زہر چرخ را تریاق
دریں ببیند نا دیدہ ہیچ کس سیمرغ — دریں ببیند نادیدہ، ہیچ کس وتواق
برتو لامعی اے نامور وزیر آمد — چو نزد احمد کعب و چو نزد کعب اسحاق
رواں ز شادی ہم چوں شناوری کہ رود — در آب دجلہ ز باب الاثنغ بباب الطاق
ز دودہ تا فتنش اسپ را قوایم و کعب — چو ساقیاں را ہنگام خواب مستاں ساق
شود کہ بہ نبود ز درگاہ مدح و صلہ — زحلق شاعرت و شعر قائم الاعناق
خزینہ تو زا یلاق باد تا بغداد — رسجار و مصر سپاہ تر اسرا وثاق
بزی بشادی تا در میان خلق بود — سرو بن ہمہ سوگند باطلاق و عتاق

زمانہ کردہ ترا ہم چو تو مرا یزد را
ہزار حمد و ثنا "بالعشی والاشراق"

لہ عنا مرثہ ایک پتھر کا نام ہے جس کی سیاہی سرخی مائل ہوتی ہے تلہ سینگ تلہ جنگ و جدل ھہ بغداد کے مشہور محلوں کا نام ہے

(باقی آئندہ)

نمبر ۲

چوں از ملک گرفت نہضت سپاہ چیں	آورد شاہ زنگ بروں لشکر از کمیں
یک قوم راز تارک برداشتند تاج	یک قوم را جواہر لبستند برجبیں
گم گشت روشنی و فزوں گشت تیرگی	بر سام، حام چیرہ شد و دیو برامیں
اندود چہرہ گفتی طیں را بنار بر	آں کو بہ جہل گفت بود نار بہ ز طیں
مہر از چہار میں فلک اندر فتاد پست	سست و ضعیف گشتہ بہ پایئے ہفتمیں
گوئی کنند خلق بخاکستر اندروں	امشب ز بہر فردا آتش ہمی دفیں
از شخص دیو چشم دلیراں پُر از خیال	وز بانگ غول گوش ستر گاں پُر از طنیں
مارند اسطقسات گفتی ہمہ سیاہ	دیوند آخشیجاں گفتی ہمہ لعیں
کردم سوئے زمیں و سوئے آسماں نگاہ	تا گردم مگر صفت ہر دو آں یقیں
بود آسماں چو حلقہ انگشتریں بوصف	ماندہ نگیں صفت بمیانش اندروں زمیں
پیروزہ رنگ حلقہ انگشتری کہ دید	کاندر میان او ز خماہن بود نگیں
زانگونہ گونہ صور نجم آمد ہمی شگفت	کافروز دار بعین عدد ش خمس اربعین
گاو ایستادہ کاخ زمرد در امکاں	شیر ایستادہ قبہ مینا ور اعریں
نہ جائے آنکہ گاو زند شیر را سروں	نہ بیم آنکہ شیر گزد گاو را سُریں
چوں موئے حور عین شب و ماہ تو اندرو	چوں موئے بند زریں بر موئے حور عین
پروین زحد شام و سہیل از حد یمن	ایں روئے کردہ سوئے آں آں زو بجے ایں
سیمیں قنینہ شامی بگرفتہ در شمال	زریں قدح یمانی بگرفتہ در یمیں
خواہند خورد گفتی ہر دو بہم شراب	گر آسماں کنند شاں یک بارگی قریں
گرداں بنات نعش ہمہ شب بر آسماں	چوں در شدہ سوار نباشا ورد و در کمیں

بقیہ صفحہ ۳۶۳ = ملہ ایلاق بلاد ماوراء النہر کا ایک مشہور شہر جو فرغانہ کے قریب تھا اور اسی نام کا ایک پرگنہ نواح نیشاپور میں تھا۔ ۳ ایک قریہ کا نام ہے جو بخارا سے ۱۲ کوس پر واقع تھا۔

۱ عناصر۔ ۲ ایک پتھر کا نام ہے جس کی سیاہی سرخی مائل ہوتی ہے ۳ سینگ ۴ جنگ و جدل۔

چوں کرد و اژ گرد فلک زیں او براسپ — من خواستم لگام و نہادم بر اسپ زیں

آمد بر من آنکہ نہ بیند کس و ندید — سروے چنیں بطرازِ و بعستی چنیں

از زلف برده چین و فگنده بر ابرواں — زاں پیشتر کہ بود درزلف کانش چین

گہ لام را گسست ہمی از بر الف — گہ میم را بخست کرانہ ہمے بسیں

چوں ابر گشتہ دیدہ و برابر برشدہ — از غم مرا خروشِ نگارِ مرا انین

من چوں بماہ تشریں یک رشتہ زعفراں — او چوں بماہ نیساں یک دستہ یاسمیں

گشتیم دور عاقبت ازیک دگر بدرد — مر ہر دو را دریدہ گریبان و آستیں

او رفت سوئے روضہ و من سوئے بادیہ — او در بلائے فرقت و من در عنائے حیں

پشت بلند کوہی کردم مکان خویش — کاید گہ سبق چو زکوہ بلند ہین

چوں برشدم بہ پشتش گفتی ز بہر موج — ہین را خدائے گفت برو بر شتاب ہین

دشت از درندہ شیراں چوں روزِ عید بخر — از گو سفند و گاؤ بباز ار و پار کیں

من ہم چو از دہان خداوند صولجاں — جستہ گہ شکار خداوند پوستیں

رہ گرچہ دُور بود و کمرہاش بیمناک — شخ گرچہ خشک بود ثمرہاش ہمگیں

یک دست من ہنوز بہ چیں چید گل ہیں — واں دستِ دیگرم ببین بود لالہ چیں

نفریں دوست ناشده از گوش من ہنوز — کامد ز قصرِ خواجہ بگوشِ من آفریں

فخر علا وزیر شہنشاہ بوعلی
حسن ہدی حسن رضی میر مومنیں

نمبر ۳

آمد کشادہ روئے بر من نگار من — چوں مرمرا بہ دیدہ گسستہ دل از وطن

بستہ زخندہ لب بگرستن کشادہ چشم — اَبرو زدرد پُر گرہ و زلف پُر شکن

دو پائے رقص کن، بگل اندر زآب چشم — زو دستِ زو دزن زعنا گشتہ روے زن

لہ ترکستان کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کا سرو اور حسن مشہور ہے ۲ نالہ و فریاد ۳ سیلاب ۴ یعنی این و آنک ۵ بطور تاکید کے ہے یعنی زود باش ۶ مبالغی ۷ ایک ساز کا نام ہے۔

پوشیدہ من صلاح و نہادہ بلاے نہیں چون کردگارہ کین و عیب گا رداشتن
بکشا دچون بدید بد انشان مرا زبان بر من بگفتنی و نہا گفتنی سخن
گفت آن وفا نمودن تو بود سر بسر زرق و دروغ و مکر و فریب فسون و فن
برداشتی دل از من و بگذاشتی مرا بر تو دل من ایدون ہرگز نبست ظن
زین روے چون شقائق و بالاے ہم چو سرو زین موے چون بنفشہ واندام چون سمن
یک روز چون شکیبی و چون باشدلے شگفت عیش ترا حلاوت و چشم ترا وسن
اے در خلل زچیست ترا و گلہ ز کیست از شہر یا ز خانہ زمن یا ز خویشتن
بر راحت حضر چہ گزینی ہمی سفر بر شادی طرب چہ گزینی ہمی حزن
گفتم کہ پیش ازین مخروش و مبار اشک روآستین بہ چشم نہ دوست بر دہن
ہست این ہمہ و لیکن بے طلعت وزیر ہر شادی بود غم و ہر راحتے محن
جستم رہ فراق و زدم بانگ بر براق برگشتم از قرین و کشیدم سر از قرن
پیش آمدم چو ہاویہ بر سہم وادی موزہ شگاف خارش و خاکش قدم شکن
نے مرغ نے فرشتہ نہ وحش و نہ آدمی نے رستم و نے دیار نہ اطلال و نے دمن
در دیولاخہاش بد انسان خروش دیو کامد بگوش گاہ رعی نغمہ زغن
بے آب وادی من و اسپم از عراق غرق اندر آب چون بشط و دجلہ بر شطن
غول اندر و قدم ننہد در نہد بود در ماندہ تر ز مورچہ لنگ در لگن
راہی چنان دراز و شبی تیرہ و سیاہ کردہ فرشتہ یلہ گیتی بہ اہرمن
انجم بر آسمان چو بہ مجلس شب شدہ با آتش و چراغ زدہ صف صد انجمن
پروین درو چو ماہی سیم اندر آب گیر بر سینہ ہفت دانہ در از دُر پُر ثمن
تیر آتشین فگندہ سوئے مہ ہمی شہاب سیمین کشیدہ ماہ بر و اندرون محن
آن خورد بے شمار ستارہ بر آسمان ہر یک بشکل لولوء بر تیغ و بر سفن
یا حلقہاے سیمین بر سفرۂ کبود یا در بنفشہ زار پراگندہ نسترن

---

۱ خواب ۲ ہم نشیں ۳ ہمسر ۴ نشان ۵ شط العرب مشہور دریا کا نام ہے۔

کانون فلک شب انگشت آتش ستارگاں　　سفرین، دو مرغ بریاں، بر توکلے بسفنن[1]
گردوں چو کشت زار و مجرہ دو جنانک　　درکشت زارہا ز پئے کاروان بہمن
وقت سحر بہ قطب فلک بر بنات نعش　　چون ناقہ کشفتہ در اگلستان عطن
گردان برآں مثال کہ بر کاندآسیا　　آرند کودکاں سوئے بالا ز بادخن
ہم رنگ شب بزیر من اندر یکے غراب　　مہتر ز زندہ پیل و قوی تر ز کرگدن
تارح تر از غراب و دلاور تر از عقاب[2]　　ہشیار تر ز عقعق چابک تر از زغن
غرشنگاد دم دگاو سرین و غزال چشم　　پیل زراقہ گردن و گور ہیون بدن
مخروط ساعدے کہ نیابی در و عوج[3]　　آگندہ پہلوئے کہ نہ بینی در و عکن[4]
پروردہ در حجاز مرا در اعرب بناز　　بودہ ہرا و چو والی و اصل مفتتن
عذرا بدامن از قدم او فشاندہ گرد　　لیلی بآستینش زدودہ لب از لجن
بستہ چناں میاں کہ گرِ کا رنار مرد　　در بر فگندہ موئے چوگا و عتاب زن
گفتم ہمی بلا بہ فلک را زماں زماں　　لا تدفع ابن عاث یمشی علی مفن
براسپ من دمان و دماں زیر من براسپ　　ہر دو جہان و نازاں چوں سرو در چمن
گفتی ورا سعادت کو ید ہمی بدو　　گوئی مرا بشارت گفتی ہمی بدن
پشتم سوئے خراساں رو ئم سوئے عراق　　سوئے شمال شام و یمینم سوئے یمن
اُمید آنکہ بخت نما ید بمن نگر　　صدر وزیر شاہِ جہاں بو علی حسن
خورشید روزگار ستودہ نظام ملک　　زینِ زمیں جمال جہاں زینتِ زمن

سالارِ مسلمیں رضی میر مومنیں
بحماً اِذَا تَحَرَّكَ طَوْدٌ اِذَا سَكَنْ

نمبر ۴

شاعراں بر تو ہمی خوانند ہر دم آفریں　　گہ بالفاظ حجازی گہ بالفاظ دری
بر تو مداح تو چوں مدح تو خواند از نشاط　　راست پنداری کہ ہر موئے زبانِ شجری

---

[1] سیخ جس پر کباب بھونتے ہیں [2] سرا گامے [3] اسپ و شتر کی کجی [4] شکن جو موٹاپے سے پیٹ میں پڑ جاتی ہے۔

از عدم گوئی بدیں کار آمدست اندر جہد | تا گہی در بساط حکیک نامی گستری
پیروی دائم سعادت را ہمی فرزند وار | بے عدو بروئے تہنیت کردہ زیرجفری
اے مبارک تربفال از مشتری دیدار تو | زو مبارک تربفالے ہم از و عالی تری
ہم چناں کا ید از و تاثیر و ہست او بفلک | بر فلک ہست از تو تاثیر و تو ما باید شمی
بر یکے حالے تو و حال جہاں گردد ہمی | خود بذات خویش پنداری جہانِ دیگری
اینک آئین جہاں گیرد ہمی دیگر نہاد | زاں ہمی خواہند یاراں خلعتِ شہرآوری
کرد برپا از زبر جد باز در گلزار ہا | کسروی ایوانہا و قصر ہائے قیصری
زیر آں ایوانہا ۔گستردہ شادروان | از حریر لعلگوں و آسماں گوں عبقری
اندراں پیروزہ گوں ایواں بہ سبزی ہمچو شیں | باندیاں و خرمنداں سزد گرمی خوری
از کف سنگین دل سیمین بر یاقوت لب | رُخ چو کشمیری بت و بالا چو سرو کشمری
زاں می روشن کہ بینی پیکر خویش اندراں | چوں ستانی از کف ساقی ولب کردے بری

باز نشناسی از یں ہر دو کدامیست حال
در یمین تست ساغر یا تو اندر ساغری

(۴۳) شمس الدین محمد معروف بخالد خلف مویّد حدّاد

شعرائے عراق کے حالات میں مصنف آتشکدے نے شمس الدین کا مختصر طور پر ان الفاظ میں ذکر کیا ہے "از منسوبان خواجہ نظام الملک واز ندماء سلطان سنجر سلجوقی بودہ" اس کا کلام نایاب ہے ۔صرف ایک رباعی مشہور ہے وہ لکھی جاتی ہے ۔

بر جہت درد پائے نظام الملک ایں رباعی گفتہ

گر درد کند پائے فلک فرسایت | سر پیست دراں عرضہ کنم بر رایت
چوں از سرِ دشمنت بجاں آمدہ درد | آمدہ تتظلم کہ فتد در پایت

لہ خرچ ۔ ؎ بعضی ایں جا واکنوں ؎ آتشکدہ آذر صفحہ ۱۷۴

(۴) معینُ الدّین طنطرانی

ملک الکلام معین الدین طنطرانی نہایت نامور علما سے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ میں عرصہ تک مدرّس رہے ہیں اور اُن کے فضل وکمال کی یہ سب سے بڑی شہادت ہے۔ شاعری ان کے کمالات کا ایک ادنیٰ درجہ ہے۔ خواجہ نظام الملک کی مدح میں قصیدہ ذوقافیتین بزبان عربی لکھا ہے جو صنائع وبدائع کا مجموعہ[۱] ہے۔ اور کلام کا بڑا حصّہ عربی میں ہے۔ جس کے انتخاب کا اُردو کتاب میں موقع نہیں ہے۔

(۵) سیّد شریف نظام الدّین المعروف بابن الہبّاریہ

سید شریف ابویعلی محمد بن صالح العباسی الہاشمی المعروف بابن الباریہ ملقب بہ نظام الدین، شعرائے بغداد میں نہایت نامور شاعر ہے۔ قاضی ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں۔ "کان شاعراً مجیداً احسن المقاصد لکنہ خبیث اللسان"۔

سید شریف کے فضل وکمال کے سب معترف ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ سیّد کی بدزبانی اور ہجو گوئی سے مورخوں کے قلم ان کی تعریف لکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کا قول ہے کہ سید شریف کی شعروشاعری میں ہجو، ہزل اور کم ظرفی کے خیالات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

سید شریف اپنے زمانے کے مرزا رفیع (سودا) تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس کی سیّد نے ہجو نہ کی ہو۔ اس طرز کلام سے ثابت ہے کہ سیّد کے مزاج میں ظرافت کا بڑا مادہ تھا۔ طبیعت کی شگفتگی ہجو گوئی پر مجبور کرتی تھی اور بلا خیال کسی کی ناراضگی یا ملامت کے سیّد کے قلم سے ہجو کے اشعار نکلتے تھے اس سے زیادہ شوخی اور کیا ہوگی کہ اپنے محسن خواجہ نظام[۲] الملک کی ہجو میں بھی دو چار شعر لکھ ڈالے ہیں۔ لیکن شاعری کے اس حصّہ کو چھوڑ کر جب دیگر اصناف کلام پر نظر کی جاتی ہے تو وہ بھی قابل تعریف وتحسین ہے۔ کتاب الخریدہ (عماد کاتب) ابن خلکان اور عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں منتخب کلام درج ہے۔

سید شریف خواجہ نظام الملک کا وظیفہ خوار تھا۔ اور ہمیشہ انعام پایا کرتا تھا۔ چنانچہ سید شریف

[۱] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۱۶ [۲] خواجہ کے عام اخلاق وعادات کے حالات میں یہ ہجو کے اشعار درج ہیں۔

کا قول ہے کہ "میں اپنے گھر کی جس چیز کو دیکھتا ہوں وہ خواجہ کی عطیہ نظر آتی ہے"۔

تصنیفات میں نتائج الفطنۃ فی نظم کلیلۃ ودمنۃ اور دوسری کتاب الصادح والباغم بطرز کلیلہ دمنہ مشہور ہے۔ یہ دوسری کتاب دس برس میں تصنیف ہوئی ہے اس میں ایک ہزار اشعار ہیں۔ اور اعلیٰ درجہ کی تصنیف[1] ہے۔ بمقام کرمان ۵۰۴ھ میں انتقال کیا۔ اور وہیں دفن ہوا[2]۔

(۶) قاضی شمس الدین طبسی

قاضی[3] صاحب مشاہیر علمائے خراسان سے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کی مدح میں قاضی صاحب کے قصائد مشہور ہیں۔ تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

ان شعراء کے علاوہ ایک کثیر تعداد اُن مشاہیر شعراء کی ہے جو مدرسہ نظامیہ وغیرہ کی مختلف خدمات پر مامور تھے۔ اور اوقات فرصت میں دربار خواجہ میں حاضر ہوا کرتے تھے اور بعض ایسے ہیں کہ جنھوں نے خواجہ کے حضور میں آن کر قصیدہ پڑھا اور رخصت ہو گئے۔ اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو ایک طویل فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ لیکن بہ نظر طوالت ہم صرف اُن شعراء کی فہرست لکھتے ہیں جن کے حالات علامہ ابوالحسن علی الباخرزی شافعی نے اپنے مشہور تذکرہ "دمیۃ القصر

---

[1] سید شریف کی یہ دونوں کتابیں مصر و بیروت میں چھپ گئی ہیں۔ الصادح کی نظم کا نمونہ یہ ہے۔

حـــم مع ما النافیہ وکل

مَا کُلُّ قَوْلٍ یَسْمَعُ	مَا کُلُّ نُصْحٍ یَنْجَعُ
ہر قول قابل سماعت نہیں	ہر نصیحت مؤثر نہیں
مَا کُلُّ عُذْرٍ یَقْبَلُ	مَا کُلُّ ذَنْبٍ یَحْمِلُ
ہر عذر قابل پذیرائی نہیں	ہر ذلت قابل برداشت نہیں
مَا کُلُّ غَیْمٍ یَمْطُرُ	مَا کُلُّ غُصْنٍ یُثْمِرُ
ہر بدلی برستی نہیں	ہر شاخ پھلتی نہیں

انتخاب از کتاب الصادح صفحہ ۱۱۸-۱۱۹ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۶ء [2] ابن خلکان و دیباچہ الصادح والباغم۔

[3] تذکرہ مراۃ الخیال شیر خاں لودی مطبوعہ کلکتہ۔

و عصرۃ اہل العصر میں قلمبند کئے ہیں ۔اس تذکرہ میں وہ قصائد بھی ہیں جو خواجہ نظام الملک کی مدح میں لکھے گئے ہیں ۔شائقین اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں ۔ہم صرف ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) ابوعمرو یحییٰ بن صاعد بن شیار ہروی۔

(۲) ابوالعلا محمد بن غانم نیشاپوری۔

(۳) شیخ ابوعلی الشبلی قوشنجی

(۴) یعقوب بن سلیمان اسفرائنی

(۵) الحسین بن ملک

(۶) ابوالعواذل

(۷) محمد بن احمد بن حسین الشطرنجی حلبی

(۸) سیار بن علی سہروی

(۹) ابراہیم بن عبدالرحمٰن المعری۔

(۱۰) محمد بن علی العالبی سرخسی

(۱۱) شیخ ابوعلی الحسین بن عبداللہ القندوشی

(۱۲) شیخ ابوعلی احمد بن محمد الباری الخواری

(۱۳) حسین بن جعفر بن محمد الفارسی

(۱۴) علی بن احمد بن عبداللہ الضاری

(۱۵) ابوبکر عبدالقادر بن عبدالرحمٰن فارسی

(۱۶) ابوبکر عبداللہ بن محمد ہروی

(۱۷) ابوالعباس الفضل بن سعید بن محمد الاسعانی

(۱۸) ابوالقاسم علی بن عبداللہ وزیر سلطان طغرل بک

لہ در مدح خواجہ نظام الملک گفتہ

انت فرد العصر ما فیہ کلام　　للوری کہف وللدین قوام

لم تکن تبلغ ادنی وصفہ　　ولو استقصیت فیہ الف عام

(۱۹) الحسین بن الحسن الخطیبی الارموی

(۲۰) عبداللہ بن محمد بن بکر الجعفری

(۲۱) اُستاذ ابوالمحاسن الحسین بن علی بن بصیر۔

(۲۲) ابوذکریا یحییٰ بن علی خطیب الادیب تبریزی

(۲۳) الموفق بن خلیل بن احمد شیبانی

(۲۴) احمد بن محمد الموری۔

(۲۵) ناصر بن سلمہ۔

(۲۶) اسد بن مہلب بن شادی

(۲۷) محمد بن حسن بن عبدالرحمٰن الرونی صوفی

(۲۸) ابوعبداللہ سلمان بن عبداللہ نہروانی

(۲۹) ابوالفضل یحییٰ بن نصر السعدی بغدادی

(۳۰) ابوسعید محمد حمزہ موصلی

(۳۱) الحسین بن ابراہیم بن طوق موصلی

(۳۲) ابونصر محمد بن عمر بن محمد اصفہانی۔

(۳۳) ابوالحسین بن علی بن حمزہ اندلسی، الضریر۔

(۳۴) ابوالنجم اسمٰعیل بن ابراہیم القزوینی

(۳۵) ابراہیم بن عمر چرپادقانی۔

بہ لحاظ شعر و شاعری، حکیم عمر خیام نیشاپوری کا نام بھی شعراء دربار کے ذیل میں آنا چاہیئے تھا مگر چونکہ خیام نے خواجہ کی مدح میں ایک رباعی بھی نہیں لکھی ہے۔لہٰذا زمرۂ شعراء سے خیام کو الگ کر دیا ہے۔اور اپنے موقعہ پر خیام کا مفصل تذکرہ بہ حیثیت ایک حکیم، مہندس، اور نجومی کے علیحدہ تحریر ہے۔

غیاث الدین ابوالفتح حکیم عمر خیام نیشاپوری

نام و لقب عمر نام، غیاث الدین لقب، ابوالفتح کنیت "اور خیام تخلص ہے۔ خیام خاک ایران کا وہ نامور حکیم، مہندس اور فلسفی شاعر ہے جس پر ایران کو ہمیشہ فخر رہے گا۔

صحیح روایتوں کی بنا پر خیام کا نام "عمر" ہے اور "غیاث الدین" وہ معزز خطاب ہے جو قوم کی طرف سے خیام کو دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک وقت میں امام مانا گیا ہے کیونکہ غیاث الدین اور محی الدین ایسے خطاب و القاب ہیں جو صرف ائمہ اور مجتہدین کا حصہ ہیں۔

خیام کی کنیت البتہ حقیقی نہیں ہے بلکہ وصفی معنی کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ خیام نے تمام عمر نہ تو شادی کی اور نہ کوئی اولاد چھوڑی۔

خیام کا باپ تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں کہ خیام کے باپ کا نام ابراہیم تھا۔ لیکن ہماری رائے میں یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خیام کے باپ کا نام "عثمان" تھا۔ ہماری تحقیقات کا ماخذ خاقانی کی کتاب مثنوی تحفۃ العراقین ہے۔ اور خیام کے سلسلۂ نسب کے متعلق اس سے زیادہ صحیح اور معتبر کوئی روایت نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ خاقانی، عمر خیام کا بھتیجا ہے۔ اور خاقانی کی تعلیم و تربیت خیام نے کی ہے اس لئے گھر والوں کے مقابلے میں باہر والوں کی روایت قابل سند نہیں ہے اور سچ بھی یوں ہے کہ "صاحب البیت ادری بما فیھا"۔

اب ہم تحفۃ العراقین کا وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس سے مذکورۂ بالا واقعات خود حل ہو جائیں گے۔

در مدح عم خود عمر خیام کہ در اہتمام و تربیت او بود[1]

بگریختہ ام ز دیو خذلاں — در سایۂ "عمر" ابن عثماں
ہم صدرم و ہم امام و ہم عم — صدر اجل و امام اکرم
برہانی و ہندسی مقالش — افلاطن و ارسطو عیالش
از علمش دادہ، و ہر محدث — یک ثلث بہرمس مثلث

---

[1] تحفۃ العراقین خاقانی صفحہ ۱۹۰ - ۱۹۸ مطبوعہ مدرسہ آگرہ ۱۸۵۵ء

زیں عم بہ من آں شرف رسیدہ است | کز قرص خور آب و خاک دیدہ است
در خانہ تنگ خاطرِ من | عم ساخت دو صد ہزار روزن
چوں بر سر روز نم رسیدے | چوں قرصۂ خور رسن تنیدے
تا بر درِ عمِ ما وقوف است | احاد نہاد من الوف است
بودم چو یکے دقیقۂ خورد | عم، زی درجات رفعتم برد
پس زاں درجات بُرج پرداخت | زاں بُرج بیوت اختراں ساخت
اول زیکے بہ ششتم آورد | پس شصت مرا بستی بدل کرد
انگاہ زستی دوازدہ ساخت | زاں جملہ سرائے ہفت شہ ساخت
مسکیں پدرم ز جور ایام | انگند مرا چو زال را سام
او سیمرغے نمود درحال | در زیر پرم گرفت چوں زال
آوردہ بکوہ قاف دانش | پروردہ مرا بہ آشیانش
با من بہ یتیم داری آں مرد | آں کرد کہ عم بہ مصطفیٰ کرد الخ

مندرجہ بالا اشعار سے اگرچہ صرف عمر خیام کے باپ کا نام ظاہر کرنا مقصود تھا لیکن جن شان دار الفاظ میں خاقانی نے خیام کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ بھی اُس کے فضل وکمال کی ایک مستند شہادت ہے۔

عثمان کے کئی بیٹے تھے، مگر سب سے مشہور دو تھے۔ ایک علی۔ دوسرا عمر حکیم افضل الدین خاقانی علی کا بیٹا تھا۔ اور یہ مسلم ہے کہ ساری دنیا کے خاندان کے نام ایک ہی انداز کے ہوتے ہیں۔ اور عثمان، علی، عمر، یہ نام خود بتاتے ہیں کہ ہم سب ایک ہی ٹکسال کے سکے ہیں۔ اور راسخ الاعتقاد مسلمانوں میں یہ سنت آج تک جاری ہے کہ اپنے بچوں کے نام انبیاء کرام اور بزرگانِ دین کے ناموں پر رکھا کرتے ہیں۔

خاندانی پیشہ عمر خیام کا باپ عثمان ایک پیشہ ور آدمی تھا۔ اور جامہ بافی اُس کا پیشہ تھا چنانچہ خاقانی نے جہاں اپنے بزرگوں کے حالات لکھے ہیں۔ اُسی میں اپنے دادا کو نساج و جامہ باف لکھا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے ؎

جولاہہ نژادم از سوئے جد | در صنعت من کمال ابجد
شاگرد ازل بہ کلبۂ من | ماشورہ کن است ریسماں تن

نساجی ایک اعلیٰ قسم کی دست کاری ہے۔ اور مسلمانوں کے نہایت نامور ائمہ اس پیشے سے منسوب ہیں۔ مگر اس عہد میں قومی غرور نے جو حقارت آمیز خیال اس پیشے کی نسبت قائم کرلیا ہے وہ البتہ قابل تاسف ہے۔

غرض اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمر خیام کا باپ جامہ باف تھا۔ اور غالباً کسی وجہ سے جامہ بانی چھوڑ کر خیمہ دوزی شروع کی ہوگی۔ بہرحال عثمان خیمہ دوز تھا یا خیمہ ساز یا تاجر خیمہ جو چاہو سمجھو مگر یہ مسلم ہے کہ اُس کا ذریعہ معاش (اخیر عمر میں) خیمہ ڈیرہ تھا۔ اور اسی نسبت سے وہ قوم میں "خیامی" مشہور تھا۔

ہر دست کار کا یہ پہلا اصول ہے کہ اپنی اولاد کو بھی وہ اُسی پیشہ میں لگاتا ہے جس میں خود مصروف ہے۔ لیکن طبیعت اپنے حسب حال خود پیشہ کا انتخاب کرتی ہے اور اُصولاً وہی کام سرسبز بھی ہوتا ہے جو اپنے مذاق کے موافق ہو۔ چنانچہ جہاں تک ہم نے تحقیقات کی عثمان کے کسی بیٹے نے خیمہ دوزی کا پیشہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ علی (خاقانی کا باپ) نجاری کرتا تھا۔ اور عثمان کا دوسرا بیٹا طبیب تھا۔

تخلص

عمر خیام نے آبائی پیشہ اختیار کیا ہو۔ یہ مستند تاریخوں سے ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ خیام کے بچپن اور ابتدار شباب کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں۔ اور اگر بچپن میں برائے نام کچھ کیا بھی ہو تو اُس کا شمار پیشہ میں نہیں ہے۔ کیونکہ پیشہ در اصل وہی ہے جس کی آمدنی پر زندگی موقوف ہو۔

عمر نے اپنا تخلص خیام رکھا تھا۔ غالباً اسی لفظ کو کھینچ تان کر ایک گروہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اُس کا پیشہ خیمہ دوزی تھا۔ لیکن محققین کی رائے ہے کہ تمام عمر میں ایک دن بھی خیام نے خیمہ دوزی نہیں کی ہے۔ بلکہ محض کسر نفسی اور اپنے باپ کی شہرت عام پر اُس نے خیام تخلص رکھا تھا۔

خیام کی ولادت

خیام کہاں اور کب پیدا ہوا؟ یہ دو سوال ہیں اور دونوں میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ لیکن خواجہ نظام الملک کی روایت کے مطابق خیام کی ولادت شہر نیشاپور

میں ہوئی اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ چنانچہ دستور الوزراء میں خواجہ لکھتا ہے: "حکیم عمر خیام نیشاپوری الاصل بود مولد و منشا او نیشاپور بود" چونکہ ہمارے نزدیک یہ اصح روایت ہے لہٰذا اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنا فضول ہے۔ عمر خیام کس سنہ میں پیدا ہوا اس کا صحیح جواب نہیں دیا جا سکتا ہے لیکن تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ عمر خیام کی ولادت چوتھی صدی ہجری کے عشرۂ اولیٰ (۴۱۰ھ یا ۴۱۱ھ) میں ہوئی ہے۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک اپنی طالب العلمی کے حالات میں لکھتا ہے کہ "حکیم عمر خیام و مخذول ابن صباح نو رسیدہ بودند۔ دراں مجلس ہم بسن من با جودت فہم و قوت طبع در غایت کمال با من مختلط بودند" خواجہ نے خیام اور حسن صباح کو اپنا ہم سن لکھا ہے اور خواجہ کی ولادت ۴۱۰ھ یا ۴۱۱ھ میں ہوئی ہے۔ چنانچہ جس سال خیام امام موفق کی درس گاہ میں آیا ہے اس وقت نظام الملک کی عمر چھبیس برس کی تھی اور دو ایک برس کی کمی بیشی جن میں ہوئی ہے وہی لڑکے ہم سن کہلاتے ہیں۔ لہٰذا ہماری رائے ہے حکیم عمر خیام کا سال ولادت ۴۱۰ھ یا ۴۱۱ھ صحیح ہے۔ اور یہی رائے محققین یورپ کی بھی ہے۔

تعلیم و تربیت خیام کے بچپن کے حالات کسی تاریخ اور تذکرہ میں نہیں ہیں۔ نہ اس زمانے کی تعلیم اور تربیت کا حال معلوم ہے۔ مگر یہ بالاتفاق ثابت ہے کہ عمر خیام نے امام موفق کی درس گاہ میں فقہ، حدیث، اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔ اور یہ درس گاہ انھی علوم کے واسطے مشہور تھی۔ اس وقت حکیم کی عمر چوبیس سال کی تھی۔ مکتب نشینی کی معمولی عمر سے اس وقت تک جس کی میعاد تخمیناً اٹھارہ سال کی ہوتی ہے۔ یہ زمانہ خیام نے دیگر علوم و فنون کی تحصیل میں صرف کیا ہوگا۔ مگر افسوس ہے کہ یہ تحقیق نہ ہو سکا کہ خیام کو ان علوم میں کس کی شاگردی کا فخر حاصل ہوا۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خیام اپنے زمانے کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر، اصولی، قاری، مورخ، فلسفی، حکیم اور نجومی تھا۔ اور شاعری اس کے فضل و کمال کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ یونانی زبان بھی جانتا تھا۔

خیام کی آئندہ زندگی حکیم عمر خیام ۴۳۴ھ یا ۴۳۵ھ میں امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور چار برس کامل خواجہ نظام الملک، اور حسن صباح کا ہم سبق رہا۔ جب رسم کو الوداع کہنے کا وقت آ گیا تو ان دوستوں نے یہ معاہدہ کیا: "عہد می کنم کہ ہر کدام را دولتے رفیق

گردد' علی التسویہ مشترک باشد و صاحب آن دولت خود را بہ ہیچ وجہ ترجیحے ثابت نہ کند۔ چنانچہ معاہدہ سے تخمیناً اکیس یا بائیس برس کے بعد خواجہ نظام الملک الپ ارسلاں سلجوقی کا مستقل وزیر ہوگیا اور جب وزارت کا شہرہ تمام ایران میں پھیل گیا تو اطراف وجوانب سے خواجہ کے دوست و احباب اس کے پاس آنے لگے۔ چنانچہ عمر خیام کو بھی خواجہ نظام الملک کا وعدہ یاد آیا اور وہ بھی خواجہ کی ملاقات کے لئے بمقام مرو پہنچا۔ خواجہ خیام سے عزیزانہ ملا اور کمال تعظیم سے پیش آیا۔ ان دوستوں کی ملاقات اور گفتگو کا تذکرہ مختلف تاریخوں میں ہے۔ لیکن خواجۂ نظام الملک نے جن الفاظ میں خود اس واقعہ کو لکھا ہے ہم اُس کو نقل کرتے ہیں جو سب سے معتبر اور صحیح روایت ہے۔

در دور الپ ارسلاں حکیم عمر خیام نزد من آمد انچہ از لوازم حسن عہد و مراسم حفظ وفا باشد بجائے آوردم و مقدم او را بمواجب اکرام و اعزاز تلقی نمودم و بعد ازاں با وے گفتم کہ مردے صاحب کمالی ترا نیز ملازم سلطاں باید شد۔ چہ معہود مجلس امام موفق منصب مشترک است شرح تو با سلطاں بگویم و حال درایت و کفایت تو بنوعی در ضمیر او متمکن گردانم کہ مثل من بدرجۂ اعتماد رسی۔ حکیم گفت عرق شریف و نفس کریم و طینت خجستہ و ہمت بلند ترا بر اظہار ایں مکارم ترغیب می کند و الا چوں من ضعیفی چہ حد آنکہ وزیر مشرق و مغرب با وے چنیں تواضعہا کند و نزدیک من ریبے نیست کہ دریں تلطفہا صادقی و امثال ایں بحسب علو شان و رفعت مکان تو مقدارے ندارد و لیکن خفوق احسان تو بہ ذمۂ من متکثر است اگر عمر ہا در میان شکر باشم از عہدۂ ایں یک

الپ ارسلاں سلجوقی کے عہد حکومت میں حکیم عمر خیام میرے پاس آیا تو میں نے معاہدہ اور ایفائے وعدہ کے خیال سے خیام کا بڑے اعزاز سے خیر مقدم کیا اس کے بعد میں نے کہا کہ آپ صاحب فضل و کمال ہیں آپ کو بھی سلطان کی خدمت میں رہنا چاہیے کیونکہ امام موفق کی مجلس میں جو معاہدہ ہوا تھا اُس کی رو سے منصب مشترک قرار پایا تھا اور میں اچھی طرح آپ کی دانشمندی اور کارگذاری سلطان کے ذہن نشین کر دوں گا۔ تب میری طرح آپ بھی سلطان کے معتمد علیہ ہو جائیں گے۔ اس کے جواب میں خیام نے کہا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا اس سے آپ کی شرافت، کریم النفسی اور بلند ہمتی کا اظہار ہوتا ہے ورنہ مجھ ایسا شخص اس عزت افزائی کا کب مستحق ہے جو وزیر جس کی حکومت مشرق سے مغرب تک ہے، کی جانب سے عمل میں آئی ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو ارشاد ہوا ہے وہ بالکل

مکرمت کہ اکنوں می فرمائی نمی توانم بیروں آمد۔
پس مرا تمنی آنست کہ ہمیشہ با تو در حسن عبودیت
باشم و ایں مرتبہ کہ مرا بداں دلالت فرمودی
اقتضائے آں نمی کند چہ بحسب غالب مقتضی
کفران نعمت است عَیَاذًا بِاللّٰہِ مِنْهَا۔ اکنوں
حق عنایت انیست کہ بدولت تو در گوشہ باشم
و بہ نشر فوائد علمی۔ و دعائے عمر جاودانی تو مشغول
و بر ہمیں سخن اصرار نمود چوں دانستم کہ مافی الضمیر
خود بے تکلف می گوید ہر سال جہت اسباب
معاش او ہزار و دویست مثقال طلا برا ملاک
نیشاپور نوشتم ودے بعد ازیں معاودت نمود
تکمیل فنون کرد خصوصًا فن ہیئت و دراں
بدرجات رفیع ترقی نمود۔"

سچ ہے اور آپ جیسے عالی رتبہ کے سامنے اس کی کیا حقیقت ہے آپ کے احسانات مجھ پر بہت ہیں اگر میں اُن کا شکریہ ادا کرنا چاہوں تو مدتوں میں صرف آج کی نوازش کا شکر نہ ادا ہو سکے گا لیکن میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں تمام عمر آپ کا بندہ بنا رہوں اور جس منصب کے لئے ارشاد ہوا ہے وہ میرے مناسب حال نہیں ہے بلکہ سچ پوچھئے تو کفران نعمت ہے ہاں آپ کی مہربانی سے یہ چاہتا ہوں کہ ایک گوشہ میں بیٹھکر فوائد علمی کی اشاعت کروں اور ترقی عمر و دولت کی دعا مانگتا رہوں"۔ جب خیام نے اس مضمون کو متواتر بیان کیا اور میں نے سمجھ لیا کہ خیام جو کچھ کہتا ہے وہ بلا تصنع ہے تو میں نے بھی حکم دے دیا کہ خیام کو خزانہ نیشاپور سے سالانہ بارہ سو مثقال سونا بطور وظیفہ دیا جایا کرے اس کے بعد خیام واپس گیا اور تکمیل علوم وفنون میں مصروف ہوا خصوصًا فن ہیئت میں بڑا کمال حاصل کیا"۔

اس واقعہ سے خواجہ نظام الملک کی اخلاقی زندگی کے دو مسئلے حل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ راست باز اور صادق القول تھا۔ کیونکہ عہد وزارت میں جس معاہدہ کی تکمیل نہایت ایمان داری سے کی گئی وہ معاہدہ حقیقت میں حسن صباح کا ایک خیال تھا جس کی بنیاد علم قیافہ پر تھی۔ دوسرے یہ کہ وہ علم و فن کا مربی تھا۔ کیونکہ خیام کا معقول وظیفہ محض اس لئے مقرر کیا تھا کہ وہ علمی تحقیقات کرے اور ظاہر ہے کہ اطمینان کی زندگی میں جیسی ترقیاں ہوتی ہیں وہ مفلسی میں مشکل ہیں۔

عمر خیام اور سنہ جلالی ملک شاہی

عمر خیام کو جب خواجہ نظام الملک کی فیاضی سے معاش کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا تو نیشاپور جاکر علمی تحقیقات میں مصروف ہوا۔ اور چند سال کی محنت کے بعد اس نے جبر و مقابلہ میں ایک

بے نظیر کتاب شائع کی۔ اور بہ نظر شکریہ احسانات و اظہار عقیدت اس کتاب کا خواجہ نظام الملک کے نام تہدیہ کیا گیا اس کے بعد دوسری کتاب علم المساحت والمکعبات' میں اور تیسری کتاب اقلیدس کے اہم مسائل کی شرح میں لکھی۔ ان کتابوں کی اشاعت پر خیام کا تمام ایران میں شہرہ ہو گیا اور خراسان میں وہ دوسرا ابو علیؒ سینا سمجھا گیا۔

خیام نے اپنے ہم مکتب دوست خواجہ نظام الملک کو بھی یہ کتابیں ہدیہ میں بھیجی تھیں۔ اُن کے مطالعہ سے خواجہ بہت خوش ہوا اور بہ سبیل تذکرہ خیام کے فضل و کمال کا ملک شاہ سے ذکر کیا۔ ملک شاہ کو چونکہ اصلاح تقویم کا ایک عرصہ سے خیال تھا لہٰذا خواجہ کو حکم دیا کہ خیام نیشاپور سے طلب کیا جائے چنانچہ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اور ایک وسیع پیمانہ پر اصلاح تقویم کا دفتر قائم ہو گیا۔

اس نامور مہندس نے تقویم میں کیا اصلاح و ترمیم کی۔ یہ ایک دلچسپ مضمون ہے جو تفصیل سے لکھنے کے قابل تھا۔ لیکن ہمارے مورخین نے چند الفاظ میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس سے کوئی مکمل مضمون تیار نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن انگریزی، ترکی، عربی اور فارسی میں تقویم (کلندر) پر جو مضامین لکھے گئے ہیں اُن کی مدد سے ہم اس مسئلہ کی تشریح کریں گے جس کے سمجھنے کے لئے اول ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔[۲]

سنہ و سال کا رواج اقوام عالم میں کیونکر ہوا

دنیا کی تمام قوموں میں سات دن کا ہفتہ[۳]، تیس دن کا مہینہ، بارہ مہینہ کا سال، مانا جاتا ہے۔ اور یہ زمانہ حال کی تقسیم نہیں ہے؛ بلکہ سیکڑوں برس سے یہی نظام قائم ہے۔ اور اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے سب سے پہلے قدرت کا یہ تماشا دیکھا ہو گا کہ آفتاب شاہانہ جاہ و جلال سے روزانہ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں جا کر ڈوب جاتا ہے۔ جس کے انوار سے تمام دن فضائے عالم جگمگاتا رہتا ہے اور اُس کے منہ پھیرتے ہی ظلمت کدۂ اُفق سے لیلائے شب کی آمد شروع ہوتی ہے۔

پھر اُس نے دوسرا منظر یہ دیکھا ہو گا کہ ماہتاب عالمتاب اُنتیس یا تیس دن میں عروج و زوال کی تمام منزلیں طے کر کے اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ اور جب مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ

---

[۱] گنج دانش صفحہ ۵۲۳ حالات نیشاپور و انسائیکلو پیڈیا برطانیکا جلد ۱۰ صفحہ ۱۱، تصنیفات خیام۔

[۲] جس وقت یہ مضمون زیر کتابت تھا اُس وقت ہم کو معلوم ہوا کہ یورپ نے خیام کی تحقیقات پر ایک مستقل کتاب شائع کی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ طبع ثانی پر اس کتاب سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ [۳] صرف تبت میں پانچ یوم کا ہفتہ مانا جاتا ہے۔

ان کا دورہ یوں ہی رہتا ہے اور یوں ہی رہے گا تب اُس نے ہر دورہ کو ایک جُداگانہ حصّہ سمجھکر کسی کا نام دن، کسی کا نام مہینہ رکھدیا۔ چنانچہ ماہتاب کے بارہ دوروں سے سال کے بارہ مہینے قائم ہوتے اور ہر مہینہ کا ایک نام رکھدیا گیا۔ انسان اجرام علویہ کی دل فریبیوں کے دیکھنے کا فطرتاً عادی ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ ہر ستارے کو غور سے دیکھتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ اُس نے سطح آسمان سے "مشتے نمونہ از خروارے" نہایت چمک دار اور روشن سات ستارے انتخاب کئے۔ چونکہ یہ چلتے پھرتے سیارے تھے۔ لہذا انسان نے اپنی کم عقلی سے سبعہ سیارہ کو خدا کا نور سمجھکر اظہار عبودیت کے خیال سے ان کے سامنے سر اطاعت جھکا دیا۔ اور اپنا حاجت روا سمجھکر ایک ایک دن اُن کی پرستش کے لئے مقرر کردیا اور اس طریقے سے سات دن کا ہفتہ بنایا اور یہی وجہ ہے کہ اقوام عالم کی زبانوں میں دنوں کے نام انھیں ستیاروں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔ اور قمری سال کے زیادہ تر رائج ہونے کا یہی سب سے بڑا سبب ہے۔

انسان نے عقل و مشاہدے کی بنا پر ایام، ماہ و سال کی جو عقلی تقسیم کی تھی وہ اگرچہ صحیح تھی لیکن ایک زمانے کے بعد جب یہ دیکھا کہ سال تو ماہتاب کے دوروں کے حساب سے چل رہا ہے۔ مگر تیس بتیس برس کے زمانہ میں ہر موسم اپنے مرکز سے ہٹ جاتا ہے۔ اُس وقت قمری حساب کی غلطیاں محسوس ہوئیں اور ثابت ہوا کہ آفتاب و زمین کی گردش بھی ہمارے لیل و نہار میں اپنا عمل کرتی ہے اور فصول اربعہ کا تغیر اسی بنیاد پر ہے اور بالآخر مسلسل تجربوں اور برسوں کے غور و فکر کے بعد آفتاب و ماہتاب کے سالانہ دورے حسب ذیل قرار پائے۔

آفتاب:۔ تین سو پینسٹھ دن۔ پانچ گھنٹہ۔ اڑتالیس منٹ۔ اُنچاس پل۔ باسٹھ بپل۔ (یہ کسرات تقریباً ¼ دن کے برابر ہیں)

ماہتاب:۔ تین سو چوّن دن ... .

آفتاب کے مقابلہ میں ماہتاب کے سال میں سوا گیارہ دن کی کمی ہے۔ لہذا تمدنی ضرورتوں سے یہ مناسب سمجھا گیا کہ قمری مہینے، شمسی مہینوں سے مطابق کرلئے جائیں تاکہ سال کا حساب فصول اربعہ سے مطابق رہے۔ اس کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ قمری مہینوں میں مذکورہ بالا کمی بڑھادی جائے۔ چنانچہ پارسیوں نے اسی اُصول پر اول اپنے قمری سال میں پورے گیارہ دن کا اضافہ کرکے

اُن کو تین سو پینسٹھ دن کا شمسی سال بنالیا۔ اور کسر کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ یہی کمی بیشی ہے جس نے اقوام عالم کے سنین وشہور میں تفرقہ ڈال رکھا ہے۔

قبل اس کے کہ سنہ فارسی کی تاریخ لکھی جائے اسی سلسلہ میں یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سنہ کی ابتدا کسی خاص تاریخ سے کب اور کیوں کر شروع ہوئی اور سنہ کا شمار کیوں ضروری ہوا اُس کا بدیہی سبب تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان کی ضرورتیں بڑھ گئیں اور تمدن کا دائرہ وسیع ہو گیا تو گذشتہ واقعات کا یاد رکھنا بھی انسان پر فرض ہوا۔ اور اس ضرورت کے لیے یہ تجویز کی گئی کہ ان ایام کی بھی گنتی مقرر کی جائے۔ مگر چونکہ اس تجویز کا عمل پذیر ہونا دشوار تھا۔ لہٰذا انسان نے یہ کیا کہ صرف اہم واقعات کو سال کے شمار کا معیار قرار دیا۔ مثلاً عربوں نے ہبوط آدم علیہ السلام سے اپنا سال شروع کیا اور طوفان نوحؑ تک یہ سنہ قائم رہا۔ پھر طوفان سے دوسرا دور شروع ہوا۔ اور واقع نار حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مختلف دورے قائم ہو کر واقعہ اصحاب فیل پر خاتمہ ہو گیا۔ اور سنہ ہجری[۵] کے آغاز نے گذشتہ واقعات کے شمار کو بالکل بھلا دیا۔ علیٰ ہذا القیاس بخت نصر[۶]، فیلقوس[۷]، سکندر اعظم، اغسطس[۸]، ایبرس[۹]، بکرماجیت[۱۰]، شالواہن وغیرہ شاہان عراق و بابل، یونان، مصر اور ہندوستان

---

[۵] سنہ ہجری = ہجرت کا سولھواں سال تھا کہ تمدنی اور ملکی ضرورت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام، اور ہرمزان (خوزستان کا بادشاہ تھا)، کے مشورے سے سنہ ہجری قائم کیا۔ آنحضرت صلعم نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی۔ اس لیے سنہ ہجری کی ابتدا ربیع الاول سے ہونی چاہیئے تھی مگر چونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا ہے اس لئے دو مہینے آٹھ دن چھوڑ دیئے گئے۔ سنہ ہجری پنجشنبہ سے شروع ہوا تھا = الفاروق بحوالہ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۸۴۔

[۶] بخت نصر = عراق و بابل کا بادشاہ تھا۔ اپنی تخت نشینی سے یہ سن شروع کیا تھا۔ یہ سنہ قبطی سے ماخوذ تھا مگر اس کا شمسی حساب اس قدر صحیح تھا کہ بطلیموس اور ارسطو جیسے حکماء نے اس کی صحت کو تسلیم کر لیا تھا۔ [۷] فیلقوس = مقدونیہ کا بادشاہ اور سکندر اعظم کا باپ تھا۔ تین سو گیارہ برس قبل مسیح یہ سن جاری ہوا اور جزائر بحیرۂ روم میں مدتوں جاری رہا۔ سنہ سکندری کا حساب سکندر کی موت سے شروع ہوا اور یونان میں محدود رہا۔ تین سو تیئیس برس قبل مسیح جاری ہوا۔ یہ دونوں سال شمسی تھے۔

[۸] اغسطس = اسپین (اندلس)، کی فتح کے بعد اغسطس نے یہ سن جاری کیا اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی قائم رہا یہ بھی شمسی سال تھا۔ [۹] ایبرس = یہ مصر کا بادشاہ تھا مصریوں میں عہد قدیم سے قمری سنہ کا رواج چلا آتا تھا۔ ایبرس نے اپنے دور حکومت میں تین سو پینسٹھ دن کا شمسی سال جاری کیا [۱۰] بکرماجیت = اس نامور راجہ نے اپنی تخت نشینی سے سمبت قائم کیا اور (باقی در صفحہ آئندہ)

نے اپنے اپنے سنہ وسمبت جاری کیے جن میں سے بعض آج تک جاری ہیں اور اپنے بانی کے یادگار ہیں سنین مذکورہ بالا میں سے ہر ایک کی جداگانہ تاریخ موجود ہے۔ لیکن چونکہ یہ خارج از بحث ہے لہذا اس افسانے کو ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں اور سنہ فارسی کا وہ قصہ چھیڑتے ہیں جس کا تعلق حکیم عمر خیام سے ہے۔

سنہ فارسی کی ابتدا تاریخ سے ثابت ہے کہ سنہ فارسی بہ لحاظ قدامت تمام سنین پر فوق رکھتا ہے لیکن کیومرث سے عہد جمشید تک اور جمشید سے یزدجرد بن شہریار تک سنہ فارسی پر کیا انقلاب آئے یہ بحث بھی ہمارے موضوع سے خارج ہے لہذا یزدجرد کے عہد سے سنہ فارسی کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہے[1]۔

قدیم سنہ فارسی کا چونکہ عہد یزدجرد میں خاتمہ ہوگیا تھا۔ اس وجہ سے سنہ فارسی کا دوسرا نام یزدجردی قرار پایا۔ مورخین عجم میں سے ایک کا قول ہے کہ اس سنہ کا موجد کیومرث ہے دوسرا کہتا ہے کہ جمشید پیشدادی ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں روایتیں صحیح ہیں۔ کیونکہ کیومرث نے ابتدائی اصول قائم کئے اور جمشید نے اصلاح و ترمیم کے بعد اس کو مکمل کردیا۔ یزدجردی سال شمسی اصطلاحی تھا۔ یعنی آفتاب منطقۃ البروج کا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن میں کرتا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ زردشت کی بعثت سے قبل بھی آفتاب کے دورے کی یہی مدت مانی جاتی تھی۔ کیونکہ ژند کی روایت ہے کہ خدا نے دنیا کو تین سو پینسٹھ دن میں پیدا کیا ہے

فارسیوں نے تین سو پینسٹھ دن کی تقسیم اس طرح پر کی تھی کہ گیارہ مہینے تیس تیس یوم کے تھے اور بارھواں مہینہ ۳۵ یوم کا ہوتا تھا اور یہ اصول قدیم مصری حساب کے بھی مطابق تھا۔

فارسی مہینوں کے نام یہ ہیں۔

فروردین اردی بہشت خرداد تیر مرداد شہریور مہر ابان آذر

بقیہ صفحہ ۳۸۱ = تمام شمالی ہندوستان میں آج تک جاری ہے چھپن برس قبل مسیح جاری ہوا تھا۔ ہندوستان کے علم ہیئت کے مطابق شمسی سال تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے بارہ منٹ تیس پل کا ہوتا ہے ۵ سالواہن = یہ راجہ سالواہن کا یادگار ہے اور جنوبی ہندوستان میں جاری ہے حضرت مسیح سے ۷۰ برس بعد جاری ہوا۔

اس کے علاوہ متعدد سنین ہیں جن کو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ ناظرین نزہت القلوب حمداللہ مستوفی اور انسائیکلوپیڈیا وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

[1] سنہ فارسی کی تاریخ پر ہم نے جس قدر لکھا ہے اس کا ماخذ حاجی محمد حسن اصفہانی کی تاریخ "شواہد النفیسہ فی اثبات الکبیسہ" ہے اس موضوع پر یہ مستند کتاب ہے اور سنہ ۱۸۲۶ء میں بمقام بمبئی چھپی ہے۔

وتے ۔ بہمن ۔ اسفندارمذ

چونکہ بارھواں مہینہ پینتیس یوم کا ہوتا تھا۔ لہٰذا اصطلاح نجوم میں ان پانچ دنوں کا نام خمسہ مسترقہ یا لواحق قرار پایا۔ اور ہر ایک دن کے جداگانہ نام یہ ہیں۔ اہنود۔ اشنود۔ اسفندمذ۔ وہشت ہشتویس۔

خمسہ مسترقہ کا عمل درآمد سب سے پہلے عہد جمشید میں ہوا تھا۔ لیکن اس پنج روزہ اضافہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور شمسی میں ہر سال تقریباً ایک چوتھائی دن (ربع شبانہ روز) کی کسر پڑنے لگی، جو چوتھے برس ایک دن کے برابر ہو جاتی تھی۔ جس کے پورا کرنے کے لئے ایک سو بیس برس کے بعد ایک مہینہ کبیسہ (لوند) کا بڑھا کر اس سال کو تیرہ مہینے کا کر دیتے تھے، اور جس مہینہ کے آخر میں کبیسہ ہوتا تھا وہی نام اس مہینہ کا بھی رکھ دیتے تھے۔ اور چونکہ فارسی مہینوں میں ہفتہ کا شمار نہ تھا۔ لہٰذا اس مہینہ کی ہر تاریخ کا ایک جداگانہ نام تھا جس کی تفصیل یہ ہے۔

آرمزو بہمن اردیبہشت شہریور اسفندارمذ خرداد مرداد دیبا ذر آذر
آبان خور ماہ تیر گوش دیبمہر مہر سروش رشن فروردین بہرام رام
باد دے دین ارد اشتاد اسمان زمیاد مار اسفند ایران

ان ناموں میں آرمزد اور دے خدا کے نام ہیں۔ باقی ملائکہ مقربین کے اسمائے پاک ہیں۔ اسمائے مذکورۃ بالا میں نو تاریخیں ایسی ہیں کہ جو فارسی مہینہ کے ہم نام ہیں، مثلاً اردے بہشت خرداد، وغیرہ۔ چنانچہ زردشت کے حکم کے مطابق یہ نو دن جشن کے ایام تھے، لہٰذا اس لوند کے مہینہ میں نو دن عید منائی جاتی تھی۔ اور یہ محض عیش وطرب کے جلسے نہ تھے، بلکہ مذہبی رسوم کے مطابق عبادت بھی کی جاتی تھی۔ ہر امیر وغرب اپنی حیثیت کے مطابق جشن مناتا تھا، اور سلطنت کی طرف سے جشن کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ شاہی دسترخوان پر روزانہ نئے نئے قسم کے کھانے چنے جاتے تھے اور بادشاہ نیا لباس پہن کر دربار کرتا تھا۔ غرض کہ اس اصول کے مطابق سب سے پہلا کبیسہ ماہ فروردین میں اور دوسرا اردے بہشت میں ہوا کرتا تھا اور اسی ترتیب سے ایک ہزار چار سو چالیس (۱۲۰ × ۱۲) سال کی مدت میں ماہ اسفندار پر کبیسہ کا دور ختم ہو جاتا تھا۔

جمشید پیش دادی جب تخت نشین ہوا ہے اُس وقت دورِ کبیسہ کے ایک ہزار چالیس برس گذر چکے

تھے اور چار صدی بعد جب ایک ہزار چار سو چالیس کا دور کامل ختم ہو گیا تو اس عظیم الشان واقعہ اور نیز حکومت چہار صد سالہ کی یادگار میں جمشید نے جشن عظیم کیا۔ یہ جشن ماہ فروردین میں ہوا تھا۔ جب کہ آفتاب عالمتاب برج حمل میں تھا۔ یہ جشن جس شان و شوکت سے منایا گیا تھا اس کی نظیر تاریخ ایران میں نہیں ہے۔ ناظرین کو تفصیلی حالات کے لئے تخت[1] جمشید کے حالات ایران کی قدیم تاریخ میں دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ جمشید کے بعد یہ رسم قرار پا گئی کہ ہر یکم فروردین کو عام جشن منایا جاتے اور تاریخ عجم میں اس جشن کا نام "نوروز[2] اکبری" ہے اور آج تک تمام مملکت ایران میں یہ جشن منایا جاتا ہے، موسم کے لحاظ سے یہ بہترین زمانہ ہے کیونکہ فصل بہار کی آمد کا مژدہ سُناکر خزاں اسی وقت سے رخصت ہو جاتی ہے۔ پچھلے دور میں یزدجرد بن شہریار جب عجم کے تخت کا مالک ہوا تو گذشتہ شاہوں کی طرح اس نے بھی اپنی تخت نشینی سے نیا سال جاری کیا۔ مگر چونکہ یزدجرد کی تخت نشینی غرہ[3] فروردین میں ہوئی اور سال کا نمبر شمار نیا ڈالا گیا۔ اس وجہ سے کبیسہ کا آٹھواں دور جو ماہ آبان میں ختم ہونے والا تھا، وہ غیر مختتم رہ گیا اور بدنصیبی سے اُنیسؔ جنوری ۶۵۲ء مطابق جمادی الثانی ۳۱ھ یوم پنج شنبہ کو بمقام مرو شاہجہاں یزدجرد قتل کر دیا گیا۔ اور اُس کی اولاد سلطنت سے محروم رہی، لہٰذا ایرانیوں نے ماہ ابان مذکورہ سے جس پر کبیسہ ختم ہوا تھا سنہ فارسی کا حساب بدستور قائم رکھا۔ اور چونکہ ابان میں خمسۂ مسترقہ موجود تھا اس وجہ سے منجموں نے اپنے زیچ کا حساب ابان سے شروع کیا۔ (ورنہ عام طور سے خمسۂ مسترقہ کا عمل درآمد اسفندار سے ہوتا ہے)، اور سنہ یزدجردی بدستور چلتا رہا اور آج تک چلا جاتا ہے لیکن امتداد زمانہ سے ایک سو بیس برس کے کبیسہ کا قاعدہ ٹوٹ گیا اور خمسۂ مسترقہ اس کا قائم مقام رہ گیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ پانچ یوم کی مدت نہ تو ایک سو بیس برس کے برابر ہو سکتی ہے نہ اصلی کمی کو پورا کر سکتی ہے۔ اس لئے جشن نوروزی میں بھی فرق آ گیا۔ اور وہ اپنے مرکز سے دُور ہٹ گیا۔

---

[1] تخت جمشید اور نوروز مشرقی کے حالات فاضل رسالہ معارف علی گڑھ میں دیکھنا چاہئے۔ اس عنوان پر ہمارا مفصل مضمون اس رسالے میں ہے [2] نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی صفحہ ۴۸ - ۴۹ [3] غرہ فروردین کو بروز منگل یزدجرد تخت نشین ہوا تھا اور سنہ یزدجردی کا پہلا سال بائیس ربیع الاول ۱۱ھ ہجری اور ۶۳۲ء کے مطابق تھا۔ یزدجرد کی تخت نشینی میں منجموں کے عقائد کے مطابق دو بدفالیاں ہوئیں تو یہ کہ وہ منگل کے دن تخت نشین ہوا جو نحوست میں سنیچر کا بھائی ہے۔ دوسری (باقی در صفحہ آئندہ)

یزدجرد کی سلطنت پر چونکہ مسلمان حکمراں تھے۔ لہٰذا انھوں نے اپنی عادت اور اصول حکمرانی کے مطابق ایرانیوں کی رسم و رواج میں کوئی دست اندازی نہیں کی اس لئے باوجود ہونے سنہ ہجری کے ایران میں سنہ فارسی جو رائج تھا وہ بدستور چلتا رہا۔ لیکن انقلاب روزگار سے اسلامی سلطنت کے جب ٹکڑے ہوگئے اور نئے نئے خاندان عرب اور عجم کے مالک ہوتے تو ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء میں ایران کی حکومت سلطان جلال الدین ملک شاہ سلجوقی کے ہاتھ آئی اُس وقت تمام دفاتر میں سنہ فارسی جاری تھا، اُس کو ملک شاہ نے بھی بدستور قائم رکھا، مگر چونکہ وہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہ تھا اس لئے ملک شاہ کو اُس کی ترمیم و اصلاح کا از حد خیال تھا۔ لیکن بمصداق "کُلِّ اَمْرٍ مَرْهُونٌ بِاَوْقَاتِهَا" ذیل کے واقعہ نے ملک شاہ کو اس پر متوجہ کردیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ عہدِ ملک شاہ میں آمدنی سنہ شمسی کے حساب سے وصول کی جاتی تھی، اور خرچ کا حساب شہور قمری سے تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک[۳] دن (۴۶۷ھ / ۱۰۷۵ء) میں خزانہ میں خرچ کے واسطے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا۔ تب تو ملک شاہ کو نہایت تشویش ہوئی، اور اُسی وقت سے اُس نے ارادہ کرلیا کہ آمدنی و خرچ کے حساب کے لئے ایک منتظم سال قرار دیا جائے۔ چنانچہ ملک شاہ نے اوّل اپنے زمانہ کے فقہا اور علماء کی رائے سے فائدہ اُٹھایا اور آخر کو اس امر پر مجبور ہوا کہ ایک سنہ کبیسہ مقرر کیا جائے۔" کیونکہ اگر موجودہ اُصول

بقیہ ۳۸۴ : یہ کہ اُس نے کبیسہ کو توڑ دیا۔ کیونکہ کبیسہ کی بنیاد محض اس لئے ڈالی گئی تھی کہ ایام عبادت میں فرق نہ ہو ورنہ بجائے ایک سو بیس[۱۲۰] کے چار برس میں ایک دن کا اضافہ کرنا آسان تھا۔ اگر بجائے فروردین کے تخت نشینی ماہ آذر میں ہوتی تو نو سو ساٹھ برس والا دور کبیسہ ختم ہوجاتا۔ کبیسہ کو مذہبی حیثیت سے بھی زردشت نے قائم رکھا تھا اور وہ زردشتی مذہب کا جزو اعظم تھا۔ انتخاب از شواہد التقویم ۲۱۔

[۱] اس قاعدہ کا موجد خلیفہ الطائع للہ عباسی تھا جو ۳۶۳ھ ہجری میں تخت نشین ہوا تھا۔ [۲] تقویم ابو الضیا ترکی ۱۳۳۵ھ

[۳] ملک شاہ نے مسئلہ تقویم میں اوّل فقہاء سے استصواب کیا اور غالباً اُن کے حکم سے تقویم کا کام جاری کیا ہوگا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمری سال کا ملکی ضرورت سے شمسی سال بنا لینا شریعت اسلامیہ کے خلاف نہیں ہے۔ اور کلام مجید میں جس کی ممانعت ہے وہ نسئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ — مہینوں کا سرکا دینا بھی ایک کفر مزید ہے جس کی وجہ سے کافر دین سے رستے سے
بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا — گمراہ ہوتے رہتے ہیں کسی سال ایک مہینہ کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور اسی کو دوسرے

پر عمل درآمد کیا جائے گا تو ہر تینتیسویں سال پر حساب میں فرق پڑ جائے گا، آخر اللہ عزوجل نے حکم دیا کہ

توبہ منزہ ۳۰۵۔ وَيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا	برس حرام [کر] لو اور اس سے ان ، غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جو چار مہینے حرام
لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ	کئے ہیں (اپنی گنتی سے ، اُس گنتی کو مطابق کرکے اللہ کے حرام کئے ہوئے (مہینوں)
فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ	کو حلال کرلیں ۔ ان کی بدکرداریاں اُن کو بھلی بھلی کرکے دکھائی گئی ہیں ۔
لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ	اور اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں (توفیق)
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝	ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ ملک عرب میں بزمانہ جاہلیت عام النسیء جاری تھا۔ اس سنہ میں ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے اور اُس کا نام نسی تھا۔ اس اضافہ سے یہ غرض تھی کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں ہوا کرے اور کاروبار تجارت میں فرق نہ واقع ہو اور جس گروہ کے یہ خدمت سپرد تھی وہ نسی کا اعلان حج میں دیا کرتے تھے۔ اور محرم، رجب ذیقعدہ، ذی الحجہ، یہ وہ مقدس مہینے تھے جن میں عرب قتل و غارت اور خون ریزی کو حرام سمجھتے تھے اور یہ وہ شرعی حکم تھا کہ جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہم السّلام کے زمانہ سے بطور قانون کے نافذ تھا۔ اس سے اگر نسی کا مہینہ ان چار مہینوں میں ہوتا یعنی ماہ حرام کا کوئی مہینہ مکرر واقع ہوتا تو خطیب اعلان کر دیتا تھا۔ کہ یہ مہینہ تو ہم پر حلال کر دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح کبھی حلال کا مہینہ حرام کر دیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ کفار کی رسم تھی اس لئے خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ عہد جاہلیت کی رسم چھوڑ دو۔ علامہ فخرالدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ عربوں کا یہ خیال تھا کہ اگر وہ اپنا سال قمری قرار دیں گے تو ان کا حج کبھی گرمی میں ہوگا اور کبھی جاڑے میں اور اُن کو پسند نہ تھا۔ کیونکہ عرب کے تمام قبیلے مسافت بعیدہ طے کرکے بجز اوقات معینہ کے دوسرے وقت میں جمع نہیں ہو سکتے تھے اور چونکہ قمری سال کی ترتیب ان کے دنیاوی فوائد کے منافی تھی۔ اس لئے انھوں نے اپنے کاروبار کے لئے سنہ شمسی پسند کیا۔ اور کبیسہ جاری کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر تیسرے برس ایک مہینہ لوند کا بڑھانا پڑتا تھا۔ اور موسم حج جس کا ایک مہینہ مقرر تھا کبھی محرم میں ہوتا کبھی صفر میں چنانچہ جب قرآن شریف نازل ہوا تو دو نئی شکلیں پیدا ہوگئیں۔ ایک یہ کہ مقررہ بارہ مہینوں کی تعداد بڑھ گئی اور دوسرے اشہر حرم میں تفرقہ پڑ گیا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد سے رسوم مذہبی کی بنیاد قمری سال پر ہے۔ لیکن جب عربوں نے دنیاوی فوائد کے لئے اس ترتیب کو چھوڑ دیا تو خدا نے ان کو منع فرمایا اور اُن کے اس طرز عمل کو زیادہ فی الکفر قرار دیا۔ اس آیت سے شمسی سال قائم کرنے کی ممانعت نہیں نکلتی ہے۔ کیونکہ کلام مجید کا کوئی مسائل تمدن کے خلاف نہیں ہے اور اسی بنا پر فقہا نے ملک شاہ کو فتویٰ دیا ہوگا۔ نساۃ کا قاعدہ مصری عربوں میں آج تک جاری ہے۔

نزہت القلوب حمداللہ مستوفی تاریخ سنین و شہور صفحہ ۵۰ وصناجۃ الطرب نجل آفندی طرابلسی تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۴۴۴-۴۴۴ مطبوعہ مصر ۱۳۰۷ھ

مشاہیر منجموں کی رائے سے سنہ فارسی کی ترمیم کی جائے۔ اور ملک شاہ کے منشا کے مطابق عمر خیام نے بوجہ احسن اس مسئلہ کو حل کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم عمر خیام نے اصلاح تقویم کے واسطے ایک مستند مجلس منعقد کی اور سات نامور حکماء کو اپنا مشیر بنایا۔ جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

ابوحاتم المظفر اسفرازی۔ ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی۔ محمد خازن۔ حکیم ابوالعباس لوکری

لے کشاف اصطلاحات الفنون مصنفہ شیخ محمد علی تھانوی صفحہ ۵۹ مطبوعہ کلکتہ۔ مشاہیر منجموں کے نام تقویم ابوالضیا کامل اور قیصر زوری لکھے گئے ہیں۔

نوٹ حکما متعلق مجلس حکیم عمر خیام نیشاپوری

(۱) خواجہ ابوحاتم المظفر اسفرازی۔ اسفرار سجستان کا ایک شہر ہے۔ جو خواجہ کا وطن تھا۔ مگر شاہی شہر ہونے کی وجہ سے خواجہ مرو میں رہا کرتا تھا۔ خیام کے معاصرین میں ابوحاتم بڑے درجہ کا شخص تھا۔ عمر خیام جب کبھی مرو جاتا تھا خواجہ کا مہمان ہوا کرتا تھا۔ اور دونوں میں دلچسپ مباحثے ہوا کرتے تھے۔ اوقات فرصت میں علوم حکمیہ کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اور بر خلاف اپنے دوست خیام کے یہ شاگردوں پر بہت مہربان تھا۔ ریاضیات اور آثار علویہ میں اس کی بہت سی تصانیف ہیں۔ اس حکیم نے بڑی ریاضت سے ایک ترازو بنایا تھا جس کا نام "میزان ارشمیدس" تھا۔ اس میں وزن کرنے سے چاندی، اور سونے کا کھرا اور کھوٹا پن معلوم ہو جاتا تھا۔ جب یہ ترازو تیار ہو گیا تو حکیم نے مہتمم خزانہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ خزانہ شاہی میں رکھا ہوا تھا۔ مگر خزانچی نے اس خیال سے کہ اگر اس کے ذریعہ سے کبھی خزانہ کی پڑتال کی گئی تو میری خیانت کھل جائے گی محض اس لئے یہ ترازو توڑ دیا گیا اور اس کے تمام پرزے ضائع کر دیئے گئے۔ جب ابوحاتم نے یہ سنا تو اس صدمہ سے بیمار ہوا اور مر گیا۔ کیونکہ یہ نادر روزگار ترازو برسوں کی دماغ سوزی میں تیار ہوا تھا۔ حکیم کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ نسبۃ اللذۃ الحسیۃ الی اللذۃ العقلیہ کنسبۃ المشم الی المطعم۔ از چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی و تاریخ الحکماء شہرزوری۔

(۲) ابوالفتح عبدالرحمٰن خازنی مسکویہ ابو علی خازن رئیس مرو کا عبدالرحمٰن خازنی رومی بڑا پایہ کا غلام تھا۔ علوم ہندسہ میں کامل تھا۔ سلطان سنجر سلجوقی کے نام سے ایک زیچ لکھی تھی۔ جو تاریخوں میں "زیچ السنجری" کے نام سے مشہور ہے۔ اخیر عمر میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ اور درویشانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک بار سلطان سنجر نے ایک ہزار دینار (پانچ ہزار روپے) اس کے پاس بھیجے سب واپس کر دیئے اور کہا کہ میرا سالانہ خرچ تین دینار (پندرہ روپے) ہے۔ مجھ کو دو روٹیاں اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وقت میرے پاس دس دینار (پچاس روپیہ) موجود ہیں۔ اگر یہ سب خرچ ہو جاویں اور میں زندہ رہوں تو پھر خدا دینے والا ہے۔ گھر میں بجز ایک بلی کے اور کچھ نہ تھا۔ حکیم حسن سمرقندی اس کا نامور شاگرد ہے۔ از تاریخ ملکی وغیرہ

میمون بن نجیب واسطی ۔ محمد بن احمد معموری بیہقی ۔ ابوالفتح ابن کوشک۔

چنانچہ اس مجلس نے یوم شنبہ ماہ ذی الحجہ ۴۶۷ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۰۷۵ء سے اپنا کام شروع کر دیا اور کامل تین سال کی محنت میں اصلاح تقویم کے مسئلہ کو حل کر دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

سنہ جلالی ملک شاہی

عمر خیام کی تحقیقات کا نتیجہ یہ تھا کہ آفتاب اپنا سالانہ دورہ تین سو پینسٹھ دن پانچ ساعت اور انچاس دقیقہ میں طے کرتا ہے اس لئے خیام نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ ہر چوتھے سال پر ایک دن بڑھایا جائے اور سات دوروں کے ختم ہونے پر آٹھویں دور پر بجائے چار کے، پانچویں سال ایک دن زیادہ کیا جائے۔ اس حساب سے شمسی و قمری سال کا فرق

بقیہ صفحہ ۲۸۰ (۳) محمد خان کے حالات نہیں معلوم ہوتے۔

(۴) حکیم ابوالعباس لوکری۔ نہر مرو کے قریب پنج دیہہ لوکر ایک مشہور قریہ ہے جو حکیم کا وطن تھا۔ بعض تاریخوں میں صرف حکیم لوکری لکھا دیکھا ہے۔ ابوالعباس لوکری، بہمن یار کا مشہور شاگرد ہے۔ جو خراسان میں فنون حکمت کی اشاعت کا باعث ہوا ہے۔ دولت کی طرف سے مالا مال تھا۔ نواح مرو میں بہت سی ذاتی جائداد بھی تھی۔ حکیم عمر خیام، ابن کوشک اور واسطی جوالیوں کے ہم عصر تھے۔ ان میں سے کوئی بھی علوم حکمیہ میں اس کی چوٹ کا نہ تھا۔ شاعر بھی تھا۔ ایک دیوان یادگار ہے۔ نہایت دقیق و بلیغ اشعار لکھتا تھا۔ اخیر عمر میں اندھا ہوگیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ افسوس اب میں علمی ترقی نہ کرسکوں گا۔ اب دن رات اس کو عالم آخرت کا خیال رہتا تھا۔ موت کا یہ واقعہ ہوا کہ ایک دن بھنی ہوئی سری اور پائے خوب کھائے اور اسی دن شاگرد حمام میں لے گئے۔ حمام سے آکر بستر پر گرا۔ طبیب علاج کے لئے حاضر ہوا تو کہا مجھے خدا پر چھوڑ دو اگر اچھا ہوگیا تو اس کی رضا اور اگر مرگیا تو اس کا حکم اور آخرالامر اسی علت میں فوت ہوگیا تاریخ الحکما شہرزوری۔ (۵) میمون بن نجیب واسطی مشہور کامل حکیم اور طبیب ہے بعض کے نزدیک اس کا مولد خوزستان تھا۔ اور بعض کے نزدیک واسط۔ گر خواجہ نظام الملک کی قدردانی سے یہ اکثر ہرات میں رہا کرتا تھا۔ سلاطین اور امرا کی ملاقات سے اس کو بالطبع نفرت تھی۔ کامل ابن اثیر وغیرہ۔ (۶) محمد بن احمد معموری بیہقی ریاضی کا مشہور عالم ہے۔ جس کی کتاب مخروطات میں بے نظیر ہے۔ ملک شاہ نے اس کو اصفہان میں رصد بندی کے واسطے بلایا تھا۔ خیام بھی اس کی ریاضی کا قائل تھا۔ سلطان محمد سلجوقی کے زمانہ تک زندہ رہا۔ شورش اسماعیلیہ میں قتل ہوا۔ الکامل و شہرزوری۔ (۷) ابوالفتح ابن کوشک "کان عارفا بالحساب و علوم الحکمۃ" مشہور حکیم ہے۔ سلطان سنجر اس کی تصنیفات کا عاشق تھا اور کسی کتب خانہ میں اس کی تصنیفات تھیں۔ (شہرزوری)

ؔ التوفیقات الالہامیہ محمد مختار پاشا صفحہ ۲۳۴۔

پورے تینتیس برس میں نکل جاتا ہے۔

جب یہ مسئلہ حل ہوگیا تو خیام نے اس سنہ کا نام سلطان جلال الدین ملک شاہ کے نام پر سنہ جلالی رکھا۔ اور جو زیچ[1] طیار کی اُس کا نام زیچ ملک شاہی قرار دیا۔ اور مہینوں کے نام بدستور ہی

[1] زیچ معرب زیگ۔ رشتۂ معماران کہ درستی و نادرستی عمارات بداں معلوم شناسند و تختہ کہ منجمان طالع ، از جداول آں معلوم می نمایند۔ خفاجی می گوید کہ معرب نہ است (سواء السبیل)۔ زیچ میں جدولیں ہوتی ہیں جن سے اوضاع کواکب اور خطوط طول وعرض اور مقادیر حرکاتِ مرکز کواکب کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اور انھیں جدولوں سے اوج حضیض کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ تقویم ہمیشہ زیچ کی مدد سے تیار ہوتی ہے۔ چنانچہ زیچ ملک شاہی اسی قسم کی کتاب ہے۔ اور جس کا دوسرا نام "آغاز حساب تاریخ جلالی" ہے۔ اور اس کے قبل بھی حکماء اسلام وغیرہ نے متعدد زیچ لکھے ہیں جن میں سے مشہور تو یہ ہیں، اور اس مختصر فہرست سے مسلمانوں کے نامور منجموں کا اظہار کرنا مقصود ہے کیونکہ آج مسلمان اس علم میں سب سے پیچھے ہیں۔

زیچ[1] ابراہیم بن حبیب فزاری۔ زیچ ابن حماد اندلسی۔ زیچ[2] ابن السمح ابو القاسم اصبغ بن محمد غرناطی متوفی سنہ ۴۲۶ھ۔ زیچ ابن[3] الشاطر الفاری دمشقی فلکی متوفی سنہ ۷۷۷ھ۔ زیچ[4] ابن یونس، ابو الحسن علی بن ابو سعید عبدالرحمٰن منجم متوفی سنہ ۳۹۹ھ۔ زیچ[5] ابو معشر، جعفر بن محمد بن عمر بلخی منجم متوفی سنہ ۲۷۲ھ زیچ الاشنا[6] ذ جمال الدین ابو القاسم بن محفوظ منجم بغدادی در عہد المقتدر باللہ عباسی، زیچ الوغ بیگ محمد بن شاہرخ۔ زیچ ایلخانی، محقق نصیر الدین محمد بن حسن طوسی متوفی سنہ ۶۷۲ھ زیچ ثاون اسکندرانی۔ زیچ الجامع والسائع، کوشیار۔ زیچ حبش الحاسب، احمد بن عبداللہ مروزی بغدادی در عہد مامون الرشید، زیچ السنجری، ابو الفتح عبدالرحمٰن خازنی۔ زیچ الصفائی، بتانی۔ زیچ الشامل، شیخ ابو الوفا محمد بن احمد بوزجانی۔ زیچ الشاہی نصیر الدین طوسی۔ زیچ شاہی، علی شاہ محمد بن قاسم المعروف بعلاء المنجم الخوارزمی، زیچ شمس الدین محمد یملی خواجہ الواکبوی۔ زیچ شمس الدین، محمد بن محمد حلبی۔ زیچ شہریار۔ زیچ الشیخ، ابو الفتح صوفی۔ زیچ العمدہ۔ زیچ العلائی، نظام اعرج۔ زیچ محمد بن ابو بکر فارسی۔ زیچ المصطلح فی کیفیۃ التعلیم والطریق الی وضع التقویم۔ محمد بن محمد فارقی محاسب۔ زیچ کوشیار بن کنان جنبلی۔ زیچ الکبیر الحاکمی، زیچ الہمدانی، حسن بن احمد یمنی متوفی سنہ ۳۳۴ھ زیچ فی معانی العین، تاج الدین علی بن محمد مشہور بہ ابن الدیہم موصلی شافعی متوفی سنہ ۶۲۳ھ زیچ المفرد۔ زیچ المعدل۔ زیچ المعنی۔ زیچ المفتن۔ زیچ الآفاق فی علم الاوفاق۔ وغیرہ تفصیلی حالات کے لئے دیکھو کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۱۲- ۱۰ مطبوعہ قسطنطنیہ۔ اگر کوئی شخص عرب وعجم کی تاریخوں کو ملاحظہ کرکے انتخاب کرے تو ایک طولانی فہرست مرتب ہو سکتی ہے۔ تاریخ ملطی، تاریخ عرب موسیو سیدیو فرانسیسی اور حاجیۃ الطرب وغیرہ میں مسلمانوں کی علم ہیئت دیکھنا چاہئے

رکھے جو سنہ یزدجردی میں تھے۔ اور خمسۂ مسترقہ کا عمل درآمد ماہ اسفندار پر کیا گیا۔

سنہ جلالی جس دن سے شروع ہوا ہے وہ مبارک دن جمعہ کا تھا۔ اور رمضان المبارک کی دسویں تاریخ اور ۴۷۱ھ مطابق ۱۵ر مارچ ۱۰۷۹ء

سنہ جلالی کے قبل شمسی سال کی ابتدا کا یہ طریقہ تھا کہ جب آفتاب نصف حوت میں داخل ہوتا تھا اُس وقت سے سال کا حساب شروع کرتے تھے۔ مگر خیام نے نقطۂ اعتدال ربیعی سے مطابقت دے کے سنہ جلالی کو یکم فروردین سے شروع کیا۔ جب کہ آفتاب برج حمل میں آتا ہے۔ حالانکہ اُس وقت فروردین کے اٹھارہ دن گذر چکے تھے۔ مگر خیام نے ان ایام کو چھوڑ کر سال کا شمار یکم فروردین سے لگایا۔ کیونکہ یہ وہ تاریخ تھی جس دن نقطۂ ربیعی پر لیل و نہار کا تساوی واقع ہوا تھا، اور جس کا نام خیام نے نوروز سلطانی رکھا تھا۔

پارسیوں میں جو سنہ آج جاری ہے اور جس کو وہ یزدجردی سمجھتے ہیں۔ یہ سنہ دراصل خیام کا صحیح کیا ہوا ہے اور جس کو ہم فخریہ خیامی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہی سنہ الٰہی اکبر شاہی ہے۔ جو گورنمنٹ نظام میں جاری ہے۔

خیام کے فضل و کمال اور تبحر علم ریاضی و ہئیت کا اُس وقت صحیح اندازہ ہو سکتا ہے جب سنہ جلالی کا "گری گوریئن رول" سے مقابلہ کیا جائے۔ کیونکہ انگریزی سال میں جو کسر چار صدیوں میں نکلتی ہے وہ

ے انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۱۷۷۔ حالات عمر خیام شاعر و منجم۔

ے تقویم ابوالضیاد ترکی، سال ۱۳۱۱ صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ قسطنطنیہ۔

ے گری گرین رول۔ گری گوری روم کے تیرھویں پوپ کا نام ہے جس نے ۱۵۸۲ء میں سب سے اخیر مرتبہ انگریزی جنتری کی اصلاح کی۔ ۱۵۸۲ء میں رومن کیتھولک پادشاہوں کی مدد سے اپنی تقویم کو جاری کیا جو باستثنا روس اور یونان تمام یوروپ میں جاری ہے۔ اور اس کے قبل جو تقویم جاری تھی اُس کو روم کے قیصر جولیس نے حضرت عیسیٰ کی ولادت سے چھیالیس برس پہلے منسوخ کر کے اپنی تقویم جاری کی تھی جس کا نام انگریزی میں جولین کلنڈر تھا لیکن امتداد زمانہ سے اس میں اس قدر تغیر ہو گیا تھا کہ عیسائی تہوار خصوصًا ایسٹر میں بہت فرق پڑ جاتا تھا۔ اس لئے گری گوری نے اُن نقائص کو دور کر کے اپنا کلنڈر جاری کیا۔ بعض علما کی رائے ہے کہ خیام کے سنہ جلالی سے گری گوری نے اپنا قاعدہ بنایا ہے خیام کی تحقیقات میں جو روزانہ ایک منٹ سے کچھ کم کی کسر باقی رہ گئی تھی، گری گوری اُس کو مٹانا چاہتا تھا، چنانچہ چند منٹوں کی و باقی در صفحہ آئندہ

خیام نے تینتیس برس میں نکال دی تھی اور برائے نام ہر روز میں ایک منٹ سے کچھ کم فرق رہ گیا تھا۔ اور اگر خیام آیندہ دورے تک زندہ رہتا تو ایک منٹ کی بھی کسر باقی نہ رہتی۔!!

علمائے مشرق اور مغرب کا اس پر اتفاق ہے کہ جو نظام خیام نے مقرر کیا تھا وہ بہ حیثیت انتظام اور صحت اور تطبیق ہیئت کے اقوام سابقہ کے حساب سے سب پر فائق تھا۔

ملک شاہ[1] کا سنہ جلالی چونکہ کسی مقدس تاریخ یا دنیا کے کسی مشہور واقعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا اس وجہ سے دوام و قیام اُس کو میسر نہیں ہوا اور صرف چودہ برس ملک شاہ کی زندگی تک چلتا رہا۔ اور اُس کے بیٹوں ہی کے زمانے میں نسیاً منسیاً ہوگیا۔ مگر یہ واقعہ ملک شاہ اور خیام دونوں کو قیامت تک زندہ رکھے گا۔

کسی مورخ نے یہ نہیں لکھا ہے کہ اصلاح تقویم کے بعد ملک شاہ نے عمر خیام اور دیگر نامور حکما کو

بقیہ صفحہ ۳۹۰ مدد سے اُس نے اس کسر کو چار سو برس کی مدت میں نکال دیا۔ اور یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جو صدی پورے چار عدد پر تقسیم ہو سکے اُس کا فروری مہینہ انتیس یوم کا ہوگا اور درمیانی تین صدیاں جو چار پر پوری تقسیم نہ ہو سکیں اُن کا فروری مہینہ ۲۸ یوم کا ہوگا۔ اور یکبیسہ یہی قاعدہ ہر ہزار اور چوتھے ہزار سال کے لئے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ اس قاعدہ کو "گری گورین رول" کہتے ہیں گری گورین سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے انچاس منٹ اور بارہ سیکنڈ کا ہے اور اس سنہ کا عمل درآمد ۱۵۸۲ء سے شروع کیا گیا ہے۔ گری گوری نے دور شمسی کے تفاوت زمانے کی اصلاح کے لئے مہینہ اکتوبر سے گیارہ یوم گھٹا دیئے تھے یعنی اکتوبر کی پانچ تاریخ کو پندرہ سے تبدیل کر دیا تھا اسپین پرتگال، اٹلی، فرانس، سوئٹزرلینڈ، جرمن، نیتھرلینڈ کے کیتھولک فرقوں میں گری گورین رول اسی سال جاری ہوگیا تھا، لیکن پولینڈ میں ۱۵۸۶ء ہنگری میں ۱۵۸۷ء میں پروٹسٹنٹ جرمن اور ہالینڈ، ڈنمارک میں ۱۷۰۰ء میں جاری ہوا۔ انگلستان نے ۱۷۵۲ء سے عمل درآمد کیا۔ روس کے علما ہیئت نے اب اس قاعدہ کی بھی غلطیاں نکالی ہیں اور وہ گری گورین رول کو ترمیم کرکے اپنے موجودہ شاہنشاہ کے نام سے نیا کلنڈر جاری کرنا چاہتے ہیں، مگر ملکی رقابت سے کامیابی کی امید نہیں ہے۔" انتخاب از انسائیکلو پیڈیا برطانیکا طبع جدید و پاپولر انسائیکلو پیڈیا طبع اول حرف جی لفظ گری گورین رول۔"

[1] ۱۰۷۹ء میں ملک شاہ سلجوقی نے اُن تحقیقات کا حکم دیا جن سے تقویم میں ایسی اصلاح کی گئی جو چھ سو برس کی "گری گوری" کی اصلاح سے بمدارج بہتر تھی۔ گری گوری کی سال میں دس ہزار برس کی مدت میں تین دن کا تفاوت ہوتا ہے برخلاف اس کے عربوں کے سال میں اسی مدت میں صرف دو دن کا تفاوت ہے۔ دیکھو تمدن عرب صفحہ ۴۲۳ و گبن امپائر جلد ۶ مطبوعہ ۱۸۹۸ء و حالات ملک شاہ و تقویم ابو الضیا صفحہ ۲۴۳ [2] تقویم ابو الضیا صفحہ ۲۴۳۔

کیا صلہ دیا۔ مگر شاہان ایشیا کے اُصول و قواعد سے جو لوگ واقف ہیں وہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ان حکما کو کیا کچھ نہ ملا ہوگا۔ اور خواجہ نظام الملک نے خیام کو سنہ جلالی کی ایجاد کے قبل جو وظیفہ مرحمت فرمایا تھا اُس کو عین ملک شاہ کا عطیہ سمجھنا چاہیے، علاوہ اس کے ایشیائی درباروں کا یہ عام قاعدہ ہے کہ دربار کے داخلہ سے پہلے وہ بڑی بڑی جاگیر و منصب کے مالک بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور خواجہ نظام الملک کی اس تحریر سے بھی ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ خواجہ لکھتا ہے "خیام در نوبت جہاں داری سلطان ملک شاہ بمرو آمد و در علم حکمت تعریفات یافت و سلطان عنایتہا فرمود و با عالی مراتب کہ کبار علما و حکما را باشد رسید۔

عمر خیّام کی شاعری

خیام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ابتدا سے مذاق شاعری تھا۔ لیکن علمی تحقیقات کے شوق نے اس مادہ کو عالم شباب میں اُبھرنے نہیں دیا۔ لیکن عُمر کے اخیر حصہ میں جب گوشہ نشین ہو کر بیٹھا تو شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔

جس طرح طوس کو فردوسی پر اور شیراز کو حافظ و سعدی پر فخر ہے ویسا ہی نیشاپور خیّام پر فخر کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خیام جیسے نامور محقق اور فلاسفر کے لئے محض شاعری ذریعۂ افتخار نہیں ہے۔ بلکہ شاعری اُس کے کمالات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

ایران میں ہزاروں نامور شاعر ہوئے ہیں لیکن فلسفیانہ خیالات کے اعتبار سے خیام کا طرز نرالا ہے خیام کے ہر مصرعہ میں حکمت و فلسفہ بھرا ہوا ہے۔ نظام عالم، اسرار کائنات، اور وجود ہستی کے نکات جس دل ربا طریقہ سے خیام ادا کرتا ہے وہ اس کا حصّہ ہے۔

عام شعرا کی تقلید یا زمانہ کے مطابق خیام نے غزل اور قصیدہ میں اپنی عمر برباد نہیں کی۔ بلکہ اپنے مفید خیالات کے اظہار کے لئے اصناف شعر میں سے صرف رباعی کو انتخاب کیا۔ کیونکہ یہ چار مصرعوں کی نظم حکیمانہ خیالات کے اظہار کے واسطے نہایت موزوں ہے۔ بڑے بڑے مطالب جس ترکیب اور ترتیب سے رباعی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ دوسری صنف میں غیر ممکن ہے۔ علاوہ اس کے یہ مختصر نظم خزانہ دماغ میں اچھی طرح محفوظ رہتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حکما۔ اور فلسفی شعرا اور

اور صوفیائے کرام نے رباعی کو اپنے خیالات کا ارگن بنایا ہے۔ چنانچہ خواجہ ابو سعید ابوالخیر، مولانا روم ملا سحابی نجفی وغیرہ کی رباعیات اس کی شاہد ہیں۔ فارسی میں رباعیات کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، اور مختلف شعرا کی رباعیاں مشہور ہیں لیکن مشرق سے مغرب تک شہرت عام اور قبولیت کا تمغہ خیام کو ملا ہے

خیام کی رباعیاں ہم کو کیا سکھاتی ہیں ؛ اور وہ کن خیالات کا مجموعہ ہیں۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنا اُس شخص کا کام ہے۔ جو خیام کی مستقل سوانح عمری لکھے۔ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ خیام ہم کو فلسفہ زندگی کے مختلف مباحث سے آگاہ کرتا ہے۔ اور مختلف انداز سے انسانی زندگی پر روشنی ڈالتا ہے کسی رباعی میں تلمیحات قرآنی ہیں، کہیں احادیث ہیں، کہیں اقوال حکمار کا انتخاب ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ چند رباعیاں پیش کی جاتی ہیں۔ ناظرین کو ہر رباعی میں ایک نئی تصویر نظر آئے گی۔

(۱) متصوفین کا (کسی مذہب وملت کے ہوں) سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس زندگی میں حیات کا عقدہ نہ حل ہو سکتا ہے نہ اس کا صحیح علم ممکن ہے۔ اور یہی حال عالم کا ہے، کیونکہ وہ بھی ایک راز سربستہ ہے۔

(۱)

آوردبا ضطرارم اول بوجود ۔۔۔ جز حیرتم از حیات چیزے نفزود
رفتیم باکراہ و ندانیم چہ بود ۔۔۔ زیں آمدن وبودن و رفتن مقصود

(۲)

رندے دیدم نشستہ برخنگ زمیں ۔۔۔ نہ کفر، و نہ اسلام، نہ دنیا و نہ دیں
نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت نہ یقیں ۔۔۔ اندر دو جہاں کرا بود زہرۂ ایں

(۳)

اسرار ازل را نہ تو دانی و نہ من ۔۔۔ ویں حرفِ معمّا نہ تو خوانی و نہ من
ہست از پس پردہ گفتگوئے من و تو ۔۔۔ چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

(۲) تصوف کا دوسرا اہم بالشان مسئلہ یہ ہے کہ تمام انسان کسی نور کے پرتو ہیں یا کسی نیستان کے ایک شاخ ہیں یا کسی سمندر کا ایک قطرہ ہیں مگر ہر حالت میں آوارہ وطن ہو کر پردیس میں خانہ خراب پھرتے ہیں۔

(۴)

اول بجو دم چو آشنائی کردی — آخر زچه دم چرا جدائی کردی

چون ترک منت نبود از روز نخست — سرگشتہ بعالم چرا ئی کردی

(۵)

اے دل زغبار جسم اگر پاک شوی — تو روح مجردی بر افلاک شوی

عرش ست نشیمن تو شرمت بادا — کائی و مقیم خطۂ خاک شوی

(۳) یہ خیال مشرق و مغرب میں مشترک ہے کہ دنیا فانی ہے۔ بے وفا ہے۔ دھوکا باز ہے۔ ہر ہر قدم پر رنج و غم کا سامنا ہے۔ آسودگی برائے نام ہے۔ جو شے ہے وہ غم سے خالی نہیں ہے۔

(۶)

ایں دہر کہ بود مدتے منزلِ ما — نامد بجز از بلا و غم حاصلِ ما

افسوس کہ حل نہ گشت یک مشکلِ ما — رفتیم و ہزار حسرت اندر دلِ ما

(۷)

شادی مطلب کہ حاصلِ عمر دمے است — ہر ذرہ زخاک کیقبادے وجمے است

احوال جہاں واصل ایں عمر کہ ہست — خوابے و خیالے وفریبے ودمے است

(۴) انسان کی زندگی بے ثبات ہے اور حیات انسانی مصائب وآلام کا مجموعہ ہے۔

(۸)

چوں حاصل آدمی دریں شورستاں — جز خوردن غصہ نیست یا کندن جاں

خرم دلِ آں کزیں جہاں زود برفت — آسودہ کسی کہ خود نیامد بجہاں

(۵) رباعیات مندرجہ بالا (۶، ۷، ۸) سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خیام بھی اس افسردہ دلی کی زندگی کو پسند کرتا ہے اور ہر چیز کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ لیکن حقیقت میں خیام کا یہ فلسفہ نہیں ہے بلکہ وہ اپنے شیدائیوں سے کہتا ہے۔ کہ اس زندگی میں بیکار و اُداس مت رہو۔ بلکہ اُس کو ہنسی خوشی میں گذار دو، اور خوب دل کھول کر اور لوٹ کر مزا بیں اُڑاؤ، اور رنج و غم کو پاس نہ آنے دو۔ قضا و قدر جو مصیبتیں تم پر ڈالے اُن کو صبر و تحمل سے برداشت کرو۔

اور صرف یہی ایک اُصول ہے جس سے عیش وطرب کی زندگی حاصل ہوسکتی ہے چنانچہ کہتا ہے۔

(۹)

چوں عہدہ نمیسکند کسے فردا را | حالے خوش کن تو ایں دل شیدارا
مے نوش بنور ماہ اے ماہ، کہ ماہ | بسیار بتابد و نیابد مارا

(۱۰)

می خوردن و شاد بودن آئین منست | فارغ بودن ز کفر و دیں، دین منست
گفتم، بعروسِ دہر کابین تو چیست | گفتا۔ دلِ خرّمِ تو کابیں منست

(۱۱)

زاں پیش کہ غمہات شبِ خوں آرند | فرمائے کہ تا بادۂ گلگوں آرند
تو زر نۂ اے عاقل ناداں کہ ترا | در خاک نہند و باز بیروں آرند

(۱۲)

آں بہ کہ زجام و بادہ دل شاد کنیم | وزنامدۂ وگذشتہ کم یاد کنیم
ایں عاریتے حیات زندانی را | یک لحظہ ز بندِ عقل آزاد کنیم

(۱۳)

تاکۓ زغمِ زمانہ محزوں باشی | با چشم پُرآب و دل پُر خوں باشی
مۓ نوش و بعیش کوش و خوش دل می باش | زاں پیش کز ایں دائرہ بیروں باشی

(۱۴)

دریاب کہ از روح جُدا خواہی رفت | در پردۂ اسرار خدا خواہی رفت
خوش باش ندانی ز کجا آمدہ | مے نوش ندانی کہ کجا خواہی رفت

(۱۵)

می خور کہ بزیر گل بسے خواہی خفت | بے مونس و بے حریف و بے ہمدم و جفت
زنہار بکس مگو تو ایں رازِ نہفت | ہر لالۂ پژمردہ نخواہد بشگفت

—

(۱۶)

من ہیچ ندانم کہ مرا آنکہ سرشت | از اہل بہشت گفت یا دوزخِ زشت
قوتے دبتے و بادۂ بر لبِ کشت | این ہر سہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت

(۱۷)

کم کن طمع از جہان و می زی خورسند | وز نیک و بد زمانہ بگسل پیوند
می برکف و زلف دلبرے گیر کہ زود | ہم بگذرد و نماند این روزے چند

(۱۸)

این قافلہ عمر عجب می گذرد | دریاب دمے کہ باطرب می گذرد
ساقی غم فردائے حریفاں چہ خوری | در دہ قدح بادہ کہ شب می گذرد

(۱۹)

روزیست خوش و ہوا نہ گرم است و نہ سرد | ابر از رخ گلزار ہمی شوید گرد
بلبل بہ زبان پہلوے با گل زرد | فریاد ہمی زند کہ مے باید خورد

(۲۰)

ماہِ رمضاں برفت و شوال آمد | ہنگام نشاط و عیش و قوال آمد
آمد گہ آنکہ خیکہا اندر دوش | گویند کہ پشت پشت حمال آمد

(۶) موت کی نسبت خیام کے یہ خیالات ہیں۔

(۲۱)

آں مرد نیم کز عدمم بیم آید | کاں بیم مرا خوشتر ازاں نیم آید
جان است مرا بعاریت داد خدا | تسلیم کنم چو وقت تسلیم آید

(۲۲)

در آتش آخرت نمی داری باک | در آب ندامت نشدی ہرگز پاک
چوں باد اجل چراغ عمرت بکشد | ترسم کہ ترا زننگ نپذیرد خاک

(۲۳)

تا ظن نبری کہ از جہاں می ترسم　　　وز مردن و از رفتن جہاں می ترسم
مردن چو حقیقت است زاں باکم نیست　　　چوں نیک نزیستم ازاں می ترسم

(۷) انسان کی سب سے اچھی زندگی وہ ہے جو فقر و غنا کے درمیان ہو۔

(۲۴)

درد ہر ہر آنکہ نیم نانے دارد　　　وز بہر نشست آستانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے　　　گو شاد بزی کہ خوش جہانے دارد

(۲۵)

یک نان بدو روز گر شود حاصل مرد　　　در کوزۂ شکستہ دمے آب سرد
مامور کسے دگر چرا باید بود　　　تا خدمت چوں خودی چرا باید کو

(۲۶)

گر دست دہد ز مغز گندم نانے　　　از مے کدوے و گوسفندے رانے
وآنکہ من و تو نشستہ در ویرانے　　　عیشے بود آں نہ حد ہر سلطانے

(۸) بنے ہوئے صوفی اور جاہل فقیہوں کی خیام کی نظر میں کوئی عزت نہیں ہے وہ ان کی ریاکاری اور نمائش کا خوب خاکہ اڑاتا ہے۔

(۲۷)

پوشیدہ مرقع اند ایں خامے چند　　　نا رفتہ رہ صدق و صفا گامے چند
بگرفتہ ز طامات الف لامے چند　　　بدنام کنندۂ نکو نامے چند

(۲۸)

پندے دہمت اگر بمن داری گوش　　　از بہر خدا جامۂ تزویر مپوش
عقبیٰ ہمہ ساعتست و دنیا یکدم　　　از بہر دمے ملک ابد را مفروش

(۲۹)

شخصے بزنے فاحشہ گفتا مستی　　　ہر لحظہ بدام دگرے پیوستی

گفتا شیخا ہرآنچہ گفتی ہستم — اما تو چنانچہ می نمائی ہستی؟

(۹) اخلاق و آداب کے متعلق خیام نے بہت کچھ لکھا ہے۔

(۳۰)

در راہ نیاز ہر دلے را دریاب — در کوئے حضور مقبلے را دریاب
صد کعبۂ آب و گِل بیک دل نرسد — کعبہ چہ روے برو دلی را دریاب

(۳۱)

با دشمن و دوست فعل نیکو، نیکوست — بد کے کند آنکہ نیکیش عادت و خوست
با دوست چو بد کنی شود دشمن تو — با دشمن اگر نیک کنی گردد دوست

(۳۲)

خواہی کہ ترا رتبتِ اسرار رسد — مپسند کہ کس را زتو آزار رسد
از مرگ میندیش و غمِ رزق مخور — کیں ہر دو بوقتِ خویش ناچار رسد

(۳۳)

بدخواہِ کساں ہیچ بہ مقصد نہ رسد — یک بد نکند تا بخودش صد نہ رسد
من نیک تو خواہم تو بخواہی بدِ من — تو نیک نہ بینی و بہ من بد نہ رسد

(۳۵)

با مردم پاک اصل و عاقل آمیز — وز نا اہلاں ہزار فرسنگ گریز
گر زہر دہد ترا خردمند بنوش — ور نوش رسد ز دست نا اہل بریز

(۳۶)

(۱۰) عشق و محبت۔

اے وائے بر آں دل کہ درو سوزی نیست — سودا زدۂ مہر دل افروزی نیست
روزی کہ تو بے عشق بسر خواہی برد — ضائع تر ازاں روز ترا روزی نیست

(۳۷)

پیرانہ سرم عشق تو در دام کشید — ور نہ زکجا دست من و جام نبید

آں توبہ کہ عقل داد جاناں بشکست | وآں جامہ کہ صبر دوخت ایام درید

(۳۸)

عشقے کہ مجازی بود آبش نبود | چوں آتش نیم مردہ تابش نبود
عاشق باید کہ سال وماہ وشب وروز | آرام وقرار وخور وخوابش نبود

(۱۱) انقلاب ہستی

(۳۹)

ہرجا کہ گلے ولالہ زاری بودست | از سرخی خون شہر یاری بودست
ہر شاخ بنفشہ کز زمیں می روید | خالی ست کہ بر رخ نگاری بودست

(۴۰)

ایں کوزہ چو من عاشق زاری بودہ است | در بند سر زلف نگاری بودہ است
ایں دستہ کہ بر گردن وی می بینی | دستیست کہ در گردن یاری بودہ است

(۴۱)

ہر سبزہ کہ بر کنار جوی رستست | گوئی زلب فرشتہ خوی رستست
تا بر سر سبزہ پا بخواری نہ نہی | کاں سبزہ ز خاک ماہ روی رستست

(۴۲)

خاکے کہ بزیر پائے ہرنادانیست | زلف صنمے وعارض جانانیست
ہر خشت کہ بر کنگرہ ایوانیست | انگشت وزیرے وسر سلطانیست

(۱۲) اعمال ظاہری بیکار ہیں۔ اگر خلوص نیت نہ ہو۔

(۴۳)

با تو بخرابات اگر گویم راز! | بہ زانکہ بہ محراب کنم بی تو نماز
اے اول واے آخر خلقاں ہمہ تو | خواہی تو مرا بسوز خواہی بنواز

(۱۳) ارباب معرفت کے اعمال خوف وطمع کی بنا پر نہیں ہوتے۔

(۴۴)

در مدرسہ و صومعہ و دیر و کنشت ترسندہ ز دوزخ اند و جویائے بہشت
آں کس کہ ز اسرار خدا باخبر است زیں تخم در اندرون دل ہیچ نہ کشت

(۱۴) خیام کی رباعیات سے اُس کے عقائد پر استدلال کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ شاعری کے پردہ میں معلوم نہیں، شاعر کیا کچھ کہہ جاتا ہے۔ خیام کو بعض ملحد و زندیق کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک وہ طبقۂ صوفیائے کرام میں داخل ہے اور رحمۃ اللہ علیہ کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ بہرحال کفر و اسلام کے فیصلہ کرنے میں ذاتی حالات کی بھی تفتیش کرنا ضروری ہے اور محض ظاہری الفاظ کی بنا پر قطعی حکم دیدینا وضع الشئی فی غیر محلہ کا مصداق ہے۔ عموماً متصوفین اور شعرائے ایران ایسے مضامین لکھ جاتے ہیں، جن کو راز و نیاز کی باتیں کہنا چاہیے۔ مگر علمائے شریعت اُنہی الفاظ کی بنا پر کفر اور قتل کا فرمان صادر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں اگر ان شاعرانہ خیالات پر حکیم عمر خیام کو الحاد اور زندقہ سے منسوب کیا جاتا ہے تو حافظ شیرازی، مولانا رومی، مولانا عطار وغیرہ جیسے نامور صوفی بھی اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔ اور اگر محض ساقی و شراب کی مداحی سے یہ فرد جرم لگائی گئی ہے، تو حقیقت میں یہ کوئی جرم نہیں، کیونکہ مشرقی شاعری کا خمیر شراب سے ہوا ہے۔ تصوف کے خشک مضامین، مونگ کی اُبالی کھچڑی سے بھی زیادہ ناگوار ہوتے ہیں، لیکن یہ صرف شراب کی برکت ہے کہ یہ خشک نوالے، لقمۂ تر کی طرح، خوش گوار اور پُر ذائقہ ہو جاتے ہیں، اور ارباب ظاہر ان کو چبا چبا کر کھاتے ہیں، شراب اور اُس کی کیفیات اور جذبات پر عام شعراء نے طبع آزمائیاں کی ہیں۔ اور چونکہ حکیم عمر خیام بھی شاعر ہے لہٰذا اُس کی رباعیات بھی شراب کی چاشنی سے خالی نہیں ہو سکتی ہیں۔

اول ذیل کی رباعیاں پڑھو، پھر خیام اور اُس کی شراب نوشی پر نظر ڈالو کہ وہ کس قسم کا رند شرابی ہے۔

(۴۵)

مے می خورم و مخالفاں از چپ و راست گویند مخور بادہ کہ دیں را اعداست
چوں دانستم کہ مے عدوئے دین است واللہ بخورم خون عدو را کہ رواست

(۴۶)

فصل گل و طرف جوئبار و لبِ کشت | با یک دو سہ اہل و لعبتے حور سرشت
پیش آر قدح کہ بادہ نوشانِ صبوح | آسودہ ز مسجد اند و فارغ ز کنشت

(۴۷)

من می خورم و ہر کہ چو من اہل بود | مے خوردن من بنزد او سہل بود
مے خوردن من حق بازل می دانست | گر مے نخورم علمِ خدا جہل بود

(۴۸)

در میکدہ جز بے وضو نتواں کرد | واں نام کہ زشت شد نکو نتواں کرد
خوش باش کہ ایں پردہ مستوریِ ما | بدریدہ خیال شدہ کہ رفو نتواں کرد

(۴۹)

مے گرچہ حرام ست وے تا کہ خورد | آنگاہ چہ مقدار، و دگر با کہ خورد
ہرگاہ کہ ایں سہ شرط شد راست بگو | پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد

(۱۵) خیام صوفی مذہب ہے، موحد ہے، رسالت کی تصدیق کرتا ہے، حشر و نشر کا قائل ہے، عذاب وثواب کو جانتا ہے، اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہے۔ خدا سے معافی کا طالب ہے، اور اس کو عالم الغیب جانتا ہے، احکام قضا و قدر کا قائل ہے۔ اور یہی اصول مذہب کے اعضائے رئیسہ ہیں، اور ان ہی پر کفر و اسلام کا فیصلہ ہے۔

(۵۰)

بت خانہ و کعبہ خانۂ بندگیست | ناقوس زدن ترانۂ بندگیست
محراب و کلیسا و تسبیح و صلیب | حقا کہ ہمہ نشانہ بندگیست

(۵۱)

گر گوہرِ طاعتت نہ سفتم ہرگز | گرد گنہ از چہرہ نہ رفتم ہرگز
با ایں ہمہ نومید نیم از کرمت | زاں روی کہ یکے را دو نگفتم ہرگز

(۵۲)

ساقی قدحی کہ ہست عالم ظلمات — جز روئے تو نیست در جہاں آبِ حیات
ازجان و جہان و ہرچہ در عالم ہست — مقصود توئی و بر محمد صلوات

(۵۳)

از خالق کردگار و از ربِّ رحیم — نومید مشو بجرم عصیان عظیم
گرمست و خراب مردہ باشی امروز — فردا بخشد بر استخواں ہائے رمیم

(۵۴)

من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست — تاریک دلم نورِ صفائے تو کجاست
ما را تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی — ایں بیع بود لطف وعطائے تو کجاست

(۵۵)

اے واقفِ اسرارِ ضمیر ہمہ کس — در حالت عجز دستگیر ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ دہ و عذر پذیر — اے توبہ دہ و عذر پذیر ہمہ کس

(۵۶)

یک یک ہنرم ببین و گنہ دہ دہ بخش — ہر جُرم کہ رفت حسبۃً للہ بخش
از بادِ ہوا آتشِ کیں را مفروز — ما را بسرِ خاکِ رسول اللہ بخش

(۵۷)

اے دل چو حقیقت جہاں ہست مجاز — چندیں چہ بری خواری ازیں رنج و نیاز
تن را بہ قضا سپار و باوقت بساز — کیں رفتہ قلم ز بہر تو ناید باز

رباعیات مندرجہ بالا کے انتخاب سے خیام کے عام خیالات اور جذبات کا ایک مختصر خاکہ ذہن نشین ہوگیا ہوگا۔ لیکن اگر تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجموعۂ رباعیات کی سیر کرو، اس مجموعہ میں ہزاروں خیالات ہیں جس کے مطالعہ سے مفید نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

رباعیات کی تعداد | انڈیا ہاؤس لنڈن، نیشنل لائبریری پیرس، کتب خانہ مسٹر باڈلی اکسفورڈ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ اورینٹیل پبلک لائبریری بانکی پور وغیرہ کے

قدیم کتب خانوں میں جو قلمی اور مطبوعہ نسخے رباعیات کے موجود ہیں ان میں پندرہ سے آٹھ سو ایک تک رباعیاں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر مجموعہ کی ترتیب بھی جداگانہ ہے۔ جنھوں نے بہ لحاظ ابجد ترتیب دیا ہے اُن میں سب سے پہلی رباعی یہ ہے

(۵۸)

آمد سحرے ندا از میخانۂ ما ۔ کائے رندِ خراباتی و دیوانۂ ما
برخیز کہ پُر کنیم پیمانہ زمے ۔ زاں پیش کہ پُر کنند پیمانۂ ما

اکسفورڈ کا نسخہ اس رباعی سے شروع ہوا ہے۔

گر گوہر طاعتت نہ سفتم ہرگز ۔ در گرد رہت ز رخ نہ رفتم ہرگز
نومید نیم ز بارگاہ کرمت ۔ زیرا کہ یکے را دو نہ گفتم ہرگز

علی ہذا القیاس ہر ایک نسخہ کی ابتدا ایک نئی رباعی سے ہے۔ اور ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں میں سات سو ستر رباعیاں تک چھپ چکی ہیں۔ اور نسخۂ مطبوعہ طہران میں صرف دو سو تیس رباعیاں ہیں۔ انگریزی تراجم میں بھی مختلف حیثیتوں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ چنانچہ پچھتر لغایت پانچ سو رباعیاں اس وقت تک ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن تحقیقات سے اس وقت تک عمر خیام کی رباعیات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔

رباعیات کا اثر یورپ میں

ایک منجم اور فلسفی کی حیثیت سے یورپ میں خیام کی صدیوں سے شہرت ہے۔ لیکن شاعری کے لحاظ سے وہ سترھویں صدی کے ابتدا میں مشہور ہوا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں، فردوسی اور حافظ سے بھی نام آوری میں بڑھ گیا۔ جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خیام کے فدائیوں نے بطور دوامی یادگار کے دارالسلطنۃ لندن میں "عمر خیام کلب" قائم کیا ہے۔ جس کی سالانہ روئداد ہر سال چھپتی اور شائع ہوتی ہے۔ اور چونکہ اخباری دنیا کی مخلوق ان حالات سے کم و بیش واقف ہے لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں۔

علمی رسائل میں جہاں تک ہم نے خیام کے حالات پڑھے ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۷۰۰ء سے ۱۸۵۶ء تک رباعیات کا کوئی مستقل مجموعہ یورپ میں شائع نہیں ہوا البتہ کسی تاریخ میں یا تو ضمناً تذکرہ ہے یا صرف و نحو، عروض و قافیہ اور فارسی علم ادب کی تاریخوں میں (جو انگریزی میں لکھی

گئی ہیں اور باعیات کا انتخاب شائع ہوا ہے۔ لیکن وان ہمبر یہ گستال مسٹر گوما و سلی اور پروفیسر کاول کی عالمانہ توجہ سے یہ مذاق روز بروز بڑھتا گیا۔ اور مسٹر ایڈورڈ فٹیز جرلڈ کی سعی بلیغ سے تمام یورپ میں خیام کا نام بلند ہو گیا۔ اس شخص کی نسبت یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ یہ محض خیام کے زندہ کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔

ہمارے سابق وائسرائے نواب لارڈ کرزن بہادر، اپنے سفرنامہ ایران میں نیشاپور کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "بہت سے انگریز ناظرین نیشاپور کو صرف اس تقریب سے پہچانتے ہوں گے کہ یہ ایران کے اس ہئیت داں (اسٹرانومر) اور شاعر عمر خیام کا دارالقرار ہے۔ جس کا نام اور جس کا کلام موجودہ نسل کو فٹیز جرلڈ کے بے نظیر ترجمے اور اس سے کمتر درجہ کے بہت سے شعراء کے مطابق اصل و تصرف آمیز تراجم کے ذریعہ سے اچھی طرح معلوم ہو گئے ہیں، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اصحاب ثانی الذکر میں سے کسی ایک تصنیف کے دیباچہ میں میں نے یہ منکسرانہ درخواست لکھی ہوئی دیکھی تھی کہ "کاش! کوئی شخص میری اس کتاب کو نیشاپور لے جا کر عمر خیام کے مقبرہ پر نذر چڑھا دے"۔

بہ حیثیت ایک مسلمان تمام علمائے یورپ کا عموماً اور مسٹر فٹیز جرلڈ کا خصوصاً ہم بھی خاص شکریہ ادا کرتے ہیں (اگرچہ ہم کو ان کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں ہے) کہ جو کام مسلمانوں کے کرنے کا تھا وہ ان علم دوست حضرات نے کیا۔ اور ساتھ ہی فارس کے تذکرہ نویسوں پر افسوس کرتے ہیں کہ انھوں نے اُس کو شریعت و طریقت سے خارج سمجھ کر نہ تو اُس کے کلام کی قدر دانی کی اور نہ اُس کی مفصل سوانح عمری لکھی۔

یورپ میں رباعیات کے اشاعت کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ۱۸۵۸ء میں اول مرتبہ لندن کے کسی مطبع نے صرف پچھتر رباعیات کا انگریزی ترجمہ (بغیر نام مترجم) شائع کیا۔ لیکن جب عرصہ دراز تک کوئی اس جوہر گرانمایہ کا خریدار نہ ہوا اور دو سو جلدوں میں سے ایک بھی فروخت نہ ہوئی تب مجبور ہو کر تمام نسخے مستعمل کتابوں کے ہمراہ فروخت کے لئے رکھ دیئے گئے اور بجائے پانچ شلنگ (۲؍۱۲ روپے) اصلی قیمت کے صرف ایک پینی (۱؍) قیمت قرار دی گئی۔ تب پانچ خریدار ہوئے اور چونکہ علمی دنیا کا یہ ایک خاص واقعہ ہے لہٰذا مورخوں نے ان کے نام بھی لکھ لئے ہیں اور وہ یہ ہیں [1] مسٹر ڈنٹی۔ [2] جبرائیل راسٹ

لے ترجمہ سفرنامہ موسومہ خیابان فارس جلد اول صفحہ ۵۲۹ مطبوعہ مطبع شمسی حیدرآباد دکن ۱۹۰۲ء

ٹموکلیمز دیرش، اور سوتن شمرن۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ملک میں عام خیالات کے مخالف جب کوئی مذہبی یا علمی خیال پیش کیا جاتا ہے تو بلا تحقیقات اول اُس کی مخالفت شروع کی جاتی ہے۔ اور زمانہ دراز تک دنیا ان فوائد سے محروم رہتی ہے۔

الغرض ارکان خمسۂ مذکورہ کی توجہ اور علمی سرگرمی سے پھر توان رباعیات کی بڑی شہرت ہوئی۔ اور سوئن برن مذکور خیام کے فلسفہ کا ایک اعلیٰ رُکن قرار پایا۔

۱۸۶۸ء میں جب یہ رباعیات دوبارہ شائع ہوئیں تو اُس نسخہ کو فٹیزجرالڈ نے بہ ترمیم و اضافہ خاص طور سے مرتب کرکے شائع کیا اور یہ نسخہ بحر اٹلانٹک طے کرکے امریکہ پہنچا۔ امریکن قوم نے اُس کو آنکھوں سے لگایا اور قبولیت کے ہاتھوں میں لے کر ذوق و شوق سے مطالعہ کیا۔ چونکہ رباعیات کے پڑھنے والے اب بکثرت ہو گئے تھے اور لومۃ لائم کا خوف باقی نہیں تھا اس وجہ سے انگلینڈ اور امریکہ دونوں میں رباعیات کی سیکڑوں جلدیں فروخت ہوئیں اور خیام کا فلسفہ فری میشنری کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اور دوستوں میں برادرانہ اخوت اور محبت کا باعث ہوا۔ ۱۸۷۲ء[1] میں تیسری مرتبہ باضافہ جدید ایک مجموعہ اور شائع ہوا۔ اور اسی طرح ۱۸۷۹ء میں ایک مجموعہ نکلا۔ اور اب تو خیامی فلسفہ روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ لندن، جرمن، فرانس، امریکہ میں خیام کی رباعی پڑھنے والے ہزاروں سے متجاوز ہیں۔

اہل[2] یورپ خیام کو مشرق کا والٹائر کہتے ہیں (محققین کے نزدیک یہ کامل تشبیہ نہیں ہے) اور بعض روما کا لکریشس فلسفی اور شاعر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ جودت طبع اور اخلاق و عادات، اور حوادث زمانہ کے لحاظ سے دونوں کی زندگی یکساں ہے۔ بہرحال خیام کو جو چاہیں سمجھیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ خیام کا فلسفہ اپی کورس، دیوجانس کلبی، مہاتما بدھ سے بہت ملتا جلتا ہے، اور فلاسفران یورپ

---

[1] محض انگریزی تراجم اور انگریزی معہ اصل، دونوں قسم کے نسخہ جات تھیکر، نیومن، رادھا بائی تاجران کتب کلکتہ اور بمبئی کی دکانوں میں موجود ہیں۔ اور سب سے اعلیٰ درجہ کا نسخہ امریکہ نے تیار کیا ہے جس میں یہ التزام ہے کہ ہر رباعی کا مضمون بذریعہ ایک تصویر کے دکھایا گیا ہے۔ یہ امریکہ کی صناعی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے تخمیناً پچاس روپیہ اس کی قیمت ہے۔ اور ایک منتخب نسخہ اسی صنعت کا مطبوعہ لندن تین چار روپیہ میں آتا ہے۔

[2] انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۹، صفحہ ۱۷۰۔ فائل کالج میگزین ۱۹۱۰ء بحوالہ کلکتہ ریویو۔

بائرن، سوئن برن، شوپن ہیوز اسی سلسلہ میں داخل ہیں، اور بقول محققین "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" پی سٹمی۔ مشک فلسفہ بھی انہی حکماءؔ کے حکما کے خیالات سے ماخوذ ہے اور وہ فی نفسہٖ کوئی لا ایجاد فلسفہ یا شاعرانہ خیال نہیں ہے۔

تصنیفات

جس شخص کا یہ قول ہو کہ "مے خوردن وشاد بودن آئین من است" اُس کی نسبت یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ کبھی علم وحکمت کے راز سربستہ حل کرتا ہوگا، یا اصطرلاب ودوربین سے کام لیتا ہوگا؛ مگر نہیں، حکیم عمر خیام ہمارے فائدے کے لئے کنج عزلت میں بیٹھکر عقلی مسائل حل کرتا تھا۔ اور اپنے زمانہ کا ایک نامور مصنف بھی تھا۔ تصنیفات کی مختصر فہرست یہ ہے۔

(۱) جبر ومقابلہ — جبر ومقابلہ کے ابتدائی اصول اگرچہ مسلمانوں نے یونانیوں سے سیکھے ہیں مگر ان کو اس درجۂ کمال پر پہنچا دیا کہ خود موجد قرار پائے اور یورپ نے جبر ومقابلہ عرب سے سیکھا اور اپنی زبان میں ماخذ کو قائم رکھکر "الجبرا" نام رکھا۔

مامون الرشید عباسی کے مبارک زمانہ میں جہاں اور علوم وفنون نے حکماء کی گودوں میں پرورش پائی، وہاں جبر ومقابلہ نے بھی جنم لیا تھا۔ اور سب سے پہلے ابوعبداللہ محمد بن موسٰی خوارزمی

۱؎ حکماء کا جو گروہ دنیا کو مصائب اور آلام سے بھرا ہوا خیال کرتا ہے وہ پی سی مسٹ کہلاتا ہے۔

۲؎ اصطرلاب ایک بہت ہی سادہ آلہ ہے۔ اس میں ایک فلزی حلقہ ہے جس پر درجے کندہ ہیں اور اس دائرہ پر ایک مشیر گردش کھاتا ہے جس کے آرپار سوراخ ہے آلہ کو کندے پر لٹکا دیتے ہیں اس وقت آلہ عمودی حالت پیدا کرتا ہے تب مشیر کو آفتاب کی طرف پھرا دیتے ہیں اور جس وقت شعاع آفتاب سوراخ سے پار ہو کے حلقہ پر پڑتی ہے اور اس درجے کو پڑھ لیتے ہیں اور اس سے آفتاب کا ارتفاع معلوم ہوجاتا ہے یہ لفظ عربی میں یونانی سے آیا ہے اور دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے، اسٹرال (ستارہ) اور لابین (لینا)، یعنی وہ آلہ جس سے تاروں کا ارتفاع لیا جاتا ہے اور یہ لفظ عربی سے یورپ کی زبانوں میں گیا ہے۔ تمدن عرب صفحہ ۲۶ ضمیمہ، تمدن عرب صفحہ ۱۰۔

۳؎ الجبر والمقابلہ۔ جبر اصل میں کسی نقصان کا برابر کردینا ہے مثلاً لکسر الید یعنی جبر الید ٹوٹے ہوئے ہاتھ کو بٹھا دینا۔ حساب میں کسی عدد کو اس غرض سے بڑھانا کہ وہ دوسرے کے برابر ہوجائے یعنی وہ عمل جو مساوات میں ہوتا ہے اور اسی لئے اس علم کا نام اَلْجَبْرُ وَالْمُقَابَلَہُ ہوا۔ ضمیمہ تمدن عرب صفحہ ۶۔ ۴؎ ۸۳۰ء میں یہ نامور عالم فوت ہوا۔ اس کی کتاب جبر ومقابلہ کا انگریزی ترجمہ کیا گیا تھا اور ۱۸۳۱ء میں چھپ گئی ہے۔

اس فن سے واقف ہوا اور آیندہ وہی اس کی ترقی اور اشاعت کا سبب ہوا جس کو آہستہ آہستہ عربوں نے مکمل کر دیا۔

مامون الرشید کے زمانہ کو اگر ابو عبداللہ پر فخر ہے تو عہد دولت ملک شاہ سلجوقی بھی عمر خیام پر ناز کر سکتا ہے، کیونکہ جبر و مقابلہ وہ لطیف فن ہے جو عقل انسانی کی مخترعات کا بہتر نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ خیام کی کتاب جبر و مقابلہ مفقود سمجھی جاتی تھی، مگر علماء یورپ کو ایک قلمی نسخہ مل گیا ہے۔ اور ۱۷۴۲ء میں کتب خانہ لیڈن (ہالینڈ) میں وہ نسخہ داخل ہوا ہے اور غالباً ۱۸۱۵ء میں اسی نسخہ کی نقل علمائے فرانس نے معہ ترجمہ فرنچ و اصل عربی چھاپ کر شائع کی ہے۔ جس کا کوئی خاص نام نہیں ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں اس کو "اسٹنڈرورک ان الجبرا" لکھا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ خیام کی یہ پہلی تصنیف آج دنیا میں موجود ہے۔ البتہ علم المساحۃ و المکعبات اور اقلیدس کی شرح کا اس وقت تک پتہ نہیں ہے۔ ریاضی اور نجوم میں خیام نے بطور سلسلے کے چند کتابیں لکھی ہیں مگر ان کے صحیح نام نہیں بتائے جا سکتے ہیں۔ کتاب جبر و مقابلہ کے علاوہ خیام کی تصنیف میں چار رسالے اور ہیں جن کی مختصر کیفیت یہ ہے۔

(۴) میزان الحکم۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی تصنیف ہے، اس میں خیام نے وہ اصول لکھے ہیں جن کی مدد سے مرصع اور جڑاؤ زیورات کا وزن دریافت کیا جاتا ہے اور بغیر زیور توڑنے اور جواہرات الگ کرنے کے وزن معلوم ہو جاتا ہے۔

(۵) لوازم الامکنہ۔ فصول اربعہ اور ہواؤں کے اختلاف کے اسباب اس رسالہ میں لکھے ہیں۔

(۶) وجود کی حقیقت پر ایک مختصر رسالہ۔

(۷) "کون اور مسئلہ تکلیف پر ایک رسالہ"

(۸) "رباعیات" رباعیات خیام کی مختصر تاریخ، ہم لکھ چکے ہیں۔ ہندوستان میں خیام کی شہرت عام محض رباعیات سے ہوئی ہے لیکن افسوس ہے کہ خاص اہتمام اور صحت سے کوئی مکمل نسخہ رباعیات کا ہنوز ہندوستان میں شائع نہیں ہوا ہے۔ کلکتہ، بمبئی، لکھنؤ اور پنجاب کے مطبوعہ نسخے اس لائق نہیں ہیں کہ زینت کتب خانہ ہو سکیں۔ یورپ کے مطبوعہ نسخ میں سب سے بہتر نسخہ "بوڈلیئن لائبریری" کا ہے جس میں اصل رباعیات کا فوٹو چھاپا گیا ہے۔ اور جس نسخہ کا یہ عکس ہے وہ بمقام شیراز لکھا گیا ہے خاتمہ کی یہ عبارت ہے "شیخ محمود، عشرہ آخر ماہ صفر ۸۶۵ھ مقام شیراز۔"

ؔ تصنیفات کا حال تاریخ الحکماء اور گنج دانش سے ماخوذ ہے۔

حکیم عمر خیام کا متفرق کلام فضل و کمال، امام غزالی سے مناظرہ،

مذہبی علوم نجوم، خانگی زندگی، اور موت

قطعہ فارسی مورخ اور تذکرہ نویس، اس پر متفق ہیں کہ حکیم عمر خیام، اپنے زمانہ کا نہایت نامور فقیہ، محدث، مفسر، ادیب، اصولی، لغوی، فلسفی، اور نجومی تھا۔ لیکن آٹھ سو برس تک اس کے نام کو جس نے زندہ رکھا وہ صرف شاعری ہے۔ اور اگرچہ خیام کی شاعری رباعیات تک محدود ہے۔ لیکن اسلوب بیان کی جدت، قوت تخیل، طرز استدلال، زبان کی سادگی، شوخی ظرافت، اور فلسفیانہ طرز ادا، بتا رہا ہے کہ خیام ایک اعلیٰ درجہ کا شاعر ہے۔ البتہ علاوہ رباعیات کے اور کسی قسم کا کلام تذکروں میں درج نہیں ہے۔ صرف ایک قطعہ اور کچھ عربی اشعار ہیں وہ نذر ناظرین ہیں۔ اور عالم ناداری میں یہ بھی گرانمایہ ہے۔

قطعہ

دوشش باعقل در سخن بودم — کشف شد بر دلم مثالے چند

گفتم اے مایۂ ہمہ دانش — دارم الحق بتو سوالے چند

چیست ایں زندگانی دنیا — گفت خوابیست یا خیالے چند

گفتم از وے چہ حاصل ست بگو — گفت دردِ سر و وبالے چند

گفتم ایں نفس کے شود رامم — گفت چوں یافت گوشمالے چند

گفتم اہل ستم چہ طائفہ اند — گفت گرگ و سگ و شغالے چند

گفتم ایں بحث اہل دنیا چیست — گفت بیہودہ قیل و قالے چند

گفتم اہل زمانہ در چہ فن اند — گفت در بند جمع مالے چند

---

[1] دیکھو تاریخ الحکما شہرزوری حالات خیام۔

[2] خطیرۃ القدس صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۷ھ



حکیم عمر خیّام نیشاپوری

گفتمش چیست، کہ خدائی، گفت — ساعتے عیش و غصہ ساعتے چند
گفتم او را مثال دنیا چیست — گفت زالے کشیدہ خالے چند
گفتمش چیست گفتہ اے خیام — گفت پندست حسب حالے چند

۱ یلہٰی لی الدنیا بل السبعۃ العلی — بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری ۱
۲ اصوم علی الفحشاء جھرًا و خفیۃ — عفافًا و افطاری بتقدیس خاطری ۲
۳ وکم عصبۃ ضلت عن الحق فاھتدت — بطرف الھدیٰ من فیضی المتقاطر ۳
۴ فان صراط المستقیم بصائر — نصبن علی وادی العمی کالقناطر ۴
۵ اذ قنعت نفسی بمیسور بلغۃ — یحصلھا بالکدّ کفی و ساعدی ۵
۶ امنت تصاریف الحوادث کلھا — فکن یا زمانی موعدی او مساعدی ۶
۷ وھبنی اتخذت الشعر بین منازلی — وفوق مناط الفرقدین مصاعدی ۷
۸ متی باعدت دنیاک کان مصیبۃ — فوا عجبا من ذا القریب المباعد ۸

لہ اخبار العلماء باخبار الحکماء علامہ قفطی اور تاریخ الحکماء شہرزوری سے یہ اشعار منقول ہیں۔ یہ دوسری کتاب نایاب ہے قلمی نسخہ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی میں موجود ہے ترجمہ اشعار حسب ذیل ہے۔

۱۔ میری طبیعت جب جوش میں آتی ہے تو دنیا بلکہ ساتوں آسمان بلکہ افق اعلیٰ تک کی تدبیر کراتی ہے۔

۲۔ پاک دامنی کی وجہ سے میں ترک معصیت کا روزہ رکھتا ہوں، اور پاکیزگی قلب سے افطار کرتا ہوں۔

۳۔ بہت سی جماعتیں جو راہ راست سے ہٹ گئی تھیں۔ میرے برتتے ہوئے فیض سے ہدایت پاگئیں۔

۴۔ "راہ راست" مثل ان نشان میل کے ہیں۔ جو وادی ضلالت میں پُل کی طرح قائم کئے گئے ہیں۔

۵۔ جب میرا نفس تھوڑی روزی پر قناعت کرلیتا ہے۔ تو میری ہتیلی اور میرا بازو اُس کو کوشش سے حاصل کرلیتا ہے۔

۶۔ چونکہ میں گردش زمانہ سے بے پرواہوں۔ تو اے زمانہ خواہ مجھے دھمکا یا میری موافقت کر مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے۔

۷۔ میں نے مانا کہ میں گھر میں شعر کہتا ہوں۔ مگر میرا رتبہ فرقدین ستارہ سے بالاتر ہے۔

۸۔ جب دنیا تجھ سے دور ہو تو یہ ایک مصیبت ہے۔ اور یہ کس قدر عجیب ہے کہ وہ قریب بھی ہے اور دور بھی۔

۹ انما کان محصول الحیاۃ منیۃ   فسیان حالا کل ساع و قاعد

۱۰ رضیت دھرًا طویلاً فی التماس اخ   یرعی ودادی اذا ذوخلۃ خانا

۱۱ فکم الفت وکم اجبت غیر اخ   وکم تبدلت بالاخوان اخوانا

۱۲ وقلت للنفس لما عز مطلبھا   باللہ ما تالفی ما عشت انسانا

فضل وکمال

ایشیا۔ اور یورپ میں بوعلی سینا کا حکمت اور فلسفہ میں جو درجہ ہے وہ مسلم ہے لیکن شیخ کے ہم پلہ اور اُس کا ہمسر اگر کوئی صوبہ خراسان میں ہوا ہے تو وہ حکیم عمر خیام ہے۔ اور یہ دعوی اُن مورخوں کا ہے جو خود اپنے زمانے میں امام فن مانے جاتے تھے۔ اور امام غزالیؒ سے خیام کا مناظرہ ہونا بھی اس کے فضل وکمال کی ایک روشن دلیل ہے

امام غزالی سے مناظرہ

حکیم عمر خیام جس طرح حکمت وفلسفہ میں امام تھا۔ اسی طرح مذہبی علوم کا بھی عالم تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایسے روشن دماغ اور آزاد خیال علماً فقہا کی عامیانہ تقلید سے آزاد رہتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فلسفہ کا غلبہ مذہب کی شان میں کبھی کبھی گستاخیاں بھی کرجاتا ہے۔ یہی حال خیام کا بھی تھا۔ اور اس بنا پر مذہبی گروہ، خیام کا مخالف تھا۔ اور خیام کے ہم عصروں میں امام غزالی، علماء ملت میں سب کے سرتاج تھے۔ لہذا یاروں کے کہنے سے ایک دن خیام کے پاس مناظرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور حکیم سے پوچھا کہ جب آسمان کے تمام اجزاء متشابہ اور متحد الحقیقۃ ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض اجزاء قطبین قرار پائے" خیام نے سوال سن کر اپنی عادت کے مطابق (خیام کو مسائل فلسفہ بیان کرنے میں ازحد بخل تھا) یہ معمولی جواب دیا کہ میں نے اس مسئلہ کو نہایت تفصیل سے اپنی کتاب عرائس النفائس میں لکھا ہے۔ مگر یہ جواب ایک سائل کے

۹۔ جب حیات کا اخیر نتیجہ موت ہے تو پھر کوشش کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔

۱۰۔ میں عرصہ تک ایسے بھائی کو تلاش کرتا رہا جو دوستی کی اس وقت رعایت کرے جب دوست خیانت کرجاتے ہیں۔

۱۱۔ اکثر یہ ہوا کہ میں نے اجنبی سے دوستی کی اور اجنبی کو بھائی بنایا۔ اور اکثر میں نے بھائیوں کو چھوڑ کر دوسرے بھائی بنائے۔

۱۲۔ لیکن جب خاطر خواہ کوئی دوست نہ ملا تو میں نے دل سے کہا کہ خدا کی قسم تیرا مطلوب نایاب ہے۔ لہذا تا زیست کسی سے دوستی ہی نہ کر (یعنی ایسا انسان جو قابل دوستی ہو وہ معدوم ہے)

[1] امام خراسان وعلامۃ الزمان یعلم علم یونان الخ اخبار العلماء، صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ مصر و تاریخ الحکماء شہرزوری

واسطے کافی نہ تھا لہٰذا خیام نے ابتدائی مراتب بیان کر کے اس مسئلہ سے ابتدا کی کہ "حرکت کس مقولے سے ہے" اور تقریر کو اس قدر وسعت دی کہ نماز ظہر کی اذان ہو گئی۔ اور بحث ہنوز ناتمام تھی لیکن امام صاحب یہ کہکر کھڑے ہو گئے کہ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ افسوس ہے کہ خیام کی یہ تقریر قلمبند نہیں ہوئی ورنہ حکمت و فلسفہ کے جوہر کھلتے۔ اور شائقین مستفید ہوتے۔

تحصیل زبان یونانی بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ عمر خیام یونانی جانتا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جنھوں نے علوم یونانی بذریعہ تراجم حاصل کئے ہیں، عمر خیام کا درجہ فلسفہ اور حکمت میں بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور چونکہ خیام فلسفہ یونان کا درس زیادہ دیا کرتا تھا اور ہمیشہ ان ہی خیالات میں ڈوبا رہتا تھا۔ لہٰذا یہ روایت قرین قیاس ہے کہ خیام یونانی ضرور جانتا تھا۔

تفسیر القرآن قاضی عبدالرشید بن نصر کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مرو کے حمام میں عمر خیام سے ملاقات ہوئی۔ میں نے سورۂ معوذتین کے معنی دریافت کئے۔ اور یہ بھی پوچھا کہ بعض الفاظ ان سورتوں میں مکرر کیوں آئے ہیں؛ خیام نے ایک بسیط تقریر میں تمام شبہات رفع کر دیئے، دوران تقریر میں مفسرین کے اقوال، اُن کے دلائل و شواہد اس تفصیل سے بیان کئے کہ اگر میں اُن کو قلمبند کرتا تو ایک کتاب بن جاتی۔ حالانکہ خیام کو ان علوم کے ساتھ خاص دلچسپی نہ تھی اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جن علوم میں خیام نے تمام عمر صرف کر دی۔ اُس میں کس قدر عبور ہو گا۔

قرأت شہاب[۱] الاسلام، عبدالرزاق، وزیر سلطان سنجر کے دربار میں علمی صحبت تھی، فن قرأت کے امام ابوالحسن غزالی بھی موجود تھے۔ اور اختلاف القرأت پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ خیام آ گیا۔ وزیر نے خیام کو آتا ہوا دیکھکر کہا "علی الخبیر سقطنا" (واقف کار آ گیا) بعد ازاں مسئلہ زیر بحث پیش ہوا۔ خیام نے ساتوں قرأتیں، شاذ روایتیں، اور اُن کے دلائل بیان کر کے ایک قرأت کو ترجیح دی۔ امام ابوالحسن فیصلہ سن کر فرمانے لگے "کہ حکماء کا کیا ذکر ہے۔ خود قاریوں میں سے کسی کو اس درجہ کی معلومات نہیں ہو سکتی ہے۔"

قوت حافظہ تاریخ الحکما شہرزوری میں لکھا ہے کہ اصفہان میں کوئی کتاب خیام کو پسند آئی، اور سات[۳] مرتبہ اُس کا مطالعہ کیا۔ جب نیشاپور آیا پوری کتاب زبانی لکھوا دی۔ جب اصل سے

---

[۱] اخبار العلما صفحہ ۱۶۲۔ [۲] شہرزوری۔ [۳] شہرزوری۔

مقابلہ کیا گیا، تو برائے نام فرق نکلا۔

سلاطین کے دربار میں اعزاز ملک شاہ سلجوقی نے ترمیم سنہ فارسی، اور تکمیل رصد کے بعد حکیم عمر خیام کی جو عزت افزائی کی اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ علاوہ جاگیر دار ہونے کے دربار ملک شاہ میں خیام کو ندیمون کا درجہ حاصل تھا اور اس کا بیٹا سنجر بھی خیام کو اپنے برابر تخت پر بٹھاتا تھا (حالانکہ ایک خاص واقعہ سے سنجر ناراض تھا) اور شمس الملوک خاقان بخارا کا بھی خیام کے ساتھ یہی برتاؤ تھا اور یہ وہ اعزاز تھا کہ جس پر خواجہ نصیر الدین طوسی جیسا علامہ رشک کیا کرتا تھا اور ہلاکو خاں سے یہ واقعہ بیان کر کے فخریہ کہا[۱] تھا کہ "فضل من صد بار بر فضل عمر خیام است اما تعظیم علماء دریں روزگار نماندہ"۔

علم نجوم یونان سے علوم و فنون کا جو سیلاب آیا اُس میں نجوم کا بھی خاص درجہ ہے حکماء یونان میں سے ہر ایک مطلع نجوم اور اس کے احکام کا قائل تھا۔ مسلمانوں نے جہاں دیگر علوم و فنون سے فائدہ اٹھایا وہاں نجوم کو بھی لیا۔ پھر بعض خلفاء عباسیہ اور سلاطین عجم کی سرپرستی نے احکام نجوم کو آسمان تک پہنچا دیا۔ چونکہ خیام[۲] بھی نجومی تھا لہٰذا ذیل کے واقعات لکھے جاتے ہیں۔

عروضی[۳] سمرقندی لکھتا ہے کہ ۵۰۶ھ میں بلخ کے "کوچہ بردہ فروشاں" میں خواجہ مظفر اسفرازی اور خواجہ امام عمر خیام، امیر ابو سعید کے مہمان تھے میں بھی حاضر خدمت تھا کہ حجۃ الحق عمر خیام نے فرمایا کہ "میری قبر ایسی جگہ بنے گی کہ جس پر سال میں دو مرتبہ درخت پھول برسائیں گے" امام کا یہ کہنا مجھے محال نظر آیا۔ مگر یہ یقین تھا کہ خیام جیسا شخص واہی تباہی نہیں کہہ سکتا ہے چنانچہ ۵۳۰ھ میں جب مجھے نیشاپور جانے کا اتفاق ہوا تو خیام کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی برس گذر چکے تھے اور چونکہ میں خیام کا شاگرد تھا اس لئے اس نئے جمعہ کے دن ایک رہنما کے ہمراہ گورستان حیرہ میں فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ جب میں

۱؎ شہر زوری و گنج دانش۔ ۲؎ تذکرہ دولت شاہ ۲؎ وکان علی یما القرین فی علم النجوم والحکمۃ و بہ یضرب المثل تاریخ اخبار العلماء صفحہ ۱۶۳۔ ۳؎ نجم الدین احمد بن عمر بن علی نظامی سمرقندی۔ اپنے زمانہ کا ایک نامور ادیب شاعر طبیب منجم تھا۔ اور چونکہ عروض میں خاص مہارت تھی لہٰذا عروضی مشہور ہوا۔ سیر و سیاحت کا بڑا شائق تھا اول سلاطین غور کا مداح رہا پھر سلطان سنجر کے دربار میں حاضر ہوا۔ کتاب چہار مقالہ یادگار ہے۔ نظامی میری سمرقندی اور نظامی اثیری نیشاپوری اس کے ہمعصر تھے نظامی گنجوی اس کے بعد ہوئے ہیں جن کا ۵۹۶ھ میں انتقال ہوا ہے۔ انتخاب از مجمع الفصحاء۔

گورستان کے بائیں طرف پھرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دیوار کے نیچے ایک قبر ہے۔ جس پر امرود اور زردآلو کے پھولوں کی چادر بچھی ہوئی ہے اور سطح قبر پھولوں سے چھپ گئی ہے۔ اس وقت مجھے یاد آیا کہ بمقام بلخ امام نے یہی فرمایا تھا۔ یہ واقعہ یاد کرکے میں رونے لگا۔ کیونکہ میری نظر میں تمام ربع مسکوں میں کوئی شخص خیام کا نظیر نہ تھا۔ خداوند تبارک وتعالیٰ اس پر اپنی رحمت نازل فرمائے (چہار مقالہ)[1]

عروضی[2] کہتا ہے کہ ۵۰۸ھ کے موسم سرما میں سلطان نے خواجہ بزرگ صدرالدین محمد بن المظفر۔ رئیس مرو کے پاس یہ پیام بھیجا کہ خواجہ امام عمر، میرے شکار کھیلنے کے لئے کوئی ایسا دن مقرر کریں جو ابر وباراں سے محفوظ ہو۔ چنانچہ خواجہ نے خیام سے سلطان کا پیام کہدیا اور دو دن کے غور وفکر کے بعد خیام نے سلطان کو شکار پر جانے کی اجازت دی۔ گھر سے نکل کر سلطان نے تھوڑی مسافت طے کی تھی کہ آسمان پر بادل چھا گیا اور زمین پر برف بچھ گئی اور لوگ خیام کے حکم کا مضحکہ اڑانے لگے۔ مگر سلطان نے لوٹنا پسند نہیں کیا۔ اور خیام نے عرض کیا کہ حضور مطمئن رہیں ابھی مطلع صاف ہو جائے گا۔ اور پانچ دن تک پھوار بھی نہیں پڑے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صاحب نگارستان نے اس روایت کے بعد یہ اشعار لکھے ہیں۔

بچنیں علم جملہ محتاجند! — خاصہ آنانکہ صاحب تاجند
ہست در بزم ورزم ووقت شکار — اختیارات حکم شاں درکار

خانگی زندگی خاقانی کی روایت سے واضح ہوتا ہے کہ خیام نے شادی نہیں کی اور تمام عمر آزادی سے بسر کی اور اہل وعیال کے جھگڑوں سے ہمیشہ آزاد رہا چنانچہ خاقانیؔ کہتا ہے۔

زیں کلبہ بکلبہ بقار قتست — زاں عالم بود و باز جا رفت
یک عطسہ بداد و روئے بنہفت — صد یرحمک اللہش ملک گفت
آنجاش نکاح بست حورا — چہلؔ سال غرب نشست ایں جا

[1] چہار مقالہ نظامی صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ اصفہان [2] نظامی عروضی نے اپنی کتاب چہار مقالہ میں یعقوب بن اسحاق کندی ابوریحان بیرونی، حکیم موصلی وغیرہ کے متعدد احکام نقل کئے ہیں جو نجومیوں کے بیان کے مطابق ہوتے ہیں لیکن ذہبًا بقول نظامی یہ حکم قابل اعتماد نہیں ہیں کیونکہ احکام نجوم ایک خاص صنعت کا نتیجہ ہیں۔ نجومی کو لازم ہے کہ حکم کھکر قضا وقدر کے سپرد کردے [3] مثنوی تحفۃ العراقین مطبوعہ آگرہ۔

آنکس کہ چناں عروس بیند	بر حق بود از غرب نشنید

موت حکیمؒ عمر خیام ۴۸۱ھ میں بمقام نیشا پور پیدا ہوا تھا۔ اور ۵۸۹ھ میں راہی ملک بقا ہوا اور نیشا پور کے گورستان حیرہ میں دفن ہوا۔ اس حساب سے حکیم عمر خیام ایک سو سات برس تک زندہ رہا۔ چنانچہ خود بھی ایک رباعی میں اپنی صد سالہ زندگی دکھا کر خدائے غفور الرحیم سے مغفرت چاہتا ہے ؎

(۵۹)

آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو	صد سالہ شدم بناز در نعمتِ تو
صد سال بہ امتحاں گنہ خواہم کرد	تا جرم من است بیش یا رحمتِ تو

خیام کی موت کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ ایک دن بوعلی سینا کی کتاب الشفا پڑھ رہا تھا۔ جب وحدت و کثرت کی بحث آئی تو کتاب بند کر دی اور طلائی خلال جس کو ہر وقت پاس رکھتا تھا اسی ورق پر رکھکر اٹھا۔ وضو کر کے نماز پڑھی، وصیت کی، اور شام تک کچھ نہ کھایا۔ نماز عشا پڑھ کر سجدہ کیا۔ اور کہا۔ اللھم تعلم انی عرفتک علی مبلغ امکانی فاغفرلی فان معرفتی ایاک وسیلتی الیک "اے خدا! جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے تجھ کو پہچانا۔ اسی وسیلہ سے مجھ کو بخش دے۔ اور یہی کہتے کہتے روح جسم سے نکلی اور منزل مقصود پر پہنچ گئی۔

(۶۰)

خیام کہ خیمہائے حکمت می دوخت	در کورۂ غم فتادو ناگاہ بسوخت
مقراض اجل طناب عمرش چو برید	دلّال قضا برائگانش بفروخت

حکیم عمر خیام کی موت پر عوام و خواص نے کس قدر ماتم کیا۔ اور کن شعراء نے مرثیئے لکھے اس کی کوئی تفصیل تذکروں میں نہیں ہے لیکن عزیزوں سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایسے حادثۂ عظیم پر اشکبار ہو کر مرثیہ نہ لکھیں۔ چنانچہ حکیمؒ خاقانی نے (خیام کا بھتیجہ تھا) خیام کا مرثیہ لکھا۔ جس کو بطور یادگار ہم بھی درج کرتے ہیں۔

گر بقدرِ سوزشِ دل چشم من بگریستے	بر دل من مرغ و ماہی تن بہ تن بگریستے
انچہ از من شد گر از دستِ سلیماں گم شدے	بر سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

لہ چہار مقالہ نظامی ۔ لہ کلیات خاقانی۔

مقتدائے حکمت و صدر زمن کز بعد او | گر زمیں را چشم بودے ہم زمیں بگریستے
کاش کے آدم برجعت در میان باز آمدے | تا بمرگ ایں خلف بر مرد و زن بگریستے
پیش چشمش مرغ را کشتن کہ یا ستے کا او | گر بدیدے شمع را گردن زدن بگریستے
گوہرے بود او۔ کہ گردونش بنادانی شکست | جوہرے کوتا بریں گوہر شکن بگریستے

آتش و باد ار بماندے کہ از گیتی کہ شد
آتش از غم خوں شدے باد از حزن بگریستے

گورستان حیرہ کی موجودہ حالت

جس زمانہ میں خیام گورستان حیرہ میں دفن ہوا تھا۔ اُس وقت یہ قبرستان حقیقت میں چمنستان تھا۔ خیام کی قبر پر گلاب کے درختوں کا سایہ تھا۔ اور دونوں وقت پھولوں کی چادریں چڑھا کرتی تھیں۔ مگر آج اُس کی قبر کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے کہ کہاں ہے اور کس طرف ہے؟ نواب لارڈ کرزن بہادر سابق وایسرائے ہندوستان اپنے سفرنامے[۱] میں لکھتے ہیں کہ خیام کی قبر ایک ویران سے باغ میں جس میں کبھی پھولوں کی کیاریاں اور پانی کی نہریں تھیں۔ مگر اب سوائے خس و خاشاک کے اور کچھ نہیں رہا۔ نہ قبر پر کوئی کتبہ ہے جس سے شاعر کے نام یا شہرت کا پتہ چل سکے۔ اور مقام افسوس ہے کہ آج کل کے ایرانی عمر خیام کی مشت خاک کی طرف سے ویسے ہی بے پرواہیں جیسے انیسویں صدی کے اہل لندن "میتھو پیرس[۲]" یا "ولیم آف مامس بری[۳]" کی خاک کی طرف سے۔ "مسلمانوں نے خیام کے ساتھ' اس کے حیات میں اور نیز مرنے کے بعد جو کچھ کیا۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن ہم یورپ و امریکہ کی علمی قدر دانی کے شکر گذار ہیں کہ وہ آج بھی خیام کی پرستش کر رہے ہیں۔ اس کی رباعیات ہزاروں آدمیوں کا دین وایمان ہے۔ گورستان[۴] حیرہ کے گلاب کی قلمیں لاکر باغ میں لگاتے ہیں اور اُس کی تصویر اور

---

[۱] خیابان فارس ترجمہ سفرنامہ حالات نیشاپور [۲] عہد متوسط کا مشہور مورخ ہے جو ۱۱۹۵ء میں پیدا ہوا۔ ہسٹوریا میجر اس کی مشہور تصنیف ہے۔ [۳] یہ مورخ ۱۰۹۵ء میں پیدا ہوا۔ فراغ تعلیم کے بعد رہبان ہو کر مامس بری کے کلیسا میں مہتمم کتب خانہ ہو کر بیٹھ رہا۔ اس کی تاریخ انگلستان مشہور ہے جس میں ولیم فاتح سے لے کر ۱۱۲۳ء تک کے واقعات درج ہیں۔ حاشیہ خیابان فارس" [۴] ممبران عمر خیام کلب لندن کی توجہ سے اب قبرستان اور قبر کی طرف توجہ کی گئی ہے' اور باغ درست کر دیا گیا ہے۔ یہ باغ شاہ صفی بن شاہ محمد بن طہماسپ کی ملکیت ہے۔

منتخب رباعیات گھر بیٹھوں کی چہن میں لشکر دلوں کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور خیام کی روح کو خوش کرتے ہیں۔

خیام کی نجات موت کیا شے ہے حیات کس کو کہتے ہیں؟ یہ وہ راز ہیں جن کو کوئی حکیم آج تک حل نہیں کر سکا اور یہ دونوں عقدے لاینحل ہیں۔ آیا موت کے بعد بھی کچھ معلوم ہو سکتا ہے؛ اس کی نسبت خیام کا یہ خیال ہے کہ "کچھ نہیں معلوم ہو سکتا ہے"۔

(۶۱)

دل سر حیات را کما ہی دانست　　　　در موت ہم اسرار آلہی دانست
امروز کہ با خودی ندانستی ہیچ　　　　فردا کہ ز خود روئے چہ خواہی دانست

خیام تو دنیا سے یہ خیال لئے ہوئے چل بسا۔ اور اُس کی والدہ نے مرنے کے بعد خیام کو خواب میں دیکھا۔ اور پوچھا کہ جان مادر! خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا۔ خیام نے جواب دیا کہ "مجھے خدا نے اس رباعی کے صلے میں بخش دیا۔

(۶۲)

اے سوختہ سوختہ سوختنی　　　　اے آتش دوزخ ز تو افروختنی
تا کے گوئی کہ بر عمر رحمت کن　　　　حق را تو کنی برحمت آموختنی

بے شک خدا نے خیام کے گناہ معاف کر دیئے ہوں گے۔ کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ اور خیام خدا کے سامنے اپنی طاعت اور عبادت کے حقوق لے کر نہیں گیا تھا۔ بلکہ وہ گناہوں کا اقرار کرتا ہوا گیا تھا اور اُس کا یہ قول تھا کہ "من بندۂ عاصیم رضائے تو کجاست"۔

خیام کے حاسد اور دشمن حکیم عمر خیام فلسفہ یونان کا درس دیتا تھا۔ اور رباعیات میں غیر معمولی رندی شوخی اور ظرافت کر جاتا تھا جس کی مثال میں ذیل کی رباعی پڑھو۔

(۶۳)

ابریق مے مرا شکستی ربا　　　　بر من در عیش را ببستی ربا
بر خاک بریختی مے لعل مرا　　　　خاکم بدہن کہ سخت مستی ربا

ان خیالات سے فقہار اور علمائے ملت اس کے دشمن ہو گئے اور اُنھوں نے عوام کو بھڑکا دیا ملک میں سخت برہمی پیدا ہو گئی۔ فقہا[1] نے کفر کا فتویٰ دیدیا۔ اور خیام کے قتل کی تجویز پختہ ہو گئی۔

---

[1] تاریخ العلما جمال الدین قفطی صفحہ ۱۶۳۔

تب خیام وطن کو خیر باد کہکر کہ معظمہ چلا گیا۔ کیونکہ خدا کے گھر سے بڑھ کر کوئی امن و عافیت کی جگہ نہ تھی۔ چنانچہ حج و زیارت سے فارغ ہو کر بغداد آیا۔ یہاں لوگوں نے درس و تدریس کے لئے مجبور کیا۔ تب پھر وطن چلا گیا، لیکن یہاں بھی چین نہ پایا۔ اور اہل وطن برابر ستاتے رہے۔ چنانچہ رباعی نمبر (۶۳) کے متعلق بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ جب حکیم نے یہ رباعی لکھی تو اُس کا منہ کالا ہو گیا اور گردن کج ہو گئی جب آئینہ دیکھا تو اس ہئیت کذائی کو دیکھکر خوب رویا اور خدا سے یوں مناجات کی۔

(۶۴)

ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو   وانکس کہ گنہ نکرد چون زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی   پس فرق میانِ من و تو چیست بگو

تب خدا نے رحم فرمایا، منہ اُجالا ہو گیا۔ اور گردن سیدھی ہو گئی۔ یہ روایت حقیقت میں صدیاں کی طبع زاد ہے۔ کسی معتبر تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ باقی رہی مناجات، یہ اسلامی خون کا جوش ہے، جو مسلمان سینہ میں دل رکھتا ہے، اور دل میں ایمان، اس کا یہی قول ہو گا اور وہ خدا سے اسی طرح سے آمرزش چاہے گا۔ چونکہ شاعر باکمال ہے، لہذا عجیب و غریب انداز سے جرم کا اقرار کر کے معافی چاہتا ہے جس کی مزید مثال یہ رباعی ہے ؎

(۶۵)

بر سینۂ غم پذیرِ من رحمت کن   بر جان و دلِ اسیرِ من رحمت کن
بر پائے خرابات روِ من بخشائے   بر دستِ پیالہ گیرِ من رحمت کن

رباعی نمبر ۶۳ کو رباعی نمبر ۶۴ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ محض تذکرہ نویسوں کے حاشیہ ہیں۔

الزام زندقہ خیام پر الحاد اور زندقہ کا الزام بھی ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ واقعہ مذکورۂ بالا جو شخص امام موفق کا شاگرد ہو اور مذہبی عالم، وہ ملحد کیونکر ہو سکتا ہے؛ خیام کی شاعری چونکہ عام خیالات اور مذاق سے بالاتر تھی، اس وجہ سے بے دینی کے الزامات اُس پر لگائے گئے۔ لیکن آج دنیا میں کون زندہ ہے، آیا خیام! یا کفر کے فتوے دینے والے!؛ خیام کو ان الزامات سے نہایت صدمہ تھا، مگر مجبور تھا چنانچہ خود کہتا ہے۔

(۶۶)

با من تو ہر آنچہ از کیں گوئی   پیوستہ مرا ملحد و بے دیں گوئی

من خود منفعلم ہر آنچہ گوئی ہستم　　　انصاف بدہ، ترا رسد کیں گوئی

خیام کی بادہ نوشی خیام کی رباعیات پڑھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اول درجہ کا رند شرابی ہوگا کیونکہ شراب، ساقی اور جام و صراحی کا وہ دلدادہ ہے اور نہایت جوش بیخودی اور بے اختیاری کے عالم میں وہ ان مضامین پر خامہ فرسائی کرتا ہے۔ لیکن جب تک ظاہری شراب خواری کے لئے مستند تاریخی روایتیں نہ ہوں اُس وقت تک محض الفاظ کی بنا پر ہم اُس کو بادہ پرستی کا ملزم نہیں بنا سکتے ہیں۔ ہماری رائے میں حکیم عمر خیام جیسا اعلیٰ درجہ کا فلسفی شاعر تھا۔ ویسا ہی اپنے زمانہ کا ایک نامور اور پاک باز صوفی بھی تھا۔ اب ہم خیام سے رخصت ہوتے ہیں۔ خاتمہ اس دُعا پر ہے ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

حسن صبّاح خواجہ حسن (نظام الملک) کے ہم مکتب دوستوں میں حکیم عمر خیام کے بعد حسن صباح کا خاص درجہ ہے۔ لہٰذا حسن صباح کی ایک مختصر اور جامع سوانح عمری پیش کی جاتی ہے

حسنؒ صبّاح، بانی دولت اسمٰعیلیہ مشرقیہ

شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں حسن صباح کی کرسی، خواجہ حسن (نظام الملک) اور حکیم عمر خیام سے مقدم ہے۔ اور عظمت وجلال میں بھی یہ اپنے دونوں ہم مکتب دوستوں سے بڑھکر ہے۔ جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ خواجہ حسن کو الپ ارسلان نے اپنے گورنری خراسان کے زمانہ سے ترقی دینا شروع کی تھی۔ اور جب مستقل حکمراں ہوا تو وزارت کی سند اور (نظام الملک) کا خطاب دے کر وزیر اعظم بنادیا۔ اور ملک شاہ نے تو اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ کو مالک ہی بنادیا تھا خواجہ کی وزارت تاریخ میں ہارون الرشید عباسی ویحیٰی برمکی کے مشابہ ہے۔ اسی طرح خواجہ نے عمر خیام کو جاگیر دے کر معاش سے مطمئن کردیا تھا۔ جس کی بدولت وہ علمی تحقیقات میں مصروف ہوکر "حکیم" کہلایا بہرحال خواجہ نظام الملک اور حکیم عمر خیام آسمانِ شہرت کے ایسے دو سیارے ہیں جو آفتاب سلطنت کے نور سے تاباں اور درخشاں ہوئے۔ ان کے مقابلے میں حسن صباح نے ناکامیوں کے بعد جو کامیابی حاصل کی، وہ محض اس کے فضل وکمال، غیر معمولی دانشمندی خدا داد ذہانت، اور عزم بالجزم کا نتیجہ تھا۔ حسن صباح کی نسبت یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔

دیکھنا آپ کھڑے ہوں گے ہم اپنے بل پر غیرے چارہ نوازی کا تقاضا کیسا؟

چنانچہ حسن صباح اپنے ہی بل پر کھڑا ہوا۔ اور اپنی عالی ہمتی سے قلعہ الموت کی چوٹی پر قبضہ کرکے دم لیا۔ اور ایک ایسے خوفناک فرقہ کا موجد ہوا جس کے حالات پڑھ کر آج بھی دل ہل جاتے ہیں۔ یہ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ امام موفق نیشاپوری کی درس گاہ میں، تین نوعمر عجمی الاصل شخصوں نے ایک معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ ان دوستوں میں سے تیسرا یہی حسن صباح ہے جس کے مختصر حالات ہم لکھتے ہیں۔

لہ فارس کی تاریخوں میں حسن صباح کو بانی دولت ملاحدہ تہستان لکھا ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔

شرقی۔ خواف وصحرا مابین خواف وفراہ وسیستان۔ غربی۔ فارس وکرمان کا جنگل۔

شمالی۔ اعمال نیشاپور وسبزوار۔ جنوبی۔ اعمال بجستان وبیابان کرمان (از صور الاقالیم قلمی)

حسن صباح کا نسب نامہ حسن صباح کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ حسن بن علی بن احمد بن جعفر بن حسن بن صباح الحمیری۔ خواجہ نظام الملک نے وصایا میں لکھا ہے کہ حسن کا باپ، علی، ایک عیار اور چالاک شخص تھا۔ اور اس کی سکونت رے میں تھی۔ اس زمانے میں رے کا حاکم ابو مسلم (خسر خواجہ نظام الملک)، ایک دین دار شخص تھا۔ اس لئے وہ علی سے نفرت رکھتا تھا۔ اور علی، ابو مسلم کے سامنے اپنے عقائد کی صفائی ظاہر کرتا۔ اور جھوٹی قسمیں کھا کر ابو مسلم کو باور کراتا تھا کہ میں پکے عقائد کا مسلمان ہوں امام موفق نیشاپوری اس عہد میں اہل سنت و جماعت کے امام تھے۔ لہٰذا علی اپنے رفض[1] کی تہمت رفع کرنے کو یہ چال چلا کہ حسن کو تعلیم کے لئے امام صاحب کے حلقۂ درس میں داخل کر دیا[2] اور خود صوفیوں کی طرح گوشہ نشین ہو گیا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ لحدانہ، اور کفر و زندقہ کی روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ اور اپنے کو عرب مشہور کیا۔ اور کہتا تھا کہ میں صباح حمیری کی اولاد ہوں اور میرا باپ احمد، یمن سے کوفہ میں اور وہاں سے قم اور قم سے رے میں آ کر سکونت پذیر ہوا۔ لیکن اصحاب خراسان خصوصًا اہالی طوس کا قول ہے کہ علی اور اس کے اجداد اسی ولایت کے کسی گاؤں کے باشندے تھے[3]۔ اور حسن صباح کی ولادت بھی بمقام قم ہوئی تھی۔

حسن صباح، خواجہ حسن اور عمر خیام کا معاہدہ اس معاہدہ کا تذکرہ، خواجہ کے ابتدائی حالات میں ہو چکا ہے۔ اس کی نسبت دبستان مذاہب کی روایت ہے کہ حسن صباح سے علی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ "خواجہ حسن دنیاوی اعزاز میں بہت ترقی کرے گا اور وہ (حسن صباح) دین اور دنیا دونوں میں مرجع خلائق ہوگا"۔ اس لئے حسن صباح نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں معاہدہ کر لیا تھا۔ بہر حال یہ معاہدہ جس بنا پر ہوا ہو لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اس عہد کو سب نے دلی مسرت اور جوش سے قبول کیا۔ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس معاہدہ کو پورا کیا۔ چنانچہ فراغ تعلیم کے بعد یہ طلبہ مدرسہ سے چلے گئے اور ہر ایک اپنی قسمت آزمائی کرنے لگا۔ خواجہ

[1] دبستان مذاہب کی روایت ہے کہ حسن صباح کے باپ علی کا مذہب اسمٰعیلیہ تھا۔ اور وہ ایک زاہد و عالم شخص تھا۔ البتہ درس تقریر میں کبھی وہ ایسی باتیں کہہ جاتا تھا۔ جو عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھیں اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ معتزلہ کے اقوال ہیں۔

[2] حسن صباح سات برس کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سترہ سال تک گھر میں پڑھتا رہا۔ غالبًا اس کے بعد نیشاپور آیا ہے۔

[3] لٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر براؤن، حالات حسن صباح

حسن تو چغری بیگ سلجوقی کے دربار میں پہنچا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے عہد الپ ارسلان میں وزیر اعظم ہو گیا۔ اسی زمانے میں حسن صباح خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ خواجہ کا بیان[۱] ہے کہ الپ ارسلان کے زمانے میں حسن صباح کو کوئی شخص خراسان میں جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن سلطان ملک شاہ کے زمانے میں ۴۶۵ھ مہم قاورد کے بعد، بمقام نیشاپور میرے پاس آیا۔ میں نے جہاں تک ممکن تھا حق خدمت ادا کیا، اور اُس کی عزت افزائی اور خاطر داری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اور میرا یہ سلوک حسن بن صباح کے ساتھ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک دن مجھ سے حسن صباح نے کہا کہ خواجہ تو اصحابِ تحقیق اور اہل یقین سے ہے، اور خوب جانتا ہے کہ دنیا ایک متاع قلیل ہے، ممکن ہے کہ اس کی محبت میں پھنس کر تو وعدہ خلافی کرے اور زمرۂ ینقضون عہد اللہ میں داخل ہو" میں نے کہا کہ "حاشا وکلا، میں نقض معاہدہ نہ کروں گا" تب حسن صباح نے کہا کہ "آپ کی مہربانیاں تو مجھ پر بے انتہا ہیں۔ لیکن شرط معاہدہ یہ نہیں ہے۔ خواجہ نے کہا سچ کہتے ہو، جاہ و منصب بلکہ میری تمام جائداد کے تم حصہ دار ہو" اس کے بعد میں نے حسن صباح کو ملک شاہ کے حضور میں پیش کر دیا۔ اور مغربی کے وقت گذشتہ واقعات کا بھی تذکرہ کر دیا اور حسن صباح کی عقل و دانش اور سیرت و اخلاق کا اس قدر ذکر کیا کہ وہ سلطان کا معتمد خاص بن گیا۔ پھر اپنی چالاکی سے تھوڑے زمانے میں سلطان کے مزاج میں دخیل ہو گیا۔ اور اس قدر پیدا کر لیا کہ سلطان مہتم بالشان کاموں میں اُس کے مشورہ پر چلتا تھا۔

دولت[۲] شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ "حسن صباح کی خواہش پر اس کو خواجہ نے ہمدان اور دینور کی حکومت پر نامزد کر دیا تھا۔ لیکن حسن کا تو یہ منشاء تھا کہ خواجہ اس کو اپنی وزارت میں شریک کرے تاکہ موقع پا کر وہ خود بلا شرکت غیرے وزیر اعظم ہو جائے۔ لہذا حکومت ہمدان سے انکار کر دیا، اور اس فکر میں ہوا کہ خواجہ کو سلطان کی نظروں میں ذلیل کر کے اس کو اوج حشم سے گرا دے چنانچہ ذیل کے دو واقعات اس کے شاہد ہیں۔ جس کو خود خواجہ نظام الملک نے کتاب وصایا میں بیان کیا ہے

ایک حسابی غلطی

حلب میں ایک قسم کا سنگ رخام پیدا ہوتا ہے۔ جس کے برتن بناتے جاتے ہیں۔ سلطان ملک شاہ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ اس پتھر کی ایک کافی مقدار اصفہان پہنچانا چاہیئے۔ بازار جہاونی (سوق العسکر) کا ایک شخص اس بات سے آگاہ تھا۔ جب سلطان حلب سے واپس

---

[۱] وصایا [۲] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴۔

آ گیا، تو اس شخص نے دو عربوں سے جن کے پاس باربرداری کے اونٹ تھے، یہ بات کہی کہ اگر تم پانچ سو من سنگ رخام اصفہان کو پہنچا دو تو مقررہ کرایہ سے میں تم کو دو چند کرایہ دوں گا" انھوں نے منظور کر لیا۔ لیکن ان دونوں کے پاس اونٹوں پر ہر ایک کا ذاتی اسباب بھی پانچ پانچ سو من تھا (اس زمانہ میں من کی مقدار بہت قلیل تھی) چنانچہ ان دونوں نے پانسو من سنگ رخام کو اپنے اونٹوں پر تقسیم کر لیا۔ ان میں سے ایک کے چار اور دوسرے کے چھ اونٹ تھے۔ چنانچہ وہ شخص معہ اونٹوں کے داخل اصفہان ہوا جب سلطان سے اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا اور اُس شخص کو خلعت مرحمت کیا۔ اور اونٹ والوں کو ایک ہزار دینار انعام دیئے۔ ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ انعام تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ چھ اونٹ والے کو چھ سو اور چار والے کو چار سو دینار میں نے دیدیئے۔ حسن صباح نے سنا تو کہا کہ "خواجہ نظام الملک نے تقسیم انعام میں غلطی کی ہے اور روپیہ کو بے جا طور پر دیدیا اور جو مستحق تھا اُس کا حق بدستور سلطان پر باقی رہا۔ چھ اونٹ والے کو آٹھ سو اور چار والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا" چنانچہ جب یہ خبر سلطان تک پہنچی تو اُس نے مجھے طلب کیا۔ میں حاضر ہوا۔ حسن صباح بھی موجود تھا۔ سلطان مجھے دیکھکر ہنس پڑا۔ اور حسن صباح سے کہا کہ اب تقسیم انعام کا واقعہ بیان کرو۔ صباح نے کہا کہ "اونٹوں کا بوجھ تین مساوی حصوں پر تقسیم تھا اور اونٹ تعداد میں دس ہیں۔ لہذا دس اور تین کا حاصل ضرب تیس ہوا۔ اب جس کے چار اونٹ ہیں اُس کے بارہ سہام اور دوسرے کے اٹھارہ سہام ہوتے یعنی ہر حصہ دس کے برابر ہے، باقی رقم فاضل رہی کیونکہ اس میں اُن کا ذاتی بوجھ شامل ہے۔ لہذا چھ اونٹ والے کو دو سو دینار ملنا چاہیئے تھا۔ اس حساب کو سُن کر ملک شاہ نے کہا کہ "تم نے مجمل بیان کیا ہے اسی کو تفصیل[1] سے بیان کرو" تب حسن نے کہا کہ خداوند نعمت! کل اونٹ دس ہیں اور کُل وزن پندرہ سو من ہے۔ اس لئے فی اونٹ ڈیڑھ سو من وزن ہوا۔ اب جس کے چار اونٹ ہیں وہ چھ سو من لایا، اس میں سے

نوٹ (صفحہ ماقبل) حسابی قاعدہ سے اس سوال کا حل اس طرح پر ہے۔

۳۰=۳×۱۰ ؛ ۱۲=۳×۴ ، ۱۸=۳×۶ ؛ ۳۰=۱۲+۱۸ ؛ ۱۰=۳÷۳۰ ∴ ۲=۱۰−۱۲ ، ۸=۱۰−۱۸ ؛ دوسو دینار ، آٹھ سو دینار } ایک ہزار دینار

---

[1] حسابی عمل حسب ذیل ہے۔

کل بوجھ ، اونٹ ، صدی ، من

۱۵۰ = ۱۰ ÷ ۱۵۰۰ ؛ ۶۰۰ = ۴×۱۵۰ ، ۹۰۰ = ۶×۱۵۰ ؛ ۱۰۰ = ۵۰۰ − ۶۰۰ ، ۴۰۰ = ۵۰۰ − ۹۰۰ ∴ ۲۰۰ = ۵ ÷ (۱×۱۰۰۰) ∴ ۲۰۰ = ۲۰۰×۱ ، ۸۰۰ = ۲۰۰×۴ دینار } کل ایک ہزار دینار

اُس کا ذاتی پانسو من اور سرکاری ایک سو من ہے۔ اسی طرح دوسرے کے چھ اونٹ ہیں وہ نو سو من لایا جس میں سے پانسو من اُس کا ذاتی اور چار سو من سرکاری ہے۔ ہزار دینار پانسو من کا معاوضہ ہے۔ لہٰذا فی سو من دو سو دینار کا حصہ ہوا۔ چنانچہ چار والے کو دو سو اور چھ والے کو آٹھ سو دینار بروے حساب ملنا چاہیے تھا۔ اور جب کہ انعام دیا گیا ہے تو اس صورت میں وزن کا لحاظ نہیں کیا جائے گا دونوں کو برابر حصہ ملنا چاہیے۔" جب حسن صباح تقریر کر چکا تو سلطان نے اس خیال سے کہ میری دل شکنی نہ ہو بات کو مذاق میں ڈال دیا" اور ہنس کر چپ ہو رہا لیکن میں نے سمجھ لیا کہ اس واقعہ کا سلطان کے دل پر کیا اثر پڑا ہے۔

سلطنت کا جمع خرچ

اس واقعہ سے بڑھ کر دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حسن صباح نے مصاحبوں کے ذریعہ سے سلطان کے کان تک یہ آواز پہنچائی کہ سلطان بیس برس سے حکمراں ہے اس کو اپنی سلطنت کے جمع خرچ سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ اس بنا پر ایک دن ملک شاہ نے مجھ سے پوچھا کہ "تم ایک ایسی مکمل رپورٹ کتنے دن میں تیار کر سکتے ہو کہ جس سے تمام سلطنت کے محاصل و مخارج کی تفصیل معلوم ہو سکے۔ میں نے عرض کیا کہ" خداوند نعمت کی سلطنت کاشغر سے روم اور انطاکیہ تک پھیلی ہوئی ہے، اگر میں بڑی کوشش کروں تب دو سال میں مرتب کر سکتا ہوں"۔ لیکن حسن صباح نے بڑھ کر عرض کیا کہ" میں ایسی رپورٹ چالیس دن کے اندر پیش کر سکتا ہوں بشرطیکہ دفتر وزارت مع عملہ میرے سپرد کر دیا جائے"۔ چنانچہ ملک شاہ نے امتحاناً حسن صباح کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اور حسن نے بین المیعاد جمع خرچ مرتب کر لیا۔ اور دربار میں ملک شاہ کے سامنے لاکر پیش کیا۔ لیکن جب سلطان نے سوالات کرنا شروع کیے تو حسن جواب نہ دے سکا اور حیرت[۳] زدہ ہو کر رہ گیا۔ خواجہ نظام الملک نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر دست بستہ عرض کیا کہ خداوند نعمت! انھیں مشکلات کے خیال سے میں نے دو سال کی مدت چاہی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت کا جمع خرچ چالیس دن میں کیوں کر مرتب ہو سکتا ہے"۔ ملک شاہ حسن صباح سے سخت ناراض ہوا اور ارادہ کیا کہ حسن صباح کو سزا دے۔

---

[۱] کتاب الوصایا نظام الملک۔ [۲] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۶۴ و ۶۵ مع وصایا۔

[۳] دبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ خواجہ نے حکمت عملی سے حسن صباح کے یہاں سے رپورٹ منگا کر اُس کے اوراق منتشر کر دیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان کے کسی سوال کا حسن صباح صحیح جواب نہ دے سکا۔

لیکن خواجہ کی سفارش سے دربار سے نکلوا دینے پر کفایت کی گئی۔

اس واقعہ کو لکھکر خواجہ نظام الملک کہتا ہے کہ" حسن صباح نے حقیقت میں کمال کیا تھا کہ اتنی قلیل مدت میں جمع خرچ مرتب کرلیا۔ مگر چونکہ حسن نے ازراہ حسد ونقض عہد یہ کارروائی کی تھی۔ لہذا خدا کے فضل وکرم سے پیشی حساب کے وقت اس کو خجالت اُٹھانا پڑی اور پھر وہ اصفہان سے چلا گیا۔ اگر خدانخواستہ حسن صباح کو جمع خرچ کے معاملہ میں شکست نہ ہوتی تو پھر مشکلات کا سامنا تھا۔

حسن صباح کی سیر وسیاحت حسن صباح کا دربار سے ذلت کے ساتھ نکلوادیا جانا ایک معمولی بات تھی لیکن حسن کے لئے یہ وہ دل گداز اور جاں فرسا صدمہ تھا، جس نے اُس کو نظام الملک اور دولت سلجوقیہ کا دشمن بنا دیا تھا۔ خواجہ نظام الملک کے مقابلہ میں حسن صباح کو ناکامی ہوئی، لیکن محققین کے نزدیک یہ ناکامی اُس کی آیندہ بلند اقبالی کا عنوان تھا۔ چنانچہ دربار سے نکل کر وہ اصفہان پہنچا اور ملک شاہ وخواجہ کے خوف سے اپنے دوست رئیس ابوالفضل[۱] کے مکان میں گوشہ گیر ہو گیا۔ ابوالفضل نے بڑے اعزاز سے مہمان رکھا۔ ایک دن بہ سبیل تذکرہ حسن صباح نے کہا کہ "اگر مجھے دو یار موافق مل جاتے۔ تو میں اس ترک (ملک شاہ) کی سلطنت اور اس دیہاتی (خواجہ نظام الملک طوسی) کی وزارت کو تہ وبالا کردیتا"۔ ابوالفضل نے اپنی دانشمندی سے سمجھا کہ میرا معزز مہمان دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور محض اس خیال سے دسترخوان پر ایسی غذائیں آنے لگیں جس سے دل ودماغ کو تقویت پہنچے حسن صباح اپنے نادان دوست کا مطلب سمجھ گیا۔ اور چپ چاپ اصفہان سے چلتا ہوا۔"

اس آوارہ گردی میں اُس کی ملاقات فرقہ اسمٰعیلیہ کے رفیقوں سے ہوئی۔ (جو اس زمانہ میں تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے)، جنھوں نے اُس کو سمجھایا کہ "خلفائے فاطمیہ مصر اصلی امام ہیں جن کی تقلید ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور دنیا میں سب سے بہتر مذہب اسمٰعیلیہ ہے۔" حسن انھیں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ خوش قسمتی سے اُس کی ملاقات (مقام رے) عبدالملک بن عطاش سے ہوئی۔ جو صوبہ عراق کا داعی الکبیر تھا۔ اور جو اپنی جانب سے مذہب اسمٰعیلیہ کی اشاعت کے لئے لوگوں کو واعظ (مشنری) بنا کر بھیجتا تھا۔ چنانچہ حسن بھی عبدالملک کے حلقہ اطاعت میں آگیا۔ چونکہ حسن بن صباح

---

[۱] تذکرہ دولت شاہ میں لکھا ہے کہ خواجہ کے رکاب داروں نے حسن صباح کے خادم کو ملا کر جسٹر کے اوراق منتشر کرا دیئے تھے اسی وجہ سے حسن صباح ملک شاہ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکا [۲] نامہ خسرواں حالات حسن صباح صفحہ ۱۰۔

ایک ذہین اور تعلیم یافتہ شخص تھا۔ لہٰذا اُس کو اشاعت مذہب کی عبدالملک نے اجازت دیدی، اور یہ بھی ہدایت کی کہ مصر جاکر خلیفہ المستنصر باللہ کی زیارت کرو۔

حسن صباح مصر میں

چنانچہ ۴۷۱ھ میں مصر پہنچا۔ خلیفہ حسن کے حالات سے اول ہی واقف کر دیا گیا تھا۔ لہذا خلیفہ نے حسن صباح کی بڑی خاطر کی، اور ڈیڑھ برس تک اپنا مہمان رکھا۔ یہاں حسن نے دارالحکمۃ (لاج) میں تعلیم پائی۔ اور امام کی طرف سے اجازت دی گئی کہ وہ لوگوں کو عام دعوت دے۔ لیکن حسن ہنوز مصر میں موجود تھا کہ مستنصر نے اپنے بیٹے نزار کو ولیعہدی سے خارج کرکے اپنے دوسرے بیٹے احمد المستعلی باللہ کو ولیعہد کر دیا۔ یہ انقلاب عوام اور امیر الجیوش بدر جمالی کی وجہ سے ہوا تھا۔ حسن نزار کا طرف دار تھا کیونکہ حسن کی رائے میں امام کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور فریق ثانی کہتا تھا کہ دوسرا حکم اول کا ناسخ ہے لہٰذا ابوالقاسم احمد المستعلی امام برحق ہے۔ جب امیر الجیوش کو معلوم ہوا کہ حسن نزار کی خفیہ دعوت کر رہا ہے تب امیر نے بحکم مستنصر حسن کو قلعہ دمیاط میں قید کر دیا۔ اتفاق سے اُسی دن قلعہ کا ایک برج جو نہایت مضبوط تھا گر پڑا۔ اُس کو لوگوں نے حسن کی کرامت سمجھا۔ آخرالامر امیر نے حسن کو قلعہ سے نکال کر چند عیسائیوں کے ہمراہ ایک جہاز پر بٹھلا کر افریقہ روانہ کر دیا حسن مجبور تھا اتفاق سے سمندر میں طوفان آگیا تمام مسافر بدحواس ہو گئے لیکن حسن نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک مسافر نے پوچھا۔ آپ کس اطمینان سے بیٹھے ہیں" حسن نے جواب دیا کہ مجھے امام برحق نے اطلاع دی ہے کہ جہاز نہ ڈوبے گا" تھوڑی دیر میں طوفان جاتا رہا۔ اور سمندر کو سکون ہو گیا۔ تو سب نے حسن کے قدم چومے اور اُس کو ایک ولی اللہ تسلیم کر لیا (حقیقت یہ ہے کہ اتفاقات حسنہ نے حسن صباح کو ہر جگہ کامیاب بنا دیا)، جب جہاز ساحل شام پر پہنچ گیا تو حسن جہاز سے اُتر آیا۔ اور خشکی کے راستہ سے دیار بکر، جزیرۃ، روم، حلب، بغداد، خوزستان ہوتا ہوا اصفہان پہنچا۔ اور ان تمام بلاد

۱؎ کتاب دبستان مذاہب، وسنین الاسلام جلد دوم صفحہ ۱۰۰ و کامل اثیر ۱۱۱۔ جلد ۱۰ ۲؎ امیر الجیوش کی سختی سے نزار اسمٰعیلیہ بھاگ گیا تھا۔ اہل اسکندریہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور المصطفٰے لدین اللہ کا لقب دیا لیکن مستنصر کے انتقال پر شاہین شاہ ملقب بہ افضل وزیر المستعلی نے نزار پر فوج کشی کی اور فتحیاب ہو کر نزار کو قتل کر دیا۔ (اور اسی زمانہ سے فرقہ اسمٰعیلیہ میں اختلاف رائے ہو کر دو گروہ پیدا ہو گئے) مصر الحدیث جلد اول صفحہ ۲۸۴۔

۳؎ دبستان مذاہب صفحہ ۳۵۹۔

میں وہ مذہب اسمٰعیلیہ کی دعوت کرتا رہا۔ اور اسی مقام سے رودبار، کوہستان وغیرہ میں اپنے نائب روانہ کئے۔ چنانچہ تین سال کے اندر جب حسن کے مریدوں کی ترقی ہو گئی۔ تب ایک قصبہ میں جو قلعہ الموت کے قریب تھا جاکر ٹھہر گیا اور کمال زہد اور پارسائی سے رہنے لگا۔ چند سال میں قصبہ کے بہت سے لوگوں نے حسن کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور چونکہ قلعہ کے فوجی سپاہی بھی حسن کے مرید ہو چکے تھے لہٰذا انھوں نے بماہ رجب ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء رات کے وقت حسن صباح کو قلعہ میں پہنچا دیا۔ اور اس عارضی قبضہ کے بعد حسن نے قلعہ پر مستقل[۱] قبضہ کر لیا جس کی صراحت حسب ذیل ہے۔ قلعہ الموت[۲] (بروزن جبروت) ناحیہ رودبار[۳] میں شہر قزوین اور دریائے خزر کے مابین واقع ہے۔ اور یہ کل علاقہ طالقان کے نام سے مشہور ہے۔ اور قلعہ پیچیدہ گھاٹیوں کے اندر واقع ہے۔ اور اس قدر بلند ہے کہ کسی تیرانداز کا تیر اس کی چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا ہے نہ اس پر منجنیق نصب ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ میں یہ روایت مشہور ہے کہ سلاطین دیالمہ میں سے کسی نے شکار کے لئے عقاب اڑایا تھا۔ چنانچہ عقاب شکار مار کے بلندی پہ جا گرا۔ بادشاہ اور ہمراہی شکار کے تعاقب میں جب اس مقام تک پہنچے۔ تو اس کو ایک محفوظ جگہ سمجھکر ایک عالی شان قلعہ تعمیر کرایا۔

اور قلعہ کا نام "آلہ آموت" رکھا۔ (جو کثرت استعمال سے الموت ہو گیا) دیلمی زبان میں آلہ اموت[۴] کے معنی آشیانہ عقاب یا تعلیم العقاب کے ہیں۔ مصنف[۵] نگارستان لکھتا ہے کہ یہ امر بھی اتفاقات سے ہے کہ آلہ اموت کے عدد بحساب جمل چار سو تراسی ہوتے ہیں۔ جو حسن صباح کے قبضہ کا ابتدائی سال ہے۔ غرضکہ قلعہ کے اندر پہنچ کر حسن صباح نے مہدی علوی قلعہ دار سے کہا کہ "دوسرے[۶] شخص کی ملکیت میں عبادت جائز نہیں ہے۔ اور یہ مقام ایسے گوشہ عافیت میں واقع ہے کہ جس کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ لہٰذا اس قدر زمین جو ایک چرسہ کے اندر آجائے مجھے دیدو۔ جس کی قیمت تین ہزار دینار ادا کروں گا۔" مہدی نے

[۱] ایک روایت یہ ہے کہ بلا ادائے قیمت حسن نے قلعہ پر مستقل قبضہ کر لیا اور قلعہ دار کو جبری طور پر نکال دیا۔ دوسری روایت آگے درج ہے [۲] گنج دانش صفحہ ۲۴۳ [۳] صوبہ رودبار میں تقریباً پچاس قلعے ہیں لیکن سب سے زبردست الموت اور میموں ہیں۔ نزہت القلوب حمد اللہ وکامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ [۴] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ "آلہ اموت" ایک شکاریوں کی اصطلاح ہے جس پر شکاری جانور سدھائے جاتے ہیں۔ کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۲ و مرآۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳۔ نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ اس جگہ عقاب اپنے بچوں کی پرورش کرتے تھے اس لئے اس کا نام آشیانہ عقاب قرار پایا [۵] نگارستان صفحہ ۱۳۲۔ [۶] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۲۴، ۲۵

عقیدت مندی اور طمع نفسانی سے اس قدر آراضی کے بیچ میں کچھ مضائقہ نہ سمجھا لہٰذا حسن صباح کے نام بیع نامہ لکھ دیا۔ اس کے بعد حسن نے یہ کارروائی کی کہ کھال کی باریک دھجیاں کاٹ کر اور ایک میں جوڑ کر اتنا بڑا حلقہ بنایا کہ قلعہ الموت اُس کے اندر آگیا۔ قلعہ دار یہ پیمائش دیکھکر حیرت زدہ رہ گیا۔ مگر بیع کے بعد کیا کر سکتا تھا؛ اب حسن کے مریدوں نے مہدی کو قلعہ سے بے دخل کر دیا اور زرِ ثمن کے لئے حسن صباح نے ایک رقعہ اپنے مرید رئیس مظفر کو جو قلعہ گرد کوہ کا حاکم تھا لکھ دیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

رئیس مظفر حفظہ اللہ تعالیٰ۔ مبلغ سہ ہزار بہائے قلعہ الموت بہ علوی مہدی رساند۔ علی النبی المصطفیٰ و آلہ السلام حسبنا و نعم الوکیل[1]۔ چنانچہ مہدی نے رئیس مظفر سے قیمت وصول کر لی، اور قلعہ پر حسن صباح کا قبضہ ہو گیا۔ جس میں پینتیس برس تک خود حسن نے حکومت کی اور اس کے بعد اُس کے سات جانشین حکمراں ہوئے چنانچہ ایک سو ستر برس گیارہ مہینے اٹھائیس دن صباحیوں کی مجموعی حکومت رہی۔ حسن نے اس قلعہ کا نام بلدۃ الاقبال رکھا تھا۔ اور واقعی یہ نام ہر طرح سے موزوں تھا۔ جب قلعہ الموت پر حسن صباح کا قبضہ ہو گیا تو اُس کا دوست رئیس ابوالفضل اصفہانی ملاقات کے لئے آیا۔ اُس وقت حسن نے کہا کہ "فرمائیے حضرت! میں دیوانہ تھا یا آپ ہیں۔ دیکھ لیا جب مجھے یاران موافق مل گئے تو میں نے کیا کیا؛ ابوالفضل نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور حسن کی دانشمندی کا قائل ہو گیا۔

قلعہ الموت پر فوج کشی

جب حسن صباح کو بیٹھنے کے لئے الموت جیسا مستحکم اور محفوظ قلعہ مل گیا، تب اُس نے بڑے استقلال اور قابلیت سے اپنے مذہبی خیالات کو پھیلانا شروع کیا۔ اگرچہ خلفائے فاطمیین مصر کا نائب تھا۔ لیکن حقیقت میں خلفاء کی اطاعت برائے نام تھی، اور وہ بھی مصلحتاً۔ غرضکہ حسن صباح نے صوبہ رودبار اور قزوین میں خاص توجہ سے اپنا مذہب پھیلانا شروع کیا۔ اور اس صوبہ کے بہت سے آدمی اپنی خوشی سے اور بہت سے جبراً داخل مذہب کئے گئے۔ اور مذہب کی آڑ میں تمام صوبہ رودبار اور کوہستان میں حسن صباح کی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ اور مختلف مقامات پر اپنی ضرورت کے مطابق قلعوں کی مرمت کی گئی۔ اور بعض مقامات پہ نئے قلعے بنائے گئے اور قلعہ الموت کو بحیثیت مرکز و دارالحکومت خوب مستحکم کر لیا۔ اور اس کے گرد عالی شان محلات بنائے، اور باغات لگائے۔ جب

---

[1] دبستان مذاہب حالات اسمٰعیلیہ۔

خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اول خواجہ نے حکمت عملی سے کام لینا چاہا۔ اور اس کی یہ تدبیر کی کہ ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء میں سلطان کی طرف سے ایک سفارت الموت کو روانہ کی اور حسن صباح کو سلطان کے شاہانہ جاہ وجلال سے ڈر کر اطاعت پر آمادہ کرنا چاہا۔ حسن صباح نے شاہی سفارت کی کچھ پرواہ نہ کی اور رخصت کے وقت سفیر سے کہا کہ میری طرف سے ملک شاہ سے کہدینا کہ وہ ہم کو پریشان نہ کرے ورنہ مجبوراً مقابلہ کرنا پڑے گا[۲]۔ ملک شاہ نے جب حسن صباح کے حالات سفیر کی زبانی سُنے تو دوسال کے واسطے فوج کشی ملتوی کر دی اور ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں قلعہ الموت پر فوج بھیجی گئی امیر ارسلاں سپہ سالار نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور تاخت وتاراج سے قلعہ والوں کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ اس وقت قلعہ میں حسن کے پاس صرف ستّر آدمی تھے اور ممکن تھا کہ حسن گرفتار ہو جائے لیکن اُسی وقت قزوین سے تین سوسپاہی مدد کے لیے آگئے جن کو ابو علی نے روانہ کیا تھا! ورانھوں نے امیر ارسلاں کی فوج پر شبخون مارا اور بے انتہا مال غنیمت حاصل کیا۔ جب اس ہزیمت کی سلطان کو اطلاع ہوئی تو سلطان نے قزل ساروق کو ایک زبردست فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ قلعہ کے باہر لڑائی ہوئی اور قریب تھا کہ قلعہ والے حسن کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں۔ مریدوں کی بدحواسی دیکھکر حسن صباح نے کہا کہ "امام برحق کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص قلعہ سے باہر نہ جائے کیونکہ ہماری کامیابی اور بلند اقبالی اسی قلعہ پر موقوف ہے۔" اور دوسری تدبیر یہ کی کہ ایک فدائی کو خواجہ نظام الملک کے قتل کا حکم دیا جس نے خواجہ[۳] کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے پنتیس دن بعد بمقام بغداد سلطان ملک شاہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ حسن صباح نے زہر خورانی کے ذریعہ سے ہلاک کیا، ایسی حالت میں جنگ کیوں کر قائم رہ سکتی تھی۔ الموت سے فوجیں واپس آئیں۔

سلطان ملک شاہ کے انتقال پر شاہزادہ برکیارق[۴] نے اصفہان پر فوج کشی کی ترکان خاتون (بیگم ملک شاہ) نے خوف زدہ ہو کر برکیارق سے صلح کرلی۔ اور سلطنت برکیارق اور محمود میں تقسیم ہو گئی۔ لیکن محمود کا انتقال ہو گیا اور چار برس بعد برکیارق کے دوسرے بھائی محمد نے سرکشی کی اور عراق پر قبضہ کرلیا۔

۱ حسن صباح کے استیصال میں غیر معمولی وقفہ ہوا۔ اور سلطان کو ایسے عظیم الشان واقعہ کی اطلاع تک نہیں ہوئی اس کے متعلق حصہ اول صفحہ ۱۱ کا نوٹ ملاحظہ ہو ۲ ناظرین اس موقعہ پر حصہ اول کا صفحہ ۱۰۰ ملاحظہ فرمائیں جس میں سفارت کی تفصیل ہے ۳ گنج دانش صفحہ ۱۲ دبستان مذاہب صفحہ ۳۴

۴ خواجہ نظام الملک کے قتل اور انتقال ملک شاہ کے حالات حصہ اول صفحہ ۱۸۶-۱۹۱ پڑھنا چاہیے ۵ تفصیل کے لئے دیکھو نوٹ مقدمہ حصہ اول صفحہ ۱۰۔

اور مسلسل لڑائیوں کے بعد ۴۹۶ھ میں برکیارق اور محمد میں پھر سلطنت کے حصے ہو گئے اور اس سات برس کے زمانہ میں حسن صباح سے تعارض نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ان خانہ جنگیوں سے حسن نے خوب فائدہ اٹھایا۔ اور قلعہ گرد کوہ، لامسر، رودبار وغیرہ پر جو مشہور قلعے تھے قبضہ کر لیا۔ ان فتوحات سے حسن صباح کا اور بھی اقتدار بڑھ گیا اور اطمینان سے اشاعت مذہب کرنے لگا۔

مذہب اسمٰعیلیہ باطنیہ کی مختصر تاریخ فرقہ اسمٰعیلیہ بھی مذہب شیعہ کی ایک شاخ ہے، جو حضرت امام اسمٰعیلؑ بن حضرت امام جعفر صادق سے منسوب ہے۔ اس فرقہ میں امامت کا سلسلہ اس طرح پر ہے کہ (اول) امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب متوفی ۴۰ھ (دوم) امام حسنؓ متوفی ۴۹ھ (سوم) امام حسین شہید کربلا ۶۱ھ۔ (چہارم) امام زین العابدین متوفی ۹۴ھ (پنجم) امام محمد باقر متوفی ۱۱۴ھ (ششم) امام جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ۔

امام صاحب موصوف کے دو نامور صاحبزادے امام موسیٰ کاظم و امام اسمٰعیل ہوئے۔ چنانچہ یہ فرقہ امام اسمٰعیل کو ساتواں امام تسلیم کرتا ہے۔ اور امام موسیٰ کاظم جن سے ائمہ اثنا عشر کا سلسلہ پورا ہوتا ہے ان کو امام نہیں مانتا۔ جب فریق مخالف نے یہ اعتراض کیا، کہ حضرت اسمٰعیل کا انتقال امام جعفر صادق کی حیات میں ہو گیا تھا تو انھوں نے جواب دیا کہ "امام کی حیات میں امامت کا انتقال دوسرے پر جائز ہے"[1] اور امام محمد بن اسمٰعیل کی نسبت ان کا قول ہے کہ انھوں نے ساتویں امامت کا تکملہ کیا ہے اور وہ خود مستقل امام نہیں ہیں بلکہ سابع تام ہیں[2]۔ بہرحال امام محمد بن اسمٰعیل پر اس فرقہ کے نزدیک ظاہری امامت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بعد ازاں ائمہ مستور کی امامت شروع ہوئی۔ یہ امام محمد مکتوم بن اسمٰعیل۔ جعفر مصدق بن محمد مکتوم۔ اور حبیب بن جعفر مصدق ہیں۔ ائمہ مستور کے نقیب علانیہ دعوت کرتے تھے اور وہ خود مخفی طور پر سیر و سیاحت میں مصروف تھے۔ الغرض سلسلہ باطن کے بعد پھر ظاہر اماموں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جن میں سب سے پہلے امام ابو محمد عبید اللہ ملقب بہ مہدی ہیں۔ مہدی کا دار السلطنت قیروان (مغرب) تھا۔ بعد ازاں جب شہر مہدیہ آباد ہو گیا۔ تو اس کو دار الحکومت بنایا۔ خلفائے فاطمیینؑ[3] مصر

[1] دبستان مذاہب صفحہ ۲۸۸ [2] کتاب الملل والنحل صفحہ ۸۹-۹۰ [3] سلسلۂ امامت حسب ذیل ہے (۱) عبید اللہ بن حسن بن علی بن محمد (۲) ابو القاسم محمد ملقب بہ قائم بامر اللہ (۳) ابو طاہر اسمٰعیل ملقب بہ منصور باللہ (۴) ابو تمیم معد ملقب بہ معز الدین اللہ (۵) ابو منصور نزار ملقب بہ عزیز باللہ (۶) ابو علی منصور ملقب بہ حاکم بامر اللہ (۷) ابو الحسن علی ملقب (باقی در صفحہ آئندہ)

مہدی کی اولاد ہیں۔ مہدی نے بلادِ مغرب میں مذہب اسمٰعیلیہ کی خوب اشاعت کی۔ اور اہل مغرب کو باور کرایا کہ وہ اس حدیث نبوی[1] کے مطابق یعنی علی راس ثلث مائۃ یطلع الشمس من مغربھا۔ اس عہد کا مجدد اور امام ہے۔ ہندوستان سے لے کر مصر اور مغرب تک یہ فرقہ اسمٰعیلیہ کے نام سے مشہور رہا ہے۔ اور حقیقت میں یہی اصلی اسمٰعیلیہ ہیں۔ اس[2] فرقہ نے قدیم مذہب اثنا عشری سے سب سے پہلا اختلاف یہ کیا کہ امامت جو بارہ اماموں میں محدود تھی اس کو غیر محدود کر دیا۔۔۔ اور بجائے ائمہ کے ہر امام کے اثنا عشر نقیب تجویز کئے۔ اور اپنے یہاں امامت کا شمار سات ہی پر رکھا۔ مگر محدود نہیں کیا بلکہ یہ قید لگائی کہ امام کا دورہ سات سات پر ختم ہوتا رہے گا اور سات کی تخصیص اس لئے کی کہ نظام عالم کا بڑا حصہ سات میں محدود ہے۔ مثلاً آسمان سات ہیں ہفتہ کے دن سات ہیں، مشہور ستارے (سبعہ سیارہ) سات ہیں علیٰ ہذالقیاس دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی زمانہ امام ظاہر یا مستور سے خالی نہیں رہتا ہے جب امام مستور ہوتا ہے اُس وقت ان کے نقیب دعوت کرتے ہیں۔ اور جب امام ظاہر ہوتا ہے اس وقت نقیب مخفی دعوت کرتے ہیں۔ اس مسئلہ نے پولٹیکل سازشوں کو جزو مذہب بنا دیا۔ عرب مورخین نے اس فرقہ کو بہ لحاظ تقسیم ہفت گانہ "سبعیہ" کا خطاب دیا ہے۔ اور جس زمانہ میں امام ظاہر ہوتا ہے اس کا نام دورالکشف ہے۔ اور جب امام مستور رہتا ہے اس کا نام دورالستر ہے حسن صباح نے جب مذہب اسمٰعیلیہ اختیار کیا تو اس نے اور اس کے داعیوں اور نقیبوں نے بلاد فارس وغیرہ میں متعدد ناموں سے شہرت پائی (جس کی تفصیل آگے درج ہے) حسن نے فلسفیانہ طریقہ سے مذہب اسمٰعیلیہ میں بہت سے نئے مسائل کا اضافہ کیا۔ مسئلہ وجود ذات باری میں یہاں تک شدت کی کہ خدا کو بالکل بیکار اور معطل بنا دیا۔ مثلاً خدا کو قادر کہتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ خود اس میں قدرت ہے۔ بلکہ وہ اس لحاظ سے قادر ہے

---

[1] بت پرستوں، یہودیوں، عیسائیوں، اور مسلمانوں کے عقائد سے اپنا مذہب مرتب کیا اور اس جدید ترمیم اور اضافہ سے اس کو نئے قالب میں ڈھال دیا۔ دائرہ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۷۔

(بقیہ صفحہ ۴۲۹) بہ اظہار لاعزاز دین اللہ۔ امام اول عبید اللہ کے نسب میں بہت اختلاف ہے جس کی تفصیل ابن خلکان وغیرہ میں ہے۔ مغرب میں عبید اللہ کی امامت ۲۹۶ھ میں ہوئی اور ۳۲۲ھ میں بمقام مہدیہ انتقال کیا۔

[2] ترجمہ سنہ ۳۰۰ھ کے شروع میں آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا۔ لفظ آفتاب سے بعض نے عبید اللہ مہدی و بعض نے محمد بن عبید اللہ مہدی مراد لیا ہے۔ لیکن یہ حدیث موضوع ہے جو ملکی ضرورت سے وضع ہوئی تھی تلہ کتاب الملل والنحل دبستان مذاہب حالات باطنیہ و اسمٰعیلیہ

کہ اُس نے دوسروں کو قدرت عطا کی۔یہی حالت جملہ صفات کی ہے جو خدا کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔کیونکہ اگر خدا میں صفات ہوں تو وہ مخلوق کے ساتھ مشابہ ہو جائے اور اس صورت میں تشبیہ لازم آتی ہے۔یہ ایسا مسئلہ ہے جس نے خدا کی ذات میں بھی شبہ ڈال دیا کہ آیا وہ موجود ہے یا نہیں اور سب سے مہتم بالشان یہ مسئلہ ہے کہ ہر حکم ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور ہر تنزیل کی ایک تاویل ہے (یعنی ظاہر بمنزلہ پوست ہے اور باطن بمنزلہ مغز) اس مسئلہ نے تمام قرآن اور مجموعہ حدیث کو درہم برہم کر دیا اور اسی مسئلہ سے اس فرقہ کا نام باطنیہ قرار پایا۔احکام شرعی کی جس قدر تاویلیں کی ہیں اس کی پوری تفصیل اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہے۔مثلاً ذیل کی تعریفات پر غور کرو جس سے مصطلحات فقہ کا اندازہ ہوگا۔

لفظ	معنی
نماز	امام کو یاد کرنا۔اور نماز باجماعت، امام معصوم کی متابعت کرنا
روزہ	امام کے اسرار کی حفاظت کرنا۔اور ایک دوسرے فقیہ کا قول ہے کہ روزے سے یہ مطلب ہے کہ اپنے مقتدا کے افعال کو خاموشی سے دیکھتا رہے اور اگر وہ فواحش میں مبتلا ہو تو اُس کو بھی افعال حسنہ سمجھے۔
زکوٰۃ	تزکیہ نفس۔مال کا پانچواں حصہ امام معصوم کے نذر کرنا۔
حج	امام کی زیارت کرنا۔دوسرا فقیہ کہتا ہے کہ نوروز و مہرجان کے دن خدا کی طرف رجوع کرنا
طواف کعبہ	امام کے گھر کا طواف کرنا۔
غسل	تجدید عہد و پیمان۔
وضو	امام سے مذہبی تعلیم حاصل کرنا۔اور اُس کا دوست بن جانا۔
تیمم	امام کی غیبت میں نقیب سے تعلیم حاصل کرنا۔
اذان و تکبیر	امام کی اطاعت پر لوگوں کو آمادہ کرنا
جنت	عیش پسندی جسموں کا تکلیف سے چھوٹ جانا۔
دوزخ	محنت۔جسموں کا تکلیف میں مبتلا ہونا۔
زنا	دین کے اسرار ظاہر کرنا
احتلام	افشار راز مذہبی۔

لفظ	معنی
کعبہ	پیغمبر
صفا	نبی
مروہ	وصی
باب	علی (ماخوذ از حدیث نبوی انا مدینۃ العلم و علی بابہا)
عالم ظاہر	عالم اجسام، سفلی و علوی
عالم باطن	عالم ارواح۔ نفوس۔ عقول

اسی طرح ہزاروں مسائل ہیں۔ جن میں ہر ظاہر کی باطنی تاویل کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت عیسےٰؑ کی نسبت کہتے ہیں کہ ان کے مردہ زندہ کرنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ دلوں کو علم سے زندہ کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کو یوسف بخار کا بیٹا کہتے ہیں۔ قیامت اور حشر و نشر کے قائل نہیں ہیں۔ مسئلہ تناسخ کو صحیح مانتے ہیں۔ شراب اعتدال کے ساتھ پینا، جس میں شور و شر نہ اُٹھے جائز ہے۔ امام عالم باطن میں حاکم ہوتا ہے۔ اور کسی کو خدا کا علم نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک امام تعلیم نہ کرے۔ نبی عالم ظاہر میں حاکم ہوتا ہے۔ اور شریعت کے ظاہری حصہ کو تنزیل اور باطنی کو تاویل کہتے ہیں۔

فرقہ اسمٰعیلیہ کی تعلیم و تربیت کے قواعد امام عبید اللہ مہدی نے قیام سلطنت کے بعد دارالسلطنت قیروان میں اپنے عقائد مذہب کی تعلیم کے لئے ایک خاص عمارت تعمیر کرائی تھی۔ جس کی تکمیل الحاکم بامر اللہ نے کی اور اس درس گاہ کا نام "دار الحکمۃ" رکھا۔ جس کو زمانہ حال کی اصطلاح کے مطابق فرامش خانہ یا لاج کہنا چاہیے۔ چونکہ مذہب کی بنیاد رازداری پر تھی لہٰذا اس فرقہ کے تمام ارکان (ممبر) جمع ہو کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہر مذہب کا آدمی اس دارالحکمۃ میں داخل ہو سکتا تھا۔ بہ لحاظ مراتب تعلیم کے سات درجے تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

لہ اصطلاحات مذکورہ بالا تذکرۃ ائمہ مصنفہ ملا باقر مرحوم اور دبستان مذاہب سے ماخوذ ہیں۔

۲ہ تذکرہ ہفت اقلیم رازی صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ نول کشور پریس۔

۳ہ نبین الاسلام جلد دوم بمقریزی جلد اول، دائرۃ المعارف جلد سوم، لٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر ای جی براؤن صاحب۔



حسن بن صباح

۱۔ داعی الدعاۃ	نائب امام، صدر انجمن، گرینڈ ماسٹر
۲۔ داعی الکبیر	افسر صوبہ
۳۔ داعی	معلم (جس کا دوسرا نام دلیس بھی ہے)
۴۔ رفیق	
۵۔ فدائی	
۶۔ لصیق	(لاسک)، مقلد ناتجربہ کار
۷۔ عوام	

درس میں امام عبید اللہ کی صرف ایک کتاب تھی جس میں مذہبی مناسبت سے سات باب تھے۔ اور ہر درجہ کے واسطے ایک باب مخصوص تھا اور اسی پر تعلیم ختم ہوجاتی تھی۔ کیونکہ مہدی کا منشاء اس تعلیم و تربیت سے صرف اس قدر تھا کہ مشرق سے خلافت عباسیہ کا استیصال کردیا جائے۔ لیکن جب مصر میں خلافت فاطمیہ قائم ہوگئی تو صیغہ تعلیم میں دو درجے اور بڑھادیئے گئے اور خاص نصاب مقرر ہوا۔ جس کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے۔

قاہرہ کا ایوان الکبیر

مصر کے دار السلطنت قاہرہ میں ۳۶۹ھ میں خلیفۃ العزیز باللہ ابو منصور نزار بن المعز الدین اللہ معدنی وسیع پیمانہ پر ایک شان دار عمارت تعمیر کرائی اور اس کا نام "ایوان الکبیر" رکھا۔ اس محل میں عید الفطر کے دن عظیم الشان دعوت ہوتی تھی اور عید غدیر کے دن اس ایوان میں نماز و خطبہ ہوا کرتا تھا۔ اسلام میں غدیر کے جشن کا بانی معز الدولہ علی بن بویہ ہے۔ اور پہلی عید عراق میں ۳۵۲ھ میں ہوئی۔ بعد ازاں یہ ایک عام رسم قرار پاگئی۔ اس ایوان کے ایک حصہ میں فقہاء مذہبی تعلیم دیتے تھے جس کا نام "مجلس الحکمۃ" تھا۔ دوشنبہ اور پنج شنبہ کو تعلیم ہوا کرتی تھی۔ جس میں خلیفہ بھی شریک ہوا کرتا تھا۔ عورتوں کی بھی مذہبی تعلیم کا انتظام تھا۔ لیکن ان کے واسطے جامعہ ازہر میں انتظام کیا گیا تھا لیکن خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے ایک فرمان کے ذریعہ سے مجلس الحکمۃ کو شکست کردیا تھا تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے۔[1]

---

[1] مقریزی جلد اول صفحہ ۳۸۸ مطبوعہ مصر ۱۲۷۰ھ۔

مجالس الدعوۃ

دعوت اوّل

اس درجہ میں داعی (معلم) مدعو کے سامنے قرآن کے مسائل پر شکوک اور شبہات پیدا کرتا ہے اور اس انداز سے تقریر کرتا ہے کہ مدعو کے دل میں اصلی رموز کے حل کرنے اور شبہات کے دور کرنے کا شوق پیدا ہو۔ مثلاً خدا نے دنیا کو سات دن میں کیوں پیدا کیا۔ کیا وہ ایک ساعت میں پیدا کرنے سے عاجز تھا؟ پھر پوچھتا ہے۔ شیطان، ابلیس، یاجوج ماجوج، ہاروت ماروت کے کیا معنی ہیں؟ اور یہ کہاں رہتے ہیں۔ الٓمٓ، المٓص، کھیٰعص، حمعسق سے خدا کی کیا غرض ہے۔ شجرۃ الزقوم، رؤس الشیاطین سے کیا مراد ہے۔ خدا نے آسمان وزمین کو سات طبقات میں کیوں پیدا کیا۔ مہینوں کی تعداد بارہ کیوں مقرر ہوئی۔ "خلقت حوّا من ضلع آدم" اس حدیث کے کیا معنی ہیں۔ "الانسان عالم صغیر والعالم انسان کبیر" فلاسفہ کے اقوال ہیں اس کی شرح بیان کرو خدا نے ہاتھ وپاؤں میں دس انگلیاں کیوں بنائیں۔ پھر ہر انگلی میں باستثنا ئے انگشت تین تین جوڑ کیوں ہیں (علیٰ ہذہ القیاس تمام قرآن اور مجموعۂ حدیث اور اقوال فلاسفہ پر اعتراض اور شکوک وارد کئے جاتے تھے۔

جب داعی نے سمجھ لیا کہ مدعو کے دل میں یہ تمام سوالات جاگزیں ہو گئے ہیں اور وہ جواب کا طالب ہے اُس وقت داعی کہتا ہے کہ یہ مسائل شریعت ہیں۔ عجلت کیا ہے۔ جب عہد کرو گے تو سب حل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "واذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسٰی وعیسٰی ابن مریم واخذنا منھم میثاقاً غلیظا" جب مدعو مشکک فی المذہب ہو جاتا اس وقت شبہات مذکورہ بالا کا جواب اسمٰعیلی مذہب کے مطابق بتایا جاتا۔ اور جب اس طریقہ پر تعلیم القرآن ختم ہو جاتی تب مدعو سے پہلا حلف لیا جاتا کہ وہ اپنے داعی کی ہدایات کو بغیر کسی بحث وحجت کے تسلیم کرلے۔

دعوت دوم

اس درجہ میں مدعو کو سمجھایا جاتا تھا کہ خدا نے اقامت مذہب اور اُس کی حفاظت صرف ائمہ کی ذات سے وابستہ رکھی ہے۔ اور جب یہ اعتقاد نفس مدعو میں راسخ ہو جاتا تھا۔

تب تیسری دعوت کی تعلیم ہوتی تھی۔

دعوت سوم اس درجہ میں مذہب اسمٰعیلی کے خاص عقائد بتائے جاتے تھے اور سب سے پہلا عقیدہ یہ تھا کہ امام برحق سات ہیں اور یہ تعین نظام عالم کے مطابق ہے مثلاً سبعہ سیارہ، سبعہ سمٰوات، سبع طبقات ارض وغیرہ اور ساتویں امام اسمٰعیل بن جعفر صاحب الزمان ہیں امام تاویل قرآنی کے ماہر ہیں اور دعاۃ ان کے وارث ہیں۔

دعوت چہارم اس درجہ میں یہ راز بتایا جاتا تھا کہ ابتدا آفرینش عالم سے اس وقت تک سات پیغمبر صاحب شریعت کو منسوخ یا تبدیل کردیا ہے۔ یہ صاحب وحی تھے جن کا خطاب پیغمبر ناطق دگویا، ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک پیغمبر صامت دخاموش، بھی تھا جس کا یہ فرض تھا کہ وہ پیغمبر ناطق کی شریعت کو بغیر کسی ترمیم و اضافہ کے مستحکم کردے۔ تفصیل پیغمبران حسب ذیل ہے۔

پیغمبرانِ ناطق	پیغمبرانِ صامت
۱۔ حضرت آدم علیہ السلام	حضرت شیث علیہ السلام
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام	حضرت سام علیہ السلام
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام	حضرت ہارون علیہ السلام
۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام	حضرت شمعون حواری
۶۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	امیر المومنین علیؑ لغایت اسمٰعیل بن جعفر صادق
۷۔ صاحب الزمان محمد بن اسمٰعیل بن جعفر صادق۔	صاحب الزمان پر علم اولین و آخرین ختم ہو گئے ہیں لہٰذا کسی پیغمبر صامت کی ضرورت نہیں رہی۔

دعوت پنجم اس درجہ میں یہ تعلیم ہوتی تھی کہ ہر صامت پیغمبر نے اشاعت دین کے لئے اپنی طرف سے بارہ بارہ نقیب یا داعی مقرر کئے تھے۔ تاکہ مذہب کی اشاعت کریں اور بارہ کی قید شہور اور بروج کی تعداد کے مطابق ہے اور اس میں خاص حکمت باری تعالیٰ کی یہ

لہ پیغمبران صامت کو اسمٰعیلیہ وصی بھی کہتے ہیں اور نقیبوں کو پیغمبران صامت سے دوسرے درجہ پر مانتے ہیں۔

تھی کہ بنی اسرائیل سے نقیب بھی بارہ تھے۔ اور نقیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی انصار بھی بارہ تھے۔ اسی طرح ہاتھ کی ہر چہار انگلیوں میں بارہ جوڑ ہیں اور ہر انگشت میں دو ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا بدن مثل زمین کے ہے۔ اور انگلیاں مثل جزائر اربع کے ہیں۔ ایسے ہی ریڑھ کے جوڑ بارہ ہیں۔ گردن میں سات جوڑ ہیں۔ چونکہ پشت سے گردن کا درجہ بلند ہے لہٰذا یہ اشارہ انبیاء ناطق اور ائمہ کی طرف ہے اور بارہ سے مراد شاگرد اور داعی ہیں۔ (الغرض اس درجہ کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا کہ مدعو کے دل میں داعی اور نقیب کی اس درجہ عظمت پیدا ہو جاتی کہ وہ فنا فی الشیخ کے درجہ پر پہنچ جائیں۔ اور ان کے کسی حکم سے مخالفت نہ کریں)

دعوت ششم اس درجہ میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد کی فلسفیانہ تعلیم ہوتی تھی۔ اور ہر ظاہر مسئلے کے باطنی معنی بتاتے جاتے تھے۔ افلاطون ارسطو۔ فیثاغورس کا فلسفہ ختم کرایا جاتا تھا۔

دعوت ہفتم اس درجہ میں مسائل الٰہیات کی تعلیم ہوتی تھی۔ مثلاً ان کا یہ دعویٰ کہ مدبر عالم نے اول بلا واسطہ ایک موجود کو پیدا کیا۔ اور یہ استدلال حکماء کے اس مقولہ سے ہے کہ۔

"الواحد لا یصدر عنہ الا واحد"

دعوت ہشتم تعلیمات ماسبق کے بعد مدعو کو یہ باور کرایا جاتا تھا کہ وجود اول اور وجود ثانی میں باعتبار تقدم وہی نسبت ہے جو علت و معلول میں ہوتی ہے اور تمام کائنات کا وجود علت ثانی سے ہے۔

دعوت نہم دعوت کا یہ اخیر درجہ تھا۔ جس میں علم الطبیعیات مابعد الطبیعۃ اور الٰہیات کے تمام رموز کا انکشاف کرایا جاتا تھا۔ (کتابوں کے علاوہ ہر قسم کے آلات ہندسہ بھی موجود رہتے تھے)

فارغ التحصیل ہونے کے بعد داعی اپنے مدعو سے اخیر حلف لیتا ہے۔ چونکہ یہ حلف بھی ایک نئی چیز ہے لہٰذا اصلی عبارت میں حلف نامہ درج کیا جاتا ہے۔

لہ دائرۃ المعارف جلد ۲ صفحہ ۶۲، حالات اسمٰعیلیہ۔

لہ مقریزی جلد اول صفحہ ۳۹۶۔

عربی

جعلت على نفسك عهد الله وميثاقه و
ذمته رسوله وانبيائه وملائكته وكتبه
ورسوله وما اخذه على النبيين من عقد و
عهد وميثاق انك تستر جميع ما تسمعه و
سمعته وعلمته وتعلمه وعرفته وتعرفه من
امري وامر المقيم بهذا البلد لصاحب الحق
الامام الذي عرفت اقراري له ونصحي
لمن عقد ذمته واموره اخوانه واصحابه
وولده واهل بيته المطيعين له على هذا
الدين ومخالصته من الذكور والاناث
والصغار والكبار فلا تظهر من ذلك
شيئا قليلا ولا كثيرا ولا شيئا يدلك عليه
الا ما اطلقت لك ان تتكلم به واطلقه
لك صاحب الامر المقيم بهذا البلد فتعمل
في ذلك بامرنا ولا تتعداه ولا تزيد عليه

ترجمہ

میں تجھ سے خدا، اُس کے رسولوں، نبیوں، فرشتوں اور کتابوں کا عہد وپیمان لیتا ہوں، اور وہ عہد واقرار بھی جس کو خدا نے خود اپنے نبیوں سے لیا تھا۔ تجھ کو وہ تمام باتیں مخفی رکھنا ضروری ہیں جن کو تو سُنے، جانے، دوسروں کو سکھائے خود پہچانے اور دوسروں کو پہچنوائے یعنی میرا اور اُس شخص کا حال، جو اس شہر میں، امام برحق کی طرف سے منتظم ہے اور جس کے لئے معاہدہ کیا گیا ہے اور میری اس خیرخواہی کو بھی پوشیدہ رکھے گا جو اقرار لینے والے کی ذات اور اس کے تمام بھائیوں ساتھیوں، اولاد اور اہل خاندان (جو امور مذہبی میں تابع فرمان ہیں) سے متعلق ہیں (الغرض خاندان کے تمام ارادت مندوں کے (خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے، مرد ہوں یا عورت) راز چھپانا ضروری ہیں۔ اور ان تمام باتوں میں سے تجھ کو مطلقاً کچھ نہ ظاہر کرنا چاہیے۔ اور ایسے اشارے کنایہ کے اظہار کی ممانعت ہے جو باعث افشار راز ہوں۔ مگر ہاں ایسے امور بیان کر سکتے ہو جن کی خود میں نے یا اس شہر کے صاحب اختیار منتظم نے اجازت دی ہے پس تجھ کو ان معاملات میں میرے حکم بے کم وکاست عمل کرنا چاہیے اور اپنی طرف سے کسی قسم کی کمی وبیشی کا اختیار نہیں ہے۔

اس کے بعد بہت سے عقائد مطابق اہل سنت وجماعت کے ہیں جو مدعو سے تصدیق کرائے جاتے ہیں اور ایجاب وقبول کے بعد پھر اس طرح پر سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

فان فعلت شيئا من ذلك وانت تعلم
انك قد خالفته وانت على ذكر منه فانت بريء
من الله خالق السموات والارض الذي سوى
خلقك والف تركيبك واحسن اليك في دينك
ودنياك وآخرتك وتبرأ من رسله الاولين

پس اگر امور ممنوعہ میں سے تو نے دیدہ ودانستہ (یعنی باوجود ذاتی علم کے کہ یہ کام امام کی ہدایتوں کے خلاف ہے) انحراف کیا تو خداوند خالق آسمان وزمین (جس نے تیری جسمانی صورت بنائی اور دین ودنیا وآخرت میں تجھ پر احسانات فرمائے) اور تمام انبیاء سابقین ومتاخرین ملائکہ مقربین، وکروبین، بدعائین، آیات کاملہ، سورہ فاتحہ اور قرآن مجید سے

عربی

والآخرین وملائکۃ المقربین والکروبیین والروحانیین والکلمات التامات والسبع المثانی والقرآن العظیم وتبرأ من التوراۃ والانجیل والزبور والذکر الحکیم ومن کل دین ارتضاہ اللہ فی مقدم الدار الآخرۃ ومن کل عبد رضی اللہ عنہ وانت خارج من حزب اللہ وحزب اولیائہ وخذلک اللہ خذلانا بینا یعجل لک بذلک النقمۃ والعقوبۃ والمصیر الی نار جہنم التی لیس للہ فیہا رحمۃ وانت بری من حول اللہ وقوتہ ملجأ الی حولک نفسک وقوتک وعلیک لعنۃ اللہ التی لعن اللہ بہا ابلیس حرم علیہ بہا وخلدہ فی النار ان خالفت شیئا من ذلک ولقیت اللہ یوم تلقاہ وہو علیک غضبان وللہ علیک ان تحج الی بیتہ الحرام ثلاثین حجۃ حجا واجبا ماشیا حافیا لا یقبل اللہ منک الا الوفاء بذلک وکل ما تملک فی الوقت الذی تخالف فیہ فہو صدقۃ علی الفقراء والمساکین الذین لا رحم بینک وبینہم لا یاجرک علیہ ولا یدخل علیک بذلک منفعۃ وکل مملوک لک من ذکر وانثی فی ملکک وتستفیدہ الی وقت وفاتک ان خالفت شیئا من ذلک فہم احرار لوجہ اللہ عز وجل وکل امرأۃ لک وتتزوجہا الی وقت وفاتک ان خالفت شیئا من ذلک فہی طالق ثلاث طلاق الحرج لا مثنویۃ

ترجمہ

بیزار ہوا۔ اور اسی طرح توراۃ، انجیل، زبور وغیرہ سے! اور اس متین دین سے جس کو خداوند کریم نے آخرت کے لئے پسند فرمایا! اور خدا کے ہر برگزیدہ بندہ سے بیزار ہوا۔ اور خدا اور اولیائے کرام کے گروہ سے خارج ہوا۔ اور خدا تجھ کو کھلی ہوئی ذلت نصیب کرے، اور اس دنیا میں مصیبت و تکلیف پہنچائے تو آتش جہنم تک پہنچائے جہاں خدا کی کوئی مہربانی نہیں ہوتی۔ اور تو نے خدا کی تائید و قوت سے علیحدہ ہو کر اپنی قوت میں پناہ لی ہے۔ تجھ پر خدا کی وہ لعنت ہو جو ابلیس کو دی گئی تھی! اور جس کی وجہ سے وہ جنت سے محروم کیا گیا اور اس کو جہنم کی ابدی سزا بھگتنی پڑی اگر تو ان میں سے کسی بات کی مخالفت کرے گا تو قیامت کے دن خدا سے اس طرح ملے گا کہ وہ تجھ پر غضبناک بیٹھا ہوگا اور خدا کی قسم تو یہ بھی مان لے اگر تو بیت الحرام کے تیس حج پیادہ ننگے پاؤں ادا کرے تب بھی خدا تیرے حجوں کو کبھی قبول نہ کرے گا۔ مگر ہاں اس وقت جب کہ ایفائے عہد کرے۔ جس وقت تو ان باتوں میں کسی بات کی مخالفت کرے گا تو اس وقت جس قدر مال تیرے پاس ہے وہ تمام اُن فقرا و مساکین کے لئے خیرات ہو جائے گا جن کے اور تیرے درمیان کسی قسم کی کوئی قرابت نہیں ہے۔ اور اس خیرات کا خدا کے نزدیک کچھ اجر بھی نہیں ہے اور نہ تجھے کسی قسم کا نفع ہوگا۔ علاوہ تیرے ملک میں اب جس قدر غلام اور لونڈیاں ہوں یا اپنی موت تک حاصل کرے اگر تو عہد شکنی کرے گا تو وہ سب خدا کی راہ میں آزاد بھی جائیں گی! اور تیری جس قدر بیبیاں ہوں یا موت کے وقت تک نکاح میں آویں وہ سب تین طلاق بائن مغلظہ سے مطلقہ ہو جائیں گی جن میں نہ رجعت کی اجازت نہ کسی قسم کی حیلہ۔ نہ تیری مرضی کو کوئی دخل ہوگا اور جس قدر تیرے پاس مال و اسباب وغیرہ ہوگا وہ سب تجھ پر حرام ہوگا۔

عربی	ترجمہ
لك لا اختيار لك لا رجعة ولا مشيئة ولا مكان لك من اهل ومال فيه انما هو عليك حرام كل ظهار فهو لازم لك وانا المتحلف لك لامامك وحجتك وانت الحالف لهما وان نويت او عقدت او اضمرت خلاف ما احلفك عليه احلفك به فهذه اليمين من اولها الى آخرها مجددة عليك لازمة لك لا يقبل الله منك الا الوفاء بها والقيام بما عاهدت بيني وبينك" قل نعم فيقول نعم"	اور جو ظہار (فقہ کا مشہور مسئلہ ہے) ہوں گے وہ سب لازم بن جائیں گے۔ میں تیرے امام اور تیری حجت کی طرف سے حلف لینے والا ہوں اور تو ان دونوں (ایک خود اور دوسرا امام) کے لئے حلف لینے والا ہے۔ اگر تو اس حلف اور معاہدہ کے خلاف کچھ ارادہ نیت رکھتا ہے یا کچھ چھپا رکھا ہو تو یہ قسم اول سے آخر تک تجھ پر لازم اور تیرے لئے ایک قسم کی تجدید و تاکید ہوگی۔ اور خدا تیری کسی اور بات کو قبول نہ فرمائے گا مگر اس عہد کا ایفا۔ اور جو معاہدہ میرے اور تیرے درمیان ہو رہا ہے۔ اس پر قیام و استقلال۔ اب تو "ہاں" کہہ۔ تب وہ (مرید) "ہاں" کہتا ہے۔

حسن صباح اور مذہب اسمٰعیلیہ

قاہرہ میں جو تعلیم ہوتی تھی۔ وہ تم اوپر پڑھ چکے ہو۔ لیکن حسن صباح نے بحیثیت نائب امام اور داعی الدعاۃ، تعلیمات مذکورۂ بالا میں بہت کچھ تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ اور بجائے ۹ کے صرف ۷ ہی درجے قائم رکھے جس کی صراحت حسب ذیل ہے۔

۱۔ **داعی الدعاۃ** — فضیلت اور تعلیم کا یہ اخیر درجہ تھا۔ داعی الدعاۃ خلفائے فاطمین مصر کا مذہبی نائب ہوتا تھا۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ داعی الدعاۃ کا درجہ قاضی القضاۃ کے برابر تھا۔ اور اسی شان کا لباس بھی ہوتا تھا (فقہا۔ اور قضاۃ کا لباس مخصوص تھا) اس منصب کے واسطے تمام مذاہب کا عالم ہونا لازمی تھا۔ داعی الدعاۃ کی ماتحتی میں بارہ[۱] نقیب ہوتے تھے اور پھر نقیبوں کے ماتحت جُداگانہ داعی ہوتے تھے۔ ہر داعی کا ایک مکان خاص ہوتا تھا۔ جس کا نام دار العلم تھا اور ان کی تنخواہ بیش قرار ہوتی تھی۔

۲۔ **داعی الکبیر** — داعی الدعاۃ کی طرف سے جو کسی صوبے کے افسر ہوتے تھے وہ داعی الکبیر کہلاتے تھے۔

۳۔ **داعی** — یہ وہ لوگ ہوتے تھے۔ جو واعظوں (مشنریوں) کی طرح تمام بلاد اسلام میں پھیلے ہوئے تھے اور خفیہ طریقے سے اشاعت مذہب کرتے تھے۔ مذہب باطنیہ کی ترقی کا مدار انہی کی کوشش پر موقوف تھا۔ حسن صباح نے دعاۃ کے واسطے جو قانون بنایا تھا اس کا خلاصہ یہ ہے

[۱] دائرۃ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۰۔

۱۔ الزرق۔ اول مدعو کا حال دریافت کرنا کہ اس میں صلاحیت قبول مذہب کی ہے یا نہیں اس کے خلاف عمل نہیں ہوتا تھا۔
۲۔ التانیس۔ مدعو کی تالیف قلوب اور رجحان طبعی کے خلاف تعلیم دینا۔
۳۔ التدلیس۔ اکابر دین کی موافقت کرنا۔ تاکہ مدعو کی خواہشات ترقی پذیر ہوں۔
۴۔ التاسیس۔ تمہید مقدمات۔ جس کو مدعو تسلیم کرے۔
۵۔ الخلع۔ استقال اعمال بدنیہ۔
۶۔ التاویل۔ مذہب کے ہر حکم کی تاویل کرنا اور یہی داعی کی اصلی تعلیم تھی۔

۴۔ رفیق: یہ وہ لوگ تھے جو فضل و کمال میں مجتہدانہ درجہ رکھتے تھے اور قلعہ میں حسن صباح کے پاس بطور مصاحب و ندیم رہا کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہا درجہ کے معتمد علیہ ہوتے تھے۔

۵۔ فدائی: یہ وہ لوگ تھے جو آنکھ بند کر کے بلا عذر و حجت ہر حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ یہی فدائی داعی الدعاۃ کے اصلی مرید اور فوج کے جاں باز سپاہی تھے جو فتوحات ملکی کا باعث ہوئے انھیں کی چھریوں سے محلات کے اندر اور شارع عام پر بڑے مقتدر اور جلیل الشان سلطان، ائمہ، علما، حکما، اور مشائخ قتل[۱] ہوتے تھے۔ آن[۲] فدائیوں کے ہاتھ سے جمعہ کے دن، جس طرح مسلمان علما شہید ہوتے تھے۔ ویسے ہی اتوار کے دن گرجا میں مسیحی درویش دراہب، سلاطین اور امرا بھی قتل ہوتے تھے۔ مذہبی تعلیم سے پہلے فدائیوں کو سپہگری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اسلحہ کا طریق استعمال ان کو بتایا جاتا تھا۔ مصیبت برداشت کرنے کے وہ عادی کئے جاتے تھے بھیس بدلنے کا فن اچھی طرح جانتے[۳] تھے کیونکہ ہر موقعہ کے لحاظ سے اُن کو خاص روپ بھرنا پڑتا تھا۔ فدائیوں کی تعلیم پر خاص توجہ کی جاتی تھی۔ اور اُن کے ذہن میں داعی یہ بات نقش کر دیتا تھا کہ داعی الدعاۃ[۴] تمام دنیا کا مالک ہے اور اس عالم میں وہ بڑا قادر اور متصرف ہے۔ جہاں جو چاہتا ہے کر سکتا ہے

---

[۱] قتل کی علت اکثر وہ مزاحمت ہوتی تھی جو سلطنت اور علمائے ملت کی جانب سے کی جاتی تھی۔ اور نیز فراہمی روپیہ کے لئے امرا قتل ہوتے تھے اس کے علاوہ اور بھی اسباب تھے [۲] دائرۃ المعارف جلد ۳ صفحہ ۶۲۷۔
[۳] لٹریری ہسٹری آف پرشیا تذکرہ حسن صباح [۴] دبستان مذاہب۔

اس کے حکم کی تعمیل، گویا خدا کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور جو فدائی کسی فرض منصبی کے ادا کرنے میں مارا جائے گا وہ درجہ شہادت پاکر داخل جنت ہوگا۔ صاحبؒ نزہت القلوب نے فدائیوں کی شقاوت قلبی اور خوں خواری کی نسبت لکھا ہے کہ ان کو بلی (گربہ) کا گوشت کھلایا جاتا تھا۔ بلی غضب کے وقت اپنے آپے میں نہیں رہتی ہے۔ چنانچہ گوشت خواری کی تاثیر سے یہی حال فدائیوں کا تھا۔ کہ حکم پانے پر پھر وہ اُس شخص کو ہرگز نہ چھوڑتے تھے جس کے قتل کا حکم دیا جاتا تھا۔

۶ - لصیق اور ۷ - عوام

یہ دونوں ابتدائی درجے تھے۔ جن کی تعلیم کا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا ہے۔

حسن صباح کا عام لقب

مذہبی عظمت کی بنا پر کوئی مرید حسن صباح کا نام نہیں لیتا تھا۔ بلکہ قلعہ الموت کے قبضہ کے سبب سے عموماً وہ "شیخ الجبل" کہلاتا تھا۔ اور اس کے ندیم و رفیق "سیدنا" کے لفظ سے خطاب کرتے تھے۔ اور خود حسن صباح نے اپنی منکسر المزاجی سے کوئی لقب اختیار نہیں کیا ورنہ حکومت اور مذہب کے اعتبار سے وہ سلطان و امیر ہو سکتا تھا۔

حشیش کا استعمال اور جنت کی سیر

دنیا میں ہر مذہب کا آدمی، اپنے مرشد اور شیخ کا دل سے ادب کرتا ہے اور اس کے ہر حکم کو واجب العمل سمجھ کر سر اطاعت جھکا دیتا ہے۔ اور آئین طریقت کا یہی سب سے پہلا زریں اصول ہے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

اس کے علاوہ مرشد کے تقدس و وقار اور ظاہری شان و شکوہ کا بھی مرید کے دل پر اثر پڑتا ہے۔ مگر شیخ کے یہ احکام مذہبی و اخلاقی ہوتے ہیں لیکن حسن صباح، ایک ایسا شیخ ہے کہ اس کی خانقاہ سے مریدوں کو بجز قتل و خوں ریزی کے کوئی دوسرا حکم نہیں ملتا ہے۔ یہ تسلیم کرلینا چاہیئے کہ معلم (داعی)، فدائیوں کو ضرور باور کرا دیتا ہوگا کہ شیخ الجبل کا ہر حکم آیت و حدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن محض تلقین و تعلیم سے ہر مرید جان دینے پر تیار ہو جائے اس کو عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی ہے۔ کیونکہ کسی کی جان لینا، اور اپنی جان دینا اہمیت میں دونوں برابر ہیں لہذا یقین ہوتا ہے کہ حسن صباح کوئی ایسی غیر معمولی کارروائی کرتا تھا

لہ صفحہ ۳۲ اقواس گربہ

جس کی وجہ سے فدائی جاں نثاری پر تیار ہو جاتے تھے۔ جہاں تک ہماری نظر سے مشرقی تاریخیں گذری ہیں ان میں سے کسی مورخ نے اس مسئلہ کو حل نہیں کیا ہے۔ لیکن یورپ کے مشہور شہرۂ آفاق نیس کا نامور سیاح مارکو پولو، اس طلسم کی پردہ کشائی کرتا ہے اور سب سے اول، اسی کی روایت کے مطابق حسن صباح کی جنت کا حال لوگوں کو معلوم ہوا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

مارکو لو کی روایت

سنہ ۱۲۷۲ء میں[1] جب میں ارمنیہ اور عراق عرب کا سفر کرتا ہوا اس شہر میں پہنچا۔ جہاں قدیم زمانہ میں ایک ملحد رہا کرتا تھا اس لئے اس جگہ کا نام مسکن ملاحدہ پڑ گیا (قلعہ الموت مراد ہے) یہ ملک دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھا لہٰذا وہ مقام بلد الجبل اور وہاں کا حاکم شیخ الجبل کہلاتا تھا۔ اس کا نام علاء الدین تھا۔ اور وہ مذہب اسلام کا پیرو تھا۔ اس کا قول تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے ایک بہشت دینے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ بہشت مجھے مل گئی ہے اور اس نواح کے مسلمان اس مکان کو بہشت ہی سمجھا کرتے تھے۔ اس نے دو گھاٹیوں کے بیچ میں ایک خوبصورت باغ بنوایا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے میوہ دار درخت اور پھول موجود تھے۔ اور نلوں کے ذریعہ سے مکانات میں پانی، دودھ، شراب، اور شہد جاتا تھا! اس باغ میں ہر وقت خوبصورت اور جوان[2] نازنیں عورتیں موجود رہتی تھیں۔ جو ہر قسم کے باجے بجا کر ناچتی گاتی تھیں۔ اور دل فریبی میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھیں اس باغ میں صرف وہ لوگ آتے تھے۔ جو حشیش (بھنگ) پینے پر راضی ہوتے تھے اور باغ میں جانے کا صرف ایک راستہ تھا۔ اور قلعہ ایسا زبردست تھا کہ ساری دنیا اسے فتح نہیں کر سکتی تھی۔ علاء الدین کے دربار میں بارہ سے بیس سال کے جوان لڑکے جن کو سپہ گری کا شوق ہوتا جمع رہتے تھے۔ وہ ملحد اُن کو بہشت کا قصہ سنایا کرتا۔ جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ یقین کر لیتے تھے۔ پھر وہ دو چار جوانوں کو بھنگ پلا کر سُلا دیا کرتا۔ اور وہاں سے اٹھا کر باغ میں ڈلوا دیتا تھا۔ جب وہ جاگتے تو اپنے کو ایک ایسے مکان میں پاتے جو علاء الدین کی بہشت کے مانند ہے۔ نازنیں عورتیں ان کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتیں۔ اور انھیں یقین آجاتا تھا کہ حقیقت میں وہ داخل بہشت ہیں۔ اس طریقہ سے اُن

[1] ترجمہ سفرنامہ مارکو پولو مطبوعہ پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی لاہور۔ [2] دائرۃ المعارف کا مصنف لکھتا ہے کہ اس جنت میں وہ تمام سامان مہیا تھے۔ جو مہیا ہونا چاہیے۔ مثلاً اشیاء بد یہ جو دل میں جاگزیں ہوں۔ ہر قسم کے پھول، میوہ دار شجر، چشمے، چینی کے برتن، عجمی فرش، بلوری طلائی اور نقرئی چیزیں، یونانی اسباب، حور و غلمان مکلف لباس میں۔ (باقی ورق آئندہ)

نے سادہ لوح کوہستانیوں کے دل پر یہ نقش جما دیا تھا کہ وہ نبی ہے۔ اور جب وہ اپنے کسی آدمی کو کسی کام کے لئے روانہ کرتا تو اول اُسے بھنگ سے بیہوش کر کے جنت میں بھیجتا۔ پھر وہ شخص قلعہ میں علاء الدین کے روبرو پیش کیا جاتا۔ علاء الدین اس سے پوچھتا کہ کہاں سے آتے ہو۔ وہ جواب دیتا کہ بہشت سے۔ اور وہ بعینہ ایسی ہے جیسا کہ محمد صلعم نے بتائی ہے۔ اس بیان سے اوروں کو بہشت میں داخل ہونے کی آرزو پیدا ہوتی۔ جب علاء الدین کو کسی اپنے ہم عصر فرماں روا کا قتل کرنا منظور ہوتا تو وہ ایک جوان کو حکم دیتا کہ جا؛ فلاں کو قتل کر۔ واپسی پر تجھے فرشتے جنت میں پہنچا دیں گے۔ اس امید میں وہ تمام خطروں کا مقابلہ کرتا تھا۔ اس کے دو مرید اور تھے۔ جو اندر جال کا تماشہ دکھایا کرتے تھے۔ ایک دمشق میں دو سرا کردستان میں رہتا تھا۔ ہلاکو خاں نے فوج کشی کر کے علاء الدین کو قتل کیا۔ اور قلعہ اور باغ کو منہدم کر دیا۔" یورپ کے بعض سیاحوں کے سفرناموں میں صحیح واقعات کے ساتھ، ایسے افسانے بھی ہوتے ہیں۔ جو الف لیلہ کے "الہ دین کے عجیب وچراغ" سے کم نہیں ہوتے ہیں۔ اور جس کے نظائر خود اس سفرنامہ میں موجود ہیں۔ لیکن قلعہ اور جنت کا بیان افسانہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک واقعہ ہے۔ علاء الدین، قلعہ الموت میں، حسن صباح کا چھٹا جانشین ہے جس کا دور حکومت ۱۲۵۶ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور مارکو پولو علاء الدین کے حیات میں پہنچا ہے۔ اس لئے اس نے جنت کو علاء الدین سے منسوب کیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں جنت، یعنی اس سبز باغ کا بانی حسن صباح ہے اور اسی کے زمانہ سے فرقہ باطنیہ کا ایک نام "حشاشین"[1] قرار پایا۔ اور شیخ الجبل صاحب الحشیش کہلایا۔ اور غالباً عجم میں، حسن صباح پہلا شخص ہے جس نے اپنی دانشمندی سے حشیش سے وہ کام لیا جو اس کے پہلے کسی نے نہ لیا ہوگا۔ اگر فدائیوں کو جنت کی سیر کرنا مقصود نہ ہوتی تو ایسی منشی بوٹی کے تلاش کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال حسن صباح کی جنت کا وجود قابل تسلیم ہے۔ اور ایک

بقیہ صفحہ ۴۴۴۔ ہر قسم کے باجے۔ یہاں کے قیام سے دل شگفتہ ہو جاتا تھا۔ اور اسی سعادت ابدی کے حصول کے لئے فدائی جان دے دیتا تھا۔ پروفیسر براؤن صاحب لکھتے ہیں کہ جنت کی دیواروں پر نقش و نگار کا نہایت نازک کام بنا ہوا تھا۔ اور فدائی چار دن سے دس دن تک اس جنت میں رکھے جاتے تھے۔

[1] حشاشین کا لفظ جنگ صلیبی کے زمانہ میں یورپ پہنچا۔ اور یورپی سانچہ میں ڈھل کر اساسین ہو گیا۔ اور ایک مستقل لغت قرار پایا جس کے معنی ایسے قاتل کے ہیں جو کسی کو گھات سے مار ڈالے۔ یورپ کے مورخوں نے اس فرقہ کو اسلامی نہلسٹ کا خطاب دیا ہے اور نہلسٹ روس کا ایک آزاد گروہ ہے جو سلطنت سے یہ چاہتا ہے کہ انتظامی امور میں رعایا کی بھی آواز سنی جائے۔

دفعہ دیکھنے کے بعد ضرور فدائی دوبارہ اُس کے دیکھنے کے آرزومند ہوں گے۔ کیونکہ یہ ایسا خواب نہ تھا جس کو صبح ہوتے ہی بھول جائیں۔

حسن صباح علاقہ طالقان اور رودبار وغیرہ سے خوبصورت اور قوی ہیکل، تندرست، نوجوان منتخب کرکے فدائیوں میں داخل کرتا تھا۔ اور تعلیم کے بعد یہی فدائی، حسن صباح کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ فدائیوں[1] کا عام لباس یہ تھا۔ سفید پوشاک، لال وستار، سرخ کمربند، ہاتھ میں تیر یا چھری۔ اور کمر میں چھری جب فدائی مکان تبدیل کرتے تھے۔ اس وقت ان کا لباس بھی تبدیل ہوجاتا۔

حسن صباح کی مستقل حکومت اور اشاعت مذہب

یہ تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ سلطان ملک شاہ نے اپنی حیات میں قلعہ الموت پر ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء میں فوج کشی کی تھی۔ لیکن سلطان کے انتقال کی وجہ سے یہ مہم ناکام رہی اور سلطان کے جانشین خانہ جنگی میں مبتلا ہوگئے۔ اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ دس برس کے زمانہ میں حسن صباح کا تمام رودبار، طبس، قہستان، خور، خوسف، زوزن، قائن، تون پر قبضہ[2] ہوگیا۔ اور اس عرصہ میں حسن نے نہایت اطمینان سے اپنے مذہب

---

[1] سنین الاسلام جلد دوم حالات اسمعیلیہ [2] اسمعیلیہ مذہب کے داعیوں نے اس مذہب کی کس طرح اشاعت کی، اس کی نسبت مسٹر ارنلڈ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس مذہب کے داعی طرح طرح کے بھیس بدلتے تھے جن میں اکثر صوفی اور تاجر ہوتے تھے اور یہ مختلف ملکوں میں روانہ کئے جاتے تھے۔ جاہلوں کو شعبدے دکھاتے جاتے تھے۔ اور اس کا نام معجزہ تھا۔ اور مہمل باتوں کا نام تصوف کا راز تھا۔ خدا پرستوں کے سامنے یہ داعی نیکی اور تقدس کی مجسم تصویر بن جاتے تھے۔ جس زمانے میں دیکھا کہ لوگ نہایت شوق سے کسی امام کے منتظر ہیں اور کوئی نجات دینے والا پیدا ہونے والا ہے تو مسلمانوں کو امام مہدی یہودیوں کو مسیح، عیسائیوں کو فارقلیط کی خبر سنائی کہ اب وہ دنیا میں آتے ہیں۔ شیعوں میں بیٹھکر اسمٰعیلی اپنے آپ کو مذہب شیعی کا پُرجوش معتقد ظاہر کرتے ہیں۔ اور اہل سنت وجماعت کے خلاف اصحاب ثلثہ پہ تبرا کرتے ہیں یہودیوں کے سامنے مسلمان اور عیسائیوں کی مذمت کرتے ہیں اسی طرح عیسوی مذہب کے اصولوں سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اخیر میں یہ کہتے ہیں کہ یہ اصول ظاہر میں سب اشارات و علامات ہیں۔ لیکن جو ادق معنی ان میں مخفی ہیں ان کا مطلب صرف اسمٰعیلیہ مذہب کی مدد سے تحقیق ہوسکتا ہے۔ جب ہندوستان میں آئے تو مذہب کی صورت ایسی تبدیل کردی کہ ہندو اس کو قبول کریں۔ حضرت علی کو بشن کا دسواں اوتار بتایا جو یورپ سے آئے گا قلعہ الموت مراد ہے ایک پران لکھا بعدہ اماچاریوں کے انداز پر بھجن لکھے۔ مجموعی طور پر داعیوں کی ایسی باتیں تھیں کہ ہندوؤں کو مذہب اسمٰعیلیہ قبول کرنیکی رغبت ہوئی انتخاب از دعوت اسلام صفحہ ۲۴۴۔

کو بھی خوب ترقی دی جب سلطان برکیارق کو خانہ جنگی سے فرصت ملی تو اُس[1] نے عام رعایا اور علماء کی شکایت پر ۴۹۴ھ میں باطنیہ کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ جن پر شبہ ہوا وہ قتل کیے گئے۔ سلطان کے اس حکم سے حسن صباح کا غصہ بہت بڑھ گیا اور اُس نے ایک باطنی کے عوض دس مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ تاریخ کامل اثیر میں لکھا ہے کہ یہ زمانہ نہایت خوفناک تھا۔ وقت مقررہ پر اگر کوئی شخص اپنے گھر نہ آیا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ وہ باطنیہ کا شکار ہو گیا۔ اور خوف کی عام حالت یہ تھی کہ امراء عبا کے نیچے زرہ پہنا کرتے تھے اور خود[2] سلطان نے ارکان سلطنت کو اجازت دیدی تھی کہ "وہ دربار میں اسلحہ لگا کر آیا کریں"

خواجہ نظام الملک کے قتل میں چونکہ حسن صباح کو کامیابی ہوئی تھی۔ لہٰذا اُس نے اپنے تمام دشمنوں کے زیر کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا کہ جس نے سر اٹھایا وہ کسی فدائی کی چھری سے قتل ہوا۔ چنانچہ برکیارق کی چھیڑ چھاڑ سے اصفہان و خراسان وغیرہ میں بکثرت چھری بند فدائی پھیل گئے۔ اور مسلمان قتل ہونے لگے قلعہ وسکوہ (قریب شہر ابہر) پر باطنیہ کا قبضہ تھا اور یہ لوگ مسلمانان شہر ابہر کو بہت تکلیف دیتے تھے۔ چنانچہ اُن کے استغاثہ پر سلطان نے قلعہ پر فوج کشی کی، اور آٹھ مہینے کے محاصرہ کے بعد قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سلطان برکیارق کی طرح اُس کے بھائی سلطان[3] محمد کو بھی باطنیوں کی طرف خاص توجہ تھی۔ ۴۹۸ھ میں باطنیہ نے طرثیث (اعمال بیہق) سے نکل کر خراسان، ماوراءالنہر اور ہندوستان کے حجاج کا قافلہ نواح رے میں لوٹ لیا۔ اور پھر اطراف رے میں لوٹ مچا دی اس تاخت و تاراج میں بہ تعداد کثیر مسلمان مارے گئے اور اُن کا مال و اسباب اور مواشی سب لے گئے۔ جب[4] زیادہ شورش بڑھی تو ۵۰۰ھ میں خود سلطان محمد نے قلعہ "شاہ وز" پر فوج کشی کی۔ یہ قلعہ اصفہان کے قریب تھا۔ اور سلطان ملک شاہ نے بڑے اہتمام سے بنوایا تھا۔ اس قلعہ پر باطنیوں کا قبضہ گویا دارالسلطنت کا قبضہ تھا احمد بن عبدالملک بن عطاش طبیب باطنی حاکم قلعہ تھا۔ احمد اگرچہ جاہل اور علم و فضل سے عاری تھا۔ لیکن حسن صباح نے یہ کہہ کر قلعہ کا حاکم بنایا تھا کہ تم میرے استاد عبدالملک کے بیٹے ہو تمہارا حق فائق ہے اور اس قلعہ کو حسن صباح نے خوب مستحکم کر دیا تھا۔ چنانچہ سلطان نے محاصرہ کے بعد یہ قلعہ فتح کر لیا۔ جب احمد گرفتار ہو کر سامنے آیا تو سلطان نے کہا کہ تم نے تو یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اصفہان میں میری عظمت اور شوکت

---

[1] کامل اثیر صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹۔ جلد ۱۰ [2] کامل اثیر صفحہ ۱۱۲ [3] کامل اثیر صفحہ ۱۲۷ جلد ۱۰۔

[4] کامل اثیر صفحہ ۱۵۱ و ۱۵۲ جلد ۱۰

اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور عوام و خواص میرے گرد جمع ہوں گے۔ لیکن وہ پیشین گوئی جھوٹی ہوتی۔ احمد[1] نے جواب دیا کہ نہیں! صحیح ہوتی۔ لیکن نہ بطریق حکومت اما بطریق فضیحت۔ سلطان ہنس کر چپ ہو رہا۔ پھر بیل پر سوار کرا کے اصفہان کے کوچہ و بازار میں گشت کرایا۔ پھر اس کی کھال کھنچوائی اور اس طریقہ پر احمد کا خاتمہ ہوا۔ سلطان کا وزیر سعد الملک بھی احمد کا معین و مددگار تھا۔ اور سلطان کو در پردہ قتل کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس جرم میں اس کو بھی پھانسی دی گئی۔ اور ابو نصر احمد بن خواجہ نظام الملک کو قلمدانِ وزارت سپرد کیا گیا۔ اس کے بعد ۵۰۳ھ میں قلعہ الموت[2] پر فوج روانہ ہوئی۔ لیکن بوجہ شدت سرما فوج واپس آئی۔ اس فوج کا سپہ سالار خود وزیر احمد تھا۔ لیکن ۵۱۱ھ میں یہ سپہ سالاری امیر نوشتگین شیرگیر (صاحب آبہ و سادہ) الموت پر دوبارہ فوج کشی ہوئی۔ اور ایک سال تک برابر[3] محاصرہ رہا۔ قلعہ میں کمی رسد کی وجہ سے سخت تکلیف ہوئی۔ اور حسن صباح نے بچوں اور عورتوں کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور وہ امان کے طالب ہوئے، مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ لیکن قضا و قدر نے فتح اور شکست سے پہلے، سلطان محمد کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان محمد کے انتقال سے قلعہ پھر حسن صباح کے قبضہ میں رہ گیا۔ تاریخ آل[4] سلجوق میں لکھا ہے کہ امیر ورکزینی نے جو حسن صباح سے ملا ہوا تھا۔ امیر شیرگیر کے لشکر کو پریشان کر دیا، اور فوج امیر کو تنہا چھوڑ کر چلی آئی۔ اگر سپاہی دغا نہ کرتے تو قلعہ الموت تین دن میں فتح ہو جاتا۔ فوج کے چلے جانے سے قلعہ والوں نے امیر پر حملہ کیا اور زائد از دو لاکھ دینار کا مال لے کر قلعہ میں واپس گئے۔ سلطان محمد کے انتقال پر ۵۱۱ھ میں سلطان سنجر مستقل حکمراں ہوا اور ملک شاہ کے بعد یہ سلطان اپنے سب بھائیوں سے زیادہ زبردست اور صاحب اثر تھا۔ وسعت ملک اور فوجی طاقت میں بھی سب پر فائق تھا۔ چنانچہ سلطان سنجر ایک جرار لشکر لے کر قلعہ الموت پر چلا۔ ظاہر ہے کہ حسن صباح شاہی لشکر کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اُس کے سپاہی تو چور اور رہزنوں کی طرح صرف چھریاں مارنا جانتے تھے۔ لہٰذا حسن نے یہ چالاکی کی کہ کسی خاص غلام یا حرم کو ملا کر سلطان کی خواب گاہ کے سرہانے ایک خنجر زمین میں گاڑ دیا۔ سلطان نے صبح کو جب خنجر زمین میں پیوست پایا تو وہ خوف زدہ ہو گیا۔ اور دستہ خنجر کے اوپر حسن صباح کا ایک خط بندھا ہوا تھا جس کا یہ مضمون تھا۔ ہاں! اے سلطان سنجر بہ پرہیز کہ اگر رعایت خاطر تو منظور بنودے دستے کہ خنجرے بزمین

---

[1] صفحہ ۳۹ دولت شاہ سمرقندی [2] کامل اثیر صفحہ ۱۶۸ [3] کامل اثیر صفحہ ۱۰۵ و ۱۰۶ جلد ۱۰

[4] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۱۳ مطبوعہ مصر ۔ گنج دانش صفحہ ۱۴۱۴ ۔ تذکرہ سنجر ۔ و کتاب دبستان مذاہب حالات اسمٰعیلیہ۔

سخت فرو نبرد۔ برسینۂ نرم تو سہل تربود کہ فرو برد۔" اس میں شک نہیں کہ حسن صباح نے سنجر کے حال پر بڑی مہربانی کی اور اس کو صرف دھمکا کر چھوڑ دیا۔ ورنہ بقول حسن صباح زمین سخت میں خنجر پیوست کرنے سے سلطان کے نرم سینہ میں خنجر کا چبھو دینا آسان تھا۔ اس کارروائی کے ساتھ صلح کو حسن صباح کا قاصد پہنچا اور صلح کا خواستگار ہوا۔ سلطان سنجر پہلے ہی مرعوب ہو چکا تھا۔ لہذا جان کے خوف سے صلح کو جنگ سے بہتر سمجھا۔ اور ان[1] معمولی شرطوں پر صلح ہو گئی اور سلطانی فوج چند منزل چل کر دارالسلطنت کو واپس آگئی۔

(۱) اسمٰعیلیہ فرقہ قلعہ جات میں کوئی جدید فوجی عمارت کا اضافہ نہ کرے (۲) جدید اسلحہ اور منجنیقیں نہ خرید کرے (۳) آئندہ اس فرقہ میں کوئی نیا شخص مرید نہ کیا جائے۔"

حسن صباح کے واسطے اس سے زیادہ نرم شرطیں اور کیا ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ صوبہ رودبار، قہستان، شام اور سواحل روم تک زائد از پچاس قلعے باطنیوں کے قبضہ میں تھے۔ جو سب مستحکم اور کارآمد تھے جس میں حسن صباح کو کسی تعمیر کی ضرورت نہ تھی۔ دوسری شرط بالکل فضول تھی۔ کیونکہ یہاں کمر میں بجائے تلوار اور سنگین کے صرف ایک چھری کافی تھی۔ تیسری شرط البتہ سخت تھی۔ لیکن اب اُس کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ حسن کی فوج کی مجموعی تعداد ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ سلطان سنجر کے عہد تک ایران میں زیادہ شورش نہیں ہوئی۔ اب حسن صباح کی توجہ شام اور یمن[3] کی طرف تھی۔

موت

ان کامیابیوں کے بعد بتاریخ ۲۸ ربیع الآخر ۵۱۸ھ حسن صباح کا انتقال ہو گیا۔ اور پینتیس برس تک قلعہ الموت پر حکمراں رہا۔ اس وقت حسن صباح کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔

حسن صباح کے ذاتی حالات

حسن صباح کی نسبت[4] مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ حکیم، منجم، مہندس، محاسب اور ساحر تھا۔ فقہ اور دینیات میں مجتہدانہ درجہ رکھتا تھا، صوفیوں کی طرح شب و روز ریاضت میں مصروف رہتا تھا۔ بجز اپنے فرقہ کے لوگوں کے اور کسی سے ملاقات نہ کرتا تھا۔ مستقل مزاجی کا یہ عالم تھا کہ پینتیس برس میں صرف دو مرتبہ اُس گھر کی چھت پر چڑھا جس میں سکونت پذیر تھا

---

[1] نامہ خسرواں صفحہ ۱۰۸ [2] حالات حسن صباح [3] شام کے تفصیلی حالات کامل اثیر اور یمن کے واقعات عمارہ یمنی کی تاریخ میں دیکھنا چاہیے یہ تاریخ مع ترجمہ انگریزی لندن میں چھپ گئی ہے [4] گنج دانش صفحہ ۷۴۔ دبستان مذاہب، زینۃ المجالس مجدی کامل اثیر صفحہ ۱۱۰ جلد ۱۰ و مراۃ البلدان ناصری صفحہ ۹۳۔ ذکر الموت ۱۲۔

اور قلعہ سے تو ایک دن کے واسطے بھی باہر نہیں گیا اس کی مذہبی تصنیفات ہیں (۱) "روشنی روز و تاد کی شب" (۲) ایک مختصر مجموعہ موسومہ اکرام ہے۔ اول کتاب کے خلاصے دبستان مذاہب وغیرہ میں درج ہیں۔ اس کے علاوہ تعجب انگیز امر یہ ہے کہ بحیثیت مہندس تین کتابیں لکھیں۔ جن کا یورپ نے حال میں پتہ لگایا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) کتاب الاشکال والمساح (۲) کتاب الکرہ (۳) کتاب العمل بذات الخلع

عقائد مذہبی میں انتہا درجہ کا سخت تھا۔ جیسا خود پابند شرع تھا ویسا ہی مریدوں کو بھی بنانا۔ چاہتا تھا۔ شرعی جرم میں اپنے دو بیٹوں کو قتل کر دیا اور اُف تک نہ کی۔ ایک شخص نے قلعہ کے اندر بانسری بجائی اُسی وقت اخراج کا حکم دیا اور باوجود معزز سفارشوں کے پھر قلعہ کے اندر آنا نصیب نہ ہوا اسی کا اثر تھا کہ جس مرید کو جو حکم دیا اس نے فوراً تعمیل کی۔ جو مقبولیت حسن صباح کو اپنے مریدوں میں ہوئی اُس کی نظیر سے صفحات تاریخ خالی ہیں۔ یہ بات آج تک نہ کسی صوفی کو حاصل ہوئی۔ اور نہ کسی بادشاہ وقت کو کہ اُس کے حکم سے لوگ جان دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ حسن صباح کو یہ مرتبہ کیوں کر حاصل ہوا؟ اس میں مورخوں کا اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حسن صباح کی ظاہری بے نفسی اور صوفیانہ ریاضت اس کا باعث تھی۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مکاری جعل سازی، ساحری، اس کے عروج کا سبب ہوئی۔ لیکن محققین کا فیصلہ ہے کہ مجموعی طور پر ان تمام امور کو حسن صباح کی کامیابی میں دخل ہے اور پھر ان میں بھی "حُوْرٌ مَّقْصُوْرَاتٌ فِی الْخِیَامِ" کے نازو کرشمے، اور باغ جنت کی دل فریبیاں سب پر مستزاد ہیں۔

حسن صباح نے اپنے عہد حکومت میں حسب ذیل قلعوں پر قبضہ کیا (۱) قلعہ الموت (۲) قلعہ گردکوہ (۳) لامسر (۴) شاہ دژ۔ (اصفہان) (۵) دسکوہ (متصل ابہر) (۶) خالنجان (اصفہان سے پانچ فرسخ ہے (۷) قلعہ استون آوند (شہر رے اور آمل کے مابین) (۸) آردہن (۹) قلعہ الناظر (خوزستان) (۱۰) قلعہ طنبور (متصل شہر آرجان) (۱۱) قلعہ خلاد خاں (مابین فارس اور خوزستان) یہ وہ قلعہ ہیں جو بہت بڑے تھے۔ اس کے علاوہ صوبہ رودبار اور قہستان وغیرہ میں چھوٹے بہت سے قلعے تھے، جن کی مجموعی تعداد سو کے قریب ہے جن کے ناموں کی تاریخ میں تفصیل نہیں ہے۔

حسن صباح کے جانشین

حسن صباح کے انتقال کے بعد قلعہ الموت میں مسلسل سات حکمراں ہوئے، جن کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے۔

(۱) کیا بزرگ اُمید یہ شخص قلعہ الموت کا قلعدار اور حسن صباح کا رفیق تھا۔ حسن صباح نے ۵۱۸ھ ۱۱۲۴ء میں انتقال کے وقت خود اپنا جانشین بنایا۔ ابو علی وزیر تھا اور حسن قصرانی اس کی فوج کا سپہ سالار۔ اس عہد میں بھی فدائیوں کا بڑا زور رہا۔ اور ابو ہاشم فاطمی کو جنھوں نے شہر گیلان میں امامت کا دعوی کیا تھا، کیا بزرگ نے اول خط لکھا کہ "دعوی امامت سے باز آؤ"۔ اُس کے جواب میں ابو ہاشم نے خط میں گالیاں لکھیں، جس کو پڑھ کر کیا بزرگ غضبناک ہوگیا، اور امام صاحب کو گرفتار کرا کے آگ میں زندہ جلا دیا۔ سلجوقیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، مگر آخر کو کیا بزرگ کامیاب ہوا۔ چودہ برس، دو مہینہ بیس دن حکومت کر کے ۵۳۲ھ ۱۱۳۸ء میں انتقال کیا۔

(۲) محمد بن کیا بزرگ اُمید کیا بزرگ کے انتقال پر اس کا بیٹا محمد جانشین ہوا، یہ بالکل جاہل تھا لیکن حسن صباح اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اس کے عہد میں بھی خوں ریزی جاری رہی۔ چوبیس برس، آٹھ مہینے آٹھ دن حکومت کر کے ۵۵۷ھ ۱۱۶۲ء میں فوت ہوا۔

(۳) حسن بن محمد حسن کا باپ محمد، اگرچہ قلعہ الموت کا حکمران ہوگیا تھا، مگر باطنیوں کے نزدیک اُس میں فرائض منصبی ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔ اور باطنی عموماً حسن کے فضل و کمال کے قائل تھے، لہٰذا محمد کے بعد حسن کو اپنا فرماں روا تسلیم کیا۔ اس حکمراں کے نسب میں اختلاف ہے۔ مگر اس کا دعوی ہے کہ میں نزار بن مستنصر باللہ علوی کی نسل میں ہوں۔ حسن وسعت خیالات، اور چالاکی میں حسن صباح سے کچھ ہی کم تھا۔ مریدوں میں حسن کی بے انتہا تعظیم کی جاتی تھی، اور کوئی شخص نام نہیں لیتا تھا، بلکہ بجائے نام کے "علی ذکرہ السلام" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ مسند نشینی کے بعد ۲۷ رمضان ۵۵۹ھ ۱۱۶۴ء کو سب سے پہلے دربار عام کر کے حسن نے اپنی امامت کا دعوی کیا۔ اور ثبوت میں امام مہدی علیہ السلام کا ایک خط پیش کیا، اور لوگوں کو سمجھا دیا کہ "صرف باطن میں خدا کی محبت رکھو اور ظاہر میں جو چاہو کرو۔ میں تم کو آج کی تاریخ سے تمام شرعی قیود سے آزاد کرتا ہوں"۔ چنانچہ اس تاریخ سے رسوم شرعیہ بالکل اٹھ گئیں۔ چنانچہ کسی باطنی شاعر کا قول ہے ؎

برداشت غل شرع بتائید ایزدی
مخدوم روزگار علی ذکرہ السلام

لہ قلعہ الموت کے حکمرانوں کے حالات، نامہ خسرواں، یمین الاسلام، گنج دانش، نگارستان، دبستان مذاہب، روضۃ الصفا، ناسخ التواریخ

اسی عہد سے اس فرقہ کا نام علمائے اسلام نے ملاحدہ[1] قرار دیا۔ چار برس حکومت کرکے اپنے سالے حسن نامور کے ہاتھ سے قلعہ الموت میں ۵۵۹ھ میں مارا گیا۔

(۴) محمد ثانی بن حسن | حکمراں ہوتے ہی، اول اپنے باپ کے قصاص میں قاتل اور خاندان کے تمام زن و مرد کو قتل کرادیا۔ علم وفضل میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھ کر تھا

اس کے عہد کا واقعہ ہے کہ امام فخرالدین رازی، وعظ میں فرمایا کرتے تھے کہ خلافاً للاسمعیلیہ لعنہم اللہ دخذلہم اللہ جب یہ خبر محمد کو پہنچی تو ایک فدائی کو روانہ کیا۔ وہ امام صاحب کے حلقہ درس میں آکر شامل ہوا، اور سات مہینے تک طالب العلمانہ حاضرباش رہا، ایک دن موقعہ پاکر امام صاحب کے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور خنجر گلے پر رکھدیا۔ امام صاحب نے خوف زدہ ہوکر پوچھا کہ میرا کیا گناہ ہے؟ فدائی نے کہا کہ "سیدنا محمد بن حسن، بعد سلام فرماتے ہیں کہ ہم کو عوام کی باتوں کا کوئی ڈر نہیں ہے۔ لیکن آپ جیسے عدیم النظیر فاضل سے خوف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آپ کا کلام صفحۂ روزگار پر باقی رہے گا۔ دوسری التماس یہ ہے کہ آپ قلعہ میں تشریف لائیں"۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ "میرا قلعہ میں جانا غیر ممکن ہے، لیکن آئندہ سے عہد کرتا ہوں کہ تمہارے خلاف کچھ نہ کہوں گا"۔ اس کے بعد فدائی امام صاحب کے سینہ سے اُترا اور گلے سے خنجر ہٹالیا، اور کہا کہ "تین سو مثقال طلا، اور دو یمنی چادر میرے حجرے میں رکھی ہیں وہ آپ منگالیں، سیدنا کی طرف سے یہ ایک سال کا وظیفہ ہے اور آئندہ بھی اسی قدر رئیس ابوالفضل کی معرفت ملا کرے گا"، پھر حجرے سے نکل کر غائب ہوگیا۔ اس کے بعد امام صاحب کا یہ دستور ہوگیا کہ جب کوئی اختلافی مسئلہ ہوتا تو صرف اس قدر فرماتے کہ خلافاً للاسمعیلہ امام صاحب کے اس طرز عمل سے عوام کو شبہ ہوگیا کہ وہ ملاحدہ کے ہم عقیدہ ہیں اور حکمران الموت سے ساز رکھتے ہیں۔ امام صاحب نہایت خوش نصیب تھے کہ زندہ بچ گئے۔ مگر بات یہ ہے کہ محمد بن حسن کا فدائی کو صرف اسی قدر حکم تھا کہ "وہ امام صاحب کو خوف زدہ کردے" قتل کی اجازت نہیں دی گئی تھی اسی واقعہ کے متعلق کسی شاعر کا قول ہے۔

اگر دشمن نسازد با تو اے دوست   تو مے باید کہ با دشمن بسازی

---

[1] علمائے اسلام نے رد ملاحدہ میں نہایت نادر کتابیں لکھی ہیں خصوصاً امام غزالی علیہ الرحمۃ کی تصنیفات المستظہری، حجۃ الحق، کتاب المسح، کتاب القسطاس اور ایک رسالہ بطور سوال وجواب، قابل ملاحظہ ہیں [2] نگارستان صفحہ ۲۳۲۔

دیگر کہ ایک [illegible] بزاوا ماند نہ تو نے محمد زلفی

اس کے عہد میں شام کے اسمعیلیوں کا الموت سے تعلق چھوٹ گیا اور شیخ رشید الدین سنان کی ماتحتی میں جداگانہ کام شروع ہوا۔ جس کے عہد میں مشرقی شام، مشرقی افریقہ، اور سنٹرل ایشیا میں مذہب اسمعیلہ کی خوب ترقی ہوئی۔ اس کے بیٹے جلال الدین نے اپنے باپ کو عیاش اور کمزور سمجھ کر زہر دیدیا۔ چھیالیس برس حکمران رہا۔

(۵) جلال الدین محمد ثانی ملقب بہ حسن ثالث

اپنے باپ کے انتقال پر ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں حکمراں ہوا۔ اور مذہب اسمعیلہ ترک کر کے شریعت اسلامیہ کا پیرو ہوگیا۔ اور اپنے سچے مسلمان ہونے کے ثبوت میں فرقہ باطنیہ کی تمام تصنیفات (موجودہ قلعہ الموت) جلا کر راکھ کر دیں اور اپنی والدہ اور بیوی کو حج کے لئے روانہ کیا، امیر المومنین ناصر باللہ عباسی نے اس قافلہ کی یہاں تک عزت کی کہ قلعہ الموت کا علم، فرماں روائے خوارزم کے علم سے آگے کر دیا، اور جس راستہ سے یہ قافلہ گذرا وہاں کے حکمراں نے بڑے اعزاز سے خیر مقدم کیا۔ تاریخ میں "یہ جلال الدین نومسلم" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کارروائی سے دنیائے اسلام کو تو خاص مسرت ہوئی، مگر باطنی جلال الدین کے دشمن ہو گئے، اور زہر دے کر ختم کر دیا۔ گیارہ برس حکمراں رہا۔

(۶) علاء الدین محمد بن جلال الدین ملقب بہ محمد ثالث

۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء میں بعمر ۹ سال حکمراں ہوا، اور رفیقوں کی مدد سے مذہب باطنیہ از سر نو جاری کیا گیا۔ علاء الدین کو کم سنی میں مالیخولیا ہو گیا، اس وجہ سے عنان حکومت ارکان سلطنت کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن باوجود سعی بلیغ فرقہ باطنیہ کو پھر اگلی سی قوت، و شوکت حاصل نہ ہوئی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی اسی زمانہ میں داخل قلعہ الموت ہوئے تھے۔ پینتیس[۳۵] برس، ایک مہینہ حکمراں رہا اور ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء میں حسن ماژندرانی نے قتل کر دیا۔

(۷) رکن الدین خور شاہ بن علاء الدین

باپ کے بعد ۶۵۲ھ میں حکمراں ہوا۔ حسن ماژندرانی کو مع اس کی اولاد کے قتل کرا دیا، اور حسن کی نعش کو جلا دیا۔ ہنوز کسی قسم کا انتظام حکومت نہیں کرنے پایا تھا کہ ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء میں منقو خاں کے حکم سے ہلاکو خاں نے قلعہ الموت اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور قلعہ کا تمام ذخیرہ جو حسن صباح کے عہد سے جمع ہو رہا تھا لوٹ لیا (قلعہ کے اندر سرکہ لعد

مشہد کے حوض بھی بھرے ہوتے ملے جس کو حسن صباح نے ذخیرہ کیا تھا۔ مگر ان کا ذائقہ نہیں بگڑا تھا جس کو لوگ حسن کی کرامت سمجھتے تھے، جس کی تفصیل تاریخوں میں درج ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کا ایک تاریخی قطعہ درج کیا جاتا ہے۔

قطعہ

سالِ عرب چو شش صد و پنجاہ و چار بود ۔۔۔ یک شنبہ روز۔ اول ذیقعدہ بامداد

خورشاہ بادشاہ سماعیلیاں ز تخت ۔۔۔ برخواست پیشِ تخت ہلاکو بایستاد

الغرض تاتاریوں[1] نے باطنیوں کی ایرانی حکومت کا ایک سو اکہتر برس کے بعد خاتمہ کر دیا، اور تقریباً سو قلعے باطنیوں کے برباد کر دیئے، اور بارہ ہزار باطنی قتل کئے گئے۔ اسی طرح شام و مصر میں سلطان ملک الظاہر بیبرس اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے باطنیوں کا استیصال کر دیا اور چھری بند فدائیوں سے ملک میں امن و امان ہو گیا۔ تاتاری حملہ کے بعد اس مذہب کا زور کم ہو گیا تھا۔ اور جہاں کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے وہ گم نامی کی حالت میں تھے۔ قلعہ الموت کی تباہی کے بعد پھر حکمرانی نصیب نہیں ہوئی۔ البتہ جا بجا جو داعی اور نقیب باقی رہ گئے تھے وہ اپنا کام کرتے رہے چنانچہ فی زمانہ یہی اسمعیلہ مذہب بلاد فارس، سواحل نہر سندھ، شام، حلب، میں موجود ہے اور دمشق میں ایک محلہ ہے جو "حارۃ الحشاشین" کے نام سے مشہور ہے (ان کے عقائد میں عجمیوں سے بہت اختلاف ہے) ہندوستان میں اس گروہ کے امام ہز ہائنس سر آغا خاں صاحب بالقابہ ہیں۔ آپ کے اجداد کا سلسلہ رکن الدین خورشاہ تک پہنچتا ہے۔ اس مضمون کے خاتمہ پر ہم دو نقشہ درج کرتے ہیں جن کے ملاحظہ سے اسمٰعیلیہ کی شاخوں اور مشاہیر مقتولین کی مختصر فہرست معلوم ہوگی۔

---

[1] خلیفہ مستعصم باللہ اور شہر قزوین کے رؤسا کی طرف سے تاتاریوں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کو باطنیوں کے ظلم و ستم سے بچا دیں اور ان کا استیصال کر دیں۔ چنانچہ تاتاری فوج آئی اور باطنیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ایک معزز مغل کو کسی باطنی نے قتل کر دیا تھا جس کے قصاص میں تاتاریوں نے ان کا خاتمہ کر دیا۔ ناظرین اس موقعہ پر حصہ اول کے صفحہ ۲۰۰ کا نوٹ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جو خواجہ نصیر الدین طوسی سے متعلق ہے۔

(۱) فہرست فرقہائے اسمٰعیلیہ جنھوں نے مختلف ملکوں میں مختلف ناموں سے خروج کیا

نمبر شمار	نام	مختصر کیفیت
۱	اسمٰعیلی	چونکہ یہ فرقہ امام اسمٰعیل کا مقلد ہے۔ لہٰذا اس کا عام لقب اسمٰعیلی قرار پایا۔ اور یہی اصلی نام ہے۔ باقی اس کی شاخیں ہیں، جو اپنے داعیوں کے نام سے یا کسی خاص عقیدہ کی وجہ سے شہرت پذیر ہیں۔
۲	بابکی	بابک ایک عجمی تھا۔ جس نے ۲۰۱ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے زمانہ میں بمقام آذربائیجان خروج کیا تھا۔ اور اصفہان وہمدان میں ایک جماعت اُس کی مقلد ہو گئی تھی۔ بابک نے اپنے جدید مذہب کا نام "خرم دین" رکھا تھا۔ اس وجہ سے بابکیہ فرقہ، خرمیہ بھی کہلاتا تھا۔ ماں بہن۔ بیٹی کے ساتھ نکاح جائز تھا۔ اس لئے اس کا ایک نام خرمیہ بھی ہے۔
۳	محمرہ	یہ فرقہ بابک کی تقلید میں سرخ لباس پہنا کرتا تھا اس وجہ سے محمرہ لقب ہوا۔ مگر صرف گرگان کے واسطے مخصوص ہے۔
۴	مبارکی	مبارک، امام محمد بن اسمٰعیل کا ایک حجازی غلام تھا۔ جس نے اوّل کوفہ میں مذہب اسمٰعیلیہ پھیلایا۔ اور یہ کوفی 'مبارکی مشہور ہوئے۔ ورنہ حقیقت میں مبارک کے تمام پیرو قرامطہ کہلاتے تھے۔
۵	قرمطی	فرقہ اسمعیلیہ میں جو نام سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ قرمطی ہے۔ قرمط کے لغت عرب میں متعدد معنی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ باریک اور گنجان خط کو قرمط کہتے ہیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا مقولہ ہے کہ فرج ما بین السطور وقرمط بین الحروف۔ یعنی بین السطور میں کشادگی رکھو۔ اور حرفوں کو گانٹھ کر لکھو۔ چونکہ مبارک مذکور ایسا ہی خط لکھتا تھا۔ لہٰذا اس کے پیرو قرمطی اور قرمطویہ کہلائے۔ عبداللہ بن میموں قداح اہوازی نے مبارک کو مذہب اسمعیلیہ میں داخل کیا تھا اور آخر میں یہ مبارک اس مذہب کا ایک پُرجوش

نمبر	فرقہ	تفصیل
		دائی ثابت ہوا۔
۶	میمونی	عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کا مقلد فرقہ میمونی کہلاتا ہے۔ یہ شخص شعبدہ باز، ساحر اور ماہر طلسمات تھا۔ اس وجہ سے کوہستان خراسان اصفہان اور رے، میں اُس نے خوب ترقی کی۔ امام اسمٰعیل اور امام محمد کی خدمت میں عبداللہ عرصہ تک حاضر رہا تھا۔ عبداللہ کے بیٹے احمد نے شام اور مغرب میں اسمٰعیلی فرقہ کو خوب ترقی دی۔ فرقہ اسمٰعیلیہ میں عبداللہ کا درجہ حسن صباح سے بہت زیادہ ہے۔
۷	خلفی	خلف کا مقلد فرقہ خلفی کہلاتا ہے۔ یہ خلف، عبداللہ بن میمون کا کاتب تھا۔ اس نے خراسان، قم، کاشان، طبرستان، ماژندان میں اشاعت کی۔ اور چونکہ ان بلاد میں شیعہ اثنا عشری آباد تھے لہذا اسمٰعیلی عقائد کا ان پر جلد اثر ہوگیا۔ خلف کا خلف الرشید احمد تھا اور احمد کا خلیفہ غیاث، یہ بھی بڑا فاضل تھا۔ جس نے ۲۰۲ھ میں فلسفیانہ اصول پر مذہب اسمٰعیل میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام بیان ہے۔ غیاث نے طالقان، ہرات، غور، میں یہ مذہب پھیلایا۔ اور غیاث کے خلیفہ ابو حاتم نے نیشاپور، رے، طبرستان، آذربائیجان میں خوب ترقی کی۔
۸	برقعی	۲۵۵ھ میں محمد بن علی برقعی نے بمقام اہواز خروج کیا۔ اور خوزستان، بصرہ، پر قبضہ کرکے ہزاروں آدمیوں کو داخل مذہب کرلیا ۲۷۰ھ میں خلیفہ معتضد باللہ کے حکم سے سولی دی گئی۔ یہ نام نواح بصرہ کے لئے مخصوص ہے۔ اس کا بیٹا علی بن محمد بھی قتل ہوا۔ اس کے عقائد میں مزدک، اور بابک کے اصول بھی شامل تھے۔
۹	جنابی	ابوسعید بن حسن بن بہرام جنابی۔ قرمطی نے احسا، قطیف، بحرین میں اشاعت مذہب کی سنہ ۳۰۱ھ میں قتل ہوا۔ اس کے وعظ کی ابتدا ۲۸۶ھ میں ہوئی تھی۔ طاہر ابوسعید کا بیٹا تھا ۳۱۷ھ میں جس نے عین حج کے دن خانہ کعبہ کو تاخت و تاراج کیا۔ چاہ زمزم، اور حرم کعبہ نعشوں سے بھر گیا۔ حرم محترم میں جو گستاخیاں کیں اس کے لکھنے سے قلم عاجز ہے۔ یہی طاہر ہے جو حجر اسود کو اپنی جگہ سے علیحدہ کرکے لے گیا تھا اور ۱۲ سال کے بعد ۲۳ ہزار دینار تاوان لے کر خلیفہ مطیع اللہ عباسی کو واپس دیا۔ اور اپنی

		جگہ دوبارہ نصب ہوا جو آج تک قائم ہے۔
۱۰	مہدوی	امام ابو محمد عبید اللہ مغربی سے منسوب ہے۔ اس فرقہ کو سعیدی بھی کہتے ہیں اس نام کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔
۱۱	ملاحدہ	حسن بن محمد (جس کا عہد حکومت ۵۵۶ھ لغایۃ ۵۵۹ھ) حکمران قلعہ الموت کے زمانہ میں علماء اسلام نے فرقۂ اسمٰعیلیہ کا نام ملاحدہ رکھا (اس کا مفرد ملحد ہے) کیونکہ اس عہد میں شریعت اسلامیہ کی ظاہری ارکان بھی باقی نہیں رہے تھے۔ نماز، روزہ وغیرہ۔ سب کی معافی مل گئی تھی۔
۱۲–۱۹	حسنی	حسن صباح کے عہد میں یہ فرقہ حسنی[۱۲] (منسوب بہ حسن صباح) تعلیمی[۱۳] (یہ نام اسی عقیدہ کی بنیاد پر ہے کہ بغیر امام کی تعلیم کے خدا شناسی محال ہے) باطنی[۱۴] (بہ باطن کا ایک ظاہر ہے) فدائی[۱۵] (فدائیوں کے اعتبار سے) حشاشین[۱۶] (بھنگڑ، بھنگ نوش) کے نام سے مشہور تھا۔ منجملہ ان کے نمبر۱۶ صرف یورپ میں مشہور تھا۔ باقی نام عراق۔ عرب و عجم میں مشہور تھے۔ باطنیہ بھی قدیم نام ہے۔ مگر خاص شہرت حسن صباح کے زمانے سے ہوئی ہے۔ چونکہ حسن اور اس کے جانشین امام نزار فاطمی کے داعی تھے۔ لہذا یہ فرقہ نزاریہ[۱۷] بھی کہلاتا ہے۔ اور حسن صباح کے نام اور قبیلہ کی مناسبت سے صباحیہ[۱۸] اور حمیریہ[۱۹] بھی کہتے ہیں۔
۲۰	بیضیہ	ملک شام کے بعض مقامات میں یہ فرقہ بیضیہ کہلاتا ہے۔ اور بعض شہروں میں فدائی جیسا کہ سفرنامہ ابن بطوطہ سے واضح ہوتا ہے۔ ملک شام میں احمد بن عبد اللہ میمون اور محمد بن احمد میمون کے بعد ایک شخص ذکرویہ ملقب بہ صاحب الخال ابن مہرویہ پیدا ہوا۔ عرب کے قبائل میں اس کا بہت زور ہوا ۲۹۴ھ میں قتل ہوا۔ بعد ازاں یحییٰ بن ذکرویہ اور ابو القاسم حسین بن یحییٰ کی توجہ سے شام میں خوب ترقی ہوئی۔ ملک شام کے فرقہ نے تمام یورپ میں ہل چل ڈال دی تھی اور سب سے اول قلعہ بانیاس پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد فتوحات کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ جس کی تفصیل کامل اثیر وغیرہ میں موجود ہے۔
۲۱	قرامطہ یمن	تیسری صدی ہجری کے خاتمہ پر صنعا میں علی بن فضل یمنی نے مذہب اسمٰعیلیہ کی بنیاد ڈالی۔ شراب حلال بیٹیوں سے نکاح جائز کر دیا اور یمن میں قرامطہ کے نام سے یہ فرقہ

مشہور شہوا تفصیل کے لئے تاریخ عمارہ یمنی مطبوعہ لندن معہ ترجمہ انگریزی دیکھنا چاہئے،

مختصر فہرست مشاہیرِ اسلام

جو حسن صباح ملعون کے جانشینوں کے عہد میں فدائیوں کے ہاتھ سے قتل ہوا[1]

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱	۴۸۵ھ / ۱۰۹۲ء	خواجہ حسن نظام الملک وزیر ملکشاہ سلجوقی	ابو طاہر حارث	
۲	۴۸۹ھ / ۱۰۹۵ء	ابو مسلم حاکم رے	خداداد رازی	
۳	ایضاً	امیر سیاہ پوش	ابراہیم دماوندی	
۴	ایضاً	امیر اثر ملک شاہی	حسن خوارزمی	
۵	ایضاً	امیر بلکس	ابراہیم دماوندی	
۶	۴۹۰ھ / ۱۰۹۶ء	امیر ارغش غلام ملک شاہ	عبدالرحمن خراسانی	بتقام رے قتل کیا۔ اسی طرح امیر یوسف ندیم طغرل بیگ کو قتل کیا تھا
۷	۴۹۰ھ / ۱۰۹۶ء	ہادی علوی گیلانی	ابراہیم بن محمد	
۸	ایضاً	ابوالفتح دہستانی وزیر برکیارق	غلام رومی خادم وزیر	
۹	ایضاً	امیر سرمن ملک شاہی	ابراہیم خراسانی	
۱۰	ایضاً	عبدالرحمن السمیری وزیر السلطان برکیارق	+	
۱۱	ایضاً	امیر برسق ندیم طغرل بیگ	+	
۱۲	۴۹۱ھ / ۱۰۹۷ء	سکندر صوفی قزوینی	رفیق قہستانی	
۱۳	ایضاً	ابوالمظفر بمیہ فاضل اصفہانی	ابوالفتح سنجر	
۱۴	ایضاً	سنقر چہ والی دہستان	محمد دہستانی	

[1] یہ فہرست سیاست نامہ باب ۴۶ اور دیگر مذہبی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۱۵	سنہ ۴۹۲ھ / ۱۰۹۸ء	ابوالقاسم کرخی	حسن دماوندی	
۱۶	ایضاً	ابوالفرج قسرآگیں	+	
۱۷	ایضاً	ابوعبید مستوفی	رستم دماوندی	
۱۸	ایضاً	اتابک مودود حاکم دیاربکر	+	
۱۹	ایضاً	ابوجعفر شاطبی رازی	محمود دماوندی	
۲۰	سنہ ۴۹۳ھ / ۱۰۹۹ء	امیر بلکابک سررا اصفہانی		یہ قتل خاص سلطان محمد کے محل میں ہوا
۲۱	ایضاً	قاضی عبداللہ اصفہانی	ابوالعباس مشہدی	
۲۲	ایضاً	قاضی کرمان	حسن سراج	
۲۳	سنہ ۴۹۹ھ / ۱۱۰۵ء	قاضی ابوالعلاصاعد بن ابومحمد نیشاپوری	+	جامع مسجد اصفہان میں قتل کیا
۲۴	سنہ ۵۰۰ھ / ۱۱۰۶ء	وزیر فخر الملک ابوالمظفر علی بن نظام الملک طوسی	+	یوم عاشورہ کے دن قتل کیا
۲۵	سنہ ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء	کمال ابوطالب سمیری وزیر سلطان محمود		بمقام ہمدان قتل کیا
۲۶	سنہ ۵۱۹ھ / ۱۱۲۵ء	قاضی ابوسعد محمد بن نصیر بن منصور ہروی	+	بمقام ہمدان قتل کیا
۲۷	سنہ ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء	قسیم الدولہ آق سنقر		نماز جمعہ میں قتل کیا
۲۸	سنہ ۵۲۱ھ / ۱۱۲۷ء	معین الملک ابونصر احمد بن فضل وزیر سلطان سنجر		اس وزیر نے عام طور پر باطنیہ کے قتل کا حکم جاری کر دیا تھا۔
۲۹	سنہ ۵۲۳ھ / ۱۱۲۹ء	عبداللطیف بن الخجندی رئیس الشافعیہ اصفہانی		
۳۰	سنہ ۵۲۴ھ / ۱۱۳۰ء	الامر باحکام اللہ ابی علی بن مستعلی صاحب مصر		
۳۱	سنہ ۵۲۶ھ / ۱۱۳۱ء	امام ابوہاشم فاطمی		زندہ جلادیا
۳۲	ایضاً	قاضی ابوسعید ہروی	محمد دراری عمر دامغانی	
۳۳	سنہ ۵۲۷ھ / ۱۱۳۳ء	حسن گرگانی	ابومنصور ابراہیم آملوی	
۳۴	سنہ ۵۵۸ھ / ۱۱۶۳ء	سید دولت شاہ علوی حاکم اصفہان	ابوعبداللہ	
۳۵	ایضاً	آق سنقر حکمران مراغہ	ابوعبیدہ و محمد بستانی	
۳۶	ایضاً	جناب شمس تبریزی	ابوسعید قائنی ابوالحسن مرائی	

نمبر شمار	سنہ قتل	نام مقتول	نام قاتل	مختصر کیفیت
۳۷	سنہ ۵۲۹ھ / ۱۱۳۵ء	خلیفہ المسترشد باللہ عباسی		۱۴- فدائیوں نے مل کر کام تمام کیا
۳۸	ایضاً	حسن بن ابوالقاسم کرخی مفتی شہر قزوین	محمد کرخی [illegible]	
۳۹	سنہ ۵۳۲ھ / ۱۱۳۷ء	داؤد بن سلطان سنجر		
۴۰	سنہ ۵۳۳ھ / ۱۱۳۸ء	قاضی تہتانی	ابراہیم دامغانی	قاضی صاحب ہمیشہ باطنیہ کے قتل کا فتوے دیا کرتے تھے۔
۴۱	ایضاً	قاضی تفلیس دارالسلطنت جارجیہ	ایضاً	
۴۲	سنہ ۵۳۴ھ / ۱۱۳۹ء	قاضی ہمدان	اسمٰعیل خوارزمی	
۴۳	سنہ ۵۳۴ھ / ۱۱۳۹ء	عین الدولہ خوارزم شاہ		
۴۴	سنہ ۵۳۵ھ / ۱۱۴۰ء	امیر ناصر الدولہ بن مہلہل	حسین کرمانی	
۴۵	سنہ ۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء	امیر کرشاشپ والی کرمان		
۴۶	سنہ ۴۳۸ھ / ۱۱۴۳ء	داؤد بن سلطان محمود بن محمد سلجوقی		
۴۷	سنہ ۵۴۰ھ / ۱۱۴۵ء	آق سنقر غلام سلطان سنجر		سلطان سنجر کا دوسرا غلام جوہر بھی کسی باطنیہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ جس کے قصاص میں امیر عباس حاکم رے نے غلام جوہر نے ہزاروں باطنی قتل کرا دیئے اور ان کے سروں کا منارہ بنایا جس پر موذن اذان دیتا تھا۔
۴۸	سنہ ۵۹۶ھ / ۱۱۹۹ء	نظام الملک مسعود بن علی وزیر خوارزم شاہ		سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی خوش نصیبی سے بچ گیا۔ لیکن جنگ صلیبی کے زمانے میں بعض ملوک فرنگ بھی قتل ہوئے

یہ فہرست تاریخ کامل اثیر۔ تاریخ آل سلجوق۔ گنج دانش۔ اور انگریزی تاریخوں سے ماخوذ ہے۔

دولتِ سلجوقیہ کی ابتدائی تاریخ طغرل بیگ کی فتوحات

سلجوقی سلطنت کا قیام و استحکام خلیفہ قائم بامر اللہ عباسی سے عزیزانہ مراسم، الپ ارسلان کا عہدِ حکومت

ترک و تاتار

ترکستان[1] اور بلادِ چین کے مابین، جو عظیم الشان "درۂ کوہ" (جس کی مسافت ہر طرف سے ایک مہینہ کی راہ تھی) واقع ہے، وہی ترکی اقوام کا قیام گاہ تھا اور سوائے خالق اکبر کے اُن کی مردم شماری کسی کو معلوم نہیں تھی۔ ان اقوام کے اسبابِ زندگی بھی اُسی جگہ مہیا تھے۔ کیونکہ اُن کی عام غذا، جانورانِ صحرائی، اور پرندوں کا گوشت اور بکریوں کا دودھ تھا کبھی کبھی غلہ بھی مل جاتا تھا، سواریوں کے لئے مضبوط گھوڑے موجود تھے جن کے لئے چراگاہوں میں گھاس با فراط تھی بھیڑ اور بکریوں کے بالوں سے لباس اور خیمے بناتے تھے۔ دلیری اور بہادری میں ممتاز تھے۔ اور قدرت نے اپنی فیاضی سے عورتوں کو بھی ان صفات میں ممتاز کیا تھا۔ ان اسباب نے ترکوں کو ایک خوفناک اور جنگ جو قوم بنا دیا تھا۔ اگرچہ اصلی پیشہ جنگ وجدال تھا۔ مگر تفریحًا قافلوں کو بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔ غُز (غوز، غوزی، یوز) خطا، اور تاتاری ترک بھی اسی گروہ سے ہیں۔ مگر ان میں بھی تاتاری سب سے ممتاز ہیں چین کے سیراب و پر فضا میدان، ہندوستان کے زرخیز صوبے، ایشیائے کوچک کے خوش نما وادیاں، شمالی یورپ کے پہاڑی اور ویران ملک، اور ایران کے بعض حصے، تاتاریوں کے جولان گاہ تھے۔ یہ ٹڈی دل جس میدان میں چھا جاتا وہاں کے خشک و تر کی صفائی کر دیتا تھا۔ اور سلاطین ان کے حملہ کا نام سُن کر بدحواس ہو جاتے تھے۔ جس کی تاریخ شاہد ہے چنانچہ مغل بھی اسی نسل سے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ جس وقت مغل ایشیا کے انتہائی مشرقی گوشہ میں نیم وحشیانہ حالت میں تھے، اس وقت ترک عربوں کے میل جول سے تہذیب کے سانچہ میں ڈھل گئے تھے۔

---

[1] ابن خلدون حالات دولت سلجوقیہ۔ تاریخ اسلام رائٹ آنریبل سید امیر علی خلافت قائم بامر اللہ۔ تاریخ ایران الکم مکاملات سلوق۔

بہرحال مسلمانوں نے اپنی عالمگیر فتوحات کے زمانہ میں اُن ترکی اقوام کو بلادِ ماوراء النہر سے نکال دیا تھا۔ صرف ترکستان، کاشغر، خوافق، اور فرغانہ ان کے قبضہ میں رہ گیا تھا جس کا وہ سالانہ خراج ادا کرتے تھے۔ لیکن جب ملوک ترکستان کی حالت زوال پذیر ہوئی تو یہ بادیہ نشین اقوام درہ کوہ سے نکل کر بلادِ ترکستان میں آباد ہوگئیں جس کی ابتدا ۱۸۰ھ سے ہوتی ہے۔ تاتاری اقوام میں سب سے زبردست سلاجقہ ہوئے۔ اور اس کتاب کا تعلق آلِ سلجوق سے ہے لہٰذا سلجوق اعظم کی مختصر تاریخ لکھی جاتی ہے (عربی تاریخوں میں سلجوقی ترکمان کے نام سے مشہور ہیں)

دولت سلجوقیہ کی مختصر تاریخ

دشت قپچاق[1] کا نامور سردار بیگو خاں (پیغو خاں) ایک خود مختار حکمراں تھا۔ اور اُس کی فوج کا سپہ سالار دقاق (تقاق) الملقب بہ "تمر یالیغ" تھا (اس لفظ کے معنی سخت کمان کے ہیں۔ جو دقاق کی بہادری اور غیر معمولی جسارت پر دلالت کرتے ہیں) فن سپہ گری کے علاوہ، دقاق عقل و رائے، تدبیر و سیاست اور امانت و دیانت میں بھی ممتاز تھا۔ اسی وجہ سے بیگو خاں کو نہایت عزیز تھا چنانچہ اسی زمانہ میں دقاق کے یہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سلجوق[2] رکھا گیا اور یہی مولود سعید سلجوق اعظم ہو کر خاندان سلجوقیہ کا بانی قرار پایا۔ چنانچہ دقاق اور بیگو خاں کے سایہ عاطفت میں سلجوق کی تربیت ہوئی۔ جب سلجوق جوان ہو گیا اُس وقت دقاق کا انتقال ہوا۔ اور بیگو خاں نے سباشی (سپہ سالاری) کا درجہ دے کر سلجوق کا مرتبہ بڑھا دیا قومی سرداری، اور فوجی اثر سے، سلجوق نے اپنی جماعت کو خاص طور پر ترقی دی۔ اور بیگو خاں پر بھی حاوی ہو گیا۔ تب امرائے سلطنت حاسد ہو گئے۔ اور شکایتوں کا بازار گرم ہو گیا۔ اور ایک خاص واقعہ یہ ہوا کہ محل سرائے میں ایک دن سلجوق، مسند شاہی کے قریب جہاں بیگمات۔ اور شاہزادوں کی نشست تھی جا بیٹھا۔ یہ نشست خاتون کو نہایت ناگوار ہوئی۔ اور اپنے شوہر سے کہا کہ "یہ لڑکا بہت چل نکلا ہے۔ اس عمر میں تو یہ حال ہے آگے چل کر خدا جانے کیا ہوگا"؟ بیگو خاں پر اس واقعہ کا اثر ہوا۔ اور سلجوق کو اوج حشم سے گرانا چاہا۔ جب سلجوق کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بھی ہوشیار ہو گیا۔ اور سو سوار، پندرہ سو اونٹ،

---

[1] ابن خلدون عہد سلجوق [2] روضۃ الصفا۔ حالات سلجوق۔ ابوالفدا صفحہ ۱۷۱ جلد اول الوافی جلد اول صفحہ ۲۵۸۔ زینۃ المجالس مجدی صفحہ ۲۲۱ نامہ خسرواں طبقہ سلجوقیان صفحہ ۸۴

[3] ترکی لہجہ سلچک اور سلچوک ہے۔ اور عرب سلجوق کہتے ہیں۔ نامہ خسرواں عہد سلجوقیاں۔

اور پچاس ہزار بکریاں لے کر سمرقند کو روانہ ہوا اور نواح جند میں پہنچ کر خیمے لگا دیئے۔ یہاں اس قبیلہ کے اور گروہ بھی آ گئے اور ایک چھوٹی سی حکومت قائم ہو گئی اور تائید غیبی سے سلجوق مع اپنے توابین کے مسلمان ہو گیا۔ چنانچہ خاندان سلجوقیہ میں یہ پہلا مسلمان سردار تھا۔ جو مذہب اسلام کا ایک زبردست مدد اور حامی بن گیا: جس علاقہ میں سلجوق مقیم تھا۔ یہ علاقہ پیغو، شاہ ترکستان کے قبضہ میں تھا۔ اور وہ اہالیان جند سے خراج لیا کرتا تھا لیکن سلجوق نے ادائے خراج سے انکار کیا۔ اور بذریعہ تلوار پیغو سے یہ علاقہ چھین لیا۔ اس فتح سے اطراف و جوانب میں سلجوق کا اقتدار بڑھ گیا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کا وہ مددگار بن گیا۔ جب سلجوق کی طاقت بڑھ گئی تو اس نے اپنا صدر مقام "نور بخارا" قرار دیا۔ اور اس جگہ کو مستحکم کر کے ملک گیری کی طرف متوجہ ہوا۔ سلجوق کے چار بیٹے اسرائیل، میکائیل، یونس موسیٰ ارسلان ملقب بہ پیغو کلاں تھے۔ چنانچہ میکائیل، ایک لڑائی میں مارا گیا۔ اور خود سلجوق بھی ۔ (۱۰۰ برس کی عمر میں) ایک تاتاری کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اور بمقام جند دفن ہوا سلجوق اور میکائیل کے بعد طغرل بیگ محمد اور جغری بیگ داود (پسران میکائیل) قوم کے سردار ہوئے۔ اور دونوں کے مشورے سے حکومت شروع ہوئی۔ جس زمانہ میں طغرل بیگ کی فتوحات کی ابتدا ہوئی ہے اس وقت

لہ جند ترکستان کا مشہور اور بڑا شہر ہے صفحہ ۱۴۰ جلد ۳ معجم البلدان لہ الفخری کی روایت ہے کہ سلجوق نے اپنی عالی ہمتی، فیاضی، دانشمندی سے اکابر قوم کو اپنا ہمدرد بنا لیا تھا۔ اس وجہ سے خاتون نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ سلجوق کو قتل کر دے۔ چنانچہ بیگو خاں نے اقرار کیا تھا کہ میں عنقریب اس کا انتظام کروں گا جس کو تم دیکھ لوگی۔ چنانچہ سلجوق کو جب یہ اشارہ معلوم ہوا تو وہ مع اپنے قبائل کے جند کو چلا گیا۔ الفخری صفحہ ۲۲۱

لہ مسٹر آرنلڈ صاحب دعوت اسلام میں لکھتے ہیں کہ ایلک خانی خاندان کی لڑائیوں میں جو ترکی سردار شریک ہوئے ان میں ایک شخص سلجوق بھی تھا جو ۹۸۵ء میں کرغیز کے پہاڑی میدانوں سے اُتر کر اپنی قوم کو بخارا کے اضلاع میں لایا۔ اور وہاں اس نے اور اس کی قوم نے نہایت جوش سے اسلام قبول کیا۔ اور یہی دولت سلجوقیہ کی ابتدا ہوئی جس کی فتوحات نے مسلمانوں کی مٹتی ہوئی شان و شوکت کو پھر سنبھال لیا۔ اور مغربی ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کو ایک سلطنت میں شامل کر دیا۔ دعوت اسلام صفحہ ۲۳۹ مطبوعہ آگرہ لہ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵ لہ نور بخارا۔ بخارا سے تیس میل کے فاصلہ پر شارع عام پر ایک مشہور گاؤں ہے اور کوہستانی ہے جہاں بزرگان دین کے مزار ہیں موسم سرما میں نور بخارا، اور موسم گرما میں صغد سمرقند صدر مقام رہتا تھا صفحہ ۳۲۵ جلد ۸ معجم ۵ کامل ابن اثیر جلد صفحہ ۱۹۳۔ بعض تاریخوں میں نیال کا نام بھی لکھا ہے۔

دنیائے اسلام کی یہ حالت تھی کہ خلافت بغداد کا صرف نام ہی نام رہ گیا تھا۔ اور وہ وسیع عظیم الشان سلطنت جو کبھی بغداد کے ایک خلیفہ کے زیر نگیں تھی اس وقت مختلف خاندانوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ خلفائے فاطمیین مصر کے سوا کسی کو شاہنشاہی کا خطاب زیبا نہ تھا۔ اسپین، افریقہ (جس میں مصر کا زرخیز صوبہ شامل تھا) خلافت عباسیہ کے اثر سے آزاد ہو چکا تھا۔ شام کا شمالی حصہ اور الجزیرہ، سرکش عربوں کے قبضہ میں تھا۔ جن میں سے بعض شاہی خاندانوں کے بانی ہوئے۔ دولت ایران آل بویہ میں تقسیم ہو چکی تھی۔ اور بغداد کا امیرالمومنین بھی ان ہی کے ہاتھوں میں تھا۔ جس کی مذہبی عظمت کو آل بویہ کے خیالات تشیع نے ضعیف کر دیا تھا۔ ایسی پُرآشوب زمانے میں اسلام کی مذہبی اور سیاسی کمزوری رفع کرنے کے لئے ایک زبردست طاقت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ خدا نے سلجوقیوں کے وجود سے اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ مسٹر لین پول ایک مشہور مورخ کا قول ہے کہ "اسلام قبول کرتے ہی ان کندۂ ناتراش اور خانہ بدوش وحشیوں کی (جو شہری زندگی سے بالکل بے خبر تھے) کایا پلٹ ہو گئی۔ یہ سلجوقی مسلمانوں کی مُردہ سلطنت میں روح پھونکنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فی الواقع اپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے سلاجقہ برق و باد کی طرح ایران، الجزیرہ، شام، ایشیائے کوچک سے گذر گئے۔ جو مقابلہ پر آیا اُس کو برباد کر دیا۔ ان فتوحات کے سیلاب کا یہ نتیجہ ہوا کہ افغانستان کی مغربی سرحد سے بحیرۂ روم تک، کل ملک ایک فرماں روا کی حکومت میں آگیا روز کی خانہ جنگیاں بند ہوئیں۔ اور سلطنت کے منتشر عنصر ایک قالب میں جمع ہو گئے۔ رومیوں کی پیش قدمی کا انسداد ہو گیا۔ نئی ترکی نسل میں مذہبی جوش پیدا ہو گیا۔ یہی سبب ہے کہ دولت سلجوقیہ کو تاریخ اسلام میں متہم بالشان درجہ ملا ہے[۱]۔

طغرل بیگ کی فتوحات

ابتدا میں طغرل بیگ نے علی تگین خاں (ایلک خاں) حاکم ماوراءالنہر اور قدر خاں حاکم ترکستان سے ربط ضبط بڑھایا لیکن یہ دوستی خود غرضی پر مبنی تھی لہذا جنگ کی نوبت آئی۔ اور طغرل بیگ کامیاب ہوا۔ اور چغری بیگ خراسان اور طوس ہوتا ہوا۔ آرمینیہ کی طرف چلا گیا۔ اور سلطنت روم میں مذہبی لڑائیوں میں مصروف ہوا، والی طوس سے یہ پہلی غلطی ہوئی کہ اس نے چغری بیگ کو طوس سے گذرنے دیا۔ جب یہ خبریں سلطان محمود تک پہنچیں تو ۴۲۶ھ ۱۰۳۴ء

[۱] تاریخ سلاطین اسلام۔ تذکرہ آل سلجوق مطبوعہ لندن۔

[۲] تفصیل کے لئے روضۃ الصفا۔ کامل اثیر۔ اور صورالاقالیم عروج سلجوقیاں دیکھنا چاہیئے۔

میں اس نے ایک قاصد طغرل بیگ کے پاس روانہ کیا۔ اور ملاقات کے لئے ایک سردار کو طلب کیا۔ طغرل بیگ نے اپنے چچا اسرائیل کو غزنین روانہ کیا۔ جب اسرائیل دربار سلطانی میں پیش ہوا تو عزت کے ساتھ بٹھایا گیا۔ اثنائے کلام میں سلطان نے پوچھا کہ "اگر مجھے فوجی مدد کی ضرورت ہو تو تم اپنے قبیلہ سے کس قدر سوار لا سکتے ہو؟" اسرائیل نے ترکش سے ایک تیر نکال کر سلطان کو دیا اور عرض کیا کہ "اگر یہ تیر ہمارے خیل میں بھیج دیجئے تو ایک لاکھ سوار حاضر ہوں گے۔" اسی طرح دوبارہ اور سہ بارہ سوال کئے ہر جواب پر اسرائیل ایک ایک لاکھ سوار بڑھاتا گیا۔ اور جب اس پر بھی محمود نے وہی سوال کیا تو اسرائیل نے کمان سامنے رکھدی اور عرض کیا کہ "اس کے ذریعہ سے دو لاکھ بہادر صحرائی جرگوں سے جمع ہو جائیں گے۔ سلطان محمود سلجوقیوں کی کثرت سے مرعوب ہو گیا اور اسرائیل کو قلعہ کالنجر (ہندوستان) میں قید کر دیا۔ جہاں وہ سات برس قید رہا۔ اسی طرح جب سلطان محمود ہندوستان[1] کے جہاد میں مصروف تھا تو سلجوقیوں کی ایک بڑی جماعت کرغیز کو عبور کر کے ماوراءالنہر میں آباد ہو گئی۔ اور سلطان نے یہ بڑی غلطی کی کہ معمولی شرائط پر خراج لے کر اُن کو آباد رہنے دیا۔ اور اُن کی خواہش کے مطابق جیحون سے عبور کرنے کی اجازت بھی دیدی اور وہ اطراف خراسان میں آباد ہو گئے۔ اور ابوسہل احمد بن حسن حمدانی حاکم خراسان نے چراگاہ "دندانقان" کا زرخیز میدان اُن کو دیدیا۔ ارسلان[2] جاذب (والی طوس) نے اس حکم سے اختلاف کیا اور عرض کیا کہ "ایسے خطرناک مسلح گروہ کو جو تعداد میں کثیر ہیں، خراسان میں داخلہ کی اجازت دینا خلاف مصلحت ہے۔ اور دوسرا مشورہ[3] یہ دیا تھا کہ "آل سلجوق اور اُس کی جماعت جیحون میں غرق کر دی جائے۔ یا اُن کے انگوٹھے کٹوا دیئے جائیں تاکہ وہ تلوار زنی اور نیزہ بازی نہ کر سکیں۔" لیکن سلطان محمود نے اس کو ظالمانہ اور وحشیانہ فعل قرار دیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ اور سلجوقی گروہ جیحون سے گزر کر شہر نسا، ابیورد، اور طوس میں پھیل گیا۔ ۴۲۱ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ اور سلطان مسعود

---

[1] تاریخ سلاطین اسلام۔ تذکرہ آل سلجوق مطبوعہ لندن۔

[2] ارسلان جاذب، سلطان محمود کے زمانہ میں طوس اور نیشاپور کا حاکم تھا۔ اور دربار محمود غزنوی میں اعلیٰ درجہ کے امراء میں شامل تھا اور سلطان کا رشتہ دار بھی ہوتا تھا۔ نیشاپور کی سڑک پر جہاں سے طوس اور ہرات وغیرہ کو سڑک گھومی ہے ایک رباط سنگی تعمیر کی کہ جس کی نظیر نہیں ہے۔ ارسلان کی قبر بھی اسی رباط میں ہے اور قبر کے چاروں طرف حسب ذیل کتبہ ہے

[3] کل ملک سیفوت کل ناس سیموت لیس لانسان حیاۃ سوی اللہ الملک الحی الذی لا یموت۔ دولت شاہ سمرقندی، ابن خلکان حالات طغرل بیگ۔

تخت نشین ہوا سلطان محمود کی حیات تک تو سلجوقیوں کا زور کم رہا۔ لیکن دورِ مسعودی میں طغرل بیگ اور چغری بیگ نے تمام ملک میں عام بغاوت کردی، دونوں طرف سے مقابلے[1] ہوتے رہے اور بالآخر نیشاپور اور خراسان کی فتح پر ان لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا اس جنگ میں غزنین کا عظیم الشان نقصان ہوا اور ایسا رن پڑا کہ جس کی نظیر چوتھی صدی میں نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سلطنت غزنویہ کے کھنڈرات پر سلجوقی ایوان حکومت کی بنا ڈالی گئی اور آتش جنگ جو ایک مدت سے شعلہ زن تھی بجھ گئی۔ اطراف و جوانب میں عمال مقرر کرکے طغرل بیگ نے ملک کا از سرِ نو انتظام کیا۔ تمام ملک میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور افراسیاب کی چوتھیویں پشت میں پھر سلطنت قائم ہوئی۔ طغرل بیگ نے اپنا دارالسلطنت رے قرار دیا اور چغری بیگ نے مرو کو دارالحکومت بنایا لیکن یہ محض انتظاماً تھا۔ کیونکہ بڑے بھائی کے مقابلہ میں چغری بیگ حکمراں بننا نہیں چاہتا تھا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد طغرل بیگ اور چغری بیگ نے امیر المومنین القائم بامر اللہ عباسی کو اس مضمون کی درخواست[2] دی کہ خاندان سلجوق ہمیشہ سے مطیع اور ہوا خواہ خاندان رسالت ہے اور ہمیشہ جہاد میں مصروف رہا ہے۔ ہمارے چچا اسرائیل کو سلطان محمود نے بلا جرم و قصور گرفتار کرکے قلعہ کالنجر میں قید کردیا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے بہت سے عزیز قلعہ غزنیں میں قید ہیں۔ سلطان محمود کے انتقال پر سلطان مسعود نے مصالح سلطنت پر توجہ نہ کی اور عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا۔ ملک میں بدامنی پھیل گئی۔ تب مشاہیر خراسان نے استدعا کی کہ ہم اُن کی حمایت کریں اس لئے ہم سے اور مسعود سے جنگ ہوئی۔ لیکن باقبال امیر المومنین ہماری فتح ہوئی۔ جس کے شکریہ میں ہم نے عدل و انصاف کو پھیلا دیا ہے۔ اور ظلم و ستم کو چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ آرزو ہے کہ ہماری حکومت امیر المومنین کے زیرِ فرمان ہو اور حکومت کا طرز آئین اسلام کے مطابق ہو۔ ابو اسحاق فقاعی سفیر نے جب یہ درخواست امیر المومنین کے حضور میں پیش کی تو وہ بہت خوش ہوا۔ اور طغرل[3] بیگ کو "رکن الدین" کا خطاب دیا اور خلعت روانہ کیا اور بلاد مفتوحہ[4] کی سند حکومت بھی عطا کی

---

[1] سلطان مسعود اور طغرل بیگ کی لڑائیوں کے حالات تفصیل سے تاریخ بیہقی میں دیکھنا چاہیے ۴۲۹ھ میں نیشاپور اور ۴۳۱ھ میں خراسان فتح ہوا۔ اس کے بعد ہرات اور مرو پر قبضہ ہوا۔ الوافی صفحہ ۳۴ [2] صور الاقالیم عہد سلجوقیہ۔ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی عہد طغرل بیگ [3] ابن خلدون حالات طغرل بیگ خلافۃ قائم بامر اللہ۔ [4] یہ کارروائی مذہبی حیثیت سے تھی ورنہ بلاد مفتوحہ کی سند عطا کرنے کا خلیفہ کو کوئی استحقاق حاصل نہ تھا۔



جلال الدولہ ملک شاہ سلجوقی

چنانچہ سند اور خلعت ملنے پر طغرل بیگ نے جشن منایا۔ اور دس ہزار دینار۔ جواہرات، قیمتی کپڑے۔ اور چند مشک نافہ خلیفہ کے حضور میں روانہ کئے۔ علاوہ اس کے ارکین دولت کو پانچ ہزار دینار، اور وزیر کو دو ہزار دینار بھیجے۔ اور ھبۃ اللہ بن محمد المامونی سفیر خلیفہ کو بھی انعام دے کر اعزاز سے رخصت کیا۔

طغرل بیگ کی ملکی تقسیم، عراق اور عرب پر قبضہ، ممالک روم پر حملہ، خلافت بغداد سے عزیزانہ تعلقات

فتوحات سے مطمئن ہو کر ۴۳۴ھ میں طغرل بیگ نے انتظام سلطنت کی غرض سے بلاد مفتوحہ کو اس طرح پر تقسیم کیا کہ۔

۱	جیحون سے نیشاپور تک	چغری بیگ داود
۲	کوہستان، ہمدان	ابراہیم بن نیال
۳	لبست، ہرات، سیستان، بوشنج	ابو علی حسن بن موسیٰ ارسلان
۴	کرمان، قون، طبس	قاوردین چغری بیگ
۵	آذربائیجان، ابہر، زنجان	یاقوتی بن چغری بیگ
۶	جرجان، دامغان	قتلمش بن موسیٰ ارسلان

اس کے علاوہ صوبہ عراقِ عجم کو اپنے قبضہ میں رکھا اور نیابت میں اپنے سب سے لائق بھتیجے الپ ارسلان بن چغری بیگ کو لے لیا اور اسی تقسیم کے مطابق ملکی انتظام شروع ہو گیا۔

عراقِ عجم کی فتوحات سے فارغ ہو کر سلطان ۱۰۵۱ء/۴۴۳ھ میں رے کو واپس آیا اور چند روز ٹھہر کر بغداد کو روانہ ہوا چنانچہ اس سال عید کی نماز سلطان نے بغداد میں پڑھی اور شہر میں جلوس سے سواری نکلی۔ اور خلافت مآب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ ۱۰۵۴ء/۴۴۶ھ میں شیراز میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اسی طرح اطراف و جوانب کے سرداروں نے بھی اطاعت قبول کر لی امیر ابوالاسوار والی جنزہ، اور قریش بن بدران، والی موصل نے تمام علاقہ میں سلطان کا خطبہ پڑھوایا۔ بعد ازاں سلطان نے آرمینیہ ہو کر ملازکرد کا محاصرہ کیا، یہاں کے حاکم نے اطاعت نہیں کی تھی لہذا قرب و جوار کے شہروں کو تباہ کر دیا اور جہاد کرتا ہوا شہر ارزن (روم) تک چلا گیا، سلطان کی جولاں گاہ جارجیا اور

ا؎ آل سلجوق اصفہانی۔ ولٹریری ہسٹری آف پرشیا پروفیسر براؤن۔ ۲؎ جنزہ۔ صوبہ اران کا بڑا شہر ہے جو شروان اور آذربائیجان کے مابین واقع ہے۔ اس شہر میں نامور علماء گزرے ہیں صفحہ ۱۷۱ جلد ۳۔ معجم البلدان۔

آئینہ مانگ تھی۔ اور ۴۴۰ھ میں ابراہیم بن نیال سلجوقی ممالک روم پر حملہ کرتا ہوا قسطنطنیہ کے قریب پہنچ گیا تھا، غرضکہ ان لڑائیوں میں سلطان کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ لیکن شدت سرما سے مجبور ہو کر رے میں واپس آیا۔ کچھ عرصہ تک قیام کر کے ہمدان کی طرف مراجعت کی۔ اس مرتبہ سلطان کا یہ ارادہ تھا کہ حج خانہ کعبہ سے مشرف ہو۔ اور ملک شام سے خلفاء فاطمیہ کو بے دخل کر دے لہٰذا حلوان کو روانہ ہوا لیکن اس زمانے میں خلیفہ القائم بامر اللہ امرائے دیالمہ[1] کے مظالم سے بہت پریشان تھا۔ لہٰذا بتاریخ ۲۵ رمضان المبارک ۴۴۷ھ (مطابق دسمبر ۱۰۵۵ء) سلطان داخل بغداد ہوا۔ وزیر عمید الملک کندری بھی ہمراہ تھا۔ خلیفہ کی طرف سے رئیس الرؤسا وزیر اعظم، اہل مناصب قاضی القضاۃ اور (ذی) رتبہ امراء نے استقبال کیا۔ دونوں وزیر بڑے تپاک سے ملے۔ سلطان کے خیمے لب دجلہ نصب کیے گئے اور فوج کی کثرت سے بغداد کی گلیاں بھر گئیں۔ جامع بغداد میں طغرل بیگ کا خطبہ پڑھا گیا۔ بروز پنجشنبہ ۱۵ محرم ۴۴۸ھ (مطابق ۱۲ مارچ ۱۰۵۶ء) امیر المومنین قائم بامر اللہ نے دربار عام کیا۔ عمید الملک مع ارکان دولت، خلیفہ کے حضور میں پیش کیے گئے اور اسی دربار میں خدیجہ المخاطب بارسلان خاتون، دختر چغری بیگ کا خلیفہ سے نکاح ہوا۔ وزیر اعظم نے خطبہ پڑھا۔ اور شرائط ایجاب و قبول کے پورے ہوئے۔ اس رشتے سے عمید الملک کی یہ غرض تھی کہ طغرل بیگ کی عزت افزائی ہو۔ اور دربار خلافت سے سلطان کے عزیزانہ تعلقات قائم ہو جائیں: اس زمانہ میں قلمش بن اسرائیل صوبہ موصل اور دیار بکر کا حکمراں تھا۔ اس پر ارسلان بساسیری[2]، قریش بن بدران العقیلی

---

[1] اس زمانہ میں بغداد پر شاہان دیلم کی حکومت تھی اور خلیفہ انھیں کے زیر اثر تھا جن کی طاقت کو سلجوقیوں نے توڑا اور خود اُن کے قائم مقام ہو گئے۔ [2] بساسیری" ارسلان نام ابو الحرث کنیت یہ ایک سوداگر کا غلام تھا۔ یہ سوداگر شہر بسا کا رہنے والا تھا جس کو عربی میں فسا کہتے ہیں۔ بساسیری خلاف قیاس نسبت ہے جس کو اہل فارس نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ سوداگر مذکور سے بہاؤ الدولہ بن عضد الدولہ دیلمی نے خرید کیا۔ اور غلاموں میں شامل کر کے اعلیٰ درجہ کی تعلیم و تربیت کی، چنانچہ ارسلان سیاست اور آداب لشکر کشی میں بے نظیر ثابت ہوا۔ جلال الدولہ اور اس کے بیٹے ملک رحیم کے زمانہ میں یہ بہت صاحب اثر ہو گیا تھا۔ اور خلیفہ قائم بامر اللہ کو قید کر کے بغداد سے قلعہ عانہ میں (نہر فرات کے کنارے) بھیج دیا۔ اور وزیر علی بن حسین بن محمد رئیس الرؤسا کو قتل کر دیا اور بغداد کو لوٹ لیا۔ اس کے قتل کا یہ سبب ہے کہ وہ مذہب سنت و جماعت میں راسخ العقیدہ تھا۔ اور وزیر عمید الملک کندری کا رافضی و منحرف تھا۔

اور ۴۴۸ھ دبیس بن علی مزید آسدی نے متفق ہوکر حملہ کردیا۔ اور بمقام سنجار لڑائی ہوئی۔ قتلمش شکست کھا کر فرار ہوگیا۔ جب طغرل بیگ کو اطلاع ہوئی تو وہ قتلمش کی امداد کو بغداد سے روانہ ہوکر موصل پہنچا۔ بساسیری تو فرار ہوگیا اور نورالدولہ اور قریش نے سلطان کی اطاعت قبول کی اسی جگہ سلطان کا بھتیجہ یاقوتی بن چغری بیگ بھی مع فوج آکر مل گیا جس کی وجہ سے سلطان کی شان و شوکت اور بڑھ گئی ملک پر پورا سکہ بیٹھ گیا۔ چونکہ اہل سنجار نے قتلمش کو پریشان کیا تھا۔ اور بساسیری سے سازکر گئے تھے۔ لہٰذا اس قصور میں سلطان نے واپسی کے وقت سنجار پر حملہ کیا اور عام لوٹ ہوئی رؤسا سنجار کے سر جھنڈوں پر آویزاں کیے گئے۔ لیکن پھر قتلمش کی سفارش پر امن و امان کا اعلان کردیا گیا۔ جب سلطان داخل بغداد ہوا۔ تو خلیفہؒ نے ملاقات کے واسطے پچیسویں ذیقعد ۴۴۹ھ یوم شنبہ مقرر کیا۔ دونوں طرف سے وسیع پیمانہ پر ملاقات کا سامان کیا گیا۔ سلطان معہ ارکان دولت باب الرقہ تک کشتی میں آیا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوا جس کو امیرالمومنین نے بھیجا تھا (یہ گھوڑا خاص امیرالمومنین کی سواری کا تھا)، اور دہلیز صحن السلام اور حصن الاسلام (ایوان خلافت) پر پہنچ کر پیادہ ہوگیا۔ ارکان دولت بغیر اسلحہ، سلطان کے جلو میں تھے۔ جب یہ شان دار جلوس ایوان خلافت تک پہنچا تو ارکان خلافت استقبال کرکے محل کے اندر لے گئے متعدد درجے طے کرنے پر نظر آیا کہ امیرالمومنین حجاب کے پردوں میں روپوش ہیں جس جگہ تخت بچھا ہوا تھا اُس کی تعریف نہیں ہوسکتی ہے۔ در و دیوار سے عظمت و جلال نمایاں تھا۔ جب سلطان مقر اشرف کے قریب پہنچ گیا تو پردہ اُٹھا دیا گیا اور برائے العین امیرالمومنین کی زیارت نصیب ہوئی۔ خلافت مآب ایک تخت پر جلوہ افروز تھے (یہ تخت زمین سے سات گز بلند تھا)۔ کندھے پر چادر پڑی ہوئی تھی اور عصا ہاتھ میں تھا۔ (یہ دونوں چیزیں رسالت مآب کی تھیں)۔ سلطان طغرل بیگ خلیفہ کے حضور میں پہنچ کر مؤدب کھڑا کیا گیا۔ سلام اور زمیں بوسی کی رسم کے بعد سلطان کو کرسی

بقیہ صفحہ ۴۶۶ ۔ بڑا مخالف تھا۔ چنانچہ علی نے کرخ کے شیعوں پر حملہ کردیا اور اُن کے سبز علم اکھاڑ کر پھینک دیتے اور بجائے ان کے سیاہ علم نصب کردیئے اور اذان میں کلمہ حی علی خیر العمل کے مقابلہ میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ کردیا۔ اصحاب ثلثہ کی مدح بآواز بلند قصہ خوانوں کی طرح گلی کوچوں میں پڑھنے گے، اور مستنصر علوی کا خطبہ پڑھوایا۔ بغداد کے ناحیہ باب ادج میں دار بساسیری ایک مشہور محلہ ہے۔ بغداد میں ایک سال چار مہینہ تک اس کا شورشتا قائم رہا۔ جس کا نام تاریخ میں فتنہ بساسیری ہے یہ واقعات ۴۵۰ھ سے متعلق ہیں۔ از ابن خلدون مرآۃ البلدان ناصری ۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی او کامل ابن اثیر سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔

پھر بیٹھنے کی اجازت ہوئی (جو تخت خلافت کے سامنے بچھی ہوئی تھی)، محمد بن منصور کندری ترجمان ہوا (کیونکہ سلطان کی زبان فارسی تھی) معمولی بات چیت کے بعد رئیس الرؤسا نے خلافت مآب کی طرف سے کھڑے ہوکر بیان کیا کہ "امیر المومنین خلیفۃ المسلمین، تمہاری کوششوں کے بے حد مشکور ہیں۔ اور تمہاری جاں نثاری کے مداح ہیں۔ امیر المومنین کو تمہاری حاضری سے بہت مسرت ہوئی اور امیر المومنین تم کو کل بلاد کی حکومت عطا فرماتے ہیں۔ جس کا حکم ان اللہ جل شانہ نے ان کو بنایا ہے۔ اور مخلوق کے مراعات اور اُن کے معاملات تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ لازم ہے کہ حکومت حاصل ہونے پر اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور امیر المومنین کے احسانات کو انعامات کو فراموش نہ کرو۔ عدل و انصاف کے پھیلانے۔ ظلم اور جور کے روکنے اور رعیت کی اصلاح میں بجان و دل ساعی رہو۔" تقریر ختم ہونے کے بعد سلطان کو ایک دوسرے درجہ میں لے گئے۔ اور وہاں سات پارچہ کا سیاہ خلعت مرحمت ہوا۔ سر پر تاج رکھا گیا گلے میں طوق اور ہاتھ میں کنگن پہنایا گیا۔ پھر تاج کے اوپر مشک میں ڈوبا ہوا ایک زر تار عمامہ باندھا گیا۔ گلے میں مرصع تلوار حمائل کی گئی۔ جب عربی و عجمی طریقہ پر سلطان خلعت پہن چکا تو پھر خلیفہ کے روبرو کرسی پر لاکر بٹھا دیا۔ سلطان نے اس عزت افزائی کے شکریہ میں دوبارہ زمیں بوس ہونا چاہا مگر چونکہ تاج خسروی کے گر پڑنے کا احتمال تھا۔ لہٰذا اس رسم سے معافی دی گئی۔ خلیفہ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ سلطان نے بعد مصافحہ ہاتھ چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ دست بوسی کے بعد خلیفہ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ایک تلوار سلطان کو مرحمت کی۔ جو دوسری طرف گلے میں حمائل کی گئی۔ خلیفہ نے سلطان کو دو تلواریں اور تاج و عمامہ بخشا۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ سلطان طغرل اب مشرق اور مغرب کا مالک ہوا۔ اور اس کو عرب و عجم کی حکومت دی گئی۔ محمد بن منصور نے عہد نامہ پڑھ کر سنایا۔ جس کو سلطان نے تسلیم کیا۔ اور خلیفہ نے اُس پر کاربند ہونے کی ہدایت کی، ان رسوم کے بعد ملاقات ختم ہوگئی۔ اور سلطان واپس گیا۔ ۴۵۰ھ میں سلطان طغرل بیگ کو اپنے بھائی ابراہیم نیال سے بمقام ہمدان دارے نیارے کی لڑائی کرنا پڑی۔ اور جب وہ گرفتار ہوکر سامنے آیا تو سلطان نے قتل کا حکم دے دیا۔ اور اُس کے شور و شر سے ہمیشہ کے لئے فرصت مل گئی۔ موقعہ پاکر ارسلان بساسیری نے بغداد پر حملہ کردیا۔ اور خلیفہ کو معزول کر کے مستنصر علوی مصری کا خطبہ جامع رصافہ اور جامع منصور میں پڑھوایا۔ اور علاوہ بغداد کے کوفہ، واسط وغیرہ میں بھی یہی کارروائی کی گئی۔ اذان میں کلمہ

دی میں خیر العمل" کا اضافہ ہوا۔ خلیفہ کو بغداد سے نکال کر قلعہ حدیثہ خان (متصل ماذکناتہ نہر فرات)
میں بھیج دیا۔ بغداد و قصر خلافت لوٹ لیا۔ مستنصر علوی کو مبارکباد کا خط روانہ کیا۔ خلیفہ قائم بامراللہ
پر جب یہ مصیبتیں ٹوٹ پڑیں تو اس نے نہایت درد انگیز خط لکھ کر طغرل بیگ کو طلب کیا۔ اس وقت
اگرچہ سلطان خود اپنے جھگڑوں میں مبتلا تھا۔ لیکن خلیفہ کی اعانت کو فوراً بغداد پہنچا۔ سلطان کی آمد
سُن کر بساسیری مع اہل وعیال فرار ہو گیا۔ اور چھبیسویں ذیقعدہ ۴۵۱ھ میں خلیفہ بھی بغداد پہنچ گیا
بمقام نہروان خود سلطان نے استقبال کیا۔ اور دست بوس ہو کر سلامتی کی مبارک باد دی اور معذرت
کی کہ میں ابراہیم سے برسرپیکار تھا۔ اس وجہ سے حاضری میں وقفہ ہوا۔ خلیفہ نے دعا دی اور ایک تلوار
طغرل کے گلے میں حمائل کر کے کہا کہ "میرے پاس اس وقت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے"۔ خلیفہ کی واپسی
کے بعد سلطان نے خمارتگین کی سپہ سالاری میں لول کوفہ کو فوج روانہ کی اور بعد میں خود بھی روانہ
ہو گیا۔ یہاں بساسیری غارت گری میں مصروف تھا۔ شاہی فوج سے مقابلہ ہوا۔ بساسیری کو میدان جنگ
میں تیر لگا جس سے زخمی ہو کر گھوڑے سے گرا۔ کمشتگین نامی ایک سوار نے سر کاٹ کر وزیر عمید الملک کندری
کے روبرو پیش کیا۔ اور وزیر نے یہ تحفہ سلطان کے نذر کیا۔ چنانچہ سلطان نے نامۂ فتح کے ہمراہ سر بھی
بغداد روانہ کر دیا۔ وہاں خلیفہ کے حکم سے باب النوبی پر آویزاں کر دیا گیا۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر
سلطان واسط کو چلا گیا۔ اور مہینہ صفر ۴۵۲ھ میں بغداد واپس آیا۔ خلیفہ نے محل "روشن التاج" میں
دعوت کی جس میں علاوہ سلطان کے تمام امرائے دولت سلجوقیہ بھی مدعو تھے۔ بعد ازاں ربیع الآخر میں
دوسری دعوت ہوئی یہ نہایت پر تکلف تھی۔ سلطان نے جب خلیفہ کو احسانات سے گراں بار کر لیا تو

لہ صاحب نگارستان لکھتا ہے کہ جب خلیفہ کا خط سلطان کے پاس پہنچا۔ تو سلطان نے اپنے کاتب صفی الدین ابو العلا
کو حکم دیا کہ اس کے جواب میں صرف یہ لکھ دو کہ "آپ مطمئن رہیں۔ میں عنقریب مع فوج کے آتا ہوں"۔ چنانچہ صفی الدین
نے صرف یہ آیت لکھ کر بھیج دی۔ ارجع الیھم فلناتینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخرجنھم منھا اذلۃ وھم
صاغرون۔ (ترجمہ) سورۂ نمل۔ (اے سرگروہ ایلچیاں جنہوں نے تم کو بھیجا ہے) ان ہی کے پاس پھر لوٹ جا اور
اب ہم ایسے لشکر لے کر ان پر چڑھائی کریں گے۔ جن کا ان سے مقابلہ نہ ہو سکے گا۔ اور ہم ان کو وہاں سے
ذلیل و خوار کر کے نکال باہر کریں تو سہی"۔ اس جواب کو سن کر سلطان بہت خوش ہوا اور فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا
ہی ہوگا جیسا کہ آیۂ کریمہ کا مطلب ہے۔ انتخاب آثار الوزرا۔ سیف الدین۔

اپریل [illegible] میں ابو سعد قاضی رَے کی معرفت خلیفہ کے حضور میں یہ درخواست کی کہ اپنی بیٹی سیدہ کا مجھ سے عقد کر دیں۔ اس کے جواب میں خلیفہ نے ابو محمد بن تمیمی کو مقرر کیا کہ وہ سلطان کو اس ارادہ سے باز رکھے۔ کیونکہ خاندان رسالت میں ایسی شادیاں نہیں ہوتی ہیں۔ اور یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر سلطان اپنی ضد پر قائم رہے تو تین لاکھ دینار مہر اور اعمال واسط طلب کرنا۔ چنانچہ تمیمی نے اول وزیر عمید الملک سے ملاقات کی، بڑی بحث ومباحثہ کے بعد، عمید الملک نے کہا کہ خلیفہ کو اس تقریب سے ہرگز انکار کرنا زیبا نہیں ہے۔ کیونکہ سلطان کی درخواست عاجزانہ ہے۔ باقی رہا دین مہر اور واسط کا معاملہ۔ یہ ادنیٰ درجہ کی بات ہے۔ سلطان خلیفہ کی امید سے بہت زیادہ خدمت گذاری کرے گا۔ لہٰذا مہر کے مسئلہ میں خاموشی بہتر ہے۔" عمید الملک کی تقریر سن کر تمیمی نے اس تصفیہ کو عمید الملک کی رائے پر چھوڑ دیا۔ اور عمید الملک نے سلطان سے جا کر عرض کیا کہ "درخواست شادی منظور ہو گئی ہے۔" یہ مژدہ سن کر سلطان نے عمید الملک، قرامرز بن کاکویہ، سرخاب بن کامرد۔ اور دیگر سرداران دیلم کو معہ ارسلان خاتون جانب بغداد روانہ کیا۔ دس لاکھ دینار، بے شمار جواہرات، اور لونڈی غلام ہدیۃً روانہ کئے۔ جب یہ سفارت نہروان کے قریب پہنچی تو مجد الوزراء ابو الفتح منصور بن احمد وزیر خلیفہ نے استقبال کیا۔ اور عمید الملک نے واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ سلطان کی درخواست سن کر برافروختہ ہو گیا۔ چہرہ پر پسینہ آ گیا اور عمید الملک نے بہت کچھ سمجھایا اور عرض کیا کہ ناکامی کی صورت میں مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ جب خلیفہ نے کچھ نہ سنا اور اپنی ضد پر قائم رہا۔ تب عمید الملک خفا ہو کر نہروان کو چلا گیا اور سیاہ لباس اتار ڈالا خلیفہ کی طرف سے ابو منصور بن یوسف اور قاضی القضاۃ مصالحت کے لئے بھیجے گئے اور عمید الملک کو واپس لائے۔ دوبارہ گفتگو ہونے پر خلیفہ نے مجبوراً عمید الملک کی رائے پر اس مسئلہ کو چھوڑ دیا۔ لیکن اس کے قبل جو کارروائی ہوتی تھی وہ عمید الملک نے سلطان کو لکھ بھیجی تھی اُس کے جواب میں سلطان نے قاضی القضاۃ اور شیخ ابو المنصور کو لکھا کہ "جناب من! خلیفہ قائم بامر اللہ نے میری کارگزاریوں کا اچھا صلہ دیا۔ میں نے خلیفہ کی حفاظت میں اپنے ایک بھائی کو قربان کر دیا اور اس قدر مال و دولت صرف کیا کہ میں فقیر ہو گیا۔ اس پر بھی میری درخواست نامنظور کی جاتی ہے۔" اور اُسی حالت عتاب میں عمید الملک کے نام

له خلیفہ نے بگڑ کر عمید الملک سے یہ کہا تھا کہ "نحن بنو العباس، خیر الناس فینا الامامة والزعامة الی یوم القیامة من تمسک بنا رشد وهدی۔ ومن ناوأنا ضل وغوی۔" از آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۱۹۔

حکم بھیجا کہ خلیفہ کے قبضہ میں صرف اس قدر جاگیر رہے جو القادر باللہ کے نام تھی۔ باقی کل جاگیر ضبط کرکے شامل خالصہ کر دے جب یہ مراسلہ خلیفہ کی نظر سے گذرا تو مجبوراً سلطان کی درخواست منظور کرلی۔ اور خلیفہ نے عمید الملک کو وکیل بنایا۔ وکالت نامہ پر قاضی القضاۃ اور شیخ ابو المنصور کے دستخط ہوئے۔ اور مع ابو الغنائم بن المحلبان کی معیت میں عمید الملک کو بمقام تبریز روانہ کیا۔ اور اسی جگہ بروز شنبہ ماہ محرم ۴۵۴ھ (۱۸ جنوری ۱۰۶۲ء) وکالتاً نکاح ہوگیا۔ سلطان نے رئیس العراقین کے ہمراہ ابو الغنائم کو بغداد واپس کیا۔ اور خلیفہ کے حضور میں تمیں غلام تیس ترکی کنیزیں روانہ کیں۔ غلام گھوڑوں پر سوار تھے۔ جن کی زین اور لگام مرصع بہ جواہر تھیں۔ اور دس ہزار دینار خلیفہ کے واسطے اور دس ہزار دینار اپنی بیوی سیدہ کے لئے روانہ کئے اور ایک مالا موتیوں کا جس میں تیس دانے تھے۔ ہر دانہ کا وزن ایک مثقال تھا۔ جب سلطانی قافلہ بغداد کے قریب پہنچا۔ تو خلیفہ کی طرف سے استقبال کیا گیا اور خواص و عوام نے خلیفہ اور سلطان کے اتحاد پر مبارکباد دی۔ رئیس العراقین نے خلیفہ کے حضور میں تحائف پیش کئے۔ محرم ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء میں سلطان آرمینہ سے سیدہ خاتون کے رخصت کرانے کے لئے بغداد آیا۔ وزیر فخر الدولہ بن جہیر نے بمقام قفص[1] بڑی شان و شوکت سے استقبال کیا اور ایوان خلافت کے ایک خاص محل میں ٹھیرایا۔ چونکہ عقد وکالتاً بمقام تبریز ہوا تھا۔ لہذا بعض ضروری رسوم عمل میں نہیں آئی تھیں۔ وہ اب ادا ہوئیں۔ اور سیدہ کو چوتھی کی دلہن بنا کر ایک تخت زرنگار پر بٹھایا جس کے سامنے پہنچ کر سلطان کو زمیں بوس ہونا پڑا لیکن دُلہن کے چہرہ سے نقاب اُٹھانے کی اجازت نہیں ہوئی۔ اور ایک چاندی کا تخت سیدہ کے مقابل بچھایا گیا جس پر سلطان تشریف فرما ہوئے یہ واقعہ مہینہ صفر کا ہے۔ اور اسی جگہ بتاریخ پندرہ صفر یوم دوشنبہ زفاف ہوا۔ سلطان نے ارسلان خاتون اور سیدہ کو ایک ایک قیمتی مالا دیا۔ اس کے علاوہ خالص چاندی کا ایک "جام خسروانی" اور فرجیہ (ایک قسم کا لباس، جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا) مرحمت کیا۔ اور ایک لاکھ دینار نقد پیش کیا اور ایک ہفتہ جشن منایا۔ سلطان نے عمید الملک وزیر، ابو علی بن ملک ابی کالیجار، ہزار اسپ، فرامرز بن کاکویہ، سرخاب بن بدر بن مہلہل، امرائے دولت کو بھی خلعت مرحمت فرمائے۔ اور انعامات اس کے علاوہ تھے۔ ربیع الاول میں سلطان معہ سیدہ کے رے کو روانہ ہوگیا۔

---

[1] قفص۔ بغداد کے قریب ایک مشہور گاؤں ہے جہاں خلفاء تفریحاً جایا کرتے تھے۔ صفحہ ۱۴۳۔ جلد ۷، معجم البلدان۔

اور چونکہ طبیعت ناساز تھی لہٰذا تبدیل آب و ہوا کے لئے رود بار کے پہاڑی علاقے میں چلا گیا۔ مگر یہ جگہ مزاج کے خلاف ہوئی اور یہاں عارضہ نکسیر میں مبتلا ہوا۔ اور کسی علاج سے خون بند نہ ہوا اور تاریخ ۸ رمضان المبارک ۴۵۵ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۰۶۳ء جمعہ کے دن انتقال کیا۔ طغرل بیگ نے ستر برس کی عمر پائی۔ اور چھبیس برس حکومت کی۔ شعراء نے مرثیے لکھے۔ چنانچہ کسی شاعر کا یہ شعر مشہور ہے۔

خاک رسے بس عجب دشمن بود ۔۔۔ ورنہ اور اچہ وقت مردن بود

اور مقبرہ چغری بیگ میں بمقام مرو دفن ہوا۔ آل سلجوق میں یہ نہایت نیک بادشاہ ہوا ہے

سیرت طغرل بیگ طغرل[1] بیگ کے مزاج میں حلم و کرم بہت تھا۔ نماز باجماعت کبھی قضا نہیں ہوئی خصوصاً جمعہ کی نماز کا خاص اہتمام کرتا تھا۔ دوشنبہ اور پنجشنبہ کو روزہ رکھتا اور آئین قدیم کے مطابق یک شنبہ اور چہارشنبہ کو فیصلہ مقدمات کے لئے کچہری کیا کرتا تھا۔ خیرات اور صدقات برابر جاری رکھتا۔ عیب پوشی اس کا خاص شیوہ تھا۔ پرتکلف لباس کا شائق نہ تھا۔ ہمیشہ سفید اور سادہ کپڑے پہنا کرتا تھا۔ عمارات میں تعمیر مساجد کا بڑا شائق تھا اور کہا کرتا تھا کہ "مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ میں مکان بناؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ ہو"۔ طغرل بیگ فوجی حیثیت سے ایک سپاہی تھا۔ اور جامع صفات سردار بھی۔ جنگ کے موقعہ پر اگرچہ اس کا مزاج آگ بگولا ہوتا تھا۔ مگر کوئی وحشیانہ فعل کبھی صادر نہیں ہوا۔ اپنے دشمن سے ہمیشہ راست بازی، نرمی، اور فیاضی کا برتاؤ رکھا اور یہی اس کی کامیابی کا بڑا راز تھا۔ اسلام کا زبردست حامی اور مربی تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ خلفائے عباسیہ کی انتہائی تعظیم کرتا تھا۔ ورنہ شاہان دیالمہ نے خلفاء عباسیہ کی عظمت و شان کو اپنے مذہبی تعصب سے بالکل پامال کر دیا تھا۔ علم و فضل کا بھی قدر دان تھا۔ طغرل بیگ کا تمام دور حکومت عدل و انصاف میں ممتاز ہے۔ اور فی الحقیقت وہ سلجوقیوں میں ایک دانشمند بادشاہ تھا۔ جب موت کا وقت آ گیا تو کہنے[2] لگا کہ بیماری کی حالت میں میری وہی مثل ہے۔ کہ جب اون کاٹنے کے لئے بھیڑ کے پاؤں باندھے جاتے ہیں، تو وہ سمجھتی ہے کہ مجھے ذبح کر ڈالیں گے۔ اس لئے خوب ہاتھ پاؤں ٹپکتی ہے۔ اور جب رسی کھول دی جاتی ہے تو خوش ہو کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اسی طرح

---

[1] ایک انگریزی مورخ نے لکھا ہے کہ طغرل بیگ نے موضع طاجرشت میں انتقال کیا [2] کامل ابن اثیر حالات طغرل بیگ [3] تاریخ آل سلجوق اصفہانی عہد طغرل۔

جب اس کو ذبح کے واسطے کھتے ہیں تو وہ سمجھتی ہے کہ اُون تراش کر چھوڑ دیں گے اس لئے چپ پڑی رہتی ہے، اور گلے پر چھری چل جاتی ہے۔ جب سلطان کے انتقال کی بغداد میں اطلاع ہوئی تو عظیم الشان ماتم ہوا۔ اور وزیر فخر الدولہ بن جہیر نے خاص مجلس عزا مرتب کی اور بزرگان بغداد آکر سلطان کی تعزیت کرنے لگے۔ طغرل بیگ اگرچہ سپاہی منش بادشاہ تھا۔ لیکن علم دوست اور شعر و سخن کا بھی شائق تھا۔ عمادی شہریاری اسی دربار میں تھا۔ چنانچہ عمادی کے ذیل کے اشعار مدح سلطان میں تذکرہ مجمع الفصحا میں یادگار ہیں۔ جن کو ہم بھی بطور یادگار کے درج کرتے ہیں۔

اے زلف درخت سپہر و اختر — وے روے دلمت بہشت و کوثر
جز روح ایں مگس نہ شاید — آں جا کہ لب تو گشت شکر
سلطان سپہر قدر طغرل — کز قبہ دانشمت برتر
خاک در اوست چرخ اعظم — عشر کف اوست بحر اخضر
روزے کہ بلوح جاں نویسد — منشور اجل زبان خنجر
شمشیر ز خون تازہ سازد — بیماری مرگ را مزور
در آتش رزم پائے کوباں — ے آید مرگ چوں سمندر
بندد رحمت بدست نصرت — بر گردن روزگار زیور
یک توم چو کاسہ داغ بجل — یک توم چو کوزہ دست بر سر

علاوہ ان صفات کے طغرل بیگ میں خالص مذہبی جوش تھا۔ اور مذہب کا ادب ہر حد پر قائم رکھتا تھا۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ۴۲۹ھ میں جب شہر نیشاپور پر قبضہ کیا۔ تو رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ اور اس شہر کے فتح کرنے میں فوج نے بڑی کوشش کی تھی اور ہر سپاہی کا خیال تھا کہ وہ مال غنیمت سے مالا مال ہو جائے گا۔ چنانچہ جغری بیگ اور تمام فوج نے شہر کو لوٹنا چاہا۔ لیکن سلطان نے کہا کہ شہر الحرام میں لوٹ مار جائز نہیں ہے۔ میری ذات سے رمضان المبارک کی ہتک ہو۔ یہ میں کسی طور پر منظور نہیں کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اخیر مہینہ تک سپاہی خاموش بیٹھے رہے۔ لیکن عین عید کے دن پھر اجازت مانگی۔ تب سلطان نے کہا کہ خلیفہ القائم بامر اللہ نے فرمان بھیجا ہے اور اس میں ہدایت ہے کہ رعایا کے ساتھ سلوک کیا جائے اور شہر تباہ و برباد نہ کئے جاویں۔ او خلیفۃ المسلمین

کی اطاعت فرض ہے" اس جواب پر چغری بیگ نے تلوار کھینچ لی اور خود کشی پر آمادہ ہوگیا۔ تب مجبور ہوکر رعایائے نیشاپور نے چالیس ہزار دینار نقد دلوا دیئے۔ کہ وہ فوج کو تقسیم کردیئے جائیں۔ اور ابوبکر طوسی سفیر خلیفہ کو تیرہ پارچہ کا خلعت دے کر رخصت کیا۔

عضد الدولہ الپ ارسلان کا عہد سلطنت

تم اوپر پڑھ چکے ہو کہ سلطان طغرل بیگ نے جیحون سے نیشاپور تک کا ملک اپنے چھوٹے بھائی چغری بیگ داؤد کے سپرد کردیا تھا۔ اور چغری بیگ نے مرو کو اپنا دارالحکومت بنا لیا تھا۔ چنانچہ بمقام بلخ بتاریخ ۱۸ رجب یوم دوشنبہ ۴۵۲ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۰۵۹ء چغری بیگ نے بھی ستر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مرحوم کے چار بیٹے الپ ارسلان۔ یاقوتی۔ قاورد (قاروت بیگ)، اور سلیمان موجود تھے۔ لیکن سلطان طغرل بیگ نے اپنے اطاعت شعار، بہادر، اور عزیز بھتیجے ابو شجاع محمد ملقب بہ الپ ارسلان (ولادت شیر کوبکتانی) کا جانشین کرکے صوبہ خراسان کا مستقل والی (گورنر) بنا دیا۔ کیونکہ الپ ارسلان سب سے بڑا اور سب سے زیادہ لائق اور تجربہ کار تھا۔ لیکن چغری بیگ کے انتقال پر سلطان طغرل بیگ نے اپنی بھاوج (والدہ سلیمان) سے عقد کرلیا تھا۔ اور یہ بیگم سلطان کے مزاج میں بہت دخیل تھی لہذا الپ ارسلان کے خلاف (والدہ سلیمان کے اصرار سے) طغرل بیگ نے انتقال کے وقت اپنے دوسرے بھتیجے سلیمان کے حق میں وصیت کی کہ میرے بعد یہی تاج و تخت کا مالک ہوگا (طغرل بیگ لاولد فوت ہوا) چنانچہ طغرل بیگ کے انتقال پر عمید الملک کندری وزیر السلطنت نے یہ کوشش کی کہ الپ ارسلان محروم رہے۔ اور سلیمان تخت سلطنت کا مالک ہو۔ چنانچہ بمقام "رے" سلیمان کا خطبہ پڑھا گیا۔ جو گروہ الپ ارسلان کا طرفدار تھا اُن کو یہ امر نہایت ناگوار ہوا۔ چنانچہ باغیسان، اردحسن، اور اردم، مشاہیر سرداران سلجوقیہ، قزوین کو روانہ ہوئے۔ اور یہاں الپ ارسلان کا خطبہ پڑھوایا۔ بالآخر الپ ارسلان بلا شرکت غیرے سلجوقی تاج و تخت کا مالک ہوا۔ جس کے عہد سلطنت کی ابتداء محرم ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء سے ہوتی ہے۔

---

[1] ابوالفدا۔ جلد ثانی صفحہ ۱۸۹۔ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۔ سرمان ملکم عہد سلجوقیہ۔

[2] ابن خلدون و کامل ابن اثیر تخت نشینی الپ ارسلان۔

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت، عہد الپ ارسلان کی بغاوت اور ملکی فتوحات، الپ ارسلان کی موت، اور سلطان ملک شاہ کی تخت نشینی، خواجہ نظام الملک کے عظیم بالشان کارنامے اور مختلف حالات و واقعات

خواجہ نظام الملک کی مستقل وزارت

خواجہؒ حسن (نظام الملک) کے ابتدائی حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ سلطان عبدالرشید غزنوی کے عہد سلطنت میں خواجہ دارالسلطنت غزنی کے کسی محکمہ میں نوکر تھا۔ پھر ابوعلی احمد بن شاذان والی بلخ کا کاتب ہوگیا۔ اور جب خراسان پر طغرل بیگ کا قبضہ ہوگیا۔ تو جغری بیگ کے دربار میں بمقام مرو حاضر ہوا۔ لیکن یہ نہیں تحقیق ہوا کہ خواجہ حسن کس سنہ میں آیا ہے۔ لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فرخ زاد یا ابراہیم غزنوی کے زمانہ میں آیا ہے۔ کیونکہ الپ ارسلان نے (بحالت شاہزادگی) فرخ زاد کو خراسان کی سب سے اخیر لڑائی میں شکست دی ہے۔ اور ۴۵۱ھ میں جب سلطان ابراہیم تخت نشیں ہوا ہے۔ تو اُس نے جغری بیگ سے یہ معاہدہ کر لیا کہ جس کے قبضہ میں اس وقت جو ملک ہے وہ بدستور اُس پر قابض رہے اور کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ دوسرے پر فوج کشی کرے چنانچہ اس معاہدہ کے مکمل ہو جانے پر ملک میں امن و امان ہوگیا۔ اور اس سال سے گویا سلجوقی خراسان کے مستقل بادشاہ ہوتے[2] چونکہ خواجہ حسن، الپ ارسلان کے ولیعہدی کے زمانہ سے اس کا کاتب، مشیر اور مصاحب تھا۔ اور الپ ارسلان خود بھی خواجہ کی امانت و دیانت اور رائے و تدبیر سے فائدہ اٹھا چکا تھا۔ قطع نظر اس کے ابوعلی شاذان (وزیر جغری بیگ داؤد) نے الپ ارسلان سے یہ وصیت کی تھی کہ میرے بعد خواجہ حسن کو وزارت کا عہدہ دینا۔ چنانچہ الپ ارسلان نے تخت نشین ہوتے ہی خواجہ حسن کو وزارت کا ممتاز منصب عطا کیا۔

سلطان[3] طغرل بیگ کے انتقال پر الپ ارسلان نہایت بیکسی اور بے بسی کے عالم میں تھا۔ کیونکہ اس

---

[1] دیکھو حصہ اول کتاب ہذا صفحہ ۵ لغایت ۲۶ [2] فرخ زاد اور ابراہیم کا عہد ۴۴۳ھ لغایت ہے۔

[2] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۔ [3] تاریخ آل سلجوق اصفہانی جلوس عضدالدولہ الپ ارسلان

کے چچازاد اور علاتی بھائی (یعنی دوسری ماں سے ہو) تاج و تخت کے دعوےدار تھے۔ عمید الملک کندری جو چچا کا وزیر اور سب سے معزز رکن سلطنت تھا وہ سلیمان کا طرف دار تھا۔ اور طغرل بیگ کے انتقال پر علانیہ بمقام رے سلیمان کا خطبہ پڑھوا چکا تھا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ بہ حیثیت ولی عہد طغرل بیگ سلیمان کی تخت نشینی عمل میں آئی ہے۔ اور اس پر کوئی الزام نہیں آسکتا ہے۔ یہ واقعات الپ ارسلان کے پیش نظر تھے۔ اب بجز خواجہ حسن کے اور کوئی مدبر ایسا نہ تھا۔ جو الپ ارسلاں کی مصیبت کے وقت کام آتا۔ اور خواجہ کے لیے اس سے بہتر کوئی موقعہ اظہار خیر خواہی اور قابلیت کا نہ تھا۔ چنانچہ وہ عمید الملک اور سلیمان کے مقابلہ میں الپ ارسلاں کا مددگار بن گیا۔ اور اُن کی تمام چالوں کو غارت کر دیا۔ سلیمان ایک ناتجربہ کار شہزادہ تھا۔ اور ملک میں اس کے ساتھ عام ہمدردی بھی نہ تھی۔ ایسی حالت میں اکیلا عمید الملک کیا کرسکتا تھا؟ جب عمید الملک کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تو وہ بھی الپ ارسلاں کا طرف دار بن گیا اور خطبہ میں الپ ارسلاں کا نام شامل کرکے اپنی خیر خواہی کا اعلان کیا۔ مگر الپ ارسلاں ان باتوں سے خوش نہ ہوا۔ اور مشترکہ سلطنت کو وہ پسند نہیں کرتا تھا۔

رے پر فوج کشی خواجہ حسن کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس نے سلیمان پر فوج کشی کی۔ جب فوجیں رے میں داخل ہوگئیں۔ تو خواجہ حسن کی خوش بیانی اور حسن تدبیر سے تمام شہر نے اطاعت قبول کرلی۔ عمید الملک نے حاضر ہوکر نذر پیش کی۔ اور سلیمان کی طرف سے جو خدشہ تھا وہ بالکل جاتا رہا۔

قتلمش پر فوج کشی خواجہ حسن رے کے انتظام سے فارغ ہوا تھا کہ پرچہ نگاروں نے اطلاع دی کہ شہاب الدولہ قتلمش بن ارسلاں سلجوقی نے قلعہ کردکوہ[1] سے نکل کر ملک پر تاخت و تاراج کرنا شروع کردیا ہے اور رے پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ چنانچہ سلطان بھی نیشاپور سے روانہ ہوا۔ جب فوجیں دامغان پہنچ گئیں تو جوش برادرانہ سے مجبور ہوکر الپ ارسلاں نے قتلمش کو یہ پیام بھیجا کہ "تم اپنے ارادہ سے باز آؤ" قتلمش نے اس پیام پر کچھ توجہ نہ کی اور رے کے علاقہ میں لوٹ مچادی۔ اور وادی الملح کو پانی سے بھر دیا جس سے یہ مقام ناقابل گذر ہوگیا۔ الپ ارسلاں پریشان ہوا۔ خواجہ نے کہا کہ اطمینان رکھو میں نے تمہارے واسطے ایسی فوج بھرتی کی ہے جس کے

---

[1] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۲ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی ص ۲۸ کردکوہ۔ دیکھو نوٹ صفحہ ۲۰۸ و ۲۵۰ حصہ اول کتاب ہذا۔

تیر کبھی خطا نہیں کرتے ہیں (خواجہ کی غرض خراسان کے اُن علماء و زہاد سے ہے جن کے ساتھ خواجہ احسانات کیا کرتا تھا اور جو سلطان کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے تھے) اور یہ فوج تمہاری سب سے بہتر اعوان و انصار ہیں۔ یہ کہکر خود اسلحہ زیب تن کئے اور الپ ارسلان کے ہمراہ روانہ ہوا ....
سلطان نے پانی میں گھوڑا ڈال دیا۔ اور مع فوج کے صحیح و سالم نکل گیا۔ قتلمش نے سامنے آکر لڑنا پسند کیا۔ چنانچہ لڑائی ہوئی۔ اور الپ ارسلان فتحیاب ہوا۔ سلطان نے فوج کو لوٹ کا حکم دے دیا۔ بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ہزاروں سپاہی قتل اور قید ہوئے۔ سلطان نے قیدیوں کے قتل کا حکم دیا لیکن خواجہ کی سفارش پر معافی دے کر آزاد کر دیا۔ جب میدان کارزار کا مطلع صاف ہوا اور گرد و غبار بیٹھ گیا۔ تو قتلمش[1] کی نعش ملی۔ سلطان کو اپنے بھائی کی موت کا سخت رنج ہوا۔ نماز جنازہ پڑھ کے دفن کرا دیا موت میں اختلاف ہے۔ کامل اثیر کی روایت ہے کہ وہ خوف زدہ ہو کر مر گیا۔ اور مصنف نگارستان نے لکھا ہے کہ گھوڑے سے گرا۔ سر ایک پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ بہرحال جو سبب ہوا الپ ارسلان کامیاب ہوا۔ اور اس فتح سے اُس کا شہرہ روم تک ہو گیا۔ اور اخیر محرم ۴۵۶ھ؁ / ۱۰۶۴ء میں رے کو واپس آگیا۔ عمید الملک نے فوج و علم سے استقبال کیا۔

خواجہ نظام الملک نے اپنی کتاب دستور الوزراء (وصایا) میں بھی اس معرکہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب لشکر وادی الملح پہنچا تو سلطان نے حکم دیا کہ تمام خزانہ جو فوج کے ہمراہ ہے وہ سپاہیوں کو تقسیم کر دیا جائے۔ غالباً اسی تالیف قلوب کا نتیجہ تھا کہ فوج نے بھی جان توڑ کر کوشش کی اور کامیابی حاصل کی اس نمایاں فتح سے الپ ارسلان خواجہ سے بہت خوش ہوا۔ عمید الملک نے خواجہ حسن سے بھی ایک دوستانہ ملاقات کی اور پانسو دینار بطور نذر پیش کئے۔ جب عمید الملک واپس گیا تو فوج حاضر خدمت ہوئی۔ سلطان اس کارروائی سے مشکوک ہو گیا اور خواجہ کے مشورہ سے عمید الملک کو گرفتار کر کے مرو روذ بھیج دیا جہاں وہ ایک سال قید رہا۔ اور اسی حالت میں بتاریخ ۱۶ ذی الحجہ کو ۴۵۶ھ؁ کو

---

[1] شہاب الدولہ قتلمش بن ارسلان بن سلجوق۔ الپ ارسلان کا چچازاد بھائی تھا۔ اور یہی قتلمش شاہان قونیہ، اقصرا، سیواس، توقات، انگوریہ، ملطیہ، قیساریہ، الاسیہ، تنکسار وغیرہ کا مورث اعلیٰ تھا۔ طغرل بیگ نے اپنی حیات میں اس کو فتوحات روم پر روانہ کیا تھا۔ جہاں اس نے حکومت قائم کر لی تھی۔ نجوم میں خاص مہارت تھی۔ چنانچہ زائچہ سے معلوم کر لیا تھا کہ میں اس لڑائی میں کامیاب نہ ہوں گا۔ ابو الفدا جلد ثانی۔

قتل[1] کردیا گیا۔ یہی وہ تاریخ ہے۔ جس دن خواجہ حقیقت میں الپ ارسلان کا مستقل وزیر ہوا۔ کیونکہ جب تک عمید الملک قتل نہیں ہوا خواجہ نے اپنے تئیں مستقل وزیر نہیں سمجھا اب ہم خواجہ حسن کو نظام الملک کے خطاب سے یاد کریں گے[2]۔

عیسائی مقبوضات پر قبضہ اور شہر آنی کی فتح

طغرلش کی لڑائی سے فارغ ہو کر سلطان الپ ارسلان مہینہ ربیع الاول ۴۵۶ھ ۱۰۶۴ء میں بقصد جہاد رے سے آذربائیجان کو روانہ ہوا۔ جب شہر مرند میں پہنچا تو امیر طغد کین ملاقات کو حاضر ہوا۔ یہ ایک ترکمان سردار تھا۔ جو بلاد روم سے خوب واقف تھا۔ اور جس کو جہاد سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ لہٰذا سلطان امیر مذکور اور اس کی فوج کو ہمراہ لے کر پہاڑی گھاٹیاں طے کرتا ہوا نقچوان تک پہنچا۔ اور نہر ارس کے عبور کرنے کو کشتیاں تیار کرائیں۔ خوی، سلماس (آذربائیجان) کی رعایا نے ہنوز اطاعت نہیں کی تھی۔ لہٰذا ان کی سرکوبی کے واسطے فوجیں روانہ کیں۔ مگر عمید خراسان کی حکمت عملی سے یہ دونوں شہر قبضہ میں آگئے۔ اور یہاں کی رعایا سلطانی فوج میں داخل ہوگئی۔ اور اطراف و جوانب کے حکمراں بھی (مع فوج) شوق جہاد میں سلطان کے شریک ہو گئے۔ جب فوجیں اور کشتیاں جمع ہوگئیں تو سلطان بلاد کرج[3] کو روانہ ہوا۔ اور شاہزادہ ملک شاہ اور نظام الملک کو ایک دوسرے قلعہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ جس میں رومیوں کا بڑا مجمع تھا۔ چنانچہ قلعہ فتح ہوا۔ اور قلعدار قتل کردیا گیا۔ اور اہل قلعہ مقتول ہوئے۔ یہاں سے ملک شاہ اور خواجہ قلعہ سرماری کو روانہ ہوئے۔ یہ قلعہ نہایت آباد تھا۔ جس میں پانی کی نہریں جاری تھیں، اور سرسبز باغات بھی تھے۔ چنانچہ یہ بھی فتح ہوگیا اور خود عیسائیوں نے

---

[1] عمید الملک کندری کے حالات حصہ اول کتاب ہذا صفحہ ۶۱ میں دیکھو۔ اور صفحہ ۶۳ (تحت حالات عمید الملک) بجائے ۴۵۵ھ کے ۴۵۶ھ اور بجائے ۴۵۶ھ کے ۴۵۷ھ پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ عمید الملک اخیر محرم ۴۵۶ھ میں قید ہوا اور ایک سال بعد قتل کیا گیا [2] فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶ [3] تاریخ کامل اثیر میں لکھا ہے کہ سلطان طغرل بیگ کا پہلا وزیر ابو القاسم علی بن عبداللہ جوینی۔ اور دوسرا رئیس الرؤسا ابو عبداللہ حسین بن علی بن میکائیل۔ تیسرا وزیر نظام الملک ابو محمد حسن بن محمد دہستانی۔ چوتھا وزیر عمید الملک کندری، پانچواں خواجہ حسن طوسی، کامل اثیر صفحہ ۱۸۱ جلد ۱۰ ۔ کرج۔ عیسائیوں کا ایک خاص گروہ جس کی سکونت جبال القبق میں تھی۔ اور یہ ایک طاقتور قبیلہ تھا۔ جس کی حکومت تفلیس تک تھی۔ اوران کے شہر کا نام بھی کرج تھا صفحہ ۲۲۱۔ جلد ۷ معجم البلدان

خالی کر دیا۔ اس کے پاس ایک قلعہ تھا۔ وہ بھی ملک شاہ نے فتح کر لیا۔ اور اُس کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر خواجہ نے منع کیا۔ کہ یہ سرحدی مقام ہے اس کو اسلحہ اور ذخائر سے مرتب رکھنا چاہیئے چنانچہ یہ قلعہ امیر فتحو ان کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد قلعہ[۱] مریم نشین میں پہنچے۔ یہ قلعہ رہبان اور قسیسین، اور عیسائی بادشاہوں کا مسکن تھا۔ قلعہ کی فصیل زبردست پتھروں کی تھی، جس میں قلعی اور لوہے سے ٹیپ کرادی گئی تھی۔ ایک بڑی نہر بھی جاری تھی۔ چنانچہ خواجہ نے کشتیاں اور سامان جنگ فراہم کر کے لڑائی چھیڑ دی اور دن رات جاری رہی۔ جب قلعہ فتح نہ ہوا تو سپاہی سیڑھیاں لگا کر دیواروں پر چڑھ گئے اور قبضہ کر لیا۔ خواجہ نظام الملک اور ملک شاہ قلعہ میں داخل ہوئے۔ کچھ عیسائی مسلمان ہو گئے اور اکثر قتل ہوئے۔ اس فتح سے الپ ارسلان بہت خوش ہوا۔ اور ملک شاہ کو اپنے پاس بلا لیا (جہاں وہ معروف جنگ تھا) راستے میں ملک شاہ فتوحات کرتا اور عیسائیوں کو گرفتار کرتا ہوا چلا گیا۔ جب سلطان الپ ارسلان، معہ ملک شاہ وغیرہ شہر تسیذ میں پہنچا تو یہاں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے۔ مگر آخر میں خدا نے فتح یاب کیا۔ یہاں سے شہر اعال لال کی طرف بڑھے۔ یہ شہر شرقاً و غرباً ایک بلند پہاڑ پر آباد تھا جس میں متعدد قلعے تھے۔ اور شمالاً و جنوباً ایک بڑی نہر جاری تھی۔ بظاہر یہ بھی ناقابل فتح تھا۔ مگر بڑی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ چونکہ عیسائیوں نے اس لڑائی میں سلطانی فوج کو دھوکا دے کر تباہ و برباد کیا تھا۔ لہذا سلطان نے اُس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہ واقعہ رجب ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء کا ہے۔ یہاں[۲] سے ناحیہ فرس۔ اور ڈسل وردمد اور لورہ میں پہنچے۔ یہاں کے باشندوں نے اطاعت کی۔ پھر شہر آنی کی طرف کوچ کیا۔ بقدر تین چوتھائی یہ شہر نہر ارس کے کنارہ پر آباد تھا۔ اور نہایت مستحکم تھا۔ اور چوتھائی حصہ میں ایک دوسری نہر تھی۔ جس کا پانی اس شدت سے بہتا تھا کہ وہ بڑے پتھروں کو بہائے جاتا تھا۔ اس شہر میں پانسو سے زیادہ گرجے تھے اور آبادی بہت تھی۔ چنانچہ اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ جب فتح کی طرف سے ناامیدی ہوئی۔ تب الپ ارسلان نے اینٹ کا

---

[۱] قلعہ و شہر دونوں ایک نام سے موسوم ہیں۔ یہ بڑا شہر ہے تفلیس اور خلاط کے مابین ہے صفحہ ۵، جلد ۵ معجم البلدان

[۲] غالباً یہ کسی بڑی خانقاہ کا نام ہے جہاں رومن کیتھولک فرقہ کے بھائی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ خانقاہ حضرت مریم کے نام سے موسوم ہوگی جس کا ترجمہ خواجہ نے مریم نشین کیا ہے۔

[۳] انتخاب از کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۳ و فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶

ایک برج بنایا اور اُس پر منجنیق نصب کی۔ اور پتھر برسائے گئے۔ دیوار میں سوراخ ہوگیا۔ جب فوج اس طرف بڑھی تو خدا نے یہ فضل کیا کہ قلعہ کی ایک دیوار بالکل گر گئی۔ اور مسلمان داخل شہر ہوئے بے شمار عیسائی قتل و گرفتار ہوئے۔ یہاں تک کہ بہت سے مسلمان صرف اس وجہ سے شہر میں نہ جا سکے کہ مقتولوں سے راستہ رک گیا تھا۔ یہ ایک عظیم الشان فتح تھی چنانچہ بغداد کو نامہ فتح لکھا گیا۔ جس کے جواب میں خلیفہ نے سلطان کی تعریف کی۔ اور اُس کو دعائے خیر سے یاد کیا۔ امیر کرج نے صلح کر لی اور جزیہ سالانہ دینا منظور کیا۔ اور سلطان معہ فوجوں کے اصفہان کو واپس گیا۔

کرمان کی بغاوت اور فتح قلعہ استخر۔ و پہن وڑ (شیراز)۔

بردسیر ایک نہایت قدیم آبادی ہے جس کو کرمان کہتے ہیں۔ اس کا بانی اردشیر بابکان ہے۔ فاروق اعظم کے عہد میں مسلمانوں نے کرمان کو فتح کیا تھا۔ جب سے اسلامی قبضہ رہا بعد ازاں [illegible] میں قاوردین چغربیگ نے فتح کرکے بطور ایک ماتحت صوبہ کے امیر جداگانہ حکومت شروع کی تھی۔ الپ ارسلان کے زمانہ میں قرا ارسلان جو قاورد کا پوتا تھا یہاں حکمران تھا ۴۶۵ھ میں قرا ارسلان نے بغاوت کا اعلان کیا۔ جس کا سبب یہ ہے کہ اس کے وزیر نے جو محض ایک جاہل شخص تھا۔ قرا ارسلان کو بہکا کر سلطان کا خطبہ بند کر دیا تھا۔ یہ خبر سُن کر خواجہ نظام الملک اور الپ ارسلان دونوں کرمان کو روانہ ہوئے۔ پہلے ہی مقابلہ میں قرا ارسلان کو شکست ہوئی۔ قرا ارسلان حاضر ہو کر قدم بوس ہوا۔ اور قصور معاف کرایا۔ سلطان نے بہ سبب رشتہ داری قرا ارسلان کا قصور معاف کر دیا۔ اور اُس کی بیٹیوں کی شادی کے لئے ایک ایک لاکھ دینار مرحمت کئے۔ اور کرمان سے معہ خواجہ کے استخر روانہ ہوا۔ اور قلعہ استخر[3] کو فتح کیا۔ بعد ازاں سلطان نے خواجہ نظام الملک کو قلعہ پہن وڑ[4] کی فتح کے لئے روانہ کیا

[1] خواجہ نظام الملک نے اس واقعہ کو وصایا میں خود لکھا ہے۔ لہٰذا اس موقعہ پر صفحہ ۲۰۰ حصہ دوم کتاب ہذا دیکھنا چاہئے
[2] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۲ و ۲۳ جلد دوم۔ [3] استخر تاریخ میں قلعہ ماران کے نام سے مشہور ہے۔ یہ قلعہ جمشید کا تعمیر کردہ ہے۔ اور قلعہ شکستہ دجمشید کا دوسرا قلعہ، سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ فتح قلعہ کے بعد قلعہ دار نے نہایت بیش قیمت تحائف نذر کئے۔ منجملہ ان کے ایک پیالہ فیروزہ کا تھا جس میں مشک بھر کر نذر کیا تھا۔ اس پیالہ پر جمشید کا نام کندہ تھا۔ یہ قلعہ بھی نہایت قدیم اور مستحکم تھا۔ عضد الدولہ دیلمی نے [illegible] میں اس قلعہ پر ایک بڑا تالاب بنایا تھا۔ اور چہل ستون قائم کرکے اُس کی چھت پاٹ دی تھی [illegible]

چنانچہ خواجہ نظام الملک نے زیرِ قلعہ پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا۔ اور محاصرہ کے سولھویں دن فتح ہوگیا۔ خواجہ نے سپاہیوں کو درہم و دینار اور کپڑے انعام دیئے۔ اور سلطان الپ ارسلان بھی خواجہ سے اسی جگہ آکر ملا۔ اور خواجہ کی کارروائی سے بہت خوش ہوا۔

جنگ قیصر رومانوس خواجہ نظام الملک کے عہدِ وزارت میں، سلطان الپ ارسلان نے جو فتوحات کیں، ان میں سب سے مہتم بالشان رومانوس چہارم قیصرِ روم کا معرکہ ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴۶۲ھ ۱۰۶۹ء میں سلطانؒ دیار بکر کی طرف روانہ ہوا۔ نصر بن مروان نے نذریں پیش کیں اور اطاعت کا اظہار کیا۔ وہاں سے شہر آمد اور رہا کو عبور کرکے داخل حلب ہوا اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ آخر میں محمود بن صالح بن مرداس نے سلطان کی اطاعت کی۔ اور خلفائے عباسیہ کا خطبہ پڑھا۔ سلطان خلعت اور سندِ حکومت دے کر آذربائیجان کو روانہ ہوگیا۔ اس اثناء میں قیصر رومانوس

بقیہ صفحہ ۴۸۰ تاکہ پانی ٹھنڈا رہے۔ یہ تالاب نہایت عمیق تھا۔ اور آبِ باراں سے پُر ہوتا تھا جس کے کھنڈر ہنوز باقی ہیں۔ اور چوڑائی اس تالاب کی تقریباً ایک سو چوالیس گز شرعی ہے۔ اس کے عمق کا اندازہ نہیں ہے۔ لیکن تالاب کے اندر ستّرہ ستون ہیں جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اگر ایک سال تک روزانہ ہزار آدمی پانی پئیں تب ایک ستون خالی ہوگا۔ اس سے گہرائی کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اور اس تعمیر کی بدولت کہا جاتا ہے کہ عضد الدولہ دریائے درمیان کو ہے دکو ہے درمیان دریا نہاد۔ ؎ پہن دژ۔ فارس کے قلعوں میں یہ قلعہ بھی نہایت قدیم تھا جس کو شاہ پرویز الاکتاف کے بھائی مسمّی پہن نے تعمیر کیا تھا۔ جو اب قلعہ بند کے نام سے مشہور ہے۔ اور شہر ایسے ڈیڑھ میل کی مسافت پر جانب مشرق واقع تھا۔ اس قلعہ کو جس کے اب کھنڈر باقی ہیں، شیراز کی آبادی سے قبل ملوک عجم نے تعمیر کیا تھا۔ جب شیرویہ نے اپنے باپ پرویز اور بھائی بھتیجوں کو جن کی تعداد سترہ تھی ایک ہی دن میں قتل کردیا۔ تب یزدجرد اپنی دایہ کے ہمراہ بنابر پرورش و حفاظت اس قلعہ میں بھیج دیا گیا تھا۔ چنانچہ یزدجرد بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اس قلعہ کو اپنا ایک محفوظ خزانہ بنالیا تھا۔ نوشیرواں کا تاج اور دیگر قیمتی اشیاء اسی قلعہ میں محفوظ تھیں۔ جس کا بڑا ذخیرہ عضد الدولہ دیلمی کے ہاتھ آیا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر کہ جو قلعہ کا وسط ہے۔ ایک عمیق چاہ ہے جس کا قطر چودہ گز اور جس کا موجودہ عمق نوّے گز ہے۔ مرزا فرصت شیرازی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ اس وقت یہ کنواں بے آب ہے۔ اور فاحشہ عورتیں جو واجب القتل ہوتی ہیں وہ اسی کنوئیں میں گرادی جاتی ہیں۔ علاوہ اس کے دو کنوئیں اور بھی ہیں مگر وہ چھوٹے ہیں۔

؎ ابن خلدون فتوحات الپ ارسلان

ڈوائی جنس رومنس) نے شام کے اسلامی شہروں پر چڑھائی کی۔ اور تاریخ ۱۹ نومبر ۱۰۶۸ء (صفر ۴۶۲ھ) شہر منبج پر پہنچ کر اہل شہر کو نہایت بے رحمی سے تہ تیغ کیا۔ محمود بن صالح (حکمران حلب) اور حسان طائی اپنے قبائل بنی کلاب اور بنی طے کو جمع کر کے مقابلہ پر آئے لیکن شکست کھائی۔ قیصر منبج پر قابض رہا۔ لیکن کچھ دنوں بعد جب شدت گرما اور کمی رسد سے فوج ہلاک ہونے لگی تو واپس چلا گیا۔ لیکن ۴۶۳ھ میں قسطنطنیہ سے چل کر پھر خلاط پر فوج کشی کی۔ اس وقت قیصر کے ہمراہ روس اور فرانس وغیرہ کے شاہ ہمرکاب تھے اور دو لاکھ فوج[2] تھی۔ جس میں رومی، فرانسیسی، روسی۔ کرجی، یونانی ارمنی، انجازی، کفچاقی، غزی، اور جرکسی سپاہی شامل تھے۔ اس[3] مرتبہ قیصر کا یہ ارادہ تھا کہ بغداد سے دولت عباسیہ کو اور بلاد اسلام سے مسلمان حکمرانوں کو خارج کر کے خالص عیسائی سلطنت قائم کرے اور بغداد کی حکومت کسی جاثلیق کو سپرد کی جائے۔ تمام مسجدیں دیر و کلیسا کر دی جائیں۔ چنانچہ اس جاہ و حشم کے ساتھ آ کر صوبہ خلاط پر دھاوا کر کے قلعہ ملازکرد کا محاصرہ کر لیا (یہ قلعہ شہر ارض روم اور اخمیل دان کے مابین واقع ہے)، جب[4] عیسائیوں کی آمد کی متواتر خبریں سلطان الپ ارسلان تک پہنچیں۔ اس وقت وہ شہر خوئی[5] (مضافات آذربائجان) میں مقیم تھا۔ اس خبر کو سن کر غصہ سے تھرا گیا۔ کیونکہ دشمن سر پہ تھا۔ اور بوجہ بعد مسافت نہ تو دار السلطنت سے فوج آ سکتی تھی۔ ورنہ مجاہدین جمع ہو سکتے تھے۔ اور ایک وقت یہ بھی تھی کہ بلا مقابلہ واپس جانے میں دیار اسلام تباہ و برباد ہو جاتے اور عیسائیوں کا حوصلہ بڑھ جاتا۔ لہذا مصلحتاً خواجہ نظام الملک کو حکم دیا کہ وہ اہل و عیال، مال و اسباب کو لے کر تبریز روانہ ہو جائے۔

---

[1] رومانوس چہارم جو عربی تاریخوں میں ارمانوس کے نام سے مشہور ہے فوج یونان کا ایک معمولی سپاہی تھا۔ جس کو ملکہ قسطنطنیہ یوڈیشیا نے اپنی مصلحتوں سے شوہر بنا کر تاج و تخت کا مالک بنا دیا تھا جو شاہی محل میں شہزادہ اور شوہر ملکہ۔ اور میدان کارزار میں روم کا شہنشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہ بڑا بہادر اور دلیر تھا۔ اور تخت نشینی کے دو مہینہ بعد قسطنطنیہ سے بغرض فتوحات نکلا تھا۔ گبن امپائر۔ جلد ۶۔ عہد اسلام۔

[2] مسٹر گبن، ملطی اور دیگر انگریزی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد ایک لاکھ اور سلطان کی فوج چالیس ہزار تسلیم کی ہے لیکن مستند اسلامی مورخوں نے قیصر کی فوج کی تعداد دو لاکھ لکھی ہے [3] دیکھو کتاب الوصایا نظام الملک صفحہ ۲۰۱ کتاب خدا [4] فتوحات الاسلامیہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۲۲۸ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۲۷ [5] مختصر الدول ملطی میں شہر خوئی لکھا ہے [6] روضۃ الصفا حالات الپ ارسلان۔

نے عرض کیا کہ میں قدیم خدمت گذار ہوں ہمراہ رکاب چلوں گا" سلطان نے فرمایا کہ "گو تم میری نظر سے دور ہو گئے۔ لیکن دل سے نزدیک ہو وہاں سے میرے حق میں دعا کرتے رہنا یہی کافی ہے" چنانچہ خواجہ تبریز کو روانہ ہو گیا۔ اور سلطان بنفس نفیس قیصر کے مقابلہ کے لئے تیار ہوا۔ اس وقت سلطان کے ہمراہ پندرہ ہزار منتخب سوار موجود تھے۔ سلطان نے اُن کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے میرے بہادر سپاہیو اگرچہ ہماری تعداد دشمن کے مقابلہ میں نہایت قلیل ہے۔ لیکن ہم کو صبر اور شکر کے ساتھ جنگ کرنا چاہئے۔ اگر فتحیاب ہوتے تو خدا کا عظیم الشان احسان ہے ورنہ شہادت نصیب ہو گی۔ اور میرے بعد میرا بیٹا ملک شاہ تاج اور تخت کا مالک ہو گا" چنانچہ سلطان نے ایک دستہ فوج کا توکلت علی اللہ آگے بڑھایا۔ اس کا روسی فوج سے مقابلہ ہوا۔ جو تعداد میں بیس ہزار تھی مقابلہ میں روسی فوج لپسا ہوئی اور خود شاہ روس جو فوج کو لڑا رہا تھا گرفتار ہوا۔ جب سلطان کے سامنے پیش ہوا تو اُس نے کان اور ناک کٹوا کر زندہ چھوڑ دیا۔ اور یہی سزا کافی بھی۔ اور خواجہ نظام الملک کو نامہ فتح کے ہمراہ صلیب اعظم اور سپہ سالار مذکور کے ناک اور کان بھی بھیج دیئے اور لکھا کہ "بطور تحفہ یہ بغداد بھیج دیئے جائیں" اس مختصر لڑائی میں بھی عیسائیوں نے بڑا جوش دکھلایا تھا۔ اور ہر ایک سپاہی کے ہاتھ میں صلیب تھی۔ اور مذہبی علماء اپنی پُرجوش رجز خوانی سے سپاہیوں کو اُبھار رہے تھے۔ سلطانی فوج کا افسر صنداق ترکی تھا۔ چنانچہ سلطان کو بروز سہ شنبہ بتاریخ ۲۰ ذیقعدہ ۴۶۳ھ مطابق جولائی ۱۰۷۱ء یہ فتح نصیب ہوئی۔ ۵ ذیقعدہ یوم چہار شنبہ کو قیصر خلاط پر بڑھا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ شہر والوں کو اگرچہ یہ یقین تھا کہ خدا اسلام کی مدد کرے گا۔ لیکن قیصر کی کثرت فوج اور منجنیقوں[۱] کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے۔ اور[۲] دو کر امان چاہی اور شہر کو سپرد کر دیا۔ اس پر بھی عیسائیوں نے بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا۔ اور بہتیروں کو قتل کر دیا یہ حالت دیکھ کر پنجشنبہ کے دن صبح کے وقت الپ ارسلان ملازکرد کے قریب پہنچ گیا۔ اور[۳] نہر کے کنارے موضع کو نکو میں کیمپ قائم کیا۔ قیصر کی فوجیں اس جگہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر بمقام زہرہ مقیم تھیں (یہ مقام خلاط اور ملازکرد کے درمیان ہے) یہاں سے سلطان الپ ارسلان نے

---

[۱] فتوحات الاسلامیہ جلد اول صفحہ ۲۲ [۲] قیصر کے ہمراہ متعدد منجنیقیں تھیں لیکن ایک سب سے بڑی تھی جس میں آٹھ سو بیل جتے تھے اور جس میں بارہ سو سپاہی بیٹھ کر پتھر برساتے تھے۔ اور جس کو ایک سو بیل کھینچ کر لے چلتے تھے۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۳۸۔ [۳] گنج دانش فقرہ الپ ارسلان

قیصر کے پاس سفیر بھیجا۔ اس سفارت سے سلطان کا یہ مقصد تھا کہ قیصر کے اصلی خیالات سے آگاہی ہو جائے گی۔ چنانچہ سفیر نے قیصر سے جاکر عرض کیا کہ اگرچہ رومی فوج کثیر ہے لیکن خوب سوچ لو کہ "جس کے مقابلہ کو آتے ہو اُس کے عزمات ظاہر ہیں لہذا صلح کرلینا بہتر ہے۔ اور اگر لڑنا مقصود ہے تو سلطان بھی اس ارادہ میں مستقل ہیں۔ بحالت صلح امان دی جائے گی اور ممالک مقبوضہ روم میں کسی قسم کی دست اندازی نہ ہوگی"۔ قیصر نے اس سفارت کو بہ نظر حقارت دیکھا اور صلیب پر ہاتھ رکھکر روح القدس کی قسم کھائی۔ اور کہا کہ جب تک سلطان کی فوج ہتھیار نہ ڈال دے اور رومی فوج میں شامل نہ ہو اور دارالسلطنت رے ہمارے سپرد نہ کر دیا جائے اُس وقت تک درخواستِ صلح منظور نہیں ہو سکتی ہے۔ اور سفیر کو ذلت سے نکال دیا۔ اور فوج کو تیاری کا حکم دے دیا یہ جواب سُن کر سلطان کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھی جنگ کے لئے تیار ہوگیا۔ امام "ابو نصر محمد بن عبدالملک بخاری حنفی" لشکر کے ہمراہ تھے انھوں نے سلطان کو یہ مشورہ دیا کہ آج لڑائی ملتوی رہے اور بعد نماز جمعہ سلطان میدان جنگ کو روانہ ہوں کیونکہ یہ وہ دن ہے کہ جب تمام ممالک اسلام میں منبر پہ خطیب یہ دعا کر رہے ہوں گے کہ "اللھم انصر جیوش المسلمین" اور خاص وعام آمین کہہ رہے ہوں گے۔ چنانچہ سلطان نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور جمعہ کو صبح سے فوج میں غیر معمولی تیاریاں ہوئیں۔ اور ہر سپاہی شہادت کے لئے تیار ہوگیا۔ چنانچہ بعد نماز جمعہ سلطان نے لشکر میں اعلان کر دیا کہ "جو شخص جانا چاہتا ہے وہ اسی وقت لشکر[1] سے چلا جائے۔ اور جو شہادت حاصل کرنا چاہتا ہے وہ میرے ساتھ ہو" اور سلطان[2] نے لباس شاہی اُتار کر ایک سفید قبا پہنی جو مشک اور عنبر سے معطر تھی دیکھی گویا کفن تھا، کمان کا ندھے[3] سے لٹکائی، گرز ہاتھ میں لیا، اور تلوار گلے میں حائل کی۔ اور گھوڑے پر خود زین کسا اور اُس کی دُم[4] میں گرہ لگادی جس کی کل فوج نے تقلید[5] کی اور فوج کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ جب فوج نے دیکھا کہ سلطان کفن پہن کر لڑنے کو نکلا ہے تو تمام سپاہی جوش میں آکر اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہوئے سلطان

---

[1] سرجان ملکم صاحب فتوحات الپ ارسلان۔ [2] اخیر مرتبہ جب فوج کا شمار کیا گیا تو صرف بارہ ہزار سوار موجود تھے صفحہ ۴۳، سراج الملوک طرطوشی [3] اس زمانہ کا یہ دستور تھا کہ گھوڑوں کی دُمیں بہت لمبی رکھتے تھے۔ مگر میدانِ جنگ میں یہ طوالت باعث تکلیف تھی، لہذا دُم میں گرہ لگا دی گئی۔ یہ حالت کل فوج کے گھوڑوں کی تھی۔

[4] مختصر الدول صفحہ ۳۲۲۔

کے ہمراہ ہوئے۔ اس کے بعد سلطان اور اس کی فوج نے نہایت خشوع اور خضوع سے دعا مانگی۔ اور پھر سلطان نے سپاہیوں کے سامنے ایک تقریر کی اور میدان کو روانہ ہو گیا۔ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا کہ سلطان قیصر کی فوج کے سامنے پہنچ گیا۔ مگر اتفاق سے ہوا گرم چلنے لگی اور لحظہ لحظہ ترقی کرنے لگی۔ جس کی وجہ سے مسلمان گرمی اور شدت پیاس سے تڑپنے لگے کیونکہ نہر پر قیصر نے قبضہ کر لیا تھا، اور ہوا کا رخ اسلامی فوج کی جانب تھا۔ یہ مصیبت دیکھکر سلطان گھوڑے سے اترا دستار سر سے اتار ڈالی اور پٹکا کمر سے کھول کر خاک پر سربسجود ہو گیا اور بڑی عاجزی سے دعا مانگی کہ "اے مسبب الاسباب میرے گناہوں کا آج مواخذہ نہ کر اور اپنی مہربانی کی نظر اس عاجز بندہ سے جو تیرے نیک بندوں کا متکفل ہے مت پھیر۔ اور ہوا کا رخ دشمن کی طرف پھیر دے۔ سلطان کے ساتھ فوج بھی دعا میں شریک تھی۔ تھوڑی دیر میں سلطان کی دعا قبول ہوئی اور سے

ادھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

ہوا کا پھرنا تھا کہ سلطان مع فوج کے آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ یہ کل فوج سپہ سالار اعظم ساوتگین کے ماتحتی میں تھی۔ اول میدان قیصر کے ہاتھ رہا اور الپ ارسلان کی فوج کو شکست نصیب ہوئی۔ لیکن ایک افسر کی نادانی سے قیصر کی فوج بھاگ نکلی۔ اور اکثر رفیق قیصر کو چھوڑ کر چل دیئے۔ الپ ارسلان نے موقعہ کو غنیمت سمجھکر رومیوں پر ایک آخری حملہ کیا اور میدان جیت لیا۔ مورخ گبن لکھتا ہے کہ اس جنگ میں کس قدر رومی فوج قتل ہوئی۔ اور کتنے سپاہی گرفتار ہوئے اس کا ذکر ہی فضول ہے بہرحال فریقین کا عظیم الشان نقصان ہوا۔ اور الپ ارسلان کامیاب ہوا۔ جب رومیوں کی فوج منتشر ہو گئی تو رومانوس اپنی مختصر فوج کے ساتھ لڑتا رہا۔ لیکن آخر کار زخمی ہو کر زمین پر گر گیا۔ اور ایک سوار نے اُسے گرفتار کر لیا۔ جس سوار نے قیصر کو گرفتار کیا اُس کا نام شادی تھا۔ اور یہ ایک پستہ قامت اور کریہہ المنظر شخص تھا۔ جس کی نسبت تاریخ[1] نگارستان میں لکھا ہے کہ افسر فوج نے جائزہ کے وقت اسی بنا پر اس کا نام خارج کر دیا تھا۔ لیکن سلطان نے افسر مذکور سے سفارش کی کہ اس کو بھی رہنے دو ممکن ہے کہ یہی قیصر کو گرفتار کرے۔ چنانچہ سلطان کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ گرفتاری کے بعد قیصر تمام رات معمولی حیثیت سے لشکر میں رہا۔ صبح کو گوہرآئین

---

[1] تاریخ نگارستان میں اس سوار کا نام الشفقت لکھا ہے صفحہ ۱۶۹ مطبوعہ بمبئی۔

نے الپ ارسلاں کے حضور میں پیش کیا۔ سلطان کو قیصر کے گرفتار ہونے میں شک تھا۔ لیکن جب اس نے رومی قیدیوں کے چیخنے چلانے کی آواز سنی اور بی۔سی لیاش نے جو یونانی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اپنے آقا کو پہچانا اور قدم بوس ہوا۔ تب سلطان کو یقین ہوا۔ اور سلاطین ایشیا کے دستور کے مطابق قیصر بادشاہ کے سامنے زمیں بوس ہوا۔ اور آداب بجالایا۔ الپ ارسلاں نے حالت غصہ میں اُٹھ کر قیصر کا غرور توڑنے کے لئے اپنا ایک پاؤں قیصر کے کندھے پر رکھدیا۔ گبن اس واقعہ کی نسبت لکھتا ہے کہ اس میں کچھ شبہ ہے۔ لیکن ابن خلدون وغیرہ کی روایت اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور وہ یہ کہ سلطان نے اپنے ہاتھ سے قیصر کے تین کوڑے مارے اور کہا کہ "میں نے صلح کا پیام دیا تھا۔ جس کو تو نے نہ مانا اور آخر نتیجہ دیکھا"۔ رومانوس نے شرم سے سرنیچا کر کے عرض کیا کہ "اب مجھے زجر و توبیخ سے معاف کیجئے اور جو آپ کو کرنا ہے وہ کیجئے"۔ لیکن اس فوری کارروائی کے بعد پھر سلطان نے قیصر کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا چنانچہ مورخ گبن لکھتا ہے کہ سلطان نے قیصر کو زمین سے اُٹھایا اور اس سے شیک ہینڈ (مصافحہ) کیا اور یہ یقین دلایا کہ "تمھاری عزت اور تمھاری زندگی بطور ایک بادشاہ کے قائم رکھی جائے گی"۔ پھر قیصر کو اپنے خیمہ کے قریب اُتارا اور اعزاز کے ساتھ مہمان رکھا۔ اور روزانہ دو مرتبہ قیصر سلطان سے آکر ملتا تھا۔ آٹھ دن کے بعد سلطان نے قیصر کو بہت سی نصیحتیں کیں، اور اُن نالائق سرداروں پر نفریں کی جو قیصر کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور جو غلطیاں اس جنگ میں قیصر سے ہوئی تھیں اس کو وہ بھی سمجھائیں۔ اس کے بعد سلطان نے قیصر سے کہا کہ بتاؤ میں تمھارے ساتھ کیا برتاؤ کروں۔ اس نے کہا اگر تو ظالم ہے تو میری زندگی ختم کردے۔ اور اگر تو متکبر ہے تو اپنی گاڑی مجھ سے کھچوا اور پا بجولاں اپنے دارالسلطنت تک لے جا۔ اور اگر تو اپنا فائدہ سمجھتا ہے تو تاوان لے کر چھوڑ دے۔ اور خواجہ نظام الملک[۲] نے کتاب الوصایا میں لکھا ہے کہ قیصر نے سلطان کو یہ جواب دیا تھا کہ "اگر تو قصاب ہے تو ذبح کر ڈال اور اگر سوداگر ہے تو بیچ ڈال۔ اور اگر بادشاہ ہے تو بخش دے"۔ بہر حال نتیجہ دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے۔ اس سوال وجواب کے بعد سلطان نے قیصر سے دریافت کیا کہ اگر میں گرفتار ہو کر تمھارے سامنے آتا تو تم میرے ساتھ کیا برتاؤ کرتے؟ ارمانوس نے

---

[۱] اسلامی مورخین کے علاوہ معتبر عیسائی تاریخوں میں بھی یہ روایت ہے دیکھو مختصر الدول ملطی صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ بیروت۔

[۲] کتاب الوصایا صفحہ ۲۔۳۔ کتاب ہذا۔

جواب دیا کہ میں تجھ کو دُرّے لگاتا۔ قیصر کا یہ جواب اگرچہ عقل اور احسان مندی کے خلاف تھا۔ تاہم سلطان نے نہایت متانت اور ایک فاتح کی شان سے مسکرا کر ٹال دیا۔ اور قیصر کو آزاد کردیا[1]۔ اور جس قدر رومی افسر اور بطریق قید میں تھے ان کو بھی رہا کرکے خلعت اور انعام عطا کئے۔ الپ ارسلان کا یہ شریفانہ برتاؤ دیکھ کر قیصر نے سلطان سے اقرار کیا کہ وہ سالانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار دیا کرے گا۔ اور دس لاکھ دینار بطور تاوان جنگ ادا کرے گا۔ اور کسی ایک شاہزادی کا ترکی شاہزادے سے عقد کردے گا۔ اور ضرورت کے وقت رومی لشکر سلطان کی مدد کے لئے پہنچا کرے گا اور پچاس برس کے لئے یہ عہدنامہ لکھا گیا۔ تکمیل معاہدہ کے بعد سلطان نے دس ہزار دینار نقد اور ایک خلعت مرحمت فرما کر رومانوس کو بعد معانقہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ رخصت کیا اور تین میل تک بطور مشایعت قیصر کے ہمراہ خود بھی گیا۔ جب قیصر اپنے سرحدی قلعہ [illegible] پر پہنچا۔ تو اُس کو اطلاع ہوئی۔ کہ روم کے تخت پر میخائیل ہفتم نے قبضہ کر لیا ہے۔ اور کل رعایا رومانوس کی فرماں برداری سے انکار کرتی ہے۔ کیونکہ رعایا کا یہ خیال تھا کہ مسیح علیہ السلام رومانوس سے ناراض تھے۔ یہی باعث شکست کا تھا۔ اور جس پر مسیح کا عتاب ہو وہ لائق بادشاہت نہیں ہے۔ تاہم رومانوس قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ اور اپنے قول کے مطابق بمشکل تمام دو لاکھ دینار اور ایک طبق جواہرات سے بھرا ہوا جس کی قیمت نوے ہزار دینار تھی، جمع کرکے سلطان کی خدمت میں روانہ کئے۔ اور غریمی قسم لکھی کہ اس سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے اور اپنے تمام حالات سے سلطان کو اطلاع دی۔ الپ ارسلان رومانوس کی راستی اور ثابت قدمی سے بہت خوش ہوا اور جن لوگوں نے اس کے ملک پر قبضہ کرلیا تھا اس کی سرکوبی کو جانا چاہا۔ مگر اس درمیان میں معلوم ہوا کہ رومانوس کو اس کی نمک حرام رعایا نے اندھا کرکے قتل کر ڈالا ہے۔ لہٰذا روانگی ملتوی رہی۔ اس فتح کے بعد الپ ارسلان رے کو واپس گیا۔ اور لڑائی میں جو خزانہ اور نادر چیزیں ملی تھیں وہ سب قلعہ رے میں داخل کی گئیں۔ اور قلعدار کو اُن کی حفاظت کا خاص حکم دیا گیا۔ اور امیرالمومنین اور دیگر سلاطین کو نامہ فتح روانہ کئے گئے۔ جس کے جواب میں تمام ملکوں سے مبارکباد کے خطوط آئے۔

---

[1] ایک روایت یہ ہے کہ قیصر کا جواب سن کر سلطان نے حکم دیا کہ ذلیل شخص کا قتل کرنا تو فضول ہے۔ لشکر میں منادی کرکے نیلام کیا جائے۔ چنانچہ نیلام میں کوئی خریدار نہیں ہوا تب آزاد کر دیا۔ سراج الملوک طرطوسی صفحہ ۱۴۵ گبن صفحہ ۲۰۷ جلد ۶ عہد سلجوقیہ۔ و کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۲ و تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۲ و روضۃ الصفا حالات الپ ارسلان۔

شعراء نے قصائد پڑھے۔ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں مال غنیمت کا یہ حال تھا کہ ایک دینار میں تین زرہ اور سو دینار (۳۰۰ روپیہ) میں بارہ خود فروخت ہوتے تھے اور سلطانی فوج کا ایک ایک سپاہی مال و دولت سے گراں بار ہوگیا تھا۔ مورخین کا قول ہے کہ یہ فتح عہد اسلام کی فتوحات سے مشابہ ہے۔ اور لوگوں کو صحابہ کرام کا زمانہ یاد آگیا تھا۔

اس[1] لڑائی کے بعد سلطان نے ایشیائے کوچک کی حکومت اپنے چچا زاد بھائی سلیمان بن قتلمش کے سپرد کردی۔ جو بعد میں ایک مدبر حکمران اور ایک ماہر سپہ سالار ثابت ہوا۔ جس نے جلد ہی اپنی حدودِ[2] سلطنت کو جانب شمال ہلسپانٹ تک اور جانب مغرب بحیرۂ روم تک بڑھا لیا۔ اور قیصر کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ سلیمان نے نائس (صوبہ بانھیپا) کو اپنا دارالحکومت بنایا جو جنگ صلیبی تک برقرار رہا۔ اور جب جنگ صلیبی میں یہ ملک نکل گیا تو تونیہ (اکونیم) کو صدر مقام بنایا۔ اور یہ حصۂ ملک تاتاریوں کے تاخت و تاراج تک سلیمان کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔ اور ۷۰۰ھ میں دولت عثمانیہ کے قبضہ میں چلا گیا۔ جس کی تفصیل تاریخ عثمانیہ میں پڑھنا چاہیے۔

بغاوت فضلویہ شبانکارہ

فتوحات روم سے فارغ ہوکر سلطان الپ ارسلان اور خواجہ نظام الملک رے کو واپس آئے اور انتظامات ملکی میں مصروف رہے لیکن فضلویہ کی بغاوت کی شہرت سن کر اس کی سرکوبی کے لیے ۴۶۴ھ (۱۰۷۱ء) میں پھر فارس کی طرف روانہ ہوئے فضلویہ کا مختصر حال یہ ہے کہ فضل[3] بن حسن ملقب بہ فضلویہ حکمرانان شبانکارہ[4] کی نسل سے تھا۔ اور الپ ارسلان

[1] تاریخ اسلام رائٹ آنریبل امیر علی صاحب بالقابہ صفحہ ۳۱۲ (باب ستم)۔ [2] حدود اربعہ سلطنت قونیہ کے یہ ہیں۔ جانب مغرب بحر روم و خلیج قسطنطنیہ و بحر القرم جانب جنوب بلاد شام و جزیرہ جانب مشرق ارمینیہ جانب شمال بلاد کرج و بحر القرم" حصہ ایشیائے کوچک کہلاتا ہے حاشیہ مختصر الدول صفحہ ۳۹۰۔ [3] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۔ کتاب الوصایا۔ دوسرا حصہ کتاب ہذا۔ صفحہ ۳۱۵ مرآت البلدان ناصری صفحہ ۲۴۔ فارس نامہ ناصری صفحہ ۲۳ و ۲۳۳۔ جلد دوم [4] شبانکارہ فارس کے اس حصہ کا نام ہے جو شیراز کے جنوب اور مشرق میں واقع ہے اور جس کا صدر مقام ایج تھا۔ قاضی عضد الدین بن عبدالرحمٰن ایجی۔ شیخ قطب الدین محمد ایجی۔ ملا صفی الدین ایجی (استاد علامہ جلال الدین دوانی) مشاہیر علما اسی خاک سے ہیں حکمرانان شبانکارہ کا سلسلہ نسب اردشیر بابک تک پہنچتا ہے۔ ابتدا میں اس خاندان کے بزرگ شاہی گلہ بان تھے۔ لہذا شبانکارہ کہلائے۔ فضل کا باپ حسن فخر الدولہ دیلمی کی فوج کا سپہ سالار تھا لیکن اس خاندان میں فضل بن حسن ملقب بہ فضلویہ سب سے زیادہ مورخ ہے

کی سفارش سے سلطان طغرل بیگ نے ر ۴۵۵ھ میں بلادِ فارس کا ٹھیکہ دیدیا تھا فضلویہ نے صوبہ فارس کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ خود داراب میں رہتا تھا۔ اور شیراز میں اُس کا نائب حکومت کرتا تھا۔ جب الپ ارسلان روم کی مہم میں معروف ہوا تو میدان خالی پاکر فضلویہ نے بغاوت شروع کی اور ادائے خراج سے انکار کیا۔ تب خواجہ نظام الملک کی سپہ سالاری میں فارس پر فوج روانہ کی گئی چونکہ فضلویہ میں سلطانی فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی لہذا وہ قلعہ تبر جہرم میں پناہ گزیں ہوا۔ یہ قلعہ قصبہ جہرم سے جانب مشرق آٹھ فرسنگ پر واقع ہے۔ اور بہ لحاظ اپنی نوعیت کے ناقابل فتح ہے۔ اس واقعہ کو خواجہ نظام الملک نے کتاب الوصایا میں خود لکھا ہے۔ چنانچہ خواجہ کا بیان ہے کہ قلعہ کا محاصرہ صرف ایک رات رہا۔ اور صبح کو یکایک قلعہ سے الاَمان کی صدا بلند ہوئی اور فضلویہ نے خراج دینا منظور کرلیا۔ اس واقعہ پر عام حیرت تھی کہ جو قلعہ برسوں میں بھی فتح نہ ہو سکتا تھا۔ اس کے قلعدار نے کیونکر اطاعت قبول کرلی۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ رات بھر میں قلعہ کے تمام تالاب اور حوض خشک ہوگئے تھے۔ اس سے محصورین اماں کے طالب ہوئے تھے۔ حقیقت میں یہ خواجہ نظام الملک کی نیک نیتی اور زہد و پارسائی کا اثر تھا کہ غیب سے قلعہ کے فتح کا سامان ہوگیا اور بتاریخ ۲۹ ستمبر ۱۰۷۱ء یوم پنج شنبہ محرم ۴۶۴ھ یہ فتح نصیب ہوئی۔ ایک عیسائی مؤرخ[لہ] نے اس واقعہ کو پڑھ کر یہ رائے لکھی ہے کہ "خواجہ حسن نظام الملک کو سپہ سالاری اور فنون حرب سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ بلکہ جن لڑائیوں میں وہ شریک ہوا اُس کی کامیابی کو وہ اپنی مناجات اور دعاؤں کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ اور اپنی عبادت اور خداپرستی پر بھروسہ رکھتا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب رائے ہے جس سے یوروپ کی دہریت اور لامذہبی ٹپکتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ یوروپ کو دشمن کے مقابلہ میں صرف اپنے آلات حرب اور فنون جنگ پر بھروسہ ہوتا ہے۔ اور علماء مذہب کا گرجوں میں خدا سے دعا مانگنا ایک فضول کام ہے۔ حالانکہ اگر تائید غیبی اور فضل خداوندی شامل حال نہ ہو تو فوج کی کثرت اور اُس کی قواعد دانی بالکل بےکار ہے۔ اور ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم والی دولت خداداد افغانستان تو اس قواعد کے بالکل خلاف تھے۔ ان کا یہ قول مشہور ہے کہ "مابین رقص در میدان بکار نیاید" بہرحال ہم کو مؤرخ مذکور کی رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ خواجہ حسن نظام الملک جس طرح عقل رسائے اور سیاست

لہ سرجان ملکم صاحب حالات خواجہ نظام الملک۔

ہیں ایک بے نظیر شخص تھا۔ ویسا ہی وہ آداب لشکر کشی سے بھی واقف تھا۔ وہ جیسا مدبر وزیر تھا ویسا ہی ایک تجربہ کار سپہ سالار بھی۔ اب اگر کسی خدا پرست سپہ سالار کا یہ خیال ہو کہ فتح اور شکست محض خدا کی طرف سے ہے تو اس پر یہ بدگمانی کرنا کہ وہ فن حرب سے ماہر نہیں ہے اور اپنے فرائض سے ناواقف ہے محض ایک نادانی کا خیال ہے۔ قلعہ تبر جھرم ایک عجیب و غریب طرز کا قلعہ ہے۔ لہذا اس کا نقشہ اور فرہنگ پیش کی جاتی ہے۔ جس کے ملاحظہ سے قلعہ کے اندرونی اور بیرونی حصے بخوبی سمجھ میں آجائیں گے۔ نقشہ میں جو ہندسے دیئے ہوئے ہیں اس کے مطابق فرہنگ میں دیکھنا چاہیئے۔

فرہنگ نقشہ قلعہ تبر جھرم منقول از کتاب مرأت البلدان ناصری رقم زدہ باقر خاں۔ پسر عبدالمبین خاں مرحوم اصفہانی

۱ ۔ چوٹی کوہ جھرم ۔ جو بطور پشتہ قلعہ کے چاروں طرف محیط ہے۔

۲ ۔ سنگری۔

۳ ۔ فاصلہ درمیانی پشتہ کوہ و قلعہ ۔

۴ ۔ قیام گاہ نصر اللہ خاں باغی۔ عہد ناصر الدین شاہ مرحوم (تعمیر جدید)

۵ ۔ اس حصہ قلعہ کا نام " وہ مردہ " ہے۔ اور یہی مقام توپ خانہ ہے۔

۶ ۔ میدانی حصہ

۷ ۔ برج فضل علی باغی ۔ عہد ناصر الدین شاہ بسنہ ۱۲۹۲ھ (جدید) یہ مقام قلعہ کا دروازہ ہے۔ جس کو رگ اول کہتے ہیں۔

۸ ۔ برج عالم بیں ۔ تعمیر کردہ فضل علی (جدید) اس مقام پر پہاڑ کی چوڑائی ربع فرسخ ہے۔

۹ ۔ قلعہ تبر قدیم عہد نظام الملک جس میں فضلویہ مقیم تھا۔

۱۰ ۔ راستہ بالائے قلعہ ۔ اس مقام تک ذریعہ چاہ واژونہ (الٹا کنواں) پہنچتے ہیں ۔ اور پھر اس جگہ سے بذریعہ طناب (۲۰ گز) بالائے قلعہ پہنچتے ہیں ۔ صرف ایک آدمی کے جانے کا راستہ ہے ۔ یہ رگ دوم ہے ۔

۱۱۔ یہاں گودام ہے اور کسی قدر پانی کا بھی ذخیرہ رہتا ہے۔ یہ رگ سوم ہے۔

۱۲۔ بُرج نصراللہ خاں بہارلو (جدید)

۱۳۔ چشمہ الجمع۔

۱۴۔ چشمہ کیلہ۔

۱۵۔ موقعہ توپ۔

۱۶۔ چشمہ رازیانہ۔

۱۷۔ چاہ واژونہ۔ یعنی رستہ قلعہ۔ اس مقام سے رگ اول تک ایک گھنٹہ کی مسافت ہے۔

۱۸۔ راستہ "دہ مردہ" اس رستہ سے توپیں لے جاتے ہیں۔ یہ رستہ دو گھنٹہ کا ہے۔

۱۹۔ چشمہ آب دل سیلاہاں۔ یہ چشمہ پہاڑ کے نیچے ہے۔ اور پہاڑی سوتوں سے پانی ٹپک کر حوضوں میں جمع ہوتا ہے۔ اس چشمہ کے جانب مشرق ایک چوتھائی فرسنگ پر پہاڑ کے نیچے ایک سلسلہ سیڑھیوں کا ہے جو پہاڑ تراش کر بنائی گئی ہیں۔

نوٹ:۔ قلعہ کے قدیم اور جدید حصہ پر متعدد برج ہیں اور ہر برج ایک جداگانہ نام سے موسوم ہے۔ دولت ایران کی طرف سے آج کل اس قلعہ پر سو جوان بطور چوکی پولیس کے متعین ہیں۔

مقتل سلطان الپ ارسلان

قیصر رومانوس کی لڑائی کے بعد سلطان الپ ارسلان نے اپنی عالی حوصلگی اور بلند خیالی سے یہ ارادہ کیا کہ جو علاقہ خاندان سلجوقیہ کا ابتدائی مسکن اور مولد رہا ہے اُس پر بھی قبضہ ہو جائے ۔ چنانچہ دو لاکھ فوج پیادہ اور پچاس ہزار سوار لے کر دارالسلطنت سے نکلا اور دریائے جیحون پر ایک پل باندھا ۔ اور تقریباً بیس دن میں جیحون کے پار ہوگیا ۔ سلطان کا قصد تھا کہ شمس الملک تگیں خان بن تمغاج خاں والی ماوراءالنہر پر حملہ کرے ۔ چنانچہ جیحون سے اتر کر پہلا مقام "فربر"[۲] پر ہوا ۔ اور اس جگہ تمام فوج کو دعوت دی گئی اور اسی جگہ سے ایک قلعہ پر جس کا نام "برزم" تھا (جو نہر جیحون کے کنارہ واقع تھا) حملہ کیا گیا ۔ لیکن اتفاق سے یہ قلعہ فتح نہیں ہوا جب سلطان الپ ارسلان نے دیکھا کہ اگر میں قلعہ برزم کی فتح میں اُلجھا رہوں گا تو اصلی مہم جاتی رہے گی ۔ لہٰذا یوسف خوارزمی محافظ قلعہ کو بتاریخ چھٹی ربیع الاول ۴۶۵ھ[۱] اپنے سامنے طلب کیا ۔ اور گفتگو شروع ہوئی ۔ یوسف نے سر دربار سلطان سے سخت کلامی کی سلطان کو اُس کی گستاخی ناپسند ہوئی ۔ اور غصہ کی حالت میں حکم دیا کہ "اس کو چومیخہ کر کے قتل کر دو" یہ سن کر یوسف اور برہم ہوا سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے مخنث کہیں مجھ ایسے بہادر بھی اس ذلیل طریقہ سے قتل کئے جاتے ہیں"؛ یہ سخت جواب سن کر الپ ارسلان آپے سے باہر ہو گیا اور کمان میں سہ چوبہ تیر جوڑ کر یوسف کو نشانہ بنایا ۔ الپ ارسلان ایسا قادر انداز تھا کہ اس کا تیر کبھی خطا نہیں کرتا تھا ۔ لیکن یوسف پر وار خالی گیا اور ایک تیر بھی نشانہ پر نہ لگا ۔ تب سلطان تخت سے اُٹھا کہ یوسف کو پکڑ کر خود سزا دے ۔ لیکن گوشۂ دامن تخت کے پایہ سے اُلجھا اور سلطان منہ کے بل زمین پر گر پڑا ۔ اس قدر موقع پا کر یوسف نے الپ ارسلان کو ایک ایسی چھری ماری جس کے صدمہ سے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا ؎

بشود بچو از جان خود دست پاک ۔۔۔ زند کار و بر خواجہ کمتر غلام

سعد الدولہ گوہر آئین جو سلطان کے سرہانے کھڑا ہوا تھا اُس نے یوسف کو گرفتار کر لیا ۔ جامع فراش نیشا پوری نے ایک میخ کوب یوسف کے سر پر مارا جس کے صدمہ سے اُس کی روح پرواز کر گئی ۔ بعد ازاں دیگر درباریوں نے یوسف کے ٹکڑے کر دیئے اور زخمی سلطان کو درباری خیمہ سے

---

[۱] تاریخ آل سلجوق اصفہانی ۔ صفحہ ۴۴ ۔ کامل ابن اثیر و ابن خلدون ۔ وفات الپ ارسلان ۔ و تقویم البلدان صفحہ ۴۳۱

[۲] فربر ۔ جیحون کے شرقی جانب ہے ۔ اس جگہ سے دریا کا کنارہ ایک میل ہے ۔

ایک دوسرے خیمہ میں اُٹھائے گئے۔ زخم کے صدمہ سے بروز شنبہ دسویں ربیع الاول ۴۶۵ھ ۲۴۔ نومبر ۱۰۷۲ء سلطان کا انتقال ہوگیا۔ نو برس۔ دو مہینے۔ دس یوم مستقل سلطنت کر کے چالیس برس کے سن میں انتقال کیا۔ اور مرو کے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا (الپ ارسلان بروز جمعہ بتاریخ ۲ محرم ۴۲۴ھ پیدا ہوا تھا)، قبر کے تعویذ پر حسب ذیل فارسی شعر کندہ ہے[۱]

سرالپ ارسلاں دیدی زرفعت رفت برگردوں   بمرو آ۔ تا بخاک اندر سر الپ ارسلاں بینی

مصنف تاریخ الوانی نے اس مضمون کو عربی میں اس طرح پر نظم کیا ہے[۲]۔

یامن رأی البارسلان علی فلکٍ   سام من المجد قد ضیعت کواکب

تعال وانظر فلم یبق سوی حجرٍ   ھذا التراب فقد نلت مواکبہ

اور انگریزی تاریخوں میں اسی شعر کا ترجمہ نثر میں لکھا ہوا ہے۔ جس وقت باشندگان ماوراء النہر نے سُنا کہ الپ ارسلاں دو لاکھ فوج لے کر آرہا ہے تو تمام ملک میں ہل چل پڑ گئی۔ اور شہر بخارا کے مسلمانوں نے ختم قرآن کا وظیفہ شروع کیا۔ اور خدا سے دعا کی کہ وہ ان کا حامی و مددگار ہو۔ چنانچہ اُن کی دعا مستجاب ہوئی اور سلطان آگے نہ بڑھ سکا۔ جب سلطان زخمی ہو کر اپنے خیمہ میں گیا تو درباریوں سے مخاطب ہو کر کہا:۔ کہ مجھ پر جو کچھ گذرا وہ میری خام خیالی کا نتیجہ تھا۔ افسوس ہے کہ میں نے ایک بزرگ کی دو نصیحتوں پر عمل نہیں کیا۔ ایک یہ کہ کسی کو نظر حقارت سے نہ دیکھنا۔ دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھنا۔ آج دو[۳] مرتبہ نفس امارہ نے سرکشی کی۔ اول صبح کے وقت ایک ٹیلہ پر کھڑے ہو کر

---

[۱] تاریخ پروفیسر براؤن صاحب [۲] کتاب الوانی جلد اول۔ صفحہ ۲۶۲۔ مذکورہ بالا فارسی شعر پروفیسر براؤن صاحب کی تاریخ میں درج ہے اور تاریخ گنج دانش میں یہ شعر لکھا ہے۔

بالائے چرخ دیدی الپ ارسلاں بقدر   در مرو بیں کنوں کہ بزیر تراب شد

[۳] اس مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں ذیل کی نظم میں ادا کیا ہے۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب   دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ در خلق بدبیں مباش   دگر آنکہ در خویش خودبیں مباش

[۴] تاریخ نگارستان صفحہ ۱۶۰

کامل اسیر جلد ۱۰۔ صفحہ ۲۶،۲۵

جب میں نے فوج کو دیکھا۔ تو کثرت فوج سے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آج دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی میرا مقابلہ کر سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنی طاقت پر بھروسہ کیا حالانکہ ایک ہزار جاں دار (غلامان خاصہ) میرے سامنے موجود تھے۔ مگر میں نے اُن کو منع کیا کہ وہ یوسف کو نہ روکیں۔ درحقیقت اگر میں اپنے کاموں میں خدا سے مدد مانگتا تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ اور اب میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔"

زخمی ہونے کے بعد سلطان نے ایک دربار کیا۔ اور اپنے بیٹے ملک شاہ کے سر پر تاج سلطنت رکھا اور اس کی رفاقت کا تمام سرداروں سے حلف لیا۔ اور ملک شاہ کو وصیت کی کہ وہ تمام سلطنت کا انتظام نظام الملک کے مشورہ سے کرتا رہے جو ایک خدا پرست اور مدبر وزیر ہے۔ اور اپنے دوسرے بیٹے ایاز کے حق میں یہ وصیت کی کہ اُس کو پانچ لاکھ دینار دے دینا۔ اور قاروت بیگ بن داؤد کو فارس اور کرمان کی حکومت سپرد کرنا اور کسی قدر نقدی کے لئے بھی ہدایت کی۔ اور اُمرائے دولت سے یہ بھی اقرار لے لیا کہ میری وصیت کی تعمیل کی جائے اور اگر میرے حکم کی تعمیل نہ ہو تو تم تلوار سے کام لینا۔ اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھتا ہوا انتقال کر گیا۔

سیرت سلطان الپ ارسلان

سلطان الپ ارسلان ایک نہایت فیاض اور عادل بادشاہ تھا۔ کسی کی شکایت کبھی نہیں سنتا تھا۔ جس کی تصدیق خواجہ نظام الملک نے اپنے ایک ذاتی واقعہ سے کی ہے[1]۔ حدود سلطنت کو اس عہد میں بڑی ترقی ہوئی اور بہ لحاظ رقبہ حکومت لوگ اس کو "سلطان عالم" کہتے تھے۔ خدا کی نعمتوں کا بڑا شکر گذار تھا۔ اور بے حد صدقات کا دینے والا۔ رمضان المبارک میں پندرہ ہزار دینار خیرات کرتا تھا۔ دفتر میں ایک رجسٹر رہتا تھا جس میں تمام سلطنت کے ان فقراء اور مساکین کے نام درج تھے جن کو گھر بیٹھے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ اس بادشاہ نے خالص مال گذاری کے علاوہ کبھی رعایا سے کسی قسم کا تاوان اور جرمانہ وصول نہیں کیا۔ اور سال میں صرف دو مرتبہ خراج وصول کیا جاتا تھا۔ اوقات فرصت میں شاہنامہ اور سکندر اعظم کی فتوحات اور قدیم بادشاہوں کی تاریخ سنا کرتا تھا۔ علاوہ باطنی اوصاف کے نہایت خوبصورت۔ وجیہہ اور طاقتور تھا۔ مذہب اسلام کا ایک زبردست حامی تھا۔ اور مذہبی توہین کو ایک منٹ کے لئے بھی جائز نہ رکھتا تھا۔ ہر شہر میں مسجدیں تعمیر کرائیں۔ ایفائے عہد میں ضرب المثل تھا۔

---

[1] دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۲۴۵

خلیفہ قائم بامراللہ کا بہت ادب کرتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ نہ بغداد جا سکا اور نہ خلیفہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کے عہد سلطنت میں ہر شہر میں مدرسے جاری ہوئے جس سے علم کا فیض عام ہو گیا۔ باشندگان فارس کا یہ قول صحیح ہے۔ کہ "جن وحشی تاتاریوں سے ہم کو اندیشہ تھا۔ اور جن کی حکومت کو ہم ایک آفت ناگہانی سمجھتے تھے۔ اُن کے آنے سے ملک کی قسمت کھل گئی"۔ لیکن الپ ارسلاں کو جہاں خدا نے اور نعمتیں دی تھیں۔ اُن میں سب سے بڑھ کر خواجہ نظام الملک کی ذات تھی۔ تمام مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ الپ ارسلاں کے دور حکومت کی ترقی کا باعث خواجہ نظام الملک کی حکمت عملیاں تھیں۔ ڈاڑھی بہت لانبی تھی۔ چنانچہ طاقیہ (ایک قسم کی لانبی ٹوپی) کی چوٹی سے نیچے تک ڈاڑھی کی مقدار دو گز ہوتی تھی (از کلہ کلا ہش تا پائیں بجسبہ) اور چوگاں بازی (پولو) کی حالت میں ڈاڑھی میں تین گرہ لگا لیتا تھا۔ سیاست کا یہ حال تھا کہ ایک غلام نے کسی دیہاتی کی پگڑی چھین لی۔ جب وہ فریادی ہوا تو تحقیقات کی گئی۔ ایک غلام گرفتار ہو کر سامنے آیا اُسی وقت قتل کا حکم دیا اور اُس کی نعش تین مہینے تک سولی پر لٹکتی رہی اور کسی کی طاقت نہ تھی کہ اُس کو دفن کرے۔ بادشاہوں کے سفیر جب سامنے آتے تھے۔ تو اُس کی ہیبت اور جلال سے کانپنے لگتے تھے۔ وسعت سلطنت کا یہ حال تھا کہ تمام ممالک مقبوضہ میں بارہ سو ماتحت حکمراں تھے۔ دسترخوان شاہی بہت وسیع تھا یہاں تک کہ میدان کارزار اور شکار گاہ میں بھی وسیع پیمانہ پر انتظام ہوتا تھا۔ علاوہ شاہی دسترخوان کے باورچی خانہ میں روزانہ فقرا اور مساکین کے لئے پچاس بکریاں ذبح ہوتی تھیں۔ اس کے عہد میں جو عمارت بنائی جاتی تھی اُس کی نسبت حکم تھا کہ وہ بہت بلند و مستحکم اور شاندار ہو۔ کیونکہ سلطان کا خیال تھا کہ یہ آثار عالی ہمتی اور وفور نعمت پر زمانہ آئندہ میں دلالت کرتے رہیں گے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر شاندار عمارت بنوائی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۴۵۹ھ میں جب سلطان الپ ارسلاں کو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے مزار پر کوئی قبہ نہیں ہے اور نہ کوئی مدرسہ ہے تو اُس نے ابوسعد محمد بن منصور شرف الملک مستوفی کو حکم دیا کہ امام صاحب کی قبر پر ایک قبہ اور ایک مدرسہ تیار کرایا جائے۔ چنانچہ کام جاری ہوا۔ اور عمارت بن کر تیار ہو گئی۔ رسم افتتاح مدرسہ بڑی شان سے ادا ہوئی۔ ابوجعفر مسعود نے جو اتفاق سے

---

[1] سرجان مالکم صاحب [2] تاریخ نگارستان صفحہ ۱۷۰ [3] دوسرا حصہ کتاب ہذا صفحہ ۲۶۶

[4] تاریخ تاریخ آل سلجوق اصفہانی سیرۃ الپ ارسلاں۔

اس موقعہ پر آ نکلا تھا۔ امام صاحب کی مدح میں یہ برجستہ اشعار پڑھے جو اُسی وقت قبہ پر لکھ دیئے گئے[1]

الم تر ان العلم کان مبددا فجمعہ ھذا المغیب فی اللحد
کذلک کانت ھذہ الارض میتۃ فانشرھا فعل العمید ابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہیں! علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا۔ پھر اس شخص نے اس کو مرتب کر دیا جو اس لحد میں مدفون ہے۔ اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی ہوئی تھی جس کو شرف الملک ابو سعد کی کوشش نے دوبارہ زندہ کر دیا۔ ابن بطوطہ کے زمانہ تک یہ مدرسہ قائم تھا۔ جس کے ساتھ مسافر خانہ بھی قائم تھا اور مسافروں کو کھانا ملا کرتا تھا۔

سلطان الپ ارسلان کی عملداری میں جس قدر عیسائی رعایا تھی اُن کو حکم تھا کہ وہ مثل نعل اشپ دا س کی شکل قریب قریب کا لرکے تھی، کے ایک نشان اپنی گردن میں ڈالے رہیں۔ تاکہ مسلمان اور عیسائیوں میں فرق امتیاز باقی رہے۔ عقل اور فراست میں اپنے سب بھائیوں سے ممتاز تھا۔ اور اسی وجہ سے سلطان طغرل بیگ نے اس کو ولی عہد کیا تھا۔ چنانچہ زمانہ ولیعہدی کا یہ واقعہ مشہور ہے۔ جس کو شمس العلماء مولانا حالی نے اپنی مسدس میں نظم کیا ہے۔

الپ ارسلاں سے یہ طغرل نے پوچھا کہ تو میں ہیں دنیا میں جو جلوہ فرما
نشاں اُن کی اقبال مندی کے ہیں کیا کب اقبال منداُن کو کہنا ہے زیبا
کہا ملک و دولت ہو ہاتھ اُن کے جب تک
جہاں ہو کمر بستہ ساتھ اُن کے جب تک
جہاں جائیں وہ سرخ رو ہو کے آئیں ظفر ہم عناں ہو جدھر باگ اُٹھائیں۔
نہ بگڑیں کبھی کام جو وہ بنائیں نہ اُکھڑیں قدم جس جگہ وہ جمائیں
کریں مس کو گر مس تو وہ کیمیا ہو
اگر خاک میں ہاتھ ڈالیں طلا ہو

---

[1] تاریخ آل سلجوق صفحہ ۴۲۔ اشعار بلا تغیر درج ہیں۔ [2] گنج دانش صفحہ ۲۰۹

ولی عہد کی جب کہ باتیں سُنیں یہ ہنسا سُن کے فرزانہ دُور بیں یہ
کہا جان عم گپ ہے گو دل نشیں یہ مگر شرط اقبال ہرگز نہیں یہ
حوادث سے بن گذارا نہیں یہاں
بلندی و پستی سے چارہ نہیں یہاں

الخ (مسدس حالی)

سلطان طغرل بیگ کی طرح، اگرچہ سپاہی تھا۔ لیکن شعرا کا قدردان تھا۔ فتوحات کے موقعہ پر شعرا مبارکبادیں قصائد پڑھتے تھے اور صلہ پاتے تھے۔ عبہری[1] غزنوی، دربار کا شاعر تھا جس کے ذیل کے اشعار بطور یادگار لکھے جاتے ہیں۔

بگردوں برین برشد بہ فخر مملکت ایراں — کہ گسترد از برش سایہ خجستہ رایت سلطاں
خداوند جہاں، الپ ارسلاں سلطان دین پرور — کہ با عدلش نماید جور یکسر عدل نوشیرواں
خداوندی و را زیبد کہ چوں تیغش شود پیدا — اگر کوہے بود دشمن بخاک اندر شود پنہاں
خداوندے کہ در سود و زیاں خوشنودی و خشمش — یکے ہولیست بے اندہ یکے درویست بے درماں
نگہ کن تا بدیں لشکر کہ طاغی گشت امرش را — چہ کرداں شاہ دریادل بادل بدعت طغیاں
بہول رعد و گشت با دو چشم ابر آزاری — بزور پیل و سہم شیر و مکر گرگ پُر دستاں
قوی چوں سد اسکندر سیہ دل چوں شب تارے — ہمہ آشفتہ چوں دریا ہمہ بے حصر چوں باراں
بیک حملہ کہ سلطاں کرد ہم چوں شیر برآہو — زخون خصم دریا شد بیک ساعت ہمہ میداں
چو سہم رائتت بند معادی زود بگریزد — چو اہرمن کہ بگریزد ز سہم آیت فرقاں
بچونین فتح فرخندہ کہ وادت ایزد داور — تو شادی کن کہ دشمن گشت زار و خستہ و پژماں
تو یار شادمانی باش تا دشمن خورد اندہ
تو جفت تندرستی باش تا دشمن بود نالاں

---

[1] مجمع الفصحا، صفحہ ۳۴۳۔ عبدالمجید نام، عبہری، تخلص، غزنیں کا باشندہ ایک نامور حکیم اور فاضل تھا۔ ملک شاہ کا بھی مداح رہا ہے حکیم سنائی ادیب صابر، اور سوزنی اس کے جلیس و ندیم تھے۔ عبہری کے علاوہ، ظہیرالدین، اثیرالدین، مجیرالدین بیلقانی، کمال الدین خجندی، شام نورنیشاپوری۔ ذوالفقار، سید عضدالدین علوی بھی اسی دربار کے شاعر تھے (از دولت شاہ سمرقندی)

سلطان الپ ارسلان نے انتقال سے قبل اپنے عزیزوں کو حسب ذیل ملک تقسیم کیے[1]

سلیمان بن داؤد چغری بیگ	بلخ
امیر انیار بخ بن بیغو	ماژندران
ارسلان ارغو برادر الپ ارسلان	خوارزم
ارسلان شاہ پسر الپ ارسلان	مرو
الیاس	چغانیہ (صغانیان)
مسعود بن ارطاس	تخارستان
مودود بن ارطاس	ولایت بغشور (لواح بادغیس) واسفراز

انتقال کے وقت سلطان کے حسب ذیل بیٹے موجود تھے۔

ملک شاہ۔ تتش تکش۔ ارغون۔ ارسلان شاہ۔ ایاز۔ بوری برس۔ چند بیٹیاں بھی تھیں۔ جن میں سے سارہ۔ عائشہ۔ صفری خاتون۔ زلیخا خاتون مشہور ہیں۔

تخت نشینی ملک شاہ

سلطان الپ ارسلان کے انتقال پر سترہ سال کی عمر میں، دسویں ربیع الاول ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء میں جلال الدولہ، ابوالفتح، ملک شاہ اپنے باپ کا جانشین ہوا — ملک شاہ کے اور بھائی بھی موجود تھے۔ مگر چونکہ ملک شاہ سب میں بڑا اور قابل تھا۔ لہٰذا[2] ۴۵۸ھ میں خواجہ نظام الملک کے مشورہ سے الپ ارسلان نے اپنا ولی عہد کیا تھا۔ اور رسم ولی عہدی بڑی دھوم سے مرغزار الکنگ رادکان (طوس)، میں ادا ہوئی تھی۔ اور اس دن الپ ارسلان کے جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ جب ملک شاہ گھوڑے پر سوار ہوکر سامنے حاضر ہوا تو رکاب پکڑ کر چند قدم چلا۔ اور مرصع تخت پر جو خاص اس تقریب کے لئے بنوایا گیا تھا۔ ملک شاہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور قیمتی خلعت پہنایا۔ اور عرصہ تک نصیحتیں کرتا رہا۔ سرداران فوج، اُمراء اور عزیزوں سے اطاعت کا حلف لیا گیا۔ اور دربار بغداد سے بھی منظوری حاصل کرلی۔

چونکہ الپ ارسلان نے حالت سفر میں انتقال کیا تھا۔ اور ماوراء النہر پر حملہ کی تیاریاں تھیں لہٰذا

---

[1] سورالقالیم تاریخ خراسان نسخہ قلمی۔ وکامل اثیر صفحہ ۱۰ جلد ۱۰ تقویم ابوالفضیا صفحہ ۱۴۳۔

[2] کامل اثیر صفحہ ۱۰ و ۲۲۔ جلد ۱۰۔ زینۃ المجالس صفحہ ۱۲۳۔ روضۃ الصفا صفحہ ۸۲۔

فوج کثیر ہم رکاب تھی۔ لیکن ملک شاہ نے آگے بڑھنا مناسب نہ جانا اور مع فوج کے تین دن میں جیحون سے اُتر کر براہ خراسان نیشا پور پہنچا۔ ایام تعزیت کے ختم ہونے پر جس قدر ممالک تابع فرمان تھے ان کے حکمرانوں کو تخت نشینی کی باضابطہ اطلاع دی گئی۔ بغداد حرمین شریفین، اور بیت المقدس میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔

جنگ قاورد بیگ اور خواجہ کی حکمت عملی

ملک شاہ ہنوز اپنے باپ کے غم میں مبتلا تھا۔ اور تخت نشینی کا جشن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ شعبان ۴۶۵ھ میں سلطان کا چچا قاورد بیگ، تاج و تخت کا دعوے دار ہو کر کرمان سے رے کی طرف بڑھا[1] خاندان میں قاورد بیگ سے بزرگ، اور با اثر کوئی باقی نہ تھا۔ اس کے علاوہ تمام ارکین سلطنت اور سرداران فوج قاورد سے رشوت لے چکے تھے۔ اور آئندہ کے لئے خاص مراعات کے اُمیدوار کئے گئے تھے۔ اب ملک شاہ کا رفیق اور محسن خواجہ نظام الملک تھا جس کے مددگار شرف الدولہ مسلم بن قریش۔ اور بہاء الدولہ منصور بن دبیس تھے۔ یہ عربی قبائل کے سردار تھے جن کی ماتحتی میں توم کرد کے جاں باز سپاہی تھے۔ چنانچہ سلطان و وزیر بھی مدافعت کے لئے تیار ہو کر نیشا پور سے روانہ ہو گئے۔ اور ۴ر شعبان کو ہمدان کے قریب، میدان کرج میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا تین شبانہ روز خوں ریز جنگ رہی۔ اور ملک شاہ فتحیاب ہوا۔ قاورد بیگ گرفتار ہو کر سامنے آیا اور عفو قصور کا طالب ہوا سلطان نے معافی نہیں دی۔ فتح کے بعد فوجی سردار مبارک باد کے لئے حاضر ہوئے اور خواجہ سے عرض کیا کہ اس فتح کے صلہ میں ہماری تنخواہ میں اضافہ کیا جائے چنانچہ خواجہ نے فوجی مشاہرہ میں سات لاکھ دینار کا اضافہ کر دیا[2] اور قاورد بیگ کو مصلحت ملکی سے مار ڈالا[3]۔ ملک میں امن وامان ہو گیا۔ ملک شاہ نے کرمان کی حکومت بدستور قاورد بیگ کے خاندان میں رہنے دی۔ اور اس کار گزاری کے صلہ میں خواجہ نظام الملک کی جاگیر میں اضافہ کر دیا۔ اور اتابک کا خطاب دے کر سلطنت سلجوقیہ کا مالک بنا دیا، اور امراء عرب اور کردوں کو بھی خلعت سے ممتاز کیا۔ سپہ سالار اعظم ساوتگین کو علاوہ جاگیر ومنصب کے عماد الدولہ کا خطاب دے کر علم ونقارہ بھی مرحمت کیا۔ اور ملک شاہ اطمینان

---

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۷۰، جلد ۱۰۔ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۶ [2] ابن خلدون تخت نشینی ملک شاہ [3] اس موقعہ پر حصہ اول کا صفحہ ۱۴۱ - ۱۴۲ دیکھنا چاہیے جس میں واقعہ کی تصریح ہے۔

سے سلطنت کرنے لگا کیونکہ سلطان کا ایک بھائی ایاز جو الپ ارسلاں کے انتقال پر بلخ میں حکمراں ہو گیا تھا۔ وہ بھی فوت ہو گیا تھا۔

اب ہم خواجہ کے وہ خاص حالات لکھتے ہیں جس کا تعلق عہد ملک شاہ سے ہے۔

خواجہ نظام الملک نے قاورد بیگ کے قتل میں جو حکمت عملی برتی وہ اس کے صائب الرائے ہونے کی ایک کامل شہادت ہے۔ لیکن ذیل کے واقعات سے بھی ظاہر ہوگا کہ نظام الملک کس درجہ عقیل اور مدبر وزیر تھا۔

خواجہ کی رائے فوج کی تخفیف پر

۴۷۳ھ میں بماہ شعبان، سلطان ملک شاہ نے بمقام رسکل فوج کا جائزہ لیا۔ اور سات ہزار سواروں کو ضرورت سے زیادہ سمجھ کر موقوف کر دیا۔ خواجہ نے عرض کیا کہ "یہ سپاہی ہیں، کاتب، تاجر، اور خیاط نہیں ہیں جو اپنی معاش کو قائم رکھ سکیں۔ بجز سپہ گری ان کا دوسرا پیشہ نہیں ہے۔ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے ضرور ہے کہ کسی دوسری سلطنت میں رجوع کریں گے۔ یا کسی کو سردار بنا کر ملک میں غارت گری کریں گے اور ان کی ذات سے اس قدر شورش ہوگی کہ بزرگوں کے جمع کئے ہوئے خزانے خالی ہو جائیں گے اور امنِ عامہ میں خلل انداز ہوں گے۔ لہٰذا ان کا موقوف کرنا عقل و حکمت کے خلاف ہے"۔ لیکن ملک شاہ نے خواجہ کی نصیحت پر عمل نہ کیا اور فوجی رجسٹر سے سات ہزار جوانوں کا نام کاٹ دیا۔ چنانچہ یہ گروہ تکش برادر ملک شاہ سے مل گیا، اور ان باغیوں کی مدد سے تکش نے بوشنج، مرو رود، مرو شاہجہان ترمذ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور فتح نیشاپور کی تیاریاں ہونے لگیں لیکن تکش کے حملہ سے پہلے نظام الملک اور ملک شاہ نیشاپور پہنچ گئے۔ سلطان کی خبر سن کر تکش قلعہ ترمذ میں پناہ گیر ہو گیا۔ اور آخر میں صلح ہو گئی۔ لیکن نتیجہ وہی ہوا جو اول خواجہ نے کہا تھا[1]۔

ملک شاہ کو رومیوں کی قید سے چھڑانا

ملک شاہ[2] کے تخت نشین ہونے کے بعد، جب قیصر روم نے خانہ جنگی اور بغاوتوں کا حال سنا۔ تو وہ بھی بقصد ملک گیری ایران کی طرف بڑھا ملک شاہ بھی مقابلہ کے لئے نکلا۔ دونوں لشکر تھوڑے فاصلہ پر خیمہ زن تھے۔

---

[1] کامل اثیر صفحہ ۴۰ جلد ۱۰ و سیاست نامہ باب ۴۴۔

[2] نامہ خسروان صفحہ ۷۵۔ نگارستان صفحہ ۱۷۱۔ روضۃ الصفا بحوالہ تاریخ گزیدہ۔

لیکن ملک شاہ کی شان وشوکت سے متاثر ہوکر قیصر صلح کا خواستگار تھا۔ اور شرائط صلح کے لئے سفیروں کی آمدورفت جاری تھی۔ چنانچہ ان ہی دنوں کا واقعہ ہے کہ سلطان ملک شاہ چند سواروں کو ہمراہ لے کر شکار کے لئے نکل گیا اور رومیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے سواروں کو سمجھا دیا کہ میرا ادب ولحاظ نہ کرنا۔ اور مجھ سے معمولی برتاؤ کرنا تاکہ افشا راز نہ ہو۔ جب خواجہ کو اطلاع ہوئی تو اُس نے چند سوار لشکر سے باہر روانہ کئے اور بعد نماز مغرب اعلان کر دیا کہ سلطان شکار سے واپس آگیا ہے۔ اور خود رومی لشکر میں جاکر قیصر سے ملاقات کی۔ قیصر نے خواجہ کو بڑے تپاک سے لیا۔ اور مسئلہ صلح پر خواجہ سے مدد کا طالب ہوا۔ اثنائے کلام میں قیصر نے کہا کہ کل چند آدمی آپ کی فوج کے گرفتار ہوئے ہیں۔ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جانا خواجہ نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کی خبر نہیں ہے۔ نہ لشکر میں کسی نے ذکر کیا تھا۔ بہرحال قیدی سامنے آئیں تو معلوم ہو چنانچہ قیدی پیش ہوئے خواجہ نے ان کو مخاطب کرکے کہا کہ "تم بڑے بیوقوف ہو۔ جو لشکر سے علیحدہ ہوکر گرفتار ہو گئے۔ اگر قتل کر دیئے جاتے تو دونوں سلطنتوں کی بدنامی ہوتی کہ صلح کے زمانے میں قیدی قتل ہو گئے۔ بعد ازاں اُن کو چلے جانے کا حکم دیدیا۔ جب خواجہ قیصر سے رخصت ہوکر رومیوں کی حد سے دور نکل آیا۔ تب گھوڑے سے اُتر کے ملک شاہ سے معذرت کی اور عرض کیا کہ قیصر کے سامنے جو گفتگو کی تھی وہ مصلحت پر مبنی تھی۔ اور ملک شاہ کی واپسی پر بڑی خوشی منائی گئی۔ جب قیصر کو معلوم ہوا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا اور خواجہ کی عقل وفراست کی بڑی تعریف کی اس واقعہ کے خاتمہ پر مصنف نگارستان نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں۔

حکیم گفت کہ تقدیر سابق است و لے ۔۔۔ بہ ہیچ حال تو تدبیر خود فرو مگذار
کہ گر موافق حکم قضا ست تدبیرت ۔۔۔ بہ کام دل رسی از کار خویش برخوردار
وگر مخالف آں ست واردت معذور ۔۔۔ کسے کہ دارد ازانوار عدل استظہار

جیحون کے ملاحوں کا ایک خاص واقعہ

خواجہ نظام الملک کو یہ ہمیشہ مدنظر رہا۔ کہ ملک شاہ کی شان و شوکت کی داستان صفحات تاریخ میں باقی رہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ۴۷۱ھ / ۱۰۷۸ء میں جب سلیماں خاں حاکم سمرقند کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا۔ اور مقصد میں کامیاب ہو گیا تو واپسی کے وقت خواجہ نے جیحون کے ملاحوں کو جن کی کشتیاں کرایہ کی گئی تھیں، بجائے

نقد کرایہ ادا کرنے کے حاکم انطاکیہ (ملک شام) کے نام ہنڈی (حکم خزانہ) جاری کی کہ وہ ملاحوں کو یہ رقم خزانہ سے ادا کرے۔ چنانچہ ملاحوں نے اس کی ملک شاہ سے شکایت کی۔ تب سلطان نے خواجہ سے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ خواجہ نے عرض کیا کہ جب ہم دنیا میں نہ ہوں گے۔ تب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ملک شاہ کی سلطنت اس قدر وسیع تھی کہ ملاحان جیحوں کی اُجرت خزانہ انطاکیہ سے دلائی گئی تھی۔ سلطان اس نکتہ سے خوش ہوا۔ خواجہ کی تعریف کی۔ اور فرمایا کہ "اب میرے حکم سے آپ ان ملاحوں کو اسی جگہ کرایہ دے کر رخصت کر دیجئے"۔

سفیر روم کی واپسی کاشغر سے واقعہ مندرجہ بالا کے قریب قریب یہ روایت ہے کہ ۴۸۲ھ/۱۰۸۹ء میں ملک شاہ نے احمد خاں بن خضر خاں حاکم ماوراءالنہر پر اصفہان سے فوج کشی کی۔ روم کا سفیر اس وقت سالانہ خراج لے کر حاضر ہوا تھا، خواجہ نظام الملک اس مہم میں سفیر کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور کاشغر پہنچ کر خراج لیا۔ اور سفیر کو یہاں سے رخصت کیا۔ اس میں یہ حکمت تھی کہ رومی سفیر کو دولت سلجوقیہ کی وسعت کا اندازہ ہو اور یہ تاریخی واقعہ ہو جائے۔ کہ قیصر روم کا سفیر خراج لے کر باب کاشغر تک آیا تھا۔

فیوڈل سسٹم کا اجراء اسلام سے پہلے دنیا میں جو عظیم الشان سلطنتیں تھیں اُن کا یہ اُصول تھا کہ ملک میں جو باثر امراء سپہ گری کا جوہر رکھتے تھے اُن کو بڑی بڑی جاگیریں دے کر یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت اپنی فوج (ایک خاص تعداد معین تھی) لے کر حاضر ہوں گے۔ چنانچہ تقسیم جاگیرات کا یہ سلسلہ یہاں تک ترقی کر گیا تھا۔ کہ بڑے جاگیر دار بطور خود اپنے علاقہ کو شکمی طریقہ پر تقسیم کر دیتے تھے اور ان سے بھی وہی معاہدہ کرتے تھے جن کے خود پابند تھے۔ لیکن براہ راست ان ماتحتوں کو سلطنت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس فوجی اُصول کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ طریقہ یونان، رومۃ الکبریٰ اور ایران میں جاری تھا لیکن اُصولِ سیاست سے یہ انتظام غیر منتظم تھا اور کبھی کبھی جاگیردار باغی ہو کر تباہی سلطنت کا باعث ہوتے تھے جس کی نظیر خود روم کی عظیم الشان سلطنت تھی۔ لہٰذا اسلام کے نامور فاتح اور مشہور مدبر امیرالمومنین فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں فوج کی تنخواہ مقرر کر دی تھی۔ اور جاگیرداری کے قدیم قانون پر عمل نہیں

---

[1] نامہ خسرواں صفحہ ۵۵۔ روضۃ الصفا جلد چہارم سلاطین سلجوقی [2] کامل اثیر صفحہ ۵۸ جلد ۱۰

کیا تھا۔ چنانچہ اس عہد سے خلفا۔ عباسیہ اور دیگر سلاطین میں تقسیم تنخواہ کا قاعدہ جاری تھا۔ جب سلجوقیوں کا دور حکومت ہوا۔ تو گذشتہ خوں ریزیوں اور خانہ جنگیوں سے ملک ویران ہو گیا تھا۔ اور ہر صوبہ کا پورا خراج وصول نہ ہوتا تھا۔ لہٰذا خواجہ نظام الملک نے قدیم قاعدہ کو توڑ کر جاگیرداری کا ازسرِ نو انتظام کیا[1]۔ اور اس عمل درآمد سے ملک آباد ہو گیا اور ملکی پیداوار میں غیر معمولی ترقی ہو گئی۔ یہ انتظام خواجہ نے اس لیے کیا تھا کہ سلطنت سلجوقیہ کے تحفظ اور عروج و ترقی کا مدار فوج پر تھا۔ اور فوج کے سردار اکثر قبچاقی اور تاتاری غلام ہوا کرتے تھے۔ جن پر بادشاہ کا عزیزوں سے زیادہ اعتبار تھا۔ اور اُن سے بغاوت کا خطرہ بھی کم تھا۔ اور یہی غلام بادشاہ کے محافظ جان بھی ہوتے تھے۔ لہٰذا مشہور قلعے اور اقطاع ان کے سپرد کر دیئے گئے۔ ایسی جاگیریں فارس، مسقط، اور شام کا حصہ منقسم تھا جن کے محاصل سے جاگیردار فائدہ اُٹھاتے تھے اور فوج مرتب رکھتے تھے۔ موسم بہار میں اس قسم کی تمام فوج کو حاضر رہنا پڑتا تھا۔ اور موسم سرما میں ان کی کچھ ضرورت نہ ہوتی تھی۔ البتہ بشرط ضرورت آسکتی تھی[2]۔

فیوڈل سسٹم کا طریقہ عام طور پر فی زمانا متروک ہے۔ اور یورپ کی کسی سلطنت میں بھی جاری نہیں ہے۔ مگر اُس وقت ملکی مصلحت سے مفید تھا۔ جس کو خواجہ نے جاری کیا تھا اور سلطان صلاح الدین[3] کے زمانہ میں بھی ملک مصر میں یہی آئین تھا۔ جو خواجہ کی یادگار تھا۔

ائمہ اشعریہ پر لعن اور اس کا انسداد

خواجہ نظام الملک کے اخلاق و عادات کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دور حکومت میں وزیر عمید الملک کندری نے تمام ممالک محروسہ میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ خطبہ میں روافض پر لعن کی جاتے۔ اس کے بعد یہی حکم اشاعرہ کی نسبت بھی جاری کر دیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۴۴۵ھ میں امام الحرمین اور ابوالقاسم قشیری حافظ ابوبکر بیہقی جیسے نامور ائمہ نیشاپور سے مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے اور ان بزرگوں کے ہمراہ اور تمام علما بھی چلے گئے۔ چنانچہ اس سال حرمین شریفین میں چار سو قاضی حنفی اور شافعی مذہب کے جمع تھے۔ لیکن خواجہ نظام الملک نے وزیر ہوتے ہی یہ حکم جاری کر دیا کہ روافض اور اشاعرہ[4] پر جو لعن کی جاتی ہے وہ بند کی جاتے۔

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد سوم حالات نظام الملک [2] آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵۵ [3] دیباچہ حیات صلاح الدین نوشتہ مسٹر لین پول صاحب [4] امام ابوالحسن علی اشعری پر دکیمو نوٹ صفحہ ۱۴۳ حصہ اول۔

عمید الملک کے اس حکم سے جو فتنہ و فساد خراسان میں پیدا ہوا اُس کی تفصیل کے قبل عقائد اشعریہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ یہی عقائد باعث لعن وطعن ہوتے تھے۔

۱۔ خدا کو جائز ہے کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اُس کی طاقت سے باہر ہے۔

۲۔ خدا کو حق ہے کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے۔ بغیر اس کے کہ ان کا کوئی جرم ہو یا ان کو ثواب ملے۔

۳۔ خدا کو پہچاننا شریعت کی رو سے واجب ہے نہ عقل کی رو سے۔

۴۔ میزان (ترازو) حق ہے اور اس طرح کہ خدا نامہ اعمال کے دفتروں میں وزن پیدا کر دے گا۔

یہ وہ عقائد ہیں کہ اشعریہ کے نزدیک سنت اور اعتزال میں حد فاصل[۱] ہیں۔ اس کے علاوہ ذات، صفات، اور افعال الٰہی کے مسائل ہیں جس کا اجمالی بیان امام غزالی نے احیاء العلوم کے شروع میں کیا ہے۔

طبقات[۲] الشافعیہ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ابوسہل بن الموفق۔ رے کے ایک رئیس تھے جو فیاضی اور اخلاق میں ضرب المثل تھے ان کے مکان پر ہمیشہ علماء کا مجمع رہا کرتا تھا۔ اور شوافع واحناف کے علماء وہاں مناظرہ بھی کیا کرتے تھے۔ ابوسہل فرقہ اشعریہ میں داخل تھے۔ اور مذہبی معلومات بھی خوب رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ابوسہل وزیر السلطنت ہونے والے ہیں۔ جب عمید الملک نے سُنا تو پریشان ہو گیا اور یہ تدبیر کی کہ طغرل بیگ سے فرقہ مبتدعہ پر لعن کی اجازت حاصل کی اور اسی زمرے میں اشعریہ کو بھی داخل کر دیا۔ اور علماء اشاعرہ کو درس و تدریس اور وعظ و نصیحت سے روک دیا۔ اور بعض معتزلین کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے، اپنا مؤید بنا لیا اور سلطان کو علماء شافعیہ سے عموماً اور اشعریہ سے خصوصاً بدظن کر دیا۔ اور جمعہ کے دن علانیہ توہین و تذلیل ہونے لگی جس طرح بعض بنی اُمیہ کے عہد میں سر منبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توہین ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ابوسہل اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے اُٹھے۔ لوار فوج سے امداد چاہی۔ مگر وزارت کے اثر سے کامیابی نہ ہوئی۔ اور نہ سلطان تک رسائی ہو سکی۔ مجبوراً تمام ملک کے علماء کو توجہ دلائی گئی اور عمید الملک کو بھی اطلاع دی گئی۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر عمید الملک نے بالزام بغاوت (بمنظوری سلطان) ابوسہل رئیس الفراتی، امام قشیری اور امام الحرمین کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ ابوسہل تو اجرا حکم سے پہلے رے سے چلے گئے۔ اور امام الحرمین بھی کرمان ہو کر حجاز کو تشریف

۱؎ علم الکلام صفحہ ۵۶ ۲؎ طبقات جلد ثانی تذکرہ علی بن اسمٰعیل از صفحہ ۲۷۰ تا صفحہ ۲۷۶۔

لے گئے۔ لیکن امام قشیری اور رئیس الفراتی گرفتار ہو گئے اور قلعہ قہندز کمن دژ میں قید کر دیئے گئے۔ قید میں کچھ ہی ایک مہینہ گذرا تھا کہ ابو سہل نے ناحیہ باخرز سے ایک جنگ جو جماعت فراہم کر کے قہندز پر حملہ کا قصد کیا اور قلعدار سے قیدیوں کو مانگا۔ اس نے انکار کیا اور مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ چنانچہ مقابلہ میں قلعدار زخمی ہو گیا اور رئیس الفراتی اور امام قشیری رہا ہو کر ادھر ادھر چلے گئے۔ عمید الملک نے سلطان سے واقعہ بیان کر کے ابو سہل کی گرفتاری کا حکم حاصل کیا۔ اور بمقام رے آکر گرفتار کر لیا اور تمام مال و اسباب و جائداد کو ضبط کر کے نیلام کیا۔ اور ابو سہل کو کسی قلعہ میں قید کر دیا۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک نے وزیر ہو کر اس فتنہ کا استیصال کیا اور عمید الملک عبرت انگیز طریقہ سے قتل کر دیا گیا جو علماء و فقہا کی بددعاؤں کا اثر تھا۔

فرقہ اشعریہ کے متعلق علماء کے فتوے | واقعہ مذکورہ کے ذیل میں یہ بھی قابل تحریر ہے کہ مخالفین اشعریہ کی نسبت علماء نے ۴۳۶ھ میں حسب ذیل فتویٰ لکھا تھا۔

استفتاء

ا۔ ائمہ دین کا اس گروہ کی نسبت کیا حکم ہے جو فرقہ اشعریہ کی تکفیر اور لعن و طعن کرتا ہے۔ اور وہ کس سلوک کا مستحق ہے؟

جواب

اصحاب حدیث کا اتفاق ہے کہ امام ابوالحسن اشعری، ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ اور ان کا وہی مذہب ہے۔ جو اہل حدیث کا ہے۔ انھوں نے اصول دیانات میں اہل سنت کے طریقہ کو ملحوظ رکھکر مخالفین اہل سنت کی خوب تردید کی ہے۔ معتزلہ، روافض، خوارج کے لئے وہ ایک برہنہ شمشیر تھے۔ جس نے ان پر لعن و طعن کیا یا سب و شتم سے پیش آیا اس نے گویا تمام اہل سنت پر لعن و طعن کیا۔ کتبہ عبدالکریم بن ہوازن القشیری" اور امام علماء کے دستخط کے محمد بن علی الخبازی، شیخ ابو محمد جوینی، عبداللہ بن یوسف، ابوالفتح شاشی، علی بن احمد جوینی، ناصر العمری، احمد بن محمد ایوبی، علی بن محمد ایوبی، ابو عثمان الصابونی، ابو نصر بن ابو عثمان الصابونی، شریف بکری، محمد بن الحسن، ابی الحسن لمقابادی۔

ان کے علاوہ عبدالجبار اسفرائنی نے بزبان فارسی یہ عبارت لکھی "این ابوالحسن اشعری آں امام ست کہ خداوند عزوجل ایں آیت درشان وے فرستاد "فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ"۔ و مصطفی علیہ السلام دراں وقت بجانب وے اشارت کرد بابو موسی اشعری فقال ہم قوم ہذا"۔ کتبہ عبدالجبار علی بن محمد اسفرائنی"

۲۔ اسی مضمون کا دوسرا استفتا علمار بغداد سے حاصل کیا گیا جس کا یہ جواب ہے۔

"جس نے ایسا کیا اس نے بدعت کی اور فعل ناجائز کا مرتکب ہوا۔ امیر وقت کو اس کی تادیب لازم ہے۔ تاکہ خود اس کو اور دوسروں کو ایسے امور کے ارتکاب کی جرات نہ ہو۔"

"کتبہ قاضی القضاۃ ابو عبداللہ الدامغانی الحنفی"

اور قاضی صاحب کے دستخط کے بعد علمار ذیل نے اپنے دستخط ثبت کئے۔

شیخ ابواسحاق شیرازی، ابراہیم بن علی فیروز آبادی، محمد بن احمد شافعی معروف بفخرالاسلام شاشی، ابوالخطاب بن الحلولی، ابو عبداللہ قیروانی، سعد المہنی، ابوالوفا ربن عقیل حنبلی، ابومنصور الرزاز، ابوالفرج اسفرائنی ابوالحسن بن الخل، ابوالحسن علی بن الحسین ترلوی حنفی، ابوالخیر قزوینی، عمر بن احمد الخطیبی زنجانی۔

چنانچہ یہ استفتار زمانہ دراز تک قائم رہا۔ اور علمار ما بعد کی بھی وہی رائے قائم رہی جو علمار مذکورۂ بالا لکھ چکے تھے۔

خواجہ نظام الملک کے خطاب والقاب

خواجہ حسن کا پورا نام مع القاب وخطابات حسب ذیل ہے۔ "وزیر کبیر، خواجۂ بزرگ، تاج الحضرتین، قوام الدین نظام الملک اتابک، ابوعلی حسن رضی امیرالمومنین" اور اس کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ وزیر کبیر چونکہ دولت سلجوقیہ میں خواجہ حسن سے بڑھ کر کوئی دوسرا وزیر نہیں ہوا۔ لہذا ملک میں اس کا عام لقب وزیر کبیر تھا۔

۲۔ خواجہ بزرگ سلطان ملک شاہ بزمانہ ولی عہدی خواجہ کی اتالیقی میں تھا لہذا ملک شاہ تعظیماً خواجہ بزرگ کہا کرتا تھا۔

۳۔ تاج الحضرتین دولت سلجوقیہ کے دو نامور بادشاہ الپ ارسلان اور ملک شاہ کے عہد میں خواجہ وزیرالسلطنت رہا ہے۔ لہذا تاج الحضرتین مشہور ہوا۔

۴۔ قوام الدین یہ مذہبی خطاب ہے۔ اور علمار وفقہار کا عطیہ ہے۔

۵۔ نظام الملک شہرت عام کی بنا پر یہ خطاب، خواجہ کے نام سے بھی زیادہ مشہور ومعروف ہے سلطان طغرل بیگ سلجوقی نے سب سے اول اپنے وزیر ابومحمد حسن بن محمد وہستانی کو نظام الملک کا خطاب دیا تھا۔ اس کے بعد ابونصر محمد بن منصور کندری کو عمید الملک کا خطاب دیا۔

اور کُندری کے قتل کے بعد الپ ارسلان نے جب خواجہ کو وزیر اعظم مقرر کیا تو خلعت وزارت کے ساتھ نظام الملک کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اور خواجہ بالعموم اسی خطاب سے تمام عالم میں روشناس ہے۔ یہ خطاب اس درجہ معزز قرار پاگیا ہے کہ ایران و ہندوستان میں بھی سلاطین نے اپنے قابل ترین وزرا کو نظام الملک کا خطاب دیا ہے۔ گویا یہ خطاب وزیر کے فضل و کمال اور جامعیت کا ایک گراں بہا اور مرصع تمغہ ہے۔

۶۔ اتابک — ملک شاہ نے تخت نشین ہوکر۔ جب اپنی عظیم الشان سلطنت کا خواجہ حسن کو مالک بنادیا۔ اس وقت خلعت وزارت کے ساتھ اتابک کا خطاب مرحمت کیا۔ جس کے معنے بزرگ اور اتالیق کے ہیں۔ اور یہ ترکی زبان کا لفظ ہے۔

۷۔ رضی امیرالمومنین — ۴۸۶ھ میں خلیفۃ المقتدی بامراللہ نے خواجہ حسن کو رضی امیرالمومنین کا خطاب عنایت کیا تھا اور خطاب کے ساتھ جو خلعت ملا تھا۔ اس پر نقش تھا کہ "الوزیر العالم العادل نظام الملک رضی امیرالمؤمنین" اور بقول خواجہ نظام الملک یہ وہ خطاب تھا کہ جو ابتدائے دولت اسلام سے اس وقت تک کسی وزیر کو نہیں ملا تھا۔

عرب اور عجم میں جس قدر چھوٹی یا بڑی خود مختار حکومتیں قائم تھیں اُن کے فرماں روا خلافت عباسیہ سے خطاب اور خلعت حاصل کرنے کو سب سے بڑی عزت سمجھتے تھے اور جب تک دربار خلافت سے خطاب مرحمت نہ ہو ملک کی نظروں میں وہ معزز نہیں ہو سکتے تھے اور یہ صرف مذہبی عظمت کا اثر تھا۔ ورنہ خلفاء خود ان حکمرانوں کے ماتحت تھے۔

مہرِ وزارت — خواجہ کی مہر وزارت پر یہ کلمہ منقش تھا۔ "الحمد للہ علی نعمہ"

خواجہ کی جاگیر — سلطان الپ ارسلان نے اپنے عہد حکومت میں خواجہ نظام الملک کو طوس[1] کا ضلع جاگیر میں دے دیا تھا۔ اور طوس چونکہ خواجہ کا وطن اور محل ولادت تھا۔ اس لئے خواجہ کو

---

[1] طوس کی مفصل تاریخ حصّہ اول میں لکھی گئی ہے۔ اور صفحہ ۲۰ پر ایک طولانی حاشیہ ہے جس کا یہ ضمیمہ سمجھنا چاہیے طوس کے قریہ نادک میں خواجہ نصیرالدین طوسی نے ایک برج بنایا تھا۔ جس میں سال کے حساب سے بارہ دروازے تھے۔ اور ہر مہینہ کا ہلال اپنے مقابل کے دروازہ سے نظر آتا تھا۔ چنانچہ یہ برج خواجہ کے کمال ریاضی دانی کا نتیجہ تھا۔ خواجہ کی مدح اور موت کے متعلق یہ اشعار بھی یادگار ہیں۔

(باقی در صفحہ آئندہ)

طوس کی ترقی اور سرسبزی کا بہت خیال تھا۔ اور قدرتی طور پر بھی صوبہ خراسان میں یہ ضلع نہایت زرخیز تھا۔ اور سیر و تفریح کے لئے جلب[1]۔ آبگینہ، حبس، اسیاکوہ، یاقوتی، سلطان میدان، پل خاتون، صغد علبہ اور رادکان، جیسی مشہور و معروف مرغزار موجود تھے۔ چنانچہ رادکان کی نسبت جغرافیہ نگاروں کا دعویٰ ہے کہ غوطہ دمشق، صغد سمرقند، شعب بوان، اور مرج شدان (یہ دنیا کی چار جنت ہیں)، کے بعد رادکان کا درجہ ہے الپ ارسلان نے یہاں شان دار عمارتیں بنوائی تھیں۔ اور ملک شاہ بھی معہ ترکان خاتون کے اکثر رادکان میں رہا کرتا تھا۔

قومس جاگیر کا دوسرا ضلع قومس (کومس) تھا۔ قومس جبل طبرستان سے ملحق ہے۔ جس میں دامغان[2] اور بسطام جیسے عظیم الشان پرگنے واقع ہیں۔ چنانچہ ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر جنگ قاورد کے بعد ہی یہ ضلع خواجہ کو دیدیا تھا، ان اضلاع کی آمدنی خواجہ کے ذاتی مصارف کو کافی تھی۔ اس کے علاوہ ہر تقریب اور خاص کارگزاریوں کے موقعہ پر انعام ملا کرتے تھے۔

قطارت نافعہ خواجہ نظام الملک نے اپنی اُنتیس سالہ عہدِ وزارت میں صیغہ رفاہ عام (پبلک ورکس) کو بڑی ترقی دی تھی۔ سلطنت کی طرف سے بھی ہمیشہ بڑے پیمانہ پر کام جاری رہتا تھا۔ لیکن بحیثیت وزیر اعظم، اپنی ذاتی جاگیر سے بھی خواجہ نے اس مد میں لاکھوں دینار صرف کر دیئے تھے۔ ممالک محروسہ کے ہر بڑے شہر اور قصبہ میں خواجہ نے سرائے، رباط، مساجد، اور شفا خانے بنوائے تھے۔ اور یہی حال تعمیر مدارس

مدح

زاول اندر طوس کردند آں سہ کس را اختیار — آں یکے عالم، دوم شاعر سہ دیگر شاں وزیر
در بماعت، در فصاحت، در وزارت برگذشت — از نظام الملک و غزالی و فردوسی نصیر

مادہ وفات

ہفدہم از ماہ ذی الحجہ، دوشنبہ، وقت شام — سال ہجرت ششصد و ہفتاد و دو ناقص نہ تم
خواجہ عالم نصیر الدین طوسی از قضا — نقل کرد از خطۂ بغداد تا دار السلام

---

[1] صور الاقالیم حالات طوس نسخہ قلمی [2] دامغان۔ رے اور نیشاپور کے درمیان واقع ہے اور دامغان سے دو منزل کے فاصلہ پر بسطام ہے۔ یہ دونوں مقامات بمنزلہ چھوٹے شہروں کے ہیں، اور خوب آباد ہیں۔ خصوصاً بسطام تجارت کی منڈی ہے موجودہ آبادی ..۹ نو سو مکانات کی ہے۔ جس میں مازندرانی، خراسانی، اور ترکمانی قبائل آباد ہیں۔ اس شہر کی خصوصیات میں یہ بات ہے کہ کوئی بسطامی مرض عشق میں مبتلا نہیں ہوتا ہے اور اگر کوئی سودا زدہ عاشق بادیہ پیمائی کرتا ہوا، یہاں آجاتے تو پانی کا ایک گلاس اس کے عشق کو زائل کر دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کوئی شخص درد چشم میں بھی (باقی در صفحہ آئندہ)

کا تھا (تفصیل نظامیہ کے حالات میں ہے)، چنانچہ بغداد کی سرائے نظامیہ اور نیشاپور کا شفاخانہ نظامیہ بہت مشہور ہے، حجاز کا راستہ اول نہایت خطرناک اور سنگلاخ تھا۔ جس کو خواجہ نے قافلوں کی آمد کے لائق بنا دیا۔ اور حرمین شریفین میں محض حجاج اور زائروں کے قیام کے لئے مکانات بنوائے۔ اور مصارف کے لئے اوقاف جاری کر دیئے۔[۱]

دیوان الانشاء سلاطین عجم نے انتظام ملکی کے واسطے اہل کاروں کی جو تقسیم کی تھی اس میں سب سے بڑا عہدہ وزارت کا تھا۔ چنانچہ عہد اسلام میں بھی بادنیٰ تغیر یہ عہدہ قائم رکھا گیا جو صدر اسلام اور عہد بنی امیہ سے ترقی کرتا ہوا، خلافت بنی عباس میں انتہائے عروج پر پہنچ گیا۔ اور اس عہد میں علمائے سیاست نے وزارت کو دو درجوں پر تقسیم کر دیا تھا۔

اول وزارت تفویض[۲] یہ وزارت ایسی تھی کہ جس میں خلیفہ کسی شخص کو وزیر مقرر کر کے تمام سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتا تھا۔ چنانچہ برامکہ اور خواجہ نظام الملک اسی درجہ کے وزیر تھے؛

دوسری وزارت تنفید تھی اس وزارت میں خلیفہ اور سلطان کے احکام و قوانین کا اجرا کرنا صرف وزیر کا کام تھا۔ اور یہ وزیر سلطنت اور رعایا کے مابین صرف ایک واسطہ ہوتا تھا۔ جس کو اعلیٰ عہدہ داروں کے عزل و نصب اور انتظام سلطنت میں کسی قسم کا اختیار نہ ہوتا تھا۔ بہرحال دونوں وزارتوں کے ماتحت ایک منتخب عملہ ہوتا تھا۔ جس میں متعدد اقسام کے منشی ملازم ہوتے تھے اور پھر ہر مد میں ایک خاص شخص افسر ہوتا تھا۔ جس کی ماتحتی میں چھوٹے چھوٹے اہل کار مقرر ہوتے تھے اور اس بڑے دفتر کا نام دیوان الانشاء تھا۔ جو زمانہ حال میں سکرٹریٹ آفس کے نام سے تبدیل ہو گیا ہے۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک کی ماتحتی میں بحیثیت وزیر اعظم چھ معتمد (سکرٹری) علاوہ اُن کے نائبوں کے تھے جس کی تفصیل[۳] یہ ہے۔

۱۔ کمال الدولہ، ابو الرضی، فضل اللہ بن محمد — صاحب دیوان الانشاء و الطغرا

۲۔ سید الرؤسا، ابو المحاسن محمد بن کمال الدولہ — نائب دیوان الانشاء و الطغرا۔

بقیہ ص ۵۰۸ - مبتلا نہیں ہوتا ہے۔ شاپور ذو الاکتاف کا تعمیر کردہ قلعہ موجود ہے۔ ہوا معتدل ہے باغات کی کثرت ہے میوہ اور غلہ خوب پیدا ہوتا ہے۔ سرائے اور حمام بھی موجود ہیں بازار میں روس کا مال تجارت بکثرت موجود رہتا ہے، امام محمد بن جعفر صادقؒ کے مزار پر سنگ لرزاں کا ایک منارہ پچیس گز کا طولانی موجود ہے جو عجائبات سے ہے صفحہ ۱۳۔ گنجدانش و مرآۃ البلدان صفحہ ۲۰۹

[۱] طبقات الکبریٰ جلد سوم حالات نظام الملک ۱۲ [۲] احکام السلطانیہ صفحہ ۱۲۔ [۳] تاریخ آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۵۷ لغایتہ

۳۔ شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور بن محمد — صاحب دیوان الزمام والاستیفار

۴۔ استاد ابو غالب البرادستانی — نائب دیوان الزمام والاستیفار

۵۔ مجد الملک ابوالفضل اسعد بن محمد البلاساتی — مستوفی الممالک

۶۔ ابن بہمن یار فارسی ملقب بہ عمید الدولہ — کاتب

۷۔ مجیر الدولہ۔ ابوالفتح علی بن حسین لاردستانی — کاتب الرسائل

۸۔ سدید الملک ابو المعالی المفضل بن عبدالرزاق بن عمر — عارض الجند

۹۔ تاج الملک ابوالغنائم المرزبان بن خسرو فیروز — منتظم خزانہ و ناظر حرم (وپرائیویٹ سکریٹری ترکان خاتون)

عہدہ داران مذکورہ بالا اپنے اپنے فن میں انتخاب تھے۔ جن کی سوانح عمری لکھنے کا یہ موقعہ نہیں ہے، البتہ اُن کے فرائض کا مختصر بیان لکھنا ضروری ہے "تاکہ زمانہ قدیم کی بعض مصطلحات دفتر کا ناظرین کو علم ہوجائے۔

انشار و مراسلات دنیا کی تمام قوموں کو علم انشار کی طرف ہمیشہ خاص توجہ رہی ہے اور عرب و عجم کی شیفتگی تو غیر معمولی تھی۔ یہ فن ہمیشہ سلطنت کے ساتھ ترقی کرتا رہتا ہے، چنانچہ عربی ادیبوں نے فصاحت و بلاغت اور مختصر نویسی میں جو کمال پیدا کیا تھا اُس کے ہزاروں نمونے ادبی کتابوں میں موجود ہیں۔ خلفار اور سلاطین ہمیشہ ایسے انشار پردازوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے، جو اپنے فن میں کامل ہوں۔ چونکہ دربار سے عمال اور والیان ملک کے نام احکام و فرامین جاری ہوتے تھے، اور دیگر سلاطین کو بھی اُن کی مراسلات کا جواب دینا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے دیوان الانشار اور دیوان الرسائل ایک بڑا دفتر ہوگیا تھا۔ جس کی شاخوں کا بیان تاریخ العلوم میں درج ہے۔

کاتب جو شخص علم انشار میں عدیم النظیر ہوتا تھا، وہ دربار کا کاتب مقرر کیا جاتا تھا خلفار اور سلاطین اسلام کے عہد میں کتابت کا منصب وزارت سے کچھ ہی کم ہوتا تھا۔ تمام فرامین اور توقیعات کاتب خود ہی لکھتا اور آخر میں اپنے دستخط ثبت کرتا، اور مہر شاہی کے بعد اجرا کرتا تھا۔ اس عہدہ پر ہمیشہ وہی شخص مقرر کیا جاتا تھا جو فضل و کمال کے ساتھ جوہر شرافت بھی رکھتا ہو۔ اور اخلاق و آداب میں بھی کامل ہو۔ اور رازداری اور انصاف پسندی میں بھی ممتاز ہو۔ اور علاوہ علم ادب کے تاریخ، قصص اور سیرت میں بھی دخل رکھتا ہو۔

طغرا سلطان کی شان و شوکت کے لئے جس طرح پر تاج، تخت، علم و رایت، طبل و طنبور، سکہ،

خطبہ، مُہر، طراز، نشان و مارکہ مختص علامتیں ہیں، یا خلفاء بنی امیہ اور بنی عباس کے لئے چادر، انگوٹھی اور عصا خاص علامتیں تھیں۔ اسی طرح طغرا بھی سلطنت کا ایک اہم بالشان مارکہ ہے، جو فرامین، مراسلت شاہی اور سندات جاگیر وغیرہ پر ہوتا تھا۔ طغرا میں بادشاہ کا نام مع القاب وخطاب بخط جلی لکھا جاتا تھا اور طغرا نویسی بھی خوش نویسی کا ایک شعبہ ہے۔ چنانچہ طغرا نویس کا تعلق بھی دفتر انشاء سے ہوتا تھا اور وہ کوئی جداگانہ محکمہ نہ تھا اور دولت سلجوقیہ میں، دیوان الانشا کا نام بھی۔ دیوان الطغرا رکھدیا گیا تھا۔ اور یہ طغرا شاہی دستخط کے قائم مقام ہوتا تھا۔ سلطان کو بدست خاص سے خطوط و فرامین پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ سلطان ابوالفتح مسعود بن محمد بن ملک شاہ کا نامور وزیر فخر الکتاب ابواسمٰعیل حسین بن علی اصفہانی متوفی ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء، کتابت طغرا کا موجد ہے۔ اور یہی پہلا شخص ہے جو طغرائی کے خطاب سے ممتاز ہوا ہے۔

دیوان الزمام خلافت راشدہ کے مبارک دور میں خلفاء کرام سلطنت کے تمام چھوٹے بڑے کام خود انجام دیتے تھے۔ ہر عامل اور والی تقویٰ، امانت و دیانت کا مجسم نمونہ ہوتا تھا اس لئے اُن کی کارگذاری نگرانی سے مستغنیٰ تھی، اور خود خلفاء کی ذاتی جاگیر بھی نہ تھی، جس کے لئے مستقل عملہ کی ضرورت ہو، بلکہ بیت المال کے معمولی وظیفہ پر گذر اوقات ہوتی تھی لیکن جب خلافت نے دینی پہلو چھوڑ کر دنیاوی سلطنت کا انداز اختیار کیا، اور قیصر و کسریٰ کے دستور العمل پر اسلامی سلطنت کا مدار ٹھہرا تو سلطنت کا ہر صیغہ ظہور پذیر ہوا۔ اور پھر ہر صیغہ میں متعدد عملہ کی ضرورت پیش آئی۔ سب سے بڑے دفتر یعنی وزارت کے بعد جو محکمے نظام سلطنت کے لئے ضروری سمجھے گئے اُس میں دیوان الضیاع اور دیوان الزمام کا شمار درجۂ اعلےٰ میں ہے، جس عہدہ دار کے ہاتھ میں سلطان کی ذاتی املاک اور اراضیات کا انتظام سپرد ہوتا تھا۔ وہ افسر دیوان الضیاع ہوتا تھا۔ اور سلطنت کے محاصل کا جس صیغہ سے تعلق تھا وہ دیوان الخراج (خراج میں مال گذاری، آب پاشی، جزیہ، صدقات، معدنیات، جنگلات، بحری ٹیکس، چنگی، ٹکسال کی آمدنی شامل تھی) کہلاتا تھا۔ اس دفتر کا وہ حصہ جو فوجی اور ملکی اخراجات سے متعلق تھا اُس کا نام دیوان الزمام تھا، جو اسلامی ریاستوں میں آج بھی بخشی گری کے خطاب سے ممتاز ہے۔

دیوان الاستیفاء دیوان الخراج کی جو تشریح اوپر بیان کی گئی ہے، اُس کا عمل درآمد خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے عہد سلطنت میں تھا، لیکن دولت سلجوقیہ میں محاصل سلطنت کا جو دفتر

تھا وہ دیوان الاستیفار کہلاتا تھا، اور مستوفی اس کا وہ اعلیٰ عہدہ دار تھا جو زمانہ حال کی اصطلاح میں مہتمم دفتر محاسبی اور اکاؤنٹنٹ جنرل کہلاتا ہے، اور وزارت کے بعد یہ سب سے بڑا منصب ہے۔

دیوان الجند فوجی دفتر کا نام دیوان الجند ہے، جس کے بانی امیر المومنین فاروق اعظمؓ ہیں، ابتداً اس دفتر کا نام صرف دیوان تھا، لیکن بنی اُمیہ اور بنی عباس کے عہد دولت میں جب فوجوں کا باضابطہ انتظام وسیع پیمانہ پر ہوا، تو محکمہ کا پورا نام دیوان الجند قرار پایا۔ اور اس محکمہ نے عہد اسلام میں اس قدر ترقی کی ہے جس کی ایک مستقل تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ جو افسر فوج کا جائزہ لیا کرتا تھا اس کا نام عارض تھا۔ دولت سلجوقیہ میں سپہ سالار اعظم کے بعد عارض کا درجہ تھا فوجی معائنہ جس کا دوسرا نام جائزہ، اور ریویو ہے، یہ نہایت قدیم طریقہ ہے۔ چنانچہ سلاطین یونان اور سلاطین عجم بذات خاص فوج کا معائنہ کرتے تھے۔ جس میں سوار و پیادوں کی جسمانی حالت اُن کے اسلحہ، اور سواری اور تمام لوازمہ کی جانچ کی جاتی تھی۔ اور یہی طریقہ صدر اسلام سے اخیر تک قائم رہا۔ سلاطین مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر کو جائزہ کی طرف نہایت توجہ تھی۔ اور اُس کی وسعت نظر کی تعریف نہیں ہو سکتی ہے۔ سلطان طغرل بیگ اور الپ ارسلان جنگ کے موقعہ پر فوج کا جائزہ لیا کرتے تھے۔ اور ناقص و ناکارہ سپاہی چھانٹ دیتے تھے۔

لطیفہ خلیفہ المعتمد عباسی کے فوجی صیغہ کا نامور منتظم، عمرو بن لیث، ایک دن فوج کا جائزہ لے رہا تھا کہ عارض نے ایک سوار کو پیش کیا جس کا گھوڑا از حد لاغر اور کمزور تھا۔ عمرو نے سوار سے کہا "تم کو گھوڑے کا جو صرفہ ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی جورو کو کھلا کر اُس کو فربہ بنا رہے ہو۔ اور گھوڑے کو بُلا کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ تمہاری ترقی اور انعام کا ذریعہ ہے" سوار نے جواب دیا "حضور عالی! اگر میں جائزہ میں اپنی بیوی کو پیش کرتا تو اس میں شک نہیں ہے کہ اُسے دیکھکر آپ میرے گھوڑے کو موٹا تازہ بتاتے اور پاس کر دیتے" عمرو سوار کا یہ برجستہ جواب سُن کر ہنس دیا اور اُسی وقت انعام دے کر حکم دیا کہ اب دوسرا گھوڑا خرید لو۔

خزانہ خزانچی، یا مہتمم خزانہ، یہ منصب بھی لوازمہ سلطنت میں سے ہے۔ خلفاء اور دولت سلجوقیہ میں اکثر معتبر غلام اس خدمت پر مقرر ہوا کرتے تھے۔ اور خازن نداز[1] کہلاتے تھے۔

[1] جملہ عہدوں کی صراحت مقدمہ ابن خلدون، آثار الاول فی ترتیب الدول۔ تاریخ آل سلجوق اصفہانی، اور احکام السلطانیہ میں ہے۔ ہم نے اس کا خلاصہ لے لیا ہے۔

خواجہ نظام الملک کا علمی ذوق۔ مدرسہ اعظم نظامیہ بغداد کی تعمیر علوم وفنون کی اشاعت صیغہ تعلیم کی اولیات

اسلامی علوم وفنون کی تدوین اور اشاعت کے لحاظ سے، خلافت عباسیہ کے دوسرے تاجدار ابوجعفر منصور کا عہد حکومت بھی تاریخ اسلام میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ تخت نشینی کو ابھی سات ہی سال ہوئے ہیں، کہ ۱۴۳ھ میں اسلامی علوم کی تدوین شروع ہوگئی۔ قیصر روم سے یونانی کتب علمیہ کے عربی ترجمے منگائے جاتے ہیں، جن کو پڑھ کر علمائے اسلام یونانی علوم کے شوق میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ بیت الحکمۃ میں یونان، ایران، اور ہندوستان سے ہر مذہب وملت کے علماء و حکماء آکر داخل ہو رہے ہیں۔ گویا بغداد میں علم کا سیلاب اُمڈا چلا آتا ہے۔ تصنیفات کے ساتھ، باقاعدہ تعلیم کا بھی آغاز ہوگیا ہے اور ترقی کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے۔ المنصور کے بعد ہارون الرشید اور مامون الرشید کا دور آتا ہے۔ یہ وہ عہد سعادت ہے جس میں علم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ کر سارے عالم کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس ذوق اور شغف علمی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دو تین صدیوں میں دنیائے اسلام ائمہ، مجتہدین، اور محققین سے بھر گئی، اور ہر فرد ایسا جوہر کامل ہو کر نکلا، جس کی نظیر تو تین سو برس کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہو یہی وہ دور اولیں کے علماء تھے، جن میں سے ہر ایک کی ذات پر "زندہ کالج" کا صحیح اطلاق ہو سکتا تھا۔ یہ تو سب کچھ ہوا لیکن سخت تعجب ہے کہ ہنوز دار الخلافت کی چار دیواری میں کسی دار العلوم (کالج)، اور مدرسہ (سکول)، کی شاندار عمارت نظر نہیں آتی ہے۔ منصور عباسی نے قصر الذہب قصر الخلد، قبۃ الخضراء اور بغداد کی زیب وزینت کے لئے دو کروڑ درہم (ایک درہم چار آنہ) صرف کر ڈالے۔ مگر موازنہ (بجٹ) میں عمارت مدارس کے لئے ایک پائی کی رقم منظور نہیں کی گئی۔ اور یہ حالت نہ صرف بغداد کی ہے، بلکہ تمام دنیائے اسلام اس صفت میں مشترک ہے۔ یہ تاریکی اخیر ۳۵۰ھ چوتھی صدی ہجری تک قائم تھی کہ یکایک ساحل مصر سے کچھ روشنی نمودار ہوئی۔ اور طلبائے علوم یہ شعر پڑھتے ہوئے بڑھے۔

دُور سے اُمید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے
ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینی آئی ہے

اور خدا کا شکر بجالائے کہ الحاکم بامر اللہ نے ۳۹۵ھ میں ایک شاندار مدرسہ دار الخلافت مصر میں بنایا۔ یہ سب سے پہلا مدرسہ تھا۔ جو ایک سلطنت کی طرف سے رعایا کے لئے قائم ہوا اس مدرسہ کا سنگ بنیاد ایسی ساعت سعید میں رکھا گیا تھا کہ وہ سلاطین اور امراء دولت کے لئے چراغ ہدایت بن گیا۔ چنانچہ نیشاپور میں عام قومی چندہ سے ایک مدرسہ استاد ابوبکر فورک[1] کے لئے تعمیر ہوا۔ جنھوں نے ۴۰۶ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اسی شہر میں دوسرا مدرسہ بیہقیہ قائم ہوا۔ جس کے مدرس اعظم ابوالقاسم اسکاف اسفرائنی تھے۔ افسوس ہے کہ بیہقیہ کی تاریخ تعمیر کا کسی مورخ نے کچھ ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن شیخ ابومحمد عبداللہ جوینی اور امام الحرمین جوینی کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ بھی مصری درسگاہ کے بعد قائم ہوا ہے اور امام الحرمین (استاد علامہ غزالی) نے ابتدائی کتابیں اپنے والد شیخ ابومحمد عبداللہ سے پڑھیں۔ اور ان کے انتقال پر ۴۳۸ھ میں داخل مدرسہ بیہقیہ ہوئے اس مدرسہ میں تعلیم کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ اور اسی بنا پر بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اسلامی دنیا میں سب سے پہلا مدرسہ بیہقیہ ہے۔" پھر ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) میں سلطان محمود غزنوی نے دارالسلطنت غزنین میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ اور فتوحات ہندوستان کا ایک قیمتی حصہ اس پر صرف کردیا اور مصارف کے لئے دوامی جاگیر بھی وقف کی۔ بھائی کو دیکھا امیر نصر بن سبکتگین نے بھی نیشاپور میں ایک مدرسہ بنایا[2]۔ اور سعیدیہ نام رکھا۔ چوتھا مدرسہ علامہ ابواسحق اسفرائنی متوفی ۴۱۸ھ کے لئے قائم ہوا۔ پانچواں مدرسہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہوا۔ اس مدرسہ کی نسبت حکیم ناصر خسرو علوی اپنے سفرنامہ[3] میں لکھتا ہے کہ "روز شنبہ یازدہم شوال ۴۳۷ھ در نیشاپور شدم، چہار شنبہ آخریں ماہ کسوف بود۔ حاکم زمان طغرل بیگ محمد بود برادر چغری بیگ سلجوقی و مدرسہ فرمودہ بود بہ نزدیک بازار "سراجان" و آنرا عمارت می کردند۔" چھٹا مدرسہ ابوسعد اسمٰعیل بن علی بن المثنیٰ استرآبادی، صوفی اور واعظ کا تھا۔ یہ صرف ایک شہر نیشاپور کی حالت تھی۔ اور ان مدارس کو مؤرخین[4] نے "امہات المدارس" کا خطاب دیا ہے۔ لیکن عراق عرب اور عجم ہنوز نواب نظام الملک طوسی کی فیاضی کا منتظر تھا۔ آخر وہ وقت بھی

---

[1] حسن المحاضرہ۔ جلد دوم صفحہ ۱۶۸۔ ذکر الحوادث الغریبہ [2] ابن خلکان جلد اول حالات ابن فورک [3] حسن المحاضرہ۔ صفحہ ۱۵۶ [4] سفرنامہ خسرو حالات نیشاپور۔ [5] انسائیکلو پیڈیا برطانیہ میں لکھا ہے کہ سب سے پہلا مدرسہ وہ تھا جس کو مامون الرشید نے بزمانہ ولیعہدی خراسان میں قائم کیا تھا۔ لیکن اس کی تصدیق عربی، فارسی تاریخوں سے نہیں ہوتی ہے۔

آگیا کہ بغداد اور نیشاپور وغیرہ میں خواجہ کی طرف سے مدرسوں کی بنیادیں پڑیں سب سے اول ہم نظامیہ بغداد کے حالات لکھتے ہیں۔

نظامیہ کا موقعہ

آج دنیا میں نظامیہ موجود نہیں ہے۔ لہذا سب سے اول اس کا موقعہ و محل لکھنا ضرور ہے کہ وہ بغداد میں کس جگہ تھا۔ اور اس غرض کے لئے چند سطروں بطور تمہید کافی ہیں۔ خلیفہ منصور عباسی نے جب دار الخلافت کی تعمیر کا قصد کیا۔ تو عراق عرب میں موجودہ بغداد کی جانب مغرب و مشرق عمدہ قطعات آراضی کی تلاش کی۔ چنانچہ مغربی گوشہ میں وہ جگہ پسند آئی جس کا نام "کرخ" تھا۔ یہ ایک موضع تھا جس کو شاپور ذوالاکتاف نے آباد کیا تھا۔ اور مشرقی حصہ میں "ساباط" کو انتخاب کیا۔ یہ بھی ایک مشہور گاؤں تھا۔ جہاں نوشیروان عادل نے ایک باغ لگایا تھا۔ اور اس جگہ وہ اکثر مقدمات بھی فیصل کیا کرتا تھا۔ لہذا یہ مقام "باغ داد" کے نام سے مشہور تھا۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے کرخ میں نئے شہر کی بنیاد ڈالی۔ اور شہر کو بشکل دائرہ بنایا۔ اور مرکز میں ایوان خلافت تعمیر کیا۔ اور دریائے دجلہ (وادی السلام) کو وسط میں لے لیا اور شہر کو بڑی بڑی سڑکوں پر تقسیم کردیا۔ ہر سڑک کی چوڑائی چالیس گز قرار دی گئی۔ اور شہر پناہ میں چار دروازے نصب کئے گئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ باب الکوفہ۔ باب خراسان۔ باب البصرہ۔ باب الشام۔ اور ایک دروازے سے دوسرے کا فاصلہ ایک میل تھا۔ نہروں کے ذریعہ سے شہر کے مکانات اور باغات میں پانی آتا تھا۔ اور مختلف مقامات پر عبور کے لئے ایک سو چھپن پل (جسر) دجلہ پر بنائے گئے تھے۔ اور نہروں میں نہر عیسیٰ خاص اہتمام سے بنوائی گئی تھی۔ اب اس نہر کے آثار المسعودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ منصور کے بعد جب خلیفہ مہدی کا زمانہ آیا۔ تو اس نے دار الخلافت کو مغرب سے جانب مشرق منتقل کر دیا۔ اور شاہی محلات میں اضافہ کیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید و مامون الرشید نے بھی اسی حصہ کو پسند کیا۔ چنانچہ یہ مشرقی حصہ جنت کا نمونہ بن گیا۔ اور "رصافہ" کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ اور ہنوز "بغداد جدید" کے نام سے مشہور ہے۔ عہد ہارون الرشید میں بغداد کا طول ۱۲ میل اور عرض ۱۰½ میل تھا اور مردم شماری کا صحیح تخمینہ بیس لاکھ۔ خلیفہ المعتصم نے کثرت غلاموں سے مجبور ہو کر دار الخلافت کو بغداد

---

[1] تنزہ العباد فی مدینۃ بغداد۔ پروفیسر نچولیس۔ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۸ء و نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی ذکر بغداد۔ المعجم جلد ۲ تذکرہ بغداد۔

سے سامرہ[1] منتقل کر دیا۔ اور خلیفہ المعتضد نے بغداد پسند کیا۔ گویا اکسٹھ برس کے بعد آب رفتہ بجو آمد۔ بعد ازاں خلیفہ مستظہر باللہ (۴۸۷ھ – ۵۱۲ھ) نے بغداد میں ترمیم کی، اور خندق و فصیل کو از سرِ نو بنایا۔ اور مشرقی حصہ میں چار دروازے قائم کئے۔ چنانچہ پہلا دروازہ دجلہ کے سرے پر تھا۔ جس کا نام باب السلطان تھا۔ دوسرا باب الصفریہ۔ تیسرا باب الحلیہ۔ چوتھا باب البصلیہ تھا۔ اس کے بعد مشرقی حصہ میں جب آبادی غیر معمولی ہو گئی تو اندرون شہر میں باب المراتب[2] اور باب الازج وغیرہ اور دروازے بڑھائے گئے۔ اس تفصیل کے بعد اب مدرسہ نظامیہ کا موقع آسانی سے معلوم ہو جائے گا جس کا ذکر عہد قدیم کے سیاحوں اور زمانہ حال کے مورخوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

ابن جبیر کی شہادت

یہ نامور سیاح مہینہ صفر ۵۸۰ھ (۱۱۸۴ء) میں بغداد پہنچا ہے اور لکھتا ہے کہ بغداد[3] میں تیس مدرسے ہیں۔ اور سب شرقی حصہ میں ہیں۔ ہر مدرسہ کی عمارت خوبصورتی میں نادر محلات سے بہتر ہے اور سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ نظامیہ ہے۔

ابن بطوطہ کی تصدیق

ابن بطوطہ[4] ۷۲۷ھ (۱۳۲۶ء) میں داخل بغداد ہوا ہے۔ اور مشرقی بغداد کے حالات میں لکھتا ہے کہ "بغداد کے مشرقی حصہ میں بڑی ترتیب کی آبادی ہے اور بازار کبثرت ہیں اور سب سے بڑا بازار سوق الثلاثاء[5] ہے۔ جس میں ہر ہر چیز کا کارخانہ جدا ہے اور اس بازار کے وسط میں نظامیہ ہے۔ جس کی عمارت حسن و خوبی میں ضرب المثل ہے نظامیہ

---

[1] "سامرا" اصلی نام سَرّ من رای تھا۔ جو کثرت استعمال سے سامرا ہو گیا۔ بغداد اور تکریت کے مابین دجلہ کے شرقی کنارہ پر ہے۔ اور بغداد سے ۳۰ میل کا فاصلہ ہے۔ المعجم جلد ۳ [2] تمام شاہی محلات اور طبقہ اعلیٰ کے مکانات باب المراتب میں تھے۔ اور یہ گویا شاہی محلہ تھا۔ باب الازج بھی بہت بڑا محلہ تھا جس میں مثل شہر کے اور متعدد محلے آباد تھے۔ باب البصلیہ کی آبادی جنوب اور مشرق میں تھی اور شرقی حصہ باب کلواذی سے متصل تھا۔ المعجم جلد اوّل

[3] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر حالات بغداد ۱۲۔

[4] سفرنامہ ابن بطوطہ حالات بغداد [5] سوق الثلاثاء۔ اس بازار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں صرف سہ شنبہ (منگل) کو بازار لگتا تھا۔ یہ حالت آبادی بغداد سے قبل کی ہے۔ جب منصور کے زمانہ میں یہاں میدان تھا اور اطراف بغداد کے لوگ یہاں سے سودا خرید لے جاتے تھے۔ تعمیر نظامیہ کے وقت یہ سب سے آباد بازار تھا۔

کے اخیر میں مدرسہ مستنصریہ ہے۔

مصنف خلافت بغداد کی رائے مدرسہ نظامیہ کے موقعہ کے متعلق زمانہ حال کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسٹر لی، اسٹرینج صاحب، اپنی کتاب "خلافت بغداد" میں لکھتے ہیں کہ نظامیہ کالج باب الازج اور ساحل دجلہ کے درمیان میں واقع تھا جو شہر پناہ کے باب البصلیہ سے قریب تھا، اور اُس سڑک پر تھا، جو باب البصلیہ سے ہوتی ہوئی باب المراتب تک محلات شاہی کے کنارے کنارے چلی گئی تھی۔ سوق نظامیہ" ان اطراف میں ایک بہت بڑا گذرگاہ عام تھا جو شارع (ایک مشہور محلہ کا نام ہے) سے ملحق واقع ہوا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کالج دجلہ کے کنارہ رہا ہوگا۔

صاحب موصوف کی تحقیقات نہایت صحیح ہے۔ اور اسلامی جغرافیوں کے بالکل مطابق ہے نظامیہ فی الحقیقت دجلہ کے کنارے تھا جس کی صراحت آگے ہے۔

حافظ عبدالرحمٰن نامور سیاح ہندوستان کی تحقیقات حافظ صاحب[2] تحریر فرماتے ہیں کہ "مدرسہ نظامیہ بغداد کے اُس حصہ میں تھا۔ جس کو مورخین نے رصافہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج کل اس کو بغداد نو کہتے ہیں۔ زمانہ کی دست بُرد نے نظامیہ کی عمارت کو ایسا ملیا میٹ کیا ہے کہ اب اُس کا کوئی نشان تک باقی نہیں۔ باخبر لوگوں نے بیان کیا کہ جس جگہ نظامیہ تھا اب وہاں کے آثار قدیمہ کی بربادی کچھ نظامیہ ہی سے مختص نہیں۔ مدرسہ مستنصریہ[1] جو خلیفہ المستنصر باللہ کی یادگار۔ اور ساتویں صدی کے نامور مدارس میں شمار ہوتا تھا اس وقت ترکی کسٹم ہاؤس (چونگی)

---

[1] "مستنصریہ" خلیفہ المستنصر باللہ نے ۶۲۵ھ میں دجلہ کے کنارہ اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور چھ سال میں عمارت پوری ہوئی تمام خلفاء عباسیہ میں بجز مستنصریہ کے اور کوئی عمارت کسی خلیفہ کے نام سے نہ تھی۔ مذاہب اربعہ کے فقہاء، شیخ الحدیث، شیخ النحو، شیخ الفرائض، شیخ الطب، درس کے لئے مقرر ہوئے۔ کتب خانہ شاہی سے ۱۶۰ اونٹوں پر لاد کر کتابیں مدرسہ بھیجی گئیں۔ طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے مکان، فرش، خوراک، روغن، کاغذ، قلم وغیرہ دیا جاتا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایک اشرفی ماہوار وظیفہ تھا۔ ساڑھے ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر وقف تھی۔ ایوان مدرسہ میں ایک عجیب اور بیش قیمت گھڑی رکھی تھی جس کو علی بن تغلب بعلبکی نے بنایا تھا۔ انتخاب از رسائل شبلی نعمانی صفحہ ۷۳، ۷۴۔

[2] حافظ صاحب جب دوسری مرتبہ سفر کو روانہ ہوتے ہیں تو کانپور میں وقت رخصت میں نے عرض کیا تھا کہ بغداد پہنچ کر نظامیہ کے موقعہ محل کی تحقیقات ضرور کیجئے گا چنانچہ واپسی سفر پر حافظ صاحب نے بتاریخ ۱۹۳۸ء کو ایک مفصل خط لکھا جس کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔

چنگی، سائر کا دفتر، کا آفس بنا ہوا ہے اور طالب علموں کی جگہ کلرک اُس میں کام کرتے ہیں۔ زبیدہ خاتون کے مقبرہ کے سوا جو کرنخ یعنی بغداد کہنہ میں ہے۔ خلفائے عباسیہ میں سے کسی کی عمارت کا نام و نشان تک نہیں۔ مقبرہ بھی سطح زمین کے برابر ہونے کو تھا کہ حضرت سلطان المعظم کے نسبتی بھائی کاظم پاشا نے صرف کثیر سے اس کی مرمت کرا دی۔ غالباً یہ اثر اُن پسندیدہ خدمات کا ہے جو زبیدہ خاتون کی طرف سے مکہ معظمہ اور عرفات کے درمیان زائرین بیت الحرام کی آسائش کے واسطے نہر کے متعلق عمل میں آئی تھیں۔

پروفیسر نیولین کی تحقیقات | پروفیسر صاحب اپنی جغرافیہ بغداد[1] میں لکھتے ہیں کہ "سنۃ ۱۲۰۰ بنی نظام الملک مدرسہ عالیۃ سماھا بالنظامیہ ومن آثارھا الموجودۃ الان دوائر الجمرک (کسٹم ھاؤس)

الغرض اس تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ نظامیہ بغداد کے سب سے آباد مشرقی حصہ میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ اور موقعہ کے لحاظ سے اس سے بہتر دوسری جگہ نہ تھی۔ شاہی محلات اور آباد بازار سب نظامیہ سے ملحق تھے اور خواجہ نظام الملک نے خود بڑا بازار بنوایا تھا جس کی وجہ سے نظامیہ کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ افسوس ہے کہ زمانہ کے حوادث نے جس طرح اسلامی سلطنتوں اور اسلامی علوم و فنون کو مٹا دیا اسی طرح اس عظیم الشان بیت العلم کو بھی صفحہ ہستی سے محو کر دیا پروفیسر نیولین کی تحقیقات کے مطابق اُس کے آثار کا سلسلہ کسٹم ہاؤس سے جا کر مل جاتا ہے۔ اور شاعر کا یہ شعر اس کے حسب حال ہے۔

از نقش و نگارے در و دیوار شکستہ   آثار پدید است صنادید عجم را

تعمیر مدرسہ نظامیہ | خواجہ نظام الملک کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کا ایک مشہور فقیہ اور محدث تھا۔ اور اس کی مجلس ہمیشہ علماء و صوفیہ سے بھری رہتی تھی لہٰذا روشن خیال اور مدبر وزیر ملک کی فلاح و بہبود سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا ہے۔ کیونکہ ملک اور قوم میں ترقی فارغ البالی، اور عزت کا ذریعہ صرف اعلیٰ تعلیم و تربیت ہے۔ اور عام تعلیم بغیر ایک قومی بیت العلوم (یونیورسٹی) کے محال ہے۔ اس خیال سے خواجہ نظام الملک نے بڑے پیمانہ پر ایک درس گاہ

[1] تنزہ الصادوفی مدینہ بغداد صفحہ ۱۱ مطبوعہ بیروت۔

بنانے کا قصد کیا تھا۔ اور اس ارادہ کی تحریک یوں ہوئی کہ ایک دن شیخ الشیوخ ابو سعد صوفی نیشا پوری خواجہ سے ملنے آئے اور کہا کہ آپ کے نام سے مدینۃ السلام میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتا ہوں، جس کے ذریعہ سے آپ کا نام قیامت تک زندہ رہے گا" خواجہ نے کہا بہت خوب، آپ ضرور بنائیے چنانچہ خواجہ نے فراہمی سامان کے لئے اپنے وکلا کو اسی وقت حکم دے دیا۔ اور شیخ نے دجلہ کے کنارے ایک خوبصورت قطعہ آراضی خرید کیا اور بروز منگل[2]، مہینہ ذیقعدہ ۴۵۷ھ مطابق ۴ اکتوبر ۱۰۶۵ء مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور پورے دو سال کی مدت میں[3] بماہ ذیقعدہ ۴۵۹ھ (ستمبر ۱۰۶۷ء) عمارت مدرسہ بن کر مکمل ہوگئی شیخ ابو سعد نے عمارت پر خواجہ نظام الملک کا نام نقش کیا۔ مدرسہ کے چاروں طرف بازار آباد کئے گئے، اور حمامات بنائے گئے۔ اور بہت سے دیہات مصارف کے لئے وقف کئے گئے اور مدرسہ کی لاگت تعمیر ساٹھ ہزار دینار (ایک دینار پانچ روپیہ کا ہوتا ہے) ہوئی۔ اور خواجہ نے اس صرفہ کو منظور کیا۔ اور رقم شیخ ابو سعد کو ادا کر دی گئی؛ عمارت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہا۔ لیکن ۵۰۴ھ (۱۱۱۰ء) میں بہت کچھ ترمیم و تجدید ہوئی[4]۔

خزانۃ الکتب

نظامیہ کی عمارت میں ایک حصہ خزانۃ الکتب (لائبریری) کے لئے خاص تھا اور عمارت کی تکمیل کے بعد خواجہ نے ہزاروں کی تعداد سے نادر اور بیش قیمت کتابیں داخل کر دی تھیں۔ افتتاح کے بعد علامہ ذکریا تبریزی کتب خانہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ علامہ کے حالات[5] میں لکھا ہے کہ آپ ایک عیش پسند اور نفیس مزاج امیر تھے۔ دن رات عیش و طرب کے جلسوں میں رہا کرتے تھے۔ لوگوں نے خواجہ سے شکایت کی اور خواجہ نے بچشم خود تبریزی کی حالت دیکھی۔ اور شکایت کو صحیح پایا صبح کو تنخواہ میں دو چند اضافہ کر دیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے پہلے سے آپ کے مصارف کا علم نہ تھا۔ ورنہ اول ہی دن کافی مشاہرہ مقرر کیا جاتا تبریزی پر خواجہ کی اس علمی قدردانی کا اس قدر اثر پڑا کہ اپنے افعال سے تائب ہو گیا۔ علامہ تبریزی کے بعد یعقوب بن سلیمان اسفرائنی مہتمم مقرر ہوئے۔ طبقات[6] الشافعیہ میں لکھا ہے کہ طلبہ علماء میں سے جب کوئی عالم خواجہ کو تحفہ دیتا تو وہ صرف کتابیں ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ نادر کتابیں، خواجہ کتب خانہ مدرسہ میں داخل کر دیتا تھا۔ باوجود اس کے کتب خانہ

۱؎ سراج الملوک صفحہ ۱۰۴ ۲؎ توفیقات صفحہ ۲۲۹ ۳؎ حسن المحاضرہ ۴؎ سفرنامہ ابن جبیر ۵؎ نامہ خسروان صفحہ ۵۶۔
۶؎ طبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ ۷؎ حالات عبدالسلام مغربی ۸؎ طبقات جلد ۴ صفحہ ۲۹۔

مکمل نہیں تھا اور اس کمی کو خلیفہ الناصر الدین اللہ نے پورا کر دیا۔ ۵۸۹ھ / ۱۱۹۳ء میں خلیفہ مذکور نے شاہی کتب خانہ سے نادر کتابیں مدرسہ میں داخل کر دیں[۱]۔ ۵۱۰ھ / ۱۱۱۶ء میں کتب خانہ میں آتش زدگی ہوئی۔ اور انہیں تک جل کر راکھ ہو گئیں مگر خواجہ کی نیک نیتی کا یہ اثر تھا کہ ایک کتاب بھی نہ جلنے پائی اور سب نکال لی گئیں۔ خواجہ کو جب بغداد آنے کا اتفاق ہوتا تھا تو وہ مدرسہ ضرور دیکھتا تھا اور کتب خانہ میں جا کر کتب بینی کرتا، اور حدیث روایت کرتا[۲]۔

نظامیہ کے اطراف و جوانب اول تو نظامیہ کا موقعہ قدرتی طور پر دل کش تھا۔ لیکن اُس کی زیب و زینت کے لئے علاوہ بازاروں کی آبادی کے خواجہ نے ایک تدبیر یہ بھی کی تھی کہ مدرسہ کے قریب اپنی سکونت کے لئے ایک حویلی بنائی تھی۔ جس کی تقلید میں خواجہ کے بیٹوں جمال الملک، اور مؤید الملک نے بھی کوٹھیاں تعمیر کی تھیں اور اُس میں رہا کرتے تھے[۳]۔ جس کی وجہ سے مدرسہ کی نگرانی بھی خوب ہوتی تھی۔ اور مدرسہ کے زریں متن پر یہ سنہرے حاشیے اور بھی غضب ڈھاتے تھے۔

نظامیہ کی وسعت افسوس ہے کسی تاریخ میں ہماری نظر سے یہ نہیں گذرا کہ جس آراضی پر نظامیہ تھا۔ اس کا رقبہ کس قدر تھا۔ لیکن مورخین کا بیان ہے کہ نظامیہ کی عمارت جیسی عظیم الشان تھی اسی قدر وسیع بھی تھی اور شاہی محلات کے ہم پلہ۔ علامہ ابو اسحٰق شیرازی کے حالات میں لکھا ہے کہ جس دن علامہ درس کے لئے مدرسہ تشریف لائے ہیں تو علاوہ ہجوم طلباء کے سارے بغداد کا نظامیہ کے اندر مجمع تھا۔ یہ زمانہ (عہد خلیفہ القائم بامر اللہ) اگرچہ انحطاط کا تھا۔ تاہم دس اور پندرہ لاکھ کے بین بین مردم شماری سمجھنا چاہیئے۔ اس آبادی کا انتخابی حصہ بھی قابل غور ہے کہ وہ کس قدر ہوگا۔ اور نظامیہ کے ہال کتنے لمبے چوڑے تھے۔ جس نے اس مجمع کو جذب کر لیا تھا۔ تاریخ کامل[۴] میں اردشیر بن منصور واعظ کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ان کے حلقۂ وعظ میں ایک دن بڑا مجمع ہوا۔ تب لوگوں کو خیال ہوا کہ حلقہ کی پیمائش کی جائے۔ چنانچہ پیمائش کی گئی تو حلقہ ۱۰۰ گز طول اور ۱۲۰ گز عرض کا تھا۔ جو سامعین سے بھرا پڑا تھا اور یہ مجلس وعظ ہمیشہ عمارت مدرسہ کے اندر منعقد

---

[۱] کامل ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۲ [۲] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۸۲ [۳] واقعات ۴۵۹ھ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۸ و تاریخ آل سلجوق صفحہ ۲۷ [۴] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۳۶ [۵] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۸۷۔

ہوا کرتی تھی ۔ اس پیمائش سے جو ایک حصۂ عمارت کی ہے ۔ نظامیہ کی کل وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

رسم افتتاح جب مدرسہ بن کر مکمل ہوگیا ۔ تو بروز شنبہ دسویں ذیقعدہ ۔ ستمبر ۴۵۹ھ کو مدرسہ کا افتتاح ہوا ۔ خواجہ نظام الملک کا مدرسہ ، خلفائے عباسیہ کا دارالخلافۃ ، علم و فضل کا زمانہ ، اور جشن کا دن ، جہاں اس قدر سامان جمع ہوں ، اس جلسہ کی شان و شوکت کی تصویر صرف عالم خیال ہی میں کھینچ سکتی ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس علمی مرکز میں سارا شہر امڈ آیا تھا ۔ اور جو ارباب فضل و کمال تھے ، ان کا تو حقیقت میں گھر ہی تھا ۔ ادائے مراسم کے لئے علامہ شیخ ابو اسحٰق شیرازی کا انتخاب کیا گیا تھا ۔ جو اس عہد میں شیخ الشیوخ اور استاد کل کا درجہ رکھتے تھے ۔ چنانچہ علامہ مدرسہ کی طرف آرہے تھے کہ راستہ میں ایک لڑکے نے شیخ کو مخاطب کرکے کہا ۔ "یا شیخ کیف تدرس فی مکان مغصوب" چنانچہ محض اس شبہ پر کہ نظامیہ کی تعمیر اراضی مغصوبہ پر ہوئی ہے ، شیخ راستہ سے پلٹ گئے ، اور روپوش ہوگئے ۔ ۔ حاضرین جلسہ جب انتظار کرتے کرتے پریشان ہو گئے اور دوپہر کا وقت آگیا تو شیخ عبدالملک ابو منصور بن یوسف نے جو اعیان بغداد میں نہایت عالی منزلت تھے ، حاضرین جلسہ سے خطاب کیا کہ طلبہ اور شائقین کا ہجوم ہے اور درس کا ہونا بھی لازمی ہے لہٰذا مناسب ہے کہ ابو نصر بن صباغ مصنف شامل جو مدرسہ میں تشریف رکھتے ہیں وہ درس دیں " چنانچہ حاضرین جلسہ کی عام رائے سے ابو نصر مسند پر جلوہ افروز ہوئے ۔ اور مدرسہ کا افتتاح کیا ۔ اور بخیر و خوبی جلسہ ختم ہوگیا ۔

نظامیہ کا عملہ مدرسہ نظامیہ کے عام انتظامات اور نگرانی کار بار کے لیے اسی قدر عملہ کی ضرورت تھی ۔ جس قدر ایک چھوٹی سی ریاست کے لئے ہوا کرتی ہے ۔ ادنےٰ درجہ کے کس قدر ملازم تھے اس کی تفصیل معلوم ہونا مشکل ہے لیکن طبقۂ اعلیٰ کے عہدہ دار حسب ذیل تھے ۔

متولی ۔ ۱ متولی کا منصب ، آج کل اصطلاح میں سکریٹری کا درجہ رکھتا ہے ۔ متولی ہمیشہ مدرسہ میں رہا کرتا تھا اور تمام انتظامی امور کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا ۔ یہ خدمت مستقل تھی ۔ مگر بعض اوقات مدرس اعظم (پرنسپل) کے بھی سپرد ہو جایا کرتی تھی جو تمام شیوخ میں صدر اعظم کا درجہ رکھتا تھا ۔

ابن خلدون وحسن المحاضرہ ۔ تاریخ آل سلجوق صفحہ ۳۲ ۔

۲۔ شیوخ
فقہ، حدیث، تفسیر، صرف، نحو، ادب، علم کلام وغیرہ کے مدرس جداگانہ تھے اور ہر مدرس "شیخ" کے خطاب سے ممتاز تھا۔ ہر شیخ اپنے علم وفن میں یگانۂ روزگار ہوتا تھا۔ نظامیہ میں کسی عالم کا مدرس مقرر ہو جانا اس کی ذات کے لئے ایسی عزت تھی کہ جس سے بڑھکر کوئی دوسرا اعزاز نہ تھا۔ اور یہ وقار قیام مدرسہ تک قائم رہا۔ انتخاب کا قاعدہ جس طرح مدرسوں (پروفیسرس) کے لئے جاری تھا ویسی ہی سختی سے نائبوں کا بھی انتخاب ہوتا تھا۔ ہر نائب اپنے شیخ سے فضل وکمال میں دوسرے درجہ کا مانا جاتا تھا۔ اس کی تصدیق حالات علماء سے ہوگی، مثلاً امام احمد غزالی، اور فخر الاسلام کیا ہراسی، یہ نائب تھے۔ جن کا درجہ امام محمد غزالی کے بعد تھا اور یہ خصوصیت اول سے آخر تک قائم رہی۔ ہر شیخ کی تنخواہ بیش قرار تھی۔

۳۔ خازن
کتب خانہ کا مہتمم (لائبریرین) یہ بھی معزز عہدہ تھا۔ اور اس خدمت پر ہمیشہ مشاہیر علما ممتاز رہے۔ یہ عہدہ دار "خازن" کہلاتا تھا۔

۴۔ مُعید
اکثر اوقات یہ خدمت قابل ترین طلبہ کو سپرد کی جاتی تھی۔ جن کا انتخاب حلقۂ درس سے ہوتا تھا۔ اور بعض اوقات جداگانہ علماء بھی مقرر ہوتے تھے۔ معید کے لئے ضروری تھا کہ وہ بلند آواز ہوتا کہ شیخ کے الفاظ سامعین تک پہنچ جاویں۔

۵ مفتی
فتویٰ نویسی کے لئے جداگانہ عملہ تھا اور خاص حالتوں کے سوا شیخ الفقہ اور شیخ الفرائض کو فتویٰ نگاری کی خدمت سپرد نہ ہوتی تھی۔

۶۔ واعظ
جب باہر سے کوئی مشہور اور نامور عالم آتا تھا تو علاوہ جامع مسجدوں کے مدرسہ نظامیہ میں بھی اُس کا وعظ ضرور ہوتا تھا۔ لیکن عام ہدایت اور فیض رسانی کے لئے بھی مستقل واعظ مدرسہ کی طرف سے ملازم تھے۔ اور کبھی کبھی مدرسوں میں سے بھی کوئی وعظ کہا کرتا تھا۔

۷۔ ناظر وقف
نظامیہ بغداد اور اس کے ماتحت مدارس (تفصیل آگے درج ہے) کے لئے جس قدر جائداد وقف تھی اس کے تحفظ اور انتظام کے لئے ایک عہدہ دار مقرر تھا۔ جو ناظر وقف کہلاتا تھا۔ خواجہ ابونصر بن نظام الملک بھی اس خدمت پر رہا ہے۔ اور اس کی نیابت میں دوسرے علماء کام کرتے تھے۔

نظامیہ کے سالانہ مصارف اسلامی مورخین نے چھ یا سات لاکھ دینار سالانہ صرفہ مدارس کا لکھا ہے اور یہ وہ رقم ہے جو خواجہ نظام الملک نے خزانہ شاہی سے مقرر کی تھی۔ اس کے علاوہ اپنی ذاتی جاگیر سے دسواں حصہ مقرر کر دیا تھا اور زکوٰۃ و خیرات کا روپیہ اس کے علاوہ تھا۔ اور مصنف سراج الملوک نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بھی اپنی رقم سرکاری عطیہ کے برابر کر دی تھی۔ بہرحال صیغۂ تعلیم پر پچاس لاکھ روپیہ سالانہ سے کم خرچ نہ ہوتا ہوگا۔ اور بظاہر یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے کیونکہ خواجہ نظام الملک دولت سلجوقیہ میں صرف وزیر ہی نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک خود مختار بادشاہ تھا۔ جو چاہتا تھا کر گذرتا تھا۔ لیکن خواجہ کے دشمن تاج الملک وغیرہ اُس کے تمام صیغوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ اور خواجہ کی شکایتیں ملک شاہ سے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ نظامیہ کے مصارف معلوم ہونے پر ملک شاہ سے کہا گیا کہ "اس قدر روپیہ میں ایسی فوج مرتب ہو سکتی ہے، جس سے قسطنطنیہ فتح ہو سکتا ہے۔ اور یہ زمانہ عیسائی سلاطین کا ہے۔ جن کا مقابلہ سلطان کو کرنا پڑتا ہے۔ مگر خواجہ کا یہ حال ہے کہ وہ فضول کاموں میں بیت المال کو خالی کئے دیتا ہے"۔ جب سلطان سے یہ شکایت چند مرتبہ کی گئی تو اُس نے ایک دن معمولی طریقہ سے خواجہ سے کہا کہ "پیارے باپ! چھ لاکھ دینار کے صرفہ سے تو ایک جرار لشکر مرتب ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں پر آپ زر کثیر نثار رہے ہیں۔ ان سے کیا کام نکل سکتا ہے"؟ ملک شاہ کا یہ سوال سن کر خواجہ آب دیدہ ہو گیا۔ اور کہا کہ "جان پدر"! میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں، اگر نیلام کیا جاؤں تو پانچ دینار سے زیادہ بولی نہ ہو گی۔ لیکن تم ایک نوجوان ترک ہو۔ تاہم مجھے امید نہیں ہے کہ تیس دینار سے زیادہ تمھاری بھی قیمت آوے۔ اس پر خدائے تم کو بادشاہ بنایا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ تم لذات دنیوی میں منہمک رہتے ہو۔ نیکیوں کے مقابلہ میں گناہوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے ممالک فتح کرنے کے لئے تم جو فوج بھرتی کرنا چاہتے ہو، اُن کی تلواریں دو گز کی ہوں گی، اور اُن کے تیر تین سو قدم سے زیادہ

ؔ سراج الملوک طرطوشی میں ساٹھ لاکھ کی رقم لکھی ہے، اور گبن صاحب نے ۲ لاکھ دینار لکھے ہیں جو صرف نظامیہ بغداد کے کسی خاص حصہ کا صرفہ ہو سکتا ہے۔

ؔ رؤسا اور امراء جائدادیں نظامیہ میں وقف کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ابو سعد صوفی نے انتقال کے وقت نظامیہ میں تمام جائداد وقف کر دی کامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۵۔ ؔ اعلام صفحہ ۸۲۔

نہیں جا سکتے ہیں۔ لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں، ان کی دعاؤں کے تیر فرش سے عرش تک جائیں گے، جو کام ان کی دعاؤں سے ہوگا وہ تمھاری فوجیں نہیں کرسکتی ہیں؛ فرزانہ وزیر کا یہ جواب سن کر ملک شاہ بہت رویا۔ اور کہا کہ پیارے باپ! ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہو تیار کرو۔"

کامیاب طلبہ

مسٹر گبن لکھتے ہیں کہ مختلف اوقات میں نظامیہ سے چھ ہزار طلبہ ہر درجے کے کامیاب ہوکر نکلے۔ جن میں امراء اور اہل حرفہ دونوں کے لڑکے شامل تھے [۱]

ہمارے خیال میں یہ تعداد نظامیہ کی عمر کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ اور اس پر اضافہ کثیر کی گنجائش ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نظامیہ کے عہد میں، وہاں کا سند یافتہ اپنے نام کے ساتھ نظامی نہیں لکھتا تھا، بلکہ اپنے استاد کے نام سے شہرت پاتا تھا۔ ورنہ اسمائے رجال سے آج فیصلہ ہو جاتا کہ ڈھائی تین صدیوں میں کس قدر ارباب کمال، مدرسہ نظامیہ سے فیضیاب ہوئے۔ غالباً اس غلطی سے متاثر ہوکر جامعہ ازہر (مصر) کے طلبہ اپنے نام کے ساتھ ازہری اور ہمارے قومی کالج، مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے نوجوان علیگ، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے متعلم ندوی، اور ممالک یورپ کے تعلیم یافتہ اکسن (منسوب بہ اکسفورڈ) وغیرہ لکھتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت اچھا ہے اور ہر مدرسہ کے طلبہ کو اس کی تقلید کرنا چاہیے۔ کہ زمانہ آئندہ کے مورخین کو شمار و تخمینہ میں ہماری طرح مصیبت نہ اٹھانا پڑے۔ بہرحال اگر ہم مسٹر گبن کی رائے کو صحیح تسلیم کرلیں کہ نظامیہ نے اپنی مدت العمر میں چھ ہزار طلبہ پیدا کیے تو بھی نظامیہ کے فخر و مباہات کے لئے کافی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک آسمان علم کا آفتاب و ماہتاب ہوا۔

نظامیہ کے نتائج اور اولیات

نظامیہ بغداد کے قیام کی جب علماء ماوراء النہر کو خبر ہوئی تو انھوں نے ایک بزم ماتم منعقد کی۔ جب لوگوں نے اس اظہار غم کے وجوہ دریافت کئے تو انھوں نے کہا کہ علم ایک شریف ملکہ ہے جس کو نیک نفس اور قدسی صفات لوگ حاصل کیا کرتے تھے اب جب کہ حصول علم کے لئے وظیفہ مقرر ہوگیا تو وہ ہر کس و ناکس کا حصہ ہوگیا۔ اب رذیل آدمی علم کے ذریعہ سے جاہ و ثروت حاصل کریں گے۔ اور کوئی شخص علم کو من حیث العلم حاصل نہ کرے گا۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نظامیہ کے اجراء سے علماء میں ایک خاص مذہبی جوش پیدا ہوگیا تھا۔ اور سلاطین و امراء میں مقابلہ کی تحریک شروع ہوگئی تھی۔ اور محض نظامیہ کی تقلید میں مصر، شام،

---

[۱] روضتین صفحہ ۲۵ و طبقات الشافعیہ۔

اور عراقین میں بہت سے مدرسے کھل گئے تھے۔ اور علم کا علم ساری دنیا میں بلند ہو گیا تھا۔ اگر صرف نظامیہ کے ایک سو برس بعد کے مدرسوں کی تاریخ لکھی جاتے تو ایک کتاب بن جاتے۔

نظامیہ کا سب سے پہلا اثر تو یہ ہوا کہ چھٹی صدی کے ختم ہوتے تک تمام دنیائے اسلام میں (باستثنائے اندلس)، علم کی روشنی پھیل گئی۔ اور علما جو مسجدوں، خانقاہوں، اور حجروں میں درس دیا کرتے تھے وہ منظر عام پر آگئے۔ اور ہر مدرسہ کے لئے ارباب علم مشرق و مغرب کے گوشوں سے ڈھونڈھ کر نکال لئے گئے۔

نظامیہ[1] سب سے پہلا مدرسہ ہے جس نے طلبہ کے لئے وظیفہ مقرر کیا اور ان کو خرید کتب، اور فراہمی سامان خور و نوش سے بے نیاز کر دیا۔ اور سرکاری خدمات کے لئے نظامیہ کا تعلیم یافتہ سب سے بڑھ کر قرار پایا۔ خواجہ نظام الملک کی نسبت مشہور ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلامی دنیا میں سب سے اول مدرسہ قائم کیا۔ اور ابن خلکان کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن واقعات مذکورۂ بالا سے ظاہر ہو چکا ہے کہ خواجہ کی ولادت سے قبل مصر میں اور اس کے بعد نیشاپور میں مدرسے قائم ہوئے۔ لہٰذا اولیت کا فخر نظام الملک کے حصہ میں نہیں آسکتا ہے۔ اور نہ نظامیہ بغداد پہلا مدرسہ ہے۔ علامہ سیوطی کا قول ہے کہ نظام الملک نے خاص فقہا کے لئے مدرسہ بنایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نظامیہ ایسے اعلیٰ پیمانہ پر قائم ہوا کہ جس کی عالمگیر شہرت و عظمت نے تمام پچھلی یادگاروں کو دلوں سے مٹا دیا اور وہ سب کا سرتاج بن گیا۔ اور سب سے پہلا مدرسہ مشہور ہوا۔

نظامیہ اور محققین | یہ بات بھی نظامیہ کی خصوصیات میں ہے کہ دنیا کے دور دراز حصوں سے علما آتے تھے۔ اور مدرسہ کے مہمان رہ کر علمی تحقیقات میں مصروف رہتے تھے۔ کتب تاریخ و طبقات میں ایسے لوگوں کا جابجا ذکر آیا ہے۔

درس نظامیہ | مدرسہ نظامیہ کا کوئی خاص نصاب تعلیم (کورس) نہ تھا۔ بلکہ ہر شیخ اپنے متعلقہ علم و فن پر خطبہ (لکچر) دیتا تھا۔ اور اس کے ذیل میں تمام علمی نکات حل کر دیتا تھا۔ یورپ میں ایک کتاب "درس نظامیہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور ہندوستان میں بھی ایک صاحب نے درس نظامیہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر دونوں مصنف تحقیقات کی سرحد سے منزلوں

---

[1] حسن المحاضرہ و سراج الملوک ۱۲

دور ہیں: "درس نظامیہ" یہ لفظ خاص ہندوستان کی علمی زبان کا سرمایۂ ناز ہے، اس کو نظامیہ بغداد سے منسوب کرنا نہ صرف ظلم بلکہ جہالت ہے:

ہندوستان کے تمام شہروں میں جس طرح لکھنؤ، چشم و چراغ کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح لکھنؤ میں فرنگی محل کا مرتبہ ہے۔ اور علمائے فرنگی محل میں ملا نظام الدین وہ مشہور معروف علامہ تھے۔ جن کے نام نامی سے درس نظامیہ منسوب ہے۔ تمام ہندوستان میں مولانا کے عہد سے آج تک جس قدر عالم ہوئے ہیں اور جو درس کے سلسلے اس وقت ہندوستان میں قائم ہیں وہ سب مولانا کے اسم گرامی سے وابستہ ہیں اور ہر عالم اس پر فخر کرتا ہے۔ مدرسہ نظامیہ کی طرح درس نظامیہ کی بھی ایک مستقل تاریخ ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

نظامیہ کی | مدرسہ نظامیہ وسط آٹھویں صدی ہجری (چودھویں صدی عیسوی) تک قائم رہا۔ اور اس تین سو اسی (۳۸۰) برس کی عمر میں جیسے نامور شاگرد نظامیہ نے پیدا کئے وہ اس کے اعزاز، شہرت، اور بقائے دوام کے لئے کافی ہے۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی آخر چھٹی صدی ہجری کے طالب العلم ہیں جنھوں نے مدرسہ کے وظیفہ سے تعلیم پائی تھی۔ قابلیت اور فضل و کمال کے جانچ کے لئے یہی ایک نام کافی ہے۔ "قیاس کن ز گلستان من بہار مرا"۔

مدرسہ نظامیہ بغداد کے مشاہیر شیوخ و علماء کی فہرست

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ابن خلکان، کامل ابن اثیر اور تاریخ آل سلجوق میں نظامیہ کے جن مشاہیر علما کا تذکرہ ہے۔ اس کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔ سوانح عمری لکھنا طوالت سے خالی نہ تھا شائقین اصل کتاب میں حالات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ غالب حصہ واقعات کا طبقات سے ماخوذ ہے اور ابن خلکان وغیرہ سے معمولی اضافہ و ترمیم کا کام لیا گیا ہے۔

شیوخ ۔ ۱ رسم افتتاح کے بعد سے امام[1] ابو نصر عبد السید بن محمد بن عبد الواحد بن احمد بن جعفر المعروف بہ ابن الصباغ۔ صاحب الشامل و الکامل۔ جو مشہور فقیہ و محدث تھے۔ مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ لیکن ابو منصور بن یوسف اور عمید ابو سعد کی خاص کوشش سے

---

[1] نامہ دانشوران ناصری صفحہ ۲۰۳ جلد اول۔ ابو نصر صباغ کے حالات ابن خلکان اور طبقات الشافعیہ میں بصراحت ہیں۔

بعد تحقیقات و رفع شک شیخ ابواسحٰق شیرازی نے مدرسہ کی خدمت منظور کرلی اور پورے بیس دن کے بعد ابو نصر اپنی خدمت سے علیحدہ کیے گئے۔

۲ شیخ جمال الدین ابواسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی، سنیچر کے دن ذی الحجہ ۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء کو مدرسہ میں تشریف لائے۔ اور سبق شروع ہوگیا۔ اور عرصہ تک علمی خدمت میں مصروف رہے۔ پھر دوبارہ ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء میں مدرس مقرر ہوئے اور اسی سال میں انتقال فرمایا۔ رسم تعزیت میں تین دن کے لئے خواجہ موید الملک بن نظام الملک نے مدرسہ بند کردیا۔ جب نظام الملک نے سُنا تو بیٹے پر ناراض ہوا اور فرمایا کہ علامہ کے اعزاز میں ایک سال تک نظامیہ کو بند رکھنا چاہیے تھا۔ سبحان اللہ! کیا علمی قدردانی تھی۔

۳-۴ علامہ کے انتقال پر عبدالرحمٰن بن مامون بن علی بن ابراہیم المعروف بہ ابوسعید متولی مقرر ہوئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد علیحدہ ہوگئے۔ اور امام ابونصر صباغ دوبارہ مدرس مقرر ہوئے اور ۴۷۷ھ/۱۰۸۴ء تک علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

۵ علی بن المظفر بن حمزہ بن زید بن محمد العلوی الحسینی، المعروف ابوالقاسم بن ابی یعلی دبوسی، فقہ، اُصول، لغت، نحو، نظر، جدل، میں امام مانے گئے ہیں۔ ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء سے ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء تک مدرس رہے۔

۶-۷ امام ابو عبداللہ الحسین بن علی طبری۔ اور قاضی ابو محمد عبدالوہاب بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن عبدالواحد فارسی شیرازی، حسن اتفاق سے ۴۸۳ھ میں داخل مدرسہ ہوئے، منتظمین نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں اُستاذ ایک ایک دن درس دیا کریں۔ چنانچہ یہ سلسلہ جاری ہوگیا۔ طبری نے ۴۹۵ھ/۱۱۰۱ء میں اور قاضی ابو محمد نے ۵۰۰ھ/۱۱۰۶ء میں انتقال کیا۔

۸ امام محمد بن محمد بن احمد، حجۃ الاسلام، ابو حامد غزالی طوسی۔ امام صاحب نے ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء سے ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء تک نظامیہ میں قیام کیا۔ پھر زیارت حرمین کے حیلہ سے ملک شام کو تشریف لے گئے۔ اور جامع دمشق میں جاکر معتکف ہوگئے۔[1]

۹ ابوالفتوح امام احمد بن محمد بن احمد غزالی طوسی ملقب بہ مجدالدین علامہ غزالی کے چھوٹے بھائی

---

[1] امام صاحب سعادت آخرت کے لئے دنیا سے قطع تعلق کرنا چاہتے تھے، مگر درس و تدریس لے کر کا موقعہ ملتا تھا چنانچہ جب بائیں نے یہ ایک نسخہ پایا اور مدرسہ چھوڑ کر ملک شام کو روانہ ہوگئے۔ امام صاحب کے یہ حالات نہایت تفصیل سے انہی کی کتاب المنقذ من الضلال میں لکھے

مشہور صوفی، واعظ، متوفی ۵۰۶ھ / ۱۱۱۲ء۔

۱۰ شمس الاسلام، ابوالحسن علی بن محمد بن علی ملقب بہ عماد الدین المعروف بہ کیا الہراسی فقیہ۔ (غزالی ثانی)، متوفی ۵۰۴ھ / ۱۱۱۰ء۔

۱۱ فخر الاسلام ابوبکر محمد بن احمد بن الحسین بن عمر شاشی المعروف بالمستظہری متوفی ۵۰۷ھ / ۱۱۱۳ء

۱۲ ابوالحسن علی بن ابی زید محمد بن علی النحوی المعروف بہ فصیحی استرآبادی متوفی ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء

۱۳ ابوالفتح احمد بن علی بن محمد الوکیل بن برہان الاصولی، بڑے مستعد مدرس تھے۔ نماز صبح سے عشا تک درس دیا کرتے تھے۔ غزالی، شاشی، اور کیا ہراسی کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ متوفی ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء

۱۴ امام ابوالفتح اسعد بن ابو میہنی دو مرتبہ مقرر ہوئے اول ۵۰۷ھ / ۱۱۱۳ء لغایت ۵۱۳ھ / ۱۱۱۹ء دوبارہ ۵۱۷ھ / ۱۱۲۳ء متوفی ۵۲۳ھ / ۱۱۲۹ء۔

۱۵ الحسن بن سلمان بن عبداللہ نہروانی متوفی ۵۲۵ھ / ۱۱۳۱ء۔

۱۶ عبدالرحمٰن بن الحسین بن محمد طبری المعروف بہ ابو محمد متوفی ۵۳۱ھ / ۱۱۳۶ء

۱۷ شیخ ابو منصور سعید بن محمد بن عمر المعروف بالرزاز متوفی ۵۳۹ھ / ۱۱۴۴ء

۱۸ عبدالرزاق بن عبداللہ بن علی بن اسحٰق طوسی، برادر زادہ خواجہ نظام الملک عرصہ تک مدرس رہا۔ پھر سلطان سنجر سلجوقی کا وزیر ہوگیا متوفی ۵۴۱ھ / ۱۱۴۶ء

۱۹ محمد بن عبداللطیف بن ثابت بن الحسن بن علی ابوبکر المہلبی متوفی ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء

۲۰ شیخ ابوالنجیب سہروردی، صوفی، زاہد، فقیہ، متوفی ۵۶۳ھ / ۱۱۶۸ء

۲۱ المطالب المبارک بن المبارک کرخی، خوشنویس درجہ اعلیٰ متوفی ۵۸۵ھ / ۱۱۸۹ء

۲۲ مجد الدین ابوالقاسم محمود بن المبارک بن علی بن المبارک بن الحسن عراقی ۵۹۲ھ / ۱۱۹۵ء

۲۳ محمد الدین یحییٰ بن الربیع بن سلیمان بن حراز بن سلیمان العدوی العمری ۶۰۶ھ / ۱۲۰۹ء

۲۴ قاضی ابو زکریا بن القاسم بن المفرج قاضی تکریت متوفی ۶۰۷ھ / ۱۲۱۰ء

۲۵ محمد بن واثق بن علی بن الفضل بن ہبۃ اللہ بغدادی متوفی ۶۳۱ھ / ۱۲۳۳ء

۲۶ عبداللہ بن ابی الوفا محمد بن الحسن متوفی ۶۵۵ھ / ۱۲۵۷ء

۲۷ محمود بن احمد بن محمود ابوالمناقب زنجانی متوفی ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء

معید - ۲ | ۱ الحسن بن علی بن محمد (بزمانہ مدرسی اسعد مہینی)

۲ | عبداللہ بن یوسف بن عبدالقادر آذربائیجانی

۳ | احمد بن یحییٰ بن عبدالباقی بن عبدالواحد بن محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن ابوالفضل زہری بغدادی المعروف با بن شنتران (صوفی، واعظ) متوفی ۵۶۱ھ

۴ | السدید محمد بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ السلماسی فقیہہ متوفی ۵۷۴ھ

۵ | علی بن ابی المکارم بن فتیان - ابوالقاسم دمشقی متوفی ۵۷۹ھ

۶ | احمد بن عمر بن الحسن کردی - ابوالعباس المعروف بالوجیہہ متوفی ۵۹۱ھ ۱۱۹۵ء

۷ | منصور بن الحسن بن منصور - امام ابوالمکارم زنجانی متوفی ۵۹۷ھ ۱۲۰۰ء

۸ | ابوالحسن علی بن علی بن سعادت فقیہہ متوفی ۵۹۰ھ ۱۲۰۱ء

۹ | ابو حامد محمد بن یونس بن محمد بن منعۃ بن مالک بن محمد الملقب عمادالدین فقیہہ متوفی ۶۰۸ھ ۱۲۱۱ء

مفتی - ۳ | ۱ شیخ رضی الدین ابوداؤد سلیمان بن المظفر شافعی

واعظ - ۴ | ۱ احمد بن محمد بن حسن بن محمد بن ابراہیم ابوبکر الفورکی، امام ابوبکر بن فورک کے نواسہ تھے۔ نیشاپور سے بغداد آکر سکونت اختیار کرلی تھی۔ خدمت وعظ کے علاوہ اشعری علم کلام پر درس بھی دیا کرتے تھے متوفی ۴۷۸ھ ۱۰۸۵ء

۲ | امام ابوالنصر بن استاد ابوالقاسم قشیری کا وعظ بھی بڑے معرکہ کا تھا ۴۶۹ھ ۱۰۷۶ء میں آپ نے مدرسہ میں وعظ کہا۔ چونکہ امام صاحب اشعری تھے لہٰذا حنابلہ سے جنگ ہوگئی اور سوق نظامیہ میں بڑی خونریزی ہوئی، اس جنگ وجدال میں ایک فریق علامہ ابواسحٰق شیرازی بھی تھے (کامل جلد ۱۰ صفحہ ۴۶)

۳ | اردشیر بن منصور ابوالحسین واعظ عبادی مروزی - یہ بڑے فصیح البیان واعظ تھے - علامہ غزالی اور مشاہیر صوفیہ وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ تاریخ کامل میں صرف ایک مجلس وعظ کا بیان ہے جو جمادی الاول ۴۸۶ھ ۱۰۹۳ء میں ہوئی تھی۔

۴ | ابومنصور محمد بن محمد بن محمد بن سعد بن عبداللہ البروی فقیہہ متوفی ۵۶۷ھ ۱۱۷۱ء

۵ | احمد بن اسمٰعیل بن یوسف بن محمد بن العباس قزوینی طالقانی - یہ بڑے زبردست واعظ تھے۔ جب منبر پر بیٹھتے تو حاضرین سے دریافت کرتے اور حسب خواہش سامعین بیان فرماتے

جس کتاب اور تفسیر کی فرمائش کی جاتی اسی کے مطابق بیان شروع ہو جاتا تھا۔ حافظہ غیر معمولی پایا تھا۔ متوفی ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء۔

اس عہد میں یہ عام دستور تھا کہ بعد نماز جمعہ ہر جامع مسجد اور مدرسہ نظامیہ میں وعظ ہوا کرتا تھا ابن جُبَیر نے حالات بغداد میں، شیخ جمال الدین ابی الفضل بن علی الجوزی اور شیخ رضی الدین قزوینی امام شافعیہ اور مدرس مدرسہ نظامیہ کے وعظ کا مفصل بیان لکھا ہے، چنانچہ شیخ رضی الدین کے وعظ کا حال ہم نقل کرتے ہیں جس سے مجلس وعظ کی بعض خصوصیات کا حال معلوم ہوگا۔

میں[1] پہلی مرتبہ شیخ رضی الدین قزوینی کی مجلس وعظ میں شریک ہوا۔ یہ شخص علوم دین میں اس نواح کے علماء سے مشہور اور ممتاز ہے۔ پانچویں صفر ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء کو جمعہ کے دن مدرسہ نظامیہ میں مجلس وعظ ہوئی۔ واعظ جب منبر پر چڑھا۔ تو قاریوں نے منبر کے سامنے کرسیوں پر بیٹھکر بڑی خوش لحانی سے قرأت شروع کی۔ اس کے بعد شیخ نے بہت متانت اور وقار سے خطبہ پڑھکر اور علوم و فنون میں مثل تفسیر و حدیث کے گفتگو شروع کی۔ گفتگو میں ہر طرف سے علمی مسائل پر سوال ہونے لگے۔ شیخ نے معقول جوابوں سے سب کی تسکین فرمائی۔ اور چشم و ابرو سے کسی طرح کا انقباض ظاہر نہیں ہوا بعض نے تحریری سوال پیش کئے، ان سب کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہر ایک کا جواب لکھکر حوالے کیا۔ یہ مجلس نہایت خیر و برکت کی تھی۔ متحمل سے متحمل آدمی کے بھی بے اختیار آنسو جاری تھے۔ خصوصًا اختتام کے وقت تو لوگ بے قرار ہو گئے۔ آنکھوں سے مینہ برسانے لگے، چاروں طرف سے توبہ کا شور بلند ہوا اکثر نے شیخ کے ہاتھ پر توبہ کی اور بہت سی پیشانیوں کے بال تراشے گئے۔ (اس زمانہ کا یہ بھی دستور تھا کہ جب مجلس وعظ میں خوب رقت ہوتی اور لوگ توبہ و استغفار کرنے میں مشغول ہوتے تو بعض سامعین واعظ کے سامنے اپنی گردن جھکا دیتے۔ اور واعظ اپنے ہاتھ سے پیشانی کے کسی قدر بال تراش دیتا اور سر پر دست شفقت پھیر کر اس کے واسطے دعائے خیر کرتا) اس کے بعد مجلس ختم ہوئی۔"

ناظر وقف ۔ ۵	۱	خواجہ ابو نصر احمد بن نظام الملک
	۲	الحسن بن سعد بن الحسن الخوبجی (نائب ابو نصر)

---

[1] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۱۹۵

۳ محمد بن عبداللطیف بن محمد بن عبداللطیف الخجندی۔

۴ محمد بن علی بن ابونصر احمد بن نظام الملک۔

۵ عبدالودود بن محمد بن المبارک بن علی ۔ (معید) متوفی ۶۱۶ھ / ۱۲۱۹ء

۶ عبدالرحیم بن محمد بن محمد بن لیثین، ابوالرضا سبط ابوالقاسم بن نفلان (معید) متوفی ۶۲۰ھ / ۱۲۲۳ء

متولی۔ ۶ ابوسعد عبدالرحمٰن، اصول، فقہ، خلاف میں زبردست عالم تھے ۔بعد وفات شیخ ابواسحٰق مدرس مقرر ہوتے ۔اور ۴۷۶ھ میں معزول ہو گئے۔ کیونکہ خواجہ نظام الملک، ابوسعد سے ناراض تھا۔ لیکن ابوصباغ کے بعد پھر مقرر ہوئے اور اخیر عمر تک رہے، مگر ابوسعد سے فقہا بھی خوش نہ تھے۔ متوفی ۴۷۸ھ

محققین مدرسہ نظامیہ۔ ۱ ابواسحٰق ابراہیم بن یحییٰ بن عثمان۔ بن محمد الکلبی۔

۲ یاقوت، مہذب الدین، مشہور شاعر۔ متوفی ۶۲۲ھ / ۱۲۲۵ء

۳ علامہ خطیب تبریزی۔ مصنف شرح حماسہ، متنبی، معلقات، وابی تمام۔ چونکہ علامہ نامور ادیب تھے۔ لہٰذا علم ادب کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ متوفی ۵۰۲ھ / ۱۱۰۹ء۔

۴ قاضی بہاؤالدین بن شداد، چار سال تک مُعید رہے پھر سلطان صلاح الدین کی خدمت میں چلے گئے۔ اور وہاں قاضی عسکر مقرر ہو گئے۔ قاضی صاحب نے سلطان کی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ جو چھپ گئی ہے اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

نظامیہ بغداد کے ماتحت مدارس

نظامیہ بغداد کے افتتاح کے بعد تمام ممالک محروسہ، دولت سلجوقیہ میں مدرسے کھل گئے تھے کوئی بڑا شہر ایسا نہ تھا جس میں مدرسہ نہ ہو۔ جو مدرسے خواجہ نظام الملک نے قائم کئے وہ سب نظامیہ کہلائے۔ اور اپنے شہروں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ نظامیہ کے علاوہ ہر بڑے شہر میں اُمرا و رؤسا کے مدارس موجود تھے۔ لیکن ہم اُن کے تاریخی حالات سے بحث نہ کریں گے۔ نظامیہ بغداد اپنے عہد میں ایک اسلامی یونیورسٹی (بیت العلوم) تھی۔ جس کے ماتحت بکثرت مدارس (کالج) تھے۔ اور خواجہ

نظام الملک کے عہد وزارت میں اس کا سب سے نمایاں کارنامہ، اجرائے نظامیہ بغداد ہے یہی نظامیہ تھا۔ جس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت نے، اس عہد کے مسلمانوں کو ایک زندہ قوم بنا دیا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بھی اگر چاہتے ہیں کہ ان کا علمی عہد سعادت، اور شان دار زمانہ ماضی پھر واپس آجائے، اور وہ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے دنیا میں ممتاز ہو کر رہیں تو اُن کا پہلا فرض ہونا چاہئے کہ وہ اپنے قومی کالج، مدرسۃ العلوم، علی گڑھ کو جس طرح ممکن ہو یونیورسٹی کے درجہ تک پہنچا دیں۔ یہی یونیورسٹی انشاء اللہ ان کی سود و بہبود اور قوت و عظمت کا ذریعہ ہوگی۔ بہ سبیل تذکرہ یہ چند سطریں لکھی گئی ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب کے ناظرین بھی اس قومی مسئلہ پر توجہ کریں گے اور اپنی فیاضی سے مدرسۃ العلوم کو محروم نہ رکھیں گے، نظامیہ کے ماتحت مدارس کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) نظامیہ نیشاپور

صوبہ خراسان کا نیشاپور مشہور شہر ہے۔ کتب جغرافیہ میں وہ باب المشرق کے خطاب سے ممتاز ہے۔ یہ شہر ہمیشہ دارالعلم اور معدن فضل و کمال رہا ہے۔ فقہ، حدیث، ادب، تاریخ، لغت کا گھر تھا۔ اس شہر کے علماء کا حصر و شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ چونکہ طغرل بیگ اور الپ ارسلان سلجوقی نے نیشاپور کو دارالسلطنۃ بنایا تھا۔ اس لئے خراسان میں یہ نہایت آباد شہر تھا اور بڑے بڑے مدرسے جاری تھے لیکن سرکاری مدرسہ کوئی نہ تھا۔ لہٰذا[۱] امام الحرمین کی واپسی پر (امام صاحب حرمین سے تشریف لائے تھے) خواجہ نظام الملک نے خاص امام صاحب کے لئے ایک شان دار مدرسہ بنایا اور امام الحرمین، مسلسل تیس سال تک اس مدرسہ میں درس دیتے رہے۔ امام صاحب کے حلقہ درس میں روزانہ تین سو کا مجمع رہا کرتا تھا۔ جس میں طلبہ اور علما دونوں ہوتے تھے نظامیہ بغداد سے یہ مدرسہ دوسرے درجہ پر تھا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد وعظ ہوا کرتا تھا۔ اس مدرسہ کی فضیلت میں یہی کہنا کافی ہوگا کہ علامہ امام غزالی طوسی، جیسے فخر روزگار عالم، اسی مدرسہ کے ایک نامور طالب علم تھے۔ مدرسہ کے مشہور شیوخ حسب ذیل ہیں۔

---

[۱] طبقات صفحہ ۲۴۹ جلد ۲۔

۱۔ عبدالملک[1] بن عبداللہ بن یوسف بن محمد بن عبداللہ بن حمدیہ جوینی المعروف با مام الحرمین ابوالمعالی، متوفی ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء۔

۲۔ عبدالواحد بن عبدالکریم بن ہوازن مدرس و واعظ متوفی ۴۹۴ھ/۱۱۰۱ء

۳۔ حجۃ الاسلام امام غزالی طوسی، دمشق کے سفر سے واپس آکر قیام کیا۔ پھر طوس میں خاص ایک اپنا مدرسہ جاری کیا۔[2] متوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء

۴۔ مسعود بن احمد بن محمد بن المظفر الخوانی متوفی ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء

۵۔ ابوالمعالی مسعود بن محمد بن مسعود المعروف بہ قطب الدین نیشاپوری متوفی ۵۸۶ھ/۱۱۹۱ء

(۲) نظامیہ اصفہان

عراق عجم میں، اصفہان بھی اول درجہ کا شہر ہے۔ ایرانیوں نے اس کی تعریف میں بہت مبالغہ کیا ہے۔ اصفہان کے منجم اور طبیب مشہور ہیں۔ لیکن دیگر ارباب کمال کی بھی کمی نہیں رہی ہے جس کی علمی تاریخ شاہد ہے۔ یہ ملک شاہ سلجوقی کا دارالسلطنت تھا۔ اور اس میں نہایت شان دار عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ خصوصاً قلعہ تبرک، تاریخی شہرت رکھتا ہے۔ علمی مدرسے بھی بکثرت تھے مگر خواجہ نظام الملک نے یہاں بھی مدرسہ بنایا۔ اس کا درجہ نظامیہ نیشاپور کے بعد تھا۔ مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محمد بن ثابت بن الحسن بن علی بن ابوبکر خجندی متوفی ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء

۲۔ ابوسعید احمد بن محمد بن ثابت خجندی رئیس الشافعیہ متوفی ۵۳۱ھ/۱۱۳۶ء

۳۔ الحسن بن محمد بن الحسن بن احمد بن یحیی بن وثاب الورکانی المعروف شیخ فخر الدین ابوالمعانی متوفی ۵۵۱ھ

---

[1] امام الحرمین کے تفصیلی حالات حصہ اول کتاب ہذا میں درج ہیں۔

[2] شمس الاسلام کیا ہراسی کے انتقال پر نظام الدین احمد بن نظام الملک نے امام صاحب کو نظامیہ بغداد کے لئے طلب کیا تھا۔ مگر امام صاحب نے معذرت کی اور طوس ہی میں رہ گئے۔ یہ مراسلت مجموعہ خطوط امام صاحب میں تفصیل سے درج ہے دیکھو فضائل الانام من رسائل حجۃ الاسلام صفحہ ۴۵

(۳) نظامیہ مرو

نیشاپور اور اصفہان کے بعد مرو کا درجہ ہے۔ یہ شہر مروشاہجان، اور مروشاہجہان کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے۔ اس سرزمین پر بڑی خونریزیاں ہوئیں، اور اس کی تاریخ واقعات عبرت انگیز سے مالامال ہے۔ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے عہد میں ابتداءً دارالسلطنت رہا پھر سلطان سنجر سلجوقی نے دارالسلطنت بنایا۔ مرو بھی ہمیشہ علمی مرکز رہا ہے۔ اس مدرسہ کے اساتذہ میں اسعد بن محمد بن ابی نصر ابوالفتح المہینی مشہور ہیں۔

(۴) نظامیہ خوزستان

خوزستان مشہور صوبہ ہے۔ جس کے حدود عراق عرب، کردستان، اور فارس سے متصل ہیں تستر، اہواز، عسکر مکرم، اس کے مشہور شہر ہیں اس صوبہ میں چودہ (۱۴) شہر ہیں۔ معلوم نہیں کہ خواجہ کا مدرسہ کس شہر میں تھا۔ مگر تاریخ کامل میں نظامیہ خوزستان لکھا ہے۔ اور اس کے مدرسوں میں یوسف دمشقی متوفی ۵۶۳ھ / ۱۱۶۷ء کا نام مشہور ہے۔

(۵) نظامیہ موصل

موصل، اسلامی شہر ہے۔ اور لب دجلہ آباد ہے۔ یہاں کا قلعہ اور شہر پناہ ضرب المثل ہے اور جزیرہ کے شہروں میں سب سے مشہور ہے۔ مدرسہ نظامیہ موصل کے مشہور شیوخ یہ ہیں۔

احمد بن نصر بن الحسین ابوالعباس آنباری معروف بہ شمس الدیلی متوفی ۵۹۸ھ / ۱۲۰۱ء

- ابو حامد محمد بن القاضی کمال الدین شہر زوری متوفی ۵۸۶ھ / ۱۱۹۰ء

- محمد بن ابی الفرج بن معالی بن برکت بن الحسین ابوالمعالی (سعید) متوفی ۶۲۱ھ / ۱۲۲۴ء

(۶) نظامیہ جزیرہ ابن عمر

شہر موصل سے تین دن کی مسافت پر یہ جزیرہ واقع ہے۔ سفرنامہ ابن بطوطہ میں لکھا ہے کہ یہ شہر بہت بڑا ہے۔ اور چونکہ اس کے چاروں طرف ایک ندی محیط ہے اس لئے وہ جزیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس شہر کا بڑا حصہ ویران ہے۔ مگر سب باشندے ارباب فضل وکمال ہیں، بہرحال یہ جزیرہ دنیا کے ایک گوشہ میں گمنامی کی حالت میں پڑا تھا۔ لیکن خواجہ نظام الملک کی علمی فیاضی سے یہ جزیرہ بھی محروم نہ رہا۔ مصنف روضتین[۲] نے لکھا ہے کہ آج کل یہ مدرسہ رضی کے نام سے مشہور ہے[۱] اس مدرسہ کے اور مزید حالات معلوم نہیں ہوتے۔

(۷) نظامیہ آمل

آمل، مازندران کا شہر ہے۔ اور طبرستان کے ذیل میں اس کے حالات کتب جغرافیہ میں تحریر ہیں۔ ایک عورت[۳] آملہ کی یادگار میں بنایا گیا تھا لہٰذا آمل مشہور ہوا۔ اور ہمیشہ سیرگاہ سلاطینِ ایران رہا ہے۔ آج بھی موجود ہے۔ آثار قدیمہ میں قلعہ کا ایک حصہ باقی ہے۔ جہاں قافلے ٹھہرتے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ کے مدرس " ہبتہ اللہ بن سعد بن طاہر الرویانی متوفی ۵۴۲ھ مشہور ہیں۔

(۸) نظامیہ بصرہ

عراق عرب میں بغداد کے بعد بصرہ کا نمبر ہے۔ خاص اسلامی شہر ہے جو فاروق اعظم کے عہد میں آباد ہوا کسی زمانہ میں یہ علم نحو کا گھر تھا۔ بصرہ کے نحوی "امام فن اور مجتہد" مانے جاتے تھے۔ اور جب انحطاط کا زمانہ آیا تو ابن بطوطہ نے بہ نظر استعجاب لکھا ہے کہ امام جامع مسجد جمعہ کا خطبہ غلط پڑھ رہا تھا۔ گویا بصرہ میں کوئی نحوی باقی نہ تھا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد کے بعد واقعی بصرہ میں جہالت چھا گئی تھی۔ اور یہاں علمی روشنی کی ضرورت تھی جو مدرسہ نظامیہ سے وجود پذیر ہوئی۔ روضتہ الصفا کی روایت ہے کہ نظامیہ بصرہ کی عمارت بہت میں نظامیہ بغداد سے بڑی تھی۔ اور یہ مدرسہ حضرت زبیر بن العوامؓ کے مزار متصل واقع تھا۔ معتصم باللہ

---

[۱] المعجم حالات جزیرہ ابن عمر [۲] روضتین صفحہ ۲۵ [۳] دانش

کے اخیر زمانہ میں مدرسہ برباد ہوا، اور اُس کا تمام سامان بغداد میں منتقل ہوگیا فخرالاسلام شاشی کے داماد، اور علامہ ابواسحٰق شیرازی کے شاگرد محمد بن قیان بن حامد بن الطیب ابوالفضل انباری عرصہ تک مدرس رہے ہیں جنھوں نے ۵۳۱ھ / ۱۱۳۶ء میں وفات پائی۔

(۹) نظامیہ ہرات

افغانستان کے حد شمالی پر ہرات واقع ہے۔ عہد سلجوقیہ میں یہ شہر صوبہ خراسان میں بہت مشہور تھا۔ خواجہ نظام الملک نے جب مدرسہ بنایا۔ تو مدرسہ کے لئے محمد بن علی بن حامد فقیہ کو غزنین سے طلب کیا۔ تمام شہر کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر مجبوراً وزیر اعظم کے حکم سے علامہ کو ہرات جانا پڑا اور وہیں ۴۹۵ھ / ۱۱۰۱ء میں انتقال کیا۔

(۱۰) نظامیہ بلخ

صوبہ خراسان میں بلخ ایک قدیم شہر ہے۔ منوچہر بن ایرج بن فریدوں نے آباد کیا تھا۔ آتش کدہ نوبہار اسی جگہ تھا جس کے متولی برامکہ تھے۔ عہد سلجوقیہ میں بہت آباد تھا۔ چنانچہ سلطان سنجر سلجوقی کی مسجد کے آثار ہنوز موجود ہیں۔ مدرسہ نظامیہ بلخ بہت مشہور ہوا۔ اور صدیوں تک قائم رہا مشہور مدرس حسب ذیل ہیں۔

عبداللہ بن طاہر بن محمد بن شہفور اسفرائنی متوفی ۵۰۶ھ / ۱۱۱۲ء

عبداللہ بن عمر بن محمد بن الحسین بن علی، ابوالقاسم بن الظریف بلخی۔

عمر بن احمد بن الیث الطالقانی ابوحفص متوفی ۵۳۶ھ / ۱۱۴۱ء۔

(۱۱) نظامیہ طوس

صدر الاقالیم تاریخ خراسان کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ نے سب سے اول ایک مختصر مدرسہ طوس میں بنایا تھا۔ اور اُس کے بعد نظامیہ بغداد تعمیر کیا۔ اگر ایسا ہو تو تعجب نہیں ہے۔ کیونکہ طوس خواجہ کا وطن اور مولد تھا اور ہر انسان کو سب سے اول اپنے گھر کی فکر ہوتی ہے۔ اس مدرسہ

کے تفصیلی حالات نہیں معلوم ہو سکے :

افسوس ہے کہ نظامیہ کے ماتحت مدارس میں ہم نے صرف گیارہ مدرسوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ عراق عرب، عجم، شام، بیت المقدس، دیار بکر وغیرہ میں کوئی ایسا شہر نہ تھا، جہاں خواجہ نظام الملک نے مدرسہ نہ بنایا ہو۔ لیکن مورخین کی کوتاہ قلمی سے آج ہم صرف شہروں کی فہرست بھی پیش نہیں کر سکتے ہیں۔ خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری کو ہم نے طوس کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ اور آج طوس پر کتاب کا خاتمہ کرتے ہیں۔

تم الکتاب۔ بحمد اللہ وفضلہ وعونہ وحسن توفیقہ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحبہ وسلم۔

تمام شد

ضمیمہ

ترکمانی صولت اور مغلی جلادت ہم میں تھی
عزمِ کُردی ہم میں تھا بدوی حمیّت ہم میں تھی

تذکرہ ملک شاہ سلجوقی

خواجہ نظام الملک کی سوانح عمری ختم ہو گئی۔ وزارت سے جس قدر سلطنت کا تعلق تھا، اُس کا بھی مجمل و مفصل بیان ہو چکا۔ لیکن ملک شاہ "رائل ہیروز آف اسلام" (نامور فرماں روایان اسلام) میں عموماً اور طبقہ سلاجقہ میں خصوصاً ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ اور سلاجقہ عراق میں تو "واسطۃ العقد" کا تمغہ خاص اسی کے لئے ہے۔ لہٰذا مختصر پیمانہ پر ملک شاہ کی سوانح عمری پیش کی جاتی ہے، اور مفصل تذکرہ کے لئے ناظرین کو ہماری "تاریخ آل سلجوق" کا انتظار کرنا چاہیے۔ جس کا ایک معتدبہ حصہ لکھا جا چکا ہے۔

نسب نامہ، ولادت، تعلیم و تربیت، تخت نشینی ملک شاہ، سلطان الپ ارسلان، سلجوقی کا سب سے بڑا بیٹا اور چغری بیگ داؤد کا پوتا ہے۔ دولت سلجوقیہ میں عروج و اقبال اور عظمت و جلال کا ملک شاہ کی ذات پر خاتمہ ہو گیا۔ یہ فخر خاندان بتاریخ ۱۹ رجمادی الاول ۴۴۷ھ (جولائی ۱۰۵۵ء) پیدا ہوا[1]۔ اور الپ ارسلان کے سایہ عاطفت اور خواجہ نظام الملک کی اتالیقی میں تربیت پذیر ہوا۔ مشاہیر علما اس کے معلم رہے۔ تاریخوں[2] میں لکھا ہے کہ ملک شاہ عربی، فارسی، نظم و نثر پر قادر تھا۔ اور شعر و سخن سے خاص دلچسپی رکھتا تھا[3]۔ اور باوجود کم عمری حُسن ظاہری کی طرح صفات باطنی میں بھی ممتاز تھا۔ عقل و ذکاوت کے ساتھ متانت پائی جاتی تھی۔

---

[1] آل سلجوق اصفہانی صفحہ ۴۰ [2] نامہ دانشوران ناصری صفحہ ۷، تاریخ علم ادب فارسی پروفیسر براؤن [3] ملک شاہ کی بیدبا ہی تذکروں میں درج ہے۔ جس سے انداز کلام معلوم ہو گا ۔ بوسہ زدہ یار دوش بر دیدہ من ٭ او رفت از و ماند تر دیدہ من ٭ زاں داد برایں دیدہ نگارینم بوس ٭ کو چہرۂ خویش دید در دیدہ من ۔

ملک شاہ ہنوز اٹھارہ سالہ نوجوان تھا کہ سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا، نو عمری میں سریر سلطنت نے پاؤں چومے، اور چتر شاہی تاج پر جلوہ افگن ہوا۔ دسویں ربیع الاول ۴۶۵ھ (نومبر ۱۰۷۲ء) کو رسم تاج پوشی عمل میں آئی۔ اور تخت نشینی کے بعد "سلطان العادل، جلال الدولہ، ابوالفتح، ملک شاہ" کے نام سے مشہور عالم ہوا۔ اور خلافت بغداد سے سند حکومت کے ساتھ "یمین امیر المومنین" کا معزز خطاب بھی مرحمت ہوا۔ حرمین، بیت المقدس، بغداد، عراقین، ماوراء النہر اور شام میں ملک شاہ کا خطبہ پڑھا گیا۔ اور ملک میں سکہ جاری ہوا۔

حدود سلطنت ملک شاہ[۱] کے زمانہ میں معین السلطنت خواجہ نظام الملک کی بدولت سلطنت کو فوق الغایت ترقی ہوئی۔ ماوراء النہر سے یمن تک اور حدود چین سے اقصائے شام تک سلجوقی پھریرہ اُڑتا تھا۔ سلطنت روم باج گزار تھی۔ قیصر تین لاکھ دینار نذرانہ اور تیس ہزار جزیہ سالانہ ادا کرتا تھا۔ قسطنطنیہ کی ٹکسال کے طلائی و نقرئی سکے نیشاپور اور اصفہان کے بازاروں میں چلتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ خلفاء متقدمین کے بعد اسلام میں دولت سلجوقیہ سب سے بڑی سلطنت تھی۔

بغاوت و فتوحات تخت نشینی[۲] کے بعد سلطان کے چچا قاورد بیگ نے بغاوت کی اور شکست کھائی۔ ۴۷۷ھ میں حقیقی بھائی تکش برسر مقابلہ ہوا، اور ذلت اُٹھا کر صلح پر فیصلہ کیا۔ ۴۸۲ھ میں سلیمان خاں، خاقان سمرقند نے سرکشی کی جس کے لئے خود سلطان کو جانا پڑا تھا۔ جنگ اور نتیجہ کی تصویر ملک الشعراء امیر معزی نے اس طرح پر کھینچی ہے۔

فتح سمرقند

خدائے ہر چہ دہد بندہ را ز فتح و ظفر   بدین پاک دہد یا بہ عقل یا بہ ہنر
بہ بیں کہ از ظفر تیغ شہ بشرق و بغرب   ہزار گونہ دلیل است و صد ہزار اثر
چو زآب جیحوں بگذشت روزگار نبرد   کشید تا بسمرقند رایت و لشکر
کشادہ گرد سمرقند را بروز نخست   بچشم عدل سوئے خاص و عام کرد نظر
چو دید خصم کہ کاوند شہر و آمد شاہ   گرفت راہ حصار و ز شاہ کرد حذر
ز نہراد سپہ بر حصار گرد شدند   ہمہ سپہر تن و خاک صبر و کوہ جگر

[۱] آل سلجوق حالات ملک شاہ [۲] آل سلجوق و کامل ابن اثیر ابن خلکان۔

سپاہ خویش پراگندہ کرد گرد حصار | روانہ گشت زہر سو مبارزے دیگر
غبار تیرہ چو ابر و خدنگ چوں باراں | سناں نیزہ چو برق و تیر وچوں تندر
فرو گرفتہ حصارے کہ گر کنم صفتش | دراں صفت سخن بگزرد زوہم وفکر
چنانش کرد کہ بینندہ گفتی اے عجبا | مگر بزلزلہ شد ایں حصار زیر وزبر
ہم از حصار کشیدند شاں بحضرتِ شاہ | چنانکہ اہل گنہ راکشند در محشر
ہمہ زکردہ پشیماں شدند ودرشتر است | کسے کہ بد کند آخر ز بد کشد کیفر

اگر کشادن روم و عرب عجائب بود
کنوں کشادن چین و چگل عجائب تر

جب[1] سلیمان خاں گرفتار ہوکر سامنے آیا تو اسپ سلطانی کا غاشیہ اس کے کندھوں پر رکھا گیا۔ اور سریہ افراسیاب (نام موضع) سے خاقان کے محلات تک ہمراہ رکاب دوڑتا ہوا آیا۔ پھر سمرقند سے اصفہان کے قلعہ میں روانہ کر دیا گیا اور وہاں عرصہ تک قید رہا۔ یہ سلیمان کی سرکشی کی انتہائی سزا تھی۔ ورنہ فتح ممالک کے بعد تاج بخشی ملک شاہ کا خاصہ تھا۔ جیسا کہ قیصر روم اور دیگر خواتین و سرداران عرب کے ساتھ کیا گیا۔ ملک شاہ کے عہد میں بغاوتیں کمتر اور فتوحات اکثر ہوئیں۔ افشین[2] سرحق کی سپہ سالاری میں روم پر فوج کشی ہوئی، قیصر نے خراج دینا تسلیم کر لیا۔ تاج الدولہ[3] تتش (برادر سلطان)، نے حلب، حران، رہا، قلعہ جابر، منبج، لاذقیہ، کفرطاب، فامیہ پر قبضہ کر کے ملک شام کو مستحکم کر دیا۔ سعد اللہ گوہر آئین نے زبید و عدن اور بلاد یمن کو فتح کیا۔ مصر و بلاد مغرب پر بھی فوج کشی ہوئی۔ اب ان فتوحات کو نقشہ میں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کاشغر سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلاد الحزر تک عرض میں سلطنت پھیلی ہوئی ہے۔

ملکی دورہ ملک شاہ کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ جس کی تفصیل رسالہ ملک[4] شاہی میں ہے، روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ: سلطان نے انطاکیہ سے جند ماوراء النہر تک دو مرتبہ دورہ کیا۔ اور گبن صاحب لکھتے ہیں کہ: ملک شاہ نے ملک کے اُس حصہ میں جس پر کسریٰ اور خلفاء

---

[1] آل سلجوق صفحہ ۵۰۳ و ۵۰۳ [2] آل سلجوق صفحہ ۵۲ و ۶۶ [3] ابن خلدون [4] یہ ملک شاہ کا سفرنامہ ہے۔ جو خود اُس نے لکھا ہے۔ اس کتاب کے حوالے تاریخوں میں آتے ہیں۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لنڈن میں ہے۔

حکمراں تھے۔ بارہ مرتبہ دورہ کیا۔ لیکن سرجان مالکم صاحب کی رائے کے مطابق اس سیر و سیاحت سے وہ ممالک خارج ہیں جو سلطان کے باج گذار اور زیر اثر تھے۔ اور اگر وہ شامل کئے جائیں تو بارہ مرتبہ ان میں دورہ کرنا محال ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہ رائے صحیح ہے۔ سلطان نے صرف عراق عجم اور عرب کے مشہور شہروں کا دورہ کیا تھا۔ ۴۷۲ھ ۱۰۷۹ء میں کرمان کا سفر کیا۔ اور تین مرتبہ دار السلام بغداد میں حاضر ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اول[1] مرتبہ چوتھی ذی الحجہ ۴۷۹ھ (مارچ ۱۰۸۷ء) کو داخل بغداد ہوا۔ وزیر السلطنت ابو شجاع نے خلیفہ المقتدی بامر اللہ کی طرف سے شاندار استقبال کیا۔ داخلہ کے تیسرے دن، سلطان نے حلبہ (شرقی بغداد میں باب الازج کے قریب ایک بڑا محلہ ہے) میں پولو (چوگان بازی) کھیلا۔ خلیفہ نے عمدہ عمدہ گھوڑے نذرانہ میں پیش کئے۔ اور ۱۰ محرم ۴۸۰ھ (اپریل ۱۰۸۷ء کو) قصر خلافت میں سلطان نے خلیفہ سے ملاقات کی اور تقریباً چالیس ارکان سلطنت و رشتہ داران سلطان خلیفہ کے حضور میں نام بنام پیش کئے گئے۔ سلطان کو سات پارچہ کا خلعت اور طوق و کنگن مرصع مرحمت ہوا۔ اور دو تلواریں گلے میں حمائل کی گئیں۔ جس کے شکریہ میں سلطان آداب بجا لایا اور دستہ شریفہ کو دو مرتبہ بوسہ دیا۔ اسی[2] زمانہ میں سلطان نے امام موسیٰ رضا، حضرت معروف کرخی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو حنیفہؒ کے مزارات کی بھی زیارت کی۔ فاتحہ پڑھا۔ فقراء اور مساکین کو صدقات دیئے گئے۔ اور مہینہ صفر ۴۸۰ھ میں خراسان کو واپس گیا۔

۲۔ دوسری مرتبہ بتاریخ ۲۸ رمضان ۴۸۴ھ (اکتوبر ۱۰۹۱ء) پھر آیا۔ اور[3] ۱۰ ذیقعدہ یوم پنجشنبہ (یکم جنوری ۱۰۹۲ء) کو جامع سلطان کی نیاد ڈالی۔ بہرام منجم نے سمت قبلہ قائم کی۔ اور محفل میلاد بڑی دھوم سے کی گئی۔ شعراء نے قصائد پڑھے۔ خواجہ نظام الملک دونوں مرتبہ ہمراہ تھا۔

تیسری مرتبہ ۲۴ رمضان ۴۸۵ھ (۲۸ اکتوبر ۱۰۹۲ء) کو بعد انتقال خواجہ نظام الملک داخل بغداد ہوا۔ اور اسی جگہ مہینہ شوال میں انتقال کیا۔

فوج شاہی

مسٹر گبن نے دولت سلجوقیہ کے صرف سواروں کی تعداد سینتالیس ہزار لکھی ہے اور نامہ خسرواں کی روایت ہے کہ دار السلطنت میں ہر وقت پچاس ہزار سوار موجود

---

[1] ابن خلکان جلد اول حالات ملک شاہ [2] آل سلجوق صفحہ ۷۰، و کامل جلد ۱۰ صفحہ ۵۰ [3] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۷۴ و ۷۹۔

رہتے تھے۔ غالباً انگریزی مورخوں نے ایسی ہی روایات پر قیاس کر لیا کہ فوجی قوت صرف اسی قدر تھی۔
ہر سلطنت میں دار السلطنت کے علاوہ تمام صوبوں اور سرحد کی چھاؤنیوں میں فوج رہا کرتی ہے۔ اور جس بادشاہ کی سلطنت اس قدر وسیع ہو اُس کے پاس صرف چھیالیس سینتالیس ہزار سوار ہوں یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ اگرچہ فیوڈل سسٹم کی وجہ سے فوج نظام دولت سلجوقیہ میں کم تھی، مگر باوجود اس کمی کے چار لاکھ مستقل فوج تھی جس میں غالباً سوار اور پیادے دونوں شامل ہوں گے۔ اور یہ تعداد خواجہ نظام الملک نے سیاست نامہ میں لکھی ہے۔ اور اس کے علاوہ ضرورت کے وقت کافی فوج مہیا ہو جاتی تھی۔ اور باوجود کثرت فوج، کوچ و مقام میں ہر جنس کا نرخ ارزاں رہتا تھا جس سے محکمہ کمسریٹ کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔

خراج سلطنت تمام سلطنت کی کس قدر آمدنی تھی۔ یہ نہیں معلوم ہو سکی۔ مگر سلطان کی ذاتی جاگیر کی آمدنی اکیس[1] ہزار تومان زر رکنی اور بیس[2] ہزار دینار صرف خاص تھا۔

صیغۂ رفاہ عام ملک شاہ کو رعایا کی فلاح اور ملک کی آبادی کا از حد خیال تھا۔ ہر ضلع میں شفاخانہ سرائیں، مدارس موجود تھے۔

زراعت و تجارت ترقی زراعت[3] کے لئے تمام ملک میں نہروں کا جال پھیلا دیا تھا۔ اور ترقی تجارت کے لئے سڑکیں بنائی گئی تھیں جنگلوں میں سرائیں موجود تھیں پُل بنائے گئے تھے اور حفاظت کے واسطے پولیس کی چوکیاں قائم تھیں۔

امن و امان سلطان[4] کا عہد دولت نہایت پر امن تھا۔ ماوراء النہر سے اقصائے شام تک قافلے بلا خوف و خطر آتے جاتے تھے۔ اور یہی حالت اکا دکا مسافروں کی تھی۔ خوش حالی رفاہیت، اور امن و امان میں ملک شاہ کا عہد حکومت رومی، اور عربی حکومتوں سے کم نہ تھا۔

معافی چنگی ترقی تجارت[5] کی غرض سے سلطان نے تمام ملک کی چنگی معاف کر دی تھی اور یہ محصول اس عہد میں مکوس کے نام سے مشہور تھا۔

فارسی علم ادب اور علم خط کی ترقی آل سلجوق[6] کے ابتدائی دور میں دفتر عربی زبان میں تھا لیکن وزیر

---

[1] ابن خلکان حالات ملک شاہ [2] نگارستان ۱۴۳ [3] ابن خلکان و کامل [4] سر اسپین راٹ آنریبل سید امیر علی
[5] کامل اثیر ابن خلکان [6] دولت شاہ سمرقندی۔

عمید الملک کندری نے فارسی میں تبدیل کر دیا تھا۔ چنانچہ علاوہ دفاتر کے فارسی علم ادب کو بڑی ترقی ہوئی تھی۔ اور چونکہ ملک شاہ خود شاعر تھا لہٰذا مشاہیر شعراء کا دربار میں مجمع رہتا تھا اور ادبی ترقیات کے ساتھ خوشنویسی اور خطاطی کی طرف بھی عام توجہ تھی۔ کیونکہ اس عہد میں شاہزادوں اور امراء و وزراء کی اولاد کو خوشنویسی خاص طور پر سکھائی جاتی تھی۔ اور دفتر انشاء کی ملازمت کے لئے خوش نویسی لازمی تھی۔ چنانچہ خواجہ نظام الملک بھی خط نستعلیق اور رقاع میں اُستادی کا درجہ[1] رکھتا تھا۔ یہ عنوان نہایت وسیع ہے جس کی تفصیل تاریخ آل سلجوق میں ہے۔ لیکن تاہم ابو المعالی نحاس اور امیر معزی کے چند منتخب اشعار جو سلطان کی مدح میں ہیں نذر ناظرین کئے جاتے ہیں۔

ابو المعالی نحاس

جسم او را لطف روح و او را فضل نفس — نفس او را فضل عقل و عقل او را نور دین
طبع او باد ست و جودش آب و ایں غالب بساں — علم او طین ست و خشمش نار و آں غالب برایں
گر شگفت است ایں کہ مستولی شود بر باد آب — ایں شگفتی نہ کہ آید نار در فرمان طین
آتشے کاندر ازل مر خاک را سجدہ نہ کرد — پیش خاک اکنوں ہمی مالد بخاک اندر جبیں
علم روحانیست اخلاق تو بے تعلیم کس — اے عجب در جسم تو روح است یا روح الامیں
آسماں فیروزہ گوں شد تا نگیں سازی او — چوں نگیں سازی ز چیزے کت بود زیر نگیں

امیر معزی

خسرو عادل ملک شاہ آنخداوندے کہ ہست — زیر رائے و رایت او شرق و غرب و خیر و شر
از مدار چرخ و حکم زہرہ و بہرام و تیر — وز مسیر ہرمز و کیوان و سیر ماہ و خور
شانزدہ چیز تو باقی باد تا گیہاں بود — با تو باد آں شانزدہ ہم در سفر ہم در حضر
ملک و دین و تخت و بخت و کلک و مہر و تیغ و جام — عز و جاہ و عمر و مال و نام و کام و فخر و فر

اصلاح رصد ملک شاہ نے سنہ فارسی یزدجردی میں اصلاح کی اور سنہ جلالی ملک شاہی جاری کیا۔ جس کی مفصل تاریخ عمر خیام کے حالات میں تحریر ہے۔ بارہ مہینوں کے جدید نام یہ تھے۔ ماہ نو، نو بہار، گرما فزا، روز افزوں، جہاں تاب، جہاں آرا، مہرگاں، خزاں، سرما فزا، شب افروز

[1] تذکرہ خوشنویسان مولانا غلام محمد ہفت قلمی دہلوی [2] ناسخ التواریخ جلد اول صفحہ ۹۰۔

آتش افروز، سال افزوں ۔

ذاتی شوق ملک شاہ کے روزمرہ کے مشاغل میں سب سے زیادہ دل خوش کن شکار کا شوق تھا روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ ایران و توران کی شکار گاہوں میں سے کوئی ایسی جگہ باقی نہیں ہے، جہاں ملک شاہ کے نعل اسپ کے نشانات نہ ہوں۔" شکار کا ایک باضابطہ رجسٹر تھا جس میں روزانہ شکار کی تعداد درج ہوا کرتی تھی۔ مصنف راحت الصدور نے خود اس رجسٹر کو دیکھا جس کا نام "شکار نامہ" تھا۔ اور یہ رجسٹر مشہور شاعر ابوطاہر خاتونی مصنف مناقب الشعراء کا لکھا ہوا تھا۔" ملک شاہ نے عمر بھر میں دس ہزار سر شکار کئے۔ جو کمال تیراندازی کی دلیل ہے۔ اور چونکہ شکار محض شوقیہ اور بلا ضرورت ہوا کرتا تھا۔ لہذا ملک شاہ نے خوف خدا سے ڈر کر یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ فی شکار ایک دینار (پانچ روپیہ) صدقہ دیا کرتا تھا۔

شکار کی یادگار تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوفہ میں سلطان کا قیام تھا کہ حج کے واسطے قافلہ روانہ ہوا۔ سلطان بھی بہ نظر حصول ثواب قافلہ کی مشایعت میں چلا اور چند منزلوں تک برابر چلا گیا۔ راستہ میں شکار بھی خوب ہوا تھا۔ لہذا سلطان نے حکم دیا کہ شکاری جانوروں کے سینگوں اور کھروں سے بطور یادگار ایک مینار بنایا جائے۔ چنانچہ واقصہ سے بڑھ کر قرعار کے نزدیک منارہ بنایا گیا۔ اور اس کا نام "منارۃ القرون" رکھا گیا۔ مصنف تاریخ آل سلجوق نے لکھا ہے کہ یہ منارہ ہمارے زمانہ میں (۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء)، موجود ہے۔ لیکن سفرنامہ ابن جبیر اور ابن بطوطہ میں بھی واقعات سفر مدینہ منورہ اور نجف اشرف میں اس منارہ کا ذکر ہے۔ لیکن ان سیاحوں کو کسی نے اس منارہ کے تاریخی حالات نہیں بتائے۔ اسی قسم کا دوسرا منارہ ترکستان میں تھا، جس کا موقعہ نہیں معلوم ہوا

مجالست علماء و شعراء سلطنت کے کاموں سے جب فرصت ملتی تو جلسہ احباب میں بیٹھتا، یا علماء

۱؎ تاریخ علم ادب فارسی پروفیسر براؤن صاحب ۲؎ تاریخ آل سلجوق میں لکھا ہے کہ سلطان کوفہ سے وادی العذیب گیا وہاں سبیعہ پہنچا پھر سبیعہ سے واقصہ گیا اور اسی جگہ مینار بنایا گیا کوفہ سے مکہ معظمہ کو جاتے ہوتے یہ سب مشہور منزلیں ہیں چنانچہ واقصہ سے کوفہ تین دن کی راہ ہے، اور یہ ایک کشادہ میدان ہے جہاں پانی کی افراط ہے۔ اور کتب جغرافیہ میں اس کا نام واقصۃ الحزون بھی ہے۔ ابن جبیر کا بیان ہے کہ اینٹوں کا منارہ ہے اور عمود کی شکل ہے۔ منارہ میں چو پہل اور ہشت پہل خاتم بندی کی ہوتی ہے۔ تمام منارہ پر ہرن کے سینگ نصب ہیں اور دور سے سیاہی دخار پشت، کی پٹھ کی طرح چمکتا ہے۔

وشعرا کا مجمع ہوتا۔ ہر ایک سے اسی کے مذاق کے مطابق گفتگو کیا کرتا۔ علماء کی سفارشات ہمیشہ منظور ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی خیال سے خلیفہ المقتدی نے ۴۸۲ھ میں شیخ ابو اسحق کو دربار میں بھیجا اور شیخ نے ابو الفتح بن الیث عمید عراق کی بہت سی شکایتیں کیں۔ چنانچہ شیخ کی مرضی کے مطابق حکم دے دیا[۱]۔ اور امام الحرمین کے ساتھ جو واقعہ گذرا، اس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہے۔

حج خانہ کعبہ ۴۷۹ھ میں[۲] بڑی شان وشوکت سے حج کے لئے روانہ ہوا۔ اور چونکہ براہ کوفہ گیا تھا لہٰذا سبعیۃ (وادی السباع) سے چل کر واقصہ میں ایک کنواں بنوایا۔ نزہت[۳] القلوب میں چاہ تودن[۴] لکھا ہے۔ یہ کنواں پندرہ گز مربع میں ہے۔ جس کا عمق چار سو گز ہے اور بالکل سنگلاخ زمین پر بنایا گیا ہے۔ اور یہی مورخ لکھتا ہے کہ زبیدہ خاتون کے بعد ملک شاہ سلجوقی نے مکہ معظمہ کے راستہ میں تالاب اور حوض بنائے تھے، تاریخ کامل وغیرہ میں لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے راستہ میں جس قدر مشکلات تھیں وہ سب ملک شاہ نے حل کردی تھیں۔ حجاج کے قیام کے واسطے سرائیں بنوائی گئیں۔ اور چاہات آب نوشی پر خاص توجہ کی گئی۔ امیر الحرمین (شریف مکہ) نے ہر حاجی پر سات دینار زر سرخ ٹکس مقرر کیا تھا۔ وہ سلطان نے موقوف کردیا۔ اور اس معاوضہ میں امیر الحرمین کو جاگیر دیدی[۵]۔

تعمیرات سلطان کو محلات، اور قلعہ جات بنانے کا بڑا شوق تھا۔ دار السلطنت اصفہان کو اعلیٰ درجہ کی عمارات سے آراستہ کردیا تھا۔ اور قلعہ تبرک اور دژکوہ اس کی یادگار ہیں سلطان نے بڑے شہروں کے گرد فصیل بھی بنوائی تھی۔ اور قدیم قلعے جو منہدم یا مرمت طلب ہوگئے تھے۔ اُن کی ہمیشہ تجدید ہوا کرتی تھی۔ جغرافیہ گنج دانش میں جابجا اس کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح باغات لگانے کا بھی شوق تھا۔ اور اصفہان کے باغات بہت مشہور ہیں۔

ملکی نظم ونسق ایک مہذب اور متمدن سلطنت کا جیسا عمدہ انتظام ہونا چاہیئے وہ موجود تھا۔ اور یہ تمام انتظامات خواجہ نظام الملک وزیر اعظم کے سپرد تھے جس کی تفصیل خواجہ کے حالات میں موجود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دیوانی عدالتیں اور سیاسی محکمے فقہاء اور قضاۃ کے ہاتھ میں تھے

---

[۱] کامل اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۴ [۲] گنج دانش صفحہ ۴۱۲ [۳] نزہت القلوب تذکرہ منازل نجف اشرف [۴] تودن ملکشاہ کا ایک مشہور غلام تھا۔ غالباً اس کی نگرانی میں یہ چاہ تیار ہوا ہوگا۔ اور اسی نسبت سے چاہ تودن مشہور ہوا [۵] روضۃ الصفا تذکرہ ملکشاہ۔

اور مالی انتظام خواجہ نظام الملک کی اولاد کے سپرد تھا۔ اور فوجی صیغہ میں عموماً ترک تھے جو سلطان کے رشتہ دار تھے یا معتبر غلام۔

خانگی زندگی

ملک شاہ کی پہلی شادی، الپ ارسلان نے اپنی حیات میں (جنگ قیصر کے بعد) کی تھی جس کی نسبت روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ خاقان اعظم نے مہد ہمایوں کا ڈولہ بڑی شان وشکوہ سے نیشاپور روانہ کیا تھا۔ اور جب دلہن داخل شہر ہوئی ہے تو تمام شہر آراستہ کیا گیا تھا ایک ہزار ترکی غلام ڈولہ کے جلو میں تھے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک نادر تحفہ ترکستان کا تھا۔ مشک، عنبر، عود، کافور کی گولیاں جلوس پر نثار کی جاتی تھیں۔ دوسرا عقد [illegible] میں ترکان[1] خاتون سے خود سلطان نے کیا تھا۔ یہ سب سے معزز اور مقتدر بیگم تھی۔ اور ملکی انتظام میں دخیل تھی۔ محمود اس کا بیٹا تھا۔ تیسرا عقد زبیدہ[2] سے ہوا تھا جو ملک شاہ کے چچا یاقوتی بن داؤد کی بیٹی تھی۔ برکیارق اس کے بطن سے تھا اور خواجہ نظام الملک، اسی کو ولیعہد سلطنت کرنا چاہتا تھا۔ اور ترکان خاتون اپنے نابالغ بیٹے محمود کو چاہتی تھی۔ یہی بنائے مخاصمت[3] تھی۔ جس نے نظام الملک کو وزارت سے معزول کرایا اور ملک شاہ کے انتقال پر یہی دونوں شاہزادے خانہ جنگی کا باعث[4] ہوئے۔ ملک شاہ نے قیصر روم "الکسس کامنی نس" کی حسینہ وجمیلہ دختر سے شادی کا پیام دیا۔ اور باج گذار قیصر اس رشتہ کو مسرت سے منظور کر لیتا۔ مگر سلطان کی قبل از وقت موت نے مشرق ومغرب کے اتحاد کو روک[5] دیا۔ لیکن مسٹر گبن تحریر کرتے ہیں کہ خود شہزادی نے اس درخواست کو نامنظور کر دیا۔ محققین کے نزدیک یہ بیان صداقت سے دور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سلطان کی موت نے نامہ وپیام کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ورنہ اس سے بڑھ کر قیصر کے لئے اور کیا عزت ہو سکتی تھی۔ ابن خلکان کی روایت سے پایا جاتا ہے کہ سلطان نے رے کی ایک مغنیہ سے بھی عقد کیا تھا۔ یہ مغنیہ گانا سنانے آئی تھی۔ مگر سلطان اس کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو گیا اور اپنی محبت کا اظہار کیا۔ مغنیہ سلطان کا منشا سمجھ کر بولی کہ حضور مجھ ایسی حسین عورت جہنم کا ایندھن بنے یہ میری غیرت تقاضا نہیں کرتی۔ اور حلال وحرام میں صرف ایک کلمہ ہی کا تو فرق ہے۔ اس برجستہ جواب پر سلطان نے عقد کر لیا۔

---

۱ دیکھو نوٹ صفحہ ۱۴۹ ۔ ترکان خاتون ۲ کامل اثیر ۳ دیکھو صفحہ ۱۴۷ - ۱۵۲ ۴ دیکھو نوٹ مندرجہ صفحہ ۱۵۱

۵ تاریخ سراسین رائٹ آنریبل سید امیر علی۔

محبت اولاد سلطان کو اپنی اولاد سے غیر معمولی محبت تھی۔ جب ملک شاہ کے فرزند داؤد کا انتقال ہوا تو فرطِ غم سے تجہیز و تکفین ملتوی کر دی۔ جب نعش متعفن ہوگئی تو امرا نے دفن کی۔ اور سلطان کو ہلاکت سے بچایا۔ جب سنجر کی ولادت ہوئی، تب سلطان کا غم غلط[1] ہوا۔

خلفاء عباسیہ سے رشتہ داری سب سے اول ۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء میں طغرل بیگ نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون کا عقد خلیفہ القائم بامر اللہ سے کیا تھا۔ اور ۴۶۴ھ/۱۰۷۱ء میں[2] الپ ارسلان نے اپنی دختر "صفری خاتون" کا عقد المقتدی بامر اللہ سے کر دیا۔ اور ۴۷۵ھ/۱۰۸۲ء میں ملک شاہ نے بھی اپنی ایک بیٹی کا عقد المقتدی سے کیا۔ یہ رشتہ داری خلفاء عباسیہ کی مذہبی عظمت اور ارادت کی بنا پر ہوئی تھی اور ملکی مصلحتیں بھی تھیں۔

منصف مزاجی معدلت گستری، اور نصفت شعاری، ملک شاہ کا خاصہ تھا۔ اور اس کا عام لقب سلطان العادل تھا۔ اس کا ہر فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا تھا۔ انصاف کے وقت، رشتہ دار اور اغیار برابر تھے، تمام مورخین نے اس واقعہ کو بہ نظر استحسان دیکھا ہے کہ سلطان کا حقیقی بھائی تکش باغی ہو کر مقابلہ کو آرہا تھا۔ اور سلطان بھی مدافعت کو جا رہا تھا کہ راستہ میں مشہد امام علی بن موسیٰ رضا آگیا۔ سلطان، نظام الملک کے ہمراہ روضہ کے اندر گیا اور فاتحہ پڑھ کر واپس ہوا اور خواجہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا دعا مانگی۔ خواجہ نے کہا کہ میں نے آپ کی فتح و نصرت کی دعا مانگی ہے۔ ملک شاہ نے کہا کہ میں نے تو یہ دعا کی ہے کہ "اگر میرا بھائی مسلمانوں پر حکومت کرنے میں مجھ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے تو خدا اس کو فتحیاب[3] کرے۔

۲۔ ایک[4] مرتبہ اصفہان کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کسی گاؤں میں قیام ہوا غلاموں نے ایک فربہ گائے کو لاوارث سمجھ کر ذبح کیا، اور کباب بنائے۔ یہ گائے ایک بیوہ عورت کی تھی۔ اور تین بچوں کی پرورش اس کے دودھ سے ہوتی تھی۔ جب اُس نے یہ حال سنا تو وہ بدحواس ہوگئی اور صبح کو زندہ رود (اصفہان کی مشہور نہر) کے پل پر آکھڑی ہوئی۔ جب سلطان سامنے آیا تو نہایت بیباکی سے بولی کہ اے الپ ارسلان کے بیٹے! "میرا انصاف نہر کے پل پر کرے گا یا پل صراط پر، جو جگہ پسند ہو انتخاب کرے۔"

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۱ [2] کامل جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۔ ۴۱ [3] شادی کے تفصیلی حالات میں دیکھو کتاب ہٰذا حصہ اول صفحہ ۱۴۲
[4] کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۳، [5] زینۃ المجالس صفحہ ۳۴۳۔

سلطان گھوڑے سے اُتر پڑا اور کہا یل صراط کی طاقت نہیں ہے میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں چنانچہ کل حال سُن کر بیوہ عورت کو ستر گائیں معاوضہ میں دیں اور جب اس نے کہا کہ میں راضی ہوں تب گھوڑے پر سوار ہوا۔

(۳) کسی امیر کے غلام نے ایک غریب حبشی سے تربوز چھین کر اپنے آقا کو نذر کیا۔ حبشی نے سلطان سے شکایت کی اور تحقیقات پر تربوز برآمد ہوا۔ سلطان نے حال پوچھا تو امیر نے کہا کہ میرے سپاہی کہیں سے لائے تھے۔ سلطان نے اُن سپاہیوں کو طلب کیا تو امیر نے عرض کیا کہ وہ کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ سلطان نے امیر کے دروغ مصلحت آمیز کو سمجھ لیا تھا، لہٰذا حبشی سے کہا کہ یہ امیر میرا غلام ہے اور میں تجھ کو تربوز کے بدلے میں انعام دیتا ہوں۔ چنانچہ امیر نے تین سو درہم (پچھتر روپیہ) دے کر حبشی کو رضامند کیا اور غلامی سے نجات پائی۔

زندہ دلی ملک شاہ ایک زندہ دل اور بامذاق سلطان تھا۔ ایک مرتبہ نیشاپور کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا، کاردلی کے سواروں سے الگ ہوکر ایک گاؤں میں جا پہنچا۔ شدت سے بھوکا تھا۔ لہٰذا کھانے کی فکر میں ایک کاشت کار کے پاس گیا جو اپنے کھیت میں ہل جوت رہا تھا۔ اور دونوں[1] میں اس طرح پر گفتگو شروع ہوئی۔

سلطان:- میں مسافر ہوں بھوک نے خستہ کر دیا ہے، تم میری دعوت کر سکتے ہو۔

کاشتکار:- ہاں جناب! میرے پاس روٹیاں تو ضرور ہیں، مگر وہ میری خوراک سے زیادہ نہیں ہیں۔

سلطان:- میں تیرا مہمان ہوں، فضول بک بک سے کوئی نتیجہ نہیں ہے۔

کاشت کار:- سبحان اللہ! فضول گو وہی ہے جو زبردستی کا مہمان ہو۔

سلطان:- میرا چاقو لے جاؤ۔ اور دو ٹکڑے روٹی کے تراش لاؤ۔

کاشتکار:- حضرت معاف کیجئے۔ یہ مرصع دستہ کا چاقو کسی باورچی کو دکھایئے وہ روٹیوں کی قیمت میں لے لے گا۔

سلطان:- میں خوشی سے چاقو دیتا ہوں اسے قبول کرو اور کھانا لاؤ۔

کاشت کار:- میری آپ کی کبھی کی جان پہچان بھی نہیں ہے۔ آپ تشریف لے جاویں میں دعوت سے

[1] ابن خلکان حالات ملک شاہ و زینۃ المجالس صفحہ ۲۵۹۔

مجبور ہوں۔

یہ جواب سن کر ملک شاہ روانہ ہوگیا۔ جب تھوڑی دور نکل گیا تو کاشت کار دوڑا اور رکاب پکڑ کر بوسہ دیا۔ اور عرض کیا کہ معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے مذاق کی عادت ہے۔ تشریف لے چلیے چنانچہ سلطان واپس آیا۔ کاشت کار نے فوراً ایک بکری ذبح کرکے کباب لگائے اور اچھی طرح سے کھانا کھلایا۔ اور اپنی باتوں سے سلطان کو خوب ہنسایا۔ اس عرصہ میں اردلی کے سوار آگئے۔ سلطان روانہ ہوا۔ اور کاشت کار ہل جوتنے لگا۔ وقت رخصت سلطان نے کہا کہ دارالسلطنت میں حاضر ہونا۔ کاشت کار نے عرض کیا کہ مہمان سے روٹیوں کی قیمت لینا میرا شعار نہیں ہے۔ سلطان کو یہ جواب پسند آیا۔ اور وہی گاؤں جس کا وہ کاشت کار تھا جاگیر میں دے دیا۔

علمی شرافت ملک شاہ کی آرزو تھی کہ شرفا کی اولاد تعلیم پائے اور ادنیٰ طبقہ کے لوگوں کو تعلیم نہ دی جائے۔ چنانچہ دو لاکھ درہم کا نذرانہ محض اس بنا پر نامنظور کر دیا۔ جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ دینور کے ایک کاشت کار نے خواجہ نظام الملک کو رضامند کرکے سلطان سے سفارش کرائی کہ اس کے بیٹے کو تعلیم کی اجازت دے دی جائے۔ سلطان خواجہ پر غضب ناک ہوا اور کہا کہ مجھے تمہاری سفید ڈاڑھی اور خدمات قدیمانہ کا ادب مانع ہو اور نہ آج تمہاری رسوائی میں کچھ شبہ نہ تھا۔ اگر میں یہ نذرانہ قبول کروں تو آئندہ زمانہ میں لوگ یہی کہیں گے کہ ملک شاہ نے رشوت لے کر نا اہلوں کو حصول علم کی اجازت دیدی۔[1]

آخری ایام ملک شاہ کی زندگی کے اخیر دو تین سال، نہایت افسردگی میں گذرے، خصوصاً موت کا سال نہایت خراب تھا۔ خواجہ نظام الملک کی معزولی، اور تاج الملک کی وزارت اسی سال میں ہوئی۔ اور دفتر انشا کے بھی قدیم عمال میں ردو بدل کیا گیا۔ چنانچہ یہ انقلاب سازگار نہ ہوا۔ سلطان کا بھی انتقال ہوا۔ اور محرم سنہ ۴۸۶ھ ۱۰۹۳ء میں تاج الملک بھی بری طرح سے قتل کیا گیا۔ فرقہ باطنیہ کا زور ہوا۔ اور خلیفہ المقتدی سے انتہائی مخالفت پیدا ہوئی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ سلطان اپنے نواسہ ابوالفضل جعفر کو ولی عہد کرنا چاہتا تھا۔ اور خلیفہ نے اپنے دوسرے بیٹے مستظہر باللہ کو ولیعہد

---

[1] دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۰۰۔ اور تاریخوں میں بھی یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

کرکے جعفر کو محروم کردیا تھا۔ چنانچہ[1] خلیفہ کی معزولی کے لئے ۲۴ رمضان ۴۸۵ھ کو سلطان بغداد آیا اور ماہ صیام کے بعد ۳ شوال ۴۸۵ھ (۶ نومبر ۱۰۹۲ء) کو شکار کے لئے روانہ ہوا۔ نہر دجیل (ما بین تکریت و بغداد) کے کنارے شکار کھیل رہا تھا۔ کہ بیمار پڑا۔ بیماری کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن گورخر شکار کیا تھا۔ اس کے کباب خوب شوق سے کھائے۔ گرانی معدہ سے بخار آگیا اور نہایت شدت ہوئی، تب بغداد آیا۔ اطباء نے فصد لی۔ مگر کوئی نفع نہ ہوا۔ اور واپسی کے دوسرے دن ۱۵ شوال ۴۸۵ھ (۱۸ نومبر ۱۰۹۲ء) کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔"

چوں برکہ ہائے دشت عرب دان تو حال خلق وقتی ز آب پُر شود و لو بستے تہی
ایں برکہ حیات مسلم، تہی شود از آب زندگانی واز فر و فرہی
دیر ست و زود مرگ نباشد ازاں گریز فرخندہ نیک نامی و خوش وقت آگہی

ترکان خاتون نے سلطان کے واقعہ موت کو چھپا دیا۔ اور نہایت خاموشی سے نعش اصفہان روانہ کردی۔ سلطان کا ذاتی اسباب، قصر خلافت میں بھیج دیا۔ اور امراء کو انعامات دے کر حکم دیا کہ شاہزادہ محمود کی جانشینی کی کوشش کی جائے۔ ملک شاہ اصفہان کے مدرسہ اعظم میں دفن کیا گیا۔ اور برکیارق و محمود میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ لیکن ترکان خاتون نے ڈر کر ملک کو دو حصوں پر تقسیم کردیا۔ مگر برکیارق کی قسمت چمکی، اور ۴۸۷ھ میں سات سال کی عمر میں محمود کا انتقال ہوگیا۔ اور برکیارق کل سلطنت کا مالک قرار پایا۔

ملک شاہ نے بیس سال تک حکمرانی کی۔ اور کچھ اوپر ۳۸ سال زندہ رہا۔ خلیفہ المقتدی[2] نے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو لاث مدرجہ صفحہ ۱۴۱ حصہ اول [2] خلفائے عباسیہ میں سے بعض کا تذکرہ نظام الملک میں ہے ایک شاعر نے تمام خلفاء کے نام نظم کردیئے ہیں لہذا وہ نظم بطور یادگار درج کی جاتی ہے۔

از بنی عباس سی و ہفت بودندے امام کز سنان و تیغ شاں شد سینۂ اعدا فگار
بود سفاح[1] انگہے منصور[2] و مہدی[3] و عقب ہادی[4] و ہارون[5]، امین[6] مامون[7] امام کامگار
معتصم[8]، انگاہ واثق[9] بعد از و متوکل[10] است منتصر[11] پس، مستعین[12] بود ست معتز[13] پختہ کار
مہتدی[14] و معتمد[15] پس معتضد[16]، پس مکتفی[17] مقتدر[18] پس قاہر[19] و راضی[20] امام ۷ مگار
متقی[21]، مستکفی[22] وانگہ مطیع[23] و طائع[24] است قادر[25] و قائم[26]، پس از وے مقتدی[27] شد آشکار

نے اظہار ماتم نہیں کیا۔ اور نہ کوئی رسم تعزیت عمل میں آئی۔ لیکن باستثناء بغداد اور تمام ملک نے ملک شاہ کا ماتم کیا۔ اور عرصہ تک مدارس و مساجد میں ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوتی رہی۔ اور شعراء نے دل گداز مرثیے لکھے ؎

وزیدی اے صبا برہم زدے گلہائے رعنارا　　شکستی ناں میاں شاخِ گلِ نورستۂ مارا

ملک شاہ کے انتقال پر دولت سلجوقیہ حسب ذیل طبقات پر تقسیم تھی۔

نام طبقہ	ایام سلطنت یوم ماہ سال	تعداد حکمران	ابتداء و انتہا	مختصر کیفیت
طبقہ عراق	۱۵-۹-۱۶۱	۱۴	۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء لغایۃ ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء	یہ طبقہ سلاجقہ اعظم کہلاتا تھا جس پر ملک شاہ کے بعد برکیارق حکمران ہوا۔
طبقہ کرمان	۰-۰-۱۵۰	۹	۴۳۳ھ/۱۰۴۱ء لغایۃ ۵۸۳ھ/۱۱۸۷ء	عماد الدین قرا ارسلان قاورد بیک بن جغری بیگ داؤد اس کا بانی تھا۔
طبقہ روم	۰-۰-۲۳۲	۱۴	۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء لغایۃ ۷۰۰ھ/۱۳۰۲ء	یہ سلطنت ایشائے کوچک میں قتلمش بن اسرائیل بن سلجوق اعظم نے قائم کی تھی۔

ان شاخوں کے علاوہ شام میں تتش بن الپ ارسلان اور کردستان میں مغیث الدین محمود حکمران تھا۔ مگر یہ حکمران درجہ اول کے جاگیرداروں میں داخل تھے۔ اور حقیقت میں سلاجقہ اعظم کے ماتحت تھے۔ ہر شاخ اپنی مستقل تاریخ رکھتی ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تاریخ آل سلجوق میں ہوگی۔

بقیہ صفحہ ۵۵۰:

بعد از مستظہر و مسترشد ست و راشد است　　مقتفی، مستنجد انکش شہر گردوں شد شکار
مستضی و ناصر و ظاہر دگر مستنصر ست　　وآخریں توم مستعصم، بحکم کامگار

خاتمہ

اے خدا! تیرا شکر و احسان ہے کہ برسوں کی آرزو آج پوری ہوئی اور قلم کے مسافر کو خانۂ قلمدان میں دم لینے کا موقعہ ملا۔ میری ذات کے لئے یہ ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ لیکن ناظرین البرامکہ سے عفو قصور کا طالب ہوں، جن کو "نظام الملک" کا غیر معمولی انتظار کرنا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ دسمبر ۱۹۰۷ء تک چار سو صفحات چھپ کر مسودہ کتاب ختم ہوگیا تھا۔ اور اسی زمانے میں ریاست بھوپال کے ایک بڑے پرگنہ کی تحصیل داری پر میرا تقرر ہوا۔ چنانچہ عامل پرگنہ ہوکر تاریخ اسلام کی جگہ کاغذات پٹواری، وصول مال گذاری اور فیصلہ مقدمات (مال، فوجداری، دیوانی) سے کام پڑا۔ تاہم راتوں کو جاگ کر یہ کتاب ختم کی گئی۔ اور ان دنوں تاریخ آل سلجوق، حیات رشید اعظم (ہارون الرشید عباسی) اور ایک قدیم سفرنامہ (اصل معہ ترجمہ و حواشی) کی ترتیب و تالیف میں مصروف ہوں۔ خاتمہ اس دعا پر ہے کہ ارحم الراحمین نظام الملک کی عمر میں برکت دے۔ اور میری اس خدمت کو قبول کرے، آمین!

یوم دوشنبہ، ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ
مطابق ۲۳ جنوری ۱۹۱۰ء و ۲
اسفندار ۱۳۳۰ جلالی ملک شاہی
قلعہ بیگم گنج (سیواس) بھوپال (سنٹرل انڈیا)

خاکسار
محمد عبدالرزاق ابن منشی الٰہی بخش
صاحب مرحوم رمال و منجم ہند کانپوری

فہرست کتب جن سے کتاب نظام الملک طوسی ماخوذ ہے

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱	سیر الملوک (سیاست نامہ)	خواجہ نظام الملک طوسی متوفی سنہ ۴۸۵ھ مطبوعہ پیرس دار السلطنت فرانس سنہ ۱۸۹۶ء
۲	دستور الوزراء (وصایا)	خواجہ نظام الملک طوسی۔ نسخۂ قلمی عہد قدیم
۳	احکام السلطانیہ والولایات الدینیہ	امام ابوالحسن علی ماوردی متوفی سنہ ۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۸ھ
۴	عقد الفرید (اخلاق)	وزیر ملک سعید متوفی سنہ ۶۵۲ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۱ھ
۵	آثار الاول فی ترتیب الدول	حسن بن عبداللہ عباسی متوفی سنہ ۷۰۸ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۵ھ
۶	معید النعم ومبید النقم	تاج الدین عبدالوہاب سبکی مطبوعہ مصر
۷	سلوک المالک فی تدبیر الممالک	شہاب الدین احمد مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۶ھ
۸	فتوح البلدان	امام ابوالعباس احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی بلاذری متوفی سنہ ۲۷۹ھ / ۸۹۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۹ھ
۹	سراج الملوک	ابوبکر محمد طرطوشی مالکی اندلسی متوفی سنہ ۵۲۰ھ / ۱۱۲۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۶ھ
۱۰	تاریخ السلجوقیین فی العراق	امام عماد الدین محمد بن محمد بن حامد اصفہانی متوفی سنہ ۵۹۷ھ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ھ
۱۱	الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ	محمد بن علی بن طباطبا المعروف بہ ابن الطقطقی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۷ھ
۱۲	المعارف	ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کاتب دینوری متوفی سنہ ۲۷۶ھ / ۸۸۹ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۰ھ
۱۳	مروج الذہب ومعادن الجوہر	قطب الدین ابوالحسن علی بن حسین مسعودی متوفی سنہ ۳۴۶ھ / ۹۵۷ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ء
۱۴	تاریخ ملوک الارض	حمزہ بن الحسن اصفہانی (چوتھی صدی ہجری) مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۶۶ء
۱۵	کامل	ابوالحسن علی المعروف بابن الاثیر جزری جزری متوفی سنہ ۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۳ھ
۱۶	کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین	شہاب الدین مقدسی شافعی المعروف بابن شامہ متوفی سنہ ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۸۷ھ
		علامہ غری غوریوس ابوالفرج بن ہارون الطبیب

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۷	مختصر الدول	الملطی معروف بابن العبری متوفی ۶۸۵ھ مطبوعہ بیروت ۱۸۹۰ء
۱۸	ابن خلدون	ولی الدین ابو زید عبد الرحمن بن محمد بن خلدون مغربی متوفی ۸۰۸ھ مطبوعہ مصر ۱۲۸۴ھ
۱۹	کتاب المواعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والآثار	علامہ تقی الدین احمد بن علی بن عبد القادر بن محمد المعروف بالمقریزی متوفی ۸۴۵ھ مطبوعہ مصر ۱۲۷۰ھ
۲۰	الاعلام بیت اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد حنفی نہروالی دسویں صدی ہجری مطبوعہ مصر ۱۳۰۳ھ
۲۱	تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ
۲۲	حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ	" " " " ۱۳۲۱ھ
۲۳	تاریخ الحکماء	شہرزوری قلمی۔ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔
۲۴	اخبار العلماء باخبار الحکماء	وزیر جمال الدین قفطی۔ مطبوعہ مصر ۱۳۲۶ھ
۲۵	ابو الفدا	سلطان ملک المؤید عماد الدین اسمٰعیل مطبوعہ مصر ۱۲۸۶ھ
۲۶	دول الاسلامیہ	سید احمد بن زینی دحلان متوفی ۱۳۰۴ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ھ
۲۷	فتوحات الاسلامیہ	سید احمد بن زینی دحلان متوفی ۱۳۰۴ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ
۲۸	بلوغ الارب فی احوال العرب	آلوسی زادہ سید محمود شکری آفندی بغداد ۱۳۱۴ھ
۲۹	صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب	نوفل آفندی۔ طرابلسی مطبوعہ بیروت
۳۰	الوافی فی المسألۃ الشرقیہ (جلد اول)	امین بن ابراہیم شمیل۔ لبنانی (۱۸۹۶ء تک بقید حیات تھا) مطبوعہ اسکندریہ ۱۲۹۶ھ
۳۱	الخطط التوفیقیہ	علی پاشا مبارک متوفی ۱۳۱۱ھ مطبوعہ مصر ۱۳۰۵ھ یہ کتاب مقریزی کا ذیل ہے۔
۳۲	اخبار الدول والآثار الاول	ابو العباس بن احمد قرمانی مطبوعہ بغداد ۱۲۸۲ھ
۳۳	آثار الادھار (تراجم)	سلیم جبرئیل خوری۔ مطبوعہ بیروت ۱۸۷۵ء
۳۴	مقدمہ ابن خلدون	بشرح نمبر ۱۸
۳۵	کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون	کاتب چلپی مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۱۱ھ
۳۶	اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع	ایڈورڈ بن کرنیلیوس فانڈیک مطبوعہ الہلال مصر ۱۳۱۳ھ ۱۸۹۶ء
		ابو الفتح محمد بن عبد الکریم شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۳۷	ملل ونحل	مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۴ھ
۳۸	الفصل فی الملل	امام ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الظاہری متوفی ۴۵۶ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ
۳۹	دیباچہ تاریخ آل سلجوق	ایم ہاؤتسما۔ ایک فرنچ عالم ہے جس نے تاریخ آل سلجوق اصفہانی کو اپنے اہتمام سے بمقام لنڈن چھپایا ہے۔ اس نے اصل کتاب پر یہ دیباچہ لکھا ہے۔
۴۰	گبن امپائر (عہد اسلام)	مطبوعہ لندن ۱۹۰۰ء
۴۱	خلافت بغداد	ٹی۔ اسٹرینج۔ مطبوعہ لندن۔
۴۲	لٹریری ہسٹری آف پرشیا	پروفیسر ای۔ جی۔ براؤن مطبوعہ لندن ۱۹۰۶ء
۴۳	شاہنامہ	فردوسی طوسی۔ مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۶ھ
۴۴	المعجم	فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان ۱۲۷۹ھ
۴۵	وصاف	شرف الدین عبد اللہ بن فضل اللہ شیرازی مطبوعہ اصفہان
۴۶	صور الاقالیم (تاریخ خراسان)	ابو زید احمد بن سہل بلخی۔ قلمی۔
۴۷	جامع التواریخ رشیدی	فضل اللہ بن ابو الخیر رشیدی مطبوعہ پیرس ۱۸۴۲ء
۴۸	روضۃ الصفا	میر خوند مورخ۔ مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۱ھ جلد چہارم
۴۹	تاریخ بیہقی	ابو الفضل بیہقی۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۲ء
۵۰	طبقات ناصری	منہاج الدین سراج مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۴ء
۵۱	نگارستان	قاضی احمد بن محمد دہستانی مطبوعہ بمبئی ۱۲۷۵ھ
۵۲	آئین اکبری	علامہ ابو الفضل مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ جس کو آنریبل سر سید احمد خاں بہادر مرحوم نے اپنی اڈیٹری سے شائع کیا تھا۔
۵۳	ہفت اقلیم (تذکرہ)	امین رازی لکھنؤ
۵۴	نامہ خسرواں	جلال الدین مرزا مطبوعہ بمبئی
۵۵	زینت المجالس	مجد الدین محمد حسین مجدی۔ مطبوعہ اصفہان ۱۳۱۳ھ
۵۶	ناسخ التواریخ	لسان الملک مرزا محمد تقی سپہر متوفی طہران ۱۳۰۶ھ
۵۷	کسریٰ نامہ	مطبوعہ کلکتہ ۱۳۲۱ھ
۵۸	تاریخ ہند	جان مارشمن مترجمہ مولوی عبد الرحیم صاحب گورکھپوری مطبوعہ کلکتہ۔

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۵۹	تاریخ ایران	سرجان ملکم۔ مطبوعہ بمبئی
۶۰	فارس نامہ ناصری	حاجی مرزا حسن شیرازی مطبوعہ اصفہان ۱۳۱۳ھ
۶۱	جامع التواریخ	مولوی فقیر محمد مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۶ء
۶۲	قلائد الجواہر فی احوال الجواہر	ملا محمد عباس شروانی مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۱ھ
۶۳	دبستان مذاہب اردوستانی	مطبوعہ کلکتہ ۱۸۰۹ء (ذوالفقار)
۶۴	دعوت اسلام	ٹی ڈبلیو آرنالڈ صاحب سابق پروفیسر مدرسۃ العلوم علی گڑھ۔ ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۱۸۹۹ء
۶۵	تاریخ ہند (عہد اسلام)	آنریبل الفنسٹن صاحب مطبوعہ سوسائٹی علی گڑھ ۱۸۶۷ء
۶۶	تمدن عرب	مترجمہ شمس العلماء سید علی بلگرامی مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ ۱۸۹۹ء
۶۷	معجم البلدان	امام شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت الحموی متوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء مطبوعہ مصر ۱۳۲۳ھ
۶۸	تقویم البلدان	سلطان ملک المؤید عماد الدین اسمٰعیل بن ملک الافضل نور الدین علی صاحب حماۃ المعروف با بوالفداء دمشقی متوفی ۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء
۶۹	مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع	امام شہاب الدین ابو عبداللہ یاقوت الحموی مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ
۷۰	خریدۃ العجائب وفریدۃ الغرائب	عمر بن الوردی الملقب بہ زین الدین متوفی ۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء مطبوعہ مصر ۱۲۹۲ھ
۷۱	المراۃ الوضیۃ فی الکرۃ الارضیۃ	کرنیلیوس فانڈیک امریکانی متوفی ۱۸۹۵ء مطبوعہ بمبئی
۷۲	نزہت القلوب (تاریخ)	حمد اللہ مستوفی قزوینی مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۱ھ
۷۳	گنج دانش	محمد تقی خاں حکیم مطبوعہ اصفہان ۱۳۰۵ھ
۷۴	جام جم	شاہزادہ فرہاد میرزا مطبوعہ اصفہان ۱۲۷۲ھ
۷۵	مرآۃ البلدان ناصری	صنیع الدولہ محمد حسن خاں مطبوعہ طہران ۱۲۹۴ھ
۷۶	ہسٹوریکل ہینڈ اٹلس	مرتبہ ڈاکٹر رچرڈ اینڈری جرمنی مطبوعہ جرمن ۱۸۸۶ء
۷۷	سفر نامہ ناصر خسرو	حکیم ناصر خسرو علوی بلخی متوفی ۴۸۱ھ مطبوعہ دہلی ۱۸۸۲ء
۷۸	رحلہ محمد بن جبیر اندلسی	ابوالحسن محمد بن احمد جبیر متوفی ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء مترجمہ حافظ احمد علی شوق۔ مہتمم کتب خانہ ریاست رامپور
۷۹	تحفۃ النظار فی غرائب الامصار مشہور برحلہ ابن بطوطہ	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الملقب بشمس الدین ابن بطوطہ طنجی متوفی ۷۷۹ھ/۱۳۷۷ء مطبوعہ مصر ۱۳۲۲ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۸۰	آثار العجم	میرزا محمد نصیر فرصت شیرازی مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۲۳ھ
۸۱	سفرنامہ ہند قیصر ولیمری	مترجمہ دفتر پیسہ اخبار لاہور سنہ ۱۹۰۳ء
۸۲	خیابان فارس	ترجمہ سفرنامہ نواب لارڈ کرزن بہادر سابق والیسرائے ہند مترجمہ مولوی ظفر علی خاں بی۔ اے اڈیٹر دکن ریویو مطبوعہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۰۱ء
۸۳	وفیات الاعیان	قاضی ابوالعباس احمد بن خلکان برمکی متوفی سنہ ۶۸۱ھ / ۱۲۸۲ء
۸۴	فوات الوفیات	صلاح الدین محمد شاکر حلبی متوفی سنہ ۷۶۴ھ / ۱۳۶۲ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ
۸۵	طبقات الشافعیۃ الکبریٰ	قاضی تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۲۴ھ
۸۶	عیون الانباء فی طبقات الاطباء	موفق الدین بن ابی اصیبعہ متوفی سنہ ۶۶۸ھ / ۱۲۶۹ء مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ
۸۷	کتاب الاتحاف بحب الاشراف	شیخ عبداللہ شبراوی متوفی سنہ ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۸ء مصر سنہ ۱۳۱۶ھ
۸۸	الدر المنثور فی طبقات ربات الخدور	مصنفہ سیدہ زینب مصری مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۲ھ
۸۹	وہیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر	سید محمد مرتضیٰ خاں صاحب نبیرۂ والاجاہ نواب صدیق حسن خاں بہادر مرحوم
۹۰	تذکرۃ الائمہ	ملا محمد باقر۔ قلمی سنہ ۱۰۹۶ھ
۹۱	آثار الوزراء	حاجی سیف الدین عقیلی قلمی۔ موجودہ پبلک اورینٹل لائبریری پٹنہ۔
۹۲	دولت شاہ سمرقندی	مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۵ھ
۹۳	آتشکدہ	حاجی لطف علی بیگ آذر مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۷ھ
۹۴	تذکرۃ الاولیا	مولانا فریدالدین عطارؒ مطبوعہ لاہور سنہ ۱۸۹۱ء
۹۵	نفحات الانس	مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ مطبوعہ کلکتہ سنہ ۱۸۵۸ء
۹۶	مرآۃ الخیال	شیر خاں لودی۔ کلکتہ
۹۷	مجمع الفصحاء	ہدایت۔ طہران۔ سنہ ۱۲۹۵ھ
۹۸	نامہ دانشوران ناصری	مرزا ابوالفضل ساوجی، مرزا حسن طالقانی، ملا عبدالوہاب قزوینی، ملا محمد مہدی۔ طہران سنہ ۱۲۹۶ھ
۹۹	سلسلۃ الذہب	مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ قلمی
۱۰۰	کشف المحجوب	مولانا علی بن عثمان ہجویری مطبوعہ لاہور
۱۰۱	تہذیب الاخلاق	ابن مسکویہ۔ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۱۸ھ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف
۱۰۲	کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ	راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ مصر ۱۳۲۴ھ
۱۰۳	التبر المسبوک فی نصائح الملوک	امام غزالی۔ مطبوعہ مصر ۱۳۱۷ھ
۱۰۴	اخلاق جلالی	ملا جلال الدین محقق دوانی مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۶۳ء
۱۰۵	منتخبات سعید	حافظ محمد سعید۔ مطبوعہ قدیم لکھنؤ
۱۰۶	عقد الفرید	ابن عبد ربہ اندلسی متوفی ۳۲۸ھ مصر ۱۳۰۵ھ
۱۰۷	ادب الدنیا والدین	ابو الحسن الماوردی متوفی ۴۵۰ھ مطبوعہ مصر ۱۳۱۵ھ
۱۰۸	الصادح والباغم	سید شریف نظام الدین ہباری متوفی ۵۰۴ھ مطبوعہ بیروت ۱۸۸۶ء
۱۰۹	المستطرف فی کل فن مستظرف	شہاب الدین احمد متوفی ۸۵۰ھ مصر ۱۳۰۸ھ
۱۱۰	کشکول	شیخ محمد بہاء الدین بن حسین عاملی متوفی ۱۰۳۱ھ
۱۱۱	کتاب المخلاۃ	۔۔۔۔۔۔ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ
۱۱۲	چہار مقالہ (طبعیات)	نظامی عروضی سمرقندی مطبوعہ طہران ۱۳۰۵ھ
۱۱۳	رباعیات عمر خیام	مرتبہ پروفیسر راس، ہیرن ایلین۔ لندن ونسخہ جات مطبوعہ بمبئی وکلکتہ۔
۱۱۴	تحفۃ العراقین	خاقانی۔ مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۵ء
۱۱۵	دیوان لامعی	حکیم لامعی جرجانی مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۶ھ
۱۱۶	کشاف اصطلاحات الفنون	شیخ محمد علی تھانوی (۱۱۵۸ھ)، ایشیاٹک سائٹی بنگال کلکتہ ۱۸۶۲ء
۱۱۷	دائرۃ المعارف	پطرس۔ بستانی متوفی ۱۸۸۳ء مطبوعہ بیروت ۱۸۷۶ء مختلف جلدیں۔
۱۱۸	انسائیکلوپیڈیا برطانیکا	مطبوعہ لندن ۱۹۰۰ء
۱۱۹	انسائیکلوپیڈیا پاپولر	لندن ۱۹۰۳ء
۱۲۰	فرہنگ انجمن آرائے ناصری	مطبوعہ طہران ۱۲۸۸ھ
۱۲۱	فضائل الانام	مجموعہ خطوط امام غزالیؒ مطبوعہ آگرہ ۱۳۱۰ھ
۱۲۲	شواہد النفیسہ فی اثبات الکبیسہ	مطبوعہ بمبئی ۱۸۲۷ء
۱۲۳	التوفیقات الالہامیہ	محمد مختار پاشا مطبوعہ مصر ۱۳۱۱ھ
۱۲۴	تقویم ابو الضیاء	مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۲۰ھ ماخذ تصویر سلطان ملک شاہ۔
۱۲۵	متفرقات	اخبارات، علمی رسائل۔ اس کے علاوہ دیگر کتابوں کے بھی نام ملیں گے جو فہرست ہٰذا میں درج نہیں ہیں۔

اسلامی اور تاریخی کتابیں

تاریخ اسلام مکمل تین حصوں میں ۔ مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔

پہلا حصہ عہد رسالت مآب سے لے کر خلافت راشدہ تک صفحات ۵۹۲

دوسرا حصہ ۔ عہد بنی امیہ سے لے کر خلافت بنی عباس مصر تک صفحات ۶۷۲

تیسرا حصہ ۔ بنو امیہ اندلس، دولت صفاریہ ۔ سلجوقیہ عثمانیہ اور مغولانان چنگیزی اور خوارزم شاہیہ تک صفحات ۷۰۰ ۔ بڑا سائز ۔ مجلد ۔ قیمت فی حصہ بارہ روپیہ ۔ مکمل چھتیس روپیہ۔

البرامکہ مصنفہ مولانا عبدالرزاق کانپوری

عالم اسلام کے نامور وزرا ۔ خالد برمکی، یحییٰ برمکی اور جعفر برمکی کے عروج و زوال کی عبرت انگیز داستان۔

بڑا سائز ۔ مجلد صفحات ۵۰۰ قیمت بارہ روپیہ ۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ۔ مصنفہ علامہ مناظر احسن گیلانی

ایک عظیم الشان فقیہ، ایک عدیم النظیر متکلم ۔ ایک محیر العقول مصنف، ایک بے باک سیاست داں کے تاج و تخت سے لے کر جیل کی دیواروں تک کے حالات زندگی اور مولانا کا گوہر بار قلم ۔

بڑا سائز مجلد صفحات ۵۶۰ ۔ قیمت بارہ روپیہ ۔

شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب ۔ مصنفہ ڈاکٹر فرانسس برنیئر ۔ ترجمہ خلیفہ محمد حسین

۱۶۵۶ء سے لے کر ۱۶۶۸ء تک عہد اورنگ زیب کے بارہ سالہ حالات کا عظیم الشان سفرنامہ۔ داراشکوہ ۔ شجاع اور مراد کی جنگوں کے چشم دید حالات ۔ غرض یہ ایک مستند سیاسی و تاریخی دستاویز بھی ہے ۔ اور صحیفہ عبرت بھی ۔ بڑا سائز ۔ مجلد ۔ صفحات ۶۱۲ قیمت بارہ روپے

آئینہ حقیقت نما ۔ مصنفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ہندو اور مغربی مورخین گذشتہ دو صدی سے تعصب کے زہر میں بجھے ہوئے قلم سے لکھ کر ہندوستان کے مسلم فاتحین کے حالات کو مکروہ انداز میں پیش کر رہے تھے ۔ مولانا مرحوم کے محققانہ قلم نے مسلمان حکمرانوں کے صحیح اور مستند حالات مرتب کر کے پیش کیے ہیں ۔ جن کو پڑھ کر آپ کی تاریخی معلومات میں حیرت انگیز

اضافہ ہوگا۔ بڑا سائز۔ مجلد صفحات ... قیمت ... روپے۔

صحابیات۔ مصنفہ نیاز فتح پوری

رسول اللہ صلعم کے ازواج مطہرات بنات صحابیات اور جلیل القدر خواتین اسلام کے حالات زندگی، جن کی روحانی عظمت، جن کی شجاعت و دیانت، جن کی اخلاقی بلندی و اخلاص، جن کی ہمدردی و فیاضی، جن کا زہد و تقویٰ اور جن کی علمی خدمات آج بھی روز روشن کی طرح نمایاں ہیں، اور جن کی قابل تقلید زندگی ہر دختر اسلام کے لئے شمع ہدایت ہے۔

بڑی سائز مجلد، صفحات ۲۷۲، قیمت چھ روپے

کتاب زندگی۔ مصنفہ حضرت امام بخاریؒ۔ مترجمہ عبدالقدوس ہاشمی۔

یہ عظیم کتاب حضرت امام بخاریؒ کی اپنی روایت کردہ اخلاقی احادیث و آثار کا وہ بیش بہا مجموعہ ہے جسے صحیح معنوں میں کتاب زندگی کہنا چاہیے۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں پیغمبر اسلام کی ہدایات نمایاں دکھائی دیتی ہیں اور آپ کو اس کتاب میں وہ مقدس گروہ نظر آتا ہے جس نے عرب کے ریگستانوں سے اٹھ کر سارے جہان کو انسانیت کا درس دیا تھا۔

اس لادینی اور اخلاقی بے راہ روی کے زمانہ میں اس کتاب کا مطالعہ ذہنی تربیت اور عادات و اخلاق کی اصلاح کا موجب ہوگا۔ ہر مرد اور عورت کے لئے اس اہم کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔

بڑی سائز مجلد، صفحات ۲۷۲۔ قیمت آٹھ روپے

سفینۃ الاولیاء مصنفہ شہزادہ دارا شکوہ

مشاہیر اولیاء کرام کا روح پرور تذکرہ اس اہم کتاب کا مطالعہ جہاں تاریخ کا مطالعہ ہے۔ وہاں روح کی تسکین اور سکون قلب کا موجب ہے۔ بڑی سائز۔ مجلد صفحات ۲۷۲ قیمت چھ روپے بارہ آنے

زیر طبع کتابیں سفر نامہ ابن بطوطہ آثر عالمگیری۔ عالمگیر نامہ۔ تاریخ ابن خلدون۔ تذکرہ حضرت امام ابن تیمیہ۔ حضرت علی تاریخ کی روشنی میں۔ حضرت امیر معاویہ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔

ملنے کا پتہ

چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری مالک نفیس اکیڈمی

سٹریچن روڈ۔ کراچی ۳